امام الدنیا، امیر المومنین فی الحدیث، راس المحدثین استاذ الحفاظ،
ابو عبد اللہ محمد بن اسمٰعیل بخاری قدس سرہ الباری
کی تالیف، صحیح البخاری کا سلیس اردو ترجمہ اور مکمل شرح
فیوض الباری
فی شرح
صحیح البخاری
حصہ دوم
علامہ سید محمود احمد رضوی

وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا

احادیثِ نبویہ کا محبوب و مقبول ذخیرہ قرآن کے بعد سب سے صحیح کتاب
امام الدنیا امیر المؤمنین فی الحدیث رأس المحدثین استاذ الحفاظ ابو عبد اللہ محمد بن اسمٰعیل بخاری
قدس سرہ الباری کی تالیف صحیح البخاری کا سلیس اردو ترجمہ اور مکمل شرح

فیوض الباری

فی شرح

صحیح البخاری

حصہ دوم

علامہ سید محمود احمد رضوی

ناشر: مکتبہ رضوان، داتا دربار روڈ، لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الذی لم یتخذ ولدا ولم یکن لہ شریک فی الملک وخلق کل شیء
فقدرہ تقدیرا والصلٰوۃ والسلام علی النبی الامی المرسل کافۃ للناس بشیرا و
نذیرا وداعیا الی اللہ باذنہ وسراجا منیرا وعلی الہ وصحبہ تسلیما کثیرا کثیرا

اما بعد

ابتدائیہ

بخاری شریف پارہ اول کی تفہیم و ترجمانی کی تکمیل کے بعد اب پارہ دوم شروع ہو رہا ہے۔ اس کا انداز تفہیم بھی وہی ہے جو پارہ اول کے لئے اختیار کیا گیا تھا ——— الحمد للہ پارہ اول نظر ثانی اور مکمل ترمیم و اضافہ کے ساتھ عمدہ کاغذ پر کتابت و طباعت کی وسعت کے اپنی ... کے ساتھ شائع ہو گیا ہے۔ مجھے اپنی کم علمی اور بے بضاعتی کا پورا پورا احساس ہے۔ اس لئے اوراق میں احادیث بخاری کی جو تفہیم و ترجمانی کی گئی ہے۔ وہ حرف آخر نہیں ہے۔ اہل علم حضرات کی خدمت میں اپنی پہلی گزارش کو پھر دہراتا ہوں۔ اور ملتمس ہوں کہ جہاں کہیں لغزش قلم پائیں مجھے مطلع فرمائیں۔ تاکہ دوسرے ایڈیشن میں اس کی تلافی کر سکوں۔ حسبی اللہ ونعم الوکیل نعم المولیٰ ونعم النصیر

مختصر فہرست مضامین فیوض الباری شرح صحیح البخاری پارہ دوم

حسب فرمائش: صاحبزادہ سید فواد اشرف رضوی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

كِتَابُ الْغُسْلِ

وضو جو طہارت صغریٰ ہے جب اس کے احکام و مسائل بیان ہو چکے تو اب طہارت کبریٰ (غسل) کے مسائل و احکام و متعلقات کو بیان کیا جاتا ہے۔ ——— غسل کے معنی بدن پر پانی ڈالنے اور گدگدانے کے ہیں۔ فقہائے محدثین و اہل شریعت کے پیش نظر غسل جنابت کے لئے ضروری قرار دیا کہ بدن کے ہر حصہ پر پانی بہ جائے اور بدن کا کوئی حصہ بھی خشک نہ رہے ——— امام بخاری علیہ الرحمۃ کی عادت کریمہ یہ ہے کہ عنوان کے مناسب کتاب مجید کی آیات لکھ دیتے ہیں۔ اس عنوان کا افتتاح بھی انہوں نے دو آیتوں سے کیا ہے جس سے مقصود یہ بتانا ہے کہ جنبی پر غسل کرنا کتاب مجید کی رو سے واجب ہے۔

وَقَوْلُ اللّٰهِ تَعَالٰى (١) وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا (٢) لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِىْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا

(بخاری)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے (۱) اگر تم جنب ہو تو خوب پاک ہو جاؤ (۲) اور اے ایمان والو نشہ کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ یہاں تک کہ سمجھنے لگو جو کہتے ہو اور نہ حالت جنابت میں جب تک کہ غسل نہ کر لو اگر سفر میں پانی نہ ملے تو غسل کا عوض تیمم ہے۔

فوائد و مسائل (۱) جنابۃ کے لغوی معنی بُعد ——— دوری کے ہیں۔ کیونکہ آدمی اس حالت میں نماز سے دور ہو جاتا ہے اس لئے اس کو جنب کہا گیا (۲) جنب کا اطلاق مرد و عورت دونوں پر آتا ہے خواہ وہ ایک ہوں یا دو یا تین (۳) فاطہروا اصل تطہروا تھا۔ اس کے معنی خوب پاک و صاف ہو لئے کے ہیں۔ غسل کے متعلق مزید تفصیلات آئندہ صفحات میں آ رہی ہیں۔

بَابُ الْوُضُوْءِ قَبْلَ الْغُسْلِ

باب غسل سے پہلے وضو کرنے کے بیان میں

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ غسل فرض سے پہلے وضو کرنا واجب ہے یا مستحب یا سنت۔ بعض لوگ استحباب کی طرف گئے ہیں، کسی نے واجب قرار دیا۔ احناف کے نزدیک فرض غسل سے پہلے وضو کر لینا سنت ہے۔ سنت اس لئے کہ حضور علیہ السلام ایسا کرتے تھے۔

عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ بَدَاَ فَغَسَلَ يَدَيْهِ ثُمَّ يَتَوَضَّأُ كَمَا يَتَوَضَّأُ لِلصَّلٰوةِ ثُمَّ يُدْخِلُ اَصَابِعَهُ فِى الْمَاءِ فَيُخَلِّلُ بِهَا اُصُوْلَ الشَّعْرِ ثُمَّ يَصُبُّ عَلٰى رَأْسِهِ ثَلٰثَ غُرَفٍ بِيَدَيْهِ ثُمَّ يُفِيْضُ الْمَاءَ عَلٰى جِلْدِهِ كُلِّهِ

حضرت عائشہ زوجہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب غسل جنابت کا ارادہ فرماتے۔ تو پہلے اپنے دونوں ہاتھ دھوتے۔ پھر نماز کی طرح کا وضو فرماتے۔ پھر اپنی انگلیاں پانی میں ڈال کر بالوں کی جڑوں کا خلال فرماتے۔ پھر دونوں ہاتھوں سے پانی کے تین چلو لے کر سر پر ڈالتے پھر اپنے سارے بدن پر پانی بہاتے۔

کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن اگر آپ ایمان و دیانت کے ساتھ تعصب اور ہٹ دھرمی سے علیحدہ ہو کر اس مشورہ پر غور کریں تو اس میں آپ کو بھی کوئی قابلِ اعتراض چیز نظر نہ آئے گی۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ أَغْتَسِلُ أَنَا وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ مِنْ قَدَحٍ يُقَالُ لَهُ الْفَرَقُ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ کہ میں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی برتن سے نہا لیتے تھے۔ (بخاری)

مسائل حدیث فرق: ابو عبید نے فرمایا فرق سولہ رطل کا ہوتا ہے۔ حضرت سفیان بن عیینہ نے فرمایا فرق تین صاع کا ہوتا ہے جیسا کہ امام نووی نے فرمایا جمہور کا یہی قول ہے۔ امام لغت جوہری نے کہا کہ فرق ایک پیمانہ ہے جو مدینہ میں مشہور و معروف ہے اور سولہ رطل کا ہوتا ہے (فتح ج ۱ ص ۱) اس حساب سے فرق ساڑھے سیر کا ہوتا ہے۔ فتح الباری پارہ اول میں اس مسئلہ پر تفصیلی گفتگو ہو چکی ہے کہ وضو و غسل کے لئے پانی کی کوئی مقدار معین نہیں ہے۔ اتنے پانی سے وضو و غسل کر لینا چاہئے۔ جس سے وضو و غسل مستحب طریقہ پر ادا ہو جائے (دیکھو فتح الباری جلد اول ص ۲۳۴)

وضو نا بوا صد میں پہلا من ابتدائیہ ہے دوسرا بیانیہ ہے۔ علامہ کرمانی نے فرمایا کہ اولیٰ یہ ہے کہ قدح کو اناء سے بدل قرار دیا جائے۔ اس سے عورت مرد کا ایک ہی برتن سے غسل جنابت کرنے کا جواز ثابت ہوتا، اسی طرح وضو بھی ایک ہی برتن سے کریں تو جائز ہے۔ رہی وہ حدیث جس میں فضل طہارۃ سے غسل کرنے کی ممانعت آئی ہے۔ علامہ خطابی نے کہا ہے اس حدیث کا اہل معرفت کے اں درجہ ثابت نہیں اور اگر ثابت بھی ہو جائے تو یہ منسوخ ہے (فتح ج ۲ ص ۱) دو جنبی یا حائضہ کے غسل کرنے سے جو پانی برتن میں باقی رہ جائے اس کی طہارت بھی اس حدیث سے ثابت ہوگئی۔

بَابُ الْغُسْلِ بِالصَّاعِ وَنَحْوِهٖ

قَالَ سَمِعْتُ أَبَا سَلَمَةَ يَقُوْلُ دَخَلْتُ أَنَا وَأَخُوْ عَائِشَةَ عَلٰى عَائِشَةَ فَسَأَلَهَا أَخُوْهَا عَنْ غُسْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَعَتْ بِإِنَاءٍ نَحْوٍ مِنْ صَاعٍ فَاغْتَسَلَتْ وَأَفَاضَتْ عَلٰى رَأْسِهَا وَبَيْنَنَا وَبَيْنَهَا حِجَابٌ (بخاری)

باب ایک صاع پانی سے غسل کرنا

ابو بکر بن حفص کہتے ہیں کہ جناب ابو سلمہ نے فرمایا کہ میں اور حضرت عائشہ رضہ کے رضاعی بھائی حضرت عائشہ رضہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل کے متعلق پوچھا۔ تو آپ نے پانی کا ایک برتن صاع کے برابر منگایا اور غسل فرمایا اور اپنے سر پر پانی ڈالا اور ہمارے اور ان کے درمیان حجاب تھا۔

فوائد و مسائل ابو سلمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے ہیں۔ انہیں جناب ام کلثوم بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دودھ پلایا تھا دوسرے حضرت عائشہ رضہ کے رضاعی بھائی ہیں۔ جن کا نام عبد اللہ بن یزید ہے (مسلم شریف) تو حضرت عائشہ رضہ کے بھانجے اور بھائی یہ دونوں حاضر ہوئے اور حضور علیہ السلام کے غسل کی کیفیت و کمیت کے متعلق انہوں نے سوال کیا۔ حضرت عائشہ رضہ نے ایک صاع پیمانہ کے اندازہ سے پانی آپ نے اس کی مثل ایک برتن پانی کا منگایا۔ پھر پردہ تان دیا گیا اور آپ نے غسل کر کے دکھایا اور وہاں دونوں کو جو کیفیت نظر آئی وہ صرف یہ تھی کہ آپ نے اپنے سر پر پانی ڈالا۔ اور اس سے یہ بتانا مقصود تھا کہ سر پر پانی ڈالنے کا یہ مطلب ہے کہ سارے بدن پر پانی بہہ جائے (۲) اس موقع پر منکرین سنت یہ اعتراض اٹھاتے ہیں کہ ایسا بالکل پردہ ممکن کر

بتا کر غسل کرنے کی کیفیت نظر آئے۔ جناب عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر افترا و بہتان ہے۔ ثابت ہوا کہ یہ حدیث وضعی ہے۔ اس لئے سارے کا سارا ذخیرۂ حدیث ہی جعلی ہے۔ لیکن حدیث کا یہ اصل قارئین کرام کے سامنے ہے وہ خود پڑھیں۔ اور دیکھیں کہ اس حدیث میں کوئی لفظ ایسا ہے جس کا ترجمہ ہو کہ وہ پردہ باریک تھا اور نہانے کی کیفیت نظر آ رہی تھی۔ اور یہ کہاں کہ دونوں صاحبوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نہانے کا مکمل طریقہ دیکھ لیا اور اس کو بیان بھی کیا۔ ہم نے صرف اس امر ہی کو اگر منکرین ذہن میں رکھ لیں۔ تو منکرین سنت کے اعتراض کی نوعیت کا حل انہیں معلوم ہو جائے ——— اگر یہ پردہ باریک ہوتا کہ اس میں سے نہانے والے کی حرکت دکھائی دیتیں تو یہ دونوں صاحب جیسا کہ شد بن یزید و ابو سلمہ ہو سائل کو بھی بیان کرتے۔

کہ پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بالوں کی جڑوں میں خلال کیا پھر دائیں طرف پانی بہایا اس کے بعد بائیں طرف پھر سینہ پر پھر پیٹھ پر پانی ڈالا۔ پھر جسم کے باقی حصوں پر پانی بہایا وغیرہ وغیرہ ——— مگر آپ دیکھ چکے ہیں۔ کہ حضرت ابو سلمہ و عبد اللہ بن یزید غسل کی تمام تفصیلات کو بیان کرنے کی بجائے صرف یہ بتا رہے ہیں۔ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے سر پر پانی ڈالا اور بس۔ جس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ ان دونوں صاحبوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے غسل کی کیفیت سے جو بات دیکھی وہ صرف سر پر پانی ڈالنا تھا اگر پردہ باریک ہوتا۔ تو یہ دونوں صاحب غسل کی پوری کیفیت کو بیان کرتے۔ آخران دونوں صاحبوں نے غسل کی پوری کیفیت کیوں نہیں بیان کی۔ دراصل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مقصود غسل کی پوری کیفیت کو بتانا نہ تھا۔ بلکہ یہ بتانا مقصود تھا کہ ایک صاع پانی سے غسل کیا جائے۔ اور آپ نے سر پر پانی ڈالا آپ کا سر پردہ سے اونچا تھا وہ دکھائی دیا جو سر پر پانی ڈالا کہ آپ نے اجمالی طور پر یہ دکھا دیا کہ غسل میں پورے بدن پر پانی بہنا چاہیئے:

فَسَأَلُوهُ عَنِ الْغُسْلِ فَقَالَ يَكْفِيكَ صَاعٌ فَقَالَ رَجُلٌ مَا يَكْفِينِي فَقَالَ جَابِرٌ كَانَ يَكْفِي مَنْ هُوَ أَوْفَى مِنْكَ شَعْرًا وَخَيْرٌ مِنْكَ ثُمَّ أَمَّنَا فِي ثَوْبٍ (بخاری)	حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ غسل کے لئے کتنا پانی درکار ہے آپ نے فرمایا تجھے ایک صاع بھر پانی کافی ہے۔ ایک آدمی (حسن بن محمد) نے کہا مجھے تو ایک صاع کافی نہیں ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا انہیں تو کافی تھا جن کے بال تجھ سے زیادہ گھنے تھے یا جو تجھ سے زیادہ افضل تھے یعنی حضور علیہ السلام اور پھر حضرت جابر نے امامت کرائی۔ دراں حالیکہ وہ ایک ہی کپڑے میں تھے:

فوائد و مسائل

یہ حدیث مسائل ذیل پر مشتمل ہے:-

(۱) صحابہ کرام حضور علیہ السلام کے فعل و قول سے حجت پکڑتے تھے اسی لئے حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اس شخص سے فرمایا کہ حضور علیہ السلام جو تجھ سے زیادہ مکرم و افضل تھے انہیں تو ایک صاع بھر پانی غسل کے لئے کافی ہو جاتا تھا (۲) ایک صاع بھر پانی سے غسل کرنا مستحب ہے (۳) بلا ضرورت زیادہ پانی خرچ کرنا مکروہ ہے (۴) ایک ہی کپڑا پہنے ہوئے نماز جائز ہے۔

اس کے بعد امام نے حدیث میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ذکر فرمائی ہے۔ جو مع تفہیم کے باب غسل الرجل مع امرأتہ میں گذر چکی ہے۔

البتہ طلبائے حدیث کے لئے اس موقع پر یہ بات قابل ذکر ہے کہ عنوان تو ہے باب الغسل بالصاع اور زیر عنوان حدیث میمونہ ہے۔ جس کا مضمون یہ ہے کہ حضور علیہ السلام ایک ہی برتن سے غسل فرماتے ظاہر ہے کہ حدیث میمونہ عنوان کے مناسب نہیں ہے۔ علامہ کرمانی نے نہایت تعسف کے ساتھ اس اشکال کے تین جواب دئیے ہیں جو یہ ہیں:-

قول اول سے مراد فرق مذکور ہے۔ دوم عرب کے ہاں اناء معہود ہے یعنی وہ برتن جس میں صاع سما
جاتا ہے۔ اس لئے عرف وعادت پر اعتماد کرتے ہوئے اس کی تعریف ترک کردی۔ سوم یہ کہ عنوان میں حذف کا
قریب ہے۔ تو حدیث میمونہ نحوہ کے تحت ہے یعنی برتن صغیر صاع کی مثل یا اس کے برابر تھا۔ ہمارے نزدیک پہلا
پہلے دونوں وجوہ سے زیادہ معقول ہے۔ فافہم ؎

کیا غسل کے لئے پانی کی مقدار معین ہے؟

فیوض الباری جلد اول صفحہ ... میں ہم اس مسئلہ پر تفصیلی گفتگو کر چکے ہیں۔ اور صاع و مد کے وزن پر بھی گفتگو ہو چکی ہے۔ نظر
اس بحث کو ایک بار پھر ملاحظہ فرمالیں۔ جس کا خلاصہ مضمون یہ ہے۔ کہ پانی کی جو مقداریں احادیث میں
ہوئی ہیں۔ یہ حدیں محدود نہیں ہیں کہ ان سے کم و بیش پانی کا استعمال ممنوع ہو یا ناجائز ہو۔ بلکہ ان مقادیر
بتانا مقصود ہے کہ پانی بلاوجہ محض زیادہ نہ خرچ کیا جائے اور یہ کہ ایک صاع بھر پانی سے غسل ہو سکتا ہے
یہ یاد رہے کہ غسل کے پانی کی مقدار جو ایک صاع بتائی گئی ہے۔ اس میں غسل سے قبل وضو میں جو پانی خرچ ہوگا وہ شا
ہے جیسا کہ امام اسمٰعیل طحاوی علیہ الرحمۃ نے تصریح فرمائی ہے۔

بَابُ مَنْ اَفَاضَ عَلٰى رَاْسِهِ ثَلَاثًا | باب غسل میں سر پر تین بار پانی ڈالنا

اس عنوان کے تحت امام نے تین حدیثیں ذکر کیں۔ جو یہ ہیں:۔

(1) حضرت جبیر ابن مطعم فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا

اَمَّا اَنَا فَاُفِيْضُ عَلٰى رَاْسِيْ ثَلَاثًا وَاَشَارَ بِيَدَيْهِ كِلْتَيْهِمَا (بخاری)

لیکن میں تو اپنے سر پر تین بار پانی ڈالتا ہوں اور دونوں ہاتھوں کی طرف اشارہ فرمایا

مسلم کی حدیث میں ثلاث اکف اور مسند احمد میں فاخذ ملء کفی ثلاثا کے لفظ آئے ہیں۔ جس سے اس کی
وضاحت ہوتی ہے کہ حضور نے دونوں ہاتھوں کو ملا کر پانی اٹھایا۔ اور اسی طرح تین مرتبہ پانی لے کر سر مبارک پر ڈالا۔
ابونعیم و مسلم کی حدیث میں ہے کہ لوگوں میں غسل جنابت کے متعلق چہ میگوئیاں ہوئیں۔ تو اس وقت حضور علیہ
نے مذکورہ بالا الفاظ ارشاد فرمائے۔

(2) حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حسن بن محمد بن حنیفہ نے مجھ سے پوچھا کہ غسل جنابت کس طرح
تو میں نے کہا

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُفْرِغُ عَلٰى رَاْسِهِ (بخاری)

حضور نبی کریم علیہ السلام غسل میں تین لپ پانی سر پر ڈالتے تھے۔

(3) قُلْتُ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاْخُذُ ثَلٰثَ اَكُفٍّ وَيُفِيْضُهَا عَلٰى رَاْسِهِ ثُمَّ يُفِيْضُ عَلٰى سَائِرِ جَسَدِهِ فَقَالَ لِيَ الْحَسَنُ اِنِّيْ رَجُلٌ كَثِيْرُ الشَّعْرِ فَقُلْتُ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَكْثَرَ مِنْكَ شَعْرًا (بخاری)

حضور علیہ السلام تین لپ پانی لے کر اپنے سر پر ڈالتے تھے۔ پھر تمام بدن پر پانی ڈالتے تو جابر سے حسن بن محمد بن الحنفیہ نے کہا میرے بال تو بہت ہیں۔ جابر نے جواب دیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بال تمہارے سے زیادہ تھے۔

یہ تینوں حدیثیں اپنے مفہوم میں واضح ہیں۔ ان کو ذکر کرکے یہ بتانا مقصود ہے کہ نبی علیہ السلام جب غسل فرماتے تو تین پ دو سر مبارک پر ڈالتے اس کے بعد تمام بدن پر پانی بہاتے تھے۔

حضرت جبیر بن مطعم آپ کی کنیت ابو محمد قریشی نوفلی ہے۔ سادات قریش سے ہیں۔ فتح مکہ سے پہلے مسلمان ہوئے اور مدینہ میں ۵۷ھ میں وصال فرمایا۔ آپ سے ایک جماعت نے حدیث روایت کی۔ آپ سے کل ساٹھ حدیثیں مروی ہیں۔ جن میں سے نو حدیثیں بخاری میں ہیں۔

۲. حنفیہ یہ جناب علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی بیوی ہیں۔ جو سے آپ نے جناب خاتون جنت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بعد نکاح فرمایا۔ ان کے بطن سے ایک ہی صاحبزادے پیدا ہوئے۔ جو محمد بن حنفیہ کے نام سے مشہور ہوئے (فتح الباری و قسطلانی)

بَابُ الْغُسْلِ مَرَّةً وَّاحِدَةً	باب غسل میں ایک مرتبہ جسم پر پانی بہانا
عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَتْ مَيْمُونَةُ وَضَعْتُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاءً لِلْغُسْلِ فَغَسَلَ يَدَيْهِ مَرَّتَيْنِ اَوْ ثَلَاثًا ثُمَّ اَفْرَغَ عَلٰى شِمَالِهٖ فَغَسَلَ مَذَاكِيْرَهٗ ثُمَّ مَسَحَ يَدَهٗ بِالْاَرْضِ ثُمَّ مَضْمَضَ وَ اسْتَنْشَقَ وَ غَسَلَ وَجْهَهٗ وَ يَدَيْهِ ثُمَّ اَفَاضَ عَلٰى جَسَدِهٖ ثُمَّ تَحَوَّلَ مِنْ مَكَانِهٖ فَغَسَلَ قَدَمَيْهِ (بخاری)	حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ کہ جناب ام المومنین میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا میں نے حضور کے نہانے کے لئے پانی رکھا۔ تو پہلے آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو دو یا تین بار دھویا پھر داہنے ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالا۔ پھر استنجا فرمایا۔ پھر ہاتھ زمین پر مار کر (مل کر) دھویا۔ پھر کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا اور منہ ہاتھ دھوئے پھر اپنے تمام بدن پر پانی بہایا۔ پھر اس جگہ سے الگ ہو کر پائے مبارک دھوئے۔

۲. اس حدیث میں اور غسل کے متعلق دوسری احادیث میں ثم ثم کا لفظ آتا ہے۔ جس کے معنی پھر ہیں۔ مشہور یوں کہا ہے کہ حضور علیہ السلام نے پہلے اپنے دونوں ہاتھوں کو گٹوں تک دھویا۔ ثم، پھر استنجا فرمایا پھر نماز کا سا وضو کیا۔ تو لفظ پھر کے ساتھ جو فعل بیان ہوا وہ خود بھی سنت ہے۔ اور اس کا اس ترتیب سے ہونا جیسا کہ احادیث میں آیا ہے وہ بھی سنت ہے۔ مثلاً اگر کسی نے غسل میں پہلے بائیں ہاتھ پر پانی بہایا۔ پھر داہنے پر تو اس طرح سے غسل تو ہو جائے گا مگر ترتیب سنت ادا نہ ہوگی (۳) اس حدیث میں کلی کرنے اور ناک میں پانی لینے کا بھی ذکر ہے۔ حضرت امام اعظم علیہ الرحمۃ کے نزدیک غسل جنابت میں یہ دونوں کام واجب ہیں۔ اگر کسی نے کلی نہ کی یا ناک میں پانی نہ لیا تو غسل ادا نہ ہوگا۔ یہ نہ کہا جائے کہ حدیث بنا سے وجوب کیسے ثابت ہوا۔ کیونکہ امام اعظم علیہ الرحمۃ نے وجوب کا قول آیہ مبارکہ اِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا سے کیا ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ "اگر تم جنبی ہو جاؤ تو اپنے بدن کو خوب پاک کرو" اور یہ حکم ناک اور منہ کو بھی شامل ہے۔

بَابُ مَنْ بَدَاَ بِالْحِلَابِ اَوِ الطِّيْبِ عِنْدَ الْغُسْلِ	باب حلاب یا خوشبو سے غسل شروع کرنا

(۱) اسماعیلی نے کہا کہ اس عنوان کا زیر عنوان حدیث سے تعلق قائم کرنے میں امام بخاری ناکام رہے ہیں اور ان سے اس کی توجیہ ترک ہو گئی ہے یہ کہ امام بخاری نے حلاب کو ایک قسم کی خوشبو قرار دیا ہے۔ حالانکہ حلاب تو اس برتن کو کہتے ہیں جس میں ایک اونٹنی کا دودھ آجائے۔ علامہ جوزی بھی اسماعیلی کے ساتھ ہو گئے اور انہوں نے کہا جو حدیث اس عنوان کے تحت لائی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں دعا بشئ نحو الحلاب۔ حضور نے غسل کے لئے حلاب کی شکل ایک برتن منگایا۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ حلاب ایک برتن ہوتا ہے۔ چنانچہ روایت کے یہ الفاظ فَاَخَذَ بِکَفِّہٖ پھر آپ نے اس سے ایک لپ پانی لیا یہ بتلاتے ہیں کہ حلاب خوشبو نہ تھی بلکہ پانی کا ایک برتن تھا ——— لیکن ظاہر ہے کہ امام بخاری پر یہ اعتراض نہیں پڑتا۔ کیونکہ عنوان کے الفاظ یہ ہیں "بالحلاب او الطیب" طیب کا ذکر او کے ساتھ حلاب پر عطف ہے۔ گویا امام بخاری تطیب کو حلاب کا قسیم قرار دے رہے ہیں۔ اور الزام ان پر یہ رکھا جا رہا ہے۔ کہ وہ حلاب کو طیب کا قسم قرار دیتے ہیں وھذا باطل (۲) محب طبری نے ایک اور ہی راہ اختیار کی۔ انہوں نے فرمایا کہ بعض روایات میں او الطیب کی جگہ والطیب بھی آیا ہے۔ اس لئے یہاں بھی او بمعنی واؤ ہے۔ اور امام کا مقصود یہ بتانا ہے کہ غسل سے پہلے خوشبو لگائی جائے۔ یا اگر میل کچیل ہو تو اس کو دور کیا جائے۔ پھر حلاب برتن میں پانی بھر کر غسل کیا جائے (۳) ازہری نے کہا کہ عنوان میں تصحیف ہو گئی۔ جُلّاب کی جگہ حلاب لکھا گیا۔ جلاب، گلاب کے عرق کو کہتے ہیں۔ مگر یہ بات تو یک نہ شد دو شد کے مصداق ہی ہے ——— اصل یہ ہے حلاب اور طیب دونوں جدا جدا چیزیں ہیں۔ حلاب اس برتن کو کہتے ہیں۔ جس میں اونٹنی کا دودھ دوہا جائے ظاہر ہے کہ جس برتن میں دودھ دوہا جائے (خصوصاً اونٹنی کا دودھ جس میں سرانڈ زیادہ ہوتی ہے) اگر اسی برتن میں پانی بھر لیا جائے دودھ کی سرانڈ اور بو پانی میں بھی پیدا ہو جائے گی۔ اور اگر اس کو اچھی طرح نہ دھویا اور سکھایا نہ جائے۔ تو دودھ کی چکناہٹ بھی تھوڑی سی پانی میں آجائے گی۔ امام بخاری کا مقصود یہ بتانا ہے۔ اگر حلاب برتن میں پانی بھر کر نہایا جائے اور دودھ کی بو باس پانی میں شامل ہو گئے یا جسم پر بھی دودھ کی بو باس کے اثرات آجائیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ اور طیب کا ذکر انہوں نے بطور تقابل تفنناً کے کیا ہے۔ کیونکہ حلاب میں دودھ کی بو باقی رہ جاتی ہے۔ تو اگر پانی میں بھی وہ آجائے تو حرج نہیں۔ اسی طرح اگر غسل کے بعد بدن پر خوشبو کے اثرات باقی رہ جائیں تو بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ چنانچہ آگے چل کر انہوں نے عنوان ہی خط کشیدہ جملوں کا باندھا ہے۔ اگرچہ وہاں استعمال طیب جماع کے بعد ہے تاکہ نشاط حاصل ہو۔ غسل کے لئے نہیں ہے۔ چنانچہ یہ معتاد بھی ہے کہ غسل سے پہلے تیل وغیرہ ملتے ہیں اور پھر نہاتے ہیں۔ غرض کہ حاصل عنوان یہ ہے۔ کہ اگر پانی میں دودھ کی بو باس آجائے تو اس پانی سے غسل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ رہی یہ بات کہ زیر عنوان حدیث میں طیب کا ذکر نہیں ہے تو جواب یہ ہے کہ حلاب و طیب معنی بقاء اثر میں تو مشترک ہیں۔ کیونکہ حلاب میں دودھ کا اثر اور تطیب میں طیب کا اثر باقی رہ جاتا ہے یا امام نے کہا۔ ان دونوں کا پانی یا جسم پر اثر آجانے کا کوئی حرج نہیں۔ فافہم

عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَۃِ دَعَا بِشَیْءٍ نَحْوَ الْحِلَابِ فَاَخَذَ بِکَفِّہٖ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے جب نبی علیہ السلام غسل جنابت فرماتے۔ تو حلاب کے برابر کوئی برتن منگواتے۔ پھر پانی کا چلو

فَبَدَأَ بِشِقِّ رَأْسِهِ الْأَيْمَنِ ثُمَّ الْأَيْسَرِ فَقَالَ بِهِمَا عَلَى وَسْطِ رَأْسِهِ

لے کر پہلے سر کے دائیں حصے پر ڈالتے پھر بائیں پر ڈالتے۔ پھر سر کے وسط میں ڈالتے۔

فوائد و مسائل اس حدیث کو امام مسلم، ابوداؤد اور نسائی نے کتاب الطہارت میں ذکر کیا ہے۔ یہ حدیث مسائل ذیل پر مشتمل ہے (۱) غسل کرنے والے کے لئے مستحب ہے کہ وہ غسل کے پانی کے لئے ٹھیک برتن مہیا کرے (۲) پہلے سیدھی طرف اور پھر بائیں طرف پانی ڈالنا سنت ہے (۳) اگر ایسے برتن میں پانی بھر کر نہانے جو دودھ یا اسی نوع کی کسی اور چیز کا ہو اور اس چیز کی بو اس پانی میں آجائے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے (۴) شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا حلاب ایک قسم کے بیجوں کا شیرہ ہے۔ جو عرب غسل سے قبل بدن پر ملتے تھے لیکن کتب لغت میں حلاب کے یہ معنی نہیں تھے (شرح تراجم بخاری ص۲۲)

بَابُ الْمَضْمَضَةِ وَالْاِسْتِنْشَاقِ فِي الْجَنَابَةِ

عَنْ مَيْمُونَةَ قَالَتْ صَبَبْتُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُسْلًا فَأَفْرَغَ بِيَمِينِهِ عَلَى يَسَارِهِ فَغَسَلَهُمَا ثُمَّ غَسَلَ فَرْجَهُ ثُمَّ قَالَ بِيَدِهِ عَلَى الْأَرْضِ فَمَسَحَهَا بِالتُّرَابِ ثُمَّ غَسَلَهَا ثُمَّ مَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهُ وَأَفَاضَ عَلَى رَأْسِهِ ثُمَّ تَنَحَّى فَغَسَلَ قَدَمَيْهِ ثُمَّ أُتِيَ بِمِنْدِيلٍ فَلَمْ يَنْفُضْ بِهَا (بخاری)

باب غسل جنابت میں کلی کرنے اور ناک میں پانی لینے کے بیان میں۔

حضرت ام المومنین میمونہ فرماتی ہیں کہ میں نے حضور کے لئے غسل کا پانی رکھا۔ تو حضور نے پہلے سیدھے ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالا۔ اور ہاتھوں کو دھویا۔ پھر آپ نے استنجا فرمایا۔ پھر ہاتھ زمین پر مار کر ملا اور دھویا پھر کلی کی اور ناک میں پانی لیا پھر چہرۂ اقدس کو دھویا پھر اپنے سر پر پانی ڈالا۔ پھر اس جگہ سے علیحدہ ہو گئے اور اپنے دونوں پاؤں کو دھویا۔ پھر رومال مبارک پونچھنے کے لئے پکڑایا گیا۔ تو آپ نے کپڑے سے نہ پونچھا۔

فوائد و مسائل یہ حدیث مسائل ذیل پر مشتمل ہے۔ (۱) برتن سے پانی سیدھے ہاتھ سے نکالا جائے۔ اور بائیں ہاتھ پر ڈالا جائے اور ہاتھ دھوئے جائیں۔ (۲) غسل جنابت میں کلی کرنا اور ناک میں پانی لینا مشروع ہے (۳) استنجا کے بعد ہاتھ کو مٹی لگا کر دھونا مستحب ہے (۴) غسل میں پہلے سیدھی طرف سے بائیں طرف پانی ڈالا جائے (۵) غسل کے بعد تولیہ سے بدن پونچھنے میں حرج نہیں۔ کیونکہ دوسری حدیثوں میں یہ مذکور ہے کہ آپ نے غسل کے بعد رومال استعمال فرمایا۔ اور زیر بحث حدیث کا مضمون صرف یہ ہے کہ آپ کو رومال دیا گیا آپ نے استعمال نہیں فرمایا۔ اس سے غسل کے بعد رومال سے بدن پونچھنے کی کراہت ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ ممکن ہے آپ نے تواضع کے طور پر یا رومال میلا ہوگا۔ اس لئے استعمال نہیں فرمایا

بَابُ مَسْحِ الْيَدِ بِالتُّرَابِ لِتَكُونَ أَنْقَى

باب نیز ستھرائی کے لئے ہاتھوں کو مٹی لگا کر دھونا۔

اس عنوان کے تحت امام نے حدیث میمونہ ہی ذکر کی ہے جو ابھی مع تفسیر و ترجمانی کے گذر چکی ہے۔ البتہ گزشتہ روایت میں یہ تھا کہ آپ نے استنجا فرمانے کے بعد زمین پر ہاتھ مار کر ملا اور دھویا۔ اور اس میں حائط کے لفظ ہیں کہ استنجا فرمانے کے بعد

ثُمَّ دَلَكَ بِهَا الْحَائِطَ ثُمَّ غَسَلَهَا (بخاری)

آپ نے دیوار پر ہاتھ ملا۔ اور پھر دھویا

ترجمۃ الباب میں حدیث کے یہ لفظ ہیں۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ غسل میں استنجا کرنے کے بعد ہاتھ کو مٹی وغیرہ لگا کر دھو لینا مستحب ہے۔ کیونکہ اس طرح دھونے میں زیادہ ستھرائی ہے ۔ ورنہ ظاہر ہے کہ پاک کرلے کے لئے تو پانی ہی کافی ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے ہاتھ صابن لگا کر دھوئے جاتے ہیں۔ حالانکہ بغیر صابن لگائے بھی دھونے سے پاک ہو جاتے ہیں۔

بَابٌ هَلْ يُدْخِلُ الْجُنُبُ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ قَبْلَ أَنْ يَغْسِلَهَا إِذَا لَمْ يَكُنْ عَلَى يَدِهِ قَذَرٌ غَيْرُ الْجَنَابَةِ (بخاری)

باب کیا ہاتھ کو دھونے سے پہلے جنبی کو پانی میں ڈالنا جائز ہے۔ جب کہ اس کے ہاتھ پر کوئی نجاست ظاہری نہ ہو سوائے جنابت کے۔

واضح ہو کہ امام بخاری کے نزدیک ماء مستعمل طاہر و طہور ہے۔ اس لئے اس عنوان سے وہ اپنے مسلک کو ثابت کرنا چاہتے ہیں اور یہ بتلاتے ہیں کہ جنبی کے ہاتھ میں اگر کوئی نجاست ظاہری نہ لگی ہو۔ اور وہ پانی میں بغیر دھوئے ہاتھ ڈال دے۔ تو حرج نہیں پانی قابل غسل ہی رہے گا ——— فیوض الباری جلد اول میں ہم ماء مستعمل پر تفصیلی گفتگو کر چکے ہیں۔ اور یہ بتا چکے ہیں۔ کہ احناف کا مسلک یہ ہے۔ کہ اگر بے وضو یا جنبی شخص اپنے ہاتھ کو بغیر دھوئے پانی میں ڈال دے گا۔ تو پانی مستعمل ہو جائے گا۔ یعنی وضو و غسل کے قابل نہ رہے گا۔ ہاں اگر ہاتھ بضرورت ڈالے گا تو یہ معاف ہے۔ مثلاً اگر پانی بڑے برتن میں ہے اور چھوٹا برتن پانی نکالنے کے لئے موجود نہیں ہے تو اس صورت میں پانی کا چلو نکالے اور ہاتھوں کو دھوئے۔ اس کے بعد پانی استعمال کرے۔ تفصیل کے لئے فیوض الباری پارہ اول ص۔۔ دیکھئے۔

وَأَدْخَلَ ابْنُ عُمَرَ وَالْبَرَاءُ بْنُ عَازِبٍ يَدَهُ فِي الطَّهُورِ وَلَمْ يَغْسِلْهَا ثُمَّ تَوَضَّأَ

حضرت ابن عمر و براء ابن عازب نے پانی کے برتن میں بغیر دھوئے ہاتھ ڈالا پھر وضو کیا۔

اگرچہ یہ دونوں اثر امام بخاری نے اس امر کی وضاحت کے لئے پیش کئے ہیں کہ بغیر دھوئے پاک ہاتھوں کا پانی میں ڈال دینا پانی کو ناپاک نہیں کرتا لیکن احناف یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ حضرت ابن عمر و براء ابن عازب نے بغیر دھوئے جو ہاتھ پانی میں ڈالا وہ بضرورت ہی ڈالا ہو گا یعنی پانی نکالنے کے لئے کوئی برتن نہ تھا اس لئے انہوں نے برتن میں ہاتھ ڈال لیا اور بضرورت ہاتھ ڈالنے سے احناف کے نزدیک بھی پانی مستعمل نہیں ہوتا۔

وَلَمْ يَرَ ابْنُ عُمَرَ وَابْنُ عَبَّاسٍ بَأْسًا بِمَا يَنْتَضِحُ مِنْ غُسْلِ الْجَنَابَةِ (بخاری)

اور غسل جنابت کے وقت جو چھینٹے پانی میں پڑ جاتے حضرت ابن عمر و ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس میں حرج نہ سمجھتے۔

ظاہر ہے کہ اس سے بھی پانی کے وہ چھینٹے جو بدن سے جدا ہو کر گرے ہیں کی طہوریت ثابت نہیں ہوتی بلکہ اتنی بات ثابت ہوتی ہے۔ کہ وہ چھینٹے اگر پانی کے برتن میں ہے اس میں پڑ جائیں تو برتن کا پانی مستعمل نہ ہوگا اور احناف کا بھی یہی مسلک ہے۔ کہ اگر دو ڈول پانی میں ایک ڈول مستعمل پانی گر جائے تو یہ پانی مستعمل نہ ہوگا۔ کیونکہ غیر مستعمل پانی زیادہ ہے اور مستعمل کم ہے۔ اسی طرح نہانے میں بدن سے جو چھینٹے پڑتے ہیں وہ بہرحال غیر مستعمل پانی سے کم ہی ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ أَغْتَسِلُ أَنَا وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ تَخْتَلِفُ أَيْدِينَا فِيهِ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی برتن سے غسل فرماتے اور ہمارے ہاتھ باری باری پانی کے برتن میں پڑتے

فوائد و مسائل دوسری روایت یوں ہے۔ کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی برتن سے غسل فرماتے تو پانی میں ہاتھ ڈالتے اور نکالتے میں کبھی تصادم ہو جاتا۔ اس حدیث سے بھی امام بخاری علیہ الرحمۃ نے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ جنبی اگر پانی میں ہاتھ ڈال دے تو پانی کی طہوریت میں فرق نہیں آتا لیکن سیدنا امام بخاری علیہ الرحمۃ کا یہ استدلال درست معلوم نہیں دیتا۔ کیونکہ اس حدیث میں یہ تصریح نہیں ہے کہ حضرت عائشہ سلام اللہ علیہا نے ہاتھوں کو دھوئے بغیر برتن سے پانی لے کر غسل فرمانا شروع کر دیا تھا۔ یہ بھی تو ممکن ہے کہ پہلے ہاتھ دھو لئے ہوں پھر نہانا شروع فرمایا ہو بلکہ اس کے بعد کی حدیث میں تو یہ تصریح بھی ہے کہ

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ غَسَلَ يَدَهٗ (بخاری)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور علیہ السلام جب غسل جنابت کا ارادہ فرماتے۔ تو پہلے اپنے دست مبارک دھو لیتے۔

اور یہ حدیث پہلی حدیث کی تفسیر کرتی ہے۔ اور اس سے واضح ہو گیا ہے کہ حضور کی عادت کریمہ یہی تھی کہ آپ پانی میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے ہاتھ دھو لیا کرتے تھے۔ (واللہ اعلم)

۵. اس کے بعد امام نے اسی مضمون کی ایک اور حدیث لکھی ہے۔ جس میں من جنابۃ کے لفظ زیادہ ہیں۔ جس سے مقصود یہ بتانا ہے۔ کہ حضور علیہ السلام و جناب عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ غسل، غسل جنابت تھا۔ معلوم ہوا ہے کہ جنبی کو بے دھوئے پانی میں ہاتھ ڈالنا جائز ہے اور پانی میں کوئی فساد پیدا نہیں ہوتا۔ ـــــ امام بخاری علیہ الرحمۃ کے اس استدلال کا جواب ہم اوپر دے چکے ہیں۔

يَقُوْلُ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْمَرْأَةُ مِنْ نِسَائِهٖ يَغْتَسِلَانِ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ (بخاری)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام اور آپ کی بیویوں میں سے ایک عورت دونوں ایک ہی برتن سے غسل فرمایا کرتے تھے۔

اس موقع پر منکرین سنت عوام کو حدیث سے بدظن کرنے کے لئے یہ شوشہ چھوڑتے ہیں۔ کہ کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زوجہ مطہرہ کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے سامنے نہا سکتے ہیں؟ سو جو کہ امام بخاری نے یہ حدیث گھڑ کر حضور علیہ السلام کی کیسی کچھ توہین کی ہے۔ معلوم ہوا کہ تمام ذخیرۂ حدیث ہی دشمنی ہے ـــــ لیکن ظاہر ہے۔ کہ یہ محض ایک ہوائی اعتراض ہے۔ کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ یہ واقعہ دیکھ کر نہیں بلکہ حضور علیہ السلام سے سن کر بیان کر رہے ہیں۔ اور حضور علیہ السلام کی سیرت و کردار، اقوال و افعال چونکہ دین ہیں۔ اس لئے حضور علیہ السلام اپنے نجی امور بھی صحابہ کرام کو بتایا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں جس قدر بھی بانیان مذہب گذرے ہیں۔ کسی کی بھی زندگی کے ہر گوشہ کے حالات ہم تک نہیں پہنچے۔ یہ تو صرف بانی اسلام حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے کہ آپ کی زندگی پاک کے ہر گوشہ اور ہر لمحہ کے حالات و واقعات نقل ہوتے ہیں اور ملنے بھی چاہئیں تھے کیونکہ قرآن نے بنی نوع انسان کو مخاطب بنا کر یہ حکم دیا ہے ولكم فى رسول الله اسوة حسنة مگر اللہ عزوجل کا یہ ارشاد ہوتا۔ کہ نبی علیہ السلام کی سیرت و صورت، اقوال و افعال محفوظ نہ ہوں تو پھر آیت میں جو حکم ہے اس کی مثال ایسے ہی ہوتی کہ گلاس میں پانی نہ ہو اور پھر کہا جائے اسے پی لو پیاس بجھ جائے گی۔

بَابُ مَنْ أَفْرَغَ بِيَمِيْنِهِ عَلَى شِمَالِهِ فِي الْغُسْلِ

باب. غسل میں داہنے ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالنا

اس عنوان کے ماتحت امام بخاری علیہ الرحمۃ نے حدیث میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ذکر کی ہے جو مع تفہیم و توضیح کے اوپر گزر چکی ہے۔ جس میں یہ مذکور ہے کہ حضور علیہ السلام نے اپنے سیدھے ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالا۔ ویسے بھی غسل میں پہلے سیدھے پہلو پر پھر بائیں پہلو پر پانی ڈال کر نہانا سنت ہے۔

بَابُ تَفْرِيقِ الْغُسْلِ وَالْوُضُوْءِ

باب وضو اور غسل میں تفریق کرنا۔

وَيُذْكَرُ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ غَسَلَ قَدَمَيْهِ بَعْدَ مَا جَفَّ وَضُوْءُهُ (بخاری)

عبداللہ بن عمر سے منقول ہے کہ انہوں نے اپنے پاؤں اس وقت دھوئے جبکہ ان کے پہلے دھوئے ہوئے اعضاء سوکھ چکے

مطلب عنوان یہ ہے کہ غسل سے پہلے جو وضو کیا جاتا ہے۔ اس میں موالاۃ ضروری نہیں ہے۔ یعنی اگر کسی نے وضو میں ہاتھ منہ دھو لئے اور سر کا مسح کیا اور پاؤں غسل کے بعد دھوئے تو یہ جائز ہے۔ یہاں تک کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے تو ایسا بھی کیا کہ

وضو میں اعضاء کو متفرق طور پر دھونا جائز ہے

پہلے ہاتھ اور منہ دھویا۔ سر کا مسح کیا یہاں تک کہ یہ اعضاء سوکھ گئے۔ پھر آپ مسجد نبوی میں تشریف لائے اور پاؤں دھوئے (موطا امام مالک) اس سے واضح ہوا کہ اعضاء وضو کو اگر کسی نے متفرق طور پر دھویا۔ تو یہ جائز ہے حضرت امام شافعی، امام ابو حنیفہ، حضرت ابن عمر و ابن المسیب عطاء، طاؤس، امام نخعی حسن، سفیان بن سعید، محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہی مسلک ہے۔ البتہ سیدنا امام اعظم بلکہ غالباً مذکورہ بالا تمام حضرات کے نزدیک سنت یہی ہے کہ اعضاء کو اس طرح دھوتے کہ پہلے والا عضو سوکھنے نہ پائے ——— امام نے اس عنوان کے ماتحت حدیث میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ذکر کی ہے۔ جس میں یہ آیا ہے۔ کہ حضور علیہ السلام نے پہلے اعضائے وضو دھوئے۔ اور پاؤں غسل کے بعد جس سے مذکورہ بالا استدلال ہوا۔ حدیث میمونہ گزشتہ اوراق میں مع تفہیم کے گزر چکی ہے۔

بَابُ إِذَا جَامَعَ ثُمَّ عَادَ وَمَنْ دَارَ عَلَى نِسَائِهِ فِي غُسْلٍ وَاحِدٍ

باب جماع کے بعد دوسری بار جماع کرنے اور تمام بیویوں سے جماع کے بعد ایک ہی غسل کرنے کے بیان میں

اذا جامع ثم عاد کا مطلب یہ ہے کہ اپنی زوجہ سے ایک بار جماع کے بعد دوسری بار جماع کیا جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ ومن دار کا مطلب یہ ہے کہ رات میں اپنی متعدد بیویوں سے جماع کرتا اور آخر میں ایک مرتبہ غسل کرتا ——— واضح ہو کہ احناف کے نزدیک ہر جماع کے بعد غسل کرنا مستحب ہے۔ یعنی اگر ایک بار جماع کیا۔ اور دوسری بار پھر جماع کرنے کا ارادہ ہو تو غسل کر کے دوسری بار جماع کرے۔ اور یہ غسل کرنا مستحب ہے۔ چنانچہ ابو داؤد و نسائی میں حضرت ابو رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ کہ حضور علیہ السلام نے ایک رات میں اپنی ایک زوجہ کو مشرف فرمایا۔ پھر ان کے ہاں غسل فرمایا۔ پھر دوسری زوجہ محترمہ کے ہاں تشریف لائے۔ اور ان کو مشرف فرما کر پھر غسل فرمایا۔ ابو رافع کہتے ہیں۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ کیا ایک غسل کافی نہ تھا؟ یعنی آخر میں آپ نے ایک ہی غسل کیوں نہ فرمایا۔ حضور نے جواب دیا ھذا ازکی واطیب یہ زیادہ پاکیزگی اور ستھرائی ہے

بَابُ مَنْ اَفْرَغَ بِيَمِيْنِهٖ عَلٰى شِمَالِهٖ فِى الْغُسْلِ

باب۔ غسل میں دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالنا

اس عنوان کے ماتحت امام بخاری علیہ الرحمۃ نے حدیث میمونہ رضی اللہ تعالٰی عنہا ذکر کی ہے جو مع تفہیم و توضیح کے اوپر گزر چکی ہے۔ جس میں یہ مذکور ہے کہ حضور علیہ السلام نے اپنے سیدھے ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالا۔ ویسے بھی غسل میں پہلے سیدھے پہلو پر پھر بائیں پہلو پر پانی ڈال کر نہانا سنت ہے۔

بَابُ تَفْرِيْقِ الْغُسْلِ وَالْوُضُوْءِ

وَيُذْكَرُ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ غَسَلَ قَدَمَيْهِ بَعْدَ مَا جَفَّ وَضُوْءُهٗ (بخاری)

باب وضو اور غسل میں تفریق کرنا۔

عبداللہ بن عمر سے منقول ہے کہ انہوں نے اپنے پاؤں اس وقت دھوئے جبکہ ان کے پہلے دھوئے ہوئے اعضاء سوکھ چکے تھے

مطلب عنوان یہ ہے کہ غسل سے پہلے جو وضو کیا جاتا ہے۔ اس میں موالاۃ ضروری نہیں ہے۔ یعنی اگر کسی نے وضو میں ہاتھ منہ دھولئے اور سر کا مسح کیا اور پاؤں غسل کے بعد دھوئے تو یہ جائز ہے۔ یہاں تک کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما نے تو ایسا بھی کیا کہ

وضو میں اعضاء کو متفرق طور پر دھونا جائز ہے

پہلے ہاتھ اور منہ دھویا، سر کا مسح کیا یہاں تک کہ یہ اعضاء سوکھ گئے۔ پھر آپ مسجد نبوی میں تشریف لائے اور پاؤں دھوئے (موطا امام مالک) اس سے واضح ہوا کہ اعضاء وضو کو اگر کسی نے متفرق طور پر دھویا تو یہ جائز ہے حضرت امام شافعی، امام ابوحنیفہ، حضرت ابن عمر، ابن المسیب، عطاء، طاؤس، امام نخعی، حسن، سفیان بن سعید، محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم رضی اللہ تعالٰی عنہم کا یہی مسلک ہے۔ البتہ سیدنا امام اعظم بلکہ غالباً مذکورہ بالا تمام حضرات کے نزدیک سنت یہی ہے کہ اعضاء کو اس طرح دھوئے کہ پہلے والا عضو سوکھنے نہ پائے ——— امام نے اس عنوان کے ماتحت حدیث میمونہ رضی اللہ تعالٰی عنہا ذکر کی ہے۔ جس میں یہ آیا ہے۔ کہ حضور علیہ السلام نے پہلے اعضاء وضو دھوئے۔ مگر پاؤں غسل کے بعد دھوئے جس سے مذکورہ بالا مسئلہ مستفاد ہوا۔ حدیث میمونہ گزشتہ اوراق میں مع تفہیم کے گزر چکی ہے۔

بَابُ اِذَا جَامَعَ ثُمَّ عَادَ وَمَنْ دَارَ عَلٰى نِسَائِهٖ فِىْ غُسْلٍ وَّاحِدٍ

باب جماع کے بعد دوسری بار جماع کرنے اور متعدد بیویوں سے جماع کے بعد ایک ہی غسل کرنے کے بیان میں

اذا جامع ثم عاد کا مطلب یہ ہے کہ اپنی زوجہ سے ایک بار جماع کے بعد دوسری بار جماع کیا جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ ومن دار کا مطلب یہ ہے کہ رات میں اپنی متعدد بیویوں سے جماع کرنا اور آخر میں ایک مرتبہ غسل کرنا۔ ——— واضح ہو کہ احناف کے نزدیک ہر جماع کے بعد غسل کر لینا مستحب ہے۔ یعنی اگر ایک بار جماع کیا۔ اور دوسری بار پھر جماع کرنے کا ارادہ ہو تو غسل کر کے دوسری بار جماع کرے۔ اور یہ غسل کرنا مستحب ہے۔ چنانچہ ابوداؤد و نسائی میں حضرت ابو رافع رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے۔ کہ حضور علیہ السلام نے ایک رات میں اپنی ایک زوجہ کو شرف فرمایا۔ پھر ان کے ہاں غسل فرمایا۔ پھر دوسری زوجہ محترمہ کے ہاں تشریف لے گئے۔ اور ان کو مشرف فرما کر پھر غسل فرمایا۔ ابو رافع کہتے ہیں۔ میں نے عرض کی یارسول اللہ کیا ایک غسل کافی نہ تھا؟ یعنی آخر میں آپ نے ایک ہی غسل کیوں نہ فرما لیا۔ حضور نے جواب دیا ھٰذا ازکیٰ و اطیب۔ یہ زیادہ پاکیزگی اور ستھرائی ہے۔

اس حدیث سے ثابت ہوا۔ کہ دو جماعوں کے درمیان غسل کر لینا مستحب ہے۔ لیکن اگر کوئی نہ کرے تو صرف ایک غسل آخر میں کر لینا کافی ہے۔ بعض علماء نے دو جماعوں کے درمیان غسل کرنے کو واجب کہا ہے ——— اسی طرح دو جماعوں کے درمیان وضو کر لینا بھی احناف کے نزدیک مستحب ہے۔ مسلم کی حدیث میں ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا جو کوئی ایک بار اپنی بیوی سے جماع کرے پھر دوبارہ جماع کرنا چاہے فلیتوضأ بینہما تو دونوں کے درمیان وضو کرے (مسلم شریف)۔ اس حدیث سے وضو کا وجوب ثابت نہیں ہو گا کیونکہ طحاوی میں حضرت عائشہ صدیقہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام ایک بار جماع فرمانے کے بعد دوبارہ جماع فرماتے۔ مگر درمیان میں وضو نہ کرتے تھے۔ ان احادیث سے واضح ہوا کہ دو جماعوں کے درمیان وضو یا غسل کرنا مستحب ضرور ہے۔ مگر واجب نہیں ہے۔

فَانَتْ يَرْحَمُ اللّٰهُ اَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ كُنْتُ اُطَيِّبُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَطُوْفُ عَلٰى نِسَآئِهٖ ثُمَّ يُصْبِحُ مُحْرِمًا يَنْضَخُ طِيْبًا (بخاری)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا اللہ ابو عبدالرحمٰن پر رحم کرے۔ میں تو حضور کے خوشبو لگاتی۔ پھر آپ اپنی ازواج کو شرف فرماتے پھر صبح کو آپ احرام باندھے ہوتے تھے کہ آپ کے جسم مبارک سے خوشبو مہکتی۔

فوائد و مسائل:

اس حدیث کو ہم نے باب من تطیب (الحدیث) میں بھی ذکر کیا ہے جو ابھی آ رہا ہے۔ اور مسلم نے حج اور نسائی نے طہارت میں ذکر کیا ۔ ابو عبد الرحمٰن حضرت عبد اللہ بن عمر کی کنیت ہے وہ فرمایا کرتے تھے کہ میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ صبح کو احرام باندھوں اور میرے جسم سے خوشبو مہک رہی ہو ——— حضرت ابن عمر کا یہ قول جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے پیش ہوا۔ تو آپ نے مذکورہ بالا جملے ارشاد فرمائے۔ اس سے اس امر کی وضاحت ہوتی ہے۔ کہ صحابہ کرام ہر معاملہ میں حضور علیہ السلام کے ارشاد و عمل سے تمسک و استنباط کیا کرتے تھے۔ اور حضور کے قول و عمل کو دینی اساس سمجھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ عبد اللہ بن عمر کے قول کی تردید حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور کے فعل سے فرمائی۔

فَيَطُوْفُ ، بعض شارحین نے فرمایا کہ یہ جماع سے کنایہ ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ معنی محض ملاقات کے ہیں کہ حضور علیہ السلام سفر سے واپس آئے تھے اس لئے آپ نے مناسب خیال فرمایا کہ ازواج مطہرات کی مزاج پرسی کر لی جائے۔ البتہ پہلا قول زیادہ قوی ہے۔ اور حدیث انس جو آگے آ رہی ہے وہ اس کی مؤید بھی ہے۔

یہ حدیث مسائل ذیل پر مشتمل ہے: (۱) حج کا احرام باندھتے وقت خوشبو لگا لینا مستحب ہے۔ اگرچہ خوشبو کا اثر بہت دیر تک رہے۔ البتہ احرام باندھ لینے کے بعد خوشبو لگانا ممنوع ہے۔ صحابہ و تابعین و جمہور محدثین سعد بن ابی وقاص، ابن عباس، ابن زبیر، معاویہ و عائشہ صدیقہ، ام حبیبہ، امام شافعی، ثوری، امام ابو یوسف، احمد بن حنبل و داؤد رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہی مسلک ہے۔ البتہ زہری، امام مالک و محمد بن حسن دونوں حالتوں میں ممنوع قرار دیتے ہیں (۲) کثرت جماع حد طاقت مکروہ نہیں۔ ایک سے لے کر چار تک نکاح کر لینا بلا کراہت جائز ہے۔

غسل جنابت علی الفور واجب نہیں ہے

(۲) غسل جنابت علی الفور واجب نہیں ہوتا۔ ہاں جب نماز کا ارادہ کرے تو واجب ہے۔ اسی طرح اتنی دیر ہو گئی کہ نماز کا آخر وقت آگیا۔ تو اب فوراً نہانا فرض ہے۔ البتہ نہانے میں تاخیر نہ کرنی چاہئیے کہ حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ جہاں جنب ہو وہاں رحمت کے فرشتے نہیں آتے ———— فصول بقراطیہ میں ہے کہ جنابت سے غسل جلد کرنا مرض برص دور فرماتا ہے۔ اور حالت جنابت میں جماع کرنے سے جنون کا خطرہ ہے (معاذ اللہ)۔

(۳) حدیث ہذا کا باب سے تعلق واضح ہے یعنی دوسری یا تیسری بار جماع کے لئے غسل کرنا ضروری نہیں ہے۔

قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدُوْرُ عَلٰى نِسَائِهِ فِي السَّاعَةِ الْوَاحِدَةِ مِنَ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُنَّ إِحْدٰى عَشْرَةَ قَالَ قُلْتُ لِأَنَسٍ أَوَكَانَ يُطِيْقُهُ قَالَ كُنَّا نَتَحَدَّثُ أَنَّهُ أُعْطِيَ قُوَّةَ ثَلَاثِيْنَ وَقَالَ سَعِيْدٌ عَنْ قَتَادَةَ إِنَّ أَنَسًا حَدَّثَهُمْ تِسْعُ نِسْوَةٍ (بخاری)

حضرت انس فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم علیہ السلام رات اور دن میں اپنی ازواج مطہرات کو مشرف فرما دیتے تھے۔ اور آپ کی گیارہ عورتیں تھیں۔ قتادہ نے کہا کیا آپ کی اتنی طاقت تھی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا ہم لوگ آپس میں یہ کہا کرتے تھے کہ آپ کو تیس مردوں کی طاقت دی گئی ہے۔ سعید ابن عروبہ نے حضرت قتادہ سے جو روایت کی کہ حضرت انس نے گیارہ کی بجائے نو عورتوں کا ذکر کیا ہے۔

فوائد و مسائل

ابن حاجب نے تصریح کی ہے کہ کان کا لفظ از روئے لغت استمرار پر دلالت نہیں کرتا۔ ہاں عرفاً اس سے استمرار مستفاد ہوتا ہے خصوصاً جب کہ اس کی خبر فعل مضارع ہو ———— تو اگرچہ اس حدیث میں کان موجود ہے۔ اور اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام کی عادت کریمہ یہی تھی۔ کہ آپ رات اور دن کے کچھ حصہ میں ایک ہی گھڑی میں ازواج مطہرات کو مشرف فرما دیا کرتے تھے۔ مگر ہمارا قول یہ ہے۔ کہ یہ واقعہ ایک ہی دفعہ ہوا تھا۔ حجۃ الوداع کے موقعہ پر کہ آپ نے اپنی تمام ازواج مطہرات کو دن رات کے کچھ حصہ میں مشرف فرمایا۔ ایسا ہر ماہ کی دوامی عادت کریمہ نہ تھی اور نہ روایات میں اس کا پتہ ہے (فافہم)۔

(۲) اس موقع پر منکرین سنت کے اعتراض سے مرعوب ہو کر بعض ہمارے موجودہ علماء نے حدیث ہذا کی عجیب و غریب تاویلیں کی ہیں۔ یہاں تک لکھ دیا کہ یہ حدیث کے معنی جماع کے نہیں ہیں۔ بلکہ محض مزاج پرسی کے ہیں ظاہر ہے کہ اس قسم کی تاویلات کی تردید تو حدیث زیر بحث کے الفاظ ہی کر دیتے ہیں۔ اگر دورہ کا مطلب محض مزاج پرسی ہوتا۔ تو پھر حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ سوال کیوں کیا جاتا۔ کیا حضور میں اتنی طاقت تھی۔

حق یہ ہے کہ حدیث زیر بحث سے بالکل واضح لفظوں میں یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ حضور علیہ السلام نے دن اور رات کے کچھ حصہ میں اپنی تمام ازواج مطہرات کو مشرف فرما دیا تھا۔ منکرین حدیث جو یہاں اعتراض کرتے ہیں وہ فقط یہی تو ہے کہ اتنی مدت میں ایک آدمی نو عورتوں سے ملاپ نہیں کر سکتا ———— جواب بالکل صاف اور سیدھا سادہ ہے کہ اگر ہم یہ تسلیم کر لیں کہ ایسا ممکن نہیں ہے۔ تو حضور علیہ السلام کے لئے یہ ممکن تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ حضور علیہ السلام کو اللہ عزوجل نے تیس مردوں جتنی طاقت عطا فرمائی تھی؟ اگر آپ اس کو تسلیم نہیں کرتے۔ تو نہ دیکھئے

مگر یہ حقیقت ہے۔ کہ بہت سی باتیں انبیاء کرام میں ایسی ہوتی ہیں جو عام انسانوں میں نہیں پائی جاتیں۔ اور انبیاء کرام میں ان امور کی موجودگی پر ہمیشہ بے بصیرت افراد نے چیں بجبیں ہو کر تعجب کا اظہار کیا ہے۔ تو اگر یہی ایک خاص بات حضور میں پائی گئی تو اہل بصیرت کے لئے تو اس میں کوئی چیز قابل اعتراض نہیں ہے۔ یوں اگر کسی نے اعتراض برائے اعتراض کی قسم ہی کھالی ہو تو یہ علیحدہ بات ہے ؛

حضور علیہ السلام کو چالیس جنتی مردوں کی طاقت دی گئی تھی

ابو نعیم کی روایت میں ہے کہ حضور علیہ السلام کو

قُوَّةَ أَرْبَعِيْنَ رَجُلًا كُلُّ رَجُلٍ مِنْ رِجَالِ أَهْلِ الْجَنَّةِ (حلیہ، صفحہ ۱، ص۳۳) | چالیس جنتی مردوں جنتی طاقت دی گئی تھی۔

اور ترمذی کی حدیث میں ہے کہ ایک جنتی مرد کی طاقت ۔۔

كَمِائَةِ رَجُلٍ (ترمذی) | دنیا کے ایک سو مردوں کے برابر ہوتی ہے۔

چالیس کو سو میں ضرب دیں تو حاصل چار ہزار ہوتے ہیں۔ اس طاقت و قوت کے پیش نظر اگر آپ نے گیارہ یا نو ازواج کو مشرف فرمایا تو اس میں کون سی حیرت کی بات ہے۔

ازواج مطہرات کی تعداد اس پر سب کا اتفاق ہے کہ ازواج کی تعداد گیارہ تک ہے۔ یہ سب یکدم نکاح میں نہیں آئیں بلکہ یکے بعد دیگرے ان سے نکاح ہوا ترتیب یوں ہے ؛۔

۱۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ سب سے پہلے نکاح میں آئیں۔ آپ کے حالات فیوض الباری جلد اول پر گذر چکے ہیں۔

۲۔ حضرت سودہ بنت زمعہ حضرت خدیجہ کے بعد سب سے پہلے حضور کے عقد نکاح میں آئیں رمضان سنہ ۱۰ نبوی اور بروایت دو تانی شہ نبوی میں آپ کا نکاح ہوا۔ چار سو درہم مہر قرار پایا۔ آپ سے کوئی اولاد نہ ہوئی۔ آپ حضور کی نہایت فرمانبردار بی بی تھیں۔ اور اس وصف میں تمام ازواج مطہرات سے ممتاز تھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ فیاضی اور سخاوت میں بھی اپنی مثل نہ رکھتی تھیں۔ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک تھیلی بھیجی۔ فرمایا کیا ہے کہا گیا درہم ہیں۔ آپ نے فرمایا کھجوروں کی طرح تھیلی میں درہم بھیجے جاتے ہیں۔ یہ فرمایا اور تمام درہم تقسیم فرما دیئے ——— آپ سے پانچ حدیثیں مروی ہیں۔ ایک بخاری میں بھی ہے۔ صحاح میں حضرت عبد اللہ ابن عباس اور یحییٰ بن عبد الرحمٰن بن اسعد بن زرارہ نے ان سے روایت کی ہے۔ ——— آپ کے سن وفات میں اختلاف ہے۔ واقدی کے نزدیک زمانہ خلافت امیر معاویہ ۵۴ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔ ابن حجر سال وفات ۵۵ھ قرار دیتے ہیں۔ ذہبی لکھتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری زمانہ میں آپ کی وفات ہوئی۔ حضرت عمر نے ۲۳ھ میں وفات پائی۔ اس لحاظ سے آخری زمانہ خلافت ۲۲ھ ہوگا اور یہی آپ کا سن وفات ہوگا۔

نوٹ؛ حضرت سودہ کی پہلی شادی سکران بن عمرو سے ہوئی تھی جو انتقال کر گئے تھے ؛

(۳) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ بنت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہما یہ وہ ہیں جنہیں حضور علیہ السلام نے حضرت سودہ بنت زمعہ کے بعد شرف زوجیت میں لیا۔
آپ کے مختصر حالات فیوض الباری جلد اول ص ... پر مذکور ہیں۔

(۴) حضرت حفصہ رض امیر المومنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی ہیں ان کا نام نامی منقول ہے بعثت سے پانچ برس قبل یعنی اس سال پیدا ہوئیں۔ جب قریش کعبہ کو تعمیر کر رہے تھے۔ اور ان کی خصوصیت یہ ہے کہ خود حضور علیہ السلام نے حضرت حفصہ سے نکاح کی خواہش فرمائی اور نکاح ہو گیا۔ آپ کی وفات شعبان ۴۵ھ میں زمانہ خلافت امیر معاویہ میں ہوئی۔ آپ پہلے حنیس بن حذافہ کے عقد نکاح میں تھیں جو غزوہ بدر میں شہید ہو گئے۔ حضرت حفصہ رض سے ساٹھ حدیثیں مروی ہیں جن میں سے امام بخاری نے پانچ روایت کیں۔

(۵) حضرت ام سلمہ نام مبارک ہند۔ کنیت ام سلمہ والد کا نام سہل اور والدہ کا نام عاتکہ تھا۔ پہلے عبد اللہ بن عبد الاسد بن مغیرہ کے نکاح میں تھیں۔ انہیں کے ہمراہ اسلام لائیں۔ حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ ان کی یہ بہت بڑی فضیلت ہے کہ یہ پہلی عورت ہیں جو ہجرت کر کے مدینہ آئیں۔ ان کے شوہر عبد اللہ بن عبد الاسد بڑے شہسوار تھے۔ غزوہ بدر و احد میں شریک ہوئے۔ احد میں چند زخموں کی وجہ سے شہید ہو گئے تھے۔ ان کی نماز جنازہ حضور نے پڑھائی اور نو تکبیریں کہیں۔ صحابہ نے عرض کی سرکار کیا سہو ہوا ہے۔ فرمایا یہ ایک ہزار تکبیر کے مستحق تھے۔

ازواج مطہرات میں سب کے بعد ام سلمہ نے وفات پائی۔ تاریخ وفات میں اختلاف ہے۔ واقدی ۵۹ھ امام ابراہیم حربی ۶۲ھ امام بخاری کی تاریخ میں ۵۸ھ اور بعض روایتوں میں ۶۱ھ آیا ہے جب امام حسین رض کی شہادت کی خبر آئی۔ اس وقت ان کا انتقال ہوا۔ حضرت ام سلمہ سے ۳۷۸ حدیثیں مروی ہیں۔ جن میں سے ۱۳ پر بخاری و مسلم کا اتفاق ہے۔ اور ۳ کو امام بخاری اور ۱۳ کو امام مسلم نے منفرداً ذکر کیا ہے۔

(۶) حضرت ام حبیبہ نام مبارک رملہ، ام حبیبہ کنیت۔ حضور کی بعثت سے سترہ سال پہلے پیدا ہوئیں۔ اور عبید اللہ بن جحش سے نکاح ہوا۔ اور اپنے شوہر اول کے ساتھ مسلمان ہوئیں۔ پھر حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ عبید اللہ بن جحش حبشہ جا کر عیسائی ہو گئے۔ اور آپ اسلام پر قائم رہیں۔ اختلاف مذہب کی بنا پر دونوں میں علیحدگی ہو گئی۔ اور انہیں ام المومنین ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ آپ نے ۴۴ھ میں وفات پائی۔ اور مدینہ میں دفن ہوئیں۔ آپ سے ۶۵ حدیثیں مروی ہیں۔ جن میں سے ۲ پر بخاری و مسلم کا اتفاق ہے۔

(۷) حضرت زینب بنت جحش حضرت زینب ازواج مطہرات میں ممتاز حیثیت کی مالک ہیں۔ نسبی حیثیت سے وہ حضور کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ نہایت قانع۔ فیاض طبع اور متقی تھیں۔ عبادت میں خشوع و خضوع کے ساتھ مشغول رہتی تھیں۔ انہیں کی شان میں حضور نے فرمایا تھا۔ تم میں سے مجھ سے جلد وہ ملے گی جس کا ہاتھ لمبا ہوگا یہ استعارہ ان کی فیاضی اور سخاوت کی طرف تھا چنانچہ پیش گوئی کے مطابق ازواج مطہرات میں سب سے پہلے ان کا وصال ہوا۔ سن وصال ۲۰ھ ہے ۵۳ برس کی عمر پائی۔ واقدی نے لکھا ہے کہ بوقت نکاح ان کی عمر شریف ۳۵ سال کی تھی۔

حضرت زینب وہی ہیں جن کا نکاح پہلے حضور نے اپنے متبنّٰی حضرت زید سے کر دیا تھا مگر یہ اور ان کے بھائی راضی

نہ ہوئے تو آیۂ مبارکہ ماکان لمؤمن ولا مؤمنۃ (الخ) نازل ہوئی۔ پھر یہ بھی راضی ہو گئیں۔ نکاح تو ہوا لیکن دونوں میں نباہ نہ ہو سکا۔ حضرت زید نے طلاق دے دی۔ حضور نے نکاح کا پیام دیا اور کتاب مجید میں یہ ارشاد فرمایا گیا۔ کہ یہ نکاح اللہ عزوجل نے نکاح کیا۔ چنانچہ حضرت زینب فخریہ فرمایا کرتی تھیں۔ کہ میں وہ ہوں جس کا نکاح اللہ عزوجل نے آسمان پر حضور علیہ السلام کے ساتھ کیا۔ آپ سے ۱۱ حدیثیں مروی ہیں۔ ۲ پر بخاری و مسلم کا اتفاق ہے ۔

(۸) ام المساکین حضرت زینب بنت خزیمہ — نام مبارک زینب۔ ام المساکین لقب۔ یہ اس لئے کہ آپ فقراء کو نہایت فیاضی کے ساتھ کھانا کھلایا کرتی تھیں۔ آپ پہلے عبداللہ بن جحش کے نکاح میں تھیں۔ جو جنگ احد ۳ھ میں شہید ہو گئے تھے۔ ۳ھ میں آپ عقد نبوی میں آئیں۔ نکاح کو دو تین ماہ ہی گذرے تھے کہ آپ کا انتقال ہو گیا۔ حضرت خدیجہ کے بعد صرف حضرت زینب ہی ہیں جن کا وصال حضور کی حیات ظاہری میں ہوا۔ حضور علیہ السلام نے خود نماز جنازہ پڑھائی۔ جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔ وفات کے وقت آپ کی عمر شریف ۳۰ سال تھی۔

(۹) حضرت میمونہ — یہ وہ ہیں۔ جنہوں نے اپنے آپ کو حضور کی خدمت میں پیش کیا۔ نام مبارک میمونہ۔ والد کا نام حارث والدہ کا نام ہند تھا۔ پہلے مسعود کے نکاح میں تھیں۔ ان سے طلاق کے بعد ابو رہم سے نکاح ہوا۔ ان کے انتقال کے بعد حضور کی زوجیت میں آئیں۔ ۵۱ھ میں وفات پائی۔ آپ سے ۷۶ حدیثیں مروی ہیں۔ جن میں سے سات پر بخاری و مسلم نے اتفاق کیا ہے ۔

(۱۰) حضرت جویریہ — قبیلہ بنی مصطلق کے سردار حارث بن ضرار کی بیٹی تھیں۔ ان کی پہلی شادی مسافع بن صفوان سے ہوئی۔ جو غزوۂ مریسیع ۵ھ میں قتل ہوا۔ اور یہ بھی لونڈی غلاموں میں ہاتھ آئیں۔ اور ثابت بن قیس بن شماس انصاری کے حصہ میں آئیں۔ حضور علیہ السلام نے ان کو خرید کر آزاد فرمایا۔ اور عقد نکاح کر لیا۔ ربیع الاول ۵۰ھ میں وفات پائی۔ جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔
آپ سے سات حدیثیں مروی ہیں۔ جن میں سے دو بخاری اور دو مسلم میں ہیں ۔

(۱۱) حضرت صفیہ اسرائیلیہ — نام مبارک زینب باپ کا نام حیی بن اخطب تھا۔ جو بنو نضیر کا سردار تھا۔ ماں کا نام ضرہ تھا۔ جو بنو قریظہ کے سردار سموئل کی بیٹی تھی۔ ان کی پہلی شادی سلام بن مشکم سے ہوئی۔ طلاق کے بعد دوسری شادی کنانہ بن ابی الحقیق کے ساتھ ہوئی۔ ۷ھ میں جب قلعہ قموص خیبر فتح ہوا۔ تو کنانہ قتل ہوا۔ حضرت صفیہ کا باپ اور بھائی بھی کام آئے اور یہ گرفتار ہوئیں۔ حضور نے ان کو خرید کے آزاد کیا اور نکاح فرمایا۔ ۵۰ھ میں ساٹھ سال کی عمر پا کر وصال فرمایا۔ اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔ آپ سے ۱۰ حدیثیں مروی ہیں۔ جن میں سے صرف ایک متفق علیہ ہے ۔

بَابُ غَسْلِ الْمَذِیِ وَالْوُضُوْءِ مِنْہُ | باب مذی کے نکلنے پر غسل ہے یا وضو؟

شہوانی خیالات و ملاعبت کے وقت جو لیسدار سی رطوبت نکلتی ہے۔ اس کو مذی کہتے ہیں۔ مذی کے نکلنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ غسل واجب نہیں ہوتا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے کسی آدمی کے ذریعہ حضور علیہ السلام سے اس کے متعلق دریافت کیا تو حضور نے فرمایا :-

فَقَالَ تَوَضَّأْ وَاغْسِلْ ذَكَرَكَ
(بخاری)

مذی کے نکلنے پر اپنی شرمگاہ کو دھو ڈال اور وضو کرے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مذی کے نکلنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ غسل واجب نہیں ہوتا۔ اس مسئلہ کے متعلق متعدد حدیثیں مروی ہیں جو صحاح ستہ میں موجود ہیں (۲) حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے بوجہ شرم وحیا خود سوال نہیں کیا۔ بلکہ حضرت مقداد کے ذریعہ حضور علیہ السلام سے دریافت کرلیا تھا فیوض الباری جلد اول صفحہ میں اس حدیث پر تفصیلی گفتگو ہو چکی ہے:

بَابُ مَنْ تَطَيَّبَ ثُمَّ اغْتَسَلَ وَبَقِيَ أَثَرُ الطِّيْبِ

باب۔ جس نے غسل کیا۔ اور خوشبو کا اثر غسل کرنے کے بعد رہ گیا

مطلب عنوان یہ ہے۔ کہ اگر کسی نے اپنے جسم پر خوشبو وغیرہ لگائی اور پھر غسل کیا۔ اور خوشبو کا اثر جسم پر باقی رہ گیا۔ تو غسل ہوگیا۔ عرب کا رواج یہ تھا۔ کہ وہ جماع سے پہلے خوشبو لگایا کرتے تھے۔ ابن بطال علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ جماع سے قبل زوجین کا خوشبو لگانا سنت ہے۔ ترجمۃ الباب سے یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ غسل میں بدن کو خوب ملنا ضروری نہیں ہے۔ کیونکہ اگر خوب اچھی طرح مل کر نہایا جائے تو عموماً خوشبو کا اثر بدن پر نہیں رہتا۔ البتہ بعض خوشبوئیں ایسی بھی ہوتی ہیں۔ کہ خوب اچھی طرح مل کر دھونے سے نہیں جاتیں۔

تیل مل کر نہایا، چکناہٹ باقی رہ گئی، غسل ہوگیا

اسی طرح اگر بدن پر تیل وغیرہ لگایا اور نہایا۔ اور نہانے کے بعد تیل کی چکناہٹ بدن پر باقی رہ گئی تو غسل ہوگیا (۲) امام نے اس عنوان کے ماتحت دو حدیثیں لکھی ہیں۔ جن سے مذکورہ بالا مسائل پر روشنی پڑتی ہے۔

پہلی حدیث تو حدیث عائشہ ہے۔ جو گزشتہ اوراق میں مع تفہیم کے گزر چکی ہے۔ جس میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا تھا۔ کہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن مبارک کو خوشبو لگاتی تھی۔ پھر آپ اپنی ازواج کو مشرف فرماتے تھے اور صبح کو غسل کرکے احرام باندھتے ——— دوسری حدیث یہ ہے حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔

كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى وَبِيصِ الطِّيبِ فِي مَفْرِقِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ (بخاری)

گویا میں حضور کی مانگ میں خوشبو کی چمک دیکھ رہی ہوں۔ حالانکہ آپ احرام باندھے ہوتے۔

فوائد و مسائل وَبِیص کے معنی چمک و دمک کے ہیں۔ مَفْرِق۔ وہ راہ جو وسط سر میں ہوتا ہے یعنی مانگ۔ اس حدیث سے جماع سے قبل خوشبو لگانے کا جواز ثابت ہوا۔ اور یہ بھی کہ احرام باندھنے سے پہلے خوشبو لگانا جائز ہے۔ خواہ احرام باندھنے کے بعد جسم پر خوشبو کے اثرات باقی ہی رہیں۔

حیرت ہے کہ صریح حدیث کے ہوتے ہوئے حضرت امام مالک علیہ الرحمۃ کا یہ مسلک بتایا جاتا ہے کہ وہ احرام باندھنے سے پہلے بھی خوشبو لگانے کو منع کرتے ہیں جبکہ احرام باندھنے کے بعد خوشبو کے اثرات باقی رہیں (واللہ اعلم)

بَابُ تَخْلِيلِ الشَّعَرِ حَتّٰى إِذَا ظَنَّ أَنَّهُ قَدْ أَرْوَى بَشَرَتَهُ أَفَاضَ عَلَيْهِ (بخاری)

باب غسل کرتے وقت بالوں میں خلال کرنا۔ یہاں تک یہ جان لے کہ پانی جلد (بال کی جڑ) تک پہنچ گیا ہے پھر پانی بہائے

حالتِ غسل جنابت انگلیاں بھگو کر بالوں کی جڑوں میں خلال کرنا تاکہ پانی جلد تک پہنچ جائے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک سنت ہے۔ اور امام مالک علیہ الرحمۃ کے نزدیک واجب ہے۔ مرد کے لئے غسل جنابت میں بدن، سر مونچھ کے تمام بالوں کو جڑ سے لیکر نوک تک دھونا اور جلد تک پانی بہانا فرض ہے۔ ایک بال بھی سوکھا رہ گیا غسل نہ ہوگا ——— البتہ عورت کے لئے یہ رعایت ہے۔ کہ اگر بال گندھے ہوں۔ تو صرف بالوں کی جڑوں کو تر کر لینا کافی ہے۔ بالوں کو کھولنا ضروری نہیں۔ ہاں اگر چوٹی ایسی سخت ہے کہ بے کھولے پانی بالوں کی جڑوں تک نہیں پہنچے گا تو اس صورت میں عورت کو بھی بال کھول کر جڑوں تک پانی پہنچانا ضروری ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ غَسَلَ يَدَيْهِ وَتَوَضَّأَ وُضُوْءَهُ لِلصَّلٰوةِ ثُمَّ اغْتَسَلَ ثُمَّ يُخَلِّلُ بِيَدِهٖ شَعْرَهٗ حَتّٰى إِذَا ظَنَّ أَنَّهٗ قَدْ أَرْوٰى بَشَرَتَهٗ أَفَاضَ عَلَيْهِ الْمَاءَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ غَسَلَ سَائِرَ جَسَدِهٖ وَقَالَتْ كُنْتُ أَغْتَسِلُ أَنَا وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ نَغْرِفُ مِنْهُ جَمِيْعًا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب غسل جنابت فرماتے تو پہلے دونوں ہاتھ کو دھوتے۔ اور نماز کا سا وضو فرماتے۔ پھر غسل شروع کرتے۔ تو اپنے ہاتھ سے بالوں کا خلال کرتے جب آپ جان جاتے۔ کہ بالوں کی جڑ بھیگ گئی ہے تو پھر تین بار پانی بہاتے۔ پھر تمام بدن پر پانی ڈالتے ——— نیز فرماتی ہیں کہ میں اور حضور اکرم ایک ہی برتن سے چلو لے کر غسل کر لیا کرتے تھے۔

یہ حدیث اپنے معنی میں بالکل واضح ہے۔ اسی مضمون کی دوسری حدیثیں سابقہ صفحات میں مع تفہیم و توضیح کے گذر چکی ہیں۔

بَابُ مَنْ تَوَضَّأَ فِي الْجَنَابَةِ ثُمَّ غَسَلَ سَائِرَ جَسَدِهٖ وَلَمْ يُعِدْ غَسْلَ مَوَاضِعِ الْوُضُوْءِ مِنْهُ مَرَّةً أُخْرٰى

باب جنابت کی حالت میں وضو کر لینے کے بعد تمام جسم کو دھونا۔ اور وضو کے اعضاء کو دوبارہ نہ دھونا

اس عنوان کے تحت امام نے حدیث میمونہ ذکر کی ہے۔ جو گذشتہ صفحات میں مع تفہیم کے گذر چکی ہے مقصود صرف یہ بتانا ہے کہ غسل سے پہلے اگر وضو کر لیا جائے پھر غسل کیا جائے تو جو اعضاء وضو دھل گئے ہیں انہیں غسل کے وقت دوبارہ دھونا ضروری نہیں ہے۔

بَابُ إِذَا ذَكَرَ فِي الْمَسْجِدِ أَنَّهٗ جُنُبٌ خَرَجَ كَمَا هُوَ وَلَا يَتَيَمَّمُ

(بخاری)

باب مسجد میں پہنچنے کے بعد جنبی ہونا یاد آئے تو بغیر تیمم کئے باہر آجائے پھر وضو کر کے مسجد میں جائے اور نماز پڑھے

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ أُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ وَعُدِّلَتِ الصُّفُوْفُ قِيَامًا فَخَرَجَ إِلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا قَامَ فِيْ مُصَلَّاهُ ذَكَرَ أَنَّهٗ جُنُبٌ فَقَالَ لَنَا مَكَانَكُمْ ثُمَّ رَجَعَ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نماز کی تکبیر ہوئی اور صفیں برابر کر کے لوگ کھڑے ہو گئے حضور علیہ السلام اپنے حجرہ مبارکہ سے آئے اور مصلے پر کھڑے ہو گئے اس وقت آپ کو یاد آیا۔ کہ نہانے کی حاجت ہے

فاغتسل ثم خرج الینا و رأسه یقطر فکبر فصلینا معه۔ (بخاری)

آپ نے ہم لوگوں سے فرمایا یہیں کھڑے رہو۔ پھر آپ لوٹ گئے۔ اور غسل فرمایا۔ اور پھر تشریف لائے۔ آپ کے سر مبارک سے پانی ٹپک رہا تھا آپ نے اللہ اکبر کہا اور ہم نے نماز ادا کی۔

فوائد و مسائل اس حدیث کو امام بخاری و مسلم نے کتاب الصلوٰۃ میں۔ ابوداؤد نے طہارت و صلوٰۃ میں۔ اور نسائی نے طہارت میں ذکر کیا ہے۔ یہ حدیث مسائل ذیل پر مشتمل ہے:۔

(۱) تعدیل صفوف مستحب ہے اور حدیث میں اس کی تاکید آئی ہے اور فضیلت بھی۔ ایک حدیث میں فرمایا کہ صفیں برابر کرو ورنہ تمہارے اندر اللہ اختلاف ڈال دے گا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام ہماری صفیں تیر کی طرح سیدھی کراتے تھے نماز میں صفیں مل کر کھڑی ہوں کہ بیچ میں کشادگی نہ رہ جائے اور سب کے مونڈھے برابر ہوں (۲) غسل جنابت علی الفور واجب نہیں ہے۔ ویسے از روئے طب بھی جماع کے فوراً بعد غسل کرنے سے نقصان کا احتمال ہے ——— یہ نماز فجر کی تھی جس کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حجرہ مبارک سے تشریف لائے۔ مصلیٰ پر کھڑے ہونے کے بعد آپ کو یاد آیا کہ نہانے کی حاجت ہے۔ تو آپ واپس تشریف لے گئے اور غسل فرما کر آئے اور نماز پڑھائی ——— منکرین سنت اس موقع پر بھی حدیث سے بدظن کرنے کے لئے یہ کہا کرتے ہیں کہ دیکھو بخاری نے یہ لکھا ہے کہ حضور بحالت جنابت مسجد میں تشریف لے گئے لیکن ظاہر ہے حضور قصداً تشریف نہ لائے تھے بلکہ بھول گئے تھے۔ اگر حضور علیہ السلام نہ بھولتے جاتے تو یہ مسئلہ کیسے معلوم ہوتا۔

بحالت جنابت مسجد میں جانا حرام ہے اور اس کے متعلق ضروری مسائل

امام بخاری علیہ الرحمۃ نے اس حدیث سے یہ استدلال فرمایا ہے۔ کہ جو شخص مسجد میں سو گیا۔ اور اسے احتلام ہو گیا۔ یا بھولے سے بحالت جنابت مسجد میں داخل ہو گیا۔ تو اب اس کو تیمم کرکے مسجد سے باہر آنا ضروری ہے۔ امام شافعی و امام مالک اور بعض حنابلہ یہ کہتے ہیں۔ کہ تیمم کرکے مسجد سے نکلے۔ ہمارے فقہائے احناف نے لکھا ہے کہ جس پر غسل فرض ہے اسے بغیر ضرورت مسجد میں جانے کے لئے تیمم جائز نہیں۔ ہاں اگر مجبوری ہو جیسے ڈول اسی مسجد کے اندر ہے اور کوئی لانے والا نہیں ہے۔ تو اس ضرورت سے تیمم کرکے جائے۔ اور جلد سے جلد ڈول لے کر نکل آئے۔ اسی طرح مسجد میں سویا احتلام ہو گیا تو حکم لکھتے ہیں جہاں سویا تھا فوراً تیمم کرکے نکل آئے بغیر توقف ——— واضح ہو کہ یہ حدیث مسلک حنفیہ کے خلاف نہیں ہے۔ کیونکہ روایت غیر مشہورہ حنفیہ کے ہاں بھی یہی ہے۔ کہ اگر جنبی بھولے سے مسجد میں داخل ہو گیا تو اسے بلا تیمم مسجد سے باہر آنا جائز ہے (کذا فی رد المختار) اور یہ روایت نادرہ (عن امامنا) جب صریح طور پر حدیث کے موافق ہو تو اس کو مشہورہ پر ترجیح ہونی چاہیئے۔ فافہم۔

باب نفض الیدین من غسل الجنابۃ | باب غسل جنابت کے بعد ہاتھوں کو جھاڑنا

مقصود عنوان یہ بتانا ہے کہ غسل کے بعد رومال یا تولیے سے بدن کو نہ پونچھے تو جائز ہے۔ اور پونچھے تو بھی جائز امام شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ نے فرمایا۔ مقصود باب یہ بتانا ہے کہ کہ غسل ایک ہے کیونکہ نفض بصاحبۃ الرشاش ... سے خالی نہیں ہوتا (تراجم بخاری ص۳) اس عنوان کے ماتحت امام نے حدیث میمونہ ذکر کی ہے جس میں یہ مذکور ہے۔ کہ حضور

میمونہ نے غسل کے بعد حضور علیہ السلام کو رومال پیش کیا۔

فَلَمْ يَأْخُذْهُ فَانْطَلَقَ وَهُوَ يَنْفُضُ يَدَيْهِ (بخاری)

تو آپ نے نہیں لیا۔ اور اپنے دونوں ہاتھ جھاڑتے ہوئے مقام غسل سے تشریف لے گئے۔

بَابُ مَنْ بَدَأَ بِشِقِّ رَأْسِهِ الْأَيْمَنِ فِي الْغُسْلِ

باب غسل میں سر کے داہنی طرف سے شروع کرنا

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنَّا إِذَا أَصَابَ إِحْدَانَا جَنَابَةٌ أَخَذَتْ بِيَدَيْهَا ثَلَاثًا فَوْقَ رَأْسِهَا ثُمَّ تَأْخُذُ بِيَدِهَا عَلَى شِقِّهَا الْأَيْمَنِ وَبِيَدِهَا الْأُخْرَى عَلَى شِقِّهَا الْأَيْسَرِ (بخاری)

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ہم میں سے جب کسی کو نہانے کی حاجت ہوتی۔ تو پہلے دونوں ہاتھوں سے تین چلو لے کر اپنے سر پر ڈالتی۔ پھر ہاتھ سے پانی لے کر بدن کی دائیں جانب اور دوسرے ہاتھ سے پانی لے کر بدن کی بائیں جانب ڈالتی۔

مفہوم حدیث واضح ہے پہلے سیدھی طرف پھر بائیں جانب پانی ڈال کر نہایا جائے یہی سنت ہے۔

بَابُ مَنِ اغْتَسَلَ عُرْيَانًا وَحْدَهُ فِي الْخَلْوَةِ وَمَنْ تَسَتَّرَ فَالتَّسَتُّرُ أَفْضَلُ

باب اکیلے میں برہنہ نہانا جائز ہے۔ اور جو تہبند وغیرہ باندھ کر نہائے۔ تو یہ افضل ہے۔

وَقَالَ بَهْزٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللهُ أَحَقُّ أَنْ يُسْتَحْيَى مِنْهُ مِنَ النَّاسِ (بخاری)

بہز بن حکیم اپنے باپ سے وہ بہز کے دادا (معاویہ بن حیدہ) سے روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ اللہ عزوجل زیادہ حق دار ہے کہ اس سے حیا کی جائے بہ نسبت لوگوں کے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تنہائی میں بھی تہبند وغیرہ باندھ کر نہانا مستحب ہے۔ اور خلوت میں برہنہ نہانا بلا کراہت جائز ہے۔ جمہور فقہاء کا یہی مذہب ہے۔ خوب یاد رکھئے کہ زمانہ رسالت میں عام طور پر مسلمان خلوت میں بھی تہبند یا کپڑا باندھ کر نہاتے تھے۔

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَانَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ يَغْتَسِلُونَ عُرَاةً يَنْظُرُ بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ وَكَانَ مُوسَى صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْتَسِلُ وَحْدَهُ فَقَالُوا وَاللهِ مَا يَمْنَعُ مُوسَى أَنْ يَغْتَسِلَ مَعَنَا إِلَّا أَنَّهُ آدَرُ فَذَهَبَ مَرَّةً يَغْتَسِلُ فَوَضَعَ ثَوْبَهُ عَلَى حَجَرٍ فَفَرَّ الْحَجَرُ بِثَوْبِهِ فَجَمَحَ مُوسَى فِي إِثْرِهِ يَقُولُ ثَوْبِي يَا حَجَرُ ثَوْبِي يَا حَجَرُ حَتَّى نَظَرَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ إِلَى مُوسَى

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کے لوگ ننگے نہایا کرتے تھے ایک کو ایک دیکھتا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عادت یہ تھی کہ تنہائی میں نہاتے۔ تو بنی اسرائیل کہنے لگے بخدا موسیٰ جو ہمارے ساتھ نہیں نہاتے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ آدر ہیں۔ تو ایک بار ایسا ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے کپڑے پتھر پر رکھ کر نہانے لگے تو وہ پتھر ان کے کپڑے لے کر بھاگا۔ حضرت موسیٰ بھی (بے اختیار) اس کا تعاقب کرنے لگے۔ کہتے جاتے تھے۔ اے پتھر میرے کپڑے میرے

يقولوا: واللہ ما بموسیٰ من بأس، و
أخذ ثوبہ وطفق بالحجر ضربا فقال
أبو ہریرۃ: واللہ انہ لندب بالحجر ستۃ
او سبعۃ ضربا بالحجر

(بخاری)

کپڑے یہاں تک کہ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ کو دیکھ لیا اور کہنے لگے ہم غلط سمجھے تھے ان کو تو کوئی بیماری نہیں ہے۔ پتھر رک گیا: آپ نے اپنے کپڑے لے لئے اور پتھر پر مارنے لگے۔ حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں بخدا اس پتھر پر چھ یا سات نشان ہیں حضرت موسیٰ کے مارنے کے۔

فوائد و مسائل (۱) اس حدیث کو مسلم نے احادیث الانبیاء میں ذکر کیا ہے (۲) آدر کے معنی فتق کے ہیں۔ یعنی ایک انثیہ کا بڑھ جانا (۳) جب زخم اچھا ہو جائے۔ اور جلد پر جو نشان باقی رہ جائے اس کو ندب کہتے ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے الفاظ سے بتا رہے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پتھر پر جو ضربیں لگائیں۔ پتھر پر اس کے نشان بھی پڑ گئے تھے۔ اور یہ ان کا معجزہ تھا جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک کا پتھر پر نشان آ جانا تمام اس حدیث کے عنوان سے یہ حق ہے کہ لوگوں کے سامنے بلا پردہ برہنہ نہانا ممنوع ہے (۵) بنی اسرائیل ایک دوسرے کے سامنے برہنہ نہایا کرتے تھے۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام حیا کی وجہ سے خلوت میں نہاتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یہ کیفیت دیکھ کر بنی اسرائیل نے اپنی جہالت سے یہ رائے قائم کر لی تھی کہ آپ آدر ہیں اس لئے ہمارے ساتھ برہنہ نہیں نہاتے۔ اللہ عزوجل نے چاہا کہ حضرت موسیٰ اس الزام سے بری ہوں: تو اس کی صورت وہ ہوئی جس کا قصہ حدیث زیر بحث میں مذکور ہے (۶) حضرت سعید ابن جبیر جلیل القدر تابعی ہیں۔ وہ فرماتے ہیں۔ کہ جس پتھر پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے غسل کے لئے کپڑے اتار کر رکھے تھے۔ وہی پتھر تھا جو آپ کے ساتھ سفر میں رہتا تھا اور جس سے بنی اسرائیل کے لئے پانی کے چشمے جاری ہوتے تھے (عینی ج ۲ ص ۲۳)

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور پتھر کا کپڑے لے کر بھاگنا

(۷) پتھر کا کپڑے لے کر بھاگنے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پتھر پر جو ضربیں لگائیں۔ اس کے نشان پتھر پر نمودار ہو جانے کو شارحین احادیث نے معجزہ ہی تسلیم کیا ہے۔ علامہ حسن چلپی و کرمانی و قسطلانی و عینی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہم نے اس کے معجزہ ہونے کی تصریح کی ہے۔ علامہ عینی نے فرمایا جب اللہ کی قدرت سے پتھر نے ذوی العقول کا سا کام کیا یعنی آپ کے کپڑے لے کر بھاگا تو جناب موسیٰ علیہ السلام نے بھی اس کو اسی طرح پکارا جیسے ذوی العقول کو پکارتے ہیں (عینی ج ۲ ص ۲۳)

(۸) اور جب آپ کے روکنے اور آواز دینے سے پتھر نہ رکا تو آپ نے اس کو پیٹا بھی ——— رہی یہ بات کہ آپ برہنہ پتھر کے پیچھے کیوں بھاگے۔ تو یہ انسان کی فطرت ہے۔ اگر ایسا ہی واقعہ ہمارے آپ کے ساتھ پیش آ جائے۔ یقیناً اس وقت بے اختیار ہم بھی بھاگنے پر ہی مجبور ہوں گے ——— بہرحال پتھر کے بھاگنے پر وہ لوگ تو معترض ہیں۔ جو اللہ عزوجل کی قدرت اور معجزات انبیاء کے منکر ہوں۔ لیکن ایک صحیح العقیدہ مسلمان کے لئے تو اس واقعہ میں کوئی اعتراض کی بات نہیں ہے۔ کیونکہ وہ خدا جو پتھر سے پانی جاری کر دے اور شیر خوار گی کے زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کلام کرا کر جناب مریم سلام اللہ علیہا کی پاکدامنی کا اظہار فرما سکتا ہے۔ کیا وہی خدا اپنی قدرت کاملہ سے پتھر میں کپڑے لے کر بھاگنے کا شعور پیدا نہیں کر سکتا؟ اور پتھر کے ذریعہ ایک جلیل القدر نبی کو ان کی قوم کے جاہلانہ الزام

سے حاصل نہیں کر سکتا۔

علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے لکھا کہ اس حدیث میں اس امر کی دلیل ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى نَزَّهَ أَنْبِيَاءَهُ خَلْقًا وَخُلُقًا وَنَزَّهَهُمْ عَنِ الْمَعَايِبِ وَالنَّقَائِصِ (عینی ج ۱۰ ص ۵)

اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام کو ازروئے خلق و خلق کامل بنایا ہے اور عیوب و نقائص سے پاک کیا ہے۔

(۱) ضرورت شرعیہ ہو تو ستر کا دیکھنا جائز ہے (۲) خلوت میں برہنہ نہانا جائز ہے۔ اور اس سے ان لوگوں کے خیال کی تردید ہو گئی۔ جو خلوت میں برہنہ ہو کر نہانے کو ناجائز کہتے ہیں۔ البتہ یہ صحیح ہے کہ خلوت میں بھی کپڑا باندھ کر نہانا مستحب ہے (۳) بوقتِ ضرورت کسی خبر کو قسم کے ساتھ بیان کرنا جائز ہے جیسے جناب ابوہریرہ نے قسم کھائی۔

اس سے معلوم ہوا کہ پتھر وغیرہ پر نشانات کا آجانا شایانِ انبیائے کرام کی خصوصیات سے ہے آئندہ حدیث میں حضرت ایوب علیہ السلام کے تذکرہ میں علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ جہاں آپ کی قبر ہے وہاں ایک پتھر بھی ہے جس پر حضرت ایوب علیہ السلام کا نشانِ قدم بتایا جاتا ہے۔ ان حقائق کے ہوتے ہوئے جو لوگ محض اپنی ذاتی عداوت کی بنیاد پر حضور علیہ السلام کے قدم مبارک کا پتھر پر نشان آجانے کو محل قرار دیتے ہیں ان کی تردید ہو جاتی ہے۔

علامہ قسطلانی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ جیسے پتھر کا کپڑے لے کر بھاگ جانا معجزہ ہے۔ اسی طرح حضرت موسیٰ نے جو ضرب پتھر پر لگائی اور اس پر نشان آگئے۔ یہ بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ ہے وارادہ بضربہ اظہار المعجزۃ بتاثیر ضربہ فیہ (قسطلانی ج ۲ ص ۳۰):

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَيْنَا أَيُّوبُ يَغْتَسِلُ عُرْيَانًا فَخَرَّ عَلَيْهِ جَرَادٌ مِنْ ذَهَبٍ فَجَعَلَ أَيُّوبُ يَحْتَثِي فِي ثَوْبِهِ فَنَادَاهُ رَبُّهُ يَا أَيُّوبُ أَلَمْ أَكُنْ أَغْنَيْتُكَ عَمَّا تَرَى قَالَ بَلَى وَعِزَّتِكَ وَلٰكِنْ لَا غِنٰى بِي عَنْ بَرَكَتِكَ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک بار حضرت ایوب علیہ السلام برہنہ ہو کر خلوت میں نہا رہے تھے۔ تو ان پر سونے کی ٹڈیاں گرنے لگیں۔ وہ ان کو اپنے کپڑے میں لینے لگے اس پر ان کے رب جل مجدہ نے (وحی کی) پکارا۔ کیا میں نے تمہیں ان چیزوں سے بے پرواہ نہیں کیا۔ جو تم دیکھتے ہو۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے عرض کی تیرے عزوجلال کی قسم کیوں نہیں! لیکن تیرے کرم سے کیسے بے پرواہ ہو سکتا ہوں:

فوائد و مسائل علامہ ابن بطال علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ اس حدیث سے امام بخاری کی وجہِ استدلال یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے جناب ایوب علیہ السلام کو ٹڈیاں جمع کرنے پر ٹوکا۔ مگر برہنہ نہانے پر کچھ نہ فرمایا اس سے خلوت میں برہنہ نہانے کا جواز ثابت ہوا (۲) ایوب عجمی نام ہے۔ آپ روم بن عیص بن اسحٰق بن ابراہیم علیہم السلام کے صاحبزادے ہیں۔ آپ کی والدہ حضرت لوط علیہ السلام کی صاحبزادی ہیں۔ آپ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عابد و زاہد تھے۔ ۹۳ سال آپ کی عمر تھی۔ علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے۔ کہ آپ کی قبر مبارک قریہ دیر ایوب میں ہے۔ جو مشہد کے قریب ہے۔ اور وہاں ایک پتھر ہے کہا جاتا ہے کہ اس پر حضرت ایوب علیہ السلام کا نشانِ قدم ہے۔ اور ایک چشمہ ہے۔ جس سے لوگ برکت حاصل کرتے ہیں (عینی ج ۲ ص ۱۵)

یہ حدیث مسائل ذیل پر مشتمل ہے (۱) اللہ کی صفتوں میں سے کسی صفت کی قسم کھانا جائز ہے۔

مال کے حصول کی حرص کرنا جائز ہے (۳) تونگری فضیلت کی بات ہے۔ اسی لئے حضرت ایوب علیہ السلام نے اس کو برکت کے لفظ سے موسوم فرمایا۔

بَابُ التَّسَتُّرِ فِي الْغُسْلِ عِنْدَ النَّاسِ

باب: بوقت غسل لوگوں سے پردہ کرکے نہانا

(۱) تَقُولُ ذَهَبْتُ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الْفَتْحِ فَوَجَدْتُهُ يَغْتَسِلُ وَفَاطِمَةُ تَسْتُرُهُ فَقَالَ مَنْ هٰذِهِ فَقُلْتُ أَنَا أُمُّ هَانِئٍ

ام ہانی بنت ابی طالب کہتی ہیں کہ میں حضور کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ تو آپ غسل فرما رہے تھے۔ اور حضرت فاطمہ آپ پر پردہ کئے ہوئے تھیں۔ آپ نے فرمایا کون؟ میں نے کہا میں ام ہانی ہوں۔

(۲) وَعَنْ مَيْمُونَةَ قَالَتْ سَتَرْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَغْتَسِلُ مِنَ الْجَنَابَةِ

حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے حضور علیہ السلام کے لئے پردہ کر دیا۔ اور آپ نے غسل جنابت فرمایا۔

فوائد و مسائل

حدیث اول کو امام نے ادب۔ جزیہ۔ صلوٰۃ میں بھی ذکر کیا ہے۔ اور مسلم نے طہارت و صلوٰۃ میں اور ترمذی نے استیذان و سیر میں۔ اور نسائی نے طہارت و سیر میں اور ابن ماجہ نے طہارت میں ذکر فرمایا۔

(۱) حضرت ام ہانی۔ ان کا مشہور نام فاختہ ہے۔ یہ ابوطالب کی صاحبزادی اور جناب علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی ہمشیرہ ہیں۔ حضور علیہ السلام نے دو بار نکاح کا پیغام دیا تھا۔ دوسری بار جب آپ نے پیغام دیا تو انہوں نے عرض کی کہ میں بچوں والی ہوں اس لئے نکاح ثانی مناسب نہیں اور حضور خاموش ہو گئے۔ ان سے کل ۴۶ حدیثیں مروی ہیں۔ بخاری میں ان سے ۲ حدیثیں مروی ہیں۔ حضرت علی و ابن عباس ان کے شاگرد ہیں (قسطلانی)

(۲) یہ واقعہ عام الفتح یعنی فتح مکہ رمضان ۸ھ کا ہے۔ حضور علیہ السلام غسل فرما رہے تھے۔ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پردہ کئے ہوئے تھیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پردہ کے ساتھ اپنی محارم کے سامنے نہانا جائز ہے، اور لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہو کر (پردہ میں) نہانا واجب ہے۔

• حدیث دوم یعنی حدیث میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہے جس کی تفصیل و توضیح گزشتہ اوراق میں ہو چکی ہے۔

بَابُ إِذَا احْتَلَمَتِ الْمَرْأَةُ

باب عورت کو احتلام ہونے کے بیان میں

اس عنوان کے ماتحت امام نے جو حدیث لکھی ہے وہ کتاب العلم باب الحیاء فی العلم میں مع تفصیل کے گذر چکی ہے حضرت ام سلیم نے بحضور نبوی یہ سوال کیا تھا کیا عورت پر بھی غسل واجب ہے جب اس کو احتلام ہو تو آپ نے جواب دیا۔

نَعَمْ إِذَا رَأَتِ الْمَاءَ (بخاری)

ہاں اس پر بھی غسل واجب ہے جبکہ وہ جاگ کر منی پائے۔

یعنی جیسے مرد کو احتلام ہو جائے تو اس پر غسل واجب ہے اسی طرح عورت کو احتلام ہو جائے تو اس پر بھی غسل واجب ہے

بَابُ عَرَقِ الْجُنُبِ وَأَنَّ الْمُسْلِمَ لَا يَنْجُسُ (بخاری)

باب جنبی کے پسینہ اور مسلمان کے ناپاک نہ ہونے کے بیان میں

اس باب میں امام نے جو حدیث ذکر کی ہے۔ اس کے ابتدائی جملوں کا ترجمہ یہ ہے۔ حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے کسی راستہ میں ان سے ملے اور (ابوہریرہ) جنبی تھے فرماتے ہیں۔ کہ میں حضور سے پیچھے رہ گیا

لوٹ گیا۔ اور غسل کر کے پھر آیا۔ تو حضور نے فرمایا۔ ابوہریرہ تم کہاں رہ گئے تھے میں نے عرض کیا۔ کہ میں جنبی تھا تو میں نے اس حالت میں آپ کے پاس بیٹھنا پسند نہ کیا۔ اس پر حضور علیہ السلام نے فرمایا:-

سبحان اللہ! مومن نجس نہیں ہوتا	قال سبحان اللّٰہ ان المؤمن لا ینجس (بخاری)

فوائد و مسائل اس حدیث کو امام مسلم نے طہارت میں۔ ترمذی، نسائی، ابو داؤد اور ابن ماجہ نے کتاب الصلوٰۃ میں ذکر کیا ہے۔ یہ حدیث مسائل ذیل پر مشتمل ہے۔

(۱) مومن کے بدن پر جب تک کوئی حقیقی ظاہری نجاست مثلاً پاخانہ پیشاب وغیرہ نہ لگا ہو۔ وہ نجس نہیں ہوتا اور اس مسئلہ میں مرد و عورت، کافر و مسلمان، زندہ مردہ سب کا ایک حکم ہے (۲) آدمی بے وضو ہو یا جنبی یہ نجاست اس کی حکمی ہے۔ لہٰذا اس کا پسینہ، لعاب دہن اور جھوٹا پاک ہے (۳) غسل جنابت علی الفور واجب نہیں (۴) اس حدیث سے ابن حبان علیہ الرحمہ نے یہ استدلال فرمایا کہ اگر جنبی کنوئیں میں بہ نیت غسل غسل کرے تو پانی ناپاک نہ ہوگا۔ لیکن یہ استدلال اس لئے باطل ہے۔ کہ حدیث اس پر دال نہیں ہے۔ کیونکہ حدیث ہذا میں تو صرف اس امر کا بیان ہے کہ جنبی کی ذات نجس نہیں ہے۔ رہا جنبی کا غسالہ تو اس کے پاک ہونے کے متعلق حدیث میں اصلاً دلالت نہیں ہے۔

باب: جنبی کے گھر سے نکلنے اور بازار میں چلنے پھرنے کے بیان میں۔	بَابُ الْجُنُبِ يَخْرُجُ وَيَمْشِي فِي السُّوْقِ وَغَيْرِهٖ
اور حضرت عطاء نے فرمایا جنبی پچھنے لگوا سکتا ہے ناخن ترشوا سکتا ہے اور سر منڈوا سکتا ہے اگرچہ اس نے وضو نہ کیا ہو۔	وَقَالَ عَطَاءٌ يَحْتَجِمُ الْجُنُبُ وَيُقَلِّمُ أَظْفَارَهٗ وَيَحْلِقُ رَأْسَهٗ وَإِنْ لَّمْ يَتَوَضَّأْ
حضرت انس بن مالک کا بیان ہے کہ حضور علیہ السلام ایک ہی رات میں اپنی ازواج مطہرات کو مشرف فرماتے تھے۔ اور ان دنوں آپ کی نو ازواج تھیں۔	إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَطُوْفُ عَلٰى نِسَائِهٖ فِي اللَّيْلَةِ الْوَاحِدَةِ وَلَهٗ يَوْمَئِذٍ تِسْعُ نِسْوَةٍ

حدیث ہذا سے جنبی کا گھر سے نکلنا اور چلنا پھرنا ثابت ہوا کیونکہ آپ ایک بیوی کو مشرف فرما کر پھر دوسری کے گھر تشریف لے گئے تھے۔ اور یہی ترجمۃ الباب ہے۔ امام نے اس کے بعد حدیث ابوہریرہ ذکر کی ہے۔ جو اوپر گذر چکی ہے۔ جس کا مضمون یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ جنابت کی حالت میں بازار میں نکلے۔ اور حضور علیہ السلام سے ان کی ملاقات ہو گئی تھی (الحدیث)

باب: جنبی جب کہ غسل سے پہلے وضو کرلے۔ تو گھر میں رہ سکتا ہے۔	بَابُ كَيْنُوْنَةِ الْجُنُبِ فِي الْبَيْتِ إِذَا تَوَضَّأَ قَبْلَ أَنْ يَّغْتَسِلَ

کہا گیا ہے کہ امام بخاری علیہ الرحمۃ نے یہ عنوان حدیث ابو داؤد کے ضعف کی طرف اشارہ کرنے کے لئے باندھا ہے۔ ابو داؤد میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے مروی ہے کہ جس گھر میں کتا یا (جاندار)، کی تصویر یا جنبی ہو اس میں رحمت کے فرشتے نہیں آتے۔ امام نے یہ عنوان قائم کر کے یہ بتایا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے

جس گھر میں جنبی ہو وہاں رحمت کے فرشتے نہیں آتے ۔ اور جنب کا بغیر غسل کئے گھر میں رہنا جائز

ہے۔ علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے لکھا کہ یہ بات درست نہیں۔ کہ امام بخاری نے یہ عنوان حدیث ابو داؤد کے ضعف کے اظہار کے لئے قائم کیا ہے۔ حدیث ابو داؤد کو حاکم و ابن حبان نے صحیح قرار دیا ہے۔ اور امام بخاری نے حاصل حدیث ابو داؤد کا مطلب واضح کرنے کے لئے یہ عنوان باندھا ہے۔ کہ حدیث ابو داؤد کا مطلب یہ ہے۔ کہ جو شخص جنابت کی حالت میں پڑے رہنے کو عادت بنالے یہاں تک کہ نماز تک فوت ہو جائے تو ایسا جنب جس گھر میں ہو گا رحمت کے فرشتے وہاں داخل نہ ہوں گے۔ لیکن جو شخص اپنے کسی کام میں مشغول ہو نیکی وجہ سے غسل کو مؤخر کرے یا وضو کر کے سو جائے یا اپنے کام کاج میں مشغول رہا ہے۔ اور بعد میں غسل کر لے تو وہ جنبی اس وعید میں داخل نہیں ہے (عینی ج ۲ ص ۳)

عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ قَالَ سَاَلْتُ عَائِشَةَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَرْقُدُ وَهُوَ جُنُبٌ قَالَتْ نَعَمْ وَیَتَوَضَّاُ (بخاری)

ابی سلمہ کہتے ہیں کہ میں نے جناب عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم جنابت کی حالت میں آرام فرما لیتے تھے انہوں نے جواب دیا ہاں اور وضو کر کے۔

بَابُ نَوْمِ الْجُنُبِ

باب بحالت جنابت سونے کے بیان میں

عَنْ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ عُمَرَ ابْنِ الْخَطَّابِ سَاَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَیَرْقُدُ اَحَدُنَا وَهُوَ جُنُبٌ قَالَ نَعَمْ اِذَا تَوَضَّاَ اَحَدُکُمْ فَلْیَرْقُدْ وَهُوَ جُنُبٌ (بخاری)

حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کیا جنابت کی حالت میں کوئی سو سکتا ہے؟ حضور نے جواب دیا ہاں جب وضو کر لے تو سو سکتا ہے۔

بَابُ الْجُنُبِ یَتَوَضَّاُ ثُمَّ یَنَامُ

باب جنبی وضو کر کے سوئے

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَرَادَ اَنْ یَّنَامَ وَهُوَ جُنُبٌ غَسَلَ فَرْجَهٗ وَتَوَضَّاَ لِلصَّلٰوةِ (بخاری)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب جنابت کی حالت میں سونے کا ارادہ فرماتے۔ تو استنجا فرماتے اور نماز کا سا وضو کرتے پھر آرام فرماتے۔

(۲) حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور سے پوچھا۔ کبھی وہ رات کو جنبی ہوتے ہیں اور غسل نہیں کر سکتے تو کیا کریں۔ حضور نے فرمایا:۔

تَوَضَّاْ وَاغْسِلْ ذَکَرَكَ ثُمَّ نَمْ (بخاری)

تو شرمگاہ کو دھولے اور وضو کر کے سو جا۔

فوائد و مسائل

یہ حدیثیں امور ذیل پر مشتمل ہیں۔

(۱) جس پر غسل واجب ہے اس کو بلا وجہ غسل میں تاخیر نہیں کرنی چاہیئے (۲) جنبی اگر کھانا پینا چاہے۔ یا عورت سے دوبارہ جماع کرنا چاہتا ہے یا سونا چاہتا ہے تو یہ مستحب ہے کہ وضو کر کے کھائے پیئے سوئے اگر ویسے ہی کھا پی لیا تو گناہ نہیں مگر کروہ تنزیہی ہے (۳) حدیث عائشہ میں جو یہ آیا ہے۔ کہ حضور جنابت کی حالت میں سونا چاہتے تو نماز کی طرح وضو کر کے سو جاتے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے۔ کہ آپ اس وضو سے نماز پڑھتے تھے۔ کیونکہ جنبی بغیر غسل کے نماز نہیں پڑھ سکتا۔ (۴) جنبی اگر وضو کرلے تو پھر بھی جنبی ہی رہتا ہے۔ البتہ اس کی جنابت میں وضو سے کچھ کمی ہو جاتی ہے اور حدیث ابو داؤد میں جو وعید آئی ہے وضو کر کے سونے والا اس سے محفوظ ہو جاتا ہے (واللہ اعلم)

[illegible] امام اعظم اور امام ابو یوسف علیہما الرحمۃ کا مسلک یہ ہے کہ جنبی بغیر وضو کئے سو جائے [illegible]

ہو رہا نہیں۔ یہ حضرات حدیث عائشہ سے استدلال کرتے ہیں جس کے لفظ یہ ہیں کان یجنب ثم ینام ولا یمس ماء
یعنی کہ حضور علیہ السلام بحالت جنابت بغیر وضو کے آرام فرما ہوتے ——— صاحب فتح الباری نے اس کا جواب یہ
دیا کہ حضور علیہ السلام کا بحالت جنابت بغیر وضو کے سو جانا بیان جواز کے لئے تھا۔ ویسے افضل و مستحب یہی ہے کہ وضو کرکے سویا
جائے لیکن یہ جواب کچھ اچھا نہیں۔ کیونکہ حضور علیہ السلام کا بحالت جنابت بغیر وضو کے آرام فرمانا کہیں ثابت ہی نہیں ہے
اور حدیث عائشہ کا جواب یہ ہے کہ ابو اسحق نے اس حدیث کو مختصر بیان کیا ہے اور اس مختصر حدیث کو سامنے رکھکر مذکورہ
حضرات نے خلاف رشیدہ مسلک کی بنیاد کر لیا ورنہ یہی حدیث عائشہ جس کو ابو اسحق نے مختصر کیا ہے۔ پوری حدیث
میں اسود بن یزید نے یہ لفظ بھی روایت کئے ہیں۔ "وان کان جنبا توضأ وضوء الرجل للصلٰوۃ" یعنی اگر حضور
بحالت جنابت آرام فرما ہونے تو نماز کی طرح کا وضو کرکے آرام فرما ہوتے۔ اس سے واضح ہو گیا کہ حضور علیہ السلام نے بحالت جنابت
بغیر وضو کے کبھی آرام نہیں فرمایا۔ زیادہ تفصیل کے لئے منیہ ۱ ص ۴۹، طحاوی شریف کا مطالعہ کیجئے۔

باب جب مرد و عورت کی شرم گاہیں مل جائیں	بَابُ إِذَا الْتَقَى الْخِتَانَانِ
حضرت ابو ہریرہ رض سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا جب مرد و عورت کے چاروں شعبوں کے درمیان بیٹھے اور دخول کرنے تو غسل واجب ہو گیا۔	عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا جَلَسَ بَيْنَ شُعَبِهَا الْأَرْبَعِ ثُمَّ جَهَدَهَا فَقَدْ وَجَبَ الْغُسْلُ (بخاری)

فوائد و مسائل اس حدیث کو مسلم، ابن ماجہ و نسائی نے کتاب الطہارت میں ذکر کیا۔ مسلم کی حدیث میں یہ لفظ بھی ہیں
وَإِنْ لَمْ يُنْزِلْ (فتح الباری) ان دونوں حدیثوں سے واضح ہوتا ہے۔ کہ محض دخول حشفہ سے بھی
غسل واجب ہو جاتا ہے اگرچہ انزال منی نہ ہو۔ چنانچہ یہ مسئلہ اب بالکل متفق علیہ ہے۔ البتہ صدر اول میں صحابہ کے درمیان
مختلف فیہ رہا ہے اور متعدد جلیل القدر صحابہ و تابعین مثلاً حضرت عثمان غنی، علی المرتضیٰ، زبیر بن العوام، طلحہ بن عبید اللہ
سعد بن ابی وقاص، ابن مسعود، رافع بن خدیج، ابو سعید خدری، ابو ایوب انصاری، ابن عباس، ابی بن کعب
نعمان بن بشیر، زید ابن ثابت، عطا بن رباح، ابی سلمہ بن عبد الرحمٰن، ہشام بن عروہ، اعمش رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس
امر کے قائل رہے ہیں۔ کہ جب تک انزال منی نہ ہو غسل واجب نہیں ہوتا۔ چنانچہ اس باب میں متعدد حدیثیں بعض ائمہ
کی مروی ہیں ——— مگر ایسے تمام اکثر اسی حدیثیں منسوخ ہیں۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کسی نے پوچھا
ایک شخص جماع کرے مگر اس کو انزال نہ ہو تو کیا اس پر غسل واجب ہے حضرت عائشہ نے فرمایا ایسا واقعہ ہمیں بھی پیش آیا

قوش نے اور حضور علیہ السلام نے غسل فرمایا	فَقَالَتْ فَعَلْتُهُ أَنَا وَرَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاغْتَسَلْنَا مِنْهُ جَمِيعًا (ترمذی، طحاوی)

اسی طرح حدیث زیر بحث بھی ان تمام حدیثوں کی ناسخ ہے جن سے عدم وجوب غسل معلوم ہوتا ہے۔ غرضیکہ صحیح مسئلہ

۱؎ حدیث ہذا کی پوری سند یہ ہے: ان یحیٰی حدثنا قال اخبرنا ابو غسان قال اخبرنا زہیر قال
حدثنا ابو اسحٰق قال اتیت الاسود بن یزید وکان لی اخا وصدیقا فقلت له یا ابا عمرو حدثنی ما
حدثتك عائشة ام المؤمنين عن صلاة النبي صلى الله عليه وسلم بالحديث

یہی ہے۔ کہ جماع کرنے پر اگر انزال نہ ہو تو غسل پھر بھی واجب و لازم ہے۔ اس مسئلہ کی مزید تشریح و توضیح کے لئے فیوض الباری پارہ اول بھی ملاحظہ فرمائیے۔

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ هُوَ أَجْوَدُ وَأَوْكَدُ وَإِنَّمَا بَيَّنَّا الْحَدِيثَ الْآخَرَ لِاخْتِلَافِهِمْ وَالْغُسْلُ أَحْوَطُ (بخاری)

امام بخاری نے فرمایا دخول کے بعد انزال نہ ہونے کی صورت میں غسل کر لینا بہتر اور مفید ہے اور ہم نے دو اس کے خلاف دوسری حدیث عثمان وغیرہ بیان کی ہے تو بتلانے کے لئے کی ہے کہ صحابہ کرام کا اس مسئلہ میں اختلاف رہا ہے اور غسل کر لینے میں زیادہ احتیاط ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت امام بخاری علیہ الرحمۃ کے نزدیک بھی مذکورہ بالا صورت میں غسل کرنا ضروری و لازمی ہے جیسے بھی احتیاط اسی میں ہے کہ غسل کیا جائے۔

بَابُ غَسْلِ مَا يُصِيبُ مِنْ فَرْجِ الْمَرْأَةِ

باب عورت کی شرمگاہ سے جو رطوبت لگ جائے اس کے دھونے کے بیان میں۔

فَقَالَ أَرَأَيْتَ إِذَا جَامَعَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ فَلَمْ يُمْنِ قَالَ عُثْمَانُ يَتَوَضَّأُ كَمَا يَتَوَضَّأُ لِلصَّلَاةِ وَيَغْسِلُ ذَكَرَهُ قَالَ عُثْمَانُ سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلْتُ عَنْ ذَلِكَ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ وَالزُّبَيْرَ بْنَ الْعَوَّامِ وَطَلْحَةَ بْنَ عُبَيْدِ اللهِ وَأُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ فَأَمَرُوهُ بِذَلِكَ قَالَ يَحْيَى وَأَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ أَنَّ عُرْوَةَ بْنَ الزُّبَيْرِ أَخْبَرَهُ أَنَّ أَبَا أَيُّوبَ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ سَمِعَ ذَلِكَ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (بخاری)

حضرت خالد جہنی نے حضرت عثمان سے پوچھا بتلائیے اگر مرد اپنی عورت سے جماع کرے۔ اور انزال نہ ہو تو غسل واجب ہو گیا یا نہیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا نماز کے وضو کی طرح وضو کرے۔ اور شرمگاہ کو دھولے یعنی اس صورت میں غسل واجب نہیں ہوگا حضرت عثمان نے فرمایا میں نے حضور سے بھی ایسا ہی سنا ہے اور حضرت علی بن ابی طالب۔ زبیر بن العوام طلحہ بن عبید اللہ ابی بن کعب سے بھی یہ مسئلہ دریافت کیا۔ تو انہوں نے بھی یہی حکم دیا۔ کہ اس صورت میں غسل واجب نہیں ہے اور مجھے ابو سلمہ نے خبر دی کہ ان کو عروہ بن زبیر نے بتلایا کہ ابو ایوب انصاری نے انہوں نے حضور علیہ السلام سے ایسا ہی سنا ہے۔

قَالَ يَا رَسُولَ اللهِ إِذَا جَامَعَ الرَّجُلُ الْمَرْأَةَ فَلَمْ يُنْزِلْ قَالَ يَغْسِلُ مَا مَسَّ الْمَرْأَةَ مِنْهُ ثُمَّ يَتَوَضَّأُ وَيُصَلِّي قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ الْغُسْلُ أَحْوَطُ وَذَاكَ الْآخِرُ إِنَّمَا بَيَّنَّا لِاخْتِلَافِهِمْ وَالْمَاءُ أَنْقَى۔

حضرت ابی بن کعب نے عرض کی۔ یا رسول اللہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے صحبت کرے اور انزال نہ ہو اس کا کیا حکم ہے حضور نے فرمایا عورت کی شرمگاہ سے جو رطوبت لگ گئی ہو اس کو دھو ڈالے۔ اور پھر وضو کر کے نماز پڑھے یعنی غسل واجب نہیں ہے امام بخاری علیہ الرحمۃ نے فرمایا غسل کر لینے میں زیادہ احتیاط ہے۔ اور ہم نے جو حدیثیں ذکر کی ہیں وہ صرف یہ بتانے کے لئے کی کہ صحابہ کا اس مسئلہ میں اختلاف رہا ہے اور پانی خوب صاف کرنے والا ہے (یعنی غسل کرنا چاہیئے)

ان احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ جو جماع کرے اور انزال نہ ہو اس پر غسل واجب نہیں ہے۔ لیکن ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ یہ حدیثیں منسوخ ہیں۔ ابتداء میں حضور علیہ السلام نے یہی حکم دیا تھا مگر اس کے بعد اس حکم کو منسوخ کر دیا گیا۔ اسی لئے حضرت امام بخاری نے فرمایا کہ یہ حدیثیں جن سے عدم غسل معلوم ہو رہا ہے ہم نے یہ بتانے کے لئے ذکر کی ہیں کہ اس مسئلہ میں صحابہ کا اختلاف رہا ہے اور ضروری اور بہتر یہی ہے کہ اس صورت میں بھی غسل کیا جائے۔

غسل کے فرائض، سنتیں، مستحبات، غسل کرنے کا طریقہ اور اس کے ضروری احکام و مسائل

اب آخر میں عوام کی آسانی کے لئے غسل کے تمام مسائل مع وغیرہ کے ترتیب وار بیان کئے جاتے ہیں۔ غسل کے تین جز ہیں یا یوں کہہ لیجئے کہ غسل میں تین فرض ہیں۔ ان کی اہمیت کا یہ عالم ہے کہ اگر ان کی ادائیگی میں کمی ہوگی تو غسل نہ ہوگا۔ وہ یہ ہیں۔

غسل کے فرائض

اول: کلی کرنا یعنی منہ کے ہر پرزے گوشے ہونٹ سے حلق کی جڑ تک ہر جگہ پانی بہ جائے۔ غسل فرض میں جب تک اس طرح کلی نہ کی جائے غسل نہ ہوگا۔ بعض لوگ صرف منہ میں تھوڑا سا پانی لے کر اگل دیتے ہیں اور پانی زبان کی جڑ اور حلق کے کنارے تک نہیں پہنچتا اس طرح کلی کرنے سے غسل نہ ہوگا۔

دوم: ناک میں پانی لینا یعنی دونوں نتھنوں کی جہاں تک نرم جگہ ہے دھلنا ضروری ہے پانی کو سونگھ کر اوپر چڑھانا چاہئے تاکہ بال برابر جگہ بھی دھلنے سے نہ رہ جائے ورنہ غسل ادا نہ ہوگا نیز ناک کے اندر کے بالوں کا دھونا بھی فرض ہے

سوم: تمام ظاہر بدن پر پانی کا بہ جانا۔ یعنی سر کے بالوں سے پاؤں کے تلووں تک جسم کے ہر پرزے ہر رونگٹے ہر بال پر پانی بہ جانا ضروری ہے۔ صرف بھیگا ہاتھ بدن پر پھیر لینے سے غسل ادا نہ ہوگا۔ واضح ہو کہ تمام بدن کو دھونے اور اس پر پانی بہانے میں خاص احتیاط کی ضرورت ہے۔ مثلاً

(۱) بھوؤں، مونچھوں اور داڑھی کے بالوں کا جڑ سے نوک تک اور ان کے نیچے کی کھال کا دھلنا۔ کان کا ہر پرزہ اور اس کے سوراخ کا منہ، ٹھوڑی اور گلے کا جوڑ کہ بے منہ اٹھائے نہ دھلے گا۔ بغلیں بے ہاتھ اٹھائے نہ دھلیں گی۔ بازو کا ہر پہلو۔ پیٹھ کا ہر ذرہ۔ پیٹ کی بلٹیں اٹھا کر دھوئیں۔ ناف کو انگلی ڈال کر دھوئیں۔ جب کہ پانی بہنے میں شک ہو۔ جسم کا ہر رونگٹا جڑ سے نوک تک۔ ران اور پیڑو کا جوڑ۔ ران اور پنڈلی کا جوڑ۔ جب بیٹھ کر نہائیں۔ تو دونوں سرین کے ملنے کی جگہ کا دھونا۔ کھڑے ہو کر نہانے میں رانوں کی گولائی۔ پنڈلیوں کی کروٹیں۔ ذکر و انثیین کے ملنے کی سطحیں بے جدا کئے نہ دھلیں گی۔ شرمگاہوں کی سطح زیریں جوڑ تک۔ ان کے نیچے کی جگہ جڑ تک۔ جس کا ختنہ نہ ہوا ہو اگر کھال چڑھ سکتی ہو تو چڑھا کر دھونا ضروری ہے اور کھال کے اندر پانی بہائے۔ اسی طرح مستورات کے لئے ڈھلکی ہوئی پستان کو اٹھا کر دھوئیں۔ پستان و شکم کے جوڑ کی تحریر۔ شرمگاہ کے خارج حصہ کا ہر گوشہ دھونا ضروری ہے۔

(۲) مرد کے سر کے بال اگر گندھے ہوں تو اس کے لئے ان کو کھول کر جڑ سے نوک تک پانی بہانا ضروری ہے اور عورت پر صرف بالوں کی جڑوں کو تر کر لینا ضروری ہے۔ کھولنا ضروری نہیں ہے۔ ہاں اگر چوٹی اتنی سخت گندھی ہو۔ کہ بے کھولے جڑیں تر نہ ہوں گی۔ تو کھولنا ضروری ہے۔ کانوں کے سوراخ اور ناک کے سوراخ میں پانی گذرنا بھی ضروری اس تشریح سے مقصود یہ بتانا ہے کہ غسل فرض تب ادا ہوگا جب کہ ظاہر بدن کے ہر حصہ ہر بال پر بہ جائے

پہ پانی بہ جانے سے ان کا ذکر، چند مسائل کی احادیث پیش کی جاتی ہیں۔ جن سے یہ مسائل اخذ ہوتے ہیں۔

(۱) آیت میں کہ وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا میں تمام بدن کو پاک کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ لہٰذا بدن کا ہر وہ حصہ جہاں بغیر حرج کے پانی بہایا جا سکے۔ بہانا ضروری ہو گا اور جہاں پانی کا بہانا مشکل ہے۔ جیسے آنکھوں کے اندر تو وہ جگہ اس حکم میں داخل نہیں۔ منہ اور ناک میں بلا حرج پانی پہنچایا جا سکتا ہے۔ اس لئے امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ نے غسل جنابت میں کلی کرنے اور ناک میں پانی لینے کو واجب قرار دیا ہے۔

(۲) سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ جو شخص غسل جنابت میں بال برابر بھی جگہ بغیر دھوئے چھوڑ دے گا۔ اس کو عذاب دیا جائے گا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔

(۳) فَمِنْ ثَمَّ عَادَيْتُ رَأْسِيْ (مشکوٰۃ، ابو داؤد)

اسی وجہ سے میں نے اپنے سر کے بالوں کے ساتھ زیادتی کی۔

——— یعنی ان کو منڈوا دیا کیوں کہ غسل جنابت میں کسی بال کے سوکھا رہنے کا احتمال نہ رہے۔

(۴) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا جنبی نے غسل کیا۔ کلی کرنا اور ناک میں پانی لینا بھول گیا تو

فَلْيُعِدْ لِلْوُضُوْءِ الْمَضْمَضَةَ وَالْاِسْتِنْشَاقَ (دارقطنی)

اس کو چاہیئے کہ وضو کرنے میں ناک میں پانی لے لے اور کلی کر لے۔

(۵) اَلْمَضْمَضَةُ وَالْاِسْتِنْشَاقُ لِلْجُنُبِ فَرِيْضَةٌ (دارقطنی و بیہقی)

جنبی کے لئے غسل میں کلی کرنا اور ناک میں پانی لینا فرض ہے (فرض عملی)

(۵) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس شخص کے متعلق پوچھا گیا جو غسل جنابت میں کلی کرنا اور ناک میں پانی لینا بھول گیا۔ پھر اس نے نماز پڑھ لی۔ آپ نے جواب دیا۔

لَا يُعِيْدُ الصَّلٰوةَ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ جُنُبًا (بیہقی)

نماز نہ لوٹائے مگر وہ شخص جو جنبی تھا (یعنی جس نے غسل جنابت کیا تھا)

(۶) حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اِنَّ تَحْتَ كُلِّ شَعْرَةٍ جَنَابَةً فَاغْتَسِلُوا الشَّعْرَ وَاَنْقُوا الْبَشَرَةَ (ابو داؤد، ترمذی، ابن ماجہ)

ہر بال کے نیچے جنابت ہے۔ تو غسل میں بالوں کو دھوؤ۔ اور بدن اچھی طرح دھوؤ۔

(۷) حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ اگر تو غسل فرض میں کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا بھول جائے۔

وَاَنْتَ جُنُبٌ فَاَعِدْ صَلٰوتَكَ (دارقطنی)

اور تو جنبی ہو اور نماز پڑھ لے تو پھر نماز دوبارہ پڑھ۔

(۸) حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں کہ ایک شخص بحضور نبوی حاضر ہوا اور عرض کی میں نے غسل جنابت کیا اور فجر کی نماز پڑھ لی پھر مجھے معلوم ہوا کہ ناخن کے برابر جسم کے ایک مقام پر پانی نہیں بہا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

لَوْ كُنْتَ مَسَحْتَ عَلَيْهِ اَجْزَاكَ (بخاری)

اگر تو نے بوقت غسل پانی بہایا تھا تو نماز جائز ہو گئی (ورنہ نہیں)

(۹) حضرت ام سلمہ نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم،

اَفَنَنْقُضُهُ لِلْحَيْضَةِ وَالْجَنَابَةِ

کیا ہم غسل حیض و جنابت کے لئے گندھے ہوئے بال

نَقْتَلَا (مسلم) | کرکے ہیں فرمایا نہانے کے لئے اس کی ضرورت نہیں

(۱) حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا

حَتّٰی تَبْلُغَ شُؤُوْنَ رَأْسِهَا ثُمَّ تَصُبُّ عَلَيْهَا الْمَاءَ (مسلم)	لیکن عورتوں کیلئے یہ کافی ہے کہ وہ سر پر پانی ڈالے اور خوب ضرب لگا کر پانی بالوں کی جڑوں تک پہنچ جائے پھر اس پر پانی بہائے۔

(۲) حضرت جابر کے فتاویٰ میں ہے کہ جب عورت غسل جنابت کرے تو اس کو بالوں کا کھولنا ضروری نہیں ہے۔

وَلٰكِنْ تَصُبُّ الْمَاءَ عَلٰی اُصُوْلِهٖ وَ تَبُلُّهٗ (دارمی)	لیکن عورت کے لئے بالوں کی جڑوں تک پانی پہنچانا اور ان کو تر کر لینا ضروری ہے۔

ان احادیث سے مذکورہ بالا مسائل پر روشنی پڑتی ہے اور امر ذیل کی وضاحت بھی ہوتی ہے۔

(۱) غسل فرض میں کلی کرنا، ناک میں پانی لینا جسم کے ہر حصہ پر پانی بہانا فرض ہے (۲) اگر کوئی شخص غسل فرض میں کلی کرنا یا ناک میں پانی لینا بھول گیا یا جسم کا کوئی حصہ خواہ وہ بال برابر ہی ہو دھلنے سے رہ گیا تو غسل نہ ہوگا۔ اس صورت میں از سر نو غسل کی ضرورت نہیں ہے بلکہ جو چیز غسل میں ادا کرنا بھول گیا ہے اس کو ادا کرے غسل پورا ہو جائے گا مثلاً کلی کرنا بھول گیا تو اب کلی کرے۔ غسل صحیح ہو جائے گا ایسی صورت میں اگر نماز پڑھ لی تو نماز نہ ہوگی۔ دوبارہ پڑھے مثلاً فرض کیجئے کہ کلی کرنا بھول گیا اور نماز پڑھ لی۔ تو اب کلی کرکے دوبارہ نماز پڑھے۔

غسل کی سنتیں

یہ ہیں:۔ پہلے نیت کرے۔ پھر دونوں ہاتھ گٹوں تک تین مرتبہ دھوئے۔ پھر استنجے کی جگہ دھوئے خواہ نجاست ہو یا نہ ہو۔ پھر جسم پر جہاں کہیں نجاست ہو اس کو دور کرے۔ پھر نماز کا سا وضو کرے مگر پاؤں نہ دھوئے ہاں اگر چوکی یا تختے یا پتھر پر نہا رہا ہے تو پاؤں بھی دھولے۔ پھر بدن پر تیل کی طرح پانی چپڑلے خصوصاً جاڑے میں پھر تین مرتبہ دہنے مونڈھے پر پھر بائیں مونڈھے پر۔ پھر تین مرتبہ سر پر اور تمام بدن پر تین بار پانی بہائے۔ غسل کی جگہ سے الگ ہو جائے۔ اگر وضو کرنے میں پاؤں نہ دھوئے تھے تو اب دھولے نہانے میں قبلہ رخ نہ ہو تمام بدن پر ہاتھ پھیرے اور ملے۔ ایسی جگہ نہائے۔ نہاتے وقت کسی قسم کا کلام نہ کرے نہ کوئی دعا پڑھے۔ نہانے کے بعد بدن کو تولیہ سے پونچھنا جائز ہے اس سلسلہ کی حدیثیں کتاب الغسل میں مع تشریح و توضیح کے بیان ہو چکی ہیں۔ انہیں حدیثوں سے مذکورہ بالا سنتیں اخذ کی گئی ہیں یہاں ہم اس مسئلہ کی چند دیگر حدیثیں ذکر کرتے ہیں۔

(۱) حضور علیہ السلام نے فرمایا جب تم میں سے کوئی غسل کرے

فَلْيَغْسِلْ كُلَّ عُضْوٍ مِّنْهُ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ (رواہ طبرانی)	تو ہر عضو کو تین بار دھوئے

(۲) حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جب غسل فرماتے تو

ثُمَّ عَيْنَيْهِ وَتَدْخُلُ اِصْبَعَهٗ فِيْ سُرَّتِهٖ	آنکھیں کھلی رکھتے اور ناف میں انگلی ڈال کر پانی بہاتے

آنکھیں کھلی رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ زور سے بند نہیں کرتے تھے۔ تاکہ پانی آنکھ کے کوؤں پر بہ جائے۔

(۳) حضور علیہ السلام نے فرمایا ایسی عورتیں اور عورات قوم کا ستر یہ ہے کہ آدمی:۔

سَتْرُ مَا بَیْنَ اَعْیُنِ الْجِنِّ وَعَوْرَاتِ بَنِیْ آدَمَ اِذَا دَخَلَ اَحَدُهُمْ ثَوْبَهٗ اَنْ یَّقُوْلَ بِسْمِ اللّٰهِ (طبرانی)	جب کپڑے تو بسم اللہ پڑھے۔

(۴) حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم نافذ کیا تھا کہ ۔

لَا یَدْخُلَنَّ اَحَدُکُمُ الْحَمَّامَ اِلَّا بِمِئْزَرٍ وَّ لَا یُذْکَرُ اللّٰهُ فِیْهِ حَتّٰی یَخْرُجُ (بیہقی)	حمام میں بغیر کپڑا باندھے کوئی داخل نہ ہو اور حمام میں ذکر الٰہی میں بھی مشغول نہ ہو۔

(۵) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور علیہ السلام

لَا یَتَوَضَّأُ بَعْدَ الْغُسْلِ (ترمذی ابن ماجہ)	غسل کے بعد وضو نہیں کرتے تھے۔

حضرت عمرؓ سے غسل کے بعد وضو کے متعلق سوال ہوا تو آپ نے فرمایا۔

اَیُّ وُضُوْءٍ اَفْضَلُ مِنَ الْغُسْلِ	کہ غسل سے کون سا وضو افضل ہے۔

مطلب یہ ہے کہ جب غسل کیا تو وضو بھی ادا ہو گیا اب جب تک حدث نہ ہو نماز کے لئے دوبارہ وضو کرنے کی ضرورت نہیں ہے عوام میں یہ غلط مشہور ہو گیا ہے کہ غسل کے بعد وضو کرنا ضروری ہے۔

خاتمہ کتاب الغسل میں کل ۶۳ حدیثیں ہیں جن میں ۳۵ مکررات اور ۱۲ موصولات ہیں۔ اور باقی تعالیق و متابعات ہیں اور خالص ۲۸ حدیثیں ہیں۔ اور صحابہ و تابعین کے موقوف آثار ۱۰ عدد ہیں۔ جن میں سے ۸ معلق اور ۲ موصول ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

کتاب الحیض

یہ کتاب حیض کے احکام کے بیان میں ہے۔ از روئے لغت اس کے معنی بہنا کے ہیں۔ جیسے بولتے ہیں۔ حَاضَتِ السَّمُرَةُ۔ یہ جملہ اس درخت کے لئے بولا جاتا ہے جس سے خون کی طرح رطوبت بہتی ہو۔ اور اصطلاح شریعت میں حیض اس خون کو کہتے ہیں۔ جو بالغہ عورت کے آگے کے مقام سے عادۃً نکلتا ہے۔ بیماری کی وجہ سے ہو تو اس کو استحاضہ اور بچہ کے پیدا ہونے کے بعد آئے تو اس کو نفاس کہتے ہیں۔ حیض کے دس نام ہیں۔ حیض، طمث، ضحک، اکبار، اعصار، دراس، عراک، فراک، طمث، نفاس (رح ابدی قسطلانی)

امام بخاری علیہ الرحمۃ نے حسب عادت کتاب الحیض کا افتتاح آیت قرآن سے فرمایا ہے کہ اس کے حضور یہ بتانے کے لئے کہ احکام حیض کے باب میں اصل یہ آیت ہے اور احادیث نبویہ اسی آیہ مبارکہ کی توضیح و تبیین کرتی ہیں۔

بالغ عورت کے بدن میں فطرتاً ضرورت سے زیادہ خون پیدا ہوتا ہے حمل کی حالت میں یہ خون بچہ کی غذا کا کام آتا ہے اور بچہ کے دودھ پینے کے زمانے میں یہی خون دودھ بن جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ حمل اور ابتدائے شیر خوارگی میں خون نہیں آتا۔ اور جس زمانہ میں نہ حمل ہو اور نہ دودھ پلاتا ہو تو پھر یہ فاسد خون خارج ہو کر رہتا ہے اگر خارج نہ ہو تو قسم قسم کی بیماریاں لاحق ہو جاتی ہیں

وَقَوْلُ اللّٰہِ تَعَالٰی وَیَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْمَحِیْضِ قُلْ ہُوَ اَذًی فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِی الْمَحِیْضِ وَلَا تَقْرَبُوْہُنَّ حَتّٰی یَطْہُرْنَ فَاِذَا تَطَہَّرْنَ فَاْتُوْہُنَّ مِنْ حَیْثُ اَمَرَکُمُ اللّٰہُ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَیُحِبُّ الْمُتَطَہِّرِیْنَ

اور تم سے پوچھتے ہیں۔ حیض کا حکم تم فرماؤ وہ ناپاکی ہے۔ تو عورتوں سے الگ رہو حیض کے دنوں میں۔ اور ان سے نزدیکی نہ کرو جب تک پاک نہ ہولیں پھر جب پاک ہو جائیں تو ان کے پاس جاؤ۔ جہاں سے تمہیں اللہ نے حکم دیا۔ بیشک اللہ پسند کرتا ہے بہت توبہ کرنے والوں کو اور پسند رکھتا ہے ستھروں کو۔

حائضہ عورت کے بارے میں یہود افراط کے اور نصاریٰ تفریط کے مرتکب تھے۔ یہود ناپاکی حیض میں عورتوں کو اپنے سکونی مکان سے نکال دیتے اور الگ مکان میں رکھتے۔ اور ان کے ساتھ کھانا پینا ترک کر دیتے تھے اور نصاریٰ اس حالت میں بھی عورتوں سے صحبت کر لیتے تھے۔ صحابہ کرام نے جب اس مسئلہ میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے استفسار کیا۔ تو مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی جس میں بتایا گیا کہ اس حالت میں صرف صحبت نہ کی جائے اور ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے، کھانے پینے، بات کرنے، محبت و پیار سے پیش آنے میں حرج نہیں۔ کیونکہ ان ایام میں عورت کو جو نجاست لاحق ہوتی ہے وہ حکمی ہے جس کے احکام اور ہیں۔

بَابُ کَیْفَ کَانَ بَدْءُ الْحَیْضِ

باب حیض کی ابتدا کیسے ہوئی؟

وَقَوْلُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ہٰذَا شَیْءٌ کَتَبَہُ اللّٰہُ عَلٰی بَنَاتِ اٰدَمَ وَقَالَ بَعْضُہُمْ کَانَ اَوَّلُ مَا اُرْسِلَ الْحَیْضُ عَلٰی بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰہِ وَحَدِیْثُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَکْثَرُ

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یہ ایسی چیز ہے جس کو اللہ عزوجل نے بنات آدم پر مقرر کر دیا ہے۔ اور بعض نے کہا سب سے پہلے حیض بنی اسرائیل کی عورتوں کے لئے مقرر ہوا۔ امام ابو عبداللہ بخاری نے فرمایا کہ حضور کا فرمان بہت اکثر ہے۔

فوائد ومسائل مقصود عنوان یہ بتانا ہے کہ حیض کی ابتدا کیسے ہوئی؟ اس سلسلہ میں امام نے حضرت عبداللہ بن مسعود کا قول اور حضور علیہ السلام کا ارشاد پیش کیا۔ بظاہر حضرت ابن مسعود کے قول کا یہ مطلب معلوم ہوتا ہے کہ حیض کی ابتدا بنی اسرائیل کی عورتوں سے ہوئی۔ حالانکہ یہ واقعہ کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ یہ بات تو بالکل بدیہی ہے۔ کہ جب سے عورتوں کی نسل شروع ہوئی ہے۔ انہیں حیض آتا ہے۔ خود کتاب مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ محترمہ حضرت سارہ کے متعلق ارشاد ہے فضحکت جس کے معنی ان کو حیض آیا اور ظاہر ہے کہ حضرت سارہ بنی اسرائیل سے پہلے تھیں۔ نیز مستدرک میں ابن المنذر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بسند صحیح مروی ہے کہ

اِنَّ ابْتِدَاءَ الْحَیْضِ کَانَ عَلٰی حَوَّاءَ بَعْدَ اَنْ اُہْبِطَتْ مِنَ الْجَنَّۃِ (عمدۃ القاری جلد سوم [illegible])

کہ سب سے پہلے حضرت حوا کو حیض آیا جب وہ جنت سے زمین پر اتریں۔

اس سے واضح ہوگیا کہ حیض کی ابتدا سب سے پہلی عورت جناب حضرت حوا سلام اللہ علیہا سے ہوئی۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت ابن مسعود کا قول "حیض کی ابتدا بنی اسرائیل کی عورتوں سے ہوئی" کا حدیث رسول سے تطبیق کی کیا صورت ہوگی؟ شارحین کرام نے اس کے متعدد جواب دیئے ہیں۔ مگر سب کے سب محقق

جواب بھی ہیں۔ اور علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے ان تمام جوابوں پر تنقید کے بعد ایک جواب جو اپنی طرف سے دیا ہے وہ یہ ہے۔ کہ حدیث رسول اور قول عبداللہ بن مسعود میں تناقض ہے ہی نہیں۔ کیونکہ ہو یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر یہ عذاب نازل فرمایا تھا کہ ان کی عورتوں کو حیض نہ آئے چنانچہ کچھ مدت تک وہ حیض سے محروم رہیں۔ کیونکہ حیض نہ آنے تو عورت کے اولاد نہیں ہوتی۔ اس کے بعد یہ عذاب اٹھا لیا گیا۔ تو حضرت عبداللہ بن مسعود نے جو یہ فرمایا کہ حیض کا ابتداء بنی اسرائیل کی عورتوں سے ہوئی۔ تو یہ اولیت بانسبت مدت انقطاع کے ہے یعنی انقطاع حیض کے بعد سب سے پہلے بنی اسرائیل کی عورتوں کو حیض آیا۔ ـــــــــــ لیکن حضرت علامہ عینی علیہ الرحمۃ کی یہ توجیہ اس صورت میں صحیح قرار پائے گی۔ جب کہ یہ مان لیا جائے کہ جس زمانہ میں قوم بنی اسرائیل کا وجود تھا۔ اس زمانہ میں کسی اور قوم کا وجود ہی نہ تھا واللہ اعلم۔ اس لئے میرے نزدیک صحیح جواب یہی ہے۔ کہ حضور علیہ السلام کی حدیث اور حضرت عبداللہ بن مسعود کے قول میں منافات ہے۔ اور امام بخاری علیہ الرحمۃ نے حدیث ''النبیؐ اکثر'' کا لفظ لکھ کر اسی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ کہ حضور کے ارشاد کے مقابل کسی کا قول قابل قبول نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا بات یہی صحیح ہے۔ جو حضور علیہ السلام نے فرمائی ہے۔ کہ حیض ایک ایسا امر ہے۔ جو بنات آدم کے لئے اللہ عزوجل نے مقرر فرما دیا ہے۔ اور اس کی ابتدا سب سے پہلی عورت جناب حضرت حوا علیہا السلام سے ہوئی۔

تَقُوْلُ خَرَجْنَا لَا نَرٰى اِلَّا الْحَجَّ فَلَمَّا كُنَّا بِسَرِفَ حِضْتُ فَدَخَلَ عَلَيَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا اَبْكِيْ قَالَ مَالَكِ اَنُفِسْتِ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ اِنَّ هٰذَا اَمْرٌ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلٰى بَنَاتِ اٰدَمَ فَاقْضِيْ مَا يَقْضِي الْحَاجُّ غَيْرَ اَنْ لَّا تَطُوْفِيْ بِالْبَيْتِ قَالَتْ وَضَحّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ نِّسَائِهِ بِالْبَقَرِ (بخاری)

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ہم حج ہی کے قصد سے نکلے جب مقام سرف میں پہنچے۔ مجھے حیض آ گیا۔ تو میں رو رہی تھی کہ حضور تشریف لائے فرمایا تمہیں کیا ہوا کیا تم حائض ہو گئی ہو۔ میں نے عرض کی ہاں۔ آپ نے فرمایا یہ ایک ایسا امر ہے۔ جو اللہ نے آدم کی بیٹیوں پر لکھ دیا ہے تم حاجیوں کے سب کام کرتی رہو مگر بیت اللہ کا طواف نہ کرو حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضور نے اپنی ازواج کی طرف سے ایک گائے ذبح فرمائی۔

فوائد و مسائل اس حدیث کو امام نے اضاحی میں بھی ذکر کیا ہے اور مسلم نے حج میں، نسائی نے طہارت اور حج میں ابن ماجہ نے حج میں ذکر کیا ہے (۲) سرف ایک مقام ہے جہاں سے مکہ تقریباً سات میل رہ جاتا ہے۔ یہاں پہنچ کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایام سے ہو گئیں تو رونے لگیں کہ اس حالت میں ارکان حج کیسے ادا ہوں گے۔ اس پر حضور علیہ السلام نے انہیں تسلی دی۔ کہ حیض کا عارضہ تو اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے لئے مقرر فرما دیا ہے لہٰذا اضطرابی پریشانی بے جا ہے (۳) ''هٰذَا اَمْرٌ كَتَبَهُ اللّٰهُ'' سے ترجمہ باب نکلتا ہے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حج کا احرام باندھنے کے بعد اگر عورت کو حیض آ جائے تو سوائے طواف کے تمام افعال حج ادا کرتی رہے۔ نفاس والی عورت کا بھی یہی حکم ہے (۴) یہ ایک طویل حدیث ہے جسے امام نے کتاب الحج میں پورا درج کیا ہے وہاں انشاء اللہ العزیز اس حدیث کے تمام مسائل بیان ہوں گے۔

بَابُ غَسْلِ الْحَائِضِ رَاْسَ زَوْجِهَا

باب حائضہ عورت کا اپنے خاوند کا سر دھونے

وترجیلہ

قَالَتْ كُنْتُ اُرَجِّلُ رَاْسَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا حَائِضٌ (بخاری)

اور کنگھی کرنے کے بیان میں۔
حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں حضور علیہ السلام کے سر مبارک میں کنگھی کرتی تھی اور میں حائضہ ہوتی۔

حائضہ عورت کے احکام

اس حدیث کو امام نے کتاب اللباس میں بھی ذکر کیا ہے۔ترمذی نے شمائل میں نسائی نے طہارت و اعتکاف میں ذکر فرمایا ہے اس حدیث سے معلوم ہوا۔کہ بیماری کے ایام میں عورت اچھوت نہیں ہو جاتی۔کہ اس سے پرہیز کیا جائے۔اور ان ایام میں اس کو گھر کا کام کاج کرا نے خاوند کی خدمت کرے۔مثلاً اس کا سر دھلا دینا یا کنگھی کر دینا جائز و درست ہے۔اور ان ایام میں اس کو نجس تصور کرنا خلاف عقل و نقل ہے۔یہ بھی معلوم ہوا کہ حائضہ عورت کا بدن اور پسینہ ناپاک نہیں ہوتا۔نیز شوہر کا اپنی بیوی سے اس کی رضا سے خدمت لینا بھی جائز ہے۔

اس کے بعد امام بخاری نے ایک حدیث لکھی ہے جس کے ابتدائی جملوں کا ترجمہ ہے۔
حضرت ہشام بن عروہ کہتے ہیں۔کہ حضرت عروہ سے سوال ہوا کیا حائضہ عورت میری خدمت کر سکتی ہے اجنبی عورت میرے قریب آسکتی ہے؟ حضرت عروہ نے جواب دیا کر سکتی ہے۔اور اس میں کچھ حرج نہیں ہے کیونکہ حضرت عائشہ نے مجھ سے بیان فرمایا:-

اَنَّهَا كَانَتْ تُرَجِّلُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهِيَ حَائِضٌ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَئِذٍ مُجَاوِرٌ فِي الْمَسْجِدِ يُدْنِيْ لَهَا رَاْسَهٗ وَهِيَ فِيْ حُجْرَتِهَا فَتُرَجِّلُهٗ وَهِيَ حَائِضٌ (بخاری)

کہ وہ حضور کے سر مبارک میں بحالت حیض کنگھی کیا کرتی تھیں۔اور حضور اس وقت مسجد میں معتکف ہوتے۔اپنا سر مبارک حضرت عائشہ کے قریب کر دیتے۔اور حضرت عائشہ اپنے حجرے میں ہوتیں۔اور بحالت حیض حضور کے سر میں کنگھی کر دیتیں۔

فوائد و مسائل

مجاور کے معنی معتکف کے ہیں یعنی حضور علیہ السلام مسجد میں معتکف تھے اور وہیں سے آپ اپنا سر مبارک حضرت عائشہ صدیقہ کے حجرہ میں کر دیتے تھے۔اور وہ کنگھی وغیرہ کر دیتی تھیں۔

اس حدیث سے مسائل ذیل معلوم ہوئے (۱) معتکف اگر اپنا کوئی عضو مثلاً ہاتھ یا پاؤں یا سر مسجد سے باہر کر دے تو اس کا اعتکاف نہیں ٹوٹتا (۲) معتکف اگر اپنی زوجہ سے خدمت لے۔مثلاً سر میں تیل ڈلوائے۔یا کنگھی کرائے تو حرج نہیں۔اور قرآن پاک میں جو کہا ہے: ولا تباشروھن وانتم عاکفون فی المساجد۔ تو اس میں مباشرت سے مراد کا م اور متعلقات جماع ہیں۔یعنی بحالت اعتکاف جماع کرنا اور بوس و کنار ہونا ممنوع ہے۔لیکن بحالت اعتکاف بیوی سے خدمت لینا جیسے سر دھلانا یا کنگھی کروانا جائز ہے (۳) بحالت حیض عورت اگر اپنے خاوند کی خدمت کرے سر میں تیل ڈال دے۔کنگھی کر دے تو جائز ہے (۴) اگر کسی نے یہ قسم کھائی۔کہ وہ اپنے گھر میں داخل نہ ہوگا یا گھر سے نہیں نکلے گا۔اب اگر اس نے اپنا سر یا ایک پاؤں یا ہاتھ گھر میں داخل کیا یا نکالا تو اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی (۵) حائضہ عورت کو مسجد میں آنا ممنوع ہے۔

بَابُ قِرَاءَةِ الرَّجُلِ فِيْ حَجْرِ

باب۔اپنی حائضہ بیوی کی گود میں سر رکھ کر قرآن

امرأته وهي حائض۔ وكان ابو وائل يرسل خادمه وهي حائض الى ابي رزين فتاتيه بالمصحف فتمسكه بعلاقته ... في حجري وانا حائض ثم يقرأ القرآن

(بیوی کے) حیض کے بیان میں

(۱) ابو وائل (شقیق بن سلمہ) اپنی خادمہ کو جو حائضہ ہوتی ابو رزین (مسعود بن مالک) کے پاس بھیجتے وہ قرآن مجید اس کے فیتے سے پکڑ کر لے آتی۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور علیہ السلام میری گود میں تکیہ لگا لیتے حالانکہ میں حیض سے ہوتی۔ پھر آپ قرآن مجید پڑھتے۔

فوائد و مسائل

دونوں حدیثوں کے مسائل ترتیب وار بیان کئے جاتے ہیں۔ حدیث متعلق کے مسائل یہ ہیں۔

(۱) ابو وائل: ان کا اسم شقیق بن سلمہ ہے انہوں نے حضور کا زمانہ پایا۔ مگر دیدار سے مشرف نہ ہو سکے۔ آپ نے کثیر صحابہ سے حدیثیں روایت کیں۔ حضرت یحییٰ بن معین نے فرمایا۔ ابو وائل ثقہ و معتمد ہیں۔ واقدی نے کہا کہ زمانہ خلافت حضرت عمر بن عبد العزیز میں ان کا وصال ہوا۔ ابو وائل کے اس اثر کو ابن ابی شیبہ نے بسند صحیح موصولاً بیان کیا ہے ——— اثر ابو وائل کے ذکر کرنے سے امام بخاری کا مقصود یہ بتانا ہے کہ حائضہ کسی کپڑے کے ساتھ قرآن مجید کو اٹھا سکتی ہے۔ خادم کا اطلاق مذکر و مؤنث دونوں پر آتا ہے۔ یہاں اس سے مراد ابو وائل کی لونڈی ہیں۔ جو حائضہ تھیں۔ ابو وائل نے ان سے قرآن مجید منگایا تھا وہ فیتے سے پکڑ کر اٹھا لائی۔ جو جزدان سے لگا ہوا تھا۔ علاقہ اس ڈوری یا فیتے کو کہتے ہیں۔ جس کے ذریعہ قرآن مجید یا تلوار کو لٹکایا جاتا ہے۔ اس اثر سے معلوم ہوا کہ حائض و جنبی کو قرآن مجید کو چھونا ناجائز ہے۔ ہاں بغیر ہاتھ لگائے کپڑے یا جزدان کی ڈوری سے پکڑ کر اٹھانے میں حرج نہیں ——— حضرت عبد اللہ بن عمر، عطا، حسن بصری، جابر، طاؤس، ابو وائل، ابو رزین، امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد، اوزاعی، ثوری، اسحق، ابو ثور رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہی مسلک ہے۔ اس مسئلہ کی چند احادیث یہ ہیں۔

حائضہ و جنبی کو قرآن مجید کا چھونا اور پڑھنا حرام ہے

حضور سید عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

(۱) لا يمس القرآن الا طاهر — قرآن مجید کو پاک آدمی کے سوا کوئی نہ ہاتھ لگائے۔

([illegible])

(۲) حضرت عبد اللہ بن رواحہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے نهانا ان يقرأ احدنا القرآن وهو جنب — ہمیں جنابت کی حالت میں قرآن پڑھنے سے منع فرمایا

(۳) حضرت ابن عمر سے روایت ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا لا تقرأ الحائض ولا الجنب شيئا من القرآن (ترمذی) — کہ حائضہ و جنبی قرآن مجید سے کچھ بھی نہ پڑھے

(۴) حضرت جابر سے روایت ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ لا يقرأ الحائض ولا الجنب ولا النفساء القرآن شيئا ([illegible]) — کہ حائضہ، جنبی اور نفاس والی عورت قرآن مجید سے کچھ نہ پڑھے

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بے وضو، جنبی اور حیض و نفاس والی عورت کو کتاب مجید کو ہاتھ لگانا حرام ہے۔ جگہ قرآن مجید کی جلد یا چولی یا حاشیہ کو ہاتھ یا انگلی کی نوک یا بدن کا کوئی حصہ لگے سب حرام ہے ——— اسی طرح کرتے کے دامن یا دوپٹے کے آنچل سے یا کسی ایسے کپڑے سے جس کو پہنے اوڑھے ہوئے ہو، قرآن مجید کو چھونا حرام ہے ——— ہاں جزدان میں قرآن مجید ہو تو اس جزدان کے چھونے میں حرج نہیں۔ یونہی رومال وغیرہ ایسے کپڑے سے پکڑنا جو نہ اپنا تابع ہو نہ قرآن مجید کا تو جائز ہے ——— کرتے کی آستین دوپٹے کا آنچل، یہاں تک کہ چادر کا ایک کونہ جس کا دوسرا کونہ کندھے پر ہے، ان سے قرآن مجید کو چھونا اٹھانا حرام ہے۔ یہ چادر وغیرہ آدمی کے تابع ہے۔ جیسے چولی قرآن مجید کے تابع ہے (رد المحتار) ——— اور جس کو نہانے کی حاجت ہو (جنبی ہو) یا حیض و نفاس والی ہو اس کو مسجد کی طواف کرنا، قرآن مجید کو دیکھ کر یا زبانی پڑھنا، کسی آیت کا لکھنا یا آیت کا تعویذ لکھنا یا ایسا تعویذ چھونا یا ایسی انگوٹھی چھونا پہننا جس کے نگینے پر حروف مقطعات لکھے ہوں، حرام ہے۔

حدیث مذکور کے فوائد و مسائل یہ ہیں:- (۱) بخاری کی کتاب التوحید میں کان یقرؤ القرآن وراسہ فی حجری کے لفظ آئے ہیں۔ اس بنا پر اس کا مطلب یہ قرار پائے گا کہ حضور علیہ السلام جناب عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی گود میں سر رکھ کر تلاوت فرماتے تھے۔

(۱) حائضہ عورت پاک ہوتی ہے اور اس سے ملاست جائز ہے (۲) اگر آدمی حائضہ عورت سے تکیہ لگا کر تلاوت کرے تو جائز ہے۔ اس حدیث کو امام بخاری نے کتاب التوحید میں بھی ذکر کیا ہے مسلم نے طہارت میں، ابوداؤد نسائی و ابن ماجہ نے بھی طہارت میں ذکر کیا ہے۔

بَابُ مَنْ سَمَّى النِّفَاسَ حَيْضًا | باب حیض کو نفاس کہنے کے بیان میں

مقصود عنوان حضرت یہ بتانا ہے کہ حیض کا اطلاق نفاس پر اور نفاس کا اطلاق حیض پر ہوتا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں نفاس کا اطلاق حیض پر کیا۔ ——— واضح ہو کہ نفاس کا مشہور معنی تو یہ ہے کہ وہ خون جو عورت کو ولادت کے بعد آتا ہے جو دو نفاس کہلاتا ہے لیکن حیض کو بھی نفاس کہہ دیتے ہیں کیونکہ نماز روزہ کے متعلق دونوں کا حکم ایک ہی ہے ——— نیز لغت نے کہا ہے کہ حیض کے لئے لفظ نفاس بفتح نون بولا جاتا ہے اور ولادت میں بضم نون (فتح الباری)

بَيْنَا أَنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُضْطَجِعَةً فِي خَمِيصَةٍ إِذْ حِضْتُ فَانْسَلَلْتُ فَأَخَذْتُ ثِيَابَ حِيضَتِي فَقَالَ أَنُفِسْتِ قُلْتُ نَعَمْ فَدَعَانِي فَاضْطَجَعْتُ مَعَهُ فِي الْخَمِيلَةِ

(بخاری)

حضرت ام المومنین ام سلمہ فرماتی ہیں۔ کہ ایک مرتبہ میں حضور علیہ السلام کے ہمراہ ایک ہی لوئی میں تھی کہ مجھے حیض آگیا۔ میں آہستہ سے سرک گئی اور اپنے حیض کے کپڑے سنبھالے۔ اس پر حضور نے فرمایا کیا تم کو نفاس آیا؟ میں نے کہا ہاں۔ آپ نے مجھے بلایا۔ اور میں آپ کے ہمراہ لوئی میں لیٹ گئی۔

فوائد و مسائل امام نے اس حدیث کو صوم و طہارت میں بھی ذکر کیا اور مسلم نے اور نسائی نے طہارت میں ذکر فرمایا۔ ترجمۃ الباب مطابق۔ اس حدیث سے ثابت ہے حضور نے حیض پر لفظ نفاس کا اطلاق فرمایا مسائل حدیث یہ ہیں:- (۱) حائضہ عورت کے ساتھ ایک ہی بستر ایک ہی لحاف میں سونا لیٹنا جائز ہے (۲) عورتوں کا حیض کے لئے مخصوص

کپڑے سے بدن ملنا مستحب ہے ... عورت کا پسینہ پاک ہے (۵) حیض و نفاس دونوں کا حکم ایک ہی ہے جیسے حائضہ عورت پر نماز واجب نہیں۔ روزہ رکھنا، مسجد میں داخل ہونا، طواف کرنا، قرآن پاک کا پڑھنا بھی جائز نہیں ہے یہی احکام نفاس والی عورت کے بھی ہیں۔

بَابُ مُبَاشَرَةِ الْحَائِضِ

باب حائضہ عورت سے مباشرت کے بیان میں

مباشرت سے مراد بدن کو بدن سے ملانا بوس و کنار ہونا وغیرہ ہے یہ سب کام حائضہ سے کرنا جائز ہیں اور جماع حرام ہے۔

(۱) عَنْ عَائِشَةَ رضي الله عنها قَالَتْ كُنْتُ أَغْتَسِلُ أَنَا وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ كِلَانَا جُنُبٌ وَكَانَ يَأْمُرُنِي فَأَتَّزِرُ فَيُبَاشِرُنِي وَأَنَا حَائِضٌ وَكَانَ يُخْرِجُ رَأْسَهُ إِلَيَّ وَهُوَ مُعْتَكِفٌ فَأَغْسِلُهُ وَأَنَا حَائِضٌ۔
(بخاری)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی برتن سے غسل کیا کرتے اور ہم دونوں جنبی ہوتے ... حیض سے ہوتی۔ تو آپ مجھے ازار باندھنے کا حکم فرماتے۔ میں تہبند باندھ لیتی۔ پھر آپ مجھ سے مباشرت فرماتے اور میں حائضہ ہوتی اور آپ بحالت اعتکاف اپنا سر مبارک میری طرف (حجرہ میں) نکالتے اور میں آپ کا سر دھو دیتی۔

(۲) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَتْ إِحْدَانَا إِذَا كَانَتْ حَائِضًا فَأَرَادَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُبَاشِرَهَا أَمَرَهَا أَنْ تَتَّزِرَ فِي فَوْرِ حَيْضَتِهَا ثُمَّ يُبَاشِرُهَا قَالَتْ وَأَيُّكُمْ يَمْلِكُ إِرْبَهُ كَمَا كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْلِكُ إِرْبَهُ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ ہم میں جب کوئی حائضہ ہوتی۔ اور حضور اس سے مباشرت فرمانا چاہتے تو اس کو تہبند باندھنے کا حکم دیتے۔ اس وقت حیض زور پر ہوتا پھر آپ اس سے مباشرت فرماتے۔ حضرت عائشہ نے فرمایا۔ تم میں کون ایسا ہے۔ جو اپنی خواہش پر ایسا اختیار رکھے جیسے حضور رکھتے تھے۔

(۳) إِذَا أَرَادَ أَنْ يُبَاشِرَ امْرَأَةً مِنْ نِسَائِهِ أَمَرَهَا فَاتَّزَرَتْ وَهِيَ حَائِضٌ۔
(بخاری)

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم علیہ السلام جب کسی بیوی سے حالت حیض میں مباشرت کا ارادہ فرماتے تو اس کو تہبند باندھنے کا حکم فرماتے۔

فوائد و مسائل حدیث اول کو امام نے آخر صوم میں ذکر کیا ہے اور مسلم، ترمذی، ابوداؤد و ابن ماجہ نے طہارت میں اور نسائی نے طہارت و عشرۃ النساء میں۔ حدیث دوم کو مسلم، ابوداؤد و ابن ماجہ نے طہارت میں ذکر کیا۔ اور حدیث سوم کو مسلم نے طہارت میں، ابوداؤد نے نکاح میں ذکر کیا ابن ماجہ اور دارمی نے بھی اسی ... کی روایت کی ہے۔

ان تینوں حدیثوں کے مسائل یہ ہیں:۔ (۱) ایک ہی برتن سے مرد و عورت کا غسل کرنا جائز ہے (۲) حائضہ عورت سے مباشرت یعنی بدن سے بدن ملانا، بوس و کنار کرنا لپٹانا وغیرہ جائز ہے لیکن جماع حرام ہے (۳) حائضہ عورت کے ساتھ لیٹنا، سونا اگرچہ ایک لحاف میں ہو جائز ہے (۴) مباشرت کرنا چاہے تو عورت کو تہبند باندھ دینا ضروری ہے یا کوئی کپڑا اس طرح باندھا ہونا چاہئے۔ جو جماع سے روک ہو جائے

ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔ کہ حضور علیہ السلام اپنی کسی بیوی سے بحالت حیض (ان سے) مباشرت فرماتے تھے جبکہ تہبند نصف ران تک بندھا ہوتا تھا۔ محتجزة به ای حال کون المرأة مستترة عن الجماع (رواہ ابو داؤد) (۵) حائضہ سے مباشرت اس شخص کو جائز ہے جو اپنے نفس پر قابو رکھ سکے۔ اور جماع نہ کر ڈالے۔ لیکن جو مباشرت کرنے سے جماع کرنے پر مجبور ہو جاتے اس کو مباشرت جائز نہیں ہے۔ اسی طرح حائضہ عورت کے ساتھ سونے میں غلبہ شہوت اور اپنے کو قابو میں نہ رکھنے کا احتمال ہو یعنی جماع میں مبتلا ہونے کا احتمال ہو، تو نہ سوئے۔ بصورت دیگر سونے میں حرج نہیں ——— حضرت امام احمد علیہ الرحمۃ کے نزدیک حالت حیض میں ناف سے لے کر گھٹنے تک مباشرت حرام ہے یعنی حالت حیض میں ناف سے لے کر گھٹنے تک عورت کے بدن سے مرد کا اپنے کسی عضو کو چھونا جبکہ کپڑا وغیرہ حائل نہ ہو شہوت سے ہو یا بے شہوت ہو نہیں ——— ہاں اگر ایسا کپڑا حائل ہو کہ بدن کی گرمی محسوس نہ ہوگی تو حرج نہیں ——— اور ناف سے اوپر کے حصوں اور گھٹنے سے نیچے کے حصہ کو چھونا اور کسی طرح کا نفع لینا جائز ہے

توضیحات ضروریہ

واضح ہو کہ بحالت حیض جماع کرنا حرام ہوتا ہے۔ اور حرام جان کر کر لیا تو سخت گنہگار ہوا۔ توبہ فرض ہے اور حلال جاننا کفر ہے (۲) لوگوں کی حالتیں مختلف ہوتی ہیں کوئی تو صبر و ضبط کر سکتے ہیں۔ اور کچھ ایسے ہوتے ہیں۔ جو ضبط خواہش کی قدرت نہیں رکھتے۔ اور اس غلبہ کی حالت میں ممکن تھا کہ حرام کا مرتکب ہو جاتے۔ اس لئے ایسے مغلوب الشہوت لوگوں کے لئے مباشرت یعنی جماع کے علاوہ نفع اٹھانے کی تدبیر دی گئی۔ منکرین سنت تو مباشرت کے مسئلہ کا تمسخر اور لوگوں میں مذاق اڑائیں گے۔ اور یہ بات سے بدظن کرنے کے لئے طرح طرح کے شوشے چھوڑیں گے لیکن اگر آپ نفس مسئلہ پر دیانت داری کے ساتھ غور کریں گے۔ تو آپ پر مباشرت کے مسئلہ کی اہمیت ظاہر ہو جائے گی ——— اس موقع پر منکرین سنت یہ اعتراض بھی اٹھاتے ہیں کہ یہ کیسی عجیب بات ہے کہ نہ صرف حضور کے اپنی ازواج کے ساتھ خصوصی تعلقات و برتاؤ کی کیفیت کو منسوب کر دیا جاتا ہے بلکہ اس کی تبلیغ و اشاعت کو ثواب بھی قرار دیا جاتا ہے۔ پھر اس کا لب لباب یہ ہے کہ سب کچھ حضور اکرم کی بیویوں کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ بھلا خود تو کہیے کہ کوئی مہذب عورت اپنے خاوند کے ساتھ جو اس کے خصوصی تعلقات ہیں انہیں منظر عام پر لانا گوارا کر سکتی ہے چہ جائیکہ ازواج مطہرات؟ لیکن اس اعتراض کی بنیاد دراصل اس عقیدہ و نظریہ پر ہے کہ نبی کے اقوال و افعال، دین اور شریعت نہیں ہیں۔ ہم مانتے ہیں کہ اس نظریہ کی بنیاد پر تو اس اعتراض میں کچھ وزن پیدا ہو جائے گا۔ لیکن جب یہ مانا جائے کہ نبی کی پوری زندگی اور اس کی زندگی پاک کا ہر گوشہ خواہ اس کا تعلق ظاہری امور سے ہو یا باطنی امور سے دین اور شریعت ہے۔ تو پھر اس اعتراض کے وقیع و محل ہونے میں کس کو شبہ ہو سکتا ہے۔ حضور علیہ السلام نبی و رسول ہیں۔ اور آپ کا فرض نبوت ہی یہ ہے کہ حیات انسانی کے ہر گوشے کے متعلق قواعد و ضوابط کی نشاندہی فرمائیں۔ اس لئے یہ ناگزیر تھا کہ حضور علیہ السلام کی زندگی پاک کے وہ گوشے بھی منظر عام پر آئیں۔ اور ان کی تبلیغ اور اشاعت بھی ہو۔ جو خاص طور پر آپ کی ذات اقدس اور آپ کی ازواج مطہرات سے تعلق رکھتے ہیں۔ اگر ازواج مطہرات کے ساتھ حضور علیہ السلام کے برتاؤ اور تعلقات کی نوعیت منظر عام پر نہ آتی تو شریعت کا باب کیسے مکمل ہوتا۔ اس لئے ضروری تھا کہ آپ کی زندگی پاک کا ہر گوشہ بے نقاب ہو تاکہ دین ...

قانون اور ضابطہ ہے۔ کیونکہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم امت کے مزکی و معلم و طبیب اعظم ہیں۔ اور قرآن نے آپ
ہی کے اسوہ کو اپنانے کی تاکید کی ہے۔ یہ اعتراض کہ حضور کے خصوصی حالات منظر عام پر نہیں آنے چاہئیے۔ یا کو
شخص یہ برداشت نہیں کرسکتا۔ کہ اس کے وہ حالات و معاملات بھی لوگوں کو معلوم ہوں۔ جو محض کی بیوی کے سا
خاص ہیں۔ " در اصل منصب رسالت و نبوت سے بے خبری کی پیداوار ہیں۔ اور اسی جہالت کی وجہ سے زمانہ نبو
کے کفار بھی یہ اعتراض کیا کرتے تھے۔ یہ کیسے رسول ہیں۔ جو مسلمانوں کو پیشاب کرنے یا پاخانہ پھرنے تک کے
بتاتے ہیں ——— ایک ہندو کی کا پروفیسر جب انسانی اعضاء اور اس کے افعال و خواص پر لیکچر دیتا ہے۔ تو
ایسے امور بھی معرض بحث میں لانے پڑتے ہیں کہ جن کا سننا اور بیان کرنا ہمیں اور آپ کو گوارا نہیں ہوتا لیکن اس
باوجود پروفیسر پر کبھی یہ اعتراض نہیں اٹھایا گیا کہ وہ انسان کے مخصوص اعضاء کے افعال و خواص کیوں بیان کرتا
اور خصوصاً طالبات کے سامنے، اس ایک خیال کو سامنے رکھ کر اگر آپ مذکورہ بالا صورتوں پر غور کریں گے تو تنگ
کے اعتراضات کی معنویت آپ پر ظاہر ہو جائے گی۔ اور آپ کو ماننا پڑے گا۔ کہ جس نبی کا فرض نبوت یہ
ہے۔ کہ وہ حیات انسانی کے ہر گوشہ کے متعلق ہدایات دے۔ اور جس کا مرتبہ و مقام یہ ہو کہ اس کی زندگی متع
کے افعال و اعمال خدا کا قانون بنے۔ اس شان کے رسول اور اس مرتبہ کے نبی کے ظاہری و باطنی عمومی و خصو
احوال کا منظر عام پر آنا کس قدر ضروری اور لابدی ہے۔

بَابُ تَرْكِ الْحَائِضِ الصَّوْمَ　｜　باب حائضہ عورت روزہ ترک کردے

اس باب میں امام نے ایک حدیث لکھی ہے۔ جس کے ابتدائی جزو کا ترجمہ یہ ہے۔ ابو سعید خدری فرماتے
کہ حضور علیہ السلام عید الضحیٰ یا عید الفطر کے دن عیدگاہ جانے کے لئے نکلے۔ آپ جب مستورات کے پاس سے گذ
تو فرمایا۔ عورتو! صدقہ کرو۔ مجھے دوزخ میں عورتیں زیادہ دکھائی گئی ہیں۔ عرض کی حضور! اس کی وجہ؟ فرمایا
لعنت بہت کرتی ہو اور خاوند کی ناشکری کرتی ہو۔

مَا رَأَيْتُ مِنْ نَاقِصَاتِ عَقْلٍ وَدِينٍ أَذْهَبَ لِلُبِّ الرَّجُلِ الْحَازِمِ مِنْ إِحْدَاكُنَّ قُلْنَ وَمَا نُقْصَانُ دِينِنَا وَعَقْلِنَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ أَلَيْسَ شَهَادَةُ الْمَرْأَةِ مِثْلَ نِصْفِ شَهَادَةِ الرَّجُلِ قُلْنَ بَلَى قَالَ فَذٰلِكَ مِنْ نُقْصَانِ عَقْلِهَا أَلَيْسَ إِذَا حَاضَتْ لَمْ تُصَلِّ وَلَمْ تَصُمْ قُلْنَ بَلَى قَالَ فَذٰلِكَ مِنْ نُقْصَانِ دِينِهَا.

(بخاری)

میں نے عقل اور دین میں ناقص اور عقلمند آدمی کی
عقل کھونے والیاں تم سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا
عورتوں نے عرض کی یا رسول اللہ! ہمارے دین اور
عقل میں کیا نقصان ہے؟ فرمایا عورت کی گواہی
کی گواہی کے نصف کے برابر ہے یا نہیں؟ انہوں نے کہا
بے شک ہے۔ فرمایا پس یہ اس کی عقل کے نقصان سے
نقصان ہے۔ عورت کو جب حیض آتا ہے۔ تو وہ
پڑھتی ہے اور نہ روزہ رکھتی ہے؟ انہوں نے کہا
فرمایا یہ ان کے دین کا نقصان ہے۔

فوائد و مسائل امام نے اس حدیث کو صلوٰۃ، صوم، طہارت، زکوٰۃ و عیدین میں بھی ذکر کیا ہے۔ مسلم نے ایمان
نسائی نے صلوٰۃ میں اور ابن ماجہ نسائی کریب سے روایت کیا (۲) عقل حمق کی ضد

کی نماز کیلئے عیدگاہ جانے کی ہدایت فرماتے تھے۔ اسی صورت میں جناب عائشہ رضی اللہ عنہا اہم اعلم (اعلیٰ) منع کر... والے کون؟ دیکھو کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حکم کی علت فتنہ ہے۔ اگر فتنہ کا واقعی خطرہ نہ ہو تو پھر مستورات کے نکلنے میں کس کو کلام ہو سکتا ہے۔ لیکن کون ہے جو فی زمانہ یہ کہہ سکتا ہے کہ مستورات کا باہر نکلنا فتنہ سے خالی ہے (۵) صدقہ و خیرات عذاب کو دفع کرتا ہے اور گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے (۶) نعمت کا انکار کرنا حرام ہے اور ناشکری مذموم ہے (۷) لعن و طعن و سب و شتم حرام ہے (۸) گناہ پر بھی کفر کا اطلاق آ جاتا ہے (۹) حائضہ عورت سے نماز روزہ ساقط ہو جاتا ہے۔

فائدہ خون حیض ناپاک ہے اور نماز کے لئے طہارت شرط ہے۔ لہٰذا حائضہ نماز نہیں پڑھ سکتی۔ جب سوال پیدا ہوا کہ روزہ رکھ سکتی ہے یا نہیں تو امام بخاری نے مذکورہ بالا عنوان قائم کرکے یہ بتایا کہ جیسے نماز نہیں پڑھ سکتی اسی طرح روزہ بھی نہیں رکھ سکتی۔ فرق صرف اتنا ہے کہ حائضہ عورت پر پاک ہونے کے بعد روزہ کی قضا واجب ہے نماز کی نہیں۔

بَابُ تَقْضِي الْحَائِضُ الْمَنَاسِكَ كُلَّهَا إِلَّا الطَّوَافَ بِالْبَيْتِ وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ لَا بَأْسَ أَنْ تَقْرَأَ الْآيَةَ وَلَمْ يَرَ ابْنُ عَبَّاسٍ بِالْقِرَاءَةِ لِلْجُنُبِ بَأْسًا وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْكُرُ اللّٰهَ عَلَى كُلِّ أَحْيَانِهِ وَقَالَتْ أُمُّ عَطِيَّةَ كُنَّا نُؤْمَرُ أَنْ يَخْرُجَ الْحُيَّضُ فَيُكَبِّرْنَ بِتَكْبِيرِهِمْ وَيَدْعُونَ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ أَخْبَرَنِي أَبُو سُفْيَانَ أَنَّ هِرَقْلَ دَعَا بِكِتَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَرَأَهُ فَإِذَا فِيهِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا إِلَى قَوْلِهِ مُسْلِمُونَ (بخاری)

وَقَالَ عَطَاءٌ عَنْ جَابِرٍ حَاضَتْ عَائِشَةُ فَنَسَكَتِ الْمَنَاسِكَ كُلَّهَا غَيْرَ الطَّوَافِ بِالْبَيْتِ وَلَا تُصَلِّي وَقَالَ الْحَكَمُ إِنِّي لَأَذْبَحُ وَأَنَا جُنُبٌ وَقَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ (بخاری)

باب حائضہ عورت حج کے تمام امور انجام دے صرف طواف کعبہ نہ کرے (۲) حضرت ابراہیم نخعی نے کہا کہ حائضہ عورت اگر قرآن کی کوئی آیت پڑھے تو حرج نہیں (۳) اور ابن عباس نے فرمایا جنبی اگر قرآن کو پڑھے تو حرج نہیں (۴) نبی علیہ السلام اپنے تمام اوقات میں اللہ کی یاد کیا کرتے (۵) اور ام عطیہ نے کہا ہم کو بزمانہ نبوی بحالت حیض عیدگاہ میں لے جانے کا حکم کیا جاتا تاکہ لوگوں کے ساتھ تکبیر و دعا میں شریک ہوں (۶) حضرت ابن عباس نے فرمایا۔ کہ حضرت ابوسفیان نے بیان کیا۔ ہرقل نے نبی علیہ السلام کے خط کو منگایا۔ اس کو پڑھا تو اس میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور یہ آیت لکھی تھی۔ یا اھل الکتاب تعالوا ... مسلمون تک۔

اور عطاء نے جابر سے روایت کی کہ حضرت عائشہ حائضہ ہو گئیں تو انہوں نے طواف کعبہ کے سوا حج کے تمام امور کا انجام دیا اور نماز نہیں پڑھی (۷) اور حکم نے کہا میں بحالت جنابت جانور ذبح کرتا ہوں (۸) اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جس ذبح شدہ جانور پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اس کو مت کھاؤ۔

اس کے بعد انہوں نے جو حدیث لکھی ہے۔ اس کے ابتدائی ٹکڑوں کا ترجمہ یہ ہے —— حضرت عائشہ فرماتی ہیں ہم حضور کے ہمراہ صرف حج کے لئے روانہ ہوئے۔ جب مقام سرف میں پہنچے تو مجھے حیض آگیا۔ حضور میرے پاس آئے تو میں اس وقت رو رہی تھی۔ فرمایا کیوں روتی ہو۔ میں نے کہا کاش میں اس سال حج کے لئے نہ آئی ہوتی۔

وَاللّٰهِ اِنِّیْ لَعَامَ حَجِّ الْعُمُرِ قَالَ لَعَلَّكِ نُفِسْتِ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَاِنَّ ذٰلِكَ شَیْءٌ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلٰى بَنَاتِ اٰدَمَ فَافْعَلِیْ مَا یَفْعَلُ الْحَاجُّ غَیْرَ اَنْ لَّا تَطُوْفِیْ بِالْبَیْتِ حَتّٰى تَطْهُرِیْ

(بخاری)

حضور علیہ السلام نے فرمایا: شاید تمہیں حیض آگیا۔ حضرت عائشہ نے کہا ہاں، حضور نے فرمایا یہ تو ایک ایسی چیز ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے آدم کی بیٹیوں پر لکھ دیا ہے اب تم حاجیوں کے سب کام کرتی رہو صرف کعبہ کا طواف نہ کرو جب تک کہ پاک نہ ہو جاؤ۔

فوائد و مسائل

امام بخاری علیہ الرحمۃ نے اس حدیث کے تحت چند آثار اور متعدد حدیثیں ذکر کی ہیں۔ ان سب سے انہوں نے یہ استدلال فرمایا ہے۔ کہ جنبی و حائضہ کو زبان سے تسبیح و تہلیل کرنا اور قرآن مجید پڑھنا جائز ہے۔ داؤد ظاہری، امام طبری، ابن منذر کا بھی یہی مذہب ہے (۲) مالکیوں کا قول یہ ہے۔ کہ حائضہ قرآن پڑھ سکتی ہے جنبی نہیں پڑھ سکتا (۳) امام شافعی، حنابلہ و حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ جنبی و حائضہ کو قرآن مجید کی تلاوت جائز نہیں ہے۔ احناف متعدد مرفوع حدیثوں کے پیش نظر یہ رائے قائم کرتے ہیں۔ یہ حدیثیں اور اس سلسلے کے مسائل گذشتہ صفحات میں گذر چکے ہیں —— یہاں یہ امر قابل ذکر ہے۔ کہ امام بخاری علیہ الرحمۃ کے پاس اپنے مسلک کے ثبوت میں صرف آثار و اقوال ہی ہیں۔ کوئی مرفوع حدیث نہیں ہے۔ اور حدیث نمبر ۲ سے ان کا استدلال تو محل نظر ہے۔

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ارشاد "کہ حضور علیہ السلام اپنے سب وقتوں میں اللہ کا ذکر کیا کرتے تھے" سے امام بخاری نے یہ استدلال فرمایا کہ علیٰ کل احیانہ میں جنابت کی حالت بھی داخل ہے لہٰذا بحالت جنابت قرآن پڑھنا جائز ہوا —— لیکن امام بخاری کا یہ استدلال تام نہیں ہے۔ کیونکہ اگر علیٰ کل احیانہ کے عموم میں "جنابت کی حالت" داخل ہے تو قضائے حاجت کی حالت بھی داخل ہے۔ لہٰذا اس دلیل کی بنا پر یہ بھی کہنا پڑے گا کہ قضائے حاجت کے وقت بھی قرآن مجید پڑھنا جائز ہے —— اس کے علاوہ ذکر کا لفظ اگرچہ عام ہے۔ لیکن ذکر سے قرآن مجید کی تلاوت لینے کے لئے دلیل کی ضرورت ہے۔ ثانیاً علیٰ کل احیانہ کے الفاظ سے صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ حضور علیہ السلام کے اوقات کا اکثر حصہ ذکر الٰہی میں گذرتا تھا۔ اور یہ محاورہ بھی ہے جیسے کہتے ہیں کہ فلاں شخص تو شب و روز عبادت میں مصروف رہتا ہے۔ تو اس جملہ سے کوئی یہ نہیں سمجھتا کہ وہ بحالت جنابت یا بحالت قضائے حاجت بھی عبادت کرتا ہے۔

بہ نیت دعا و مناجات جنبی کو قرآن پڑھنا جائز ہے

(۲) حکم بن عتیبہ کا یہ فرمانا کہ میں بحالت جنابت ذبح کرتا ہوں۔ یعنی بوقت ذبح بسم اللہ اللہ اکبر کہتا ہوں ہے تو اس سے بھی بحالت جنابت تلاوت قرآن مجید کا جواز ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ بوقت ذبح یا کسی کام کو شروع کرنے

وقت بسم اللہ پڑھی جاتی ہے وہ بہ نیت تلاوت نہیں پڑھی جاتی۔ بلکہ برکت کے لئے پڑھتے ہیں۔ اور احناف کے نزدیک بھی بطور تبرک بہ نیت ذکر و دعا جنبی کو قرآن کی آیت پڑھنا جائز ہے۔

جیسے مصیبت پر انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھنا یا کسی چیز کے گم ہو جانے پر عسی ربنا ان یبدلنا خیرا الخ پڑھنا جائز ہے۔

یعنی احناف کے نزدیک جنبی و حائضہ کو بہ نیت تلاوت قرآن مجید کا پڑھنا جائز نہیں ہے۔ لیکن محض بہ نیت ذکر و دعا و تبرک و استفتاح و مناجات وہ آیات جو ذکر و ثنا و مناجات و دعا ہوں۔ اگرچہ پوری آیت ہو جیسے آیۃ الکرسی بلکہ متعدد آیات کا ملہ جیسے سورہ حشر شریف کی آخری تین آیتیں ھو اللہ الذی لا الہ الا ھو عالم الغیب والشھادۃ سے آخر سورت تک بلکہ پوری سورت جیسے الحمد شریف یا کہ نماز سبق کی ابتداء کے لئے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھنا جنبی و حائض کو جائز ہے ———— ۳۰۔ ہرقل کے نام جو خط تھا اس کا بسم اللہ اور سورہ آل عمران کی پہلی آیت لکھی ہوئی تھی امام بخاری نے اس سے یہ استدلال فرمایا کہ ہرقل کافر تھا اور کافر غسل جنابت نہیں کرتا۔ لہذا جنبی کو قرآن کی تلاوت جائز ثابت ہوئی۔ لیکن یہ استدلال بھی تام نہیں۔ کیونکہ یہ ضروری نہیں ہے کہ کافر ہر حال میں جنبی ہی ہو۔ ثانیاً کافر کے لئے بہ نیت تلاوت قرآن مجید کا پڑھنا ممکن نہیں (۲) حج کے موقع پر جناب صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب ایام سے ہو گئیں۔ تو حضور نے فرمایا طواف کے سوا تمام مناسک حج ادا کرو۔ امام بخاری علیہ الرحمۃ اس سے یہ استدلال فرماتے ہیں۔ کہ حائضہ کے لئے حضور نے صرف طواف نماز کی ممانعت فرمائی۔ دیگر ذکر و اذکار وغیرہ نہیں۔ اور ارکان حج میں دعا لبیک اور قرآنی الفاظ بھی ہیں۔ مثلاً سواری پر سوار ہوتے وقت یہ دعا پڑھنا سبحان الذی سخر لنا ھذا وما کنا لہ مقرنین۔ مگر امام بخاری کا یہ استدلال بھی صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ یہ دعائیں حج میں پڑھی جاتی ہیں۔ تو گو وہ قرآنی الفاظ ہی ہوں۔ وہ محض بہ نیت دعا و تبرک و مناجات ہی پڑھی جاتی ہیں۔ اور سوال تو بہ نیت تلاوت پڑھنے کا ہے۔ فافہم:

بہرحال یہ بات بالکل ظاہر ہے۔ کہ امام بخاری کے پاس اپنے مسلک کے ثبوت میں آثار تو ہیں۔ مگر کوئی مرفوع حدیث نہیں ہے۔ لیکن مانعین کے پاس مرفوع حدیثیں ہیں۔ اور پھر ممانعت کی رائے قرآن مجید کی تعظیم تام سے اقرب بھی ہے۔

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے۔ کہ امام بخاری علیہ الرحمہ کے مسلک کے خلاف کے نزدیک بھی بحالت جنابت اور حیض تلاوت قرآن مجید نہ کرنا ہی افضل و اولیٰ ہے۔ اور یہ حضرات ان حدیثوں کو جن میں ممانعت آئی ہے افضلیت و اولویت پر محمول کرتے ہیں مگر یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ اور آئمہ اربعہ شافعی، مالک، امام احمد بن حنبل و امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مذہب یہ ہے کہ جنبی اور حائضہ کو تلاوت قرآن مجید جائز نہیں ہے۔

بَابُ الْاِسْتِحَاضَةِ

يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ لَا اَطْهُرُ اَفَاَدَعُ الصَّلٰوةَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا ذٰلِكَ عِرْقٌ وَّلَيْسَ بِالْحَيْضَةِ فَاِذَا اَقْبَلَتْ

باب استحاضہ کے بیان میں

حضرت فاطمہ بنت ابوحبیش نے عرض کی۔ یا رسول اللہ میں پاک نہیں ہوتی (خون نہیں رکتا) کیا میں نماز چھوڑ دوں۔ حضور نے فرمایا یہ ایک رگ کا خون ہے۔ حیض

الْحَيْضَةُ فَاتْرُكِي الصَّلٰوةَ فَإِذَا ذَهَبَ قَدْرُهَا فَاغْسِلِي عَنْكِ الدَّمَ وَصَلِّي۔

(بخاری)

نہیں ہے۔ جب حیض کا خون آئے تو نماز چھوڑ دے۔ پھر جب اتنا زمانہ سے حیض کے دن گزر جائیں۔ تو اپنے بدن سے خون دھو ڈال اور نماز پڑھ۔

استحاضہ اور اس کے مسائل

استحاضہ اس خون کو کہتے ہیں۔ جو عورت کی شرمگاہ سے بوجہ بیماری خارج ہوتا ہے۔ اور جس رگ سے نکلتا ہے۔ اس کو عاذل کہتے ہیں۔ استحاضہ کا حکم یہ ہے کہ اس میں نہ نماز معاف ہے نہ روزہ اور نہ ایسی عورت سے صحبت حرام ہے۔

(۲) استحاضہ اگر اس حد تک پہنچ گیا۔ کہ اس کو اتنی مہلت ہی نہیں ملتی کہ وضو کر کے فرض نماز ادا کر سکے۔ تو نماز کا پورا ایک وقت شروع سے آخر تک اسی حالت میں گذر جائے تو اس کو معذور سمجھا جائے گا۔ اب ایک وضو سے اس وقت میں جتنی نمازیں چاہے پڑھے خون آنے سے اس کا وضو نہ ٹوٹے گا۔ استحاضہ کے مسائل گذشتہ اوراق میں گزر چکے ہیں۔

بَابُ غَسْلِ دَمِ الْحَيْضِ

فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللهِ أَرَأَيْتَ إِحْدَانَا إِذَا أَصَابَ ثَوْبَهَا الدَّمُ مِنَ الْحَيْضَةِ كَيْفَ تَصْنَعُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَصَابَ ثَوْبَ إِحْدَاكُنَّ الدَّمُ مِنَ الْحَيْضَةِ فَلْتَقْرُصْهُ ثُمَّ لِتَنْضَحْهُ بِمَاءٍ ثُمَّ لِتُصَلِّ فِيْهِ (بخاری)

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَتْ إِحْدَانَا تَحِيْضُ ثُمَّ تَقْتَرِصُ الدَّمَ مِنْ ثَوْبِهَا عِنْدَ طُهْرِهَا فَتَغْسِلُهُ وَتَنْضَحُ عَلَى سَائِرِهِ ثُمَّ تُصَلِّي فِيْهِ (بخاری)

باب حیض کا خون دھونے کے بیان میں

ایک عورت نے حضور نبی ﷺ سے سوال کیا۔ یا رسول اللہ بتائیے اگر ہم میں سے کسی کے کپڑے پر خون حیض لگ جائے تو وہ کیا کرے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی کے کپڑے کو خون حیض لگ جائے تو اس کو کھرچ ڈالے۔ پھر پانی سے دھو ڈالے پھر اس میں نماز پڑھے۔

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔ ہم میں سے کسی کو حیض آتا پھر جب وہ پاک ہوتی تو اپنے کپڑے سے خون کھرچ ڈالتی۔ پھر اس کو دھوتی۔ پھر سارے کپڑے پر پانی بہا دیتی پھر اس میں نماز پڑھ لیتی۔

فوائد و مسائل

(۱) یہ دونوں حدیثیں اپنے مفہوم میں بالکل واضح ہیں۔ دھونے سے پہلے کھرچنے کی ہدایت اس لئے دی گئی تاکہ جو خون جم گیا ہے آسانی کے ساتھ دھویا جا سکے (۲) امت کا اجماع اس پر ہے کہ خون حیض نجس ہے (۳) اہل علم کے لئے یہ نکتہ قابل غور ہے کہ باوجود اس کے کہ خون حیض نجس ہے۔ مگر اس کے لئے "نضح" کا لفظ استعمال ہوا جو دھونے کے معنی میں ہے (۴) حضرت عائشہ رض جہاں جہاں خون لگا ہوتا اس کو دھو کر پھر وسوسہ دور کرنے کے لئے سارے کپڑے پر پانی ڈال دیتی تھیں۔

بَابُ اعْتِكَافِ الْمُسْتَحَاضَةِ

باب مستحاضہ کے اعتکاف میں بیٹھنے کے بیان میں

عنوان کا مقصود یہ بتانا ہے کہ جس عورت کو استحاضہ کی بیماری ہو اسے معتکف ہونا جائز ہے (۱) اس عنوان کے تحت امام نے تین حدیثیں لکھی ہیں۔ تینوں کے معنی تقریباً ایک ہی ہیں۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِعْتَكَفَتْ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِمْرَاَةٌ مِنْ اَزْوَاجِهٖ فَكَانَتْ تَرَى الدَّمَ وَالصُّفْرَةَ وَالطَّسْتُ تَحْتَهَا وَهِيَ تُصَلِّيْ (بخاری)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور علیہ السلام کے ساتھ آپ کی بیویوں میں سے ایک بیوی نے اعتکاف کیا۔ وہ سرخ خون اور زرد دیکھا کرتیں اور طشت ان کے نیچے ہوتا۔ اور وہ نماز پڑھتی رہتیں۔

فوائد و مسائل اس حدیث سے واضح ہوا کہ مستحاضہ کو مسجد میں اعتکاف کے لئے بیٹھنا اور نماز پڑھنا جائز ہے بشرطیکہ مسجد کے آلودہ ہونے کا خطرہ نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے نیچے طشت رکھ لیتی تھیں۔ بہتر یہی ہے کہ افضل یہ ہے کہ مستحاضہ عورت اپنے گھر میں اعتکاف کے لئے بیٹھے۔

بَابُ هَلْ تُصَلِّي الْمَرْاَةُ فِيْ ثَوْبٍ حَاضَتْ فِيْهِ

باب: کیا عورت کو جس کپڑے میں حیض آئے اس میں نماز پڑھ سکتی ہے؟

قَالَتْ عَائِشَةُ مَا كَانَ لِاِحْدَانَا اِلَّا ثَوْبٌ وَاحِدٌ تَحِيْضُ فِيْهِ فَاِذَا اَصَابَهٗ شَيْءٌ مِنْ دَمٍ قَالَتْ بِرِيْقِهَا فَمَصَعَتْهُ بِظُفُرِهَا (بخاری)

امام مجاہد سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ نے فرمایا، ہم میں سے کسی کے پاس بھی سوائے ایک کپڑے کے دوسرا نہ ہوتا بحالت حیض بھی اس کو پہنتی جب اس میں بھی (ایک دو قطرے) خون لگ جاتا۔ تو تھوک لگا کر ناخن سے اس کو چھڑا ڈالتی۔

فوائد و مسائل قالت کے معنی صحبت کے ہیں۔ کیونکہ قول کا لفظ اپنے اصلی معنی کے علاوہ بھی حسب اقتضاء عام استعمال ہوتا ہے (۲) فَمَصَعَتْهُ کے معنی ملنے اور چھڑانے کے ہیں (۳) مطلب حدیث یہ ہے کہ بوجہ عسرت ایک ہی کپڑا ہوتا تھا۔ وہ بحالت حیض بھی استعمال کیا جاتا۔ پھر اگر اس کپڑے پر کہیں دو ایک بوند خون لگ کر جم جاتا تو تھوک لگا کر اس کو چھڑا لیا کرتی تھیں۔ اور پھر اس کپڑے میں نماز پڑھتی تھیں (۴) حدیث ام سلمہ میں ہے کہ حیض کے دنوں میں پہننے کا کپڑا جدا ہوتا تھا۔ تو اس میں زمانہ وسعت کے حال کا بیان ہے اور حدیث زیر بحث میں تنگی کی حالت کا بیان ہے۔ کہ عسرت کی وجہ سے ایک ہی کپڑے میں گذارہ کرنا پڑتا تھا۔

بَابُ الطِّيْبِ لِلْمَرْاَةِ عِنْدَ غُسْلِهَا مِنَ الْمَحِيْضِ

باب غسل حیض کے وقت خوشبو لگانے کے بیان میں

مقصود عنوان یہ بتانا ہے۔ کہ عورت کے لئے یہ مستحب ہے۔ کہ جب حیض و نفاس کے غسل سے فارغ ہو۔ تو بدبو رفع کرنے کے لئے خوشبو لگائے۔ چنانچہ حدیث زیر عنوان میں ہے کہ حضور نے سوگ والی عورت کو بھی اس کی اجازت دی۔

عَنْ اُمِّ عَطِيَّةَ قَالَتْ كُنَّا نُنْهٰى اَنْ نُحِدَّ عَلٰى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلٰثٍ اِلَّا عَلٰى

ام عطیہ نے کہا ہم کو کسی مردے پر تین دن سے زیادہ سوگ کرنے سے منع کیا گیا تھا۔ مگر خاوند پر چار مہینہ

زَوْجٍ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَّعَشْرًا وَلَا نَكْتَحِلُ وَلَا نَتَطَيَّبُ وَلَا نَلْبَسُ ثَوْبًا مَصْبُوغًا إِلَّا ثَوْبَ عَصْبٍ وَقَدْ رُخِّصَ لَنَا عِنْدَ الطُّهْرِ إِذَا اغْتَسَلَتْ إِحْدَانَا مِنْ مَحِيضِهَا فِي نُبْذَةٍ مِنْ كُسْتِ أَظْفَارٍ وَكُنَّا نُنْهَى عَنِ اتِّبَاعِ الْجَنَائِزِ (بخاری)

دس دن سوگ کا حکم تھا، اور یہ حکم تھا کہ سوگ کے ایام میں سرمہ نہ لگائیں، خوشبو اور رنگے ہوئے کپڑے نہ پہنیں۔ مگر جس کپڑے کا سوت بناوٹ سے پہلے رنگا گیا ہو۔ اور ہم کو حیض سے پاک ہوتے وقت یہ اجازت تھی کہ جب ہم میں سے کوئی غسل کرے تو تھوڑا سا کست اظفار استعمال کرے، اور ہم کو جنازہ کے ساتھ جانے سے بھی منع کیا گیا۔

فوائد و مسائل اس حدیث کو امام نے طلاق میں بھی ذکر کیا۔ مسلم و ابو داؤد و ابن ماجہ و نسائی نے طلاق میں ذکر کیا ہے۔ لغت احداد کے معنی زیب و زینت کو ترک کرنے کے ہیں۔ ثوبِ عصب وہ کپڑا جس کا سوت بناوٹ سے پہلے رنگ دیا گیا ہو۔ نبذہ کی جمع انبذہ ہے اس کے معنی شیٔ یسیر ذرا سی چیز یا ٹکڑے کے ہیں۔ کست اظفار۔ ابن التین نے کہا صحیح لفظ قسط اظفار ہے۔ اور ظفار سواحل عدن سے ایک ساحل ہے۔ یہاں سے عود ہندی آیا کرتی تھی۔ بعض نے کہا اظفار بھی ایک قسم کی خوشبو ہے (۱) یہ حدیث مسائل ذیل پر مشتمل ہے:-

سوگ کا مطلب اور اس کے مسائل کہ زینت کو ترک کرے۔ یعنی ہر قسم کے زیور چاندی سونے وغیرہ کے اور ہر قسم اور ہر رنگ کے ریشم کے کپڑے اگرچہ سیاہ ہوں نہ پہنے اور بدن یا کپڑوں پر خوشبو [illegible] نہ کرے۔ نہ تیل استعمال کرے اگرچہ اس میں خوشبو نہ ہو جیسے روغن زیتون اور سر نہ منڈوائے، کنگھی کرنا، مہندی لگانا، سرمہ لگانا، عصفر یا کسم یا گیرو کا رنگا ہوا یا سرخ رنگ کا کپڑا پہننا منع ہے (۲) احناف کے نزدیک سوگ اس پر ہے جو عاقلہ بالغہ مسلمان ہو۔ اور موت یا طلاق بائن کی عدت ہو۔ (۳) شوہر کے مرجانے پر عورت کے لئے چار مہینے ــــــ دس دن تک سوگ کرنا واجب ہے (۴) اگر شوہر نے طلاق بائن دے دی ہے۔ تو عورت پر ختم عدت تک سوگ کرنا واجب ہے حتیٰ کہ اگر مرنے والے یا طلاق دینے والے نے سوگ نہ کرنے کی وصیت کردی یا منع کردیا تو بھی عورت پر سوگ کرنا واجب ہے۔ (۵) کسی قریبی رشتہ دار کے مرجانے پر عورت تین دن سوگ کر سکتی ہے اس سے زائد جائز نہیں (۶) کسی کے مرنے پر غم میں سیاہ کپڑے پہننا جائز نہیں۔ مگر عورت شوہر کے مرنے کے غم میں تین دن سیاہ کپڑے پہن سکتی ہے (۷) سوگ کے معنے محض ترک زینت کے ہیں۔ کسی کے سوگ میں پیٹنا۔ منہ نوچنا وغیرہ کرنا اور زبان سے ناشکری کے کلمات نکالنا وغیرہ ناجائز و حرام ہے (۸) سوگ والی عورت کو ضرورۃً بوجہ سے تیل لگانا، سرمہ استعمال کرنا، کنگھی کرنا جائز ہے۔ مثلاً آنکھیں دکھتی ہیں۔ یا ان میں درد [illegible] ہے یا تیل نہ لگانے سے سر میں درد ہو جاتا ہے جائز۔ یوں ہی سخت خارش ہے تو [illegible] پہن سکتی ہے۔ یا صورت یہ ہے کہ سوائے ریشمی یا رنگے ہوئے ــــــ کپڑوں کے اور نہیں ہے۔ تو انہیں کو پہن سکتی ہے مگر یہ ضرورت کے [illegible] ہے۔ [illegible] لہٰذا بقدر ضرورت

اجازت ہے ضرورت سے زیادہ ممنوع ہے، مثلاً آنکھ میں بیماری ہے تو سیاہ سرمہ اس وقت لگا سکتی ہے جبکہ سفید سرمہ سے کام نہ چلے اور رات میں لگانا کافی ہے تو دن میں لگانا جائز نہیں ہے۔

بَابُ دَلْكِ الْمَرْأَةِ نَفْسَهَا إِذَا تَطَهَّرَتْ مِنَ الْمَحِيضِ وَكَيْفَ تَغْتَسِلُ وَتَأْخُذُ فِرْصَةً مُمَسَّكَةً فَتَتَّبِعُ بِهَا أَثَرَ الدَّمِ

باب۔ عورت جب حیض کا غسل کرے تو اپنا بدن مے اور غسل کیونکر کرے۔ اور مشک آلود اون یا روئی سے خون کے مقام کو صاف کرے۔

عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ امْرَأَةً سَأَلَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ غُسْلِهَا مِنَ الْمَحِيضِ، فَأَمَرَهَا كَيْفَ تَغْتَسِلُ، قَالَ: خُذِي فِرْصَةً مِنْ مِسْكٍ فَتَطَهَّرِي بِهَا، قَالَتْ: كَيْفَ، قَالَ: سُبْحَانَ اللَّهِ، تَطَهَّرِي، فَاجْتَبَذْتُهَا إِلَيَّ فَقُلْتُ: تَتَبَّعِي بِهَا أَثَرَ الدَّمِ

بخاری:

حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ ایک عورت نے حضور سے غسل کی کیفیت دریافت کی۔ تو آپ نے اسے غسل کا طریقہ بتایا کہ مشک آلود روئی یا اون کا ایک ٹکڑا لو اور اس سے طہارت کرو۔ اس عورت نے عرض کی کیسے طہارت کروں، فرمایا سبحان اللہ طہارت کر۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں میں نے دیکھ کر اس کو اپنی طرف کھینچ لیا اور کہا اور اسے سمجھا دیا کہ جہاں خون کے نشان ہوں ان کو لگا کر صاف کرو۔

فوائد و مسائل امام نے اس حدیث کو طہارت میں بھی ذکر کیا اور مسلم و نسائی نے بھی طہارت میں ہی ذکر کیا (۲) عنوان کا مقصود تین امور کا بیان کرنا تھا اول یہ کہ حائضہ بوقت غسل اپنے بدن کو ملے دوم غسل کس طرح کرے۔ سوم: بوقت غسل خوشبو استعمال کرے۔ حدیث زیر عنوان میں صرف تیسری بات کا ذکر ہے اول و دوم کا نہیں۔ شارحین نے اس کے متعدد جواب دیئے ہیں۔ سب سے اچھا جواب یہ ہے کہ امام بخاری علیہ الرحمۃ کا انداز فکر یہ ہے۔ کہ عنوان میں ایسے امور کا بھی ذکر کر دیتے ہیں۔ جو حدیث کے بعض دوسرے طرق میں مذکور ہوتے ہیں۔ چنانچہ ملنے اور کیفیت غسل کا بیان حدیث مسلم میں ہے جس کو امام نے اس لئے روایت نہیں کیا کہ وہ ان کی شرط پر نہ تھی۔ حدیث مسلم میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ پانی اور بیری کے پتے لے اور خوب اچھی طرح نہائے پھر سر پر پانی بہائے اور خوشبو استعمال کرے (۳) یہ حدیث مسائل ذیل پر مشتمل ہے
(۱) غسل حیض و نفاس میں بدن کے ہر اس حصہ پر جہاں خون لگا ہے کسی خوشبو کا استعمال کرنا مستحب ہے وقت استعمال میں دو قول ہیں یہ کہ غسل سے قبل خوشبو استعمال کرے یا یہ کہ غسل کے بعد استعمال کرے (۲) مسائل شرعیہ کے پوچھنے میں عار نہ ہونی چاہیئے (۳) تعجب کے وقت سبحان اللہ کہنا (۴) عورت کا عالم سے سوال کرنا (۵) بڑے عالم کی موجودگی میں کم علم والے کا مسئلہ کی تشریح کرنا جبکہ عالم اس بات سے راضی ہو (۶) سائل کو نرمی سے جواب دینا (۷) سمجھنے کے لئے دوبارہ سوال پر مجبور کرنا۔

بَابُ غُسْلِ الْمَحِيضِ

باب حیض کے غسل کے بیان میں

اس باب میں امام نے تقریباً مذکورہ بالا مضمون کی حدیث ہی ذکر کی جس کا لفظی ترجمہ یہ ہے۔
حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ انصار میں سے ایک عورت نے دریافت کیا غسل

حیض کس طرح کروں حضورؐ نے فرمایا مشک آلود روئی کا پھاہا لے اور تین بار اس سے طہارت کر۔ پھر حضور علیہ السلام کو حیا آگئی آپ نے منہ پھیر لیا۔ بالآخر میں نے اسی کو اپنی طرف کھینچ کر حضورؐ کی مراد بیان کر دی۔

بَابُ امْتِشَاطِ الْمَرْأَةِ عِنْدَ غُسْلِهَا مِنَ الْمَحِيْضِ

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ أَهْلَلْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ فَكُنْتُ مِمَّنْ تَمَتَّعَ وَلَمْ يَسُقِ الْهَدْيَ فَزَعَمَتْ أَنَّهَا حَاضَتْ وَلَمْ تَطْهُرْ حَتّٰى دَخَلَتْ لَيْلَةُ عَرَفَةَ قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هٰذِهٖ لَيْلَةُ يَوْمِ عَرَفَةَ وَإِنَّمَا كُنْتُ تَمَتَّعْتُ بِعُمْرَةٍ فَقَالَ لَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ انْقُضِيْ رَأْسَكِ وَامْتَشِطِيْ وَأَمْسِكِيْ عَنْ عُمْرَتِكِ فَفَعَلْتُ فَلَمَّا قَضَيْتُ الْحَجَّ أَمَرَ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ لَيْلَةَ الْحَصْبَةِ فَأَعْمَرَنِيْ مِنَ التَّنْعِيْمِ مَكَانَ عُمْرَتِي الَّتِيْ نَسَكْتُ

(بخاری)

باب غسل حیض کے وقت کنگھی کرنے کے بیان میں۔

حضرت عائشہ رضہ سے مروی ہے کہ وہ فرماتی ہیں میں نے حضورؐ کے ہمراہ حجۃ الوداع میں احرام باندھا۔ اور میں ان لوگوں میں تھی جنہوں نے تمتع کیا تھا۔ اور قربانی کا جانور نہیں بھیجا تھا۔ مگر میں حیض میں مبتلا ہوگئی یہاں تک کہ ذی الحجہ کی رات آگئی لیکن میں پاک نہیں ہوئی۔ چنانچہ میں نے حضور علیہ السلام سے عرض کی۔ یہ تو عرفہ کی رات آگئی۔ اور میں نے عمرہ کا احرام باندھا تھا اب کیا کروں۔ آپ نے فرمایا سر کھول کر کنگھی کرلو۔ عمرہ مت کرو میں نے ایسا ہی کیا۔ پھر جب میں حج کر چکی۔ تو آپ نے محصب کی رات میں عبدالرحمٰن (حضرت عائشہ رضہ کے بھائی) کو حکم دیا۔ انہوں نے اس عمرہ کے بدلے جس کا احرام میں نے پہلے باندھا تھا دوسرا عمرہ تنعیم سے کرایا۔

فوائد و مسائل (۱) تنعیم کہ مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر ایک مقام ہے جو حدود حرم میں سب سے زیادہ قریب ہے۔ یہاں ایک مسجد بھی ہے جسے مسجد عائشہ کہتے ہیں (۲) حضرت حسن بصری و طاؤس و امام احمد بن حنبل نے حدیث زیر بحث سے استدلال کیا۔ کہ غسل حیض کے لئے عورت کو چوٹی کھولنا واجب ہے۔ کیونکہ حضورؐ نے حضرت عائشہ رضہ سے فرمایا انقضی راسک اپنے سر کے بال کھول ڈال لیکن جمہور علماء نے فرمایا یہ حکم استحبابی ہے۔ کیونکہ حدیث ام سلمہ میں یہ تصریح ہے۔ کہ حضور علیہ السلام نے انہیں یہ فرمایا۔ کہ غسل حیض میں تیرے لئے بالوں کی جڑوں کا تر کر لینا کافی ہے۔ اور سعایہ مسلم میں حیض و جنابت دونوں کے لئے یہی مروی ہے۔ اس لئے احناف کے نزدیک مسئلہ یہ ہے۔ کہ عورت کو غسل حیض و نفاس و جنابت میں چوٹی کو کھول کر سر کا دھونا واجب نہیں۔ صرف بالوں کی جڑوں کو تر کر لینا ضروری ہے۔ ہاں اگر چوٹی اتنی سخت گندھی ہو کہ بے کھولے جڑیں تر نہ ہوں گی۔ تو ایسی صورت میں چوٹی کو کھولنا واجب ہے۔

بَابُ نَقْضِ الْمَرْأَةِ شَعْرَهَا عِنْدَ غُسْلِ الْمَحِيْضِ

باب حیض کے غسل میں عورت کا بال کھولنا واجب ہے یا نہیں؟

اس عنوان کے ماتحت بھی حدیث عائشہ صدیقہ رضہ ذکر کی ہے جو ترجمہ و تشریح کے ساتھ اوپر گذر چکی ہے

جمعہ پر ہم نے نمبر دیا ہے :۔

بَابُ قَوْلِ اللّٰہِ تَعَالٰی عَزَّوَجَلَّ مُخَلَّقَۃٍ وَّ غَیْرِ مُخَلَّقَۃٍ

باب آیت مخلقہ وغیر مخلقہ کی تفسیر کے بیان میں

اس عنوان سے امام کی غرض یہ بتانا ہے کہ حاملہ عورت کو حیض نہیں آتا۔ کیونکہ خون حیض جنین کی غذا ہو جاتا ہے۔ امام ابوحنیفہ، احمد بن حنبل، ابن ثور، ابن المنذر، اوزاعی، ثوری، حسن بصری، شعبی، عطا، ابو عبید، سعید بن المسیب، محمد بن المنکدر، جابر ابن زید، مکحول، زہری، حکم، حماد، اور امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہم کا یہی مسلک ہے۔ (١) اور بعض مالکیہ و اسحاق کا قول یہ ہے کہ اگر حاملہ کو ابتدائے حمل میں خون آئے تو وہ حیض ہے اور اگر حمل کے آخری ایام میں آئے تو حیض نہیں ہے (٢)۔ ابن بطال نے کہا امام بخاری نے یہ عنوان باندھ کر ان لوگوں کی تائید و توثیق کی ہے جو حاملہ کے لئے حیض آنے کے قائل نہیں ہیں ——— لہذا اگر حاملہ کو خون آ جائے تو وہ حیض نہیں قرار پائے گا۔ اور ایسی صورت میں وہ روزہ بھی رکھے گی اور نماز بھی پڑھے گی۔

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰہَ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی وَکَّلَ بِالرَّحِمِ مَلَکًا یَقُوْلُ یَارَبِّ نُطْفَۃٌ یَارَبِّ عَلَقَۃٌ یَارَبِّ مُضْغَۃٌ فَاِذَا اَرَادَ اللّٰہُ اَنْ یَّقْضِیَ خَلْقَہٗ قَالَ اَذَکَرٌ اَمْ اُنْثٰی شَقِیٌّ اَمْ سَعِیْدٌ فَمَا الرِّزْقُ وَمَا الْاَجَلُ قَالَ فَیُکْتَبُ فِیْ بَطْنِ اُمِّہٖ۔

البخاری :

حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ عزوجل رحم مادر میں ایک فرشتہ کو مقرر کر دیتا ہے۔ جو عرض کرتا ہے الٰہی نطفہ ہے۔ الٰہی اب علقہ ہوگیا۔ الٰہی اب مضغہ ہوگیا پھر جب اللہ تعالٰی اس کی تخلیق کا ارادہ فرماتا ہے تو فرشتہ عرض کرتا ہے مرد ہے یا عورت، بدبخت ہے یا نیک بخت اس کی روزی کہاں ہے اور عمر کیا؟ تو یہ سب کچھ شکم مادر ہی میں لکھ دیا جاتا ہے :۔

فوائد و مسائل (١) اس حدیث کو امام نے خلق آدم اور قدر میں بھی ذکر کیا اور مسلم نے قدر میں روایت کیا (٢) امام راغب نے فرمایا کہ نطفہ ماء صافی کو کہتے ہیں۔ ویسے اصل میں نطفہ اس پانی کو کہتے ہیں۔ جو حوض یا کنویں یا پیالہ میں بہت تھوڑی مقدار میں بچ جاتا ہے۔

علقہ جمے ہوئے خون کے لوتھڑے کو کہتے ہیں جس میں جسمانیت نہیں ہوتی۔ اور جو منی سے بنتا ہے۔

مضغہ : گوشت کا ٹکڑا جو علقہ سے بنتا ہے۔ اصل لغت میں مضغہ ایک لقمہ گوشت کو کہتے ہیں

مخلقہ کے معنے تام الخلق کے ہیں اور جو تام الخلق نہ ہو وہ غیر مخلقہ ہے۔ بعض نے مخلقہ وغیر مخلقہ کی تفسیر مصورہ وغیر مصورہ کے الفاظ سے کی ہے۔

امام مجاہد، قتادہ، شعبی، ابی العالیہ و عکرمہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے مروی ہے کہ غیر مخلقہ سے مراد ساقط ہے یعنی کچا بچہ، تفسیر طبری

پوری آیت یہ ہے :۔

فَاِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَۃٍ

ہم نے تمہیں پیدا کیا مٹی سے، پھر پانی کی بوند سے

ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُضْغَةٍ مُخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ (حج)

پھر خون کی پھٹک سے پھر گوشت کی بوٹی سے نقشہ بنی اور بے نقشہ بنی۔

اس آیت میں انسان کے مدارج پیدائش کو بیان کرکے یہ بتایا گیا ہے۔ کہ جو قادر مطلق قطرہ آب کو ایک بے جان نطفہ میں اتنے انقلاب کرکے جاندار آدمی بنا دیتا ہے۔ وہ مرے ہوئے انسان کو دوبارہ زندہ فرما دے۔ تو اس کی قدرت سے کیا بعید ہے۔ لہٰذا منکرین بعث کو اپنے ابتداء پیدائش کے حالات پر نظر رکھ کر بعث یعنی مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کو سمجھ لینا چاہیئے۔

امام قسطلانی نے فرمایا۔ کہ حدیث زیر بحث میں ان الحیض خلقۃ کے جو لفظ ہیں۔ یہ ہی ترجمۃ الباب ہے۔ یعنی مخلقہ وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے شکل و صورت عطا فرمایا ہے۔ اور اس کے تمام اعضاء وغیرہ پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور غیر مخلقہ وہ ہے جس کی شکل و صورت و اعضاء پیدا نہیں ہونے دیتی کچا بچہ، تو آیت میں جو مخلقہ و غیر مخلقہ کے الفاظ آئے ہیں ان کا بھی یہ ہی مطلب ہے۔

فائدہ (۱) امام شافعی کے نزدیک بچہ چار سال تک شکم مادر میں رہ سکتا ہے اور امام اعظم کے نزدیک دو سال تک (۲) علامہ قاضی عیاض نے فرمایا۔ کہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ ایک سو بیس دن کے بعد نفخ روح ہوتا ہے یعنی جب چار ماہ گذر جائیں اور پانچواں مہینہ شروع ہو جائے تو پھر بچے میں جان پڑ جاتی ہے (۳) چھ سال کی عمر تک طفل ہے اس کے بعد صبی (۴) مدارج پیدائش یہ ہیں:۔ اول نطفہ پھر علقہ پھر مضغہ پھر مخلقہ پھر طفل پھر صبی (۵) حاملہ کی عدت وضع حمل ہے۔ تو اگر مضغہ ساقط ہو اور اعضاء میں سے کوئی عضو مثلاً انگلی یا ہاتھ بن گیا ہو۔ تو عدت پوری ہو جائے گی۔ ورنہ نہیں (۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب انسان شکم مادر میں ہوتا ہے۔ اور نفخ روح کا وقت آتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کا مقرر کیا ہوا فرشتہ اللہ تعالیٰ ہی سے علم حاصل کرکے اس کے متعلق نوشتۂ تقدیر مرتب کرتا ہے جیسے اس کا مرد یا عورت ہونا۔ موت و حیات۔ رزق۔ شقاوت یا سعادت کی تفصیل ہوتی ہے۔ یعنی ان امور کا ظہور فرشتہ پر ہوتا ہے۔ اور اس کو ان امور کی کتابت اور ان کو نافذ کرنے کا حکم دیا جاتا ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کی قضا اس کا ارادہ اور علم تو اس سے بھی سابق ہے۔ (فافہم)

مسئلہ تقدیر کے متعلق مکمل بحث ان شاء اللہ العزیز کتاب القدر میں کی جائے گی۔

بَابٌ كَيْفَ تُهِلُّ الْحَائِضُ بِالْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ فَمِنَّا مَنْ أَهَلَّ بِعُمْرَةٍ وَّمِنَّا مَنْ أَهَلَّ بِحَجٍّ فَقَدِمْنَا مَكَّةَ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَحْرَمَ بِعُمْرَةٍ

باب حائضہ عورت حج و عمرہ کا احرام کیسے باندھے؟

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں۔ ہم نبی علیہ السلام کے ساتھ حجۃ الوداع میں مدینہ سے روانہ ہوئے ہم میں سے کسی نے تو عمرہ کا احرام باندھا اور کسی نے حج کا۔ جب ہم مکہ پہنچے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے عمرہ کا احرام باندھا ہو اور

وَلَمْ يُهْدِ فَلْيُحْلِلْ، وَمَنْ أَحْرَمَ بِعُمْرَةٍ وَأَهْدَى فَلَا يَحِلُّ حَتَّى يَحِلَّ نَحْرُ هَدْيِهِ، وَمَنْ أَهَلَّ بِحَجٍّ فَلْيُتِمَّ حَجَّهُ. قَالَتْ فَحِضْتُ فَلَمْ أَزَلْ حَائِضًا حَتَّى كَانَ يَوْمُ عَرَفَةَ، وَلَمْ أُهْلِلْ إِلَّا بِعُمْرَةٍ، فَأَمَرَنِي النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ أَنْقُضَ رَأْسِي وَأَمْتَشِطَ وَأُهِلَّ بِالْحَجِّ، وَأَتْرُكَ الْعُمْرَةَ، فَفَعَلْتُ ذَلِكَ حَتَّى قَضَيْتُ حَجِّي، فَبَعَثَ مَعِي عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ أَبِي بَكْرٍ، وَأَمَرَنِي أَنْ أَعْتَمِرَ مَكَانَ عُمْرَتِي مِنَ التَّنْعِيمِ.

(بخاری)

وہ قربانی ساتھ نہ لایا ہو تو وہ احرام کھول دے اور جس نے عمرہ کا احرام باندھا ہو۔ اور قربانی ساتھ لایا ہو، وہ جب تک قربانی نہ ذبح کرلے۔ احرام نہ کھولے۔ حضرت عائشہ رضہ نے کہا مجھے حیض آگیا (اور عرفہ کے) دن تک برابر حائضہ رہی اور میں نے عمرہ ہی کا احرام باندھا تھا۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ میں سر کھول ڈالوں۔ اور بالوں میں کنگھی کروں اور حج کے لئے از سر نو احرام باندھوں اور عمرہ ترک کردوں میں نے ایسا ہی کیا۔ حتی کہ (میں نے) حج پورا کرلیا اس وقت حضور نے عبدالرحمٰن بن ابی بکر کو میرے ساتھ بھیجا اور مجھ کو حکم دیا۔ کہ میں اپنے (عمرہ) کے بدلے دوسرے عمرہ کا احرام تنعیم سے باندھوں۔

اس حدیث کے مسائل ہم انشاء اللہ العزیز کتاب الحج میں ذکر کریں گے۔

بَابُ إِقْبَالِ الْمَحِيضِ وَإِدْبَارِهِ

باب حیض کے شروع ہونے اور ختم ہونے کے بیان میں

(۱) وَكُنَّ نِسَاءٌ يَبْعَثْنَ إِلَى عَائِشَةَ بِالدُّرْجَةِ فِيهَا الْكُرْسُفُ فِيهِ الصُّفْرَةُ، فَتَقُولُ لَا تَعْجَلْنَ حَتَّى تَرَيْنَ الْقَصَّةَ الْبَيْضَاءَ، تُرِيدُ بِذَلِكَ الطُّهْرَ مِنَ الْحَيْضَةِ.

(بخاری)

(۱) اور عورتیں حضرت عائشہ رضہ کے پاس ڈبیہ بھیجتیں جس میں روئی ہوتی اور وہ روئی زردی آلود ہوتی حضرت عائشہ رضہ فرماتیں جلدی نہ کرو جب تک چونے کی طرح سفید رطوبت نہ دیکھو۔ اس سے حضرت (عائشہ) کا مقصد یہ بتانا تھا کہ چونے کی طرح سپید رطوبت جب لگ جائے تب سمجھو کہ پاک ہو گئی۔

(۲) وَبَلَغَ ابْنَةَ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ أَنَّ نِسَاءً يَدْعُونَ بِالْمَصَابِيحِ مِنْ جَوْفِ اللَّيْلِ يَنْظُرْنَ إِلَى الطُّهْرِ فَقَالَتْ مَا كَانَ النِّسَاءُ يَصْنَعْنَ هَذَا وَعَابَتْ عَلَيْهِنَّ

(بخاری)

(۲) اور زید ابن ثابت کی بیٹی (ام کلثوم) کو خبر ملی۔ کہ بعض عورتیں آدھی آدھی رات کو چراغ منگا کر دیکھتی ہیں۔ کہ پاک ہوئیں یا نہیں۔ تو انہوں نے کہا: حضور علیہ السلام کے زمانہ حیات میں عورتیں ایسا نہیں کرتی تھیں۔ اور انہوں نے ان کے اس فعل کو برا قرار دیا۔

فوائد و مسائل

درجہ: اس ڈبیہ کو کہتے ہیں۔ جس میں عورتیں خوشبو وغیرہ رکھتی ہیں اور کرسف روئی کو کہتے ہیں۔ ویسے اس لفظ کا استعمال ہر اس چیز کے لئے ہوتا ہے۔ جو عورتیں خون یا ماہواری کی رطوبت کو روکے رکھنے کے لئے استعمال کرتی ہیں۔ مثلاً روئی کی گدی یا کپڑا

دیا کی گئی۔ القصۃ البیضاء ۔ قص کے معنے چونے کے ہیں (۲) مورتیں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا
کی خدمت میں وہ ڈبیہ مع روئی کے بھیج دیتی تھیں۔ جس میں خون کی زردی ہوتی تھی۔ اور اس سے ان کا
مقصد یہ ہوتا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اسے دیکھ کر بتائیں۔ یہ زردی خونِ حیض ہے یا نہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا
جواب دیتیں کہ ابھی حیض بند ہوا نہ سمجھو۔ جب تک چونے کی طرح سپید رطوبت نہ آئے۔ اس وقت
تک پاک نہ ہوگی (۳) اس حدیث سے ثابت ہوا۔ کہ مدت حیض میں زرد رطوبت آئے۔ تو وہ حیض
ہی قرار پائے گی۔ امام اعظم ابوحنیفہ و شافعی و مالک علیہم الرحمۃ کا یہی مذہب ہے (۴) خونِ حیض کے چھ رنگ
ہوتے ہیں۔ سیاہ، سرخ، سبز، زرد، گدلا، مٹیالا۔ جب تک مدت حیض میں ان رنگوں میں سے کسی رنگ کی
رطوبت نکلے۔ تو اس کو حیض سمجھنا چاہیئے۔ اور سفید رنگ کی رطوبت حیض نہیں۔ جب سفید رنگ کی رطوبت آنے لگے
تو یہ حیض کے ختم ہونے اور طہر کے شروع ہونے کی علامت ہے۔

اور حدیث نمبر ۲ میں ہے۔ کہ عورتیں رات کو اٹھ اٹھ کر دیکھا کرتی تھیں۔ کہ پاک ہوگئیں یا نہیں۔
تو حضرت زید بن ثابت کی صاحبزادی ام کلثوم نے ان کے اس فعل کو معیوب قرار دیا اور یہ کہا کہ
شریعت آسان ہے۔ اس میں ایسی تنگی نہیں۔ کہ راتوں کو چراغ جلا جلا کر یہ دیکھا جائے کہ حیض بند ہوا یا
نہیں۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ اپنی طرف سے احتیاطاً کسی بات کو لازم کر لینا۔ جس سے
آدمی مشقت میں پڑ جائے۔ اور وہ کام گراں ہو جائے تقویٰ نہیں ہے۔ اور نہ ایسی بے جا احتیاط شارع
علیہ السلام کو مطلوب و محبوب ہے:۔

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ اَبِيْ حُبَيْشٍ كَانَتْ تُسْتَحَاضُ فَسَأَلَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ ذٰلِكَ عِرْقٌ وَلَيْسَتْ بِالْحَيْضَةِ فَاِذَا اَقْبَلَتِ الْحَيْضَةُ فَدَعِي الصَّلٰوةَ وَاِذَا اَدْبَرَتْ فَاغْتَسِلِيْ فَصَلِّيْ (بخاری)	حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ فاطمہ بنت حبیش استحاضہ میں مبتلا تھیں۔ اس لئے حضور علیہ السلام سے مسئلہ دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا۔ یہ تو ایک رگ (کا خون) ہے۔ حیض نہیں۔ جب حیض آئے تو نماز ترک کردو۔ اور جب بند ہو جائے۔ تو غسل کر کے نماز پڑھو۔

عنوان سے حدیث ہذا کی مناسبت بالکل ظاہر ہے۔ کیونکہ اس میں حیض کے آنے اور بند ہونے کا ذکر ہے۔ اس
حدیث پر مفصل بحث اور اس کے مسائل وضو جلد اول میں گذر چکے ہیں۔

بَابُ لَا تَقْضِي الْحَائِضُ الصَّلٰوةَ	باب حائضہ عورت نماز کی قضا نہ کرے
قَالَ جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ وَاَبُوْ سَعِيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَدَعُ الصَّلٰوةَ (بخاری)	(۱) جابر بن عبداللہ و ابوسعید نے روایت کی۔ کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حائضہ عورت نماز نہ پڑھے
حَدَّثَتْنِيْ مُعَاذَةُ اَنَّ امْرَأَةً قَالَتْ لِعَائِشَةَ اَتَجْزِيْ اِحْدَانَا	(۲) حضرت معاذہ سے روایت ہے کہ ایک عورت نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا۔ ہم طہر میں ایام

صلوتها اذا طهرت فقالت احرورية انت قد كنا نحيض مع النبي صلى الله عليه وسلم فلا يأمرنا به او قالت فلا نفعله (بخاری)

حیض کی نمازیں قضا کر لیا کریں۔ آپ نے فرمایا۔ کیا تو حروریہ ہے؟ ہم حضور کے زمانے میں حیض میں مبتلا ہوتے۔ اور آپ ہمیں قضا کا حکم نہیں دیتے تھے

فوائد و مسائل حدیث اول سے معلوم ہوا کہ ایام حیض کی نماز معاف ہے۔ اور ان نمازوں کا قضا کرنا بھی نہیں ہے۔

امام نے عنوان میں لا تقضی کا لفظ استعمال کیا۔ اور حدیث میں تدع کا لفظ ہے یعنی امام نے یہ کہا کہ ایام حیض میں چھوڑی ہوئی نمازوں کی قضا نہیں۔ اور حدیث میں حضور نے یہ فرمایا کہ ایام حیض میں نماز چھوڑ دے۔ تو اس تعلیق کی ترجمہ سے مناسبت یوں قائم ہوگی۔ کہ ترک صلوۃ عدم قضا کو مستلزم ہے۔ کیونکہ شارع علیہ السلام جس چیز کے ترک کا حکم دیں۔ تو اس کا کرنا واجب نہیں ہوتا پس اس کی قضا بھی واجب نہ ہوگی۔ فافہم

بہرحال مسئلہ یہ ہے کہ ایام حیض میں نمازیں معاف ہیں اور ان کی قضا بھی ——— البتہ روزوں کی قضا ہے اور دونوں میں فرق یہ ہے۔

حدیث دوم کو مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ نے کتاب الطہارت میں ذکر کیا۔ اور نسائی نے کتاب الصوم میں بھی ذکر کیا ہے (۲) اتجزی احدنا کے معنی اتقضی کے ہیں جیسے آیۂ لا تجزی نفس عن نفس شیئا میں ہے تو آپ نے سائل سے کہا تو خارجی تو نہیں؟ جو اپنے امام خود متعین مسئلہ کو پوچھتا ہے۔ مسلم کی حدیث میں ہے کہ سائل نے کہا میں خارجی نہیں ہوں۔ مگر صرف جاننے کے لئے سوال کرتا ہوں۔ آپ نے جواب دیا۔ کہ حضور علیہ السلام ہمیں ایام حیض کی فوت شدہ نمازیں قضا کرنے کا حکم نہیں فرمایا کرتے تھے ——— اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ایام حیض کی فوت شدہ نمازوں کی قضا نہیں ہے۔ اگر ہوتی تو حضور حکم فرماتے۔ اس مسئلہ پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے صرف خارجی وجوب قضا کا قول کرتے ہیں۔ جو کتاب و سنت و اجماع امت کے خلاف ہے (۳) نماز کی قضا نہ ہونے میں یہ حکمت ہے۔ کہ نماز ہر روز پانچ بار پڑھی جاتی ہے۔ تو اگر ایام حیض کی فوت شدہ نمازوں کی قضا کا حکم ہو تو اس میں تنگی اور حرج ہوگا اور دین اسلام میں حرج نہیں ہے۔ ما جعل علیکم فی الدین من حرج۔ اور روزے چونکہ تمام سال میں ایک بار آتے ہیں۔ اور ان کی قضا مشکل نہیں۔ اس لئے روزوں کی قضا کا حکم دیا گیا۔

باب النوم مع الحائض وهي في ثيابها

باب۔ حائضہ کے ساتھ سونا۔ جب کہ وہ حیض کے کپڑے پہنے ہو۔

مقصود عنوان یہ بتانا ہے کہ ایام حیض میں عورت کی ناپاکی حکمی ہوتی ہے۔ اور ان ایام میں اس سے اور اس کے ساتھ بیٹھنا، اٹھنا سونا جائز ہے۔ صرف مجامعت کی ممانعت ہے

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ حِضْتُ وَأَنَا مَعَ
النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْخَمِيْلَةِ
فَانْسَلَلْتُ فَخَرَجْتُ مِنْهَا فَأَخَذْتُ
ثِيَابَ حِيْضَتِي فَلَبِسْتُهَا فَقَالَ لِي
رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
أَنُفِسْتِ قُلْتُ نَعَمْ فَدَعَانِي فَأَدْخَلَنِي
مَعَهُ فِي الْخَمِيْلَةِ قَالَتْ وَحَدَّثَتْنِي
أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ
يُقَبِّلُهَا وَهُوَ صَائِمٌ وَكُنْتُ أَغْتَسِلُ
أَنَا وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ
إِنَاءٍ وَاحِدٍ مِنَ الْجَنَابَةِ (بخاری)

حضرت ام المومنین ام سلمہ کہتی ہیں۔ کہ میں نبی علیہ السلام کے ہمراہ ایک لحاف میں لیٹی ہوئی تھی۔ کہ مجھے حیض آگیا۔ میں چپکے سے سرک گئی اور اپنے حیض کے کپڑے پہن لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا۔ کیا تجھ کو نفاس (حیض) آگیا۔ میں نے عرض کی جی ہاں۔ پھر آپ نے مجھے بلایا۔ اور لحاف کے اندر مجھے داخل کر لیا نیز حضرت ام سلمہ نے یہ بھی فرمایا۔ کہ حضور علیہ السلام روزہ میں میرا بوسہ لیتے۔ اور میں اور وہ دونوں مل کر ایک ہی برتن سے غسل جنابت بھی فرما لیتے تھے

یہ حدیث مسائل ذیل پر مشتمل ہے:۔
حائضہ عورت کے ساتھ ایک بستر میں سونا جائز ہے۔ بحالت روزہ اپنی بیوی کا بوسہ لینا جائز ہے۔ مرد عورت کا ایک ہی برتن سے غسل جنابت کرنا جائز ہے۔ ان مسائل کی مزید تشریح فیوض الباری پارہ اول حصہ دوم میں ملاحظہ فرمائیے:

بَابُ مَنِ اتَّخَذَ ثِيَابَ الْحَيْضِ
سِوَى ثِيَابِ الطُّهْرِ

باب: ایام حیض میں پہننے کے لئے علیحدہ کپڑے رکھنا۔

اس عنوان کے تحت امام نے حدیث ام سلمہ کو ذکر کیا ہے۔ جس سے یہ واضح ہوتا ہے۔ کہ ایام حیض میں پہننے کے لئے اگر عورتیں کپڑے مخصوص کرلیں تو جائز ہے بلکہ مستحب ہے (۲) یہ حدیث حدیث عائشہ کے مخالف نہیں ہے۔ جس میں یہ مذکور ہے کہ ہمارے پاس اس زمانہ میں ایک ہی کپڑا ہوتا تھا کیونکہ مختلف اوقات کا ذکر ہے۔ تنگی کے زمانہ میں ایک ہی کپڑا ہوتا تھا جس میں حیض وطہر کے ایام گذرتے تھے۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے فراخی عطا فرمائی تو پھر کئی کپڑے بنالئے حیض کے ایام میں پہننے کے لئے الگ اور طہارت میں پہننے کے لئے الگ:

بَابُ شُهُوْدِ الْحَائِضِ الْعِيْدَيْنِ
وَدَعْوَةَ الْمُسْلِمِيْنَ وَيَعْتَزِلْنَ الْمُصَلَّى
عَنْ حَفْصَةَ قَالَتْ كُنَّا نَمْنَعُ عَوَاتِقَنَا
أَنْ يَّخْرُجْنَ فِي الْعِيْدَيْنِ فَقَدِمَتِ
امْرَأَةٌ فَنَزَلَتْ قَصْرَ بَنِيْ خَلَفٍ
فَحَدَّثَتْ عَنْ أُخْتِهَا وَكَانَ زَوْجُ

باب حائضہ عورتوں کو عید میں آنا اور مسلمانوں کی دعا میں شریک ہونا

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں۔ کہ ہم کنواری جوان عورتوں کو عیدین میں جانے سے منع کرتے تھے۔ ایک بار ایسا ہوا کہ ایک عورت آئی۔ اور بنی خلف کے محل میں اتری۔ اور اس نے اپنی بہن سے حدیث بیان کی

زوجها غزا مع النبي صلى الله عليه وسلم ثنتي عشرة غزوة وكانت أختي معه في ست قالت فكنا نداوي الكلمى ونقوم على المرضى فسألت أختي النبي صلى الله عليه وسلم أعلى إحدانا بأس إذا لم يكن لها جلباب ألا تخرج قال لتلبسها صاحبتها من جلبابها ولتشهد الخير ودعوة المؤمنين فلما قدمت أم عطية سألتها أسمعت النبي صلى الله عليه وسلم قالت بأبي نعم وكانت لا تذكره إلا قالت بأبي سمعته يقول تخرج العواتق وذوات الخدور والحيض وليشهدن الخير ودعوة المؤمنين ويعتزل الحيض المصلى قالت حفصة فقلت الحيض فقالت أليس تشهد عرفة وكذا وكذا

(بخاری)

بیان کی کہ اس کے بہنوئی نے حضور علیہ السلام کے ساتھ بارہ غزوات میں شرکت کی، اور چھ غزوات میں میری بہن بھی آپ کے ساتھ تھی۔ تو ہم زخمیوں کی مرہم پٹی اور بیماروں کی خبر گیری کیا کرتے۔ ایک میری بہن نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ہم میں سے کسی عورت کے پاس چادر نہ ہو اور وہ عید کے دن نہ نکلے، تو کچھ حرج تو نہیں؟ حضور نے فرمایا، چاہیے کہ اس کی ساتھی اپنی چادر اس کو بھی اوڑھا لیں چاہیے۔ کہ عورتیں ثواب کے کاموں میں اور مسلمانوں کی دعا میں شریک ہوں۔ پھر جب ام عطیہ آئیں تو میں نے ان سے پوچھا کہ تم نے یہ حدیث نبی علیہ السلام سے سنی ہے؟ انہوں نے کہا میرا باپ آپ پر قربان، اور ام عطیہ جب بھی حضور کا ذکر کرتیں یہ کہتیں میرا باپ آپ پر قربان ہو، میں نے حضور کو یہ فرماتے سنا کہ کنواری جوان عورتیں اور پردہ والیاں اور حیض والیاں عید کے دن نکلیں۔ اور ثواب کے کاموں اور مومنین کی دعا میں شریک ہوں۔ اور حیض والیاں نماز کی جگہ سے علیحدہ رہیں۔ حضرت حفصہ نے کہا حائضہ عورتیں بھی عیدگاہ جائیں؟ تو ام عطیہ نے کہا کیا حائضہ عورتیں عرفات اور فلاں فلاں مقاموں پر نہیں آتیں؟

فوائد و مسائل امام بخاری نے اس حدیث کو عیدین و حج میں بھی ذکر کیا ہے۔ اور مسلم نے عیدین میں اور ترمذی و نسائی و ابن ماجہ نے صلوۃ میں۔ عواتق جمع عاتق کی ہے۔ شادی کے قابل عورت یا بلوغ کے قریب ہوں یا جو گھر میں محبوس ہوں۔ یا جو کام کاج سے آزاد ہوں۔ ان کو عاتق کہتے ہیں۔ جلباب اس بڑی چادر کو کہتے ہیں۔ جس سے چہرہ اور سینہ وغیرہ چھپ سکے۔ الخیر و دعوۃ المسلمین وعظ و نصیحت کی مجالس، جمعہ و عیدین، کسوف و خسوف کی نمازیں مراد ہیں۔ قصر بنی خلف یہ بصرہ میں طلحہ بن عبد اللہ الخزاعی جن کو طلحۃ الطلحات بھی کہتے ہیں ان کی طرف منسوب ہے، یہ سیستان کے امیر تھے۔

حدیث ہذا مسائل ذیل پر مشتمل ہے۔

(۱) حائضہ عورت کو ذکر و دعا کی ممانعت نہیں ہے (۲) مستورات کو چادر یا برقع کے بغیر باہر

ضروری نہیں ہے (۳) عورتوں کو جمعہ و عیدین و مجالس وعظ و نصیحت میں پردہ کے اہتمام کے ساتھ جانا اور شریک ہونا جائز ہے (۴) بوقت ضرورت شرعیہ عورتوں کو جہاد میں شریک ہونا اور زخمیوں کی مرہم پٹی و تیمارداری کا جواز ہے (۵) مصلیٰ: اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں لوگ جمع ہو کر نماز عید وغیرہ پڑھیں جیسے عیدگاہ وغیرہ حضور علیہ السلام کے زمانے میں عیدگاہ مسجد کے حکم میں نہ تھی۔ اس لئے وہاں حائضہ عورتوں کو بھی حاضری کا حکم دیا گیا۔ ہمارے زمانے میں عموماً عیدگاہ مسجد ہی ہوتی ہے لہٰذا مسجد میں حائضہ عورت کا داخلہ جائز نہیں۔ (۶) غیر حائضہ عورتیں اگر عیدگاہ میں حاضر ہوں۔ تو صرف دعا وغیرہ میں شریک ہو جائیں۔ نماز نہ پڑھیں۔ تاہم

وضاحت (۷) حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ مبارک، خیر و برکت کا زمانہ تھا۔ اور اس وقت نہ تو آج کی سی عریانی و فحاشی تھی۔ اور نہ فتنوں میں آج کا سا فتنہ۔ پھر اس زمانہ میں مسلمان کم تھے اس لئے مسلمانوں کی شوکت کے اظہار کے لئے حضور علیہ السلام کی ہدایت تھی۔ کہ عورتیں حتیٰ کہ حائضہ عورتیں بھی اس میں شامل ہوں۔ لیکن اس کے بعد لوگوں میں وہ تقویٰ اور پاک بازی نہ رہی۔ تو مستورات سے بھی بے اعمال سرزد ہونے لگے۔ جو ان کے شایانِ شان نہ تھے۔ تو صحابہ کی ایک جماعت کی یہ رائے ہوئی۔ کہ مستورات کی جمعہ و جماعات میں حاضری کی ممانعت کر دی جائے۔

چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:- لو ادرک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما احدث النساء بعدہ لمنعهن المساجد (عینی ج ۳ ص ۲۹۰)

اگر حضور ان حالات کو ملاحظہ فرماتے۔ جو عورتوں نے آپ کے وصال کے بعد پیدا کئے ہیں۔ تو یقیناً ضرور عورتوں کو مسجدوں میں آنے سے منع فرما دیتے۔

چنانچہ علامہ قسطلانی و علامہ نووی نے اسی حدیث کے ماتحت یہ لکھا ہے۔ کہ جوان و حسین عورتوں کو اسی طرح بناؤ سنگار کر کے نکلنے والیوں کو مسجد میں آنے کی اجازت نہ دی جائے گی۔ کیونکہ فتنہ کا خوف ہے علامہ عینی نے لکھا ہے:-

قلت الیوم الفتوی علی المنع مطلقا لاسیما فی الدیار المصریة (عینی ج ۳ ص ۲۶۰)

میں کہتا ہوں۔ کہ آج کے زمانہ میں فتویٰ یہ ہے کہ عورتوں کو مطلقاً نکلنے کی اجازت نہ دی جائے۔ خصوصاً شہروں میں۔

بہرحال اگر صورت یہ ہو۔ کہ عورتیں بناؤ سنگار کر کے مجالس وعظ میں آئیں۔ یا مسجد میں نماز پڑھیں۔ و ان کی شرکت سے فتنہ پیدا ہو تو پھر انہیں آنے کی اجازت نہ دی جائے لیکن اگر پردہ کا معقول انتظام ہو اور فتنہ کا خوف بھی نہ ہو تو پھر نہ روکا جائے۔

بَابُ اِذَا حَاضَتْ فِي شَهْرٍ ثَلَاثَ حِيَضٍ وَمَا يُصَدَّقُ النِّسَاءُ فِي الْحَيْضِ وَالْحَمْلِ فِيمَا يُمْكِنُ مِنَ الْحَيْضِ لِقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ

باب اگر ایک ہی مہینہ میں عورت کو تین بار حیض آئے اس کے بارے میں (۲) اور حیض و حمل کے معاملہ میں عورت کی بات کو سچ ماننے کے بیان میں جہاں تک ممکن ہو کیونکہ اللہ عزوجل

مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ
(بخاری)

نے فرمایا۔ عورتوں کے لئے حلال نہیں کہ وہ اس کو چھپائیں جو اللہ نے ان کے رحموں میں پیدا کیا۔

اس آیت میں عورتوں سے فرمایا گیا۔ کہ اگر وہ اللہ اور آخرت پر ایمان والی ہیں۔ تو انہیں یہ حلال نہیں ہے کہ وہ اپنے رحموں کے حمل کو چھپائیں۔ جس سے ثابت ہوا۔ کہ عورت کو حیض و حمل کی حالت کا اظہار کر دینا لازم ہے امام نے اسی آیت کے مفہوم کے مطابق عنوان قائم فرمایا کہ آیت سے یہ ثابت ہوا کہ حیض و حمل کے معاملہ میں عورت کی بات مقبول ہے ورنہ ظاہر کرنے سے فائدہ ہی کیا۔

وَيُذْكَرُ عَنْ عَلِيٍّ وَّشُرَيْحٍ اِنْ جَآءَتْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ بِطَانَةِ اَهْلِهَا مِمَّنْ يُّرْضٰى دِيْنُهٗ اَنَّهَا حَاضَتْ ثَلٰثًا فِيْ شَهْرٍ صُدِّقَتْ۔ (بخاری)

اور حضرت علی و قاضی شریح سے نقل کیا گیا ہے کہ اگر عورت اپنے خاص گھر میں رہنے والے پسندیدہ افراد کی گواہی پیش کرے کہ اس کو ایک مہینہ میں تین بار حیض آیا ہے اس کی بات مان لی جائے گی۔

فوائد و مسائل (۱) حضرت شریح بن حارث الکندی کو جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے کوفہ کا قاضی مقرر فرمایا تھا۔ آپ کی ایک سو بیس برس کی عمر ہوئی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے بھی انہیں اس منصب پر بحال رکھا (۲) مذکورہ بالا تعلیق کو دارمی نے موصولاً بیان کیا۔ کہ ایک عورت کو اس کے خاوند نے طلاق دے دی۔ پھر کچھ عرصہ بعد اس سے رجوع کرنا چاہا۔ تو عورت نے کہا۔ مجھے ایک ماہ میں تین بار حیض آیا ہے یعنی میری عدت گزر چکی ہے۔ اب تمہیں رجوع کا حق نہیں ہے۔ یہ مقدمہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش ہوا۔ تو آپ نے قاضی شریح کو حکم دیا کہ تم فیصلہ کرو۔ انہوں نے فیصلہ کیا۔ کہ اگر اس عورت کے خاص رشتہ داروں میں کوئی پرہیزگار دیانت دار یہ گواہی دے کہ اس کو ایک ماہ میں تین حیض آئے۔ اور وہ ہر حیض کے بعد پاک ہو کر نماز پڑھتی رہی۔ تب تو اس کا قول قابل قبول ہوگا یعنی عدت پوری ہو گئی۔ اور اب خاوند کو رجوع کا حق نہیں ہے۔ ورنہ نہیں۔ یہ فیصلہ سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا۔ قالون یعنی یہ فیصلہ درست ہے قالون رومی زبان کا ایک لفظ ہے جس کے معنی ٹھیک اور درست کے ہیں۔

(۳) یہ اثر عنوان کے مطابق ہے۔ کیونکہ عنوان یہ تھا کہ حیض کے متعلق عورت کی بات مان لی جائے گی جبکہ اس میں تین حیض آنے ممکن ہوں۔ چنانچہ ایک ماہ میں تین دفعہ حیض کا آجانا ممکن ہے۔

(۴) واضح ہو کہ عنوان بذا حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے موافق ہے۔ لیکن حضرت امام ابوحنیفہ و امام شافعی کے مذہب کے موافق نہیں ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے۔

(۵) کہ حضرت امام مالک علیہ الرحمۃ کے نزدیک حیض و طہر کی کم از کم مدت مقرر نہیں۔ اور اس میں عورتیں جو بیان کریں وہ معتبر ہے۔ لہٰذا امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک ایک ماہ میں تین حیض آسکتے ہیں۔ اور اگر عورت دعویٰ کرے تو وہ قبول کیا جا سکتا ہے۔

(۶) امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک حیض کی کم سے کم مدت ایک دن اور ایک رات ہے۔ اور طہر کی کم سے کم مدت پندرہ دن ہیں اور عدت بھی ان کے نزدیک اطہار سے شروع ہوتی ہے۔ تو ان کے نزدیک دو ماہ

دیر کے علاوہ دس حیض کے لئے ہونا ضروری ہیں۔ لہٰذا امام شافعی رحمہ کے نزدیک ۳۰ دن میں عدت پوری ہوگی۔
یہ فرض کیا جائے کہ شوہر نے آخر طہر میں طلاق دی ہے۔ تو اب دو طہر اور تین حیض کی ضرورت ہوگی۔ اس حساب سے
امام شافعی کے نزدیک ۳۲ دن میں عدت پوری ہو سکتی ہے
دوسرے امام اعظم علیہ الرحمۃ کے نزدیک حیض کی کم سے کم مدت تین دن اور تین راتیں ہیں۔ یعنی پورے ۷۲ گھنٹے
یہ منٹ بھی اگر کم ہے تو حیض نہیں۔ اور زیادہ سے زیادہ دس دن اور دس راتیں ہیں۔ اور طہر
کی کم سے کم مدت پندرہ دن ہے ——— اس حساب سے احناف کے نزدیک ۶۰ دن عدت کے لئے
چاہئے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ انتالیس ۳۹ دن میں عدت گزر جائے کیونکہ تین حیض کی اقل مدت نو دن
ہے۔ اور دو طہر کے تیس دن۔ یوں ۳۹ دن میں بھی عورت کو تین حیض آ سکتے ہیں۔ فافہم
پس اگر عورت ۳۹ دن یا ۶۰ دن میں عدت گزرنے کا دعویٰ کرے۔ تو قسم کے ساتھ اس کا قول
مان لیا جائے گا۔

وَقَالَ عَطَاءٌ أَقْرَاؤُهَا مَا كَانَتْ وَبِهِ قَالَ إِبْرَاهِيمُ (بخاری)

اور حضرت عطاء نے فرمایا کہ عدت سے پہلے جو اس کے حیض کے دن تھے وہی رہیں گے۔ ابراہیم نخعی کا بھی یہی قول ہے

یعنی طلاق دینے سے پہلے جتنے دن اسے حیض آنے کی عادت تھی۔ اتنے دن ہی اس کی عادت کے مطابق طلاق کے بعد بھی شمار کئے جائیں گے۔ تو اگر وہ عدت گزرنے کا اس مدت میں دعویٰ کرے۔ جو اس کی عادت کے خلاف ہو تو عدت کا قول نہیں مانا جائے گا۔ یہ حضرت عطاء و ابراہیم نخعی کا قول ہے
اس تعلیق کو امام عبدالرزاق نے عن ابن جریج عن عطاء موصول کیا۔

وَقَالَ عَطَاءٌ الْحَيْضُ يَوْمٌ إِلَى خَمْسَ عَشْرَةَ

اور عطاء نے فرمایا۔ حیض ایک دن سے لے کر پندرہ روز تک ہوتا ہے۔

یعنی حضرت عطاء کے نزدیک حیض کی کم سے کم مدت ایک دن اور زیادہ سے زیادہ پندرہ دن ہے امام شافعی علیہ الرحمۃ کا بھی یہی مسلک ہے۔ اس تعلیق کو امام دارمی نے سند صحیح کے ساتھ موصول کیا ہے۔

وَقَالَ مُعْتَمِرٌ عَنْ أَبِيهِ قَالَ سَأَلْتُ ابْنَ سِيرِينَ عَنِ الْمَرْأَةِ تَرَى الدَّمَ بَعْدَ قُرْئِهَا بِخَمْسَةِ أَيَّامٍ قَالَ النِّسَاءُ أَعْلَمُ بِذَلِكَ

اور معتمر نے اپنے باپ سلیمان سے ذکر کیا۔ انہوں نے کہا کہ میں نے محمد بن سیرین سے پوچھا۔ اگر عورت پاک ہونے کے پانچ روز بعد پھر خون دیکھے؟ انہوں نے کہا عورتیں ان باتوں کو خوب جانتی ہیں۔

یعنی عورت اپنی عادت سے خوب واقف ہے۔ تو اگر سابقہ عادت اس کی یہی ہے کہ پانچ روز کے بعد اس کو حیض آیا کرتا تھا۔ تو یہ حیض ہی گنا جائے گا۔ اور اس معاملہ میں عورت کی بات مانی جائے گی
اس کے بعد امام نے جو حدیث لکھی ہے اس کا ترجمہ یہ ہے کہ فاطمہ بنت ابی حبیش نے حضور علیہ السلام سے پوچھا۔ مجھ کو استحاضہ کی بیماری ہے کیا میں نماز چھوڑ دوں۔ فرمایا نہیں کیا کر۔

وَهِيَ لِلصَّلَاةِ قَدْرَ الْأَيَّامِ الَّتِي كُنْتِ تَحِيضِينَ فِيهَا ثُمَّ اغْتَسِلِي وَصَلِّي

کہ اس بیماری سے پہلے جتنے دن تجھے حیض آیا کرتا تھا اتنے دن نماز چھوڑ دے۔ پھر غسل کر اور نماز پڑھ۔

یہ حدیث باب الاستحاضہ اور باب غسل الدم میں گذر چکی ہے۔ اور وہاں اس کی پوری تفہیم و ترجمانی کی گئی ہے۔ مطلب حدیث یہ ہے کہ جسے استحاضہ کی بیماری ہو وہ عادت کے مطابق جتنے حیض کے دن ہیں اتنے دن نماز نہ پڑھے۔ پھر غسل کرے اور نماز پڑھتی رہے ——— عنوان سے حدیث ہذا کی مناسبت واضح ہے۔ یعنی حیض کے معاملہ میں عورت کی عادت کا اعتبار کیا جائے گا۔

بَابُ الصُّفْرَةِ وَالْكُدْرَةِ فِي غَيْرِ أَيَّامِ الْحَيْضِ.

باب حیض کے دنوں کے علاوہ اور دنوں میں خاکی اور زرد رطوبت کے آنے کے متعلق

عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ قَالَتْ كُنَّا لَا نَعُدُّ الْكُدْرَةَ وَالصُّفْرَةَ شَيْئًا

ام عطیہ رضی نے کہا۔ کہ ہم خاکی اور زرد رنگ کی رطوبت کو (حیض) نہیں گنتے تھے۔

خون حیض کے رنگ

واضح ہو کہ حیض کے چھ رنگ ہیں۔ سیاہ، سرخ، سبز، زرد گدلا اور مٹیالا۔ سفید رنگ کی رطوبت حیض نہیں۔ تو اگر دس دن کے اندر رطوبت میں ذرا بھی میلا پن ہے۔ تو وہ حیض ہے۔ اور دس دن رات کے بعد بھی میلا پن باقی ہے۔ تو عادت والی کے لئے جو دن عادت کے ہیں حیض اور عادت کے بعد والے استحاضہ اور اگر کچھ عادت نہیں۔ تو دس دن رات تک حیض ہے باقی استحاضہ (۲)، حضرت ام عطیہ کے مذکورہ بالا ارشاد کا مطلب یہ ہے۔ کہ اگر عورت کو اپنی عادت کے مطابق جتنے دن خون آتا ہے۔ ان دنوں میں اگر خون کا رنگ بدل جائے۔ خاکی یا زردی مائل ہو جائے۔ تو وہ حیض ہی سمجھا جائے گا۔ اور جب حسب عادت مستمرہ حیض کے دن پورے ہو جائیں اور وہ نہا لے۔ پھر خاکی یا زردی مائل رطوبت خارج ہو تو یہ حیض میں شمار نہ ہوگی۔ اس رطوبت کے نکلنے سے نماز نہ چھوڑے۔ تاہم

حضرت امام احمد و امام شافعی و امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہی مسلک ہے (فتح الباری و قسطلانی)

(۲) حدیث ہذا کو ابوداؤد، ابن ماجہ و نسائی نے کتاب الطہارت میں ذکر کیا ہے۔

بَابُ عِرْقِ الْاِسْتِحَاضَةِ

باب استحاضہ کی رگ کے بیان میں

استحاضہ کا خون ایک رگ سے آتا ہے۔ جس کو عربی میں عاذل کہتے ہیں۔

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ أُمَّ حَبِيبَةَ اسْتُحِيضَتْ سَبْعَ سِنِينَ فَسَأَلَتْ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذٰلِكَ فَأَمَرَهَا أَنْ تَغْتَسِلَ فَقَالَ هٰذَا عِرْقٌ فَكَانَتْ تَغْتَسِلُ لِكُلِّ صَلٰوةٍ (بخاری)

حضرت عائشہ رضی سے مروی ہے۔ کہ ام حبیبہ کو سات برس تک استحاضہ رہا۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے فرمایا۔ غسل کرلے۔ پھر فرمایا یہ رگ ہے (یعنی یہ رگ کا خون ہے حیض نہیں ہے)، تو ام حبیبہ رضی ہر نماز کے لئے غسل کیا کرتیں

فوائد و مسائل | اس حدیث کو امام مسلم، ترمذی، نسائی و ابوداؤد نے کتاب الطہارۃ میں ذکر کیا ہے

(۱) ام حبیبہ بنت جحش، حضرت زینب ام المومنین کی ہمشیرہ ہیں۔ اور عبد الرحمٰن بن عوف کی بیوی ہیں۔ واقدی نے کہا۔ ان کا نام حبیبہ اور کنیت ام حبیب ہے (عینی ملخصا) (۳) عہد نبوی میں غالباً پانچ عورتوں کو استحاضہ کی بیماری تھی جن کے نام یہ ہیں:۔

ام حبیبہ بنت جحش۔ فاطمہ بنت ابی حبیش۔ سہلہ بنت سہیل۔ سودہ بنت زمعہ (قسطلانی)

(۴) ام حبیبہ نے حضور علیہ السلام سے دریافت کیا کہ میرے لئے نماز کے متعلق کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا غسل کرو یعنی جب حسب عادت حیض کے دن پورے ہو جائیں۔ تو اس کے بعد غسل کرو۔ پھر ہر نماز کے لئے وضو کر کے نماز پڑھتی رہو۔

واضح ہو کہ مستحاضہ کے لئے یہ واجب نہیں ہے کہ وہ ہر نماز کے لئے غسل کرے۔ ہاں اگر وہ ہر نماز کے لئے غسل کرے۔ تو اس میں زیادہ پاکیزگی ہے۔ چنانچہ حضرت ام حبیبہ اپنی خوشی سے ہر نماز کے لئے غسل کیا کرتی تھیں۔ حضور علیہ السلام نے انہیں ہر نماز کے لئے غسل کا حکم نہیں دیا تھا۔ جیسا کہ ترمذی شریف میں اس کی تصریح ہے کہ حضور علیہ السلام نے انہیں ہر نماز کے لئے غسل کرنے کا حکم نہیں دیا تھا۔ بلکہ وہ اپنی خوشی سے ایسا کرتی تھیں ——— ہاں اگر ہر نماز کے لئے غسل کیا جائے جیسا ام حبیبہ کرتی تھیں تو حرج نہیں بلکہ مستحب ہے ——— اور حدیث ابوداؤد میں ہر نماز کے لئے غسل کی جو ہدایت ہے۔ وہ مذہب و استحباب پر محمول ہے وجوب پر نہیں چنانچہ جامع ترمذی میں ہے:۔

ان اغتسلت لکل صلوٰۃ فھو احوط لھا وان توضأت لکل صلوٰۃ اجزاھا	یعنی مستحاضہ اگر نماز کے لئے غسل کرے تو احوط ہے اور اگر صرف وضو کرلے تو کافی ہے
بَابُ الْمَرْأَةِ تَحِيضُ بَعْدَ الْإِفَاضَةِ	باب اگر عورت کو طواف زیارت کے بعد حیض آئے

طواف افاضہ (۱) حج کی دسویں تاریخ کو کرنا افضل ہے۔ یہ طواف فرض ہے اور حج کا دوسرا رکن ہے۔ اس کو طواف زیارت بھی کہتے ہیں۔ تو اگر طواف زیارت سے فارغ ہو کر عورت کو حیض آجائے۔ تو اس کو طواف وداع معاف ہے کیونکہ حائضہ کو طواف کرنا ممنوع ہے۔

حضرت عائشہ نے عرض کی یا رسول اللہ صفیہ بنت حیی کو حیض آگیا ہے۔ حضور نے فرمایا۔

(۱) لَعَلَّهَا تَحْبِسُنَا أَلَمْ تَكُنْ طَافَتْ مَعَكُنَّ فَقَالُوا بَلٰى قَالَ فَاخْرُجِي (بخاری)	شاید وہ ہمیں روک رکھے گی (یعنی مدینہ چلنے سے) کیا اس نے تمہارے ساتھ طواف افاضہ نہیں کیا؟ انہوں نے کہا ہاں طواف افاضہ تو کر چکی ہیں۔ فرمایا تو پھر چلیں (یعنی اب انہیں طواف وداع کے لئے رکنے کی ضرورت نہیں ہے)

ام المومنین حضرت صفیہ | اس حدیث کو مسلم نے حج میں اور نسائی نے حج و طہارت میں ذکر کیا ہے

(۲) حضرت ام المومنین صفیہ بنت حیی بن اخطب بنی اسرائیل سے ہیں

ان کے والد اخطب جناب موسیٰ علیہ السلام کے بھائی ہارون علیہ السلام کے نواسے تھے۔ حضرت صفیہ کنانہ بن ابی الحقیق کی بیوی تھیں۔ جو غزوۂ خیبر ماہ محرم ۷ھ میں قتل ہوا۔ اور حضرت صفیہ قید ہوگئیں۔ اور دحیہ کلبی کے حصہ میں آئیں۔ پھر حضور نے ان کو دحیہ سے سات یا نو غلاموں کے عوض خرید لیا۔ یہ اسلام لے آئیں حضور نے ان کو آزاد کرکے شرفِ زوجیت بخشا۔ اور ان کا مہر ان کا عتق قرار دیا۔ بزمانہ امیر معاویہ ۵۰ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔ حضرت انس و ابن عمر وغیرہ ان کے شاگرد ہیں۔ ان سے ۱۰ حدیثیں مروی ہیں۔ ان میں سے ایک بخاری میں ہے (عینی ج ۲ ص ۲۴۸)

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عَبَّاسٍ رض قَالَ رُخِّصَ لِلْحَائِضِ اَنْ تَنْفِرَ اِذَا حَاضَتْ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَقُوْلُ فِيْ اَوَّلِ اَمْرِهٖ اِنَّهَا لَا تَنْفِرُ ثُمَّ سَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ تَنْفِرُ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَخَّصَ لَهُنَّ۔

حضرت عبداللہ بن عباس نے فرمایا۔ عورت کو جب حیض آجائے۔ تو اس کو بغیر طواف وداع، مکہ سے واپس ہو جانے کی اجازت ہے۔ اور حضرت ابن عمر شروع میں یہ کہتے تھے۔ کہ وہ طواف وداع کئے بغیر، واپس نہ ہو۔ پھر طاؤس نے کہا میں نے ان سے سنا کہتے تھے کہ واپس ہو جائے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو اس کی اجازت دی ہے۔

فوائد و مسائل حدیث نمبر ۱ اور اثر عبداللہ بن عمر و عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ثابت ہوا کہ طواف افاضہ کے بعد اگر عورت کو حیض آجائے تو طواف وداع اسے معاف ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ حالت حیض میں طواف کعبہ جائز نہیں ———— حضرت عبداللہ بن عمر کو جب تک حدیث نبوی نہ پہنچی تھی۔ اس وقت تک وہ حائضہ کو طواف وداع سے پہلے مکہ سے جانے کی اجازت نہ دیتے تھے۔ لیکن جب انہیں حکم نبوی کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے رجوع کر لیا اور اپنی رائے کو حکم نبوی پر قربان کر دیا۔

بَابُ اِذَا رَاَتِ الْمُسْتَحَاضَةُ الطُّهْرَ

باب جب مستحاضہ حیض سے پاک ہو جائے

(۱) قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ تَغْتَسِلُ وَتُصَلِّيْ وَلَوْ سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ وَّيَاْتِيْهَا زَوْجُهَا اِذَا صَلَّتْ اَلصَّلٰوةُ اَعْظَمُ۔

حضرت ابن عباس رض نے فرمایا۔ وہ غسل کرکے نماز پڑھے۔ اگرچہ ایک ہی گھڑی دن باقی ہو۔ اور اس کا خاوند اس سے صحبت کر سکتا ہے جب وہ نماز پڑھتی ہے تو نماز بڑی چیز ہے۔

(۲) عَنْ عَائِشَةَ رض قَالَتْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَقْبَلَتِ الْحَيْضَةُ فَدَعِي الصَّلٰوةَ وَاِذَا اَدْبَرَتْ فَاغْسِلِيْ عَنْكِ الدَّمَ وَصَلِّيْ (بخاری)

حضرت عائشہ رض نے کہا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب حیض آنے لگے تو نماز چھوڑ دے اور جب حیض بند ہو جائے۔ تو اپنے (بدن) سے خون دھو ڈال بعد نماز پڑھ۔

فوائد و مسائل (۱) ———— اس تعلیق کو ابن ابی شیبہ اور دارمی نے وصل کیا حضرت ابن

سیرین نے سیدنا ابن عباس سے پوچھا تھا کہ مستحاضہ کا کیا حکم ہے۔ تو آپ نے فرمایا۔ جب تک حیض کا خون آئے نماز نہ پڑھے۔ جب پاکی معلوم کرے۔ اگرچہ ایک گھڑی کا دن ہو تو نہالے اور نماز پڑھے مطلب یہ کہ عورت کو خون حیض و استحاضہ میں فرق معلوم ہوتا ہے۔ وہ پہچان لیتی ہے کہ یہ استحاضہ کا خون ہے اور یہ حیض کا۔ تو جب حیض کا خون بند ہو جائے تو غسل کرے اور نماز پڑھے (۲) نیز مستحاضہ عورت سے خاوند کا صحبت کرنا جائز ہے یعنی جب غسل کر کے نماز پڑھنا درست ہے۔ تو خاوند کو جماع کرنا بطریق اولی درست ہوا جمہور فقہاء و عامۂ علماء کا یہی مسلک ہے (عینی ج ۲ ص ۱۷۸)

حدیث نمبر ۲ سے معلوم ہوا کہ مستحاضہ عورت پر نماز واجب ہے۔ اس سے امام بخاری علیہ الرحمۃ نے یہ استدلال کیا ہے۔ کہ جب مستحاضہ کو نماز پڑھنا واجب ہے۔ تو اس سے جماع کرنا بھی جائز ہونا چاہیئے۔ حدیث ہذا میں تاغسل عنک الدم کے معنی غسل کرنے کے ہیں۔ فافہم

بَابُ الصَّلٰوةِ عَلَى النُّفَسَاءِ وَسُنَّتِهَا

(۱) عَنْ سَمُرَةَ ابْنِ جُنْدُبٍ اَنَّ امْرَاَةً مَاتَتْ فِيْ بَطْنٍ فَصَلّٰى عَلَيْهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَامَ وَسْطَهَا

(۲) عَنْ مَيْمُوْنَةَ تَقُوْلُ اَنَّهَا كَانَتْ تَكُوْنُ حَائِضًا لَا تُصَلِّيْ وَهِيَ مُفْتَرِشَةٌ بِحِذَاءِ مَسْجِدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يُصَلِّيْ عَلٰى خُمْرَتِهٖ اِذَا سَجَدَ اَصَابَنِيْ بَعْضُ ثَوْبِهٖ

باب نفاس والی عورت کی نماز جنازہ پڑھنا

(۱) حضرت سمرہ بن جندب سے مروی ہے کہ ایک عورت بحالت زچگی میں مر گئیں۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نماز جنازہ پڑھی۔ آپ جنازہ کے وسط میں کھڑے ہوئے۔

(۲) عبداللہ بن شداد نے کہا کہ میں نے اپنی خالہ میمونہ سے سنا۔ کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ تھیں۔ جب وہ حیض سے ہوتیں تو نماز نہ پڑھتیں۔ اور حضور کی جائے نماز کے سامنے لیٹی رہتیں۔ اور حضور نماز پڑھتے ہوتے۔ جب آپ سجدہ کرتے تو آپ کا کچھ کپڑا مجھے لگ جاتا۔

فوائد و مسائل حضرت سمرہ بن جندب بن ہلال فزاری بڑے عالم اور حافظ تھے زیاد نے ان کو چھ ماہ بصرہ کا اور چھ ماہ کوفہ کا حاکم مقرر کیا تھا ۵۸ھ میں ان کا انتقال ہوا ان سے ۱۲۳ حدیثیں مروی ہیں۔ جن میں سے چار بخاری میں ہیں (۲) اس حدیث کو امام نے کتاب الجنائز میں بھی ذکر کیا ہے۔ اور مسلم ترمذی ابن ماجہ اور نسائی نے بھی کتاب الجنائز میں ذکر کیا ہے (۳) ماتت فی بطن کا مطلب یہ ہے کہ وہ عورت پیٹ کی بیماری میں مر گئی تھیں۔ کلام عرب میں فی کا استعمال ظرفیت کے لئے بھی ہوتا ہے۔ اور سببیت کے لئے بھی۔ یہاں سببیت کے لئے ہے جیسا کہ حدیث میں آیا عذبت امراۃ فی ھرۃ کہ ایک عورت کو بلی کے سبب عذاب ہوا۔ علامہ کرمانی نے فرمایا ماتت فی بطن زچگی میں مر گئیں (۱) کیونکہ امام بخاری نے عنوان نفاس کا باندھا ہے (۴) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جو عورت زچگی کی حالت میں مر جائے اس کا بھی جنازہ پڑھا جائے اور ان لوگوں کے خیال کی تردید ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ایسی موت سے

ہو جاتا ہے۔

حدیث نمبر ۱ کے مسائل یہ ہیں۔

(۱) مسجد رسول اللہ سے مسجد بیت مراد ہے یعنی گھر میں جو جگہ نماز پڑھنے کے لئے مقرر کر لیتے ہیں۔ اس کو مسجد بھی کہتے ہیں (۲) خمرہ، وہ چھوٹا مصلیٰ ہے جو کھجور کی شاخوں سے بنا ہو (۳) صورت یہ تھی کہ حضرت ام المومنین میمونہ حائضہ تھیں۔ اور حضور کے حجرہ مبارک میں لیٹی ہوئی تھیں۔ حضور نماز پڑھ رہے تھے۔ تو کبھی حضور کے کپڑے حضور سے چھو جاتے تھے۔ اس سے ثابت ہوا کہ حائضہ کا جسم ناپاک نہیں ہوتا (۴) نماز جنازہ میں امام کہاں کھڑا ہو اس میں متعدد قول ہیں۔ احناف کے نزدیک میت خواہ مرد ہو یا عورت، امام کو اس کے سینہ کے بالمقابل کھڑا ہونا چاہیے۔

امام بخاری نے عنوان باندھا ہے کہ جو عورت زچگی میں مرجائے۔ اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ عورت کے وسط میں کھڑا ہو ۔۔۔۔ علامہ عینی نے لکھا ہے۔ کہ امام بخاری کو یہ مسئلہ کتاب الجنائز میں لکھنا چاہیے تھا۔ کتاب الحیض میں اس کا ذکر غیر مناسب ہے ۔۔۔۔ بعض شارحین نے فرمایا کہ امام بخاری کا مقصود اس عنوان سے یہ بتانا ہے کہ مومن نجس نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے۔ کہ حالت حیض و نفاس میں مرنے والی عورت کا بھی حضور نے جنازہ پڑھا۔ چنانچہ حدیث میمونہ جو امام نے بغیر عنوان کے ذکر کی ہے۔ اس میں یہ ہے۔ کہ آپ حائضہ تھیں۔ اور آپ کا کپڑا حضور کے جسم مبارک سے مس کرتا تھا جس سے معلوم ہوا کہ حائضہ کا جسم ناپاک نہیں ہوتا۔

فائدہ کتاب الحیض اس حدیث پر ختم ہو گئی۔ کتاب الحیض میں کل ۴۰ حدیثیں ہیں۔ ان میں ۱۵ مکرر ہیں۔ موصول ۱ اور باقی معلق اور متابع ہیں۔ اور بلا تکرار کل ۲۵ حدیثیں ہیں ان میں معلق اور باقی موصول ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب التیمم

لغت میں تیمم کے معنی قصد کرنے کے ہیں۔ اور شرع میں تیمم پاک مٹی سے منہ اور ہاتھوں کے مسح کرنے کو کہتے ہیں۔ اس عنوان کے تحت امام نے پارہ ۶ سورہ مائدہ کی آیت لکھی ہے تیمم کے ذکر سے یہ بتانا مقصود ہے کہ تیمم کا مشروع ہونا قرآن سے ثابت ہے اور حدیث میں جس آیت کا ذکر ہے وہ یہی آیت ہے

وَقَوْلِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ فَلَمْ تَجِدُوْا مَاءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ

اور اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: پھر اگر تم پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی کا قصد کرو۔ تو اپنے منہ اور ہاتھوں کا اس سے مسح کرو۔

عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ بَعْضِ اَسْفَارِهٖ

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے۔ فرماتی ہیں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں گئے۔ یہاں تک کہ جب بیداء

حَتّٰی اِذَا کُنَّا بِالْبَیْدَآءِ اَوْ بِذَاتِ الْجَیْشِ انْقَطَعَ عِقْدٌ لِّیْ فَاَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلَی الْتِمَاسِہٖ وَاَقَامَ النَّاسُ مَعَہٗ وَلَیْسُوْا عَلٰی مَآءٍ فَاَتَی النَّاسُ اِلٰٓی اَبِیْ بَکْرِ الصِّدِّیْقِ فَقَالُوْٓا اَلَا تَرٰی مَا صَنَعَتْ عَآئِشَۃُ اَقَامَتْ بِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسِ وَلَیْسُوْا عَلٰی مَآءٍ وَّلَیْسَ مَعَھُمْ مَآءٌ فَجَآءَ اَبُوْبَکْرٍ وَّرَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاضِعٌ رَّاْسَہٗ عَلٰی فَخِذِیْ قَدْ نَامَ فَقَالَ حَبَسْتِ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسَ وَلَیْسُوْا عَلٰی مَآءٍ وَّلَیْسَ مَعَھُمْ مَّآءٌ فَقَالَتْ عَآئِشَۃُ فَعَاتَبَنِیْ اَبُوْبَکْرٍ وَّقَالَ مَا شَآءَ اللّٰہُ اَنْ یَّقُوْلَ وَجَعَلَ یَطْعُنُنِیْ بِیَدِہٖ فِیْ خَاصِرَتِیْ فَلَا یَمْنَعُنِیْ مِنَ التَّحَرُّکِ اِلَّا مَکَانُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلٰی فَخِذِیْ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حِیْنَ اَصْبَحَ عَلٰی غَیْرِ مَآءٍ فَاَنْزَلَ اللّٰہُ اٰیَۃَ التَّیَمُّمِ فَتَیَمَّمُوْا فَقَالَ اُسَیْدُ بْنُ الْحُضَیْرِ مَا ھِیَ بِاَوَّلِ بَرَکَتِکُمْ یَا اٰلَ اَبِیْ بَکْرٍ قَالَتْ فَبَعَثْنَا الْبَعِیْرَ الَّذِیْ کُنْتُ عَلَیْہِ فَاَصَبْنَا الْعِقْدَ تَحْتَہٗ ۔ (بخاری)

یا ذات الجیش میں پہنچے۔ تو میرا ہار گر گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تلاش میں ٹھہر گئے۔ اور لوگ بھی۔ وہاں پانی نہ تھا۔ لوگ حضرت ابوبکر صدیق کے پاس آئے اور کہنے لگے۔ تم نے دیکھا کہ صدیقہ نے کیا کیا؟ حضور کو اور سب کو ٹھہرا لیا اور نہ یہاں پانی ہے نہ لوگوں کے ساتھ پانی ہے۔ یہ سن کر ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے۔ اور حضور علیہ السلام میرے زانو پر سر رکھے ہوئے آرام فرما تھے اور کہا۔ تو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور لوگوں کو روک لیا۔ حالانکہ نہ یہاں پانی ہے اور نہ لوگوں کے ساتھ پانی ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھ پر عتاب کیا۔ اور جو چاہا اللہ نے وہ انہوں نے کہا۔ اور اپنے ہاتھ سے میری کوکھ میں کوچنا شروع کیا۔ اور مجھے حرکت کرنے سے کوئی چیز مانع نہ تھی مگر حضور کا میرے زانو پر آرام فرمانا۔ تو جب صبح ہوئی۔ اسی جگہ جہاں پانی نہ تھا۔ حضور اٹھے۔ اللہ تعالیٰ نے تیمم کی آیت نازل فرمائی۔ اور لوگوں نے تیمم کیا۔

اسید بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔ اے اہل ابوبکر! یہ کوئی تمہاری پہلی برکت نہیں ہے۔ ایسی برکتیں تم سے ہوتی ہی رہتی ہیں؛

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ پھر ہم نے سواری کا اونٹ اٹھایا۔ جس پر میں سوار تھی۔ تو اس کے نیچے سے ہار مل گیا

فوائد ومسائل (۱) اس حدیث کو امام نے کتاب النکاح وتفسیر محاربین میں ذکر کیا اور مسلم ونسائی نے طہارت میں (۲) بیداء اور ذات الجیش۔ یہ دونوں مکہ اور مدینہ کے درمیان ہیں۔ اَوْ کا کلمہ شک کے لئے ہے یعنی ان دونوں مقاموں میں ایک مقام پر یہ قیام ہوا۔ تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ہار گم ہو گیا۔ ہار کی وجہ سے وہاں ٹھہرنا پڑا اور وہاں پانی تھا نہیں۔ لوگوں نے

تلاش بھی کی۔ مگر نہ ملا تا آنکہ تیمم کا حکم آگیا۔ اور اس ہار کے گم ہونے اور وہاں پر حضور کے قیام فرما
کی وجہ سے تیمم کا مسئلہ معلوم ہوگیا (۲)۔ حضرت اسید بن حضیر نے کہا یہ تیمم کی رخصت اور آسانی جو ہمیں
ملی ہے۔ اس کا سبب حضرت ابو بکر کا گھرانہ ہے۔ اور یہ کوئی پہلی بات نہیں۔ اس کی برکتیں ان کے گھرانے
کے سبب ہمیں ملی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کا یہ عقیدہ تھا کہ نیک اور صالح اجسام اللہ کی
رحمتوں اور برکتوں کا سبب بنتے ہیں۔ اور ان کے وجود کی برکت سے مشکلیں آسانی ہوتی ہیں (۳)۔
سفر غزوہ بنی المصطلق کا تھا۔ جس کو غزوہ مریسیع بھی کہتے ہیں۔ جو سنہ ۵ھ میں ہوا تھا۔ قصۂ افک
اسی میں ہوا (۴)۔ یہ ہار جو گم ہوا کہتے ہیں کہ اس کی قیمت بارہ درہم تھی (۵)۔ یہ بھی معلوم ہوا
وضو، اس آیت کے اترنے سے پہلے واجب تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے مقام پر ٹھہرنا صحابہ کو ناگوار
جہاں پانی نہ تھا۔ اور حضرت ابو بکر نے اسی بنا پر جناب عائشہ پر عتاب فرمایا کہ اس جگہ قیام
سبب بنی تھیں (۶)۔ چنانچہ تمام اہل مغازی نے اتفاق کیا ہے کہ حضور علیہ السلام نے جب سے نماز فرض
بلا وضو نہ پڑھی ہے (۷)۔ آیت میں فتیمموا کے لفظ سے معلوم ہوا کہ تیمم میں نیت فرض ہے۔ تما
اور کا یہی قول ہے کیونکہ تیمموا کے معنی اقصدوا کے ہیں۔ البتہ امام زفر اور اوزاعی کے متعلق یہ کہا جاتا ہے
کہ وہ تیمم میں نیت ضروری نہیں سمجھتے (۸)۔ مال کا تلف کرنا منع ہے۔ اگرچہ وہ معمولی قیمت کا
ہار گم ہوا۔ تو حضور نے اس کو تلاش کرنے کی ہدایت کی (۹)۔ تیمم کے معاملہ میں تندرست اور بیمار
مسافر و مقیم، مرد، عورت اور جنبی سب برابر ہیں۔ یعنی جب کہ پانی پر قدرت نہ ہو۔ ان سب کو تیمم کرنا
ہے (۱۰)۔ عورتوں کے ساتھ بحالت امن سفر کرنا جائز ہے۔ اور شوہر کو اختیار ہے کہ جس بیوی کو
چاہے اپنے ساتھ لے جائے۔ البتہ جب متعدد بیویاں ہوں تو قرعہ کے ذریعہ انتخاب کرنا مستحب ہے (۱۱)۔ عو
کو زیب و زینت کے لئے زیور وغیرہ پہننا چاہیے۔

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
قَالَ أُعْطِيتُ خَمْسًا لَمْ يُعْطَهُنَّ أَحَدٌ
قَبْلِي نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيرَةَ شَهْرٍ
وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُورًا
فَأَيُّمَا رَجُلٍ مِنْ أُمَّتِي أَدْرَكَتْهُ الصَّلَاةُ
فَلْيُصَلِّ وَأُحِلَّتْ لِيَ الْمَغَانِمُ وَلَمْ
تَحِلَّ لِأَحَدٍ قَبْلِي وَأُعْطِيتُ الشَّفَاعَةَ
وَكَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ إِلَى قَوْمِهِ خَاصَّةً
وَبُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ عَامَّةً

بخاری

حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ نبی
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے پانچ چیزیں ا
ملی ہیں جو مجھ سے قبل کسی پیغمبر کو نہیں ملیں۔ ا
ایک مہینہ کی راہ سے دشمنوں پر) میرا رعب
گیا ہے۔ روئے زمین میرے لئے مسجد ا
طہور بنائی گئی۔ تو میری امت کے جس آدمی
جہاں نماز کا وقت آجائے وہ نماز پڑھ لے
تیسرے غنیمت کا مال میرے لئے حلال کر دیا
مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہ تھا۔ چوتھے مجھے
منصب شفاعت ملا ہے۔ پانچویں۔ ہر نبی خاص
کی طرف بھیجا جاتا تھا اور میں سب لوگوں

طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں

حضور علیہ السلام کے خصائص خمسہ (۱) اس حدیث کو امام نے کتاب الصلوٰۃ اور خمس میں بھی ذکر کیا اور مسلم نے صلوٰۃ میں۔ اور نسائی نے طہارت و صلوٰۃ میں ذکر فرمایا (۲) اس حدیث میں حضورؐ نے اپنے پانچ خصائص کا ذکر فرمایا۔ مگر مفہوم عدد سب کے نزدیک معتبر نہیں۔ اس لئے خصائص پانچ کے عدد میں منحصر نہیں۔ علامہ جلال الدین علیہ الرحمۃ نے خصائص کبریٰ کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جس میں ایک سو سے زائد خصائص گنائے ہیں۔

نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ یعنی چاروں طرف سے مہینہ کی مسافت پر حضور علیہ السلام کا رعب آپ کے دشمنوں کے دل میں ڈالا گیا۔ قرآن مجید میں فرمایا سالقی فی قلوب الذین کفروا الرعب۔ علامہ عینی نے لکھا کہ ایک ماہ کی قید میں نکتہ یہ تھا کہ حضورؐ کے جس قدر دشمن تھے۔ مدینہ سے وہ ایک ماہ کی مسافت سے زیادہ پر نہیں تھے۔

وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا مسجد سے مراد موضع سجود ہے۔ یعنی زمین پر پیشانی کا رکھنا۔ تو امت محمدیہ علی صاحبہا التحیۃ کی نماز کے لئے کسی خاص زمین کو مقرر نہیں کیا گیا علامہ قاضی عیاض نے فرمایا۔ کہ امم سابقہ اپنے کنائس و صوامع کے سوا کسی دوسری جگہ نماز نہیں پڑھ سکتے تھے۔ اور امت محمدیہ کے لئے یہ قید نہیں ہے وہ جہاں بھی ہوں۔ نماز پڑھ سکتے ہیں۔ اسی طرح جب پانی پر قدرت نہ ہو۔ تو وضو و غسل کے بدلے مٹی سے تیمم کرکے نماز پڑھ سکتے ہیں ——— اگر یہ کہا جائے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سیر و سیاحت فرماتے تھے۔ اور جہاں نماز کا وقت آتا۔ نماز پڑھ لیتے تھے۔ پھر یہ خصوصیت کیسے ہوگی۔ جواب یہ ہے۔ زمین کا مسجد و طہور ہونا یہ حضور علیہ السلام کے ساتھ خاص ہے۔ حضرت عیسیٰ کو یہ تو جائز تھا کہ جس جگہ کو پائیں۔ نماز پڑھ لیں۔ لیکن زمین ان کے لئے طہور نہ تھی۔ یعنی تیمم ان کو جائز نہ تھا۔

وَأُحِلَّتْ لِيَ الْمَغَانِمُ پہلی امتوں کے لئے مال غنیمت حلال نہ تھا۔ یا وہ جو مال غنیمت حاصل کرتے تھے۔ آسمان سے ایک آگ آتی تھی۔ اور اس کو جلا کر خاکستر کر دیتی تھی حضور علیہ السلام اور آپ کی امت کے لئے غنیمت کو حلال کیا گیا۔

فَأَيُّمَا رَجُلٍ أَدْرَكَتْهُ الصَّلٰوةُ فَلْيُصَلِّ سے سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ استدلال فرمایا ہے کہ تیمم میں اجزاء ارض سے جائز ہے۔ کیونکہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ آدمی کو ایسی جگہ نماز کا وقت آجاتا ہے جس زمین پر مٹی نہیں ہوتی۔ بلکہ ریت، کنکر، پتھر ہوتے ہیں۔

وَأُعْطِيتُ الشَّفَاعَةَ یعنی شفاعت عظمیٰ اور مقام محمود یہ بھی حضورؐ کی خصوصیت ہے۔ بعض علماء نے سب ہی شفاعت کی قسموں کو حضورؐ کے ساتھ خاص قرار دیا ہے۔

(۱) یہ کہ حضور شفاعت فرمائیں گے اور حساب نہ ہوگا (۲) جن کے دل میں ذرہ بھر ایمان موجود ہے۔ ان کو بھی جہنم سے نکال لیں گے (۳) مومن کے لئے جنت میں درجے کی بلندی کے لئے اور ۵ ضرورت میں

عرض کریں گے (۲) یا شفاعت کر کے لوگوں کو بغیر حساب کے جنت میں داخل کرائیں گے (۵) جن کے لئے دوزخ واجب ہو چکی ہے۔ ان کی شفاعت فرمائیں گے۔ یہ تمام شفاعتیں بھی حضور کے خصائص سے ہیں:

وَكَانَ النَّبِيُّ ہر نبی اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوتا تھا۔ مگر حضور علیہ السلام کی بعثت عام ہے قرآن نے اعلان کیا۔ ما ارسلناك الا كافة للناس بشيرا ونذيرا اور یہ بھی حضورؐ کے خصوصیات سے ہے ——— یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت عام تھی۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے ساری دنیا کے کافروں کے لئے بد دعا کی۔ اور ان کی یہ دعا سے ساری دنیا کے کافر ہلاک ہوئے۔ شارحین کرام نے اس اشکال کے متعدد جواب دیئے ہیں جس کے لئے عینی جو ۴ ص ۱۱ فتح الباری و قسطلانی کا مطالعہ مفید ہے گا ——— البتہ اس اشکال کا ایک اچھا جواب یہ بھی ہے۔ کہ اگر ہم مان لیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت عام تھی۔ تو اس عموم سے مراد صرف یہ ہے کہ وہ اپنے زمانہ کے تمام افراد کے لئے مبعوث ہوئے تھے اور حضور علیہ السلام کی بعثت کے عام ہونے کا مطلب یہ ہے کہ حضورؐ اپنے زمانہ کے افراد اشخاص کے لئے بھی مبعوث ہوئے اور آپ کے بعد قیامت تک جو پیدا ہوں گے۔ ان کے لئے بھی آپ کی بعثت ہے۔ اور اس شان کی بعثت صرف اور صرف حضور علیہ السلام کے خصائص سے ہے۔ فافہم

بَابٌ اِذَا لَمْ يَجِدْ مَاءً وَّلَا تُرَابًا
عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا اسْتَعَارَتْ مِنْ اَسْمَاءَ قِلَادَةً فَهَلَكَتْ فَبَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا فَوَجَدَهَا فَاَدْرَكَتْهُمُ الصَّلٰوةُ وَلَيْسَ مَعَهُمْ مَاءٌ فَصَلَّوْا فَشَكَوْا ذٰلِكَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ اٰيَةَ التَّيَمُّمِ فَقَالَ اُسَيْدُ بْنُ حُضَيْرٍ لِعَائِشَةَ جَزَاكِ اللّٰهُ خَيْرًا فَوَاللّٰهِ مَا نَزَلَ بِكِ اَمْرٌ تَكْرَهِيْنَهُ اِلَّا جَعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكِ لَكِ وَلِلْمُسْلِمِيْنَ فِيْهِ خَيْرًا۔ (بخاری)

باب جب نہ پانی ملے اور نہ مٹی تو کیا کرے؟
حضرت عائشہ رضی نے اپنی بہن اسماء سے ایک ہار عاریتاً لیا اور وہ کھو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو اس کی تلاش کرنے کے لئے بھیجا۔ ان کو مل گیا۔ اتنے میں نماز کا وقت ہو گیا اور صحابہ کے پاس پانی نہ تھا۔ انہوں نے بے وضو نماز پڑھ لی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کی۔ تو اللہ تعالیٰ نے تیمم کی آیت نازل فرمائی۔ حضرت اسید بن حضیر نے حضرت عائشہ رضی سے کہا اللہ تمہیں اچھا بدلہ دے بخدا جب تم پر کوئی ایسا معاملہ آپڑتا ہے جسے تم برا جانتی ہو۔ تو اللہ تعالیٰ اس میں تمہارے لئے اور مسلمانوں کے لئے بہتری کر دیتا ہے۔

فوائد و مسائل جس شخص کو نماز کے وقت نہ مٹی ملے اور نہ پانی اس کو فاقد الطہورین کہتے ہیں۔ اگرچہ اس حدیث میں یہ نہیں ہے کہ ان کے پاس مٹی بھی نہ تھی۔ مگر چونکہ اس وقت تک تیمم کا حکم نہیں آیا تھا اس لئے امام بخاری نے تیمم کے مشروع نہ ہونے کو مٹی کا نہ ملنا قرار دیا ——— الحدیث

سے ان کا طریق استدلال یہ ہے کہ اس موقع پر تیمم مشروع نہ تھا اور پانی بھی نہ تھا۔ اور نماز کا وقت ہوگیا۔ تو صحابہ کرام نے بے وضو ہی نماز پڑھ لی۔ اور حضور علیہ السلام نے انہیں منع نہیں کیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ جو شخص مٹی اور پانی نہ پائے وہ بلا وضو ہی نماز پڑھ لے۔ امام شافعی و امام احمد اور اکثر اصحاب مالک کا یہی قول ہے۔ لیکن اس میں اختلاف ہے۔ کہ اس نماز کا دوبارہ پڑھنا واجب ہے یا نہیں اس کے متعلق علماء کے متعدد قول ہیں۔

اول: جب پانی اور مٹی نہ ملے تو نماز پڑھ لینا مستحب ہے اور اس کا اعادہ واجب ہے۔

دوم: جب پانی اور مٹی نہ ملے تو نماز پڑھ لینا واجب ہے اور اس کا اعادہ بھی واجب ہے

امام شافعی علیہ الرحمۃ کا یہی مذہب ہے اکثر اصحاب شافعیہ نے اس کو اصح قرار دیا ہے

امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ پانی اور مٹی کا نہ ملنا شاذ و نادر ہے لہٰذا اعادہ ساقط نہ ہوگا۔

یہ تو صحیح ہے کہ نماز کی قضا ضروری ہے مگر حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ کا یہ فرمانا کہ مذکورہ بالا صورت میں بے وضو ہی نماز پڑھ لے اس میں نظر ہے۔ کیونکہ بے وضو نماز پڑھنا مشروع ہی نہیں ہے۔

سوم: مذکورہ بالا صورت میں نماز پڑھنا واجب ہے۔ مگر اعادہ واجب نہیں۔ کیونکہ حضور علیہ السلام نے صحابہ کو اعادہ کا حکم نہیں دیا۔ امام احمد مزنی اور ابو ثور کا یہی قول ہے ——— لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ حضور نے اعادہ کا حکم دیا ہو۔ کیونکہ اعادہ فی الفور ضروری نہیں ہے۔

چہارم: حضرت امام مالک علیہ الرحمۃ کی طرف یہ بات منسوب کی گئی ہے۔ کہ ان کے نزدیک مذکورہ بالا صورت میں نہ نماز پڑھنا واجب ہے اور نہ قضا واجب ہے۔ لیکن علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے تصریح کی ہے۔ کہ جنہوں نے حضرت امام مالک کی طرف مذکورہ بالا قول کی جو نسبت کی ہے۔ ابو عمر نے فرمایا یہ کیسے صحیح ہو سکتی ہے جب کہ یہ بات جمہور سلف و خلف اور جماعۃ المالکیہ کے بھی خلاف ہے (عینی ج ۲ ص ۱۴)

پنجم: سیدنا امام ابو حنیفہ و ثوری و اوزاعی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ایسی جگہ ہے کہ نہ پانی ملتا ہے اور نہ پاک مٹی کہ تیمم کرے۔ تو اسے چاہئے۔ کہ وقت نماز میں نماز کی سی صورت بنائے یعنی تمام حرکات نماز بلا نیت و بلا قراءت بجالائے۔ کیونکہ جس کا حج فاسد ہو جائے وہ حاجیوں کی طرح افعال بجا لاتا ہے۔ اور جو رمضان میں مسلمان ہوا یا نابالغ تھا بالغ ہوگیا تو اس کو جو کچھ دن باقی رہ گیا ہے۔ روزہ داروں کی طرح گذارنا واجب ہے۔ لہٰذا فاقد الطہورین کا بھی یہی حکم ہونا چاہئے کہ وقت کی حرمت کی بنا پر وہ نمازیوں کی سی صورت بنائے اور نماز کی قضا کرے۔

بَابُ التَّيَمُّمِ فِي الْحَضَرِ اِذَا لَمْ يَجِدِ الْمَاءَ وَخَافَ فَوْتَ الصَّلٰوةِ وَبِهٖ قَالَ عَطَاءٌ (بخاری)

باب اگر حضر میں پانی نہ ملے اور نماز قضا ہونے کا ڈر ہو۔ تو تیمم کرے۔ حضرت عطا کا بھی یہی قول ہے

اثر عطاء بن ابی رباح کو ابن ابی شیبہ نے اپنے مصنف میں موصولاً ذکر کیا ہے

فوائد و مسائل مقصود عنوان یہ بتانا ہے۔ کہ تیمم صرف سفر کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ حضر میں بھی کرسکتے ہے

عنوان میں دو قیدیں ہیں۔ وقت اتنا تنگ ہے کہ نماز قضا ہونے کا یقین ہے (دوم) فقدان ماء
میں عدم قدرت علی الماء بھی داخل ہے۔ اگرچہ وجود ماء ہو۔ غالباً [illegible] صورت مسئلہ یہ ہے
کہ اگر وقت اتنا تنگ ہے کہ وضو یا غسل کرے گا تو نماز قضا ہو جائے گی۔ تو چاہئے کہ تیمم کر کے نماز پڑھ
لے لیکن امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کے نزدیک اس نماز کا دوبارہ پڑھنا واجب ہے۔
فقدان: یہ کہ پانی بالکل موجود نہیں ہے۔ یا پانی تو موجود ہے۔ مگر اس پر قدرت نہیں ہے۔ قدرت
نہ ہونے کی متعدد صورتیں ہیں۔

(۱) یہ کہ ایسا بیمار ہے کہ وضو یا غسل کرنے سے اس کے زیادہ ہونے یا دیر میں اچھا ہونے کا
اندیشہ ہے خواہ یوں کہ اس نے خود آزمایا ہو کہ جب وضو یا غسل کرتا ہے تو علت بڑھتی ہے یا کسی
طبیب نے جو بظاہر فاسق نہ ہو کہہ دیا ہو کہ پانی نقصان کرے گا۔
(۲) یہ کہ خود وضو کرنے کی طاقت نہیں اور کوئی ایسا بھی نہیں کہ وضو کرا دے۔
(۳) یہ کہ ہاتھ پاؤں پھٹ گئے ہیں کہ خود وضو نہیں کر سکتا اور دوسرا کوئی وضو کرانے والا بھی نہیں ہے۔
(۴) یہ کہ کنویں سے پانی نکالنے کے لئے اس کے پاس چیز نہیں ہے۔ یا دشمن یا درندہ کی وجہ سے
کنویں تک نہیں پہنچ سکتا۔
(۵) وہاں چاروں طرف ایک ایک میل تک پانی کا پتہ نہیں ہے یا گمان غالب یہی
کہ ایک میل کے اندر پانی نہیں ہے۔
(۶) اتنی سردی ہے کہ نہانے سے مر جانے یا بیمار ہونے کا قوی اندیشہ ہو اور لحاف وغیرہ کوئی ایسی چیز
اس کے پاس نہیں کہ اس کو اوڑھے اور سردی کے ضرر سے بچے نہ آگ ہے کہ جسے تاپ سکے۔
(۷) دشمن کا خوف کہ اگر اس نے دیکھ لیا تو قتل کر دے گا یا مال چھین لے گا۔ یا قید کر دے گا
اس طرف سانپ ہے یا شیر ہے جو ڈس لے گا۔ پھاڑ کھائے گا یا کوئی بدکار شخص ہے۔ اور یہ عورت
جس کو اپنی بے آبروئی کا گمان صحیح ہے۔
(۸) پیاس کا خوف یعنی اس کے پاس پانی ہے۔ مگر وضو غسل میں استعمال کرے تو خود یا دوسرا مسلمان
اپنا یا اس کا جانور اگرچہ وہ کتا ہو جس کا پالنا جائز ہے پیاسا رہ جائے گا
(۹) پانی گراں ہونا یعنی وہاں کے حساب سے جو قیمت ہونی چاہئے اس سے دو چند قیمت میں مل رہا ہے۔
(۱۰) یہ گمان ہو کہ پانی تلاش کرنے میں قافلہ نظروں سے غائب ہو جائے گا۔ یا ریل یا بحری
ہوائی جہاز چھوٹ جائے گا۔

ان سب صورتوں میں تیمم کرنا جائز ہے اور جو نماز اس تیمم سے پڑھ لی ہے اگرچہ اس نماز کے
بعد ہی پانی پر قدرت ہو جائے اس کا دوبارہ پڑھنا واجب نہیں ہے۔

وَقَالَ الْحَسَنُ فِي الْمَرِيضِ عِنْدَهُ الْمَاءُ وَلَا يَجِدُ مَنْ يُنَاوِلُهُ يَتَيَمَّمُ (۲۸۳)

حضرت حسن بصری نے فرمایا جو مریض ہو اور پانی اس کے پاس ہو لیکن دینے والا کوئی نہ ہو تو تیمم کرے

حضرت حسن بصری کے قول کو قتیبی اسمٰعیل نے حاکم مروزی کے ذریعہ وصل کیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ جو مریض اٹھنے بیٹھنے سے معذور ہو خود وضو نہ کر سکے اور کوئی خدمت گار بھی اس کو وضو کرانے والا نہیں تو اس کو تیمم کر کے نماز پڑھ لینی چاہئیے۔

اَقْبَلَ ابْنُ عُمَرَ مِنْ اَرْضِهٖ بِالْجُرُفِ فَحَضَرَتِ الْعَصْرُ بِمِرْبَدِ النَّعَمِ فَصَلّٰى ثُمَّ دَخَلَ الْمَدِيْنَةَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ فَلَمْ يُعِدْ (بخاری)

عبداللہ بن عمر اپنی زمین سے جو جرف میں تھی آ رہے تھے کہ مربد نعم میں عصر کی نماز کا وقت آ گیا انہوں نے تیمم کر کے نماز پڑھ لی۔ پھر مدینہ میں پہنچے۔ تو سورج اچھی طرح نکلا ہوا تھا لیکن نماز نہیں لوٹائی۔

فوائد و مسائل اس تعلیق کو امام مالک نے مؤطا میں اور امام شافعی نے اپنی مسند میں بیان کیا ہے۔ جرف مدینہ کے باہر تین میل پر ایک موضع ہے۔ مجاہدین اسلام جب کسی مہم پر روانہ ہوتے تو اس مقام پر جمع ہوتے تھے۔ اور مربد النعم مدینہ سے ایک میل کے فاصلے پر ہے۔

اس اثر سے یہ ثابت ہوا۔ کہ سفر ہو یا حضر اگر پانی میل بھر دور ہو۔ ایسی صورت میں تیمم کر کے نماز پڑھ سکتے ہیں۔ احناف کا بھی یہی مسلک ہے۔ درمختار و فتح القدیر میں ہے۔ لبعده ولو مقیما فی المصر میلا یعنی جس طرف جا رہا ہے۔ اسی طرف میل بھر پانی ہے۔ اور وہاں تک پہنچنے میں وقت کراہت نہ آ جائے گا۔ تو مستحب یہ ہے کہ وہاں تک جا کر پانی سے وضو کر کے نماز پڑھے۔ لیکن اگر کسی نے اسی مذکورہ بالا صورت میں جستجو کے بغیر تیمم کر کے نماز پڑھ لی تو ہو گئی۔

قَالَ اَبُو الْجُهَيْمِ اَقْبَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ نَّحْوِ بِئْرِ جَمَلٍ فَلَقِيَهٗ رَجُلٌ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى اَقْبَلَ عَلَى الْجِدَارِ فَمَسَحَ بِوَجْهِهٖ وَيَدَيْهِ ثُمَّ رَدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ (بخاری)

حضرت جہیم نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیر جمل کی طرف سے تشریف لا رہے تھے۔ کہ راستے میں ایک آدمی ملا۔ اس نے سلام کیا۔ لیکن حضور علیہ السلام نے جواب نہ دیا۔ یہاں تک کہ آپ دیوار کے پاس آئے اور اس سے اپنے چہرہ اور ہاتھوں کا مسح کیا۔ پھر سلام کا جواب دیا۔

فوائد و مسائل اس حدیث کو مسلم، ابو داؤد و نسائی نے کتاب الطہارت میں ذکر کیا ہے۔ عنوان سے اس حدیث کی مناسبت یہ ہے۔ کہ جب حضور علیہ السلام نے سلام کا جواب دینے کے لئے حضر میں تیمم فرمایا۔ حالانکہ بغیر وضو کے بھی سلام کا جواب دینا جائز تھا۔ تو جس شخص کو حضر میں پانی پر قدرت نہ ہو۔ اس کو بدرجہ اولیٰ تیمم کرنا جائز ہوگا۔ کیونکہ نماز بلا وضو جائز ہی نہیں ہے ——— اس حدیث سے واضح ہوا۔ کہ سلام کا جواب دینے یا درود شریف وغیرہ اور دوسرے وظائف پڑھنے یا سونے یا بے وضو ہو کر مسجد میں جانے یا بلا قرآن مجید چھونے کے لئے تیمم جائز ہے۔ اگرچہ پانی پر قدرت ہو۔

واضح ہو۔ کہ بلا وضو سلام کا جواب دینا جائز ہے۔ لیکن حضور علیہ السلام نے بے وضو سلام کا جواب نہ دیا۔ یہ آپ کا فضل تھا تعلیم نہ تھا۔ کیونکہ خیال تھا کہ اس قسم کے امور کا بھی احساس ہوتا ہے اور حضور علیہ السلام نزاہت و نظافت کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہیں۔ آپ کو کیوں نہ ہو۔ (فافہم)

بَابُ الْمُتَيَمِّمِ هَلْ يَنْفُخُ فِيهِمَا (بخاری) | باب کیا تیمم کرنے والا ہاتھوں کو پھونک مارے؟

اس عنوان کے تحت امام نے ایک حدیث لکھی ہے جس کے ابتدائی جملوں کا ترجمہ یہ ہے:-

(۱) حضرت عبدالرحمن کا بیان ہے کہ ایک شخص حضرت فاروق اعظم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور کہا اگر میں جنبی ہو جاؤں اور پانی نہ ملے تو کیا کروں۔ اس پر حضرت عمار بن یاسر نے حضرت عمرؓ سے کہا۔ کہ ہم اور تم دونوں ایک سفر میں تھے۔ اور ہم دونوں جنبی ہو گئے۔ آپ نے نماز اس وقت نہیں پڑھی اور میں مٹی میں لوٹ پوٹ ہوا اور نماز پڑھ لی پھر میں نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق ذکر کیا۔ تو آپ نے فرمایا:-

إِنَّمَا كَانَ يَكْفِيكَ هٰكَذَا فَضَرَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِكَفَّيْهِ الْأَرْضَ وَنَفَخَ فِيهِمَا ثُمَّ مَسَحَ بِهِمَا وَجْهَهُ وَكَفَّيْهِ۔ (بخاری)

تمہیں بس اس طرح کرنا کافی تھا۔ پھر آپ نے دونوں ہتھیلیاں زمین پر ماریں۔ اور ان کو پھونک کر منہ اور دونوں ہتھیلیوں پر مسح کیا۔

(۱) اس حدیث کو امام نے کتاب الطہارۃ میں بھی ذکر کیا ہے۔ نیز ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، مسلم و ابوداؤد نے کتاب الطہارت میں ذکر کیا ہے (۲) حدیث ہذا مسائل ذیل پر مشتمل ہے:-

اول: حضرت عمر اور عمار بن یاسر یہ دونوں حضرات سفر میں تھے۔ انہیں نہانے کی حاجت ہو گئی پانی تھا نہیں۔ تو حضرت عمار بن یاسر نے تو زمین پر لوٹ پوٹ ہو کر نماز ادا کر لی۔ حضرت عمار بن یاسر کو تیمم کرنا چاہئے تھا۔ مگر انہیں یہ معلوم نہ تھا کہ جنبی کیسے تیمم کرے۔ انہوں نے یہ سمجھا کہ چونکہ جنبی پر غسل واجب ہوتا ہے۔ اور غسل میں سارے بدن پر پانی بہایا جاتا ہے۔ اور تیمم غسل کے عوض ہے۔ لہذا جنبی کا تیمم یہ ہو گا۔ کہ سارے بدن پر مٹی ملے۔ اس لئے انہوں نے زمین پر لوٹ لگائی اور نماز پڑھی۔ حضور علیہ السلام سے جب انہوں نے اس کا تذکرہ کیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ صرف تیمم کر لینا کافی تھا۔ یعنی دونوں ہاتھوں کو زمین پر مار کر سارے منہ اور دونوں ہاتھوں پر پھیر لینا چاہئے تھا۔ مطلب یہ کہ جنبی کے لئے تیمم کا طریقہ بھی وہی ہے۔ جو بے وضو کے لئے ہے ——— معلوم ہوا کہ جس کو نہانے کی حاجت ہو اور پانی پر قدرت نہ ہو تو تیمم کرکے نماز ادا کرے اور بے وضو اور جنبی دونوں کے لئے تیمم کا طریقہ اور کیفیت ایک ہی ہے۔

دوم: حضرت عمرؓ نے تیمم نہیں کیا۔ اس کی وجہ یا تو یہ تھی۔ کہ آپ کو یہ امید تھی کہ ابھی نماز کا بہت وقت ہے اور وقت کے اندر ہی پانی مل جائے گا۔ یا یہ کہ آپ کا اجتہاد یہ تھا کہ جنبی کو تیمم جائز نہیں۔

سوم: حضور علیہ السلام نے مٹی پر ہاتھ مار کر پھونکا۔ اس کی وجہ یا تو یہ تھی کہ مٹی کے ساتھ کوئی اور چیز آپ کے ہاتھوں کو لگ گئی تھی۔ یا یہ کہ زیادہ مٹی ہاتھوں کو لگ گئی تھی۔ اس لئے آپ نے پھونک کر اس کو جھاڑ دیا۔

چہارم: حضرت ابوحنیفہ امام اعظم علیہ الرحمۃ نے حضور علیہ السلام کے پھونک مارنے سے دو باتوں کا استدلال کیا ہے۔ یہ کہ جب مٹی پر تیمم کے لئے ہاتھ مارا جائے۔ تو مٹی کا ہاتھوں کو لگ جانا لازم نہیں ہے۔ یہ کہ ایسا پتھر جس پر غبار نہ ہو اس سے بھی تیمم جائز ہے۔ کیونکہ اگر غبار کا ہونا شرط تیمم ہوتا تو حضور علیہ السلام پھونک نہ مارتے۔

پنجم: جب مٹی پر تیمم کے لئے ہاتھ مارا جائے اور زیادہ گرد لگ جائے۔ تو اس کو پھونک مار کر جھاڑنا سنت ہے یا مستحب۔

ششم: یہ کہ تیمم میں منہ اور ہاتھوں کا ایک بار مسح کرنا کافی ہے۔ تکرار مستحب نہیں ہے۔

بَابُ التَّيَمُّمِ لِلْوَجْهِ وَالْكَفَّيْنِ | باب۔ تیمم منہ اور دونوں ہتھیلیوں پر مسح کرنا ہے۔

اس عنوان کے ماتحت امام بخاری نے مختلف الفاظ اور طرق کے ساتھ حدیث عمار ہی ذکر کی (۲) مقصد عنوان یہ بتانا ہے۔ کہ تیمم میں منہ اور ہاتھوں کے مسح کے لئے ایک بار ہاتھوں کو زمین پر مارنا کافی ہے امام بخاری کا یہی مسلک ہے۔

(۱) قَالَ عَمَّارٌ بِهٰذَا وَضَرَبَ شُعْبَةُ بِيَدَيْهِ الْأَرْضَ ثُمَّ أَدْنَاهُمَا مِنْ فِيهِ ثُمَّ مَسَحَ بِهِمَا وَجْهَهُ وَكَفَّيْهِ

حضرت عمار نے یہی روایت بیان کی اور شعبہ نے اس کو یوں بتلایا کہ اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارے پھر ان کو منہ کے نزدیک لے گئے (یعنی پھونکا) پھر اپنے منہ اور ہاتھوں پر مسح کیا۔

(۲) قَالَ عَمَّارٌ الصَّعِيدُ الطَّيِّبُ وَضُوءُ الْمُسْلِمِ يَكْفِيهِ مِنَ الْمَاءِ

حضرت عمار نے فرمایا۔ پاک مٹی مسلمان کا وضو ہے پانی سے اس کو کفایت کرتا ہے۔

(۳) قَالَ لَهُ عَمَّارٌ كُنَّا فِي سَرِيَّةٍ فَأَجْنَبْنَا وَقَالَ تَفَلَ فِيهِمَا

عمار نے کہا ہم ایک لشکر میں تھے اور جنبی ہوگئے اس میں بجائے نفخ کے تفل ہے۔

(۴) قَالَ عَمَّارٌ لِعُمَرَ تَمَعَّكْتُ فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَكْفِيكَ الْوَجْهُ وَالْكَفَّيْنِ

حضرت عمار نے حضرت عمر سے کہا میں مٹی میں لوٹا پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا تجھے منہ اور ہتھیلیوں پر مسح کرنا کافی تھا۔

(۵) قَالَ عَمَّارٌ فَضَرَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهِ الْأَرْضَ فَمَسَحَ وَجْهَهُ وَكَفَّيْهِ (بخاری)

حضرت عمار نے کہا حضور علیہ السلام نے اپنا ہاتھ زمین پر مارا۔ چہرہ اور ہاتھوں پر مسح کیا۔

فوائد و مسائل | امام بخاری علیہ الرحمۃ نے حدیث عمار مختلف سندوں اور الفاظ کے ساتھ لکھی ہے۔ ہم نے تمام الفاظ تو لکھ دیئے ہیں۔ مگر سند بوجہ اختصار حذف کر دی ہے۔ حدیث عمار ... لفظوں کے ساتھ مع تفہیم و ترجمانی کے اوپر گزر چکی ہے۔ حدیث نمبر ۳ میں نفخ کی جگہ تفل کا لفظ ہے اس کے معنے بھی پھونکنے ہی کے ہیں۔ البتہ تفل اس پھونک کو کہتے ہیں۔ جس میں پھونک کے ساتھ تھوک کے ذرات بھی منہ سے نکل آئیں ——— جوہری نے کہا بزاق، تفل سے زیادہ ہوتا ہے اور تفل نفث سے اور نفث نفخ سے زیادہ ہوتا ہے۔

تیمم کی صفت و کیفیت میں علماء کے مسالک اور ان کے دلائل کا بیان | واضح ہو کہ تیمم کی صفت اور کیفیت میں علماء کا اختلاف ہے ایک اختلاف یہ ہے کہ ہاتھ اور منہ کے لئے ایک ہی ضرب

کافی ہے۔ یا دونوں کے لئے علیحدہ علیحدہ ضربیں چاہئیں۔ دوسرا یہ کہ ہاتھوں کا مسح کہنیوں سمیت کیا جائے یا صرف پہنچوں تک۔

(۱) حضرت عطاء، مکحول، اوزاعی، اسحاق، شعبی، امام احمد بن حنبل اور امام بخاری کا مسلک یہ ہے کہ مٹی پر ایک دفعہ ہاتھ مار کر تیمم کر لیا جائے یعنی ہاتھوں اور منہ کے لئے علیحدہ علیحدہ ضرب کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ حضرات صحاح کی مذکورہ بالا حدیثوں سے استدلال فرماتے ہیں جن میں یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے زمین پر ایک ضرب لگائی اور اسی ایک ضرب سے منہ اور ہاتھوں کا مسح کیا۔ (۲) اور حضرت امام ابو حنیفہ، امام مالک و امام شافعی و دیگر فقہائے کرام کا مسلک یہ ہے کہ چہرہ پر مسح کے لئے زمین پر علیحدہ ضرب لگائی جائے۔ اور ہاتھوں کے مسح کے لئے علیحدہ جیسا کہ متعدد حدیثوں میں اس کی تصریح ہے کہ حضور علیہ السلام نے چہرہ اور ہاتھوں کے مسح کے لئے علیحدہ علیحدہ ضرب لگائیں۔ اور وہ حدیثیں جن میں ایک ضرب کا ذکر ہے۔ تو ان کا مقصود صرف صورت ضرب بتانا ہے۔ چنانچہ متعدد حدیثیں اس امر کی تائید و توضیح کرتی ہیں۔ کہ تیمم کے لئے دو ضربوں کا ہونا ضروری ہے۔ تو روایت بزار عن عمار کے لفظ یہ ہیں :۔

امرنا فضربنا واحدة للوجه ثم ضربة اخرى لليدين الى المرفقين
وحسنه الحافظ فى الدراية وهو تلخيص نصب الراية للعلامة الزيلعى)

حضور علیہ السلام نے ہمیں حکم دیا۔ تو ہم نے ایک ضرب زمین پر ماری چہرہ کے لئے پھر دوسری ضرب زمین پر ماری ہاتھوں کے لئے کہنیوں سمیت۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے :۔

ان التيمم ضربة للوجه وضربة للذراعين الى المرفقين ——— حاکم و ذہبی نے فرمایا کہ اسنادہ صحیح (حیثیہ ج ۲ ص ۱۸۰)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مرفوعاً روایت ہے :۔

ان التيمم ضربة للوجه وضربة لليدين الى المرفقين (دارقطنی، حاکم و بیہقی نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۹۳) ——— یہ اور اس مضمون کی متعدد حدیثوں سے واضح ہوتا ہے۔ کہ تیمم کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے دونوں ہاتھ زمین پر مارے جائیں۔ اور ان سے چہرہ کا مسح کیا جائے۔ پھر دوسری بار ہاتھ زمین پر مار کر ہاتھوں کا کہنیوں سمیت مسح کیا جائے۔

دوسرا اختلاف حضرت عطاء و مکحول اوزاعی، امام احمد و اسحاق و ابن المنذر کہتے ہیں کہ تیمم میں صرف ہاتھوں کا مسح کیا جائے کہنیوں سمیت مسح کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ حضرات بخاری کی مذکورہ بالا حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں۔ جن میں یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ یکفیک الوجه والكفين (۲) اور حضرت علی بن ابی طالب و عبد اللہ بن عمر، حسن بصری، شعبی، سالم بن عبد اللہ بن عمر و سفیان ثوری، امام مالک و ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مسلک یہ ہے۔ کہ تیمم میں ہاتھوں کا کہنیوں سمیت مسح کیا جائے (نووی، نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۹۲) جیسا کہ حدیث جابر سے ثابت ہے

تشریح بخاری کی حدیث یکفیک الوجہ والکفین سے استدلال کیا گیا ہے۔ کہ تیمم میں و باتھوں کا مسح پہنچوں تک کیا جائے۔ کہنیوں سمیت مسح کرنا ضروری نہیں ہے

ہم یہ ظاہر ہے کہ حضور علیہ السلام نے اختصار کو اختیار فرمایا ہے۔ کیونکہ حضرت عمار نے تیمم کرنے میں مبالغہ کیا تھا۔ اس لئے حضور نے بھی انہیں تیمم کا طریقہ بتانے میں ان کے مبالغہ کا بالخصوص رد فرمایا۔ یہ ایسے ہی ہے کہ جب حضرت جبیر ابن مطعم نے غسل میں مبالغہ کیا۔ تو حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ اما انا فافیض سی حامی ثلاثا۔ حالانکہ وہاں شمار پر اختصار مقصود نہ تھا۔ بلکہ ان کے مبالغۃ فی الغسل کا رد مقصود تھا۔ اس کے علاوہ اصل روایت میں تعلیم بالاشارہ ہے۔ اور تعلیم بالقول روایت بالمعنی ہے۔ یعنی انما یکفیک ھکذا بضربہ النبی مس اللہ علیہ وسلم بکفیہ الارض اس میں تعلیم قولی مع فعلہ صلی اللہ علیہ وسلم بالکفین ہے۔ تو جب ذکر کفین حضور کے فہ میں جاری ہوا جو حضور کے قول کا بیان ہے۔ تو بعض رواۃ نے اس فعل کو قول قرار دے کر رفع کر دیا۔ فافہم

لہٰذا یکفیک الوجہ والکفین کا ذکر روایت بالمعنی سمجھنا ہوتا ہے۔ فافہم

بَابٌ اَلصَّعِیْدُ الطَّیِّبُ وَضُوْءُ الْمُسْلِمِ یَکْفِیْہِ عَنِ الْمَآءِ (بخاری)	باب پاک مٹی مسلمان کا وضو ہے وہ اس کو پانی سے کفایت کرتا ہے۔

فوائد و مسائل (۱) اس مسئلہ میں امام بخاری نے مذہب شافعی کو ترک کر کے مذہب حنفی اختیار کیا ہے۔ کیونکہ امام شافعی کے نزدیک ہر نماز کے لئے نیا تیمم کرنا ضروری ہے۔ نیز احناف کے نزدیک تیمم طہارت مطلقہ ہے۔ اور شوافع کے نزدیک ضروریہ۔ اور امام بخاری علیہ الرحمۃ نے وضوء المسلم سے عنوان قائم کر کے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ تیمم طہارت مطلقہ ہے۔ فافہم

عنوان بالا در اصل ایک حدیث ہے جس کو جناب حضرت ابوہریرہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ مسند احمد و ابی سنن نے اس حدیث کے ساتھ اتنے لفظ اور زیادہ روایت کئے ہیں۔ اگرچہ دس برس تک پانی نہ پائے۔ امام ترمذی و حاکم و ابن حبان و دار قطنی و نسائی نے کہا حدیث حسن صحیح ہے حدیث کے پورے لفظ یہ ہیں۔

اَلصَّعِیْدُ الطَّیِّبُ وَضُوْءُ الْمُسْلِمِ یَکْفِیْہِ عَنِ الْمَآءِ وَلَوْ اِلٰی عَشْرِ سِنِیْنَ (حاکم)	پاک مٹی مسلمان کا وضو ہے پانی سے کفایت کرتا ہے اگرچہ دس برس تک پانی نہ ملے

حدیث ہذا میں دس برس کی قید بیان کثرت کے لئے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تیمم کی مشروعیت اس وقت تک ہے۔ جب تک کہ پانی پر قدرت نہ ہو۔ خواہ عدم قدرت کی مدت دس برس ہی کیوں نہ ہو۔ بلکہ اس سے زیادہ ہی کیوں نہ ہو۔

وَقَالَ الْحَسَنُ یُجْزِیْہِ التَّیَمُّمُ مَالَمْ یُحْدِثْ	حضرت حسن بصری نے فرمایا جب تک آدمی کو حدث نہ ہو تیمم کافی ہے

اس اثر کو امام عبد الرزاق نے مصنف میں وصل کیا مطلب یہ ہے کہ تیمم وضو کا قائم مقام ہے۔ تو جیسے ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھ سکتے ہیں۔ ایسے ہی ایک تیمم سے بھی کئی نمازیں پڑھ سکتے ہیں۔ ہر نماز کے لئے نئے تیمم کی ضرورت نہیں ہے (۲) اور جس چیز سے وضو ٹوٹتا ہے۔ تیمم بھی اس سے ٹوٹ جاتا ہے۔

امام ابوحنیفہ، ابراہیم، عطا، ابن المسیب، زہری، لیث، حسن بن حیی، داؤد بن علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہی مسلک ہے۔ البتہ امام شافعی، مالک، احمد، اسحاق، حضرت قتادہ، شریک، ربیعہ وغیرہ یہ فرماتے ہیں کہ ہر نماز کے لئے تیمم کرنا چاہئے۔ ایک تیمم سے صرف ایک ہی وقت کی پڑھ سکتے ہیں۔ لیکن اس معاملہ میں جہاں تک دلائل پر غور کیا گیا۔ تو حضرت امام اعظم کا مسلک قوی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ مجھے اس مضمون کی کوئی صحیح حدیث نہیں ملی جس سے یہ ثابت ہو کہ ہر نماز کے لئے جدید تیمم کیا جائے۔

فائدہ: امام احمد کے نزدیک جو چیز ناقض وضو ہے۔ صرف وہی ناقض تیمم ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے "مالم یحدث" کے لفظ سے یہی استدلال فرمایا ہے ـــــ لیکن احناف کے نزدیک جب پانی مل جائے اور اس کے استعمال کی قدرت ہو تو یہ بات بھی تیمم کو توڑ دیتی ہے۔ فافہم

وَاَمَّ ابْنُ عَبَّاسٍ وَّهُوَ مُتَيَمِّمٌ
(بخاری)

اور حضرت عبد اللہ بن عباس نے امامت کی۔ درانحالیکہ وہ تیمم کئے ہوئے تھے۔

اس تعلیق کو ابن ابی شیبہ اور امام بیہقی نے وصل کیا۔ مطلب یہ ہے کہ اگر مقتدی وضو والے ہوں اور امام تیمم والا۔ تو نماز جائز ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ، شافعی، مالک اور جمہور علماء کا یہی مسلک ہے

وَقَالَ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ لَا بَأْسَ بِالصَّلٰوةِ عَلَى السَّبْخَةِ وَالتَّيَمُّمِ بِهَا (بخاری)

اور یحییٰ بن سعید نے فرمایا شور زمین پر نماز پڑھنا اور اس سے تیمم کرنا جائز ہے۔

اس اثر کے ذکر سے مقصود یہ بتانا ہے۔ کہ شور اور بنجر زمین پر لفظ طیب کا اطلاق صحیح ہے۔ شور زمین سے تیمم جائز ہے۔ "سبخہ" اس زمین کو کہتے ہیں جو نمکدار ہو اور جس میں قوت نبات نہ ہو۔ اور طیب کے معنی پاک کے ہیں۔ اور شور زمین بھی طیب ہے۔ علامہ ابن خزیمہ نے شور زمین سے جواز تیمم پر جناب عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت سے استدلال کیا ہے۔ حضور علیہ السلام نے انہیں فرمایا تھا۔ تمہاری ہجرت کی جگہ

سبخة ذات نخيل يعني المدينة
(صحیح ابن خزیمہ صـ۱۳۱)

شور زمین کھجوروں والی ہے یعنی مدینہ

اور مدینہ شریف کا نام حضور علیہ السلام نے طیبہ رکھا۔ معلوم ہوا کہ شور زمین پر طیب کا اطلاق درست ہے اور طیب سے تیمم کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ قَالَ ثَنَا عَوْفٌ قَالَ ثَنَا اَبُوْ رَجَاءٍ عَنْ عِمْرَانَ قَالَ كُنَّا فِيْ سَفَرٍ مَّعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاِنَّا اَسْرَيْنَا حَتّٰى كُنَّا فِيْ اٰخِرِ اللَّيْلِ وَقَعْنَا وَقْعَةً

حضرت عمران سے روایت ہے۔ کہ انہوں نے کہا ہم حضور کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ اور ہم نے رات میں کیا۔ جب چلتے چلتے آخر رات ہو گئی تو ہم وہیں لیٹ گئے اور مسافر کے لئے آخر رات سے میٹھی کوئی اور نیند نہیں ہوتی۔ پھر ہمیں

وَلَا وَقْعَةَ أَحْلَى عِنْدَ الْمُسَافِرِ مِنْهَا
فَمَا أَيْقَظَنَا إِلَّا حَرُّ الشَّمْسِ فَكَانَ
أَوَّلَ مَنِ اسْتَيْقَظَ فُلَانٌ ثُمَّ فُلَانٌ
ثُمَّ فُلَانٌ يُسَمِّيهِمْ أَبُو رَجَاءٍ فَنَسِيَ
عَوْفٌ ثُمَّ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ الرَّابِعُ
وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
إِذَا نَامَ لَمْ نُوقِظْهُ حَتَّى يَكُونَ هُوَ
يَسْتَيْقِظُ لِأَنَّا لَا نَدْرِي مَا يَحْدُثُ
لَهُ فِي نَوْمِهِ فَلَمَّا اسْتَيْقَظَ عُمَرُ
وَرَأَى مَا أَصَابَ النَّاسَ وَكَانَ
رَجُلًا جَلِيدًا فَكَبَّرَ وَرَفَعَ صَوْتَهُ
بِالتَّكْبِيرِ فَمَا زَالَ يُكَبِّرُ وَيَرْفَعُ صَوْتَهُ
بِالتَّكْبِيرِ حَتَّى اسْتَيْقَظَ لِصَوْتِهِ النَّبِيُّ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا اسْتَيْقَظَ
شَكَوْا إِلَيْهِ الَّذِي أَصَابَهُمْ فَقَالَ لَا
ضَيْرَ أَوْ لَا يَضِيرُ ارْتَحِلُوا فَارْتَحَلَ
فَسَارَ غَيْرَ بَعِيدٍ ثُمَّ نَزَلَ فَدَعَا بِالْوَضُوءِ
فَتَوَضَّأَ وَنُودِيَ بِالصَّلَاةِ فَصَلَّى بِالنَّاسِ
فَلَمَّا انْفَتَلَ مِنْ صَلَاتِهِ إِذَا هُوَ بِرَجُلٍ
مُعْتَزِلٍ لَمْ يُصَلِّ مَعَ الْقَوْمِ قَالَ مَا
مَنَعَكَ يَا فُلَانُ أَنْ تُصَلِّيَ مَعَ الْقَوْمِ
قَالَ أَصَابَتْنِي جَنَابَةٌ وَلَا مَاءَ قَالَ عَلَيْكَ
بِالصَّعِيدِ فَإِنَّهُ يَكْفِيكَ ثُمَّ سَارَ النَّبِيُّ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاشْتَكَى إِلَيْهِ
النَّاسُ مِنَ الْعَطَشِ فَنَزَلَ فَدَعَا
فُلَانًا كَانَ يُسَمِّيهِ أَبُو رَجَاءٍ نَسِيَهُ
عَوْفٌ وَدَعَا عَلِيًّا فَقَالَ اذْهَبَا فَابْتَغِيَا
الْمَاءَ فَانْطَلَقَا فَتَلَقَّيَا امْرَأَةً بَيْنَ مَزَادَتَيْنِ
أَوْ سَطِيحَتَيْنِ مِنْ مَاءٍ عَلَى بَعِيرٍ

کہ کسی نے جگایا۔ تو سب میں پہلے فلاں شخص جاگے
(یعنی ابوبکر) پھر فلاں شخص، پھر فلاں شخص جاگے۔
ابورجاء ان کو نام بنام بیان کرتے تھے لیکن عوف ان
کے نام بھول گئے۔ پھر جاگنے والوں میں چوتھے
حضرت عمر تھے (اور ہمارا قاعدہ یہ تھا) کہ جب حضور
نبی علیہ السلام آرام فرماتے تو ہم آپ کو نہ جگاتے
یہاں تک کہ آپ خود بیدار ہوں۔ کیونکہ ہم نہیں
جانتے تھے کہ خواب میں آپ پر کیا وحی اتری ہے
جب حضرت عمر جاگ گئے۔ اور انہوں نے دیکھا جو
لوگوں کی حالت تھی وہ دل والے آدمی تھے بلند
آواز سے تکبیر کہنے لگے۔ وہ اللہ اکبر اللہ اکبر بلند آواز
سے کہتے رہے حتی کہ ان کی تکبیر سے حضور علیہ السلام
بیدار ہوئے۔ جب حضور بیدار ہوئے تو لوگوں نے
آپ سے شکایت کی جو ان کو پہنچی تھی (یعنی بوجہ
سوجانے کے فجر کی نماز کا قضا ہو جانا)، آپ نے
فرمایا کوئی حرج نہیں یا اس سے کچھ نقصان
نہیں۔ یہاں سے کوچ کرو۔ ابھی تھوڑی دور چلے
تھے کہ آپ سواری سے اترے۔ وضو کا پانی منگایا۔
وضو کیا نماز کی اذان ہوئی۔ آپ نے نماز پڑھائی۔
جب نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے دیکھا۔ ایک
شخص علیحدہ بیٹھا ہوا ہے۔ فرمایا تو نے لوگوں کے
ساتھ نماز کیوں نہیں پڑھی؟ اس نے عرض کی۔ کہ
مجھے نہانے کی حاجت ہے اور پانی نہیں ہے۔
فرمایا۔ مٹی سے کر لے (تیمم) وہ تیرے لئے کافی ہے
پھر روانہ ہوگئے۔ لوگوں نے آپ سے پیاس کا
شکوہ کیا۔ آپ سواری سے اترے اور ایک شخص
(عمران بن حصین) کو بلایا۔ ابو رجاء اس کا نام بیان
کرتے تھے۔ مگر عوف بھول گئے۔ اور حضرت علی
کو بلایا۔ فرمایا تم دونوں جاؤ۔ پانی کی تلاش کرو۔ یہ دونوں

لها فقالا لها اين الماء قالت عهدي
بالماء امس هذه الساعة و نفرنا
خلوف قالا لها انطلقي اذا قالت
الى اين قالا الى رسول الله صلى
الله عليه وسلم قالت الذي يقال
له الصابئ قالا هو الذي تعنين
فانطلقي فجاءا بها الى رسول الله
صلى الله عليه وسلم وحدثاه
الحديث قال فاستنزلوها عن بعيرها
ودعا النبي صلى الله عليه وسلم باناء
ففرغ فيه من افواه المزادتين او السطيحتين
واوكأ افواههما واطلق العزالي
ونودي في الناس اسقوا واستقوا
فسقى من سقى واستقى من شاء
وكان آخر ذاك ان اعطى الذي
اصابته الجنابة اناء من ماء
قال اذهب فافرغه عليك وهي
قائمة تنظر الى ما يفعل بمائها
وايم الله لقد اقلع عنها وانه
ليخيل الينا انها اشد ملأة منها
حين ابتدأ فيها فقال النبي صلى
الله عليه وسلم اجمعوا لها فجمعوا
لها من بين عجوة ودقيقة وسويقة
حتى جمعوا لها طعاما فجعلوه في
ثوب وحملوها على بعيرها ووضعوا
الثوب بين يديها فقال لها تعلمين
ما رزئنا من مائك شيئا ولكن
الله هو الذي اسقانا فاتت اهلها
وقد احتبست عنهم قالوا ما حبسك

روانہ ہوئے (راہ) میں ایک عورت ملی۔ جو اونٹ پر پانی کی دو پکھالوں یا دو مشکوں کے درمیان سوار تھی۔ انہوں نے اس عورت سے پوچھا پانی کہاں ہے؟ پانی یہ کہ کل اس وقت ملا تھا (یعنی اتنی دوری کے فاصلہ پر ہے) اور قوم کے لوگ پیچھے ہیں انہوں نے کہا چل۔ عورت نے کہا کہاں؟ کہا اللہ کے رسول کے پاس۔ اس نے کہا وہ تو نہیں جس کو لوگ صابی کہتے ہیں۔ کہا انہیں کے پاس جن کو تو سمجھی چل تو سہی۔ آخر وہ دونوں اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے اور آپ سے سارا قصہ بیان کیا۔ پھر لوگوں نے اس عورت کو اس کے اونٹ سے اتار لیا۔ اور حضور نے ایک برتن منگوایا۔ اور دونوں پکھالوں یا مشکوں کا منہ کھول کر ان سے پانی لینا شروع کیا۔ پھر اوپر کے منہ کو بند کیا اور نیچے کا کھول دیا۔ اور لوگوں کو بلایا گیا کہ پانی لاؤ اور پیو۔ تو جس نے چاہا جانوروں کو پلایا اور جس نے چاہا خود پیا۔ آخر میں آپ نے ایک برتن پانی اس شخص کو بھی دیا۔ جس کو نہانے کی حاجت ہوگئی تھی۔ اور فرمایا اس سے نہا لو۔ وہ عورت کھڑی یہ سب کچھ دیکھ رہی ہے جو اس کے پانی کے ساتھ ہو رہا تھا۔ خدا کی قسم جب پانی لینا بند کیا گیا تو ہم کو ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ اب وہ مشکیں اس سے زیادہ بھری ہوئی ہیں جیسے شروع میں بھری ہوئی تھیں۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اب اس عورت کے لئے جمع کرو (یعنی کچھ اس کی خدمت کرو) تو لوگوں نے عجوہ کھجور، آٹا، ستو اکٹھا کرنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ بہت سا کھانے کا سامان جمع ہوگیا۔ وہ سب ایک کپڑے میں رکھا۔ اور اس کو اونٹ پر سوار

يَا فُلَانَةُ قَالَتِ الْعَجَبُ لَقِيَنِي رَجُلَانِ فَذَهَبَا بِي إِلَى هٰذَا الرَّجُلِ الَّذِي يُقَالُ لَهُ الصَّابِئُ فَفَعَلَ كَذَا وَكَذَا فَوَاللّٰهِ إِنَّهُ لَأَسْحَرُ النَّاسِ مِنْ بَيْنِ هٰذِهِ وَهٰذِهِ وَقَالَتْ بِإِصْبَعَيْهَا الْوُسْطٰى وَالسَّبَّابَةِ فَرَفَعَتْهُمَا إِلَى السَّمَاءِ تَعْنِي السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ أَوْ إِنَّهُ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ حَقًّا فَكَانَ الْمُسْلِمُوْنَ بَعْدُ يُغِيْرُوْنَ عَلٰى مَنْ حَوْلَهَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَلَا يُصِيْبُوْنَ الصِّرْمَ الَّذِي هِيَ مِنْهُ فَقَالَتْ يَوْمًا لِقَوْمِهَا مَا أَرٰى أَنَّ هٰؤُلَاءِ الْقَوْمَ يَدَعُوْنَكُمْ عَمْدًا فَهَلْ لَكُمْ فِي الْإِسْلَامِ فَأَطَاعُوْهَا فَدَخَلُوْا فِي الْإِسْلَامِ

قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ صَبَأَ خَرَجَ مِنْ دِيْنٍ إِلٰى غَيْرِهٖ وَقَالَ أَبُو الْعَالِيَةِ الصَّابِئِيْنَ فِرْقَةٌ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ يَقْرَءُوْنَ الزَّبُوْرَ

أَصْبُ أَمِلْ

(بخاری)

کیا۔ اور وہ کھانے کی گٹھڑی اس کے آگے رکھ دی تب آپ نے اس عورت سے فرمایا تو جانتی ہے ہم نے تیرا پانی ذرا بھی کم نہیں کیا۔ اللہ ہی نے ہم کو پانی پلایا۔ پھر وہ عورت اپنے گھر والوں کے پاس پہنچی۔ اور چونکہ وہ راہ میں روک لی گئی تھی اس لئے انہوں نے پوچھا اتنی دیر کیوں ہوئی۔ وہ کہنے لگی عجیب بات ہوئی۔ دو آدمی مجھ کو ملے وہ مجھے اس شخص کے پاس لے گئے جس کو لوگ صابی کہتے ہیں اس نے ایسا ایسا کیا۔ تو قسم خدا کی جتنے لوگ اس کے اور اس کے بیچ میں ہیں۔ اس نے بیچ کی انگلی اور شہادت کی انگلی اٹھا کر آسمان اور زمین کی طرف اشارہ کیا۔ ان سب میں وہ بڑا جادوگر ہے۔ یا اللہ کا سچا رسول ہے۔ پھر مسلمانوں نے یہ کیا کہ عورت کے گاؤں کے اردگرد جو مشرک بستے تھے۔ ان کو لوٹتے اور جن لوگوں میں وہ عورت رہتی تھی ان کو چھوڑ دیتے۔ ایک دن اس عورت نے اپنے آدمیوں سے کہا کہ میں سمجھتی ہوں۔ کہ مسلمان جو تم کو چھوڑ دیتے ہیں تو جان بوجھ کر چھوڑ دیتے ہیں تو کیا تم چاہتے ہو کہ مسلمان ہو جاؤ انہوں نے اس کی بات مان لی اور مسلمان ہوگئے۔ امام بخاری نے کہا کہ صابی صبا سے مشتق ہے۔ جس کے معنے اپنا دین چھوڑ کر دوسرے دین کو اختیار کرنے کے ہے۔ اور ابی العالیہ نے کہا۔ صابئین اہل کتاب کا ایک فرقہ ہے جو زبور پڑھتے ہیں اور سورۂ یوسف میں جو اصب کا لفظ ہے۔ اس کے معنی "جھک جاؤں" ہے۔

فوائد ومسائل حدیث ہذا میں علیك بالصعید فانہ یکفیك کا جملہ موجود ہے۔ یہی محل ترجمہ ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ اگر جنبی کو پانی پر قدرت نہ ہو تو وہ بھی تیمم کرسکتا ہے۔ اور جنبی کے لئے غسل کی جگہ تیمم کافی ہے (۲) اس حدیث کو امام نے باب علامات النبوۃ میں بھی ذکر کیا

ہے اور مسلم نے صلوٰۃ میں ذکر کیا (۲) راویان حدیث میں حضرت عمران قابل ذکر ہیں۔ عمران بن حصین ان کی کنیت ابونجید ہے۔ خزاعی وکعبی ہیں عام خیبر ۷ھ میں ایمان لائے۔ صحابہ میں بڑے فاضل اور فقیہ تھے۔ بصرہ میں قاضی مقرر ہوئے بڑے نیک عابد و زاہد تھے۔ فرشتے انہیں سلام کرتے تھے۔ ان سے کل ۱۳۰ حدیثیں مروی ہیں جن میں سے ۱۲ بخاری میں ہیں ۵۲ھ میں بصرہ میں وصال فرمایا (عینی ج ۴ ص ۵۲۶ فتح الباری و تذکرۃ الذہبی)

حدیث ہذا مسائل ذیل پر مشتمل ہے :-

(۱) بزرگوں کی تعظیم اور ان کے ساتھ ادب سے پیش آنا ضروری ہے۔ اگر ان کو جگانے کی ضرورت ہو تو اس میں بھی ادب کا خیال رکھا جائے۔ جیسا کہ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور کو بیدار کرنے کے لئے بلند آواز سے تکبیر کہی (۲) جب حضور آرام فرماتے تو صحابہ کرام حضور کو جگاتے نہیں تھے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ خواب میں آپ پر وحی نازل ہو رہی ہو (۳) یہ نہ کہا جائے کہ حقیقت میں حضور بھی غافل تھے یہاں تک کہ نماز فجر قضا ہو گئی اور سورج نکل آیا۔ کیونکہ حضور علیہ السلام کے قلب اقدس پر غفلت طاری نہیں ہو سکتی۔ خود ہی فرماتے ہیں میری آنکھیں سوتی ہیں اور دل جاگتا ہے (۴) اگر بلا قصد و اختیار نماز قضا ہو جائے تو گناہ نہیں (۵) جس کو نہانے کی حاجت ہو اور پانی پر قدرت نہ ہو اس کو تیمم کرنا جائز ہے (۶) نماز با جماعت پڑھنے کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہیئے (۷) فوت شدہ نماز کی قضا واجب ہے۔ اور تاخیر سے وہ ساقط نہیں ہوتی (۸) قضا کرنے میں بلا عذر تاخیر کرنا گناہ ہے (۹) قضا نماز کے لئے اذان کہنا مستحب ہے (۱۰) قضا نماز با جماعت پڑھنا جائز ہے (۱۱) اجنبی عورت کے ساتھ خلوت جائز ہے۔ جبکہ ضرورت شرعیہ ہو اور فتنہ کا خوف بھی نہ ہو (۱۲) مشرکوں اور کافروں کے برتن کا استعمال جائز ہے جب کہ ان کے نجس ہونے کا یقین نہ ہو (۱۳) طبرانی کی حدیث ہے۔ کہ آپ نے مشکوں سے جو پانی لیا تھا۔ اس میں کلی فرمائی تھی اور وہ پانی مشکوں میں ڈال دیا تھا جس کی وجہ سے پانی میں برکت پیدا ہو گئی۔ مسلم کی حدیث میں ہے کہ حضور کے ساتھ سفر کرنے والوں کی تعداد ۴۰ تھی۔ ان چالیس افراد نے پانی پیا اور پلایا اپنے جانوروں کو بھی پلایا مگر پانی میں کمی نہ ہوئی۔ یہ حضور علیہ السلام کا عظیم و جلیل معجزہ تھا (۱۴) حافظ ابن حجر علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ وہ عورت چونکہ کافرہ حربیہ تھی اس لئے اس کی اجازت کے بغیر اس کا مال لینا جائز تھا ـــــــ لیکن یہ ظاہر ہے۔ کہ مسلمانوں نے اس کا پانی لیا ہی کہاں۔ جو پانی مسلمانوں نے استعمال کیا۔ وہ محض فضل الٰہی تھا اور حضور کا اعجاز اور اس عورت کے مشکیزوں سے اس اعجاز کے ظہور میں حکمت یہ تھی۔ کہ اس کے ذریعہ بستیوں کی ہدایت ہو گی چنانچہ ہوئی اور اس عورت کی قوم مشرف باسلام ہوئی۔ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس عورت کو مخاطب کر کے یہ فرمایا :-

ما رزئنا من مائك شيئا (ہم نے تیرا پانی کچھ کم نہیں کیا) البتہ اس عورت کو گھر پہنچنے میں جو تاخیر ہوئی۔ اس کے عوض میں اس کو ستو، آٹا کھجوریں دے دی گئیں ـــــــ کفار حضور علیہ السلام کو صابی کہتے تھے۔ کیونکہ حضور علیہ السلام نے ان کے دین کو باطل قرار دیا تھا۔ اور دین اسلام کو جاری فرمایا تھا۔ امام بخاری علیہ الرحمۃ نے یہ بتایا کہ حدیث میں جو صابی کا لفظ ہے اس کے معنے ایک دین کو چھوڑ

...ومیسعدین کو اختیار کرنے کے ہیں۔ اور قرآن میں جو صعید کا لفظ آیا ہے اس کے معنی اور یہی ہیں۔

بَابٌ إِذَا خَافَ الْجُنُبُ عَلَى نَفْسِهِ الْمَرَضَ أَوِ الْمَوْتَ أَوْ خَافَ الْعَطَشَ تَيَمَّمَ

وَيُذْكَرُ أَنَّ عَمْرَو بْنَ الْعَاصِ أَجْنَبَ فِي لَيْلَةٍ بَارِدَةٍ فَتَيَمَّمَ وَتَلَا وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا فَذُكِرَ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يُعَنِّفْ (بخاری)

باب جب جنبی کو غسل کرنے کی وجہ سے، مرض میں مبتلا ہونے یا موت کا یا پیاس کا ڈر ہو تو وہ تیمم کرے۔

اور حضرت عمرو بن العاص کے متعلق کہا جاتا ہے کہ انہیں سردی کی رات میں نہانے کی حاجت ہوئی تو انہوں نے تیمم کر لیا اور یہ آیت پڑھی۔ اپنی جانیں ضائع نہ کرو۔ اللہ تم پر مہربان ہے پھر حضور علیہ السلام سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے سختی سے باز پرس نہ کی۔

وضاحت عنوان اگر جنبی کو یہ اندیشہ صحیح ہو کہ غسل کرے گا تو مرض میں مبتلا ہو جائے گا۔ یا مرض بڑھ جائے گا یا کوئی عضو ضائع ہو جائے گا۔ تو ایسی صورت میں تیمم کرنا جائز ہے۔ خواہ یہ صورت سفر میں ہو یا حضر میں۔ سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ، شافعی۔ مالک، ثوری رضی اللہ عنہم کا یہی مسلک ہے (۲) غسل کرنے سے موت واقع ہو جانے کا اندیشہ صحیح ہو تو تمام ائمہ کے نزدیک ایسے شخص کو تیمم کرنا جائز ہے خواہ یہ صورت سفر میں ہو یا حضر میں (۳) اسی طرح پانی موجود ہے مگر اس قدر ہے کہ صرف غسل یا وضو کے لئے ہو سکتا ہے۔ لیکن غسل یا وضو کرنے کی صورت میں خود یا ساتھی یا جو اس کے ساتھ جانور ہے پیاسا رہ جائے گا اور اس حالت میں پیاسا رہ جانے کا خطرہ ہو تو ایسا تیمم کرنا جائز ہے۔

(۴) حضرت عمرو بن عاص قرشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے عابد و زاہد صحابی تھے۔ ۸ ہجری میں مسلمان ہوئے۔ نہایت ادب و حیا کی وجہ سے حضور علیہ السلام کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتے تھے۔ مجلس نبوی میں ہمیشہ نیچی نگاہ رکھتے تھے۔ حضور نے انہیں عمان کا والی اور قاضی بنا کر بھیجا تھا۔ آپ سے کل ۳۹ حدیثیں مروی ہیں۔ ان میں سے تین بخاری میں ہیں (۵) حضرت عمرو بن العاص کے اثر کو ابو داؤد و حاکم نے باسناد ذکر کیا۔ جس کا مضمون یہ ہے ——— میں غزوۂ ذات السلاسل میں جنبی ہو گیا مجھے خطرہ ہوا کہ اگر اس سردی میں غسل کیا تو ہلاک ہو جاؤں گا۔ چنانچہ میں نے تیمم کر کے نماز فجر پڑھائی۔ صحابہ نے یہ معاملہ آکر بحضور نبوی پیش کیا۔ حضور نے فرمایا کیا تم نے ایسا کیا۔ میں نے غسل نہ کرنے کی وجہ بیان کی اور اپنے اس فعل کی دلیل میں سورہ نساء کی آیت لا تقتلوا انفسکم الآیۃ پیش کی۔ حضور یہ سن کر مسکرائے اور خاموش ہو گئے۔

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے اس عمل پر خاموش ہو جانا سنت تقریری ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ جنبی اگر پانی کے استعمال پر قادر نہ ہو تو اسے تیمم کر لینا جائز ہے اور یہ بھی ثابت ہوا کہ متیمم کے پیچھے متوضی کی نماز درست ہے۔

قَالَ كُنْتُ عِنْدَ عَبْدِ اللّٰهِ وَأَبِي مُوسٰى فَقَالَ لَهُ أَبُو مُوسٰى أَرَأَيْتَ يَا عَبْدَ الرَّحْمٰنِ إِذَا أَجْنَبَ فَلَمْ

حضرت شقیق بن سلمہ کا بیان ہے کہ میں عبداللہ بن مسعود اور ابو موسیٰ اشعری کے پاس تھا کہ ابو موسیٰ نے حضرت ابن مسعود سے کہا اے عبدالرحمٰن

يَغْتَسِلُ كَيْفَ يَصْنَعُ فَقَالَ عَبْدُ اللهِ لَا يُصَلِّي حَتّٰى يَجِدَ الْمَاءَ فَقَالَ أَبُوْ مُوْسٰى فَكَيْفَ تَصْنَعُ بِقَوْلِ عَمَّارٍ حِيْنَ قَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَكْفِيْكَ قَالَ أَلَمْ تَرَ عُمَرَ لَمْ يَقْنَعْ بِذٰلِكَ مِنْهُ فَقَالَ أَبُوْ مُوْسٰى فَدَعْنَا مِنْ قَوْلِ عَمَّارٍ كَيْفَ تَصْنَعُ بِهٰذِهِ الْآيَةِ فَمَا دَرٰى عَبْدُ اللهِ مَا يَقُوْلُ فَقَالَ إِنَّا لَوْ رَخَّصْنَا لَهُمْ فِيْ هٰذَا لَأَوْشَكَ إِذَا بَرَدَ عَلٰى أَحَدِهِمُ الْمَاءُ أَنْ يَدَعَهُ وَيَتَيَمَّمَ فَقُلْتُ لِشَقِيْقٍ فَإِنَّمَا كَرِهَ عَبْدُ اللهِ لِهٰذَا فَقَالَ نَعَمْ.

(بخاری)

اسی مضمون کی ایک اور حدیث امام نے ذکر کی تھی۔ جسے ہم نے چھوڑ دیا ہے۔

یعنی ابن مسعود، جب کوئی جنبی ہو اور پانی نہ پائے۔ تو کیا کرے۔ تو عبد اللہ بن مسعود نے فرمایا جب تک پانی نہ پائے نماز نہ پڑھے۔ ابو موسیٰ نے کہا پھر تم عمار کی روایت کا کیا جواب دو گے۔ جب کہ نبی علیہ السلام نے ان سے فرمایا تھا تجھ کو یہ کافی تھا۔ یعنی منہ اور ہاتھ کا مسح کرنا (حضرت عمار کا واقعہ گزشتہ حدیث میں گزر چکا ہے)

حضرت ابن مسعود نے جواب دیا تم نہیں دیکھتے کہ حضرت عمر رضی نے عمار کی بات پر قناعت نہیں کی۔ حضرت ابو موسیٰ نے کہا اچھا حضرت عمار کے قول کو جانے دو۔ تم اس آیت کا کیا جواب دو گے (یعنی تیمم کا جس میں جنبی اور بے وضو دونوں کے لئے جبکہ پانی پر قدرت نہ ہو تیمم کا حکم ہے)

پس عبد اللہ بن مسعود کو کوئی جواب نہ بن پڑا۔ تو کہنے لگے۔ اگر ہم لوگوں کو جنابت کی حالت میں تیمم کی اجازت دے دیں تو پھر ایسا ہوگا۔ کہ جس کو پانی ٹھنڈا معلوم ہوگا وہ غسل چھوڑ کر تیمم کرے گا۔ اعمش نے کہا۔ میں نے شقیق سے کہا۔ کہ عبد اللہ بن مسعود نے جنبی کو تیمم کرانا اسی مصلحت سے برا جانا ہے۔ انہوں نے کہا ہاں!

واضح ہو! کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی رائے یہ تھی۔ کہ جنبی کو تیمم کرنا جائز نہیں ہے۔ اور باقی صحابہ کرام جواز کے قائل تھے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت عبد اللہ بن مسعود کے مابین اس مسئلہ پر بحث ہوئی۔ حضرت ابو موسیٰ نے کہا۔ اگر آپ کے نزدیک جنبی کو تیمم جائز نہیں۔ تو روایت عمار جس میں یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے جنبی کو تیمم کا حکم دیا۔ اس کا آپ کے پاس کیا جواب ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود نے جواب دیا۔ حضرت عمر نے روایت عمار پر قناعت نہیں کی (حضرت عمر در اصل اس سفر میں خود موجود تھے۔ جس میں حضور علیہ السلام نے حضرت عمار کو جنبی ہونے کی وجہ سے تیمم کا حکم دیا تھا۔ مگر حضرت عمر رضی کو یہ واقعہ یاد نہ رہا اس بنا پر انہوں نے روایت عمار پر قناعت نہ کی۔ اس پر حضرت ابو موسیٰ نے کہا اچھا تو آپ کے پاس آیت تیمم کا کیا جواب ہے۔ جس میں مطلقاً تیمم کا حکم دیا گیا ہے۔ یعنی جنبی اور بے وضو دونوں کے لئے پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمم کا حکم ہے۔ تو عبد اللہ بن مسعود لاجواب ہو گئے۔ اور کہنے لگے کہ اگر جنبی کے لئے تیمم کا حکم دے دیں۔ تو پھر ہر وہ شخص جس کو سردی میں نہانے سے تکلیف ہوگی۔ تیمم کر لے گا۔

[illegible] حضرت عمر و ابن مسعود دونوں سے اس مسئلہ میں خطاء اجتہادی واقع ہوئی۔ اور جب مسئلہ کی

اصل پوزیشن ان دونوں حضرات پر کھلی تو دونوں نے اپنے قول سے رجوع فرما لیا۔ جیسا کہ نووی اور ابن ابی شیبہ نے تصریح کی ہے (۲) یہ حدیث مسائل ذیل پر مشتمل ہے:۔

(۱) جنبی کو اگر پانی پر قدرت نہ ہو تو تیمم کرے جیسا کہ احادیث مرفوعہ صحیحہ سے ثابت ہے۔ اور جمہور صحابہ اور علماء دین کا یہی مسلک ہے (۲) حق کی وضاحت کے لئے مناظرہ جائز ہے (۳) مناظرہ کے وقت ایک دلیل کو چھوڑ کر دوسری دلیل سے حجت پکڑنا جائز ہے۔ جناب ابراہیم خلیل علیہ السلام نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔

فائدہ آیہ تیمم میں لمستم النساء کا لفظ بھی ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی رائے میں لمس سے مراد جماع نہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ان دونوں حضرات کے نزدیک مس بشرہ میں تقض وضو ہے۔ اس نے ان کی رائے یہ ہوئی کہ جنبی کو تیمم جائز نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کنتم جنبا فاطھروا ——— لہٰذا یہ دیکھا جاتا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود نے آیت کی بھی پروا نہ کی۔ مگر حضرت ابو موسیٰ نے جب یہ آیت پیش کی تھی تو ان کے ذہن میں لمس بمعنی جماع ہی تھا۔ اگر حضرت عبد اللہ بن مسعود کی رائے میں بھی لمس بمعنی جماع ہوتا تو وہ اسی وقت رجوع فرما لیتے فافہم

(۲) یہاں یہ دیکھا جائے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حدیث رد کر دی۔ اور اپنی رائے پر قائم رہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نہ تو حدیث کو رد کیا اور نہ حضرت عمار کو جھوٹا قرار دیا۔ ہوا یہ کہ حضرت عمر خود اس سفر میں موجود تھے جس کے متعلق حضرت عمار کا بیان تھا کہ حضور نے مجھے بحالت جنابت تیمم کرنے کی اجازت دی چنانچہ حضرت عمار نے جب یہ واقعہ بیان کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:۔

"عمار! خدا سے ڈرو۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے عرض کی۔ اگر آپ کہیں تو میں یہ حدیث
بیان نہ کروں دیکھو کر حدیث بیان کرنے کا جو فرض مجھ پر عائد ہوتا تھا وہ میں پورا کر چکا ہوں:
اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا میں تیرا کام تجھ پر ہی ڈالتا ہوں" (مسلم شریف)

اس سے یہ بات واضح ہو گئی۔ کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حدیث کو رد نہیں کیا۔ بلکہ انہیں یہ خیال تھا کہ ممکن ہے عمار سے بھول ہو گئی ہو۔ اور یہ خیال انہیں اس لئے پیدا ہوا۔ کہ وہ خود سفر میں موجود تھے چنانچہ جب حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے یہ کہا کہ "آپ کہیں تو میں یہ حدیث بیان کرنا چھوڑ دوں" تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو اس حدیث کے بیان کرنے سے منع نہیں کیا۔ بلکہ یہ فرمایا کہ "میں تیرا کام تجھ ہی پر ڈالتا ہوں"۔ جس سے یہ واضح ہوتا ہے۔ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ متردد تھے۔ اور تردد کی وجہ یہ تھی۔ کہ وہ خود اس سفر میں موجود تھے۔ اور انہیں یاد نہ تھا کہ حضور نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو بحالت جنابت تیمم کا حکم دیا تھا۔ لیکن اس شک و تردد کے باوجود وہ حضرت عمار کو جھوٹا نہیں قرار دیتے تھے۔ چہ جائیکہ حدیث کو رد کریں۔

چنانچہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ یقین ہو گیا کہ حضرت عمار کا بیان صحیح ہے۔ تو انہوں نے اپنی رائے سے رجوع فرما لیا حتیٰ کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود نے بھی رجوع کر لیا۔ فافہم و تدبر

باب تیمم میں ایک بار ہاتھ مارنا کافی ہے۔	بَابُ التَّيَمُّمُ ضَرْبَةٌ

اس عنوان کے ماتحت امام نے وہی حدیث لکھی ہے۔ جس میں حضرت ابوموسیٰ وحضرت عبد اللہ بن مسعود کے مناظرہ کا ذکر ہے۔ اور حدیث عمار لکھی ہے۔ جن کو نہانے کی حاجت ہوگئی تھی۔ اور انہوں نے زمین میں لوٹ لگائی تھی۔ ان دونوں حدیثوں کی تفہیم و ترجمانی اوپر ہو چکی ہے۔ ہم یہاں عنوان کے مناسب الفاظ ذکر کئے دیتے ہیں۔

۱۔ حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نہانے کی حاجت ہوگئی اور پانی موجود نہ تھا۔ آپ نے زمین میں لوٹ لگائی اور نماز پڑھی۔ پھر حضور علیہ السلام سے اس کا ذکر کیا۔ تو آپ نے فرمایا لوٹنے کے بجائے ایسا کرنا کافی تھا۔

فَقَالَ إِنَّمَا كَانَ يَكْفِيكَ أَنْ تَصْنَعَ هٰكَذَا وَضَرَبَ بِكَفَّيْهِ ضَرْبَةً عَلَى الْأَرْضِ ثُمَّ نَفَضَهُمَا ثُمَّ مَسَحَ بِهِمَا ظَهْرَ كَفِّهِ بِشِمَالِهِ أَوْ ظَهْرَ شِمَالِهِ بِكَفِّهِ ثُمَّ مَسَحَ بِهِمَا وَجْهَهُ (بخاری)

اور آپ نے زمین پر اپنا ہاتھ ایک بار مارا پھر اس کو جھاڑا پھر بائیں سے داہنے ہاتھ کی پشت پر مسح کیا یا داہنے ہاتھ سے بائیں ہاتھ کی پشت پر مسح کیا۔ پھر اپنے چہرہ پر دونوں ہاتھوں کو پھیرا۔

فوائد و مسائل امام نے عنوان مذکورہ ثابت کرنے کے لئے قائم کیا ہے۔ کہ تیمم میں صرف ایک دفعہ دونوں ہاتھوں کا زمین پر مارنا کافی ہے۔ اور ایک ہی ضرب سے دونوں ہاتھوں اور چہرہ کا مسح کیا ہوئے۔ چنانچہ انہوں نے حدیث عمار کے لفظ ضرب بکفہ ضربۃً (الحدیث) سے اپنے مسلک کا اثبات کیا ہے۔ لیکن جمہور علماء احناف کے نزدیک چہرہ کے مسح کے لئے علیحدہ اور ہاتھوں کے مسح کے لئے علیحدہ زمین پر ہاتھ مارنا ضروری ہے۔ جیسا کہ ہم نے گزشتہ اوراق میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔

بَابٌ یہاں باب کا لفظ بلا ترجمہ ہے۔ اور اس کے ضمن میں امام نے ایک حدیث لکھی ہے جو یہ ہے:۔ حضرت عمران بن حصین الخزاعی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس شخص نے لوگوں کے ساتھ نماز نہیں پڑھی۔ آپ نے فرمایا تجھے کیا ہوا کہ تو نے لوگوں کے ساتھ نماز نہیں پڑھی۔ عرض کی:۔

مَا مَنَعَكَ أَنْ تُصَلِّيَ فِي الْقَوْمِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَصَابَتْنِي جَنَابَةٌ وَلَا مَاءَ قَالَ عَلَيْكَ بِالصَّعِيدِ فَإِنَّهُ يَكْفِيكَ (بخاری)

یارسول اللہ مجھے نہانے کی حاجت ہے اور پانی نہیں ہے فرمایا مٹی ہے (یعنی تیمم کرلے) وہ تجھے کفایت کرے گی۔

جہاں امام صرف لفظ باب بلا ترجمہ لکھتے ہیں، وہ غالباً تکمیلی فصل یا باب کا خلاصہ اور تتمہ ہوتا ہے۔ یہاں بھی اس حدیث کو ذکر کرکے یہ بتانا مقصود ہے کہ پاک مٹی مسلمان کا وضو ہے جب پانی پر قدرت نہ ہو مٹی سے تیمم کیا جاسکتا ہے۔

خاتمہ کتاب التیمم میں سترہ حدیثیں ہیں۔ ان میں سے اٹھارہ اور دو معلق ہیں بلا تکرار ست حدیثیں ہیں ان میں سے ایک معلق اور باقی موصول ہیں۔ آثار صحابہ و تابعین دس ہیں۔ ان میں سے ۳ موصول ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

کتاب الصلوٰۃ

طہارت جو شرائط نماز سے ہے۔ اس کے احکام بیان کرنے کے بعد اب نماز کا بیان شروع کیا جا رہا ہے جو سے مقصود نماز کی فرضیت اور اس کی کیفیت کو بتانا ہے۔

امام بخاری علیہ الرحمۃ نے سب سے پہلے شرائط نماز کا ذکر کیا ہے۔ جن کا نماز سے پہلے ہونا ضروری ہے مگر چونکہ بہت سے باب تھے۔ اس لئے اس کے لئے کتاب الطہارۃ کا عنوان قائم فرمایا۔ ترتیب شرائط صلوٰۃ یوں رکھی ہے۔ فرضیت صلوٰۃ، ستر عورت، استقبال قبلہ۔ پھر اس کے ذیل میں مسجد، سترہ، دخول وقت، اذان، جماعت، امامت۔ صفت نماز کا بیان ہے۔ اس کے بعد اقسام نماز جمعہ و عیدین وغیرہ کا تذکرہ ہے:

صلوٰۃ کے معنی (۲) لغت میں صلوٰۃ کے معنے دعا کے ہیں۔ قرآن پاک میں فرمایا وصل علیھم اور حدیث میں ہے وان کان صائما فلیصل۔ اس آیت اور حدیث میں صلوٰۃ بمعنی دعا ہے۔ امام نووی نے فرمایا۔ صلوٰۃ کا اشتقاق صلوین سے ہے۔ اور صلوین سرین کی دو ہڈیوں کو کہتے ہیں۔ اور قسطلانی نے فرمایا۔ صلوٰۃ "صلی" سے مشتق ہے۔ جس کے معنی بانس کو انگاروں پر رکھ کر سیدھا کرنے کے ہیں۔ بعض نے کہا صلوٰۃ کے اصل معنی رحمت کے ہیں۔ لہذا صلوٰۃ کو صلوٰۃ اس لئے کہتے ہیں کہ یہ رحمت ہے۔ یا اس لئے کہ اس میں نمازی رکوع و سجدہ میں اپنے سرین اٹھاتا ہے یا اس لئے کہ صلوٰۃ سے آدمی راہ راست پر آجاتا ہے۔ تو جس کی کجی نماز سے جاتی رہے۔ قیامت کے دن اسے آگ سے سیدھا کرنے کی ضرورت نہ رہے گی ان شاء اللہ العزیز۔

بعض علماء نے فرمایا۔ کہ صلوٰۃ مصلی سے مشتق ہے۔ وہ گھوڑا جو سابق گھوڑے کے پیچھے ہو آتا ہے اس کو مصلی کہتے ہیں۔ کیونکہ اس پیچھے والے گھوڑے کا سر آگے والے گھوڑے کے سرین کے پیچھے ہوتا ہے۔ اور وہ اس کا تابع ہوتا ہے تو صلوٰۃ کو صلوٰۃ اس لئے کہتے ہیں کہ مصلی اپنے امام کا تابع ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ:

امام کی نماز فاسد ہو تو مقتدی کی نماز بھی فاسد ہو جاتی ہے (نہ کہ عکس)

سہو امام سے مقتدی پر بھی سجدۂ سہو لازم آتا ہے۔

مقتدی کو امام سے پہلے رکوع و سجود ممنوع ہے۔

امام کا سترہ مقتدیوں کے حق میں بھی کافی ہے وغیرہ وغیرہ

اس کے علاوہ ہر وہ عبادت جو تعظیم و خشیت خالق کے لئے ہو۔ اس کو صلوٰۃ کہہ سکتے ہیں۔ اور اس معنی میں صلوٰۃ افراد انسانی کے ساتھ خاص نہیں رہتی بلکہ تمام مخلوقات کے لئے مشترک ہو جاتی ہے۔ تو ہر چیز

کی صلوٰۃ اس کے مناسب حال ہوگی۔ اسی لئے قرآن مجید میں فرمایا کل قد علم صلاتہ وتسبیحہ اس آیت میں اشارہ ہے۔ کہ تمام مخلوقات وظیفۂ صلوٰۃ میں مشترک ہیں۔ البتہ اس کی نوعیت وصورت میں فرق ہوتا ہے۔ جیسے سجدہ ہی کو لے لیجئے۔ تمام مخلوقات اپنے رب کے حضور سجدہ ریز ہے۔ وللہ یسجد من فی السمٰوٰت والارض۔ لیکن سجدہ کی صورت میں فرق ہے انسان کے سجدہ کرنے کی صورت یہ ہے کہ وہ اپنے سات اعضا پر سجدہ کرتا ہے۔ اور دوسری اشیاء کے سجدہ کی صورت اور ہے۔

نماز کی اہمیت

حضور علیہ السلام جب مبعوث ہوئے تو توحید کے بعد سب سے پہلا حکم جو آپ کو ملا وہ نماز کا تھا یا ایھا المدثر قم فانذر وربک فکبر۔ یہی نماز کی بنیاد ہے۔ اس کے بعد رفتہ رفتہ یہ نماز تکمیل کے مدارج طے کرتی ہوئی اس نقطہ پر پہنچ گئی۔ جو روحانی معراج کی آخری سرحد ہے۔

قرآن پاک کی تصریح کے مطابق دنیا میں کوئی پیغمبر ایسا نہیں آیا۔ جس نے اپنی امت کو نماز کی تعلیم نہ دی ہو اور اس کی تاکید نہ کی ہو۔ خصوصاً ملت ابراہیمی میں تو اس کی حیثیت سب سے زیادہ نمایاں ہے حضرت ابراہیم حضرت اسماعیل، حضرت شعیب، حضرت لوط، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب، حضرت لقمان، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ، حضرت زکریا ان سب جلیل القدر انبیاء کرام علیہم السلام کے متعلق قرآن پاک نے بتایا۔ سب کے سب نماز پڑھتے تھے۔ اپنے اہل وعیال اور اپنی قوم کو نماز کا حکم دیتے تھے۔ دیکھو سورۂ مریم، ہود، انبیاء، لقمان، ابراہیم، طٰہٰ، یونس، بقرہ، آل عمران۔

قرآن وحدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے، کہ اسلام کے زمانہ میں بھی بعض یہودی اور عیسائی نماز پڑھتے تھے (آل عمران)

قرآن وحدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے۔ کہ اسلام کے زمانہ میں بھی بعض یہودی اور عیسائی نماز پڑھتے تھے (آل عمران ۱۲) حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ یہودیوں کی طرح ننگے نماز نہ پڑھو (کنز العمال جلد ۴ صفحہ ۱۳۰)

نماز اسلام کا سب سے اہم واکرم فریضہ ہے۔ عبادات میں سب سے اشرف وافضل نماز ہی ہے قرآن پاک میں تقریباً سو مرتبہ سے زیادہ نماز کی ترغیب اور اس کی بجا آوری کی تاکید آئی ہے۔ اور اس کے ادا کرنے میں سستی اہل نفاق کی علامت اور اس کا ترک کفر کی نشانی بتائی گئی ہے۔ یہ وہ فرض ہے جو اسلام کے ساتھ ساتھ پیدا ہوا۔ اس کی تکمیل اس شبستان قدس میں ہوئی جس کو معراج کہتے ہیں۔

واقیموا الصلوٰۃ ولاتکونوا من المشرکین (الروم)	اور نماز کو قائم رکھو اور مشرکوں میں سے نہ ہو جاؤ۔

اہمیت بالا سے ایک تو توحید وایمان کے بعد سب سے اہم چیز نماز ثابت ہوئی۔ اور دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ ترک نماز سے کفر وشرک میں گرفتار ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ کیونکہ جب دل کی کیفیت کو پیدا ہونے کے ذریعہ نہ بڑھائے اور جائے۔ تو خود اس کی کیفیت دوام ان کے زائل ہو جانے کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے ہمیشہ خاص طور سے نماز پر زور دیا اور اس کے تارک کے متعلق شرک وکفر کا فتویٰ صادر فرمایا

روز محشر کہ جاں گداز بود اولین پرسش نماز بود

ترک صلوٰۃ کافر ہے

حضرت عبداللہ بن شقیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ صحابہ کرام کسی عمل کے ترک کو کفر نہیں جانتے سوا نماز کے۔ بہت سی ایسی حدیثیں آئیں۔ جن سے ظاہر یہ ہے کہ قصداً نماز کا ترک کفر ہے۔ اور بعض صحابہ کرام مثلاً حضرت فاروق اعظم، عبدالرحمٰن بن عوف، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس، جابر بن عبداللہ، معاذ بن جبل، ابوہریرہ، ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہی مذہب ہے۔ بعض ائمہ کرام مثلاً حضرت امام احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، عبداللہ بن مبارک و امام نخعی کا بھی یہی مسلک ہے۔ البتہ ہمارے امام ابوحنیفہ و دیگر ائمہ کرام نیز کثیر صحابہ کرام تارک صلوٰۃ کی تکفیر نہیں کرتے۔ مگر کیا یہ تھوڑی بات ہے۔ کہ ان جلیل القدر حضرات کے نزدیک تارک صلوٰۃ کافر ہے۔ اس مسئلہ کی مکمل بحث کے لئے اہل علم حضرات نیل الاوطار، نووی اور عینی کا مطالعہ کریں۔

(۲) ہر مکلف یعنی عاقل و بالغ پر نماز فرض عین ہے۔ اس کی فرضیت کا منکر کافر ہے۔ اور جو قصداً چھوڑ دے اگرچہ ایک ہی وقت کی وہ فاسق ہے اور جو نماز نہ پڑھتا ہو قید کیا جائے حتیٰ کہ نماز پڑھنے لگے۔ بلکہ ائمہ ثلاثہ مالک، شافعی، احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک سلطان اسلام کو اس کے قتل کا حکم ہے (در مختار)

(۳) نماز خالص عبادت بدنی ہے۔ اس میں نیابت جاری نہیں ہو سکتی یعنی ایک کی طرف سے دوسرا نہیں پڑھ سکتا (۴) فرضیت نماز کا سبب اصلی امر الٰہی ہے اور ظاہری سبب وقت ہے۔ کہ اول وقت سے آخر وقت تک جب بھی پڑھے ادا ہو جائے۔ اور فرض ذمہ سے ساقط ہو جائے گا (۵) بچہ جب سات برس کی عمر کا ہو جائے تو اس کو نماز پڑھنا سکھایا جائے اور جب دس برس کا ہو جائے اور نہ پڑھے تو سختی سے پڑھوانی چاہیے۔

باب كَيْفَ فُرِضَتِ الصَّلٰوةُ فِي الْإِسْرَآءِ

باب معراج میں نماز کیسے فرض ہوئی؟

جمہور اہل سنت و جماعت کا اس پر اتفاق ہے۔ کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بیداری کی حالت میں روح و جسم کے ساتھ معراج ہوئی۔ مسجد حرام سے لے کر عرش بریں یا جہاں تک اللہ نے چاہا۔ مسلسل ایک ہی معراج ہے۔ جمہور محدثین فقہاء و متکلمین کا یہی مذہب ہے۔ اور اس کی سب سے صاف اور سیدھی دلیل یہ ہے۔ کہ کلام کا عام سیدھا قاعدہ یہ ہے کہ جب تک متکلم اپنے کلام میں یہ ظاہر نہ کر دے کہ یہ خواب تھا تو طبعاً یہی سمجھا جائے گا کہ وہ واقعہ حالت بیداری میں پیش آیا۔ قرآن پاک کے الفاظ سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا (پاک ہے وہ جو اپنے بندہ کو ایک رات میں لے گیا) میں کسی خواب کی تصریح نہیں۔ اس لئے بے شبہ یہ بیداری ہی کا واقعہ سمجھا جائے گا یہی جمہور امت کا عقیدہ ہے اور وہ بھی بجسم۔

البتہ کس مہینہ میں ہوئی اس میں گو اختلاف ہے مگر رجب شریف کا مہینہ اور اس کی ۲۷ تاریخ ہی اکثریت نے مانی ہے۔ اور اسی پر تعامل امت بھی ہے (زرقانی ج ۱، ص ۳۵۵ تا ص ۳۵۸)

معراج کے وقت اور زمانہ کی تعیین میں دشواری کی وجہ یہ ہے کہ یہ ہجرت سے پہلے کا واقعہ ہے۔ جبکہ تاریخ اور سیرت کی تدوین نہیں ہوئی تھی۔ اور عرب میں عموماً اسلام سے قبل کسی خاص سن کا رواج بھی نہ تھا البتہ اتنا تو یقینی طور پر معلوم ہے کہ یہ واقعہ رات میں ہوا قرآن نے سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا فرمایا ہے اور تمام روایات بھی اس پر متفق ہیں اور اسی بات پر

یہی سب کا اتفاق ہے کہ معراج بعثت اور نزول وحی کے بعد اور ہجرت سے پہلے ہوئی۔ اور اسی میں نماز پنجگانہ فرض ہوئیں۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ حَدَّثَنِیْ اَبُوْ سُفْیَانَ بْنُ حَرْبٍ فِیْ حَدِیْثِ هِرَقْلَ فَقَالَ یَاْمُرُنَا یَعْنِی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِالصَّلٰوةِ وَالصِّدْقِ وَالْعَفَافِ

(بخاری)

اور حضرت ابن عباس نے فرمایا مجھ سے ابوسفیان بن حرب نے بیان کیا ہرقل کے قصہ میں۔ ابوسفیان نے کہا سو وہ یعنی حضور علیہ السلام ہمیں نماز پڑھنے، سچ بولنے اور حرام سے بچنے کا حکم فرماتے تھے۔

یہ ایک طویل حدیث کا ٹکڑا ہے جو باب بدء الوحی رفیض الباری جزء اول ص ۴۳ پر گذر چکی ہے۔ حدیث کے اس ٹکڑے سے امام کا مقصود یہ بتانا ہے کہ نماز قبل ہجرت مکہ معظمہ میں فرض ہوئی کیونکہ حضرت سفیان نے ہرقل سے حضور کے متعلق وہی باتیں بیان کی تھیں۔ جو انہوں نے مکہ میں قبل ہجرت حضور علیہ السلام سے سنی یا دیکھی تھیں ——— ظاہر ہے کہ اس حدیث کا عنوان سے تعلق قائم نہیں ہوتا کیونکہ عنوان تو یہ ہے کہ نماز کیسے فرض ہوئی۔ اور حدیث میں کیفیت کا نہیں بلکہ وقت فرض (ذات) کا بیان ہے۔ جواب یہ ہے کہ امام کی عادت کریمہ یہ ہے کہ جب وہ کسی بات کا عنوان باندھتے ہیں۔ تو بعض اوقات اس کے مناسبات لوازمات و متعلقات کو بھی بیان کر دیتے ہیں۔ یہاں بھی یہی صورت ہے۔ کیونکہ معرفت کیفیت الشئی مستلزم و متفرع ہے معرفت ذات کو تو امام نے پہلے ذات صلاۃ کی معرفت من حیث الفرضیت حدیث زیر بحث سے کرائی ہے۔ اور کیفیت فرض کی معرفت دوسری سے کرائی ہے جو یہ ہے۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ اَبُوْ ذَرٍّ یُحَدِّثُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فُرِجَ عَنْ سَقْفِ بَیْتِیْ وَاَنَا بِمَكَّةَ فَنَزَلَ جِبْرِیْلُ عَلَیْهِ السَّلَامُ فَفَرَجَ عَنْ صَدْرِیْ ثُمَّ غَسَلَهٗ بِمَاءِ زَمْزَمَ ثُمَّ جَاءَ بِطَسْتٍ مِّنْ ذَهَبٍ مُّمْتَلِیٍٔ حِكْمَةً وَّاِیْمَانًا فَاَفْرَغَهٗ فِیْ صَدْرِیْ ثُمَّ اَطْبَقَهٗ ثُمَّ اَخَذَ بِیَدِیْ فَعَرَجَ بِیْ اِلَی السَّمَاءِ فَلَمَّا جِئْتُ اِلَی السَّمَاءِ الدُّنْیَا قَالَ جِبْرِیْلُ عَلَیْهِ السَّلَامُ لِخَازِنِ السَّمَاءِ افْتَحْ قَالَ مَنْ هٰذَا قَالَ هٰذَا جِبْرِیْلُ قَالَ هَلْ مَعَكَ اَحَدٌ قَالَ نَعَمْ مَعِیَ مُحَمَّدٌ فَقَالَ اُرْسِلَ اِلَیْهِ قَالَ نَعَمْ فَلَمَّا فُتِحَ عَلَوْنَا السَّمَاءَ الدُّنْیَا فَاِذَا رَجُلٌ قَاعِدٌ عَلٰی یَمِیْنِهٖ اَسْوِدَةٌ وَّعَلٰی یَسَارِهٖ اَسْوِدَةٌ اِذَا

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ حضرت ابوذر بیان کرتے تھے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ میرے گھر کی چھت کھولی گئی اور میں مکہ میں تھا پھر جبریل علیہ السلام اترے پھر انہوں نے میرا سینہ چاک کیا پھر اس کو آب زمزم سے دھویا، اس کے بعد سونے کا ایک طشت ایمان و حکمت سے بھرا ہوا لائے اس کو میرے سینہ میں ڈال کر بند کر دیا پھر میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے آسمان کی طرف لے چڑھے۔ جب میں آسمانِ دنیا پر پہنچا۔ تو جبریل علیہ السلام نے آسمان کے داروغہ سے کہا کھولو۔ اس نے کہا کون؟ جواب دیا جبریل۔ اس نے پوچھا کیا تمہارے ساتھ کوئی اور بھی ہے؟ انہوں نے کہا ہاں میرے ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہیں۔ اس نے سوال کیا کیا وہ بلائے گئے ہیں؟ انہوں نے کہا ہاں۔ پھر جب اس نے کھولا تو ہم آسمان دنیا پر چڑھے۔ وہاں ایک شخص بیٹھا ہوا تھا۔ جس کے

نظر قبل یمینه ضحك وإذا نظر قبل
شماله بكى فقال مرحبا بالنبي
الصالح والابن الصالح قلت لجبريل من
هذا قال هذا آدم وهذه الأسودة
عن يمينه وشماله نسم بنيه فأهل
اليمين منهم أهل الجنة والأسودة
التي عن شماله أهل النار فإذا نظر
عن يمينه ضحك وإذا نظر قبل شماله
بكى حتى عرج بي إلى السماء الثانية
فقال لخازنها افتح فقال له خازنها
مثل ما قال الأول ففتح قال أنس
فذكر أنه وجد في السموات آدم و
إدريس وموسى وعيسى وإبراهيم ولم
يثبت كيف منازلهم غير أنه ذكر
أنه وجد آدم في السماء الدنيا و
إبراهيم في السماء السادسة قال
أنس فلما مر جبريل عليه السلام
بالنبي صلى الله عليه وسلم بإدريس
قال مرحبا بالنبي الصالح والأخ الصالح
فقلت من هذا قال هذا إدريس ثم
مررت بموسى فقال مرحبا بالنبي
الصالح والأخ الصالح قلت من هذا
قال هذا موسى ثم مررت بعيسى
فقال مرحبا بالنبي الصالح والأخ
الصالح قلت من هذا قال هذا عيسى
ثم مررت بإبراهيم فقال مرحبا
بالنبي الصالح والابن الصالح قلت
من هذا قال هذا إبراهيم قال ابن
شهاب فأخبرني ابن حزم أن ابن

باتیں بہت سی پرچھائیں تھیں جب دائیں جانب دیکھتا
تھا تو ہنستا تھا اور جب بائیں جانب نگاہ جاتی تھی تو روتا
تھا اس نے مجھے دیکھ کر کہا مرحبا اے نبی صالح اور اے
فرزند صالح میں نے جبریل سے پوچھا یہ کون ہیں انہوں نے
کہا یہ آدم ہیں یہ داہنے بائیں کی پرچھائیاں ان کی
اولاد کی روحیں ہیں داہنی جانب والے جنتی اور بائیں جانب
والے دوزخی ہیں اس لئے جب داہنی جانب دیکھتے ہیں
تو ہنستے ہیں اور جب بائیں نگاہ کرتے ہیں تو روتے ہیں پھر
جبریل مجھے دوسرے آسمان پر لیکر چڑھے وہاں کے
داروغہ سے کہا کھولو اس داروغہ نے بھی اسی قسم کا سوال
و جواب کیا اور اس نے دروازہ کھول دیا ——— حضرت انس
نے کہا حضرت ابوذر نے بیان کیا کہ حضور علیہ السلام نے
آسمانوں میں حضرت آدم ادریس موسیٰ عیسیٰ اور ابراہیم کو پایا
لیکن ابوذر نے مجھ سے پیغمبروں کے منازل کی تعیین نہیں
بیان کی۔ البتہ اتنا انہوں نے بیان کیا کہ حضور نے آسمان
اول پر آدم علیہ السلام کو اور آسمان ششم پر ابراہیم کو
پایا ——— حضرت انس نے کہا حضرت جبریل علیہ السلام
حضور کو لئے ہوئے ادریس پیغمبر کے پاس سے گذرے تو
انہوں نے کہا مرحبا اے نبی صالح اور اے بھائی صالح میں نے
جبریل سے پوچھا یہ کون ہیں انہوں نے کہا یہ ادریس ہیں پھر
میں موسیٰ پر سے گذرا تو انہوں نے کہا اے نبی صالح اور اے
بھائی صالح میں نے پوچھا یہ کون ہیں انہوں نے کہا یہ موسیٰ ہیں
پھر میں عیسیٰ پر سے گذرا تو انہوں نے کہا اے نبی صالح اور بھائی
صالح میں نے پوچھا یہ کون ہیں جبریل نے کہا یہ عیسیٰ ہیں
پھر میں ابراہیم پر سے گذرا تو انہوں نے کہا مرحبا
اے نبی صالح اے بیٹے صالح میں نے پوچھا یہ کون ہیں
جبریل علیہ السلام نے جواب دیا یہ ابراہیم خلیل ہیں۔
ابن شہاب نے کہا مجھے ابوبکر حازم
نے خبر دی کہ عبد اللہ بن عباس اور ابو حبہ عامر بن عمرو

عَبَّاسٍ وَّاَبَا حَبَّةَ الْاَنْصَارِیَّ كَانَا
يَقُوْلَانِ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ ثُمَّ عُرِجَ بِيْ حَتّٰى ظَهَرْتُ
لِمُسْتَوًى اَسْمَعُ فِيْهِ صَرِيْفَ الْاَقْلَامِ
قَالَ ابْنُ حَزْمٍ وَاَنَسُ بْنُ مَالِكٍ قَالَ
النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَفَرَضَ
اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ عَلٰى اُمَّتِيْ خَمْسِيْنَ صَلٰوةً
فَرَجَعْتُ بِذٰلِكَ حَتّٰى مَرَرْتُ عَلٰى مُوْسٰى
فَقَالَ مَا فَرَضَ اللّٰهُ لَكَ عَلٰى اُمَّتِكَ
قُلْتُ فَرَضَ خَمْسِيْنَ صَلٰوةً قَالَ فَارْجِعْ
اِلٰى رَبِّكَ فَاِنَّ اُمَّتَكَ لَا تُطِيْقُ فَرَاجَعَنِيْ
فَوَضَعَ شَطْرَهَا فَرَجَعْتُ اِلٰى مُوْسٰى
قُلْتُ وَضَعَ شَطْرَهَا فَقَالَ رَاجِعْ رَبَّكَ
فَاِنَّ اُمَّتَكَ لَا تُطِيْقُ ذٰلِكَ فَرَاجَعْتُ
فَوَضَعَ شَطْرَهَا فَرَجَعْتُ اِلَيْهِ فَقَالَ
ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَاِنَّ اُمَّتَكَ لَا تُطِيْقُ
ذٰلِكَ فَرَاجَعْتُهٗ فَقَالَ هِيَ خَمْسٌ وَّهِيَ
خَمْسُوْنَ لَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ
فَرَجَعْتُ اِلٰى مُوْسٰى فَقَالَ رَاجِعْ رَبَّكَ
فَقُلْتُ اسْتَحْيَيْتُ مِنْ رَّبِّيْ ثُمَّ انْطَلَقَ
بِيْ حَتّٰى انْتَهٰى بِيْ اِلٰى سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى
وَغَشِيَهَا اَلْوَانٌ لَا اَدْرِيْ مَا هِيَ ثُمَّ
اُدْخِلْتُ الْجَنَّةَ فَاِذَا فِيْهَا حَبَايِلُ اللُّؤْلُؤِ
وَاِذَا تُرَابُهَا الْمِسْكُ

(بخاری)

انصاری دونوں کہتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
پھر جبریل مجھے لے کر چڑھے یہاں تک کہ میں ہموار
مقام پر پہنچا۔ جہاں قلم (قدرت) کے چلنے کی آواز
سنائی دیتی تھی ——— ابن حزم اور انس بن مالک
نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس وقت خدا
تعالیٰ نے میری امت پر پچاس وقت کی نمازیں فرض
کیں۔ میں یہ عطیہ روحانی لے کر حضرت موسیٰ کے پاس
سے گزرا۔ تو انہوں نے پوچھا۔ خدا نے آپ کی امت پر
کیا فرض کیا۔ میں نے کہا پچاس وقت کی نمازیں حضرت
موسیٰ نے کہا۔ اپنے رب کے پاس دوبارہ جائیے
آپ کی امت اس کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ میں بحضور
الٰہی حاضر ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ایک حصہ کم کر دیا پھر
موسیٰ کے پاس آیا۔ اور کہا اللہ نے ایک حصہ نمازیں
کم کر دی ہیں۔ حضرت موسیٰ نے کہا۔ دوبارہ خدا کے
پاس جائیے آپ کی امت اس کی بھی طاقت نہیں رکھتی میں
واپس ہوا تو اللہ عزوجل نے ایک حصہ کی پھر تخفیف کر دی پھر
میں موسیٰ کے پاس آیا تو انہوں نے کہا اپنے رب کے پاس پھر
جائیے آپ کی امت میں اس کی بھی قوت نہیں پھر میں بحضور الٰہی
حاضر ہوا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ نمازیں پانچ ہیں اور حقیقت میں
پچاس ہیں میرے ہاں بات نہیں بدلا کرتی۔ پھر میں موسیٰ کے
پاس آیا تو انہوں نے تخفیف مزید کے لئے پھر جانے کو
کہا مجھے شرم آتی ہے ——— پھر جبریل مجھے لے کر چلے
حتیٰ کہ سدرۃ المنتہیٰ تک مجھے پہنچایا وہاں کئی طرح کے رنگ چھا رہے
تھے جنہیں میں نہیں جانتا وہ کیا تھے پھر
مجھے جبریل جنت میں لے گئے پس وہاں کی عمارتیں موتیوں
کی تھیں اور اس کی مٹی مشک کی ہے۔

فوائد و مسائل | اس حدیث کو امام بخاری نے صحیح بخاری حج، بدء الخلق، احادیث الانبیاء اور باب قول تعالیٰ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا میں بھی ذکر کیا ہے اور مسلم نے ایمان میں ترمذی نے تفسیر میں نسائی نے صلوٰۃ میں ذکر کیا۔

(۲) حدیث ہذا کی عنوان سے مناسبت بالکل ظاہر ہے یعنی اس میں فرضیت نماز کی کیفیت کا بیان ہے۔ یہ حدیث معراج

عصاء کے متعلقات پر مشتمل ہے۔ اگر تمام اور پر بحث کی جائے تو اس کے لئے دفتر درکار ہے چند ضروری امور بیان کئے جاتے ہیں۔
اجبریل امین سونے کا طشت لائے اور اس کے سرمایہ کو سینہ نبوی میں رکھ دیا۔ اس سے سونے چاندی کے برتنوں کے استعمال کا جواز ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہ فعل جبریل امین کا ہے۔ اور یہ ضروری نہیں ہے کہ جو احکام ان کے لئے ہیں وہ ہمارے لئے بھی ہوں۔ اس کے علاوہ سونے چاندی کے ظروف کے استعمال کی حرمت مدینہ میں ہوئی۔ اور یہ واقعہ اس سے قبل رہے دو: شق صدر بھی عجیب شان سے ہوا۔ نہ کسی نشتر کا استعمال ہوا اور نہ کسی قسم کی تکلیف، پھر قلب مبارک کو نکالا گیا مگر اس کے باوجود حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات جسمانی میں کوئی تغیر نہیں ہوا ــــــــ
بعض علماء نے فرمایا معراج کی شب جو شق صدر ہوا یہ سیر ملکوت اور مشاہدہ حق کے لئے ایک قسم کا وضو تھا۔

شق صدر کے متعلق یہ تو قطعی بات ہے کہ واقع ہوا۔ تمام صحیح روایتوں سے ثابت ہے اور اس کے متعلق کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ البتہ جزئیات کی تفصیل اور وقت کی تعیین میں اختلاف ہے مگر یہ اختلاف ایسا نہیں جو مسئلہ کی اصل حیثیت پر اثر انداز ہو۔ روایتوں کے جمع کرنے سے پانچ مختلف اوقات میں آپ پر اس کیفیت کا طاری ہونا ظاہر ہوتا ہے:۔

اول: جب کہ آپ کی عمر مبارک پانچ سال کی تھی اور آپ حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں پرورش پا رہے تھے۔
دوم: جب کہ آپ کی عمر شریف دس برس کی ہوئی۔
سوم: جب کہ آپ بیس برس کی عمر کو پہنچے
چہارم: شب معراج جس کا ذکر حدیث زیر بحث میں ہے

لیکن تیسری کیفیت کے گزرنے کو محدثین بلکہ خود ارباب سیر نے بھی غیر ثابت قرار دیا ہے۔ باقی چار موقعوں کو علامہ ابن حجر علیہ الرحمۃ نے فتح الباری جلد ۱ صفحہ ۳۹۰ میں بیان کیا ہے۔ اور ہر اختلاف روایت کو ایک بنیاد اور تسلیم کر کے مختلف روایتوں میں توفیق و تطبیق دی ہے (زرقانی جلد ۱ ص ۱۸۱)

جن لوگوں نے شق صدر کی روایات پر تنقید کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اصل شق صدر ایک بار ہی ہوا یعنی صرف شب معراج میں۔ اور باقی روایتوں کو مجروح یا راویوں کا سہو قرار دیا ہے۔ اس کا اصل محرک صرف یہ ہے کہ جب سینہ اقدس کو ایک بار پاک و صاف اور روشن و منور کر دیا گیا۔ تو بار بار اس کیفیت کے طاری کرنے سے فائدہ؟ اور یہ کہ ایک بار جو چیز پاک و منور ہو جائے دوبارہ پاکی و طہارت کی محتاج نہیں رہتی؟

لیکن ان کا یہ خیال الٰہی حکمتوں کے نہ سمجھنے کی بنا پر ہے۔ اگر متعدد اوقات میں شق صدر کی روایات صحیح ہیں۔ تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ ہم ان کو الگ الگ واقعہ تسلیم نہ کریں ــــــــ رہا یہ سوال کہ سینہ اقدس کا پاک و صاف ہو کر روشن و منور ہو جانا ایک ہی دفعہ ہو سکتا ہے۔ اور یہ کہ علم و حکمت سے جب سینہ اقدس پُر کر دیا گیا۔ تو دوبارہ سہ بارہ اس کا محتاج نہیں ہو سکتا۔ یہ محض ایک غلط اندازہ ہے کیونکہ علم و حکمت، پاکی و طہارت، روشنی، نور کوئی محدود چیز نہیں ہے بلکہ اس کی وسعت کا اندازہ فہم انسانی سے بالاتر ہے۔

اگر اللہ عزوجل نے اپنے رسول مکرم کے سینہ اقدس، قلب مقدس کو ایک بار نہیں بلکہ کئی بار بھی علم و حکمت سے بھرا اور روشن و منور فرمایا ہو تو یہ کوئی ایسی بات نہیں جو کھٹکے۔ کیونکہ علم و حکمت، سکینت، رحمت، شفقت، ایمان و

عرفانی ایسی چیزیں ہیں جنہیں ناپا تو لا نہیں جا سکتا اور نہ ان کی کوئی حد یا وزن مقرر کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا ایک وفور علم و حکمت سے لبریز کر دینے کے بعد علم و حکمت میں مزید توسیع کے لئے اور پاکیزگی و طہارت میں مزید زیادتی کے لئے بھی شق صدر ہو سکتا ہے۔

شق صدر واقعی ایک حقیقی کیفیت تھی یا اس کا تعلق روحانی عالم سے تھا جو لوگ شق صدر کو عالم روحانی سے قرار دیتے ہیں۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ شق صدر کی تمام مستند مجروح روایات میں جن امور کا سینۂ اقدس سے نکالے جانے کا بیان ہے جیسے حسد، بغض وغیرہ اور جن امور کا اس میں رکھا جانا بیان ہوا ہے جیسے سکینہ (تسلی)، رحمت و شفقت، ایمان و حکمت وغیرہ ان میں سے کسی چیز کا تعلق جسمانیت سے نہیں۔ لہٰذا یہ عالم برزخ کے حقائق ہیں۔ جہاں روحانی کیفیات جسمانی اشکال میں اسی طرح نظر آتی ہیں۔ جس طرح حالتِ خواب میں تمثیل واقعات جسمانی رنگ میں نمایاں ہوتے ہیں۔ اور جہاں معنی اجسام کی صورت میں متشکل ہوتے ہیں۔

چنانچہ حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے فرمایا:۔

> "لیکن سینہ کا چاک کرنا اور اس کو ایمان سے بھرنا اس کی حقیقت انوار ملکیہ کا روح پر غلبہ پانا اور طبیعت کے شعلہ کو بجھ جانا اور عالم بالا سے جو فیضان ہوتا ہے اس کے قبول کے لئے طبیعت کا آمادہ ہو جانا ہے۔ (حجۃ اللہ البالغہ جلد ۲ ص ۲۰۵ عربی)

لیکن یہ ایک تاویل ہے۔ اور حدیث کے الفاظ جب بالکل صاف و صریح ہیں۔ اور اس میں شق صدر کے تمثیلی ہونے کی تصریح بھی نہیں ہے تو اس کو تمثیل قرار دینے کی ضرورت بھی کیا ہے۔ جب حضورؐ یہ فرماتے ہیں کہ:۔

> "میرا سینہ چاک کیا گیا۔ زمزم سے دھو کر سونے کے طشت میں علم و حکمت لایا گیا۔ اس کا سرا پہ میرے سینہ مبارک میں بھر دیا گیا۔ اور شگاف پر کر دیا گیا"

تو ہمیں ماننا چاہیئے کہ واقعی ایسا ہوا ہے اور اسی عالم میں ہوا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے۔

بہر حال شق صدر کی حقیقت و ماہیت خواہ کچھ بھی ہو اس کا نتیجہ بالکل واضح ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ حضور سید عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم و فہم انسانی تعلیم و تعلم اور اس کی حکمت و دانائی سے پاک و منزہ ہے۔ وہ اپنے اخذ نتائج اور اثبات دعویٰ کے لئے گذشتہ تجربات اور منطق کے استقراء و تمثیل اور ترتیب مقدمات کے ممنون نہیں ہیں۔ بلکہ وہ جو کچھ جانتے اور سمجھتے ہیں اس کا منبع و سرچشمہ تعلیم الٰہی، افاضۂ ربانی اور فہم ملکوتی ہے ۔

ایسا ای کس نے حضور کش استاد ہو   کیا کیفیت اس کو اور ملک اکرم نہیں

حکمت کا لفظ نہایت معنی خیز ہے۔ اور انبیاء کرام علیہم السلام کو بدرگاہ خداوندی سے جو نعمتیں عطا ہوتی ہیں ان میں ایک خاص اور نہایت ہی اہم نعمت ہے۔ قرآن پاک میں متعدد انبیاء کرام علیہم السلام کے تذکرہ میں یہ اعلان کیا گیا کہ انہیں کتاب و حکمت دی گئی۔ حضور علیہ السلام کے لئے فرمایا گیا:۔

وَاَنْزَلَ اللّٰہُ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ | اللہ نے آپ پر کتاب اور حکمت نازل کی (نساء ۱۱۳)

عرب کی مبسوط و مستند کتاب لسان العرب میں ہے :۔

والحکمة عبارة عن معرفة افضل الاشیاء بافضل العلوم	اور حکمت بہترین چیز کو بہترین علم کے ذریعے جاننے کو کہتے ہیں۔

حضرت امام راغب اصفہانی مفردات میں فرماتے ہیں :۔

والحکمة اصابة الحق بالعلم والعقل الحکمة من اللہ تعالیٰ معرفة الاشیاء وایجادها علی غایة الاحکام ومن الانسان معرفة الموجودات وفعل الخیرات (مفردات مصری)	اور حکمت علم اور عقل کے ذریعے حق اور صحیح بات کو پہنچنا ہے تو اللہ تعالیٰ کی حکمت چیزوں کا جاننا اور ان کو کمال و خوبی پیدا کرنا ہے اور انسان کی حکمت موجودات کو جاننا اور اچھی باتوں کو کرنا ہے۔

امام مجاہد نے فرمایا الحکمة فهم القرآن۔ حکمت قرآن کا فہم ہے۔ امام مالک و ابو رزین نے فرمایا۔ حکمت دین میں سمجھ اور اس فہم کو کہتے ہیں (هو سجية ونور من اللہ تعالیٰ) جو پاک ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نور ہے۔ لیکن بعض نے کہا الحکمة وضع الاشیاء مواضعها۔ اشیاء کو ان کی مناسب جگہ پر رکھنا حکمت ہے (تفسیر بحر المحیط مصری ج ۱ ص ۳۹۳)

ابن زید نے کہا الحکمة الدین الذی لا یعرفونه الا به حکمت دین کا وہ حصہ ہے جو صرف رسول کے ذریعے سے ہی معلوم ہوتا ہے۔ امام قتادہ نے فرمایا۔ حکمت سے مراد سنت نبوی ہے۔ امام طبری نے فرمایا کہ حکمت حکم سے ماخوذ ہے بمعنی الفصل بین الحق والباطل جس کے معنی حق اور باطل میں تمیز کرنے کے ہیں (ابن جریر طبری)

سیدنا امام شافعی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ حکمت سنت رسول ہے اس کے بعد فرماتے ہیں :۔

وسنة الحکمة التی فی روعه من اللہ تعالیٰ (کتاب الرسالہ)	اور حضور علیہ السلام کی سنت وہ حکمت ہے جو آپ کے دل میں خدا کی طرف سے ڈالی گئی

غرضیکہ حکمت ایک اعلیٰ فہم دینی عقل نورانی قوت ہے۔ جو بشر کی عقل سے فوق ہے۔ اور جس کے ذریعہ نبی وحی کی تشریح اسرار شریعت و دقائق حکمت کی توضیح مجمل و مبہم امور کی تبیین، حق و باطل میں تمیز اور اشیاء کو ان کے مناسب مقام پر رکھتا ہے اور مرضی الٰہی کی ترجمانی فرماتا ہے ________ حکمت چونکہ معرفت اور نور الٰہی ہے جو جد و جہد اور سعی و محنت سے حاصل نہیں ہوتی۔ بلکہ خداوند قدوس کی عطا و بخشش سے حاصل ہوتی ہے اور دوسری ربانی استعداد اور فطری بخششوں کی طرح حکمت کا عطیہ بھی سب کو یکساں نہیں ملتا بلکہ حسب استعداد معمولی حکمت سے لے کر اعلیٰ ترین اور کامل ترین حکمت لوگوں کو عطا ہوتی ہے۔ اور یہ فیض حسب استعداد نبی کے اتباع میں دوسروں کو بھی ملتا ہے (اسی لئے فرمایا۔ رشک اس پر کیا جا سکتا ہے۔ واتاہ اللہ الحکمة۔ بخاری) جس کو اللہ نے حکمت عطا فرمائی) مگر کامل ترین اور اعلیٰ ترین درجہ صرف انبیائے کرام علیہم السلام کو حاصل ہوتا ہے اور کامل ترین سے کامل ترین اور اعلیٰ سے اعلیٰ ترین درجہ و مرتبہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوا ہے۔ جس کا حدیث زیر بحث میں بھی ذکر ہے۔

یہ عطیہ حکمت کا ہی نتیجہ ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام فیصلے اور حکیمانہ تعلیمات تمام تر وحی ربانی

کی عملی و زبانی تفسیر و تشریح ہیں ——————— یہ اسی حکمت کے ثمرات ہیں کہ

قیود زمانی و مکانی کے دنیاوی خول میں سے آپ مستثنیٰ ہیں۔ زمین پر جلوہ فرما ہوتے ہوئے عالم ملکوت کا مشاہدہ فرماتے ہیں عرش و فرش کے مناظر مخفیہ بے حجابانہ آپ کے سامنے آجاتے ہیں۔ آپ کے احساس و ادراک کی قوتیں اس قدر بلند ہیں کہ جو چیزیں عام انسانوں کو نظر نہیں آتیں۔ وہ آپ کو نظر آتی ہیں۔ عام انسان جن کو نہیں سن سکتے۔ حضور اس کو بھی سن لیتے ہیں حتی کہ خود خلوت گاہ قدس میں پہنچ کر مشاہدۂ حق سے سرفراز ہوتے ہیں۔

شب معراج میں ارواح مومنین و کفار کا اجتماع

حضرت آدم علیہ السلام کے داہنی جانب جنتیوں کی روحیں اور بائیں جانب دوزخیوں کی روحیں تھیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کفار کی روحیں سجین میں اور مومنین کی روحیں علیین میں ہوتی ہیں۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لا تفتح لهم ابواب السماء یعنی ارواح کفار کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھلتے۔ اور وہ رد کر دی جاتی ہیں سجین کی طرف۔ تو معراج کی شب آسمان اول پر کافروں کی روحیں کیسے جمع ہو گئیں۔ شارحین کرام نے اس اشکال کے متعدد جواب دئیے ہیں (دیکھئے عینی جلد دوم۔ فتح الباری و قسطلانی) جن میں سے ایک جواب یہ ہے کہ ارواح کے حق میں قرب و بعد بکہ تعدد امکنہ حالت واحدہ میں جائز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ارواح مومنین علیین میں ہوتے ہوتے بھی قبر والے کو سلام سنتی ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام چھٹے آسمان پر ہیں۔ مگر اس کے باوجود حضور علیہ السلام نے انہیں شب معراج اپنی قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا قرآن مجید میں ہے فاطلع فراٰه فی سواء الجحیم۔ ایک جنتی نے جنت سے جھانکا تو دیکھا کہ اس کا ساتھی دوزخ میں ہے۔ حالانکہ دوزخ و جنت کے درمیان لاکھوں کروڑوں میل کا فاصلہ ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ عالم ارواح ہمارے عالم کے قوانین سے مستثنیٰ ہے۔ وہاں اوپر نیچے قریب و بعید کی حدیں اور جہتیں نہیں ہیں۔ لہٰذا ارواحِ کفار کا سجین میں ہونا جو زمین کے نیچے ہے۔ اور ارواح مومنین کا علیین میں ہونا جو آسمانوں کے اوپر ہے اس امر کا مانع نہیں ہو سکتا کہ حضرت آدم علیہ السلام کے داہنے بائیں حضور علیہ السلام نے ارواح مومنین و کفار کو ملاحظہ فرمایا۔ کیونکہ عالم ارواح قرب و بعد، تحت و فوق کے قوانین سے مستثنیٰ ہے۔

نیز الفاظ حدیث سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ ازل تا آخر تمام ارواح کا اجتماع ہوا۔ حتیٰ کہ وہ روحیں بھی جو اب تک یا اس وقت تک اس دنیا میں نہیں آئی تھیں۔ ان کو بھی ملاحظہ فرمایا۔ اور ان تمام ارواح اولین و آخرین کے اجتماع میں حکمت یہ تھی۔ کہ تمام ارواح بشری میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ و مقام کا اظہار ہو جائے کہ یہ وہ ہستی مقدس ہیں کہ ان کو وہ کچھ دکھایا جا رہا ہے۔ جو سب کی حد نظر سے مستور رہا ہے اور وہ کچھ دیا جا رہا ہے جو اس سے قبل کسی کو نہیں دیا گیا۔

مختلف آسمانوں پر الگ الگ انبیاء کرام کی ملاقات متعدد حکمتوں پر مبنی تھی۔ ایک حکمت یہ بھی تھی جس طرح شاہان عالم معزز مہمان کے اکرام کے لئے سارے راستہ میں اپنے دربار کے امراء کو مقرر کرتے ہیں۔ اسی طرح بتشیل حضور کے اعزاز و اکرام کے لئے ان انبیاء کرام کو تعینی آسمان اول سے آسمان ہفتم تک کیا گیا۔

علامہ قسطلانی نے فرمایا۔ یہ جو آسمان پر پہنچنے کے بعد جب جبریل امین نے بتایا کہ حضور میرے ساتھ ہیں بحکم خدا آئے ہیں۔ تب وہاں نے دروازہ کھولا۔ اس میں حکمت یہ تھی کہ اگر دروازے پہلے ہی کھلے ہوئے ہوتے تو اس وقت حضور کے لئے خصوصی طور پر دروازوں کا کھولا جانا ثابت نہ ہوتا۔

اسراء کے معنی رات میں چلانے یا لے جانے کے ہیں۔ چونکہ حضرت سید المرسلین خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا یہ معجزانہ سموات میں ہوا۔ اس لئے اس کو اسراء کہتے ہیں۔ قرآن پاک نے بھی آپ کے اس سفر کو اسریٰ سے تعبیر کیا۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا | پاک ہے اس ذات کو جو رات کے ایک حصے میں اپنے بندہ کو لے گیا

سبحان اللہ! لے جانے والا کون ہے؟ رب العالمین اور جانے والے کون ہیں؟ رحمۃ للعالمین۔ اور بات بھی یہی ہے خود جانے میں مزہ نہیں چلے جانے میں لطف ہے ؎

طور اور معراج کے قصے سے ہوتا ہے عیاں　　اپنا جانا اور ہے ان کا بلانا اور ہے

علامہ قسطلانی نے لکھا ہے کہ بعض علماء نے لقد رای من آیات ربہ الکبریٰ کہ حضور نے اپنے رب کی بڑی نشانیاں دیکھیں۔ اس کی تفسیر یہ کی ہے کہ خود حضور نے ملکوت میں اپنی ذات مبارکہ کی صورت ملاحظہ فرمائی فذاھو عروس المملکۃ، تو اپنے کو عروس مملکت پایا (مواہب ج ۲ ص ۔۔)

شب معراج افضل ہے لیلۃ القدر

اس کے متعلق ابو امامہ ابن النقاش فرماتے ہیں۔ کہ شب معراج حضور کے حق میں تمام راتوں سے افضل ہے۔ کیونکہ اس شب مبارک میں حضور نے آیات الٰہیہ کا مشاہدہ فرمایا۔ اور لیلۃ القدر امت کے لئے بہترین رات ہے کیونکہ اس میں اعمال کی فضیلت آئی ہے (مواہب لدنیہ)

مگر میں کہتا ہوں کہ جب شب معراج حضور کے حق میں افضل ہے تو امت کے حق میں بطریق اولیٰ افضل ہونی چاہیئے۔ اگر شب معراج میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مراتب میں اضافہ ہوا ہے۔ تو آپ کے صدقے میں امت کا مرتبہ بھی بڑھا ہے۔

حضرت محی الدین ابن عربی نے فرمایا کہ جب اللہ نے یہ چاہا کہ اپنے حبیب کو اپنی آیات دکھائے۔ تو آپ کو ملکوت کی سیر کرائی۔ حتیٰ کہ آپ اس مقام پر پہنچے۔ جہاں قلم قدرت کے چلنے کی آواز آرہی تھی اس کے بعد حضور تنہا رہ گئے۔ جبریل۔ براق۔ رفرف ان سے بھی آپ کا کوئی تعلق نہ رہا۔ اس وقت آپ کو نور میں غوطہ دیا گیا۔ اور ندا آئی ٹھہریئے آپ کا رب آپ پر صلوٰۃ فرماتا ہے۔

صلوٰۃ کے بعد حضور کو بارگاہ ایزدی میں حضوری کا شرف حاصل ہوا۔ پھر اپنی بارگاہ خاص میں اللہ نے اپنے محبوب سے گفتگو فرمائی جو فرمائی۔

وکان ھذا الاسراء بجسدہ الشریف | اور یہ معراج حضور کو آپ کے جسم اقدس کے ساتھ ہوئی (زرقانی علی المواہب ج ۶ ص ۳۱)

معراج جسمانی کے بعض بزرگ شیخ نے ایک دلیل یہ دی ہے کہ جب حضور اس مقام پر پہنچے جہاں تنہا رہ گئے تو آپ کو وحشت ہوئی۔ پھر اس وقت آپ کو نور میں غوطہ دیا گیا۔ تو یہ معراج جسد مبارک کے ساتھ تھی

مجھی تو آپ کو وحشت ہوئی۔ کیونکہ ارواح مجردہ کو وحشت نہیں ہوتی۔

فان الارواح المجردة لا توصف بالوحشة

امام شعرانی فوائد معراج کے سلسلے میں فرماتے ہیں: شب معراج حضور علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ پھر آپ نے ان کو چھٹے آسمان پر دیکھا۔ اسی طرح دیگر انبیاء کرام کو ملاحظہ فرمایا جس سے ایک جسم کا آن واحد میں متعدد مقام پر ہونا ثابت ہوتا ہے۔

نیز یہ شبہ نہ کیا جائے کہ انبیاء تو اپنی قبروں میں ہیں۔ اور آسمان پر حضور نے انبیاء کی روحوں کو دیکھا۔ اس شبہ کے غلط ہونے کی دلیل یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے یہ نہیں فرمایا کہ میں نے بیت المقدس میں یا آسمانوں پر آدم و موسیٰ یا عیسیٰ کی روحوں کو دیکھا۔ بلکہ ہر مقام پر آپ نے فرمایا کہ میں نے آدم کو دیکھا، ابراہیم کو دیکھا جیسے روح مع الجسم کے ساتھ دیکھا۔ حضرت موسیٰ سے تو حضور نے طویل گفتگو بھی فرمائی۔ حالانکہ یہ انبیاء اپنی قبروں میں موجود تھے۔ جیسا کہ حدیث میں وارد ہے۔ اب وہ شخص جو ایک جسم کے آن واحد میں متعدد جگہوں پر موجود ہونے کا منکر ہے میں پوچھتا ہوں کہ اس حدیث معراج پر تیرا ایمان کیونکر ہو سکتا ہے۔ اگر تو مومن ہے۔ تو تجھے مضمون حدیث کو بغیر چون و چرا ماننا چاہیے۔ اور تسلیم کرنا چاہیے کہ ایک جسم آن واحد میں کئی جگہ موجود ہو سکتا ہے۔ اور اگر تو عالم ہے تو تجھے اعتراض نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ علم اس قسم کے اعتراضات سے روکتا ہے۔ اور اگر حقائق اشیاء کے علم سے تو بے خبر ہے تو اس کا علم حقیقی صرف اللہ کو ہے۔

اس کے بعد فرماتے ہیں کہ معترض اولیاء اللہ پر اعتراض کرتا ہے۔ کہ آن واحد میں ان کا متعدد مقامات پر ہونا ممکن نہیں۔ حالانکہ حضرت قضیب البان جو ایک ولی کامل تھے ایک ہی وقت میں متعدد جگہوں پر موجود ہو جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ یہ بات اس کی قدرت سے کچھ بعید نہیں ہے۔ (الیواقیت والجواہر ج۲ ص۳۴)

معراج جسمانی

(۱) اس پر سب کا اتفاق ہے کہ معراج بعثت اور آغاز وحی کے بعد ہجرت سے پہلے ہوئی۔ یہ واقعہ کو مسئلہ میں پیش آیا مہینہ کے تعیین کے متعلق اختلاف ہے۔ مگر رجب شریف کا مہینہ ہی جمہ
تے (۲) ہے۔ یہ معراج جسم اقدس اور روح مبارک کے ساتھ بحالت بیداری ہوئی۔ مسجد حرام سے عرش الٰہی یا جہاں تک اللہ نے چاہا۔ مسلسل ایک ہی معراج ہے۔ جمہور محدثین، فقہاء و متکلمین کا یہی مذہب ہے۔ اور اس سے عدول کسی طرح جائز نہیں۔ کیونکہ اس کے خلاف کوئی دلیل عقلی و نقلی موجود نہیں۔ بلکہ اس کے ثبوت دو طرح پر عقل و نقل شاہد عدل ہیں۔

(۱) قرآن حکیم میں ہے

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا (قرآن) | پاک ہے وہ خدا جو شب معراج اپنے بندے کو لے گیا

یہ آیہ مبارکہ اس امر کے اظہار میں نص صریح ہے کہ یہ واقعہ بیداری کا ہے اور روح مع الجسد کے ساتھ ہے۔ اگر یہ خواب ہوتا تو اس کی تصریح کردی جاتی۔ عبدہ کی جگہ روحہ ہوتا۔ اسریٰ کے لفظ کو بھی استعمال نہ کیا جاتا۔ تو جب الفاظ قرآن میں خواب کی تصریح ہی نہیں ہے۔ تو ایسی صورت میں اس کو خواب قرار دینا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔

اس کے علاوہ عبد کا اطلاق جسم و روح دونوں کے مجموعہ پر آتا ہے۔ تنہا روح کو عبد نہیں کہا جاتا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ روح و جسم دونوں کے مجموعہ کو معراج مانی جائے چنانچہ

سبحان الذی اسریٰ بعبدہ

وانہ لما قام عبد اللہ یدعوہ

یہ دونوں آیتیں بھی اس امر پر شاہد ہیں کہ عبد کا اطلاق او وہ بالذات روح مع الجسد پر ہی آتا ہے۔ جب تک کوئی قرینہ خارجی اس کے مساوی نہ ہو۔ مجازی معنی لینا درست نہیں ہو سکتے۔

(۳) واقعات معراج میں حضورؐ نے یہ الفاظ بھی ارشاد فرماتے ہیں:-

عرج بی لیلۃ اسریٰ بی (الخ) | جس رات مجھے سیر کرائی گئی میں براق پر سوار تھا جبریل میرے ساتھ تھے میں نے دودھ کا پیالہ پیا

یہ سب جسم کے خواص ہیں نیز اسریٰ فعل ہے۔ اور افعال میں اصل یہ ہی ہے۔ کہ وہ بیداری پر محمول ہوں جب تک خلاف اصل پر کوئی دلیل قائم نہ ہو۔ اصل سے عدول جائز نہیں سوار ہونا۔ پینا۔ جبریل کا ساتھ ہونا یہ سب روح و جسم کے خواص ہیں۔ روح کے متعلق یہ کوئی نہیں کہتا کہ روح سوار ہوئی وغیرہ وغیرہ۔ لہٰذا یہ معراج روح مع الجسد کے ساتھ تھی۔

(۴) اگر معراج رویا یا خواب ہوتا تو کفار اس کی تکذیب کیوں کرتے۔ خواب میں تو محال سے محال چیز بھی نظر آتی ہے اور جب سنائی جاتی ہے تو کوئی اس پر تعجب نہیں کرتا۔ اگر یہ واقعہ خواب ہوتا۔ تو اس میں تعجب کی کون سی بات تھی؟

(۵) نیز قرآن نے اس مشاہدہ معراج کو لوگوں کے لئے معیار آزمائش قرار دیا ہے۔ اور قرآن و حدیث نے اس واقعہ کو بڑی اہمیت کے ساتھ اظہار کیا ہے۔ اگر یہ خواب ہوتا تو اس میں آزمائش کی کون سی بات تھی اور اس پر ایمان لانا کیا مشکل تھا۔

(۶) پھر ان سب باتوں کے علاوہ دیکھنا تو یہ ہے کہ جس الذی اسریٰ کا فاعل سیر کرانے والا اور حضورؐ کو لے جانے والا کون ہے؟ اور اس کی طاقت کیا ہے ______ کیا وہ قادر۔ قدیر خدا نہیں ______ اگر ہے اور ضرور ہے پھر کیا وجہ ہے کہ اس کی قدرت کے اس کرشمہ کو ہم نہ تسلیم کریں۔ اور معراج کو روحانی قرار دے کر اس کی قدرت کے منکر ہو جائیں۔ خصوصاً ایسی صورت میں جبکہ قرآن سے جسمانی اور بیداری میں ہونا بھی پایا جاتا ہے۔ اور اس کے خلاف پر یہاں یا کسی دوسری آیت میں کوئی دلیل ہی نہیں ہے۔

معراج روحانی

معراج روحانی کے قائلین اس آیۂ مبارکہ سے استدلال کرتے ہیں:-

وما جعلنا الرؤیا التی اریناک الا فتنۃ للناس | ہم نے جو رویا تم کو دکھایا اس کو لوگوں کے لئے معیار آزمائش بنایا ہے۔

وہ کہتے ہیں رویا کے معنی خواب دیکھنے کے ہیں جمہور اہل سنت نے اس استدلال کے متعدد جواب دیئے ہیں۔

اول: اگر ہم یہ تسلیم کرلیں کہ یہ آیۂ مبارکہ معراج کے متعلق ہے۔ تو یہاں معراج کو خواب، مجازاً کہا گیا ہے۔

اور قرینہ یہ ہے کہ معراج جس سرعت کے ساتھ وقوع پذیر ہوئی۔ وہ خواب ہی کی طرح تھی۔ جیسے کہ خواب میں انتہائی طویل مسافت آنِ واحد میں طے ہو جاتی ہے۔ تو قرآن نے مجازاً رویاء کہہ کر اس امر کا اظہار کیا ہے۔ کہ یہ واقعہ انتہائی سرعت کے ساتھ پورا ہوا۔

دوم: یہ آیہ مبارکہ معراج کے متعلق نہیں ہے۔ بلکہ اس سے مراد بدر کا رویہ ہے۔ جو جبریل نے بحالت بیداری حضورؐ کو کفارِ بدر کی قتل گاہیں دکھائی تھیں۔ اور کفار نے اس بات کا مسخر اڑایا تھا۔ جبکہ آپ نے فرمایا تھا۔ کہ یہاں ابوجہل قتل ہو گا اور یہاں فلاں؛

سوم: رویہ اور رویت جیسے قربیٰ اور قربت دونوں ایک ہی چیز ہیں۔ رویاء سے مراد یہاں خواب ہے ہی نہیں۔ بلکہ آنکھ کا بحالت بیداری دیکھنا ہے۔ چنانچہ بخاری کی باب الاسریٰ میں حضرت ابن عباس سے مروی ہے آپ نے اس آیہ مبارکہ کی تفسیر میں فرمایا:-

هی رویاء عین اریها رسول الله صلی الله علیه وسلم لیلة اسری به الی بیت المقدس	یہ آنکھ کا دیکھنا تھا جو حضورؐ کو دکھایا گیا ہے جبکہ شب معراج آپ کو بیت المقدس لے جایا گیا

لهذا سیدنا ابن عباس جیسا مفسرِ اعظم رویا سے حقیقی آنکھ کا دیکھنا مراد لے رہا ہے۔ تو پھر یہی کہا جائے گا۔ کہ اس رویا سے مراد خواب نہیں ہے بلکہ بیداری کی حالت میں دیکھنا مراد ہے۔

وہ معراج کو خواب پر محمول کرنے والے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اس قول سے بھی استدلال کرتے ہیں:-

ما فقدت جسده الشریف	میں نے معراج کی رات حضورؐ کے جسم شریف کو گم نہیں کیا

جس کے بھی متعدد جواب علمائے امت نے دیئے ہیں:-

اوّل: واقعہ معراج جسمانی کے وقت حضرت عائشہ صدیقہؓ پیدا ہی نہ ہوئی تھیں۔ اور اگر حسب اختلاف روایت ان کی پیدائش ہو گئی تھی۔ تو یہ تفصیلی بات ہے۔ کہ وہ اس وقت آپ کی زوجیت سے مشرف نہیں ہوئی تھیں۔ جب وہ واقعہ معراج جسمانی کے وقت موجود ہی نہ تھیں۔ تو ان کا یہ قول معراج جسمانی کے متعلق کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔ اس لئے ان کا یہ قول دوسری معراجوں کے متعلق ہے جو روحانی تھیں۔ کیونکہ حضور کو متعدد معراجیں ہوئیں معراج ایک جسمانی تھی باقی روحانی؛

دوم: اہل تحقیق نے بر تقدیر صحت قول عائشہؓ اس کے یہ معنے کئے کہ جسم مبارک روح اقدس سے گم نہیں ہوا بلکہ ساتھ ہی رہا یعنی معراج روح مع الجسم کو ہوئی۔

سوم: ایک جواب یہ ہے کہ واقعہ معراج اس سرعت سے ہوا کہ ؎

زنجیر بھی ہلتی رہی بستر بھی رہا گرم ۔ ایک دم میں سرِ عرش گئے آئے محمد

تو حضرت عائشہؓ نے اسی سرعت کے اظہار کے لئے فرمایا۔ کہ میں نے حضورؐ کے جسد اطہر کو گم ہی نہیں کیا یعنی مجھے آپ کے جسم مبارک کے گم ہونے کا احساس ہی نہ ہوا۔ اور یہ محاورہ روزمرہ کا ہے۔ کہا کرتے ہیں اتنی جلدی کیسے آ گئے، تم تو آئے ہوئے تھے۔

تو واقعہ معراج کی سرعت کی وجہ سے آمد و رفت میں اتنی تیزی تھی کہ اس درمیان میں جدائی کے وقت کو

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے محسوس بھی نہ فرمایا۔ اور اسی کا یوں اظہار کیا ما فقدت میں نے تو سرکار کے جسد اطہر سے جدائی کو محسوس ہی نہ کیا!

معراج کے دو حصے جسمانی اور منامی

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ معراج شریف مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک بیداری کی حالت میں ہوئی۔ اور مسجد اقصیٰ سے آسمانی معراج خواب کی حالت میں ہوئی۔ اپنے اس دعویٰ کی دلیل یہ بیان کرتے ہیں کہ اگر تمام معراج بیداری کی حالت میں ہوتی۔ تو اللہ تعالیٰ ذکر معراج میں مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰى پر اکتفا نہ فرماتا۔ بلکہ آسمانی معراج کو بھی اس کے ساتھ بیان فرما دیتا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے معراج کی غایت مسجد اقصیٰ کو قرار دیا جس سے معلوم ہوا کہ بیداری کی حالت میں صرف مسجد اقصیٰ تک معراج ہوئی۔ آسمانی معراج بحالتِ خواب ہوئی ہے کہ اس استدلال کے بھی متعدد جوابات ہیں۔

اوّل یہ کہ اس میں شک نہیں کہ قرآن نے معراج کی غایت مسجد اقصیٰ کو قرار دیا ہے۔ لیکن یہ تفریق کرنا کہ مسجد اقصیٰ تک بیداری میں ہوئی اور اس کے بعد منامی۔ اس فرق و امتیاز کی قرآن نے تو کوئی تصریح نہیں کی۔ بلا دلیل اس امتیاز کو کیوں پیدا کیا جا رہا ہے۔ قرآن نے مسجد اقصیٰ کو معراج کی غایت قرار دیا ہے جس کو آپ بھی جسمانی مان رہے ہیں۔ اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد کے آسمانی سفر کو جن لفظوں میں بیان فرمایا ہے۔ وہ بھی جسمانی پر دلالت کرتے ہیں۔ لہٰذا معراج کے دونوں حصوں کو جسمانی ماننے میں کونسا تعذر ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ قرآن نے مسجد اقصیٰ تک معراج کو کیوں بیان فرمایا۔ تو اس کی حکمت کفار قریش کا وہ سوال ہے۔ جو انہوں نے واقعہ معراج کی تحقیق کے لئے بیت المقدس کی بابت حضور سے کیا تھا۔ انہوں نے کہا تھا کہ اگر آپ ایک شب میں خانہ کعبہ سے بیت المقدس گئے ہیں۔ تو بتایئے بیت المقدس کی ہیئت کیا ہے۔ ان کفار کو معلوم تھا کہ حضور نے بیت المقدس کا سفر نہیں کیا ہے۔ ایسی صورت میں جب وہ آپ بیت المقدس کا حال بتا دیں گے۔ تو یہ بات معراج کی صداقت پر ان کے حق میں دلیل بن جائے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے آسمانوں کے متعلق سوال نہیں کیا۔ کیونکہ کفار نہ آسمان پر گئے تھے۔ اور نہ وہاں کی چیزوں کو معلوم تھیں۔ تو اب واضح ہو گیا۔ کہ قرآن میں مسجد اقصیٰ کے ساتھ تخصیص کی اصل حکمت بیت المقدس کے متعلق کفار کا سوال تھا۔ یہ نہیں کہ معراج جسمانی کی غایت مسجد اقصیٰ ہے۔ اس کے علاوہ یہ بات ہے۔ کہ قرآن صرف اصول دیتا ہے۔ اور اپنے اصول کی خود تشریح نہیں کرتا۔ یہی وجہ ہے۔ کہ سورۂ نجم میں زمین و آسمان کی پوری معراج مذکور ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ مسجد اقصیٰ تک کی معراج تفصیلاً مذکور ہے اور مسجد اقصیٰ سے آسمانوں تک کی معراج اجمالاً ارشاد ہوتا ہے کہ۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا	پاک ہے وہ خدا جو شب معراج اپنے بندے کو رات میں کچھ حرام سے مسجد اقصیٰ کی طرف لے گیا۔

آیت کے اس حصہ میں مسجد حرام (خانہ کعبہ) سے بیت المقدس (مسجد اقصیٰ) کی معراج کا تفصیلی ذکر ہے۔ جس کو

اَلَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَهٗ تک بیان کیا گیا ہے۔ اس کے بعد یہ جملے،

لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا	تاکہ دکھائیں اس کو ہم اپنی آیتیں

اس حصہ میں آسمانی معراج کا اجمالی ذکر ہے، کیونکہ آیت، نشانی سے مراد آسمانی نشان ہیں۔ مثلاً جنت و
لوح و قلم، سدرہ، کوثر اور دیگر آسمانی عجائب و غرائب، پھر

اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ	بےشک وہی سننے والا دیکھنے والا ہے

یہاں اس قرب خاص کا ذکر ہے۔ جس کو بیان آیہ مبارکہ ثُمَّ دَنٰی فَتَدَلّٰی فَكَانَ قَابَ قَوْسَیْ
اَوْ اَدْنٰی میں فرمایا گیا۔ الغرض آیۂ اسریٰ میں معراج کے دونوں حصوں کا بیان ہے۔ جب اس کا پہلا
بیداری میں اور جسمانی ہے۔ تو دوسرا بھی یقیناً جسمانی ہی ہے ——— نیز آسمانی معراج اور وہ قر
خاص جو حضور کو حاصل ہوا اس کو اجمال کے ساتھ ہی بیان کرنا اولیٰ تھا۔ کیونکہ الفاظ و حروف میں وہ صلاحیت
استعداد کہاں ہے۔ جو اس کیفیت کو بیان کر سکیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ خدا قادر نہ تھا۔ وہ تو قاد
مگر عقل انسانی اس کے ادراک سے یقیناً قاصر ہے۔ اس لئے مسجد اقصیٰ تک تو تفصیل فرمائی گئی۔ اور آس
سفر، قرب خاص کو مجمل رکھا گیا۔

دوم، یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے۔ کہ جس طرح آسمانی معراج محال عادی ہے۔ اسی طرح مسجد حر
سے مسجد اقصیٰ تک رات کے قلیل حصہ میں آنا جانا بھی عادۃً محال ہے۔ تو جب مسجد اقصیٰ تک
جسمانی معراج مان لی گئی۔ تو پھر آسمانی معراج کو جسمانی ماننے میں کیا استحالہ ہے۔ ورنہ جو بات
آسمانی کے جسمانی ہونے کے لئے رکاوٹ بن رہی ہے وہی یہاں بھی بن رہی ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ م
حرام سے مسجد اقصیٰ تک معراج جسمانی مانی جائے۔ اور اس کے بعد آسمانی معراج کو روحانی اور
کہہ دیا جائے اور وہ بھی بلا دلیل؟

اس لئے اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی کے الفاظ سے معراج آسمانی کو روحانی ثابت کرنا کسی طرح در
نہیں ہے۔ لہٰذا جب مسجد اقصیٰ تک کی معراج کا وقوع جسمانی ہے تو آسمانی معراج بھی جسمانی ماننی پڑے گی
یہ بھی ثابت شدہ حقیقت ہے کہ تمام انبیاء کرام و رسل عظام کو معراج ہوئی۔ اور اللہ کا قرب حاصل مگر
معراج جسمانی اور سیر آسمانی۔ خاص حضور اکرم کی خصوصیت ہے۔ جو کسی اور کے لئے ثابت نہیں ہے۔ یہ بات ا
کی وضاحت کرتی ہے کہ حضور اکرم کو عروج خاص کی طرح قرب خاص الخاص بھی عطا ہوا۔ اور وہ یہ ہے کہ آپ بے حجاب جمال الٰہی
رو برو سے مشرف ہوئے اور آپ نے بلا واسطہ حریم حق میں پہنچ کر اللہ سے کلام کیا ؎

خبر ہوئی نہ فرشتوں کو اس پیام سے ملے — پس حجاب دلِ مصطفےٰ خدا سے ملے

ہو، علامہ عینی نے لکھا کہ فنزل جبریل دعرج بی کے الفاظ سے واضح ہوا کہ حضور کو پیش گاہ الٰہی سے وہ ملا جو
اور کے حصہ میں نہیں آیا۔ باقی مسائل حدیث یہ ہیں:-

. ہ الصلوٰۃ کے دروازے جن لوگوں پر دروازے مقرر ہیں وہ حضور علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ا
ہے ہیں۔ اسی لئے انہوں نے ابن الصالح کے الفاظ سے حضور کا خیر مقدم کیا (١٧) امام شافعی علیہ ال

نے اس حدیث سے یہ استدلال فرمایا کہ وتر واجب نہیں ہیں۔ کیونکہ وتر کی فرضیت کا اس میں ذکر نہیں ہے لیکن احناف
جو وتر کے وجوب کا احتمال اس حدیث سے نہیں کرتے۔ وتر کا وجوب تو اس کے بعد ہوا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا
ان اللہ زادکم صلوۃ۔ یہی وجہ ہے کہ وتر کا درجہ وجوب کا رہا۔ اور پانچ نمازوں کی فرضیت دلیل قطعی
سے ثابت ہے (۱) جنت و دوزخ پیدا ہو چکی ہیں۔ اور ابن بطال نے فرمایا کہ اس حدیث سے یہ بھی ثابت
ہوتا ہے کہ جنت آسمانوں پر ہے

عَنْ عَائِشَةَ اُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ قَالَتْ فَرَضَ اللّٰهُ الصَّلٰوةَ حِيْنَ فَرَضَهَا رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ فِي الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ فَاُقِرَّتْ صَلٰوةُ السَّفَرِ وَزِيْدَ فِيْ صَلٰوةِ الْحَضَرِ (جلد اول)

حضرت عائشہ ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے (شب معراج) نماز فرض کی تو دو دو رکعتیں فرض کیں حضر اور سفر دونوں میں پھر سفر کی نماز تو دو دو ہی رہی اور حضر کی نمازیں اضافہ کر دیا گیا

اس حدیث کو امام نے ہجرت میں بھی ذکر کیا۔ اور مسلم، نسائی اور ابوداؤد نے صلوٰۃ میں ذکر کیا (۱) ابن اسحاق
کی روایت میں اتنا زیادہ ہے الا المغرب یعنی مغرب کی نماز کی تین رکعتیں ہی فرض ہوئی تھیں (الحدیث)
مگر ظہر و عصر و عشا کی دو دو رکعتیں۔ پھر جب حضور علیہ السلام نے مکہ سے ہجرت فرمائی۔ اور مدینہ میں جلوہ فرما
ہوئے۔ تو فجر و مغرب کی نماز کی رکعتیں بدستور قائم رہیں لیکن ظہر و عصر و عشا کی چار چار رکعتیں مقرر ہو گئیں
ابن حبان، ابن خزیمہ، بیہقی، اور سفر کی حالت میں ظہر و عصر و عشا کی دو دو رکعتیں ہی مقرر رہیں۔

مسافر پر نماز میں قصر کرنا واجب ہے

اس حدیث سے ثابت ہوا۔ کہ سفر میں نماز کی دو دو رکعتیں بدستور
مقرر رہیں۔ لہٰذا مسافر کے لئے ضروری ہے کہ وہ نماز میں قصر کرے
یعنی چار رکعت والے فرض کو دو رکعت پڑھے۔ اس کے حق میں دو رکعتیں ہی پوری نماز ہے۔ حضرات عمر، علی، ابن عمر
ابن عباس، عمر بن عبد العزیز، حسن بصری، قتادہ، امام مالک، احمد بن حنبل، امام اعظم ابوحنیفہ اکثر علماء و فقہاء
رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہی مسلک ہے (۲) اور فاکرمت کے لفظ سے یہ واضح ہوا کہ سفر میں قصر کرنا ہی
ہے۔ رخصت نہیں ہے۔ یعنی یہ اختیار نہیں ہے کہ چاہے تو قصر کرلے اور چاہے نہ کرے۔ بلکہ قصر کرنا واجب
ہے۔ اور قصداً پوری چار پڑھنا گناہ ہے۔ اس سلسلہ کی چند حدیثیں یہ ہیں:-

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ

۱۔ فرض اللہ الصلوٰۃ علی لسان نبیکم فی الحضر اربع رکعات وفی السفر رکعتین (مسلم) افترض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکعتین فی السفر کما افترض فی الحضر (ابن ماجہ و طبرانی بحوالہ ۲۲ ص ۳)

فرمایا اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کی زبان پر حضر میں چار رکعتیں اور سفر میں دو رکعتیں فرض کیں رسول کریم علیہ السلام نے سفر میں دو رکعت فرض کیں۔ جیسے حضر میں چار رکعت فرض فرمائیں۔

۲۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:-

قال صلوٰۃ السفر رکعتان (نسائی، ابن ماجہ)	کہ نماز سفر دو رکعتیں ہیں

(۴) نیز حضرت ابن عمر فرماتے ہیں۔ کہ میں سفر میں حضور علیہ السلام کے ساتھ رہا

فلم یزد علی رکعتین حتی قبضہ اللہ (متفق علیہ)	تو حضور علیہ السلام نے سفر میں دو سے زیادہ رکعت نہیں پڑھیں حتی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اٹھا لیا

اسی طرح حضرت ابوبکر و عثمان کے ہمراہ بھی میں نے سفر کیا۔ مگر انہوں نے بھی بحالت سفر دو رکعت سے زیادہ نہیں پڑھی

ایک شبہ کا ازالہ

قرآن پاک میں ارشاد ہے :۔

اِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوۃِ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ یَّفْتِنَکُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا (قرآن مجید)	جب تم زمین میں سفر کرو۔ تو تم پر اس کا گناہ نہیں کہ نماز میں قصر کرو اگر خوف ہو کہ کافر تمہیں فتنہ میں ڈال دیں گے۔

اس آیت سے ایک شبہ یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ قصر نماز کا حکم اس صورت میں ہے جبکہ خوف ہو۔ لیکن امن و عافیت کے زمانہ میں قصر نہیں ہونا چاہیے۔ یہی شبہ حضرت یعلی بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں پیدا ہوا۔ انہوں نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے اس کے متعلق پوچھا تو جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ مجھے بھی یہی خیال پیدا ہوا تھا تو میں نے حضور علیہ السلام سے اس کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا :۔

صدقۃ تصدق اللہ بھا علیکم فاقبلوا صدقتہ (مسلم، ترمذی، ابن ماجہ، ابن حبان)	یہ ایک صدقہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تم پر تصدق فرمایا اس کا صدقہ قبول کرو

اس سے واضح ہوا کہ :

(۱) سفر کی حالت میں اگرچہ امن ہو پھر بھی قصر کرنا واجب ہے۔ کیونکہ "اقبلوا" امر کا صیغہ ہے۔ جو وجوب پر دلالت کرتا ہے

(۲) نیز "تصدق اللہ" کے معنی حکم علیکم کے ہیں۔ کیونکہ جو تصدق خداوند قدوس کی طرف سے ہو۔ وہ تملیک کا احتمال نہیں رکھتا بلکہ وہ اسقاط اور عفو کے معنی میں ہوتا ہے۔

(۳) یہ بھی واضح ہوا کہ آیت مذکورہ میں قصر کا مطلب اصل نماز میں کم کرنا یعنی چار رکعت فرض کو دو پڑھنا مراد نہیں۔ بلکہ قصر سے مراد قصر فی الاوصاف ہے یعنی دشمن کے خوف کے موقع پر قیام، قعود، رکوع و سجود ترک کیے جا سکتے ہیں۔ اور ان کو اشارہ سے ادا کیا جا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ آیت میں قصر کو خوف پر معلق کیا گیا ہے۔ کیونکہ اصل صلوٰۃ میں قصر بحالت خوف بھی جائز نہیں ہے۔ لہٰذا اس پر امت کا اجماع بھی ہے۔ بلکہ اصل صلوٰۃ میں قصر سفر کے ساتھ متعلق ہے۔ ہاں بحالتِ خوف قصر فی الاوصاف جائز ہے۔ اور احناف کے نزدیک بھی قصر فی الاوصاف بحالتِ خوف جائز ہے۔ واجب نہیں۔

لہٰذا امام شافعی وغیرہ کا آیت سے یہ استدلال فرمانا کہ بحالتِ سفر قصر فی الصلوٰۃ رخصت ہے صحیح نہیں۔

بہرحال امام شافعی و احمد و مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہ مسلک ہے کہ سفر میں نماز کا قصر کرنا رخصت ہے۔ اور امام اعظم علیہ الرحمۃ کے نزدیک واجب ہے۔ اور اس اختلاف کا ثمرہ یہ نکلتا ہے کہ :-

اگر کسی نے بحالت سفر چار رکعت فرض کو چار رکعت ہی پڑھ لیا۔ تو امام شافعی رحمۃ اللہ کے نزدیک یہ چاروں رکعتیں فرض قرار پائیں گی۔ اور حضرت امام اعظم علیہ الرحمۃ کے نزدیک مسئلہ یہ ہے کہ اگر چار پڑھ لیں اور قعدۂ اولیٰ کر لیا۔ تو پہلی دو فرض ہوں گی۔ اور پچھلی دو نفل ہو جائیں گی۔ اور اگر قعدہ نہیں کیا۔ تو چاروں رکعتیں نفل قرار پائیں گی اور قصداً عمداً چار پڑھنے والا گنہگار بھی ہوگا۔

باب وجوب الصلوٰۃ فی الثیاب

اب نماز کے لئے ستر عورت کا واجب ہونا:

واضح ہو کہ صحت نماز کی چھ شرطیں ہیں۔ طہارت۔ ستر عورت۔ استقبال قبلہ۔ وقت۔ نیت۔ تحریمہ۔ حنفیہ شافعیہ مالکیہ اور جمہور علماء و محدثین کے نزدیک ستر عورت فرض نماز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :-

خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ | ہر نماز کے وقت کپڑے پہنو

زمانہ جاہلیت میں عورتیں ننگی ہو کر طواف کرتی تھیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ تفسیراً اس پر سب کا اتفاق ہے کہ زینت سے مراد کپڑے ہیں۔ جن سے شرمگاہ وغیرہ ڈھکی رہے۔

نماز کے لئے ستر عورت شرط ہے اور اس کے ضروری مسائل

اتنا باریک کپڑا جس سے بدن جھلکتا ہو ستر عورت کے لئے کافی نہیں ہے ایسے کپڑے کو پہن کر اگر نماز پڑھے تو نہ ہوگی۔ یونہی اگر چادر یا دوپٹہ سے عورت کے بالوں کی سیاہی چمکے نماز نہ ہوگی۔ بعض لوگ باریک ساڑھیاں اور تہبند باندھ کر نماز پڑھتے ہیں کہ ران چمکتی ہے۔ ان کی نمازیں نہیں ہوتیں۔ اور ایسا باریک کپڑا پہننا جس سے ستر نہ ہو سکے علاوہ نماز کے بھی حرام ہے۔

(۱) نماز میں ستر کے لئے پاک کپڑے کا ہونا ضروری ہے۔ یعنی اتنا نجس نہ ہو جس سے نماز نہ ہو سکے۔ اور کپڑا اتنا دبیز ہونا چاہیئے جس سے بدن نظر نہ آئے (۲) مرد کے لئے ناف کے نیچے سے گھٹنوں کے نیچے تک ستر ہے یعنی اس کا چھپانا فرض ہے۔ ناف اس میں داخل نہیں گھٹنے داخل ہیں۔ اور آزاد عورت کے لئے سارا بدن عورت ہے۔ سوائے منہ کی ٹکلی اور ہتھیلیوں اور پاؤں کے تلوؤں کے۔ سر کے لٹکتے ہوئے بال اور گردن اور کلائیاں بھی عورت ہیں۔ ان کا چھپانا بھی فرض ہے (۳) جن اعضاء کا ستر فرض ہے۔ ان میں سے کوئی عضو چوتھائی سے کم کھل گیا۔ نماز ہو گئی۔ اور اگر چوتھائی عضو کھل گیا اور فوراً چھپا لیا جب بھی ہو گئی۔ اور اگر بقدر ایک رکن یعنی تین مرتبہ سبحان اللہ کہنے کے کھلا رہا یا بالقصد کھولا اگرچہ فوراً چھپا لیا نماز جاتی رہی۔ دوبارہ پڑھے

(۴) عورت کا چہرہ اگرچہ عورت نہیں۔ مگر بوجہ فتنہ غیر محرم کے سامنے کھولنا منع ہے۔ یونہی اس کی طرف نظر کرنا غیر محرم کو جائز نہیں

۵. وَيُذْكَرُ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَزُرُّهُ وَ لَوْ بِشَوْكَةٍ وَ فِي إِسْنَادِهِ نَظَرٌ	اور حضرت سلمہ بن اکوع سے منقول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر ایک کپڑے میں نماز پڑھے تو اس کو ٹانک لے اگرچہ ایک کانٹے ہی سے۔ مگر اس کی سند میں کلام ہے
۶. وَمَنْ صَلَّى فِي الثَّوْبِ الَّذِي يُجَامِعُ فِيهِ مَا لَمْ يَرَ فِيهِ أَذًى	اور جس نے اس کپڑے میں نماز پڑھی جس میں وہ جماع کرتا جب تک اس میں کوئی گندگی نہ دیکھے جائز ہے
۷. وَأَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ لَا يَطُوفَ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ	اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ کوئی شخص بیت اللہ کا ننگا ہو کر طواف نہ کرے۔

فوائد و مسائل

حدیثوں پر نمبر لگا دیئے ہیں۔ نمبروار ہی مسائل بیان کئے جاتے ہیں

(۱) ابوداؤد میں ہے۔ حضرت سلمہ بن اکوع نے عرض کی۔ یا رسول اللہ میں ایک شکاری آدمی ہوں۔ کیا ایک ہی قمیص میں نماز پڑھ سکتا ہوں۔ حضور نے فرمایا ہاں۔ اور گریبان کو بند کر لے کانٹے سے ہی بند کر لے (نسائی و ابوداؤد)

(۲) خطابی نے کہا۔ امام نے یہ حدیث اس امر کے ثبوت میں ذکر کی ہے۔ کہ نماز میں ستر عورت فرض ہے۔ اور اس طرف اشارہ بھی کیا ہے۔ کہ آیت میں زینت سے مراد کپڑے پہننا ہے۔ بناؤ سنگار نہیں۔ ٹانکنے میں حکمت یہ ہے کہ بوقت سجدہ یا رکوع نمازی کو اپنا ستر نظر نہ آئے۔

(۳) مَنْ صَلَّی سے امام بخاری نے حدیث ابوداؤد اور نسائی کی طرف اشارہ کیا ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بہن ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ کیا حضور علیہ السلام اس کپڑے میں نماز پڑھ لیا کرتے تھے۔ جس میں صحبت فرماتے۔ تو انہوں نے جواب دیا ہاں جبکہ کپڑے میں نجاست وغیرہ نہ ہوتی۔

اس حدیث سے امام نے یہ واضح کیا ہے کہ نماز میں مقصود تو ستر پوشی ہے۔ خواہ کسی کپڑے سے ہو جائے۔ بشرطیکہ کپڑا پاک ہو۔

(۴) اس حدیث سے امام نے یہ واضح کیا ہے۔ کہ جب برہنہ ہو کر طواف کرنا ممنوع ہے تو نماز تو بدرجہ اولیٰ منع ہونا چاہیئے۔ کیونکہ طواف نماز کے مشابہ ہے۔

اس کے بعد امام نے ایک حدیث لکھی ہے۔ جس کے ابتدائی جملے کا ترجمہ یہ ہے:۔

ام عطیہ کہتی ہیں کہ ہم کو حکم ہوا کہ دونوں عیدوں میں حائضہ اور پردہ دار عورتیں حاضر ہوں۔ وہ مسلمانوں کی جماعت اور ان کی دعا میں شریک ہوں اور حیض والی عورتیں نماز پڑھنے کی جگہ سے الگ رہیں۔ ایک عورت نے عرض کی یا رسول اللہ! اگر کسی عورت کے پاس چادر نہ ہو تو وہ کیسے نکلے؟ حضور علیہ السلام نے فرمایا:۔

قَالَ لِتُلْبِسْهَا صَاحِبَتُهَا مِنْ جِلْبَابِهَا (بخاری)	اس کی ساتھ والی اپنی چادر اس کو اڑھا دے

یہ حدیث مع تفہیم و ترجمانی کے فیوض الباری پارہ دوم ص۵۰ پر گذر چکی ہے۔ اس لئے ہم نے اس حدیث کے صرف الفاظ لکھ دیئے ہیں۔ جو ترجمۃ الباب ہیں۔ امام نے اس حدیث کو ذکر کرکے یہ واضح کیا ہے۔ کہ جب حضور نے عورتوں کو عیدین میں لے جانے کے لئے کپڑے پہننے کی اس قدر تاکید فرمائی۔ کہ عاریۃً لے کر بھی پہنیں۔ تو فرض نماز کے لئے پہننا ستر عورت بطریق اولیٰ ضروری ہوا (فتح الباری و قسطلانی)

بَابُ عَقْدِ الْإِزَارِ عَلَى الْقَفَا فِي الصَّلٰوةِ

• صَلَّوْا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَاقِدِي أُزُرِهِمْ عَلٰى عَوَاتِقِهِمْ (بخاری)

• قَالَ صَلّٰى جَابِرٌ فِي إِزَارٍ قَدْ عَقَدَهُ مِنْ قِبَلِ قَفَاهُ وَثِيَابُهُ مَوْضُوعَةٌ عَلَى الْمِشْجَبِ فَقَالَ لَهُ قَائِلٌ تُصَلِّي فِي إِزَارٍ وَاحِدٍ فَقَالَ إِنَّمَا صَنَعْتُ ذٰلِكَ لِيَرَانِي أَحْمَقُ مِثْلُكَ وَأَيُّنَا كَانَ لَهُ ثَوْبَانِ عَلٰى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (بخاری)

باب۔ تہبند نماز میں اپنی گدی پر باندھ لینا

ابو حازم نے سہل بن سعد سے روایت کی کہ لوگوں نے حضور علیہ السلام کے ساتھ نماز ادا کی اپنی تہبند کندھوں پر باندھ کر۔

اور حضرت جابر نے ایک تہبند میں نماز پڑھی جس کو اپنی گدی پر باندھ لیا تھا اور ان کے کپڑے ایک تپائی پر رکھے ہوئے تھے یہ دیکھ کر ایک شخص نے کہا (یعنی عبادہ بن ولید نے کہا) آپ ایک تہبند میں نماز پڑھتے ہیں۔ حضرت جابر نے جواب دیا میں نے یہ اس لئے کیا ہے کہ تجھ جیسا احمق مجھے ایک کپڑے میں نماز پڑھتا ہوا دیکھ لے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہم لوگوں میں سے کس کے پاس دو کپڑے تھے

بَابُ الصَّلٰوةِ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ مُلْتَحِفًا بِهِ

وَقَالَ الزُّهْرِيُّ فِي حَدِيثِهِ الْمُلْتَحِفُ الْمُتَوَشِّحُ وَهُوَ الْمُخَالِفُ بَيْنَ طَرَفَيْهِ عَلٰى عَاتِقَيْهِ وَهُوَ الْاِشْتِمَالُ عَلٰى مَنْكِبَيْهِ

• وَقَالَتْ أُمُّ هَانِئٍ اِلْتَحَفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِثَوْبٍ لَهُ وَخَالَفَ بَيْنَ طَرَفَيْهِ عَلٰى عَاتِقَيْهِ (بخاری)

باب:- ایک ہی کپڑے کو لپیٹ کر نماز پڑھنا یعنی التحاف کرنا

امام زہری نے اپنی روایت میں کہا التحاف کو توشیح کہتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ کپڑے کے دونوں کناروں کو مونڈھوں پر ڈال لینا سیدھی طرف کا کونہ بائیں طرف اور بائیں طرف کا سیدھی طرف اسی کو اشتمال بھی کہتے ہیں۔

حضرت ام ہانی نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کپڑا لپیٹا اور اس کے دونوں کناروں کو دونوں مونڈھوں پر الٹ کر ڈال لیا۔

اس کے بعد امام بخاری نے اسی مضمون کی دو ایک حدیثیں اور لکھی ہیں۔ جن میں سے ایک حدیث

حضرت ام ہانی کی روایت میں یہ لفظ بھی ہیں:-

تَصَلّٰى ثَمَانَ رَكَعَاتٍ مُلْتَحِفًا فِيْ ثَوْبٍ وَاحِدٍ

(بخاری)

کہ حضور نے آٹھ رکعتیں نماز چاشت کی ایک کپڑے میں تحف ہو کر پڑھیں۔

اور آخر میں یہ حدیث ہے:-

اِنَّ سَائِلًا سَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الصَّلٰوةِ فِيْ ثَوْبٍ وَاحِدٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ اَوَ لِكُلِّكُمْ ثَوْبَانِ

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضور علیہ السلام سے پوچھا کہ ایک کپڑے میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟ حضور نے فرمایا کیا تم میں ہر شخص کے پاس دو کپڑے ہیں۔

فوائد و مسائل امام نے دو عنوان قائم کئے تھے۔ اول: یہ کہ اگر نمازی تہبند کو گدی پر باندھ کر نماز پڑھے تو جائز ہے۔ دوم یہ کہ ایک ہی کپڑا پہن کر نماز پڑھے تو یہ بھی جائز ہے۔ خواہ وہ ایک کپڑا ایسا ہو کہ: جس سے ستر عورت ہو جائے یا بڑی چادر ہو جسے باندھ کر نماز پڑھی جائے۔

ان عنوانات کے تحت امام نے جو حدیثیں ذکر کی ہیں وہ اپنے مفہوم میں بالکل واضح ہیں علاوہ باب سے مناسبت یہ ہی ہے کہ نماز میں ستر عورت ضروری ہے۔

(۲) وہ لکڑیوں کو ملا کر گھڑونچی کی طرح بناتے ہیں۔ اس پر دھوبی کپڑے سکھاتے ہیں۔ اور مشک بھی اس پر لٹکا دیتے ہیں تاکہ پانی ٹھنڈا ہو جائے۔ اس گھڑونچی کو مشجب اور مشجاب کہتے ہیں۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک کپڑے میں نماز اس لئے پڑھی۔ تاکہ حضرات کو معلوم ہو جائے کہ ایک کپڑے میں نماز پڑھنا جائز ہے۔

واضح ہو کہ اس پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ ایک کپڑے میں نماز پڑھنا جائز ہے البتہ دو کپڑے یعنی قمیص یا پاجامہ یا تہبند میں نماز پڑھنا افضل ہے۔ ابتدائی دور میں مسلمان غریب تھے۔ کسی کے پاس صرف ایک کرتہ ہوتا۔ اور کسی کے پاس صرف ایک چادر تو صحابہ کرام ایک کرتہ یا چادر میں نماز پڑھتے تھے۔ خود حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کپڑے میں نماز ادا فرمائی چنانچہ جمہور صحابہ جیسے ابن عباس، علی، معاویہ، انس بن مالک، خالد بن ولید، ابوہریرہ، عائشہ صدیقہ، ابو سعید خدری، اسماء، عمار بن یاسر، جابر بن عبد اللہ، ابی ابن کعب، اور ام ہانی۔ اور تابعین میں سے حسن بصری، ابن سیرین، شعبی، سعید بن مسیب، ابو سلمہ بن عبد الرحمن، محمد بن حنفیہ، عطاء عکرمہ بن مسیب۔ امام اعظم ابو حنیفہ فقہاء میں سے امام ابو یوسف، محمد، شافعی، مالک، احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم، اور اسحاق بن راہویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہی مسلک ہے۔ (عینی ج ۲ ص ۱۲۱)

مذکورہ بالا حدیث میں جو ملتحفاً کا لفظ آیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ چادر کا وہ کنارہ جو داہنے مونڈھے پر ہو۔ اس کو بائیں ہاتھ کے بغل سے نکال کر اور جو بائیں مونڈھے پر ہو اس کو داہنے ہاتھ کے بغل سے نکال کر دونوں کناروں کو گدی یا سینہ پر باندھ لیا جائے۔ چنانچہ امام بخاری علیہ الرحمۃ نے ملتحف کے یہی معنے کئے ہیں

ہے۔ اور شیخ اور اشتمال علی المنکبین بھی کہتے ہیں۔ اور چادر میں اس طرح لپیٹ کر نماز پڑھنا کہ سب اعضاء بند ہو جائیں کہ وہ نہ سکے اور دوسری حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے۔

امام طحاوی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے۔ ایک جماعت کا مسلک یہ ہے۔ کہ دو کپڑوں پر قدرت ہوتے ہوئے ایک کپڑے میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ اور بعض نے فرمایا کہ ایک کپڑا ہو تو اس کو لپیٹ کر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ بلکہ اس صورت میں تہبند باندھ لے یعنی اوڑھے نہیں۔ چنانچہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ چادر لپیٹ کر نماز پڑھ رہا ہے۔ اشتمال الصماء تو آپ نے فرمایا۔

مَنْ لَمْ يَجِدْ مِنْكُمْ إِلَّا ثَوْبًا وَاحِدًا فَلْيَتَّزِرْ (طحاوی شریف۔ جلد ۱ ص ۲۰۸)

جو تم میں سے صرف ایک کپڑے پر قدرت رکھے اس کو چاہیے کہ وہ اس کو تہبند کرے۔

بَابُ إِذَا صَلَّى فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ فَلْيَجْعَلْ عَلَى عَاتِقَيْهِ

باب جو شخص ایک کپڑے میں نماز پڑھے۔ تو اپنے مونڈھوں پر اس کو ڈال لے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُصَلِّي أَحَدُكُمْ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ لَيْسَ عَلَى عَاتِقِهِ شَيْءٌ (بخاری)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ رسول کریم علیہ السلام نے فرمایا۔ تم میں کوئی ایک کپڑے میں نماز نہ پڑھے۔ جب کہ اس کے کندھے پر کپڑے کا کوئی حصہ نہ ہو

• يَقُولُ مَنْ صَلَّى فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ فَلْيُخَالِفْ بَيْنَ طَرَفَيْهِ (بخاری)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضور نے فرمایا جو شخص ایک کپڑے میں نماز پڑھے وہ اس کے دونوں کناروں کو الٹ لے۔

فوائد و مسائل مذکورہ بالا مضمون کی حدیثوں سے امام علیہ الرحمۃ نے یہ استدلال فرمایا ہے۔ کہ ایک کپڑے میں نماز پڑھنا اس صورت میں ممنوع ہے۔ جبکہ کاندھے پر کچھ نہ ہو۔ تو اگر باوجود قدرت کے کسی نے مونڈھے کھلے رکھے تو نماز نہ ہوگی۔ ہاں اگر کپڑا چھوٹا ہے۔ اور ستر عورت کے لئے کوئی اور کپڑا نہیں ہے تو ستر عورت کرلے اس صورت میں کاندھے کھلے رہیں تو نماز ہو جائے گی۔

احناف یہ کہتے ہیں کہ مذکورہ بالا حدیثوں میں کاندھے ڈھکنے کا جو حکم ہے۔ وہ ندبی ہے۔ تو اگر کسی نے باوجود قدرت کے کاندھے نہ ڈھکے اور نماز پڑھی تو جائز ہو گئی۔ کیونکہ یہ بھی ثابت ہے۔ کہ حضور علیہ السلام نے ایک کپڑے میں نماز پڑھی اور اس کپڑے کا ایک کنارہ آپ کی ایک زوجہ محترمہ پر تھا۔ تو ظاہر ہی نہیں۔ ظاہر ہے کہ کپڑے کا وہ حصہ جو حضور علیہ السلام کے جسم اقدس پر تھا وہ تہبند کے لئے کافی ہوا ہوگا اس میں اتنی وسعت نہ ہوگی کہ کندھے بھی ڈھک سکیں!

واضح ہو کہ مراتب اجتہاد سے یہی وجہ ہے کہ مجتہدین کرام میں سے کوئی ہو نہی کو وجوب و تحریم پر محمول کرتا ہے۔ اور کوئی استحباب و کراہت پر اور ہر ایک دیانت داری کے ساتھ جس نتیجہ پر پہنچتا ہے اور حدیث پر عمل کرتا ہے۔ اس لئے امور اجتہادیہ میں زبان طعن دراز

نہیں کی جا سکتی۔ ہاں اگر کوئی شخص اپنی رائے کے مقابل حدیث کو اس کے تمام مراتب کے ساتھ چھوڑ دے تو وہ یقیناً تارک حدیث ہے۔ اور گمراہ ہے۔

اسی طرح امر کے تارک پر جب وعید وارد ہو جائے یا نہی کے فاعل پر وعید وارد ہو جائے تو یہ امر و نہی بلاشبہ وجوب و تحریم پر دلالت کریں گے۔ اس صورت میں اس کا استحباب پر محمول کرنا جائز نہ ہوگا۔

بَابٌ إِذَا كَانَ الثَّوْبُ ضَيِّقًا عَنِ الصَّلَاةِ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ

فَقَالَ خَرَجْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَعْضِ أَسْفَارِهِ فَجِئْتُ لَيْلَةً لِبَعْضِ أَمْرِي فَوَجَدْتُهُ يُصَلِّي وَعَلَيَّ ثَوْبٌ وَاحِدٌ فَاشْتَمَلْتُ بِهِ وَصَلَّيْتُ إِلَى جَانِبِهِ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ مَا السُّرَى يَا جَابِرُ فَأَخْبَرْتُهُ بِحَاجَتِي فَلَمَّا فَرَغْتُ قَالَ مَا هٰذَا الِاشْتِمَالُ الَّذِي رَأَيْتُ قُلْتُ كَانَ ثَوْبًا قَالَ فَإِنْ كَانَ وَاسِعًا فَالْتَحِفْ بِهِ وَإِنْ كَانَ ضَيِّقًا فَاتَّزِرْ بِهِ۔

(بخاری)

باب تنگ کپڑے میں نماز کے متعلق

سعید بن حارث نے کہا ہم نے جابر بن عبداللہ سے ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھا تو میں ایک کام سے حضور کی خدمت میں رات کو حاضر ہوا۔ دیکھا تو آپ نماز پڑھ رہے ہیں۔ اس وقت میرے بدن پر ایک ہی کپڑا تھا میں نے اس کو لپیٹ لیا۔ اور آپ کے بازو میں نماز پڑھنے لگا جب آپ نے سلام پھیرا تو فرمایا جابر اس وقت رات میں کیسے آنا ہوا۔ میں نے اپنا کام عرض کیا جب میں اپنی بات عرض کر چکا۔ تو فرمایا یہ کپڑا لپیٹنا کیسا۔ میں نے عرض کی کہ ایک ہی کپڑا تھا اس لئے اسی میں نماز پڑھ لی۔ حضور نے فرمایا اگر کپڑا کشادہ ہو تو التحاف کرو اور اگر تنگ ہو تو تہبند باندھ لو۔

فوائد و مسائل

علامہ خطابی نے فرمایا۔ حضور نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو جس اشتمال سے منع فرمایا۔ وہ اشتمال صماء تھا اور اس کی صورت یہ ہے کہ آدمی چادر میں اپنے پورے بدن کو چھپا لے اور ہاتھ اندر بند ہو جائے۔ اس طرح چادر پہن کر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی واضح ہوا۔ کہ اگر چادر کشادہ ہے تو پھر التحاف کر کے نماز پڑھے۔ اور اگر چادر ایسی ہے کہ التحاف نہیں ہو سکتا۔ تو پھر تہبند باندھ لے اور نماز پڑھے۔ التحاف کی تعریف اوراق میں گزر چکی ہے۔

قَالَ كَانَ رِجَالٌ يُصَلُّونَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَاقِدِي أُزُرِهِمْ عَلَى أَعْنَاقِهِمْ كَهَيْئَةِ الصِّبْيَانِ وَيُقَالُ لِلنِّسَاءِ لَا تَرْفَعْنَ رُءُوسَكُنَّ

حضرت سہل نے کہا کہ کچھ لوگ حضور علیہ السلام کے ساتھ بچوں کی طرح اپنی تہبندیں گردنوں پر باندھے ہوئے نماز پڑھا کرتے اور اس وقت عورتوں کو حکم یہ تھا کہ تم نماز میں اپنا سر اس وقت تک نہ اٹھاؤ

حَتّٰى يَسْتَوِيَ الرِّجَالُ جُلُوْسًا (بخاری)
جب تک سیدھے ہو کر بیٹھ نہ جائیں

عورتوں کو یہ ہدایت اس لئے دی گئی کہ سر اٹھانے میں مردوں کے ستر کے مقام پر ان کی نظر پڑے۔ یہ ابتدائی دور کے حالات تھے جبکہ بوجہ عسرت صحابہ کرام کے پاس ایسا کپڑا نہ ہوتا تھا جو پوری طرح ستر کا کام دے سکے۔

بَابُ الصَّلٰوةِ فِي الْجُبَّةِ الشَّامِيَّةِ
باب جبہ شامیہ میں نماز پڑھنا

۔ وَقَالَ الْحَسَنُ فِي الثِّيَابِ يَنْسُجُهَا الْمَجُوْسُ لَمْ يَرَ بِهَا بَاسًا
امام حسن بصری نے فرمایا جن کپڑوں کو مجوسی بنیں ان میں نماز پڑھنے میں حرج نہیں

یعنی جو کپڑے کہ غیر مسلموں کے ہاتھوں کے بنے ہوئے ہوں۔ ان کو بغیر دھوئے استعمال کرنا اور ان میں نماز پڑھنا جائز ہے۔ اور جب تک یہ یقین نہ ہو کہ یہ نجس ہیں اس وقت تک ان کے نجس ہونے کا حکم نہیں کیا جائے گا جبہ شامیہ کی قید اس لئے ہے کہ اس وقت شام کا ملک دار الکفر تھا۔ تو جو چیز وہاں سے بن کر آتی تھی ظاہر ہے کہ وہ غیر مسلموں ہی کی بنائی ہوئی ہوتی تھی ——— حضرت امام حسن بصری جلیل القدر تابعی ہیں۔ اور اس اثر کو نعیم بن حماد نے وصل کیا۔

۔ وَقَالَ مَعْمَرٌ رَاَيْتُ الزُّهْرِيَّ يَلْبَسُ مِنْ ثِيَابِ الْيَمَنِ مَا صُبِغَ بِالْبَوْلِ
معمر نے کہا میں نے زہری کو دیکھا وہ یمن کے کپڑے پہنتے جو کہ پیشاب میں رنگے جاتے تھے دھونے کے بعد۔

اس اثر کو علامہ عبد الرزاق نے اپنے مصنف میں وصل کیا (۱) یمن سے جو کپڑے آتے تھے۔ وہ جس شے سے دھوئے جاتے تھے ان میں پیشاب بھی ہوتا تھا۔ حضرت زہری ان کپڑوں کو پاک کرنے کے بعد پہنا کرتے تھے۔ چنانچہ علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے تصریح کی ھو محمول علی انہ کان یغسلہ قبل لبسہ۔ بعض نے یہ کہا کہ چونکہ امام زہری کے نزدیک حلال جانوروں کا پیشاب پاک ہے۔ اس لئے وہ بغیر دھوئے اور پاک کئے ان کپڑوں کو پہن لیتے تھے۔ لیکن امام زہری کے نزدیک حلال جانوروں کا پیشاب پاک نہیں ہے جیسا کہ مصنف عبد الرزاق کی روایت سے واضح ہے۔ اور بخاری مصری ج ۱ ص ۸۰ میں خود امام بخاری علیہ الرحمۃ نے اس طرف اشارہ کیا ہے یعنی باب ھل تشرب ابوال الابل۔ میں خاتم

۱۳۔ وَصَلّٰى عَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ فِيْ ثَوْبٍ غَيْرِ مَقْصُوْرٍ
اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے ایک کورے کپڑے میں نماز پڑھی

اس اثر کو ابن سعد نے وصل کیا۔ مقصورہ اس کپڑے کو کہتے ہیں۔ جو بننے کے بعد دھولیا جائے۔ اور غیر مقصورہ وہ جو کورا ہو۔ اس اثر میں اگرچہ کفار کے بنے ہوئے کپڑے کی تصریح نہیں ہے۔ لیکن امام بخاری کا اس اثر کو اس باب میں لانے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کورا کپڑا جس میں حضرت علی نے نماز پڑھی۔ کفار کا بنا ہوا ہو گا ——— بہرحال ان آثار سے یہ واضح ہوا کہ حسب ذیل کپڑوں میں نماز پڑھنا جائز ہے اور جب تک ان کے نجس ہونے کا یقین نہ ہو۔ انہیں ناپاک نہیں قرار دیا جائے گا

۱۔ وہ کپڑے جو غیر مسلموں کے بنے ہوئے ہوں (۲) وہ کپڑے جو پیشاب کی آمیزش دے کر رنگے گئے ہوں

اور ان کو بعد میں دھویا گیا ہو (۳) اور وہ کپڑے جو کورے ہوں اور بننے کے بعد ان کو دھویا نہ گیا ہو۔

(۴) حضرت مغیرہ بن شعبہ کہتے ہیں۔ کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک سفر میں تھا۔ حضور نے فرمایا۔ اے مغیرہ پانی کی ڈولچی لاؤ۔ میں نے حکم کی تعمیل کی۔ پھر آپ چلے۔ حتی کہ میری نظروں سے پوشیدہ ہوگئے۔

انطلق رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى توارى عني فقضى حاجته وعليه جبة شامية فذهب ليخرج يده من كمها فضاقت فأخرج يده من أسفلها فصببت عليه فتوضأ وضوءه للصلاة ومسح على خفيه ثم صلى (بخاری)

آپ نے قضاء حاجت فرمائی۔ اس وقت آپ شامی جبہ پہنے ہوئے تھے۔ آپ نے اس کی آستین میں سے ہاتھ نکالنا چاہا۔ وہ تنگ تھی۔ آخر آپ نے جبہ کے اندر سے ہاتھ نکالے میں نے وضو کے لئے آپ پر پانی ڈالا۔ آپ نے نماز کے وضو کی طرح وضو کیا اور موزوں پر مسح کیا پھر نماز پڑھی

فوائد و مسائل اس حدیث کو امام بخاری نے جہاد اور لباس میں بھی ذکر کیا۔ اور مسلم و نسائی و ابن ماجہ نے طہارت میں ذکر کیا۔ عنوان کے مناسب اس حدیث میں "علیہ جبۃ الشامیۃ" کے الفاظ ہیں۔ اس حدیث کے مسائل و فوائد فیوض الباری پارہ اول ص۲۹۱ پر گزر چکے ہیں

باب كراهية التعري في الصلاة وغيرها

باب بلا ضرورت برہنہ نماز پڑھنے اور غیر نماز میں برہنہ رہنے کی کراہت کے بیان میں

أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان ينقل معهم الحجارة للكعبة وعليه إزاره فقال له العباس عمه يا ابن أخي لو حللت إزارك فجعلته على منكبيك دون الحجارة قال فحله فجعله على منكبيه فسقط مغشيا عليه فما رئي بعد ذلك عريانا

(بخاری)

جابر بن عبد اللہ کا بیان ہے کہ کعبہ کی تعمیر کے وقت حضور علیہ السلام بھی لوگوں کے ساتھ پتھر اٹھاتے تھے اور آپ تہبند باندھے ہوئے تھے تو آپ کے چچا حضرت عباس نے کہا اے بھتیجے اگر تم تہبند اتار کر پتھر کے نیچے رکھ لو تاکہ اٹھانے میں آسانی ہو۔ جابر کہتے ہیں۔ کہ حضور علیہ السلام نے تہبند مبارک اتار اور اپنے کندھے پر ڈال لیا اسی وقت آپ بیہوش ہوکر زمین پر آرہے۔ اس واقعہ کے بعد آپ کو کبھی برہنہ نہیں دیکھا گیا۔

فوائد و مسائل اس حدیث کو امام نے بنیان کعبہ میں اور مسلم نے طہارت میں ذکر فرمایا ترجمۃ الباب حدیث کے یہ الفاظ ہیں فما رئی بعد ذلك عریانا جو نماز کی حالت اور غیر نماز کی حالت دونوں کو شامل ہے ——— اس حدیث سے واضح ہوا۔ کہ ستر عورت ہر حال میں واجب ہے خواہ نماز میں ہو یا نہ ہو۔ تنہا ہو یا کسی کے سامنے بلا غرض صحیح تنہائی میں بھی برہنہ ہونا جائز نہیں

اور لوگوں کے سامنے یا نماز میں تو ستر بالاجماع فرض ہے۔ یہاں تک کہ اگر اندھیرے مکان میں نماز پڑھی گرچہ وہاں کوئی نہ ہو۔ اور اس کے پاس اتنا پاک کپڑا موجود ہے کہ ستر کا کام دے سکے۔ اور اس نے برہنہ نماز پڑھی، بالاجماع نماز نہ ہوگی۔

علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے فرمایا۔ کہ حدیث مذکورہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ حضور علیہ السلام قبل نبوت اور بعد نبوت رذائل و معائب سے محفوظ و معصوم ہیں۔ اور بحالت صغر سنی بھی اخلاقِ جاہلیت سے منزہ ہیں اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کی جبلت میں حسنِ اخلاق اور حیا کامل رکھی ہے۔ یہی وجہ تھی۔ کہ حضور علیہ السلام پردہ نشین عورتوں سے بھی زیادہ حیا والے تھے۔

بَابُ الصَّلٰوةِ فِي الْقَمِيصِ وَالسَّرَاوِيلِ وَالتُّبَّانِ وَالْقَبَاءِ

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَامَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَهُ عَنِ الصَّلٰوةِ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ فَقَالَ أَوَكُلُّكُمْ يَجِدُ ثَوْبَيْنِ ثُمَّ سَأَلَ رَجُلٌ عُمَرَ فَقَالَ إِذَا وَسَّعَ اللّٰهُ فَأَوْسِعُوْا جَمَعَ رَجُلٌ عَلَيْهِ ثِيَابَهُ صَلّٰى رَجُلٌ فِي إِزَارٍ وَرِدَاءٍ وَقَمِيصٍ فِي إِزَارٍ وَقَبَاءٍ فِي سَرَاوِيلَ وَرِدَاءٍ فِي سَرَاوِيلَ وَقَمِيصٍ فِي سَرَاوِيلَ وَقَبَاءٍ فِي تُبَّانٍ وَقَبَاءٍ فِي تُبَّانٍ وَقَمِيصٍ قَالَ وَأَحْسِبُهُ قَالَ فِي تُبَّانٍ وَرِدَاءٍ

(بخاری)

باب قمیص اور پاجامے اور شلوار اور جانگیہ میں نماز پڑھنے کے متعلق

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے بحضور نبوی سوال کیا کہ ایک کپڑے میں نماز پڑھنی جائز ہے؟ فرمایا کیا تم سب کے پاس دو کپڑے ہوتے ہیں؟ پھر ایک شخص نے یہی مسئلہ جناب عمر سے پوچھا۔ تو آپ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ تم کو فراخی دے تو تم بھی فراخی کرو۔ آدمی کو چاہیئے کہ اپنے کپڑے جمع کرے۔ کوئی تہبند اور چادر میں نماز پڑھے کوئی تہبند اور قمیص میں۔ کوئی تہبند اور قبا میں۔ کوئی پاجامہ اور چادر میں اور کوئی پاجامے اور قمیص میں۔ کوئی پاجامہ اور قبا میں، کوئی جانگیہ اور قبا میں۔ کوئی جانگیہ اور قمیص میں۔ ابوہریرہ نے کہا میرا گمان ہے کہ حضرت عمر نے یہ بھی فرمایا کہ کوئی جانگیے اور چادر میں

فوائد و مسائل اس حدیث کو امام نے باب الصلوٰۃ فی الثوب الواحد میں بھی ذکر کیا عنوان سے حدیث کی مناسبت یہ ہے۔ کہ اس میں مذکورہ بالا کپڑوں میں نماز کے جائز ہونے کا بیان ہے۔ اس حدیث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ نماز میں سترِ عورت واجب ہے۔ اور دو کپڑوں میں نماز پڑھنا افضل ہے۔ اگر کسی کے پاس دو کپڑے نہ ہوں تو ایک ہی کپڑے سے ستر عورت کر کے نماز پڑھ سکتا ہے (۲) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہاں نو صورتیں بیان فرمائی ہیں۔ مقصود ان سے حصر نہیں ہے بلکہ بتانا ہے کہ جو بھی ان کپڑوں کے قائم مقام ہو جائے اور ان سے ستر عورت ہو جائے۔ اس میں نماز پڑھ سکتے ہیں (۳) تبان اس چھوٹے پاجامے کو کہتے ہیں جس سے صرف شرمگاہ چھپ جائے یعنی جانگیہ اھ

ازار تہبند کو اور ردا چادر کو کہتے ہیں مگر ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ ازار نصف اسفل کے لئے ہوتا ہے اور ردا نصف اعلیٰ کے لئے۔ (والله اعلم)

واضح ہو کہ جا نگیہ پہننے کی صورت میں ستر عورت نہیں ہو گا کیونکہ ران اور گھٹنے کھلے رہتے ہیں۔ لیکن جب جانگیہ بھی ہو اور اوپر سے قبا پہنے گا یا چادر اوڑھ لے گا یا تہبند کرتا پہن لے گا تو ستر عورت ہو جائے گا۔

امام بخاری نے اس کے بعد ایک اور حدیث لکھی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور علیہ السلام سے ایک شخص نے استفسار کیا کہ آدمی بحالت احرام کیا پہنے؟ آپ نے فرمایا۔ قمیص، پاجامہ، شلوار، بارانی کوٹ، زعفران یا ورس میں رنگے ہوئے کپڑے نہ پہنے۔ اور جس شخص کو جوتیاں نہ ملیں۔ وہ موزے کاٹ کر پہن لے کہ ٹخنوں سے نیچے ہو جائیں۔ یہ حدیث کتاب العلم کے آخیر میں (فیوض الباری ج ۱ صفحہ ۲۹) پر گزر چکی ہے

(۲) امام بخاری علیہ الرحمۃ نے اس حدیث سے واضح کیا ہے کہ محرم کو مذکورہ بالا قسم کے کپڑے پہننے منع ہیں اس سے معلوم ہوا کہ غیر محرم کو مذکورہ بالا کپڑے پہننے جائز ہیں۔ لہٰذا ان کپڑوں میں نماز بھی جائز ہے۔ امام نے یہ بتایا ہے کہ قمیص و پاجامہ کے بغیر بھی نماز درست ہے۔ یعنی دو چادروں میں نماز پڑھنا جائز ہے کیونکہ محرم باندھے ہوتا ہے اور انہیں چادروں میں نماز پڑھتا ہے۔

بَابُ مَا يُسْتَرُ مِنَ الْعَوْرَةِ	**باب نماز میں ستر عورت کے متعلق**
(۱) عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ نِ الْخُدْرِيِّ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ اشْتِمَالِ الصَّمَّاءِ وَاَنْ يَّحْتَبِيَ الرَّجُلُ فِيْ ثَوْبٍ وَّاحِدٍ لَيْسَ عَلٰى فَرْجِهٖ مِنْهُ شَيْءٌ (بخاری)	حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشتمال صماء سے منع فرمایا۔ اور احتباء فی ثوب واحد سے بھی منع کیا۔ جبکہ شرمگاہ کھلی رہے
(۲) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعَتَيْنِ عَنِ اللِّمَاسِ وَالنِّبَاذِ وَاَنْ يَّشْتَمِلَ الصَّمَّاءَ وَاَنْ يَّحْتَبِيَ الرَّجُلُ فِيْ ثَوْبٍ وَّاحِدٍ (بخاری)	حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے۔ کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے دو طرح کی بیع سے منع فرمایا۔ لماس اور نباذ سے اور اشتمال صماء سے احتباء فی ثوب واحد سے بھی منع فرمایا۔

فوائد و مسائل حدیث اول کو امام بخاری نے لباس بیوع و استیذان میں بھی ذکر کیا۔ اور ابو داؤد نے بیوع میں۔ نسائی نے بیوع اور زینت میں اور ابن ماجہ نے تجارات میں ذکر کیا۔

حدیث دوم کو امام بخاری نے صلوٰۃ میں۔ لباس میں۔ مسلم نے بیوع میں اور ترمذی و نسائی نے بھی بیوع میں اور ابن ماجہ نے صلوٰۃ و تجارات اور لباس میں ذکر کیا۔

(۱) اشتمال صماء۔ صخرۃ صماء اس پتھر کو کہتے ہیں۔ جس میں سوراخ وغیرہ نہ ہو۔ تو یہ اشتمال بھی اس کے مشابہ ہوتا ہے۔ یعنی اشتمال صماء یہ ہے کہ ایک کپڑے کو اس طرح لپیٹ لے کہ ہاتھ وغیرہ اندر بند ہو جائیں۔ اس طرح چادر میں لپٹ کر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ یا سارے بدن پر کپڑا لپیٹا جائے۔ اور پھر اس کی ایک طرف کو اٹھا کر کندھے پر ڈال لے۔ اس طرح کرنے سے شرمگاہ کھل جائے۔ یہ بھی اشتمال صماء ہے۔ اور اس طرح

ہے۔ پہنا کر شرم گاہ کھل جائے نماز و غیر نماز دونوں میں حرام ہے (۳) احتباء کے معنی گھوٹ مارنے کے ہیں یعنی اپنے دونوں سرین کے بل بیٹھے اور دونوں پنڈلیاں کھڑی کر دے۔ اور ہاتھ سے یا کپڑے سے گھیر لے۔ اور جب آدمی اس طرح بیٹھے اور شرمگاہ پر کپڑا نہ ڈالے۔ تو اکثر شرم گاہ کھل جاتی ہے۔ حضور علیہ السلام نے اس طرح گھوٹ مار کر بیٹھنے سے بھی منع فرمایا (۴) ملامسہ یہ ہے۔ کہ مال کو چھو دینے سے بیع منعقد ہو جائے اور منابذہ یہ ہے کہ کپڑا یا کوئی اور چیز ایک دوسرے کی طرف پھینک دینے سے بیع لازم قرار پائے اس طرح کی بیع و شرا زمانہ جاہلیت میں ہوتی تھی۔ حضور علیہ السلام نے اس کو ممنوع قرار دیا کیونکہ اس طرح کی بیع و شرا سے یا تو جانبین میں سے کسی کی حق تلفی ہوتی ہے یا دوسرے جھگڑا و فساد۔

کتاب البیوع میں ان شاء اللہ امور و مسائل بیع و شرا تفصیل کے ساتھ بیان ہوں گے۔

اَنَّ اَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ بَعَثَنِىْ اَبُوْبَكْرٍ فِىْ تِلْكَ الْحَجَّةِ فِىْ مُؤَذِّنِيْنَ يَوْمَ النَّحْرِ نُؤَذِّنُ بِمِنًى اَنْ لَّا يَحُجَّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ وَّلَا يَطُوْفَ فِى الْبَيْتِ عُرْيَانٌ قَالَ حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ثُمَّ اَرْدَفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلِيًّا فَاَمَرَهٗ اَنْ يُّؤَذِّنَ بِبَرَاءَةَ قَالَ اَبُوْهُرَيْرَةَ فَاَذَّنَ مَعَنَا عَلِىٌّ فِىْ اَهْلِ مِنًى يَوْمَ النَّحْرِ لَا يَحُجُّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ وَّلَا يَطُوْفُ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ
(بخاری)

حمید بن عبد الرحمٰن بن عوف نے کہا کہ حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا کہ مجھے حضرت ابو بکر نے اعلان کرنے والوں کے ساتھ اس حج کے موقع پر جو انہوں نے حجۃ الوداع سے پہلے کیا تھا ذی الحجہ کی دس تاریخ کو بھیجا تھا کہ ہم یہ اعلان کر دیں۔ کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے۔ اور نہ کوئی برہنہ طواف کرے۔ حمید بن عبد الرحمٰن نے کہا۔ حضور علیہ السلام نے حضرت ابو بکر کو بھیجنے کے بعد حضرت علی کو حکم دیا کہ وہ سورہ برأت سنا دیں۔ ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ ہمارے ساتھ منیٰ میں یوم النحر کو حضرت علی نے بھی یہ اعلان کیا کہ اس کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور نہ کوئی بیت اللہ کا برہنہ ہو کر طواف ہی کرے۔

زوائد و مسائل اس حدیث کو امام نے جزیہ، مغازی، حج اور تفسیر میں بھی ذکر کیا۔ اور مسلم و ابو داؤد و نسائی نے حج میں ذکر فرمایا

اس حدیث سے واضح ہوا کہ نماز میں ستر عورت واجب ہے۔

بَابُ الصَّلٰوةِ بِغَيْرِ رِدَاءٍ — باب بغیر چادر کے نماز پڑھنے کے بیان میں

اس عنوان کے تحت امام نے جو حدیث لکھی ہے۔ اس کا ترجمہ یہ ہے:۔

محمد بن منکدر کہتے ہیں۔ میں نے حضرت جابر کو دیکھا۔ وہ ایک کپڑا لپیٹ کر نماز پڑھ رہے تھے اور ان کی چادر الگ پڑی تھی۔ جب انہوں نے سلام پھیرا تو ہم نے کہا۔ آپ بغیر چادر کے نماز پڑھ رہے ہیں۔ فرمایا۔ ہاں میں نے چاہا۔ جو لوگ جاہل ہیں۔ وہ مجھے دیکھ لیں۔ میں نے حضور علیہ السلام کو بھی اسی طرح نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ (بخاری)

یہ حدیث باب عقد الازار علی القفا میں مع تفہیم کے گذر چکی ہے۔ اور اس سے واضح ہوا کہ ایک کپڑے کو بتہ کر نماز پڑھنا جائز ہے۔ البتہ دو کپڑوں میں نماز پڑھنا سب کے نزدیک افضل ہے۔

بَابُ مَا يُذْكَرُ فِي الْفَخِذِ

قَالَ اَبُوْعَبْدِ اللّٰهِ وَيُرْوٰى عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَّجَرْهَدٍ وَّمُحَمَّدِ ابْنِ جَحْشٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْفَخِذُ عَوْرَةٌ

باب۔ ران کے عورت ہونے کے متعلق جو روایات (آئی ہیں)

امام بخاری نے فرمایا۔ کہ حضرت ابن عباس و جرہد و محمد بن جحش نے حضور علیہ السلام سے روایت کیا کہ ران عورت ہے۔

فوائد و مسائل

امام نے حدیث بالا کو بصیغۂ تمریض تین افراد حضرت ابن عباس و جرہد و محمد بن جحش سے کیا ہے۔

۱۔ حدیث ابن عباس کو امام ترمذی و امام احمد نے روایت کیا۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو موصولاً روایت کیا ہے۔ اور فرمایا ہے۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ اور اس حدیث کے ایک راوی ابویحییٰ القتات ہیں۔ اور یہ کنیت سے مشہور ہیں اور ان کے نام میں چھ قول ہیں ———— اور حدیث جرہد کو امام مالک موطا میں روایت کیا ہے۔ اور امام ترمذی و ابن حبان نے حسن صحیح اور امام بخاری نے تاریخ میں اضطراب کی وجہ سے حدیث جرہد کو ضعیف قرار دیا ———— اور حدیث محمد بن جحش کو حاکم، طبرانی نے روایت کیا اس کے سب راوی صحیح کے راوی ہیں سوائے ایک راوی ابوکثیر کو ابن حزم نے مجہول قرار دیا ہے۔

وَقَالَ اَنَسٌ حَسَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ فَخِذِهٖ (بخاری)

قَالَ اَبُوْعَبْدِ اللّٰهِ وَحَدِيْثُ اَنَسٍ اَسْنَدُ وَحَدِيْثُ جَرْهَدٍ اَحْوَطُ حَتّٰى نَخْرُجَ مِنْ اِخْتِلَافِهِمْ (بخاری)

حضرت انس نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام نے جنگ خیبر میں ران مبارک ظاہر فرمائی

امام بخاری نے فرمایا۔ کہ حدیث انس سند کی رو سے قوی ہے اور جرہد کی حدیث میں احتیاط ہے تاکہ ہم ان کے اختلافات سے نکل جائیں۔

ران کے عورت ہونے کے متعلق بحث

واضح ہو کہ حدیث جرہد جو قولی حدیث ہے۔ اس سے ثابت ہے کہ ران عورت ہے۔ اور حدیث انس "حضور علیہ السلام جنگ خیبر میں اپنی ران ظاہر فرمائی" سے واضح ہوتا ہے کہ ران عورت نہیں ہے ورنہ حضور علیہ السلام اس کو نہ فرماتے ———— اب سوال پیدا ہوا کہ جب حدیث انس اصح ہے اور حدیث جرہد صحیح ہے تو اصح پر عمل کرنا چاہئے بخاری نے جواب دیا کہ اگرچہ حدیث انس حدیث جرہد سے اصح ہے مگر حدیث جرہد میں احوط ہے۔ اور احتیاط اسی ہے کہ حدیث جرہد پر عمل کیا جائے اور ران کو عورت قرار دیا جائے۔

علامہ قسطلانی نے فرمایا کہ جمہور تابعین و امام اعظم ابوحنیفہ و امام مالک و شافعی و احمد سے صحیح روایت امام ابو یوسف و امام محمد کا بھی یہی قول ہے کہ ران عورت ہے اور اس کا چھپانا واجب ہے علامہ شوکانی نے لکھا ران کا عورت ہونا ہی حق ہے۔ اور جرہد کی حدیث قولی ہے اور قولی فعلی پر مقدم ہے علاوہ ازیں یہ

ممکن ہے کہ جن آثار میں یہ آیا ہے۔ کہ حضور علیہ السلام نے اپنی ران کھلی رکھی۔ یہ حضور کی خصوصیات سے ہو۔ علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے فرمایا یہ بھی ممکن ہے کہ جن آثار میں حضور علیہ السلام کا اپنی ران کھلی رکھنے کا ذکر ہے۔ اس وقت تک ران کے ستر کا حکم نہ ہوا ہو۔ علامہ طحاوی علیہ الرحمۃ نے حدیث جرہد و حدیث محمد بن جحش و جس میں یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ اپنی ران ڈھانپ لو فان فخذ الرجل عورۃ۔ کیونکہ مرد کی ران عورت ہے (متعدد طرق سے روایت کر کے لکھا کہ ان حدیثوں سے ران کا عورت ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور اس کے کھلی ہونے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ امام طحاوی علیہ الرحمۃ نے یہ بھی تصریح کی کہ ران کے عورت نہ ہونے کے متعلق کوئی حدیث صحیح نہیں ہے۔ اور یہ حقیقت ہے۔ کہ ران کے عورت نہ ہونے کے متعلق کوئی قولی حدیث نہیں ہے۔ صرف فعلی آثار ہیں۔ جن میں یہ آتا ہے کہ فلاں موقع پر حضور علیہ السلام نے اپنی ران کھلی رکھی۔ انہیں آثار فعلیہ سے بعض لوگوں نے ران کے عورت نہ ہونے کی دلیل لی ہے مگر یہ دلیل تام نہیں ہے (نیل الاوطار جلد ۱ صفحہ ۲۹۲، عینی جلد ۲ صفحہ ۳۴۲)

وَقَالَ اَبُوْ مُوْسٰی غَطَّی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رُکْبَتَیْہِ حِیْنَ دَخَلَ عُثْمَانُ (بخاری)	حضرت ابو موسیٰ اشعری نے کہا کہ حضور علیہ السلام ایک دن اپنا گھٹنا کھولے ہوئے جلوہ فرما تھے کہ حضرت عثمان آ گئے آپ نے گھٹنا چھپا لیا۔

یہ اس حدیث کا ٹکڑا ہے۔ جسے امام بخاری نے مناقب میں ذکر کیا ہے۔ اس میں یہ تصریح ہے کہ حضور قاعدا فی مکان فیہ ماء۔ حضور علیہ السلام ایسے مقام پر جلوہ فرما تھے۔ جہاں پانی تھا۔ اور پانی سے بچنے کے لئے آپ نے گھٹنے سے کپڑا اٹھایا ہوا تھا۔ —— علامہ عینی نے فرمایا۔ اس حدیث کی ترجمہ سے مناسبت یہ ہے کہ جب گھٹنا عورت ہے۔ تو ران بطریق اولیٰ عورت قرار پائے گی کیونکہ یہ شرمگاہ سے زیادہ قریب ہوتی ہے۔

توضیح علاوہ جو بعض روایات میں آیا ہے کہ حضور علیہ السلام ران کھولے جلوہ فرما تھے۔ کہ حضرت ابوبکر آئے۔ پھر عمر آئے تو آپ نے انہیں اندر آنے کی اجازت دے دی۔ جب حضرت عثمان آئے تو آپ نے اپنی ران ڈھانپ لی۔ حضرت عائشہ صدیقہ کے استفسار پر حضور نے فرمایا۔ عثمان بڑے شرم و حیا کے پتلے ہیں۔ اگر وہ مجھے اس حالت میں دیکھ لیتے تو اپنا کام پورا نہ کر سکتے۔

اس حدیث سے بعض علماء نے یہ استدلال فرمایا کہ اگر ران عورت ہوتی۔ تو حضور علیہ السلام حضرت ابوبکر اور عمر فاروق کے سامنے اپنی ران کھلی نہ رکھتے —— لیکن اس مضمون کی روایات میں حسب ذیل امور قابل غور و فکر ہیں۔

اول:- یہ فعلی حدیث ہے قولی نہیں ہے

دوم:- ہو سکتا ہے کہ یہ بات حضور کی خصوصیات سے ہو

سوم:- یہ کہ اس وقت ران کے ستر کا حکم نہ آیا ہو (نیل الاوطار و عینی و قسطلانی)

چہارم:- امام اجل طحاوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا مذکورہ حدیث ان لفظوں کے ساتھ غریب ہے۔

اس حدیث کو جماعت اہل بیت نے بھی روایت کیا ہے۔ مگر اس میں کشف فخذین کا ذکر نہیں ہے۔ لہذا
سے یہ استدلال صحیح نہیں کہ ران عورت نہیں ہے
پنجم :۔ ابو عمر نے کہا حدیث حفصہ جس میں کشف فخذین کا ذکر ہے مضطرب ہے
ششم :۔ امام شافعی نے فرمایا جس روایت میں کشف فخذین کا ذکر ہے مشکوک ہے (بیہقی)۔
ہفتم :۔ امام طبرانی نے فرمایا کہ "جن روایات میں یہ ہے کہ حضرت ابوبکر آئے اور حضور علیہ السلام اپنی ران
کھولے ہوئے جلوہ فرما تھے"۔ ان کی اسناد واہی ہے سعد وہ اخبار و آثار جن میں ران کے چھپانے
کا حکم آیا ہے اخبار صحیحہ ہیں۔ (کتاب تہذیب الآثار)
ہشتم :۔ حدیث عائشہ و عثمان جس کو مسلم نے روایت کیا ہے۔ اس میں فخذ کی جگہ یہ لفظ ہیں۔ وھو
مضطجع علی فراشہ لابس مرط عائشۃ۔ اس سے واضح ہوا کہ اصل قصہ میں کشف
فخذین کا ذکر ہی نہیں ہے۔ رہی مسلم کی دوسری روایت سو اس میں بھی عن فخذیہ او ساقیہ کے
الفاظ ہیں۔ اسی لئے امام شافعی نے فرمایا کہ کشف فخذین والی روایات مشکوک ہیں۔

خلاصۂ بحث یہ کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی قولی احادیث سے یہی ثابت ہوتا ہے۔
ران عورت ہے۔ اور احناف کے نزدیک ناف سے لے کر گھٹنے سمیت عورت ہے۔ اور نماز وغیرہ
میں اس کا چھپانا واجب ہے:

وَعَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفَخِذُهٗ عَلٰى فَخِذِيْ فَثَقُلَتْ عَلَيَّ حَتّٰى خِفْتُ اَنْ تُرَضَّ فَخِذِيْ (بخاری)	حضرت زید بن ثابت نے کہا۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل فرمائی اس وقت آپ کی ران مبارک میری ران پر تھی تو وہ اتنی بھاری ہو گئی کہ میں ڈرا کہیں میری ران بوجھ سے کچل نہ جائے۔

فوائد و مسائل اس تعلیق کو امام نے تفسیر سورہ نساء، فی قولہ تعالیٰ۔ لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ، میں وصل کیا اور کتاب الجہاد میں اس حدیث کو ذکر کیا۔ اور ترمذی
تفسیر میں اور نسائی نے جہاد میں ذکر کیا۔

حضرت زید بن ثابت انصاری۔ صحابی جلیل القدر اور کاتب وحی ہیں۔ جس وقت یہ مدینہ میں تشریف
لائے ان کی عمر ۱۱ سال تھی۔ جلیل القدر علماء و فقہاء صحابہ میں ان کا شمار
علم فرائض کے امام ہیں۔ حضور نے فرمایا۔ افرضکم زید (احمد) حضور کے ارشاد کے مطابق آپ نے یہود کی
لغت ۱۵ دن میں اور سریانی زبان ۱۷ دن میں سیکھ لی تھی۔ تاکہ غیر زبان والوں کو تبلیغ کر سکیں۔ قرآن پاک کی
تدوین میں ان کا بڑا حصہ ہے۔ خلافت صدیقی میں انہوں نے قرآن مجید کی کتابت بھی کی۔ اور قرآن کو مصحف
سے خلافت عثمانی میں نقل کیا۔ ایک بڑی جماعت نے ان سے روایت کی۔ آپ سے کل ۹۲ حدیثیں مروی ہیں
میں ۹ ہیں۔ ۴۵ھ میں بعمر ۵۶ سال وفات پائی۔ رضی اللہ عنہ (قسطلانی)
واضح ہو کہ اس حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ران عورت نہیں ہے کیونکہ احتمال قوی ہے۔ کہ

ہے بڑا حائل ہے کیونکر عموماً آدمی ران کھول کر نہیں بیٹھتا۔ خصوصاً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

عن انس بن مالک ان رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم غزا خیبر فصلینا
عندہا صلاۃ الغداۃ بغلس فرکب
النبی صلی اللہ علیہ وسلم ورکب ابو
طلحۃ وانا ردیف ابی طلحۃ فاجری
نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی زقاق
خیبر وان رکبتی لتمس فخذ نبی اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم ثم حسر الازار عن
فخذہ حتی انی انظر الی بیاض فخذ
نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلما دخل
القریۃ قال اللہ اکبر خربت خیبر
انا اذا نزلنا بساحۃ قوم فساء صباح
المنذرین قالہا ثلاثا قال وخرج القوم
الی اعمالہم فقالوا محمد قال عبد
العزیز وقال بعض اصحابنا والخمیس
یعنی الجیش قال فاصبناہا عنوۃ فجمع
السبی فجاء دحیۃ فقال یا نبی اللہ
اعطنی جاریۃ من السبی فقال اذہب
فخذ جاریۃ فاخذ صفیۃ بنت حیی
فجاء رجل الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم
فقال یا نبی اللہ اعطیت دحیۃ صفیۃ
بنت حیی سیدۃ قریظۃ والنضیر
لا تصلح الا لک قال ادعوہ بہا فجاء
بہا فلما نظر الیہا النبی صلی اللہ
علیہ وسلم قال خذ جاریۃ من السبی
غیرہا قال فاعتقہا النبی صلی اللہ
علیہ وسلم وتزوجہا فقال لہ ثابت
یا ابا حمزۃ ما اصدقہا قال نفسہا

حضرت انس بن مالک سے کہ رسول اللہ صلے اللہ
علیہ وسلم نے خیبر پر چڑھائی کی تو ہم لوگوں نے صبح کی
نماز اندھیرے میں پڑھی۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم
سوار ہوئے اور ابو طلحہ بھی سوار ہوئے اور میں ابو طلحہ
کے پیچھے ایک ہی سواری پر تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ
وسلم نے خیبر کی گلیوں میں اپنی سواری کو دوڑایا اس
دوران میں میرا گھٹنا حضور کی ران مبارک
سے چھو جاتا۔ پھر آپ نے اپنی ران مبارک سے
تہبند ہٹائی حتی کہ میں نے آپ کی ران کی سپیدی
دیکھی۔ جب آپ خیبر کی بستی میں داخل ہوئے۔ تو
فرمایا اللہ اکبر خربت خیبر۔ خیبر برباد ہوا ہم جب
کسی قوم کے صحن مقابل میں اتریں۔ تو جو لوگ ڈرائے
گئے ان کی صبح منحوس ہوتی ہے حضور نے یہ جملے
تین مرتبہ ارشاد فرمائے۔ حضرت انس کہتے ہیں کہ اہل خیبر
یہودی اپنے کام کاج کے لئے نکلے تھے۔ آپ کو دیکھ
کر کہنے لگے وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آگئے عبد العزیز
نے کہا ہمارے ساتھیوں نے اتنا اور زیادہ کیا۔ یعنی
یہود نے یہ کہا محمد صلے اللہ علیہ وسلم اور لشکر آگیا۔
حضرت انس نے فرمایا ہم نے خیبر کو طاقت سے
فتح کر لیا۔ پھر قیدی اکٹھے کئے گئے تو دحیہ کلبی آئے کہنے
لگے اے اللہ کے نبی ان قیدیوں میں سے ایک لونڈی
مجھے بھی عطا ہو۔ آپ نے فرمایا ایک لونڈی لے لے
انہوں نے صفیہ بنت حیی کو لے لیا۔ پھر ایک آدمی حضور
نبی حاضر ہوا عرض کی اے اللہ کے نبی آپ نے صفیہ
بنت حیی جو بنی قریظہ اور بنی نضیر کی سردار تھی
دحیہ کو دے دی وہ تو آپ ہی کے لائق ہے فرمایا اچھا
دحیہ کو صفیہ سمیت بلاؤ۔ وہ ان کو لیکر آئے تو آپ نے فرمایا دحیہ
تم قیدیوں میں سے کوئی اور لونڈی لے لو۔ حضرت انس نے

گئے ہیں (رفتح الباری)، امام منذری کا نے فرمایا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ خیبر کے کچھ حصے تو باجمگو کر عنوۃ، فتح
کئے گئے کچھ حصے صلح سے اور بعض حصوں کے مکینوں کو جلاوطن کیا گیا۔ اس معنیٰ کی بنا پر احادیث خیبر میں
تطبیق ہو جاتی ہے (عینی ج ۲ ملخصا)۔ (۲) جو چیز لڑائی میں کافروں سے بطور قہر و غلبہ حاصل ہو اس کو
غنیمت کہتے ہیں غنیمت میں سے خمس یعنی پانچواں حصہ نکال کر باقی مجاہدین میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ فتح کے بعد
جو کافر مسلمان نہ ہوں تو انہیں لونڈی غلام بنا لیا جاتا ہے بعد اس کو بھی مجاہدین میں تقسیم کر دیا جاتا ہے
حضرت دحیہ نے بھی ایک لونڈی مانگی۔ حضور نے انہیں ایک لونڈی منتخب کرنے کی اجازت دے دی۔ یہ
حضرت آپ نے غالباً اپنے حصہ میں سے دی تھی یا بطور انعام کے دی تھی۔ جس کا امام کو اختیار ہوتا ہے۔
حضرت صفیہ بنت حیی حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد سے تھیں۔ یہود میں صاحب عزت اور ان
کے سردار کی بیٹی تھیں۔ بنو قریظہ و بنو نضیر الیہود کے زیر سیادت تھے۔ حضرت صفیہ کے خاوند کنانہ بن ربیع
جنگ خیبر میں مارے گئے (۳)، پھر ایک صاحب نے حضور کو مشورہ دیا کہ حضرت صفیہ معزز خاتون ہیں
وہ حضرت دحیہ کے مناسب نہیں ہیں۔ مسلم میں ہے۔ ان کے مشورہ پر حضور نے سات غلاموں کے عوض
حضرت صفیہ کو دحیہ سے خرید لیا اور آزاد کر کے ان کے ساتھ نکاح فرما لیا

حدیث زیر بحث مسائل ذیل پر مشتمل ہے:۔

(۱) کفار سے جنگ کرتے وقت تین بار بلند آواز سے تکبیر کہنا مستحب ہے (۲) سردار کا اپنی لونڈی کو
آزاد کر کے اس سے نکاح کرنا مستحب ہے اور حدیث میں آیا ہے کہ ایسے شخص کے لئے دو اجر ہیں (۳)
اس حدیث سے یہ استدلال کیا گیا کہ اگر کوئی شخص اپنی لونڈی کو آزاد کر کے نکاح کرے اور اس کی آزادی
کو مہر قرار دے تو جائز ہے حضرت سعید بن المسیب، حسن بصری، ابراہیم نخعی، عامر شعبی، اوزاعی، محمد
بن زہری، عطا بن ابی رباح، قتادہ، طاؤس، حسن بن حیی، احمد و اسحاق علیہم الرحمۃ کا یہی مسلک ہے۔ و
قال الترمذی انہ مذہب الشافعی ــــــــ اور حضرت لیث بن سعد، ابن شبرمہ
جابر بن عبد اللہ و امام اعظم ابو حنیفہ، زفر، امام مالک یہ کہتے ہیں کہ مذکورہ بالا صورت میں نکاح تو صحیح ہے
لیکن آزادی مہر نہیں قرار پائے گی۔ بلکہ شوہر کو مہر مثل دینا پڑے گا۔ کیونکہ آزادی ایک وصف ہے مال نہیں
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت صفیہ کی آزادی کو مہر قرار دینا تو یہ حضور کی خصوصیات سے ہے۔
جب قرآن میں اللہ تعالیٰ نے حضور کو یہ اجازت دی ہے کہ وہ بغیر مہر کے بھی نکاح فرما لیں۔ تو آپ کو
یہ بھی جائز ہونا چاہیے کہ آپ عتاق کے عوض نکاح فرمالیں جو مہر نہیں بن سکتا۔ وہ آیت یہ ہے
وَامْرَأَةً مُّؤْمِنَةً إِن وَهَبَتْ ... لہٰذا عتاق کو مہر بنا لینا حضور علیہ السلام کے لئے جائز ہے۔ ہمارے
لئے نہیں۔ (۴) ولیمہ کرنا سنت ہے عام طور پر لوگ ولیمہ نہیں کرتے اور دوسری دعوتیں کر دیتے ہیں۔ جن کو توفیق
ہو ولیمہ کرنا چاہیے اور ولیمہ کو دوسری دعوتوں پر ترجیح دینی چاہیے۔
ولیمہ، ولم سے ہے جس کے معنے جمع کے ہیں۔ کیونکہ اس رات مرد و عورت جمع ہوتے ہیں۔ اس لئے
اسے ولیمہ کہتے ہیں۔ ولیمہ کا اطلاق خاص اس دعوت پر ہوتا ہے۔ جو شب زفاف کے بعد دی جاتی ہے

(۵) اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ولیمہ کے لئے لمبے چوڑے تکلف کی ضرورت نہیں۔ حسب توفیق اپنے عزیز و اقرباء کی دعوت کر دی جائے۔ اور جو میسر ہو وہ ان کے سامنے پیش کر دیا جائے اگرچہ صرف کھجوریں ہی کیوں نہ ہو۔

بَابُ فِي كَمْ تُصَلِّي الْمَرْأَةُ مِنَ الثِّيَابِ

باب عورت کتنے کپڑوں میں نماز پڑھے

(۱) وَقَالَ عِكْرِمَةُ لَوْ وَارَتْ جَسَدَهَا فِي ثَوْبٍ جَازَ

اور حضرت عکرمہ نے کہا اگر عورت اپنا سارا بدن ایک ہی کپڑے سے چھپا کر نماز پڑھے تو درست ہے

(۲) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَقَدْ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الْفَجْرَ فَتَشْهَدُ مَعَهُ نِسَاءٌ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ مُتَلَفِّعَاتٍ فِي مُرُوطِهِنَّ ثُمَّ يَرْجِعْنَ إِلَى بُيُوتِهِنَّ مَا يَعْرِفُهُنَّ أَحَدٌ (بخاری)

حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔ حضور علیہ السلام نماز فجر ادا فرماتے اور آپ کے ساتھ مسلمان عورتیں بھی شریک ہوتیں۔ اپنی چادریں لپیٹے ہوئیں پھر نماز کے بعد اپنے گھروں کو لوٹ جاتیں۔ کوئی ان کو نہ پہچانتا

فوائد و مسائل

حضرت عکرمہ مولیٰ ابن عباس فقہاء کرام میں سے ہیں۔ اس تعلیق کو امام عبد الرزاق نے مصنف میں وصل کیا جس کے الفاظ یہ ہیں:-

لو اخذت المرأة ثوبا فتقنعت به حتى لا يرى من جسدها شيئ اجزأ عنها

اگر عورت ایک کپڑے سے سارے بدن کو ڈھانپ لے اس طرح کہ اس کے بدن کا کوئی حصہ نظر نہ آئے تو جائز ہے۔

اور حدیث نمبر ۲ کو ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، مسلم، ابو داؤد نے بھی کتاب الصلوٰۃ میں ذکر کیا مرط اس چادر کو کہتے ہیں جو ریشم اون یا کتان سے بنائی گئی ہو۔ عبد الملک نے شرح مؤطا میں کہا۔ اس اوڑھنی کو کہتے ہیں جو باریک اون سے بنائی جاتی ہے ——— امام بخاری نے ان دونوں روایتوں سے ثابت کیا ہے کہ اگر عورت صرف ایک کپڑے میں نماز پڑھے۔ اور اس کپڑے سے اس کا پورا بدن چھپ جائے تو جائز ہے ——— واضح ہو کہ آزاد عورت کا سارا بدن عورت ہے۔

عورتوں کے لئے نماز میں سارے بدن کو چھپانا فرض ہے اور اس کے ضروری مسائل

سوائے منہ کی ٹکلی اور ہتھیلیوں اور پاؤں کے تلوں کے جیسے بال اور گردن اور کلائیاں بھی عورت ہیں ان کا چھپانا بھی فرض ہے۔ اور کپڑا ایسا ہونا چاہیئے جس سے بدن کی رنگت نظر نہ آئے۔ اتنا باریک کپڑا جس سے بدن چمکے یا ایسا باریک دوپٹہ جس سے بالوں کی سیاہی چمکے عورت نے اوڑھ کر نماز پڑھی نہ ہوگی اگرچہ باریک کپڑے پر کوئی ایسا کپڑا اوڑھ لے جس سے بال وغیرہ کا رنگ چھپ جائے۔ تو نماز ہو گی ورنہ نہیں ——— بعض آثار اور اقوال فقہاء میں تصریح ہے کہ عورتیں تین کپڑوں یا دو دو یعنی قمیص، پاجامہ، اوڑھنی میں نماز پڑھیں۔ مگر یہ حکم استحبابی ہے۔ اور ایک کپڑے میں

پڑھنا جبکہ اس سے پوبا ستر ہو جائے جائز ہے (۲) اس حدیث میں ہے کہ عورتیں چادروں میں لپٹی ہوئی آتیں۔ اور جب پتہ نہ ۔ گھروں کو واپس ہوتیں تو پہچانی نہ جاتی تھیں مسلم و ابن ماجہ میں ہے اس کی وجہ یہ تھی کہ اندھیرے میں نماز فجر ادا کی جاتی تھی اور یہ بھی ممکن ہے کہ نہ پہچانے جانے کی وجہ یہ ہو کہ وہ چادر اوڑھنے میں مبالغہ کرتی تھیں۔

نماز فجر اجالے میں پڑھنا مستحب ہے

حدیث کے اس آخری ٹکڑے سے سیدنا امام مالک و امام شافعی و احمد و اسحاق رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے یہ استدلال فرمایا نماز فجر غلس (اندھیرے) میں پڑھنا افضل ہے لیکن یہ استدلال متعدد وجوہ سے درست نہیں۔

اول۔ کوئی مرفوع قولی حدیث ایسی نہیں ہے۔ جس میں حضور علیہ السلام نے فجر اندھیرے میں پڑھنے کا حکم دیا ہو ——— اس کے برعکس کثیر مرفوع متصل صحیح حدیثوں میں حضور علیہ السلام نے فجر کی نماز اسفار (اجالے) میں پڑھنے کا حکم دیا اور اسی کو باعث اجر کثیر قرار دیا۔

اس سلسلہ کی چند حدیثیں یہ ہیں:۔

۱۰۔ لا تزال امتی علی الفطرة ما اسفروا بالفجر (طبرانی عن ابوہریرہ)	میری امت اس وقت تک فطرت پر رہے گی جب تک فجر کی نماز اجالے میں پڑھے گی
۱۱۔ اصبحوا بالصلاة الصبح فانه اعظم للاجر (ترمذی، ابن ماجہ)	فجر کی نماز روشن وقت میں پڑھو کیونکہ اس میں ثواب زیادہ ہے

اس مضمون کی حدیث کو ابوداؤد نے رافع بن خدیج سے روایت کیا۔ ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے نیز ابن حبان، طبرانی، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا۔

۱۲۔ اسفروا بصلاة الصبح فانه اعظم للاجر (بزار)	حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ فجر اسفار میں پڑھو اس میں زیادہ ثواب ہے۔
۱۳۔ یا بلال نور بصلاة الصبح حتی یبصر القوم مواقع نبلهم (ابن عدی عن انس، طبرانی)	حضور علیہ السلام نے فرمایا اے بلال نماز فجر اتنے اجالے میں ادا کرو کہ لوگ تیر گرنے کی جگہ کو دیکھ لیں۔

ان مضامین کی احادیث کو حسب ذیل صحابہ کرام نے روایت کیا ہے:۔

حضرت بلال (بزار) حضرت انس (بزار) قتادہ بن نعمان (بزار) ابن مسعود (طبرانی) ابوہریرہ (ابن حبان) ابو برزہ ابن عباس (طبرانی) ابوالدرداء (ابو اسحاق) حواء الانصاریة وکانت من المبایعات

جمع ۲ ص ۲۹۲ تا ص ۲۹۶)

یہ تمام قولی حدیثیں ہیں جن میں حضور علیہ السلام نے نماز فجر اجالے میں پڑھنے کا حکم دیا۔ اور جب قولی فعلی حدیث میں تعارض ہو تو قولی کو ترجیح دی جاتی ہے۔

دوسرے۔ عام صحابہ کرام نماز فجر اجالے میں پڑھتے تھے

(۱) حضرت انس فرماتے ہیں کہ ہم کو حضرت ابوبکر نے نماز پڑھائی۔ اور اس میں سورہ آل عمران پڑھی۔ فقالوا کادت الشمس تطلع تو لوگوں نے کہا سورج نکلنے کے قریب ہے (بیہقی)

(۲) حضرت عبدالرحمن بن یزید کہتے ہیں کہ ہم حضرت عبداللہ بن مسعود کے ساتھ نماز پڑھتے فکان یسفر بصلوۃ الصبح تو آپ نماز فجر اجالے میں ادا کرتے تھے۔ (طحاوی شریف)

(۳) ابو عثمان نہدی سے روایت ہے کہ ہم نے حضرت عمر فاروق اعظم کے پیچھے نماز پڑھی۔ تو جب آپ نے سلام پھیرا تو عقل والے لوگوں نے خیال کیا کہ ان الشمس طلعت سورج نکلا ہی چاہتا ہے۔ (بیہقی)

(۴) علی ابن ربیعہ کہتے ہیں میں نے علی المرتضیٰ کو یہ کہتے ہوئے سنا

یا قنبر اسفر اسفر (طحاوی)	اے قنبر اجالا کرو، اجالا کرو (یعنی نماز فجر اجالے میں پڑھی جائے۔

ان آثار سے واضح ہوتا ہے کہ عام صحابہ کرام نماز فجر اجالے میں ادا کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ صحابہ کرام حضور علیہ السلام کے عمل کے خلاف متفق نہیں ہوسکتے۔ صحابہ کا یہ عمل اس امر کی وضاحت کرتا ہے۔ کہ افضل یہی ہے کہ نماز فجر اجالے میں پڑھی جائے۔ اور غلس اندھیرے میں پڑھنا گو جائز ہے مگر افضل نہیں۔ بلکہ امام طحاوی علیہ الرحمہ نے ان آثار پر بحث کرتے ہوئے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ جن احادیث میں نماز فجر اندھیرے میں ادا کرنے کا ذکر ہے وہ قوی حدیثوں سے منسوخ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام کا نماز فجر کو اجالے میں پڑھنے پر اتفاق ہے

امام طحاوی نے ابراہیم نخعی سے باسناد صحیح روایت کیا

قال ما اجتمع اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی شیٔ کما اجتمعوا علی التنویر فی الفجر	کہ حضور کے صحابہ کسی مسئلہ پر ایسے متفق نہ ہوئے جیسے نماز فجر کو اجالے میں پڑھنے پر متفق ہوئے ہیں

غرضکہ صحابہ کرام کا اتفاق بھی اس امر پر دال ہے کہ نماز فجر کو اجالے میں پڑھنا افضل ہے

واضح ہو کہ فجر کی نماز اندھیرے یا اجالے میں پڑھنے کے متعلق جو اختلاف ہے۔ وہ جواز وعدم جواز کا نہیں ——— یعنی اگر کسی نے نماز فجر غلس اندھیرے میں ادا کی تو یہ نہیں کہہ سکتے کہ نماز نہ ہوئی۔ کیونکہ غلس میں پڑھنا بھی وقت ہی میں پڑھنا ہے۔ اختلاف محض اس بات میں ہے کہ نماز فجر کا جو وقت ہے اس کے بالکل اولین وقت غلس میں نماز ادا کرنا افضل ہے یا اسفار میں جب خوب اجالا ہو جائے اس میں افضل ہے تو احادیث و آثار کے غائر مطالعہ کے بعد نتیجہ یہ نکلتا ہے۔ کہ فجر کے اولیں لمحہ میں فجر کی نماز پڑھنا گو جائز ہے۔ مگر افضل یہ ہے کہ اسفار میں پڑھے جیسا کہ احادیث قولیہ سے ثابت ہے

الغرض اسفار کا مطلب یہ ہے کہ خوب اجالا ہو زمین روشن ہو جائے تو نماز شروع کرے گر ایسا وقت ہونا مستحب ہے کہ چالیس سے ساٹھ آیت تک ترتیل کے ساتھ پڑھ سکے۔ پھر سلام پھیرے تو اتنا وقت باقی رہے کہ اگر نماز میں فساد ظاہر ہو تو طہارت کر کے ترتیل کے ساتھ چالیس سے ساٹھ آیت تک دوبارہ پڑھ سکے۔ اور اتنی تاخیر کردہ ہے کہ طلوع آفتاب کا شک ہو جائے حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہی مسلک ہے۔

مسئلہ زیر بحث کی مزید تشریح و تفصیل کے لئے طحاوی شریف جلد اول ص ۲۵ کا مطالعہ مفید رہے گا۔

نماز فجر کا وقت وقت فجر طلوع صبح صادق سے آفتاب کی کرن چمکنے تک ہے۔ صبح صادق ایک روشنی ہے جو پورب کی جانب سے جہاں سے آج آفتاب طلوع ہونے والا ہے۔ اس کے اوپر آسمان کے کنارے میں دکھائی دیتی ہے۔ جب اس کا بالکل اول وقت ہوتا ہے زمین پر خوب اندھیرا ہوتا ہے اسی کو غلس کہتے ہیں۔ امام مالک و شافعی غلس میں فجر ادا کرنے کو مستحب قرار دیتے ہیں۔ لیکن پھر بڑھتی جاتی ہے یہاں تک کہ تمام آسمان پر پھیل جاتی ہے اور زمین پر اجالا ہو جاتا ہے۔ جب یہ خوب پھیل جائے۔ تو اس کو اسفار سے تعبیر کرتے ہیں۔ احناف کے نزدیک اسفار میں نماز فجر پڑھنا افضل ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلّٰی فِیْ خَمِیْصَۃٍ لَّھَا اَعْلَامٌ فَنَظَرَ اِلٰی اَعْلَامِھَا نَظْرَۃً فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ اذْھَبُوْا بِخَمِیْصَتِیْ ھٰذِہٖ اِلٰی اَبِیْ جَھْمٍ وَاْتُوْنِیْ بِاَنْبِجَانِیَّۃِ اَبِیْ جَھْمٍ فَاِنَّھَا اَلْھَتْنِیْ اٰنِفًا عَنْ صَلٰوتِیْ وَقَالَ ھِشَامٌ عَنْ اَبِیْہِ عُرْوَۃَ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ عَائِشَۃَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کُنْتُ اَنْظُرُ اِلٰی عَلَمِھَا وَاَنَا فِی الصَّلٰوۃِ فَاَخَافُ اَنْ تَفْتِنَنِیْ۔ (بخاری)

حضرت عائشہ فرماتی ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک منقش لوئی میں نماز پڑھی۔ آپ نے نماز میں اس کے نقش و نگار پر ایک نظر ڈالی۔ جب نماز پڑھ چکے تو فرمایا یہ لوئی ابوجہم کو واپس دے دو اور ان کی سادہ لوئی لے آؤ۔ کیونکہ اس لوئی نے مجھے ابھی نماز سے غافل کر دیا یعنی خشوع میں خلل انداز ہوئی۔ اور ہشام کی روایت یہ ہے کہ حضرت عائشہ نے کہا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا میں نماز میں اس لوئی کے نقش و نگار کی طرف نظر میں دیکھتا تھا تو مجھے خوف ہوا کہیں یہ نماز میں خلل انداز نہ ہو۔

فوائد و مسائل ص۱ انبجانیہ موٹے کپڑے کی اس سادہ چادر کو کہتے ہیں۔ جس میں نقش و نگار حاشیہ وغیرہ نہ ہو۔ اور خمیصہ اس چادر کو کہتے ہیں۔ جس میں نقش و نگار بیل بوٹے چھپے ہوئے یا کڑھے ہوئے ہوں۔

فوائد و مسائل ص۲ امام نے اس حدیث کو کتاب اللباس میں بھی ذکر کیا۔ ابو داؤد، ابن ماجہ نے بھی کتاب اللباس میں اور مسلم و نسائی نے کتاب الصلوٰۃ میں ذکر کیا۔ یہ حدیث مسائل ذیل پر مشتمل ہے۔

(۱) ایسا کپڑا جس میں بیل بوٹے چھپے ہوئے ہوں یا کڑھے ہوئے ہوں، پہننا جائز ہے۔ اور نماز ایسے کپڑوں میں پڑھنا درست ہے۔ (۲) بحالت نماز اگر دل نقش و نگار کی طرف متوجہ ہو۔ تو گو اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ مگر چاہیئے کہ اس طرف خیال کو جلد سے روکے اور ایسی صورت میں دائیں بائیں دیکھنے سے اجتناب کرے (۳) صرف سجدہ گاہ پر نظر رکھے (۴) نماز میں خشوع و خضوع مطلوب و محمود ہے اور حتی الامکان ایسے لباس اور ایسے امور سے پرہیز کرنا چاہیئے جو خشوع و خضوع میں خلل انداز ہوں (۵) ابوجہم قرشی عدوی صحابی ہیں۔ ان کا نام عامر بن حذیفہ عدوی ہے۔ فتح مکہ کے دن اسلام لائے۔ اور خلافت امیر معاویہ کے آخری دنوں میں وصال فرمایا۔ بعض نے کہا ان کا نام عبید تھا۔ قریش کے معززین میں سے تھے۔

اور انساب کے ماہر تھے۔ انہوں نے ایک منقش لوئی حضور علیہ السلام کو ہدیۃً دی تھی حضور علیہ السلام نے منقش لوئی
ان سے سادی لوئی طلب فرمائی تاکہ ان کی دل شکنی نہ ہو کیونکہ تحفہ واپس فرما دیا۔

واضح ہو کہ پہلی روایت کے الفاظ یہ ہیں۔ کہ حضور نے فرمایا۔ اس لوئی کے نقش و نگاروں نے مجھے
سے غافل کر دیا اور ما ہشام کی روایت میں یہ ہے کہ مجھے خوف ہُوا کہ کہیں لوئی کے نقش و نگار نماز
خلل انداز ہوں۔ حافظ ابن حجر نے فرمایا۔ پہلی روایت کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے کمال حضور میں خلل
پہلا اور دوسری روایت نے یہ واضح کیا کہ آپ کے حضور قلب میں خلل واقع نہیں ہُوا۔ بلکہ آپ
خلل انداز ہونے کا خطرہ محسوس فرمایا۔ جیسا کہ مالک کی روایت میں ہے (فتح الباری) علامہ قسطلانی
نے فرمایا۔ حضور علیہ السلام کی دو حالتیں تھیں۔ ایک حالت بشری اور دوسری حالت خاص
حالت بشری کی طرف نظر کرتے ہوئے آپ نے یہ فرمایا کہ مجھے غافل کر دیا۔ اور حالتِ ملکی کی طرف
کرتے ہوئے غفلت کا خوف ظاہر فرمایا۔

بَابٌ اِنْ صَلّٰى فِيْ ثَوْبٍ مُصَلَّبٍ اَوْ تَصَاوِيْرَ هَلْ تَفْسُدُ صَلٰوتُهٗ وَمَا يُنْهٰى عَنْ ذٰلِكَ

عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ قِرَامٌ لِعَائِشَةَ سَتَرَتْ بِهٖ جَانِبَ بَيْتِهَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمِيْطِيْ عَنَّا قِرَامَكِ هٰذَا فَاِنَّهٗ لَا تَزَالُ تَصَاوِيْرُهٗ تَعْرِضُ فِيْ صَلٰوتِيْ۔ (بخاری)

باب۔ اگر ایسے کپڑے میں نماز پڑھے جس پر صلیب یا جاندار کی تصویریں بنی ہوں تو نماز ہو گی یا نہیں اور اس کی ممانعت کا بیان

حضرت انس سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ کے پاس ایک پردہ تھا جسے انہوں نے اپنے گھر میں ایک طرف لٹکایا ہوا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دیکھ کر فرمایا کہ اس پردہ کو ہٹا دو اس کی تصویریں برابر نماز میں میرے سامنے آتی ہیں۔

فوائد و مسائل امام نے اس حدیث کو کتاب اللباس میں ذکر کیا ہے۔ اور نسائی نے "یا عائشۃ اخری ھذا" کے ساتھ روایت کیا (۲) قرام کی جمع قرم ہے۔ قرام اون کے نہایت باریک منقش پردے کو کہتے
ہیں۔ یہ پردہ جاندار کی تصویروں پر مشتمل تھا۔ اور حضرت عائشہ صدیقہ نے اپنے حجرہ میں لٹکایا ہوا تھا۔ حضور
الصلوٰۃ نے فرمایا۔ اس پردہ کو یہاں سے نکال دو۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس کپڑے پر جاندار کی تصویر ہو
استعمال جائز نہیں۔ اور جب اس کا لٹکانا جائز نہیں تو پہننا بطریق اولیٰ ناجائز قرار دیا جائے گا۔

جس کپڑے پر جاندار کی تصویر ہو اس میں نماز پڑھنا کروہ تحریمہ ہے

واضح ہو کہ جس کپڑے میں جاندار کی تصویر ہو اس کو پہن کر نماز کروہ تحریمہ ہے۔ اسی طرح نمازی کے سر پر یعنی چھت میں معلق ہو سجدہ کی جگہ میں ہو کہ اس پر سجدہ واقع ہو۔ تو کروہ تحریمہ ہوگی۔ اسی طرح نمازی کے آگے یا داہنے یا بائیں
تصویر کا ہونا مکروہ تحریمی ہے۔ اور پس پشت ہونا بھی کروہ ہے اگرچہ مذکورہ بالا تینوں صورتوں سے
کی کراہت کم ہے۔ اور مذکورہ بالا چاروں صورتوں میں کراہت اس وقت ہے جب کہ تصویر آگے پیچھے

میں معلق ہو یا نصب ہو یا دیوار وغیرہ میں منقوش ہو۔ اور اگر تصویر فرش میں ہے اور اس پر سجدہ نہیں تو کراہت نہیں ہے ـــــ اگر تصویر غیر جاندار کی ہے۔ جیسے پہاڑ، باغ، باغیچہ، دریا، سمندر وغیرہ تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اگر تصویر ذلت کی جگہ ہے۔ مثلاً جوتیاں اتارنے کی جگہ یا کسی جگہ فرش پر کہ لوگ اسے روندتے ہیں یا تکیہ وغیرہ پر کہ زانو وغیرہ کے نیچے رکھا جاتا ہے۔ تو ایسی تصویر مکان میں ہونے سے کراہت نہیں۔ علاوہ ازیں نماز میں کراہت آئے جب کہ سجدہ اس پر نہ ہو (۳) اگر ہاتھ میں یا کسی جگہ میں تصویر ہو۔ گر یا اس سے چھپی ہو یا انگوٹھی پر چھوٹی تصویر منقوش ہو یا آگے پیچھے داہنے بائیں اوپر نیچے کسی جگہ ایسی چھوٹی تصویر ہو کہ اس کو زمین پر رکھ کر کھڑے ہو کر دیکھیں۔ تو اعضا کی تفصیل نہ دکھائی دے یا پاؤں کے نیچے یا بیٹھنے کی جگہ ہو تو ان سب صورتوں میں نماز کروہ نہیں (۴) روپے پیسے یا نوٹ پر تصویر ہو۔ اور یہ جیب یا جیب میں چھپے ہوں تو نماز میں کراہت نہیں ـــــ یہ تمام احکام نماز کے ہیں۔ جاندار کی تصویر بنانے اور رکھنے کے متعلق احکام اپنی جگہ بیان ہوں گے۔ ان شاء اللہ العزیز

بَابُ مَنْ صَلّٰى فِيْ فَرُّوْجِ حَرِيْرٍ ثُمَّ نَزَعَهٗ

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ اُهْدِيَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرُّوْجُ حَرِيْرٍ فَلَبِسَهٗ فَصَلّٰى فِيْهِ ثُمَّ انْصَرَفَ فَنَزَعَهٗ نَزْعًا شَدِيْدًا كَالْكَارِهِ لَهٗ وَقَالَ لَا يَنْبَغِيْ هٰذَا لِلْمُتَّقِيْنَ۔ (بخاری)

باب جو شخص ریشمی قبا میں نماز شروع کرے پھر اس کو اتار دے

حضرت عقبہ بن عامر سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی نے ایک ریشمی قبا بطور ہدیہ دی آپ نے اس کو زیب تن فرما کر نماز پڑھی جب سلام پھیرا تو جلدی سے اس کو اتار دیا جیسے کوئی ناپسند کرتا ہو اور یہ ارشاد فرمایا یہ متقیوں کے لائق نہیں ہے۔

فوائد و مسائل (۱) اس حدیث کو امام نے کتاب اللباس میں بھی ذکر کیا۔ مسلم و نسائی نے صلاۃ میں ذکر کیا (۲) عقبہ بن عامر جہنی ان کی کنیت ابو حماد ہے۔ یہ امیر معاویہ کی طرف سے مصر کے گورنر تھے۔ پھر انہیں امیر معاویہ نے معزول کر دیا تھا۔ ان سے کل ۵۵ حدیثیں مروی ہیں۔ بخاری میں ان کی آٹھ ہیں صحابہ اور بہت سے تابعین نے ان سے روایت کی۔ اور ۵۸ھ میں مصر میں انتقال فرمایا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم (۳) فروج اس قبا کو کہتے ہیں جس میں پیچھے کی طرف چاک بنا ہو۔ یہ قبا اکیدر بن عبدالملک والی دومۃ الجندل نے جو نصرانی تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ زمانہ نبوت میں اکیدر سے صلح ہو گئی تھی۔ اور یہ بدستور قلعہ دومۃ الجندل پر قابض ہو گیا تھا۔ یہ قلعہ مدینہ سے پندرہ منزل دور تھا۔ خلافت صدیقی میں جب حضرت خالد بن ولید نے قلعہ دومۃ الجندل کا محاصرہ کیا تو یہ مقتول ہوا (ابن کثیر ج ۲ ص ۱۰) (۴) اس حدیث سے واضح ہوا کہ اس وقت تک مردوں کو ریشم پہننا حرام نہیں ہوا تھا۔ اسی لئے حضور علیہ السلام نے ریشمی قبا پہن کر نماز پڑھی اور پھر اس کو اتار دیا اور فرمایا یہ متقیوں کے لائق نہیں ہے۔ خط کشیدہ جملے بھی یہ ظاہر کرتے ہیں کہ اس وقت ریشم پہننے کی ممانعت نہیں ہوئی تھی ورنہ ظاہر ہے کہ جو چیز حرام ہو وہ متقی

اور غیر حقیقی دونوں کے لئے یکساں حرام ہوتی ہے۔ نیز حضورؐ نے اس نماز کا اعادہ نہیں کیا
سے یہ دلیل نہ لی جائے کہ ریشمی کپڑے میں نماز پڑھنا جائز ہے کیونکہ نماز نہ لوٹانے کی وجہ یہ تھی کہ
نے حرمت سے پہلے ریشمی قبا پہن کر نماز پڑھی تھی —— علامہ نووی نے فرمایا: ایسا معلوم ہوتا ہے کہ
نہی اس وقت وارد ہوئی جب کہ حضور اقدس نے اس قبا کو اتار دیا جیسا کہ حدیث جابر میں ہے۔ کہ حضور علیہ
السلام نے ریشمی قبا پہن کر نماز پڑھی۔ پھر اس کو اتار دیا اور فرمایا۔

نَهَانِي عَنْهُ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ (مسلم) | جبریل امین نے اس کے پہننے سے منع کیا ہے

چنانچہ ممانعت کا حکم آتے ہی حضور علیہ السلام نے ریشمی قبا اتار دی

مردوں کو ریشمی کپڑے پہننا حرام ہے

واضح ہو کہ مردوں کے لئے ریشمی کپڑے استعمال کرنا حرام ہے۔ اور اس کی حرمت کی حدیثیں مندرجہ ذیل صحابہ کرام سے روایت کیں۔ حضرت عمر، علی، عبداللہ ابن عمر، معاویہ، حذیفہ، عمران بن حصین، براء ابن عازب، عبداللہ بن زبیر، ابو سعید خدری، انس بن مالک، مسلمہ بن مخلد، عقبہ جہنی، ابو امامہ، ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

الحرير والذهب حلال لاناث امتی وحرام على ذكورها (ابن ماجہ) | ریشم اور سونا میری امت کی عورتوں کے لئے مباح ہے اور مردوں کے لئے حرام ہے

ریشمی کپڑے پہن کر نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے —— حدیث زیر بحث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ امام وقت کو کسی مصلحت کی وجہ سے مشرک کا ہدیہ قبول کرنا جائز ہے۔ جیسے حضور علیہ السلام نے اکیدر مشرک کا ہدیہ قبول فرمایا تھا۔

بَابُ الصَّلٰوةِ فِي الثَّوْبِ الْاَحْمَرِ

باب سرخ کپڑے میں نماز پڑھنا

عَنْ عَوْنِ بْنِ اَبِيْ جُحَيْفَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ قُبَّةٍ حَمْرَاءَ مِنْ اَدَمٍ وَرَاَيْتُ بِلَالًا اَخَذَ وَضُوْءَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَاَيْتُ النَّاسَ يَبْتَدِرُوْنَ ذٰلِكَ الْوَضُوْءَ فَمَنْ اَصَابَ مِنْهُ شَيْئًا تَمَسَّحَ بِهٖ وَمَنْ لَّمْ يُصِبْ مِنْهُ شَيْئًا اَخَذَ مِنْ بَلَلِ يَدِ صَاحِبِهٖ ثُمَّ رَاَيْتُ بِلَالًا اَخَذَ عَنَزَةً لَّهٗ فَرَكَزَهَا وَخَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حُلَّةٍ حَمْرَاءَ مُشَمِّرًا صَلّٰى اِلَى الْعَنَزَةِ بِالنَّاسِ رَكْعَتَيْنِ

عون بن ابی جحیفہ نے اپنے باپ سے روایت کی
ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو میں نے
میں دیکھا حضور بطحا میں چمڑے کے ایک سرخ قبہ
اندر تشریف فرما ہیں۔ اور بلال نے حضور کے وضو کا پانی
لیا اور لوگ جلدی جلدی اسے لے رہے تھے
اس میں سے کچھ پا جاتا ہے اسے بدن پر ملتا۔ اور
نہیں پاتا وہ کسی دوسرے کے ہاتھ کی تری لے لیتا۔
بلال نے ایک نیزہ نصب کر دیا پھر حضور سرخ
لباس پہنے تشریف لائے اپنا تہبند
سمیٹے ہوئے آپ نے نیزہ کی طرف منہ کر کے
رکعت نماز پڑھائی۔ دو میں نے آدمیوں

وَاِنْ جَرٰى تَحْتَهَا بَوْلٌ اَوْ فَوْقَهَا اَوْ اَمَامَهَا
اِذَا كَانَ بَيْنَهُمَا سُتْرَةٌ (بخاری)

نہیں دیکھتے۔ اگرچہ ان کے نیچے یا اوپر یا سامنے پیشاب بہتا ہو۔ بشرطیکہ نمازی اور اس کے درمیان سترہ ہو۔

جَمَد در اصل اس جگہ کو کہتے ہیں جو اٹھی ہوئی ہو اور سخت ہو۔ محکم میں ہے کہ جَمَد جمے ہوئے پانی کو کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے۔ اگر نہر یا دریا یا سمندر کا پانی جم جائے اور اس پر نماز پڑھی جائے۔ اگرچہ جمے ہوئے برف کے نیچے نجاست ہو نماز درست ہے کیونکہ نجاست نماز پڑھنے کی جگہ تک نہیں پہنچتی۔ اسی طرح پل پر نماز پڑھی جائے خواہ پل کے نیچے نجاست بہہ رہی ہو یا ایسا نالا یا پائپ ہو کہ جس کے اندر نجاست بہ رہی ہو اور اوپر اور نیچے کی سطح پر نجاست کا اثر نہ ہو تو اس پائپ کے نیچے اور اوپر نماز پڑھنا درست ہے۔

وَصَلّٰى اَبُوْ هُرَيْرَةَ عَلٰى ظَهْرِ الْمَسْجِدِ
بِصَلَاةِ الْاِمَامِ (بخاری)

اور ابوہریرہ نے مسجد کی چھت پر امام کی اقتداء میں نماز پڑھی

اثر ابوہریرہ کو ابن ابی شیبہ نے موصولاً ذکر کیا جس کے ایک راوی صالح میں کلام کیا گیا ہے مگر سعید ابن منصور نے اس اثر کو دوسری وجہ سے موصولاً بیان کیا اس لئے امام بخاری علیہ الرحمۃ نے اس اثر کو بصیغۂ جزم ذکر فرمایا۔ کانہم ——— اس اثر سے واضح ہوا کہ اگر امام نیچے ہو اور مقتدی چھت پر ہوں اور اس کی ضرورت ہو تو نماز درست ہے مگر بلا ضرورت ایسا کرنا مکروہ ہے۔

وَصَلّٰى ابْنُ عُمَرَ عَلَى الثَّلْجِ (بخاری)

حضرت عبداللہ بن عمر نے برف پر نماز پڑھی

یعنی اگر نہر یا دریا کا پانی خوب اچھی طرح جم جائے اور زمین کی طرح سختی اس میں پیدا ہو جائے۔ تو اس پر نماز درست ہے ——— اس کے بعد امام نے ایک حدیث ذکر کی ہے۔ جس کے ابتدائی حصہ کا ترجمہ یہ ہے۔

لوگوں نے سہل بن سعد سے پوچھا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا منبر کس چیز کا تھا۔ سہل نے کہا اب اس کا جاننے والا لوگوں میں مجھ سے زیادہ کوئی نہ رہا۔ یہ منبر اثل غابہ سے بنا۔ فلاں شخص جو فلانی عورت کا غلام تھا اس نے بنایا۔ جب مسجد میں رکھا گیا۔ تو آپ اس پر کھڑے ہوئے اور قبلہ کی طرف منہ کر کے آپ نے تکبیر کہی۔ اور لوگ آپ کے پیچھے کھڑے ہوئے۔ آپ نے قرأت کی۔ رکوع کیا لوگوں نے بھی آپ کی اقتداء میں رکوع کیا۔ پھر آپ نے رکوع سے سر اٹھایا۔ اور الٹے پاؤں پیچھے ہٹے۔ پھر زمین پر سجدہ کیا

عَادَ عَلَى الْمِنْبَرِ ثُمَّ قَرَأَ رَكَعَ
ثُمَّ رَفَعَ رَاْسَهُ ثُمَّ رَجَعَ
الْقَهْقَرٰى حَتّٰى سَجَدَ بِالْاَرْضِ
فَهٰذَا شَاْنُهُ (بخاری)

پھر دوبارہ منبر پر چڑھے قرأت کی رکوع کیا پھر رکوع سے سر اٹھایا پھر الٹے پاؤں پیچھے ہٹے اور زمین پر سجدہ کیا یہ ہے منبر کا قصہ

مسائل امام نے اس حدیث کو کتاب الصلوٰۃ میں بھی ذکر کیا۔ مسلم، ابوداؤد، نسائی نے قتیبہ سے روایت کیا نیز مسلم، ابن ماجہ نے صلوٰۃ میں ذکر کیا۔

فائدہ: غابہ مدینہ منورہ کے قریب ایک گاؤں ہے۔ جس جھاؤ کی لکڑی کا منبر بنا تھا یہ گاؤں سے لائی گئی تھی۔ جھاؤ ایک مشہور درخت ہے۔ اس کی لکڑی عمدہ ہوتی ہے اور برتن وغیرہ بھی اس سے بنائے جاتے ہیں۔ اس کے پتوں سے کپڑے دھوئے جاتے ہیں (قسطلانی)

حدیث ہذا میں منبر بنانے والے کا نام مذکور نہیں ہے۔ دوسری روایات میں بڑھئی کا نام میمون اور ... یہ غلام تھا اس کا نام عائشہ انصاریہ بتلایا گیا ہے (فتح الباری)

... اس حدیث سے ثابت ہوا کہ لکڑی پر نماز پڑھنا درست ہے۔ خواہ لکڑی کا تخت ہو یا منبر وغیرہ ... حدیث زیر بحث سے یہ استدلال کیا کہ لکڑی پر نماز پڑھنا درست ہے۔ اس حدیث سے ... صحیح ہوا کہ امام و مقتدی کے مقام میں بلندی و پستی کا کچھ فرق ہو تو حرج نہیں۔ نیز تھوڑا ... و فاسد نہیں کرتا۔

عن انس بن مالك ان رسول الله صلى الله عليه وسلم سقط عن فرسه فجحشت ساقه او كتفه وآلى من نسائه شهرا فجلس في مشربة له درجتها من جذوع نخل فاتاه اصحابه يعودونه فصلى بهم جالسا وهم قيام فلما سلم قال انما جعل الامام ليؤتم به فاذا كبر فكبروا واذا ركع فاركعوا واذا سجد فاسجدوا وان صلى قائما فصلوا قياما ونزل لتسع وعشرين فقالوا يا رسول الله انك آليت شهرا فقال ان الشهر تسع وعشرون

(بخاری)

حضرت انس بن مالک کہتے ہیں حضور علیہ السلام اپنے گھوڑے سے فرش زمین پر آ رہے تو آپ کی پنڈلی یا کندھا چھل گیا۔ آپ نے اپنی ازواج سے ایلاء کر لیا تھا ایک مہینہ کا۔ پس آپ بالاخانہ پر بیٹھ رہے جس کی سیڑھیاں کھجور کی لکڑی کی تھیں۔ آپ کے اصحاب برائے عیادت حاضر ہوئے۔ آپ نے ان کو بیٹھ کر نماز پڑھائی اور وہ سب کھڑے ہوئے تھے جب آپ نے سلام پھیرا۔ تو فرمایا کہ امام اس لئے ہوتا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے جب وہ تکبیر کہے تم بھی تکبیر کہو جب رکوع اور سجدہ کرے تم بھی رکوع اور سجدہ کرو۔ اگر وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھے تو تم بھی کھڑے ہو کر پڑھو۔ ۲۹ دن کے بعد حضور بالاخانہ سے اترے۔ صحابہ نے عرض کی سرکار آپ نے تو ایک مہینہ کی قسم کھائی تھی۔ فرمایا مہینہ ۲۹ دن کا بھی ہوتا ہے۔

مسائل امام نے اس حدیث کو مظالم، صوم، نذور، نکاح، طلاق میں بھی ذکر کیا اور مسلم، ابوداؤد، ابن ماجہ اور نسائی نے کتاب الصلوٰۃ میں ذکر کیا۔

حضور علیہ السلام نے اپنی ازواج سے ایلاء کیا۔ اس سے ایلاء فقہی مراد نہیں۔ بلکہ یہ ایلاء ایک قسم

تھی جس حضور علیہ السلام نے یہ قسم کھائی تھی۔ کہ میں ایک ماہ تک ازواج مطہرات کے مکان میں داخل نہ ہوں گا اور ایلا فقہی یہ ہے۔ کہ یہ قسم کھانے کہ عورت سے قربت نہیں کروں گا۔ یا چار مہینہ قربت نہیں کروں گا۔ ایلا کے مسائل اپنی جگہ ذکر ہوں گے۔

(۱) ...نے اس حدیث کو ذکر کر کے یہ واضح کیا ہے کہ لکڑی پر نماز پڑھنا جائز ہے۔ وہ مشربہ بالاخانہ جس میں حضور علیہ السلام نے قیام فرمایا اور نماز پڑھی۔ غالب یہی ہے کہ وہ کھجور کی لکڑی کا بنا ہوا تھا۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ بالاخانہ تو تعمیر کا بنا ہوا تھا۔ اسی لئے حدیث میں یہ تصریح ہے کہ اس کی سیڑھی لکڑی کی تھی۔ تو پھر بھی حدیث زیر بحث کی مطابقت عنوان سے ہو جائے گی یعنی یہ کہ چھت پر نماز پڑھنا جائز ہے۔

حدیث مذکور مسائل ذیل پر مشتمل ہے

(۱) چھت پر اور لکڑی کے بالاخانہ یا تخت وغیرہ پر نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ہے (۲) بوقت ضرورت کسی چیز کی قسم کھانا جائز ہے (۳) یہ کہ مہینہ ۳۰ دن یا ۲۹ دن کا ہوتا ہے نہ اس سے کم اور نہ زیادہ۔ اور مہینہ ...۳۰ دن کا ... ضروری نہیں ہے۔ تو جس شخص نے کسی مہینہ کو متعین کر کے نذر مانی مثلاً یوں کہا کہ میں ماہ رجب کے روزے رکھوں گا۔ اب اگر رجب کا مہینہ ۲۹ دن کا ہوا تو اس پر ۲۹ دن کے ہی روزے واجب ہوں گے ـــــ اور اگر بغیر تعیین کے نذر مانی مثلاً یہ کہا کہ میں ایک ماہ کے روزے رکھوں گا تو اس صورت میں پورے ۳۰ دن کے روزے رکھنے ہوں گے ـــــ حدیث زیر بحث سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب امام کسی عذر کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھاتے تو مقتدی بھی بیٹھ کر ہی نماز پڑھیں۔ چنانچہ حضرت امام احمد و اسحاق و ابن حزم و اوزاعی علیہم الرحمہ کا یہی مسلک ہے۔ وجہ استدلال یہ ہے کہ جب حضور علیہ السلام نے بیٹھ کر نماز پڑھائی اور صحابہ نے کھڑے ہو کر نماز پڑھی تو نماز کے بعد حضور نے فرمایا۔ کہ امام کا منصب یہ ہے کہ اس کی اقتدار کی جائے۔ جب وہ رکوع و سجدہ کرے تو مقتدی بھی سجدہ کریں جب وہ کھڑا ہو تو مقتدی بھی کھڑے ہوں ـــــ ان کلمات کا یہی تھا کہ جب امام بیٹھ کر نماز پڑھائے تو مقتدیوں کو بھی بیٹھ کر نماز پڑھنی چاہیئے۔ جواب یہ ہے۔ کہ بیشک حدیث زیر بحث سے یہی ظاہر ہوتا ہے مگر حضور کے آخری فعل سے یہ حکم منسوخ ہے۔

اگر امام عذر کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھائے تو مقتدی بھی بیٹھ کر نماز پڑھیں؟

کیونکہ حضور علیہ السلام نے اپنے مرض وفات میں جو نماز پڑھائی۔ اس میں آپ بیٹھ کر پڑھا رہے تھے اور مقتدی کھڑے ہو کر پڑھ رہے تھے۔ اور اس وقت حضور علیہ السلام نے منع نہیں فرمایا۔ جس سے واضح ہوا کہ پہلا حکم منسوخ ہے۔ چنانچہ امام اعظم ابو حنیفہ، شافعی، ثوری، ابو ثور و جمہور سلف کا یہی مسلک ہے۔ کہ اگر امام عذر کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھائے تو جو مقتدی قیام پر قادر ہیں انہیں بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز نہیں ہے کیونکہ قیام فرض ہے

(۴) مقتدی کو امام سے پہلے رکوع و سجدہ جائز نہیں

(۵) اور یہ کہ جو شخص قیام پر قادر نہ ہو اسے بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہے

بَابٌ اِذَا اَصَابَ ثَوْبُ الْمُصَلِّي اِمْرَأَتَهُ اِذَا سَجَدَ

باب سجدہ کرتے وقت آدمی کا کپڑا اپنی بیوی کے جسم سے چھو جائے تو کیا حکم ہے۔

حضرت میمونہ فرماتی ہیں کہ حضور علیہ السلام نماز پڑھتے۔ اور میں حیض کی حالت میں آپ کے برابر ہوتی یعنی ایک طرف آرام فرما ہوتیں اور حضور ان کے قریب ہی نماز ادا فرماتے۔

وَرُبَّمَا اَصَابَنِي ثَوْبُهُ اِذَا سَجَدَ قَالَتْ وَكَانَ يُصَلِّي عَلَى خُمْرَةٍ (بخاری)

اور جب کبھی آپ سجدہ کرتے تو آپ کا کپڑا میرے جسم سے چھو جاتا اور آپ خمرہ پر نماز ادا فرماتے۔

امام نے اس حدیث کو طہارت وصلوٰۃ میں اور مسلم وابوداؤد اور ابن ماجہ نے صلوٰۃ میں ذکر ہے [illegible] ابن بطال نے کہا کہ خمرہ چھوٹے مصلے کو کہتے ہیں۔ اور اگر بڑا ہو تو حصیر (چٹائی) کہتے ہیں۔ خمرہ کے اصل معنے چھپانے کے ہیں۔ مصلی آدمی کے چہرے کو زمین سے چھپا دیتا ہے۔ اسی طرح خمار (اوڑھنی) سر کو چھپا دیتی ہے۔

حدیث ہذا مسائل ذیل پر مشتمل ہے:-

(۱) بحالت نماز اگر آدمی کا کپڑا اس کی بیوی کے جسم سے چھو جائے۔ اگرچہ وہ حائضہ ہو تو نماز فاسد نہیں ہوتی (۲) حائضہ عورت کی نجاست حکمی ہے۔ لہذا اس کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے کھانے پینے میں کوئی حرج نہیں۔ مصلے پر نماز بلا کراہت جائز ہے اور اس پر علماء وفقہا کا اتفاق ہے ——— غیر مقلد ثناء اللہ نے کہا اس حدیث سے ثابت ہوا کہ عورت کی محاذاۃ سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ اور امام اعظم ابوحنیفہ کا یہ کہنا کہ فاسد ہو جاتی ہے اس حدیث کی رو سے باطل ہے لیکن یہ محض ایک مغالطہ ہے جو صورت محاذاۃ زیر بحث حدیث میں ہے ایسی محاذاۃ سے امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کے نزدیک بھی نماز فاسد نہیں ہوتی۔ کیونکہ امام اعظم کا مسلک یہ ہے کہ جب عورت ومرد مشترک فی التحریمہ والاداء ہوں تو نماز فاسد ہوتی ہے۔ اور حدیث زیر بحث میں اس کی تردید نہیں ہے ——— فافہم

بَابُ الصَّلٰوةِ عَلَى الْحَصِيْرِ

باب چٹائی پر نماز پڑھنے کے متعلق

وَصَلَّى جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ وَاَبُوْ سَعِيْدٍ فِي السَّفِيْنَةِ قَائِمًا (بخاری)

اور جابر بن عبد اللہ وابو سعید خدری نے کشتی میں کھڑے ہو کر نماز پڑھی

اس تعلیق کو ابوبکر بن ابی شیبہ نے بسند صحیح عبد اللہ بن عتبہ مولی انس سے وصل کیا کہ میں نے ابو الدرداء، ابو سعید خدری وجابر ابن عبد اللہ اور متعدد افراد کے ساتھ کشتی میں سفر کیا۔ امام کھڑے ہو کر نماز پڑھا رہا تھا اور ہم اس کے پیچھے بیٹھ کر پڑھ رہے تھے۔ اور اگر ہم چاہتے تو کشتی کو لنگر انداز کر دیتے یعنی کنارے ٹھہرا لیتے۔

(۲) وَقَالَ الْحَسَنُ تُصَلِّي قَائِمًا مَا لَمْ تَشُقَّ عَلَى اَصْحَابِكَ تَدُوْرُ مَعَهَا وَاِلَّا فَقَاعِدًا (بخاری)

امام حسن بصری نے کہا کشتی میں نماز کھڑے ہو کر پڑھے جب تک دشواری نہ ہو اور کشتی کے ساتھ گھومتا جائے ورنہ بیٹھ کر پڑھے۔

(۵) عنوان تو تھا چٹائی پر نماز پڑھنا۔ لیکن آثار امام بخاری نے وہ ذکر کئے جن میں کشتی میں نماز پڑھنے کا بیان ہے۔ تو مسئلہ دراصل یہ بتاتا ہے۔ کہ نماز میں پیشانی کا اصل زمین سے مل جانا ضروری نہیں ہے۔ چٹائی یا مصلے پر جب نماز پڑھی جاتی ہے۔ تو پیشانی اصلی زمین پر نہیں لگتی۔ تو کشتی بھی گویا اس مسئلہ میں چٹائی کی طرح ہے کہ جب کشتی میں نماز پڑھی جائے تو پیشانی زمین پر نہیں لگتی۔ مطلب یہ ہے۔ کہ پیشانی کا اصل زمین سے مل جانا شرط نماز نہیں ہے۔

کشتی میں نماز پڑھنے کے مسائل

اگر کشتی پر سوار ہو اور وہ چل رہی ہو تو اگر چکر آنے یا گرنے کا گمان غالب نہ ہو تو پھر فرض و واجب نماز کو اور سنت فجر کو کھڑے ہو کر پڑھنا ضروری ہے۔ اور اگر چکر آنے یا گرنے کا گمان غالب ہو تو پھر بیٹھ کر پڑھ لینا جائز ہے نیز کشتی پر اسی وقت نماز فرض، واجب سنت فجر پڑھنا جائز ہے۔ جبکہ وہ بیچ دریا میں ہو۔ اور اگر کنارے پر ہو۔ اور خشکی پر آسکتا ہو۔ تو کشتی پر بھی نماز فرض جائز نہیں۔ ایسی صورت میں زمین پر اتر کر نماز ادا کرنا ضروری ہے چلتی کشتی میں نماز پڑھے تو بوقت تحریمہ قبلہ کی طرف کرے۔ اور جیسے جیسے وہ گھومتی جائے۔ یہ بھی قبلہ کی طرف منہ پھیرتا رہے اگرچہ نفل نماز ہو۔

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ جَدَّتَهُ مُلَيْكَةَ دَعَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِطَعَامٍ صَنَعَتْهُ لَهُ فَاَكَلَ مِنْهُ ثُمَّ قَالَ قُوْمُوْا فَلِاُصَلِّيَ لَكُمْ قَالَ اَنَسٌ فَقُمْتُ اِلٰى حَصِيْرٍ لَنَا قَدِ اسْوَدَّ مِنْ طُوْلِ مَا لُبِسَ فَنَضَحْتُهُ بِمَاءٍ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصَفَفْتُ وَالْيَتِيْمُ وَرَاءَهُ وَالْعَجُوْزُ مِنْ وَّرَائِنَا فَصَلّٰى لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ انْصَرَفَ

(بخاری)

انس بن مالک سے روایت ہے کہ ان کی نانی حضرت ملیکہ نے حضور علیہ السلام کی دعوت کی حضور تشریف لے گئے۔ کھانا تناول فرمایا فراغت کے بعد حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ تو کھڑے ہو جاؤ میں تمہیں نماز پڑھاؤں حضرت انس کہتے ہیں کہ میں ایک چٹائی اٹھا لایا جو بچھے بچھے کالی ہو گئی تھی۔ میں نے اس پر پانی چھڑکا کہ حضور علیہ السلام اس چٹائی پر کھڑے ہوئے اور میں نے اور یتیم نے ضمیرہ نے آپ کے پیچھے صف باندھی اور میری بڑھیا نانی ہمارے پیچھے کھڑی ہو گئیں۔ پس حضور نے دو رکعت نماز پڑھائی اور سلام پھیرا۔

فوائد و مسائل اس حدیث کو امام نے صلوٰۃ میں ذکر کیا۔ مسلم، ابوداؤد و ترمذی۔ نسائی نے بھی کتاب الصلوٰۃ میں ذکر کیا۔ یہ حدیث مسائل ذیل پر مشتمل ہے۔

(۱) دعوت قبول کرنا مستحب ہے (۲) بلا اہتمام و تمداعی نوافل با جماعت پڑھنا جائز ہے حضور علیہ السلام نے کھانا تناول فرمانے کے بعد جو دو رکعت پڑھی ہیں وہ نفل تھے (۳) دعوت کرنے والے کے گھر میں برکت کے لئے نماز پڑھنا نسائی کی روایت میں ہے کہ حضرت ام سلیم نے بحضور نبوی عرض کی کہ

منورہ ہمارے مکان میں جلوہ فرما ہوں اور نماز پڑھیں فنتخذہ مصلی (تو جس جگہ حضور نماز پڑھیں، ہم
جگہ کو نماز پڑھنے کے لئے مقرر کرلیں (۲) چٹائی عرصہ سے بچھی ہوئی تھی اور کالی پڑ گئی حضرت انس نے اس
چھڑکا تاکہ نرم اور صاف ہوجائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مصلی و چٹائی اور وہ جگہ جہاں نماز پڑھی جائے
صاف ستھرا رکھنا مستحب ہے (۵) دن کے نوافل میں افضل دو رکعتیں ہیں۔ ہمارے امام کے نزدیک
دن کے نوافل میں افضل چار رکعتیں پڑھنا ہے (۶) سمجھدار بچے کی نماز درست ہے (۷)
مقتدی دو ہوں تو وہ امام کے پیچھے کھڑے ہوں۔ جمہور علماء کا یہی مسلک ہے (۸) اگر صف کے پیچھے ایک آدمی
کھڑا ہوجائے تو اس کی نماز درست ہے۔ کیونکہ وہ بڑھیا عورت حضرت انس کی نانی تھیں کہ اکیلی صف کے پیچھے
کھڑی تھیں (۹) عورتوں کو نماز میں مردوں کے پیچھے کھڑا ہونا چاہیئے :

بَابُ الصَّلٰوۃِ عَلَی الْخُمْرَۃِ | باب مصلے پر نماز پڑھنا

حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

یُصَلِّیْ عَلَی الْخُمْرَۃِ (بخاری) | چھوٹے مصلے پر نماز پڑھتے

معلوم ہوا کہ مصلے پر نماز پڑھنا جائز ہے۔ اس حدیث سے ان لوگوں کے خیال کی تردید مقصود ہے جو
کہتے ہیں کہ سجدہ میں زمین پر بہر حال ہاتھ رکھنا ضروری ہے اور مصلے وغیرہ پر نماز جائز نہیں۔

بَابُ الصَّلٰوۃِ عَلَی الْفِرَاشِ | باب فراش پر نماز پڑھنے کے متعلق

ہر چیز زمین پر بچھائی جائے اس کو فراش کہتے ہیں۔ خواہ وہ کسی طرز و ہیئت کی ہو۔ قالین، دری،
چٹائی، بچھونا، بچھونا وغیرہ

عَنْ عَائِشَۃَ زَوْجِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّھَا قَالَتْ کُنْتُ اَنَامُ بَیْنَ یَدَیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَرِجْلَایَ فِیْ قِبْلَتِہٖ فَاِذَا سَجَدَ غَمَزَنِیْ فَقَبَضْتُ رِجْلَیَّ وَاِذَا قَامَ بَسَطْتُھُمَا قَالَتْ وَالْبُیُوْتُ یَوْمَئِذٍ لَیْسَ فِیْھَا مَصَابِیْحُ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم حضور علیہ السلام کے سامنے سوجاتیں اور میرے پاؤں آپ کے قبلہ میں ہوتے۔ تو جب آپ سجدہ فرماتے تو مجھ کو چھوتے اور میں اپنے پاؤں سکیڑ لیتی اور جب آپ کھڑے ہوجاتے تو میں اپنے پاؤں پھیلا دیتی اور ان دنوں گھروں میں چراغ نہ تھے

اس حدیث کو مسلم، ابوداؤد، نسائی نے کتاب الصلوٰۃ میں ذکر کیا

مسائل | حدیث ہذا مسائل ذیل پر مشتمل ہے :-

(۱) عورت کو ہاتھ لگانا ناقض وضو نہیں ہے۔ روایت ابوداؤد میں یہ تصریح ہے۔ کہ حضور کا دست
مبارک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاؤں سے چھوتا تھا (۲) عورت کی طرف نماز پڑھنے یا عورت کا نمازی کے
سامنے لیٹ جانے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ جمہور فقہا نے سلف و خلف جن میں سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ و
امام شافعی بھی ہیں سب کا یہی مسلک ہے (۳) عمل یسیر سے نماز فاسد نہیں ہوتی (۴) اور یہ جو فرمایا
کہ ان دنوں گھروں میں چراغ نہ تھے اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ اگر روشنی ہوتی۔ تو میں خود

اپنے پاؤں [illegible] حضور علیہ السلام کو دست مبارک سے متوجہ کرنے کی ضرورت نہ ہوتی۔

وَكَانَ يُصَلِّيْ وَهِيَ مُعْتَرِضَةٌ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ عَلَى فِرَاشِ أَهْلِهِ اعْتِرَاضَ الْجَنَازَةِ (بخاری)

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضور علیہ السلام اپنے گھر کے بچھونے پر نماز پڑھتے۔ اور وہ (عائشہ) آپ کے اور قبلے کے درمیان جنازے کی طرح آڑی لیٹی رہتیں۔

اس کے بعد امام نے اسی مضمون کی ایک اور حدیث ذکر کی ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وہ بستر جس پر میاں بیوی آرام کریں۔ اگر وہ پاک ہو۔ تو اس پر بلا کراہت نماز جائز ہے۔

بَابُ السُّجُوْدِ عَلَى الثَّوْبِ فِيْ شِدَّةِ الْحَرِّ وَقَالَ الْحَسَنُ كَانَ الْقَوْمُ يَسْجُدُوْنَ عَلَى الْعِمَامَةِ وَالْقَلَنْسُوَةِ وَيَدَاهُ فِيْ كُمِّهِ (بخاری)

باب گرمی کی شدت کی وجہ سے کپڑے پر سجدہ کرنا
اور حسن بصری نے فرمایا کہ صحابہ کرام عمامہ اور ٹوپی پر سجدہ کرتے اور ان کے دونوں ہاتھ آستینوں میں ہوتے

فوائد و مسائل اس تعلیق کو امام ابن ابی شیبہ و امام عبد الرزاق نے اپنے مصنف میں موصولاً بیان کیا۔ حضرت حسن بصری جلیل القدر تابعی ہیں اور صحابہ کے شاگرد ہیں ——— اس سے واضح ہوا کہ سخت سردی یا گرمی کی وجہ سے نمازی اپنے کپڑے یا ٹوپی یا پگڑی پر سجدہ کرے تو جائز ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہ، مالک و احمد و اسحاق و اکثر علماء رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہی قول ہے۔ اور پگڑی کے کور (پیچ) پر سجدہ کیا تو اگر اتنا خوب جم گیا تو سجدہ ہوگیا اور اگر اتنا جما نہیں۔ بلکہ صرف ذرا چھو گیا کہ ہاتھ سے دبائے تو اور دبے گا یا اتنا معلق رہا تو سجدہ نہ ہوا۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كُنَّا نُصَلِّيْ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَضَعُ أَحَدُنَا طَرَفَ الثَّوْبِ مِنْ شِدَّةِ الْحَرِّ فِيْ مَكَانِ السُّجُوْدِ (بخاری)

حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں۔ کہ ہم حضور علیہ السلام کے ہمراہ نماز ادا کرتے۔ تو شدت گرمی کی وجہ سے کوئی ہم میں سے اپنے کپڑے کا کنارہ سجدہ کی جگہ رکھ لیتا۔

فوائد و مسائل امام نے اس حدیث کو کتاب الصلوٰۃ میں مکرر ذکر کیا۔ مسلم، ابوداؤد، نسائی، ترمذی، ابن ماجہ نے بھی صلوٰۃ میں ذکر کیا۔

اس حدیث سے واضح ہوا کہ اگر زمین اتنی گرم ہو جائے کہ سجدہ کرنا دشوار ہو تو نمازی اپنے کپڑے پر سجدہ کر سکتا ہے۔ حضرت فاروق اعظم، عطاء، طاؤس، اوزاعی، نخعی، زہری، مکحول، مسروق، شریح و ابراہیم و جمہور حنفیہ رضی اللہ عنہم کا یہی مسلک ہے ——— ابراہیم نے کہا ایک دن جناب فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جمعہ کی نماز پڑھائی۔ تو آپ نے اپنے کپڑے کا ایک کنارہ زمین پر ڈال دیا۔ اور اس پر سجدہ کیا۔ اس کے بعد فرمایا جب تم میں سے کوئی گرمی محسوس کرے تو وہ۔

فَلْيَسْجُدْ عَلٰى طَرَفِ ثَوْبِهٖ

(رواہ ابن ابی شیبہ۔ عینی ج ۲ ص ۵۳)

اپنے کپڑے کے کنارہ پر سجدہ کرے

اس سے معلوم ہوا کہ کپڑا بچھا کر سجدہ کرنا یا اگر وہاں کنکریاں ہیں یا زمین سخت گرم یا سرد ہے تو پہنے ہوئے کپڑے کے کونے کو بچھا کر اس پر سجدہ کرنا یا وہاں دھول ہے۔ اور عمامہ کو گرد سے بچانے کے لئے پہنے ہوئے کپڑے پر سجدہ کرنا جائز ہے ——————— اور بلا عذر یا پیشانی کو خاک سے بچانے کے لئے پہنے ہوئے کپڑے پر سجدہ کرنا مکروہ ہے۔

بَابُ الصَّلٰوةِ فِي النِّعَالِ

باب، جوتوں سمیت نماز پڑھنا

قَالَ سَأَلْتُ اَنَسَ ابْنَ مَالِكٍ اَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِي نَعْلَيْهِ قَالَ نَعَمْ (بخاری)

ابو مسلمہ سعید بن یزید ازدی نے حضرت انس سے دریافت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جوتوں سمیت نماز پڑھا کرتے تھے۔ انہوں نے جواب دیا۔ ہاں۔

فوائد و مسائل امام نے اس حدیث کو لباس میں بھی ذکر کیا۔ اور مسلم ترمذی، نسائی نے کتب الصلوٰۃ میں ذکر کیا۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جوتوں سمیت نماز پڑھنا جائز ہے۔ بشرطیکہ جوتا پاک ہو۔ اور ایسا نرم ہو کہ سجدہ مسنون طریقے سے ادا ہو سکے ——— نیز علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے لکھا کہ جوتے پہن کر نماز پڑھنا دلیل ہے۔ بلکہ مستحب ہے کیونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا یہود کی مخالفت کرو۔ وہ جوتی اور موزے میں نماز جائز نہیں سمجھتے وہ کہ (لہٰذا بقصد مخالفت یہود جوتی یا موزے پہن کر نماز پڑھنا مستحب قرار پائے گا) ——— لیکن یہ ظاہر ہے کہ جوتے پہن کر نماز پڑھنا سنت نہیں ہے۔ کیونکہ یہ امر مقصود بالذات نہیں ہے۔ کیونکہ روایت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ میں ہے کہ

رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ حَافِيًا وَمُنْتَعِلًا (ابوداؤد)

میں نے حضور کو ننگے پاؤں بھی اور جوتے پہن کر بھی نماز پڑھتے ہوئے دیکھا

جوتا پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے واضح ہو کہ ہمارے زمانہ میں جس قسم کے جوتے پہنتے ہیں۔ انہیں پہن کر نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ ان کو پہن کر سجدہ صحیح طریقہ سے ادا نہیں ہو سکتا۔ ہاں اگر ایسے نرم چمڑے کا جوتا ہو کہ سجدہ کرنے میں انگلیاں مڑ جائیں اور انگلیوں کے پیٹ زمین سے چپک جائیں تو ایسے جوتے کو پہن کر نماز پڑھی جا سکتی ہے ——— حدیث زیر بحث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پاک جوتے پہن کر مسجد میں چلنا جائز ہے لیکن زیادہ ادب اسی میں ہے کہ برہنہ پا جائے۔

فائدہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام جب کوہ طور پر تشریف لے گئے تو حکم ہوا کہ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ۔ اپنی جوتیاں اتار دیجئے۔ بعض نے کہا جوتی اتارنے کا حکم اس لئے دیا گیا کہ ان کی جوتی مردار دراز گوش کی کھال کی تھی۔ لیکن ظاہر فاء سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جوتا اتارنے کا حکم بطور ادب تھا۔ اسی لئے اِنِّيْ اَنَا رَبُّكَ، کا جو مقدم ہے اور فَاخْلَعْ

نعلیک کا ترجمہ اس پر مرتب ہے۔ مگر یاں مجرد اس سے جوتا پہن کر نماز پڑھنے کی ممانعت ثابت نہیں ہو سکتی مگر اتنی بات ضرور ثابت ہوتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں ننگے پاؤں رہنے میں زیادہ ادب ہے ویسے بھی ہمارے عرف میں ابتدائے اسلام سے یہی رائج ہے کہ برہنہ پائی عجز و انکسار اور تعظیم کی نشانی ہے۔ سیدنا امام مالک علیہ الرحمۃ نے کبھی مدینہ طیبہ کی زمین پر جوتی نہیں پہنی ——— لہٰذا جہاں تک ہم نے اس سلسلہ کی احادیث معہ آثار پر غور کیا ہے اس سے یہ واضح ہو کہ

جوتا پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے اور برہنہ پا پڑھنے میں زیادہ ادب ہے البتہ یہود کی مخالفت کی نیت سے جوتے پہن کر نماز پڑھنا مستحب قرار دیا جا سکتا ہے کیونکہ امر کا کم سے کم درجہ (حدیث ابوداؤد میں) استحباب ہونا چاہیئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

بَابُ الصَّلٰوةِ فِي الْخِفَافِ | باب موزے پہنے ہوئے نماز پڑھنا

اس عنوان کے تحت امام نے ایک حدیث لکھی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے ——— ہمام بن حارث کہتے ہیں کہ میں نے جریر بن عبداللہ کو دیکھا انہوں نے استنجا کیا پھر وضو کیا، پھر موزوں پر مسح کیا۔ پھر نماز پڑھی اور فرمایا!

۲۰۔ رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَنَعَ هٰكَذَا (بخاری)

میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ایسے کرتے دیکھا ہے

۲۰۔ وَضَّأْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَسَحَ عَلٰى خُفَّيْهِ وَصَلّٰى (بخاری)

حضرت مغیرہ بن شعبہ کہتے ہیں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرایا، آپ نے موزوں پر مسح فرمایا!

ان دونوں حدیثوں کو ذکر کر کے امام نے یہ واضح کیا ہے کہ موزوں پر مسح کرنا جائز ہے اور چمڑے کے موزے پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے۔ اس مضمون کی احادیث پر مفصل و مکمل بحث فیوض الباری جلد اول میں گزر چکی ہے مزید مطالعہ کیجئے:

بَابٌ اِذَا لَمْ يُتِمَّ السُّجُوْدَ | باب جب کوئی پورا سجدہ نہ کرے تو اس کا کیا حکم ہے

عَنْ اَبِيْ وَائِلٍ عَنْ حُذَيْفَةَ اَنَّهٗ رَاٰى رَجُلًا لَا يُتِمُّ رُكُوْعَهٗ وَلَا سُجُوْدَهٗ فَلَمَّا قَضٰى صَلٰوتَهٗ قَالَ لَهٗ حُذَيْفَةُ مَا صَلَّيْتَ قَالَ وَاَحْسِبُهٗ قَالَ لَوْ مُتَّ مُتَّ عَلٰى غَيْرِ سُنَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (بخاری)

حضرت ابو وائل نے حضرت حذیفہ سے روایت کی کہ انہوں نے ایک آدمی کو دیکھا جو رکوع و سجود کو پورا نہیں کرتا تھا جب وہ نماز پڑھ چکا تو حضرت حذیفہ نے فرمایا تو نے نماز ہی نہیں پڑھی۔ ابو وائل کہتے ہیں میرا خیال ہے کہ حضرت حذیفہ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر تو اسی حالت میں مر جاتا تو حضور کی سنت پر نہ مرتا

فوائد و مسائل مَا صَلَّيْتَ جو شخص رکوع و سجود اچھی طرح نہیں کر رہا تھا۔ اس سے حضرت حذیفہ نے فرمایا تو نے نماز ہی نہیں پڑھی یعنی نفی سے مراد نفی کمال ہے۔ یعنی سجدہ اور رکوع کرنے کا جو حق تھا۔ وہ تو نے ادا نہیں کیا غیر سنہ کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے سجدہ اور رکوع مسنون طریقہ سے نہیں کیا اور اسی حالت میں مر گیا۔ تو وہ حضور علیہ السلام کے طریقہ پر نہ مرا۔ اس میں تعدیل ارکان نہ کرنے والوں کے لئے سخت شدید وعید ہے:

نماز میں رکوع و سجدہ کا طریقہ واضح ہو کہ رکوع اور سجدہ فرائض نماز سے ہے۔ اتنا جھکنا۔ کہ ہاتھ بڑھائے۔ تو گھٹنے کو پہنچ

لہ الفاظ شریف یہ ہیں: خالفوا الیہود فانہم لا یصلون فی نعالہم ولا خفافہم (د)

جائیں۔ یہ رکوع کا ادنیٰ درجہ ہے اور پورا رکوع یہ ہے کہ پیٹھ سیدھی بچھا دے ــــ پیشانی کا زمین پر جمنا سجدہ کی حقیقت ہے اور پاؤں کی ایک انگلی کا پیٹ زمین سے لگنا شرط ہے تو اگر کسی نے ایسے سجدہ کیا کہ پاؤں زمین سے اٹھے رہے۔ یا صرف انگلی کی نوک زمین سے لگی نماز نہ ہوئی۔ اس مسئلہ کا عوام تو کیا بعض علماء بھی خیال نہیں کرتے (۲) ہر رکعت میں دو بار سجدہ کرنا فرض ہے (۳) ناک اور پیشانی دونوں پر سجدہ کیا جائے۔ اگر کسی عذر کی وجہ سے پیشانی زمین پر نہیں لگا سکتا تو صرف ناک سے سجدہ کرے پھر بھی صرف ناک کی نوک کا لگنا کافی نہیں بلکہ ناک کی ہڈی کا زمین پر لگنا ضروری ہے۔ اس مسئلہ کا خاص خیال رکھنا ضروری ہے اگر سجدہ میں پیشانی خوب نہ دبی نماز ہی نہ ہوئی اور ناک کی ہڈی تک نہ دبی تو مکروہ تحریمی ہوئی۔ دوبارہ پڑھے ــــ کمانی دار گدے پر سجدہ میں پیشانی خوب نہیں دبتی لہٰذا نماز نہ ہوگی اسی طرح ریل کے بعض درجوں میں اسی قسم کے گدے ہوتے ہیں ان پر بھی سجدہ ادا نہ ہوگا۔ ایسے گدے یا بستر پر نماز نہ پڑھی جائے ــــ احناف کے نزدیک رکوع و سجدہ میں طمانینت سنت ہے۔

بَابٌ يُبْدِي ضَبْعَيْهِ وَيُجَافِي جَنْبَيْهِ فِي السُّجُودِ

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَالِكٍ ابْنِ بُحَيْنَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا صَلَّى فَرَّجَ بَيْنَ يَدَيْهِ حَتَّى يَبْدُوَ بَيَاضُ إِبْطَيْهِ

باب سجدہ میں دونوں بازوؤں کو کشادہ رکھے اور کروٹوں سے دور رکھے۔

حضرت عبداللہ بن مالک بن بحینہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز پڑھتے تو اپنے ہاتھوں کو کشادہ رکھتے حتی کہ بغل مبارک کی سپیدی ظاہر ہو جاتی۔

فوائد و مسائل امام نے اس حدیث کو سنت النبی میں اور مسلم و نسائی نے کتاب الصلوٰۃ میں ذکر کیا (۲) اس عنوان کا مقصود سجدہ کا مسنون طریقہ بتانا ہے کہ مرد کے لئے سجدہ میں سنت یہ ہے کہ بازو کروٹوں سے جدا ہوں پیٹ رانوں سے اور کلائیاں زمین پر نہ بچھائے۔ البتہ جب صف میں ہو گا تو بازو کروٹوں سے زیادہ جدا نہ ہو سکیں گے ــــ غرضکہ سجدہ میں کہنیوں کو پیٹ رانوں، پہلو کو زمین سے الگ رکھے۔ (۵) مرد سجدہ میں اپنا پچھا بھی اٹھائے۔

عورتیں کس طرح سجدہ کریں لیکن عورت سمٹ کر سجدہ کرے۔ یعنی بازو کروٹوں سے ملائے اور پیٹ ران سے اور ران پنڈلیوں سے اور پنڈلیاں زمین سے اور اپنا پچھا نہ اٹھائے ــــ اس سلسلہ کی حدیث یہ ہیں

۱۔ حضور علیہ السلام نے سجدہ کیا تو اپنا چہرہ اقدس دونوں ہتھیلیوں کے درمیان رکھا (نصب الرایہ ص۳)
۲۔ حضور علیہ السلام جب سجدہ کرتے تو آپ کے دونوں ہاتھ دونوں کانوں کے برابر ہوتے (طحاوی ص[illegible])
۳۔ جب آپ سجدہ کرتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو یہاں تک کشادہ کرتے کہ آپ کی بغل کی سپیدی نظر آ جاتی۔ (بخاری)
۴۔ حضور علیہ السلام جب سجدہ کرتے تو دونوں ہاتھوں کو کروٹوں سے دور رکھتے۔ یہاں تک کہ ہاتھوں کے نیچے سے اگر بکری کا بچہ گزرنا چاہتا تو گزر جاتا۔
۵۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا جب تو سجدہ کرے تو ہتھیلی کو زمین پر رکھ دے اور کہنیاں اٹھائے (مسلم شریف)
۶۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا سجدہ میں اعتدال کرو اور کتے کی طرح اپنے بازو نہ بچھاؤ (مسلم و بخاری)
۷۔ حضور علیہ السلام نے کوے کی طرح ٹھونگ مارنے کی طرح سجدہ کرنے سے منع فرمایا (مشکوٰۃ ص[illegible])

کی قریب ہوگا تو اب جہت سے نکل گیا اور نماز نہ ہوگی۔

۲۔ صحیح یہ ہے کہ جو شخص عین کعبہ کی سمت خاص تحقیق کر سکتا ہے اگرچہ کعبہ آڑ میں ہو جیسے مکہ کے مکانوں پر مثلاً چھت پر چڑھ کر کعبہ کو دیکھ سکتے ہیں۔ تو اس کے لئے عین کعبہ کی طرف منہ کرنا فرض ہے۔ جہت کی طرف منہ کرنا کافی نہیں۔ اور جس کے لئے یہ تحقیق ناممکن ہو مگر جیسے وہ خاص مکہ میں ہو اس کے لئے جہت کعبہ کو منہ کرنا کافی ہے۔

۳۔ قبلہ بناء کعبہ کا نام نہیں بلکہ وہ ایک فضا ہے۔ اس بنا کی محاذات میں ساتویں زمین سے عرش تک قبلہ ہی ہے لہٰذا اگر معاذ اللہ کعبہ کی عمارت منہدم ہو جائے اور اس فضا کی طرف نماز پڑھی ہو گئی ——— اسی طرح اگر بلند پہاڑ پر یا کنویں کے اندر نماز پڑھی اور فضاء کعبہ کی طرف منہ کیا نماز ہو گئی۔

بَابُ فَضْلِ اسْتِقْبَالِ الْقِبْلَةِ

باب قبلہ کی طرف منہ کرنے کی فضیلت میں

يَسْتَقْبِلُ بِأَطْرَافِ رِجْلَيْهِ الْقِبْلَةَ قَالَهُ أَبُو حُمَيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (بخاری)

اور ابو حمید صحابی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ نمازی نماز میں اپنے پاؤں کی انگلیاں بھی قبلہ کی طرف رکھے۔

یہ تعلیق ایک طویل حدیث کا ٹکڑا ہے جسے امام نے باب سنۃ الجلوس فی التشہد میں ذکر کیا ہے۔ ابو حمید عبد الرحمن بن سعد الساعدی انصاری مدنی کا نام منذر ہے کنیت سے مشہور ہیں۔ خلافت امیر معاویہ کے آخری ایام میں ان کا انتقال ہوا (۵۹ھ)۔ اس حدیث کے ذکر سے یہ بتانا مقصود ہے کہ جہاں تک ممکن ہو نمازی نماز میں اپنے تمام اعضاء کو کعبہ کی طرف کرے۔ تفصیل آئندہ صفحات میں آئے گی (ان شاء اللہ العزیز)۔

۔ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى صَلَاتَنَا وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا وَأَكَلَ ذَبِيحَتَنَا فَذٰلِكَ الْمُسْلِمُ الَّذِي لَهُ ذِمَّةُ اللّٰهِ وَذِمَّةُ رَسُولِ اللّٰهِ فَلَا تُخْفِرُوا اللّٰهَ فِي ذِمَّتِهِ (بخاری)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ کہ رسول اکرم علیہ السلام نے فرمایا جو شخص ہماری نماز کی طرح نماز پڑھے اور ہمارے قبلہ کی طرف منہ کرے اور ہمارا ذبیحہ کھائے تو یہ وہ مسلمان ہے جس کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ اور رسول پر ہے تو اللہ کے ذمہ کو نہ توڑو۔

۔ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُولُوا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ فَإِذَا قَالُوهَا وَصَلَّوْا صَلَاتَنَا وَاسْتَقْبَلُوا قِبْلَتَنَا وَذَبَحُوا ذَبِيحَتَنَا فَقَدْ حَرُمَتْ عَلَيْنَا دِمَاؤُهُمْ وَأَمْوَالُهُمْ إِلَّا بِحَقِّهَا وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ (بخاری)

حضرت انس ہی سے یہ بھی روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے مجھے حکم دیا گیا کہ میں لوگوں سے لڑوں یہاں تک کہ وہ لا الٰہ الا اللہ کہیں پھر جب وہ یہ کہہ لیں اور ہماری طرح نماز پڑھیں اور ہمارا ذبیحہ کھائیں اور ہمارے قبلہ کی طرف منہ کریں۔ تو ہم پر ان کے جان و مال حرام ہو گئے مگر کسی حق کے بدلے اور ان کا حساب اللہ پر رہے گا۔

۔ ایک اور حدیث بھی امام نے اس عنوان کے تحت ذکر کی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے

میمون بن سیاہ نے حضرت انس سے سوال کیا کہ اے ابو حمزہ آدمی کے خون اور مال کو کون چیز (حرام) محفوظ کرتی ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ جو اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور ہمارے قبلہ کی طرف منہ کرے ہماری

طرح نماز پڑھے۔ ہمارا ذبیحہ کھائے تو یہ مسلمان ہے۔

لَهٗ مَا لِلْمُسْلِمِ وَعَلَيْهِ مَا عَلَى الْمُسْلِمِ (بخاری) | جو مسلمان کے حقوق ہیں وہی اس کے ہیں، جو مسلمان پر لازم ہے وہی اس شخص پر لازم ہے

فوائد ومسائل (۱) امام بخاری علیہ الرحمۃ نے ان تینوں حدیثوں کو ذکر کرکے یہ واضح کیا ہے کہ نماز میں استقبال قبلہ فرض ہے اس کے بغیر نماز نہیں ہوگی (۲) ذمہ کے معنے عہد، امان اور حفاظت کے ہیں۔ مطلب حدیث یہ ہے کہ جو شخص تمام ضروریات دین کی تصدیق و اقرار کے ساتھ مذکورہ بالا امور بجا لائے اس کے احکام اور حقوق وہی ہیں جو ایک مسلمان کے ہوتے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ ہمیں کسی کے دل کو چیر کر دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے اور نہ ہم اس کے [illegible] ہیں کہ دلوں کی کیفیات پر حکم لگائیں۔ لہٰذا جو شخص اسلام کے ظواہر پر عمل کرتا ہے اور ضروریات دین میں سے کسی امر کا انکار نہیں کرتا اسے مسلمان ہی سمجھا جائے گا۔

حدیث مَنْ صَلّٰى صَلٰوتَنَا کا مطلب لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جو شخص ضروریات دین میں سے کسی امر کا انکار کرے اس کے باوجود ہماری طرح نماز پڑھے۔ ہمارا ذبیحہ کھائے، قبلہ کی طرف منہ کرے وہ بھی مسلمان ہے کیونکہ اس قسم کی جس قدر احادیث ہیں ان کا مقصود کسی کیہ اور تعریف کو بیان کرنا نہیں۔

مثلاً حضور علیہ السلام نے فرمایا جس نے لا الہ الا اللہ کہہ لیا وہ جنتی ہے یا اس نے اپنا مال وجان محفوظ کر لیا تو کیا اس کا یہ [illegible] ہے کہ محض توحید کے اقرار سے آدمی مسلمان ہو جائے گا خواہ نبوت ورسالت، حشر ونشر وغیرہ ضروریات دین کا منکر ہی ہو۔
مثلاً قرآن مجید میں فرمایا:-

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى | جس نے اپنے نفس کو پاک بنا لیا اللہ کا نام لیا اور نماز پڑھی وہ کامیاب ہے

تو کیا اس آیت کا یہ مطلب لینا درست ہے کہ نماز پڑھنے اور اللہ کا ذکر کرنے سے تو ہی مسلمان ہو جائے گا، چاہے توحید ورسالت کا انکار ہی کرے ——— ان دو مثالوں سے واضح ہوگیا کہ کتاب و سنت میں جہاں کسی ایک [illegible] کے اقرار یا کسی ایک فعل یا چند افعال کی بجا آوری کو اسلام قرار دیا گیا ہے اس سے مراد یہی ہوتا ہے کہ آدمی دین کی ضروری باتوں کو مانے اور تمام ضروری باتوں پر عمل بھی کرے۔

یہی مطلب زیر بحث حدیث کا ہے کہ جو شخص مذکورہ بالا امور بجا لائے اسے مومن و مسلمان اسی صورت میں [illegible] دیا جائے گا جبکہ وہ تمام ضروریات دین کی تصدیق و اقرار بھی کرے۔ اور اگر ضروریات دین میں سے کسی ایک امر کا بھی [illegible] کرتا ہے۔ اور اس کے ساتھ شعائر اسلام کا پابند بھی ہے تو ایسے شخص کو نہ حقیقۃً مسلم قرار دیا جا سکتا ہے اور نہ حکماً۔ مسئلہ کی مزید وضاحت کے لئے فیوض الباری جلد اول [illegible] کا [illegible] بہت مفید رہے گا۔

(۳) اور حدیث میں جو فرمایا الا بحقہا اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص مذکورہ بالا امور بجا لائے گا اس کا مال محفوظ ہو ہی جائے گا۔ لیکن اگر اس سے کوئی جرم صادر ہوگا تو اس کو سزا دی جائے گی۔ یہ نہ ہوگا کہ مسلمان ہونے کی وجہ سے اس سے کوئی باز پرس نہ ہوگی۔

وحسابهم على الله کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص دل میں کفر رکھے تو اس کا حساب اللہ عزوجل خود فرمائے گا ہمیں تو صرف اس امر کا مکلف کیا گیا ہے کہ اس کے ظاہری عقائد و اعمال کو دیکھیں۔ اگر وہ اسلامی ہوں تو اس کو مسلمان سمجھیں اور غیر اسلامی ہوں تو اسے کافر جانیں۔

بَابُ قِبْلَةِ أَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَأَهْلِ الشَّامِ وَالْمَشْرِقِ

لَيْسَ فِي الْمَشْرِقِ وَلَا فِي الْمَغْرِبِ قِبْلَةٌ لِقَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَسْتَقْبِلُوا الْقِبْلَةَ بِغَائِطٍ أَوْ بَوْلٍ وَلٰكِنْ شَرِّقُوْا أَوْ غَرِّبُوْا

باب مدینہ والوں اور شام والوں کے قبلہ کا بیان اور مشرق کا بیان

اہل مدینہ کا قبلہ مشرق و مغرب کی طرف نہیں ہے کیونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا پیشاب و پاخانہ کرتے وقت قبلہ کو منہ و پیٹھ نہ کرو۔ لیکن مشرق و مغرب کی طرف منہ کرو۔

مقصود عنوان یہ واضح کرنا تھا کہ اہل مدینہ و شام کا قبلہ مغرب و مشرق کی طرف نہیں ہے۔ بلکہ جنوب کی طرف ہے۔ لہٰذا اہل مدینہ و شام کو جنوب کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا چاہیئے۔ کیونکہ حضور علیہ السلام نے اہل مدینہ سے فرمایا۔ بوقت تقضائے حاجت قبلہ کی طرف منہ کر کے نہ بیٹھو، بلکہ مشرق یا مغرب کی طرف منہ کرو۔ اس سے معلوم ہوا کہ اہل مدینہ کا قبلہ جنوب کی طرف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں بوقت تقضائے حاجت مشرق یا مغرب کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا گیا۔

امام نے اسی مضمون کی ایک اور حدیث بھی ذکر کی ہے جسے ہم نے چھوڑ دیا۔

بوقت تقضائے حاجت کعبہ کو استقبال و استدبار کے متعلق فیوض الباری جلد اول پر مفصل گفتگو ہو چکی ہے اور حدیث کے تمام مسائل بیان کر دیئے گئے ہیں۔

بَابُ قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى (بخاری)

باب اللہ عزوجل کے ارشاد کہ مقام ابراہیم کو مصلیٰ بناؤ۔

اس آیت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں مقام ابراہیم کے سوا کسی اور طرف منہ نہ کیا جائے۔ ظاہر ہے کہ مقام ابراہیم کعبہ کے ایک طرف یعنی مشرق کی جانب ہے۔ تو اگر مغرب شمال اور جنوب کی طرف منہ کر کے مسجد حرام میں نماز پڑھی جائے۔ تو مقام ابراہیم کی طرف منہ نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ اس پر اجماع ہے کہ کعبہ کے چاروں طرف نماز پڑھنا درست ہے لہٰذا آیت کا ظاہری معنی مراد نہیں ہے۔ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کے اندر داخل ہو کر نماز پڑھی ہے۔ نیز عنوان زیر بحث کے ماتحت حدیث عمر میں یہ تصریح ہے کہ حضور علیہ السلام نے طواف کے بعد مقام ابراہیم میں نماز پڑھی۔

اس سے معلوم ہوا کہ کعبہ کے طواف کے بعد جو دو رکعتیں پڑھی جاتی ہیں وہ مقام ابراہیم میں پڑھی جائیں۔ اور طواف سے فارغ ہو کر مقام ابراہیم میں جو دو رکعت پڑھی جاتی ہیں یہ واجب ہیں۔ آیت مذکورہ کا یہی مطلب ہے

مقام ابراہیم وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ معظمہ کی بنا فرمائی۔ اور اس پتھر پر آپ کے قدم مبارک کا نشان بھی آ گیا تھا۔ یہ پتھر اب تک موجود ہے۔ مقام ابراہیم کو نماز کا مقام بنانے کا حکم استحبابی ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ اس سے طواف کی دو رکعتیں مراد ہیں۔ (تفسیر احمدی) حضرت جابر کا بیان ہے کہ جب حضور علیہ السلام نے کعبہ کا طواف فرمایا۔ تو جناب فاروق اعظم نے عرض کی حضور کیا یہ ہمارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقام ہے۔ ہم اسے مصلیٰ نہ بنائیں؟ اس پر مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی جس میں مقام ابراہیم کو مصلیٰ بنانے کی ہدایت دی گئی

حضرت مجاہد نے فرمایا مقام ابراہیم سے سامنے ہوا ہے۔ لیکن مسلم شریف کی روایت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مقام
مراد وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر سیدنا ابراہیم خلیل نے کعبہ کی بنا فرمائی تھی ——— حضرت جابر فرماتے ہیں کہ
مقام ابراہیم حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم صدیق اکبر و فاروق اعظم کے زمانہ تک اسی جگہ پر تھا جہاں اب ہے۔ خلافت فاروقی میں سیلاب
میں یہ پتھر بہہ گیا تلاش کے بعد کعبہ کے نشیب میں ملا اس کو لایا گیا اور کعبہ کے پردوں سے باندھ دیا گیا۔ پھر جناب فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ
اور انہوں نے اس کے اصل مقام کی تحقیق کی۔ اور اس کو اصلی جگہ پر رکھ کر اس کے گرد عمارت بنا دی۔ چنانچہ جب سے اب
تک وہیں موجود ہے (مسلم شریف) ——— سنا گیا ہے کہ سعودی حکومت توسیع حرم کے سلسلہ میں مقام ابراہیم
اس کے اصلی مقام سے اٹھا کر کسی دوسری جگہ رکھنا چاہتی ہے۔ اگر وہ ایسا کرے گی تو یہ ایک نہایت ہی غلط قدم ہو گا
واضح ہو کر عنوان بالا کے تحت امام بخاری نے چند حدیثیں درج کی ہیں۔ یہ حدیثیں کتاب الحج میں بھی
آئیں گی۔ اس لئے یہاں ہم صرف ان کے ترجمہ پر اکتفا کرتے ہیں

حدیث اول حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک شخص نے سوال کیا کہ جس شخص نے عمرہ کے لئے طواف
کیا۔ اور صفا و مروہ کی سعی نہیں کی۔ کیا اس کو اپنی عورت سے صحبت کرنا جائز ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ
نے فرمایا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تشریف لائے۔ سات بار طواف کعبہ کیا اور مقام ابراہیم میں دو رکعتیں پڑھیں
اور صفا و مروہ کی سعی کی اور تمہارے لئے رسول کی بہترین نمونہ میں (بخاری)
اور عمرو بن دینار کہتے ہیں ہم نے اسی مسئلہ کو جابر بن عبد اللہ سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا

فَقَالَ لَا يَقْرَبَنَّهَا حَتَّى يَطُوفَ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ (بخاری) | جب تک صفا و مروہ کی سعی نہ کرے اس وقت تک جماع نہ کرے

حدیث دوم مجاہد کہتے ہیں ایک شخص نے حضرت عبد اللہ بن عمر سے پوچھا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ
کے اندر گئے ہیں؟ حضرت ابن عمر کہتے ہیں۔ اس سوال پر میں مسجد حرام میں آیا۔ اور حضور دروازہ کعبہ سے
باہر تشریف لا چکے تھے۔ اور حضرت بلال کو کعبہ کے دروازہ کے درمیان کھڑا ہوا پایا میں نے بلال سے پوچھا کیا
نبی علیہ السلام نے کعبہ میں نماز پڑھی؟

قَالَ نَعَمْ رَكْعَتَيْنِ بَيْنَ السَّارِيَتَيْنِ اللَّتَيْنِ عَلَى يَسَارِهِ (بخاری) | انہوں نے کہا ہاں آپ نے ان ستونوں کے درمیان جو داخل ہوتے وقت بائیں ہاتھ پڑتے ہیں دو رکعت نماز پڑھی پھر حضور باہر تشریف لائے اور کعبہ کے سامنے دو رکعت پڑھیں

حدیث سوم حضرت ابن عباس فرماتے ہیں۔ جب حضور علیہ السلام کعبہ میں داخل ہوئے۔ تو آپ نے کعبہ کے
ہر گوشہ میں دعا کی۔ اور نماز نہیں پڑھی باہر آنے تک۔ جب آپ باہر آئے تو کعبہ کی طرف منہ کر کے
دو رکعتیں پڑھیں اور فرمایا۔
هٰذِهِ الْقِبْلَةُ | یہی قبلہ ہے

فوائد و مسائل حدیث اول کو امام نے حج میں دوبار ذکر کیا اور نسائی و مسلم نے بھی کتاب الحج میں ذکر کیا۔
اس حدیث سے واضح ہوا کہ عمرہ میں سعی واجب ہے جمہور علماء کا یہی مسلک ہے۔ طواف سات ش

موجود ہے۔ اور مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نفل پڑھنا سنت ہے۔ اور حدیث دوم کو امام نے کتاب الحج
متعدد بار ذکر کیا اور مغازی و صلوٰۃ میں بھی۔ اور مسلم و نسائی۔ ابو داؤد و ابن ماجہ نے کتاب الحج میں ذکر کیا۔
تین حدیث یہ ہیں۔

خانہ کعبہ کے اندر داخل ہونا جائز ہے۔ منتقی میں ہے کہ جو حج کرے اسے کعبہ میں داخل ہونا اور دو رکعت نفل پڑھنا
مستحب ہے جبکہ ایسا ہو کہ کعبہ میں داخل نہ ہو۔ بلکہ بر بنا یا داخل ہو۔ (فتح الباری جوء صفحہ)

اور حدیث سوم کو مسلم نے مناسک میں اور نسائی و ابو داؤد نے بھی ذکر کیا (۲) یہ جو حضور نے فرمایا: یہ قبلہ ہے
خطابی نے فرمایا کہ اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ کعبہ ہمیشہ کے لئے قبلہ مقرر ہو چکا ہے۔ اور اب کعبہ کا قبلہ ہونا منسوخ
نہ ہوگا ——— اور غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ کعبہ کو قبلہ حضور علیہ السلام کی مرضی اور سفارش سے مقرر فرمایا گیا تھا۔ اس
حدیث میں ہے کہ حضور نے کعبہ کے اندر نماز نہیں پڑھی۔ اور حدیث دوم میں ہے کہ حضور نے کعبہ کے اندر بھی نماز پڑھی
ان دونوں میں تضاد نہیں ہے۔ کیونکہ ہوا یہ کہ ایک بار حضور نے نماز پڑھی اور ایک بار نہیں پڑھی۔ ان احادیث کے بقیہ
مباحث ان شاء اللہ العزیز کتاب الحج میں ذکر کئے جائیں گے۔

بَابُ التَّوَجُّهِ نَحْوَ الْقِبْلَةِ حَيْثُ كَانَ
وَقَالَ اَبُوْهُرَيْرَةَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ
سَلَّمَ اسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ وَكَبِّرْ (بخاری)

باب آدمی جہاں کہیں ہو قبلہ کی طرف منہ کرے
حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا کعبہ کی طرف منہ کر اور تکبیر کہہ

مقصد و مسائل مقصد عنوان یہ بتانا ہے کہ آدمی سفر میں ہو یا حضر میں وہ فرض نماز میں بہر صورت جہت کعبہ کی طرف ہی
متوجہ ہو۔ یہ عنوان در اصل قرآن پاک کی آیت وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ
سے ماخوذ ہے۔ اور زیر عنوان تعلیق کو خود امام بخاری نے کتاب الاستیذان میں ذکر کیا

عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى نَحْوَ بَيْتِ الْمَقْدِسِ
سِتَّةَ عَشَرَ شَهْرًا اَوْ سَبْعَةَ عَشَرَ شَهْرًا وَ
كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحِبُّ
اَنْ يُوَجَّهَ اِلَى الْكَعْبَةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّ وَ
جَلَّ قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِى السَّمَاءِ فَتَوَجَّهَ
نَحْوَ الْقِبْلَةِ وَقَالَ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ وَ
هُمُ الْيَهُوْدُ مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِىْ
كَانُوْا عَلَيْهَا قُلْ لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ
يَهْدِىْ مَنْ يَّشَاءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ فَصَلّٰى مَعَ
النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ ثُمَّ خَرَجَ
بَعْدَ مَا صَلّٰى فَمَرَّ عَلٰى قَوْمٍ مِّنَ الْاَنْصَارِ

حضرت براء سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
بیت المقدس کی طرف منہ کرکے سولہ یا سترہ مہینہ نماز پڑھی
اور حضور کی مرضی یہ تھی کہ آپ کو کعبہ کی طرف منہ کرنے کا
حکم ہو۔ تو اللہ تعالیٰ نے آیت قد نری تقلب وجہک نازل
فرمائی۔ جب آپ نے کعبہ کی طرف منہ پھیر لیا اس پر بیوقوف
لوگ کہنے لگے انہیں جس قبلہ پر تھے کس نے پھیر دیا۔ تم فرماؤ مشرق
و مغرب سب اللہ ہی کے لئے ہے جو اللہ چاہے سیدھی
راہ پر چلاتا ہے ——— ایک شخص نے جب قبلہ بدلا تو
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی تھی۔ تو اس شخص
نے انصار کے کچھ لوگوں کو دیکھا جو عصر کی نماز بیت المقدس
کی طرف منہ کرکے پڑھ رہے ہیں۔ انہوں نے یہ دیکھ کر کہا میں
گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

إِلَى صَلَاةٍ وَهُمْ يُصَلُّونَ نَحْوَ بَيْتِ الْمَقْدِسِ فَقَالَ هُوَ يَشْهَدُ أَنَّهُ صَلَّى مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَّهُ تَوَجَّهَ نَحْوَ الْكَعْبَةِ فَتَحَرَّفُوا حَتَّى تَوَجَّهُوا نَحْوَ الْكَعْبَةِ (بخاری)

کے ساتھ نماز پڑھی۔ اور آپ نے کعبہ کی طرف منہ کیا یہ سن کر وہ لوگ (نماز ہی) میں کعبہ کی طرف متوجہ ہو گئے
(بخاری)

فوائد و مسائل اس حدیث کو امام نے باب الصلوٰۃ من الایمان اور تفسیر میں بھی ذکر کیا۔ مسلم، ترمذی، نسائی اور ابن جعفر نے صلوٰۃ اور ایمان میں ذکر فرمایا

اس حدیث کے مسائل یہ ہیں

(۱) نماز میں کعبہ کی طرف منہ کرنا فرض ہے اور اس پر اجماع بھی ہے (۲) کعبہ ابراہیمی اب ہمیشہ کے لئے قوم مسلم کا قبلہ ہے۔ اور اب یہ منسوخ نہ ہوگا (۳) کعبہ ابراہیمی کو حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی خواہش اور آپ کی رضا جوئی کے لئے قبلہ مقرر کیا گیا (۴) یہ حدیث باب الصلوٰۃ من الایمان میں گزر چکی ہے وہاں ہم نے اس کے بارے مسائل و احکام بیان کئے ہیں۔ ناظرین کرام فیوض الباری جلد اول کو ضرور ملاحظہ کریں۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي عَلَى رَاحِلَتِهِ حَيْثُ تَوَجَّهَتْ بِهِ فَإِذَا أَرَادَ الْفَرِيضَةَ نَزَلَ فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ (بخاری)

جابر بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم (اپنی) اونٹنی پر نماز پڑھتے جدھر بھی اس کا منہ ہوتا۔ جب آپ فرض نماز پڑھنا چاہتے تو سواری سے اتر آتے اور قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز فرض ادا کرتے۔

فوائد و مسائل امام نے اس حدیث کو باب تقصیر الصلوٰۃ اور مغازی میں بھی ذکر کیا۔ اور مسلم و ترمذی، نسائی، ابوداؤد و دارقطنی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا۔ امام ترمذی نے کہا حسن صحیح ہے

نماز میں کعبہ کی طرف منہ کرنا ضروری ہے ——— البتہ اگر عذر شرعی ہے۔ تو پھر استقبال قبلہ معاف ہے اور اس کی حسب ذیل صورتیں ہیں:۔

استقبال قبلہ سے عاجز ہونے کی صورتیں (۱) جو شخص استقبال قبلہ سے عاجز ہو مثلاً مریض ہے کہ اتنی طاقت نہیں کہ قبلہ کی طرف رخ کرے۔ اور نہ وہاں کوئی ایسا ہے جو اس کو قبلہ کی طرف متوجہ کر دے۔ یا اس کے پاس اپنا یا امانت کا مال ہے۔ جس کے چوری ہو جانے کا صحیح اندیشہ ہے۔ یا کشتی کے تختہ پر بہتا چلا جا رہا ہے اور صحیح اندیشہ ہے کہ اگر قبلہ کی طرف منہ کرے گا تو ڈوب جائے گا یا شریر جانور پر سوار ہے کہ اترنے نہیں دیتا۔ یا اتر تو جائے گا مگر بے مددگار سوار نہ ہونے دے گا یا یہ بوڑھا ہے کہ پھر خود سوار نہ ہو سکے گا اور ایسا کوئی نہیں جو سوار کرا دے۔ ان سب صورتوں میں جس رخ نماز پڑھ سکے پڑھ لے اور اعادہ بھی نہیں

ہاں اگر سواری کے روکنے پر قادر ہو تو روک کر پڑھے۔ اور ممکن ہو تو قبلہ کی طرف منہ کرے ورنہ جیسے بھی ہو سکے پڑھے ——— چلتی کشتی میں نماز پڑھتے وقت وقت تکبیر تحریمہ

قبلہ کو منہ کرے بلکہ جیسے وہ گھومتی جائے یہ بھی قبلہ کی طرف منہ پھیرتا جائے اگرچہ نفل نماز ہو وغیرہ،
مگر کوئی شخص قید میں ہے اور حکام جیل قبلہ کی طرف منہ نہیں کرنے دیتے تو جیسے بھی ہو سکے نماز پڑھ لے۔ مگر اس صورت میں جب موقع مل جائے وقت میں یا بعد میں اس نماز کو دوبارہ پڑھ لے۔

سواری پر نفل پڑھ سکتا ہے

حدیث زیر بحث سے واضح ہوا کہ گھر، سواری اور گھوڑی پر نفل نماز مطلقاً جائز ہے۔ جبکہ تنہا پڑھے۔ اور نفل جماعت سے پڑھنا چاہے۔ تو اس کے لئے شرط ہے کہ امام و مقتدی الگ الگ سواریوں پر نہ ہوں ——— بیرون شہر سواری پر بھی نفل پڑھ سکتا ہے اس صورت میں قبلہ کی طرف منہ کرنا شرط نہیں۔ بلکہ سواری جس رخ جا رہی ہو ادھر ہی منہ ہو۔ اور اگر ادھر نہ ہو تو نماز جائز نہ ہوگی اور نماز شروع کرتے وقت بھی قبلہ کی طرف منہ ہونا شرط نہیں بلکہ سواری جدھر جا رہی ہو طرف منہ ہو اور رکوع و سجود اشارے سے کرے اور سجدہ کا اشارہ بہ نسبت رکوع کے پست ہونا چاہئے۔
اور یہ حکم صرف نفل نماز کے لئے ہے۔

عن عبد الله قال صلى النبي صلى الله عليه وسلم قال ابراهيم لا ادري زاد او نقص فلما سلم قيل له يا رسول الله احدث في الصلوة شيء قال وما ذاك قالوا صليت كذا وكذا فثنى رجليه واستقبل القبلة وسجد سجدتين ثم سلم فلما اقبل علينا بوجهه قال انه لو حدث في الصلوة شيء لنبأتكم به ولكن انما انا بشر مثلكم انسى كما تنسون فاذا نسيت فذكروني واذا شك احدكم في صلوته فليتحر الصواب فليتم عليه ثم ليسلم ثم يسجد سجدتين

(بخاری)

حضرت عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی تو ابراہیم نے کہا نہیں معلوم حضور نے ظہر کی نماز کی چار رکعتیں پڑھیں یا پانچ جب آپ نے سلام پھیرا۔ تو لوگوں نے کہا یا رسول اللہ کیا نماز کے متعلق کوئی نیا حکم آیا ہے (پایا گیا ہے) صحابہ نے عرض کی آپ نے اتنی اتنی رکعتیں پڑھی ہیں یہ سن کر حضور نے اپنے پاؤں پھیرے اور قبلہ کی طرف منہ کر کے دو سجدے کئے اور سلام پھیر کر ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا نماز کے متعلق کوئی نیا حکم آتا تو تمہیں خبردار کرتا لیکن میں بھی تمہاری طرح ایک آدمی ہوں بھول جاتا ہوں جیسے تم بھولتے ہو جب میں بھول جاؤں تو یاد دلا دیا کرو اور جب کوئی تم میں اپنی نماز میں شک کرے تو ٹھیک بات سوچ لے پھر اسی کے مطابق اپنی نماز پوری کرے پھر سلام پھیر کے دو سجدے سہو کرے

امام نے اس حدیث کو تعدد میں بھی ذکر کیا اور مسلم، ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا۔
یہ نماز جو حضور نے پڑھائی اور جس میں سہو ہوا ظہر کی نماز تھی۔ جو چار رکعت کی بجائے پانچ رکعت پڑھا دی گئیں (۱۲) اس حدیث سے بعض علماء نے یہ استدلال کیا کہ اگر نمازی نماز میں نماز کی اصلاح کے لئے کلام کرے تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ کیونکہ حضور علیہ السلام نے صحابہ سے بات کی پھر سجدہ سہو فرمایا ——— لیکن

ف: ابراہیم نخعی جو اس روایت کو علقمہ سے وہ عبداللہ بن مسعود سے روایت کرنے [illegible]

یہ استدلال صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ یہ اس وقت کا معاملہ ہے جب کہ نماز میں کلام کرنے کی ممانعت نہیں آئی تھی۔ چنانچہ ابو داؤد نسائی و مسلم کی حدیث میں ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا

(۱) ان ھذہ الصلوٰۃ لا یصلح فیہا شیٔ من کلام الناس	کہ نماز میں تسبیح و تکبیر و قراءۃ قرآن کے سوا اور کسی قسم کی بات کی گنجائش نہیں ہے۔

بخاری و مسلم کی حدیث میں حضرت عبد اللہ بن مسعود فرماتے ہیں۔ ہم حضور (ص) کو نماز میں سلام عرض کرتے۔ تو آپ نماز کی حالت میں جواب عطا فرماتے مگر جب ہم نجاشی کے ہاں سے واپس ہوئے اور بارگاہِ نبوی میں سلام عرض کیا تو حضور نے جواب نہ دیا۔ ہمارے استفسار پر حضور نے فرمایا میں نماز میں تھا ——— اور ابو داؤد کی حدیث میں یہ ہے کہ حضور نے فرمایا اللہ عزوجل جو حکم چاہتا ہے ظاہر فرماتا ہے اور ظاہر فرمایا اس میں سے ایک یہ ہے کہ نماز میں کلام نہ کرو۔

کلام مفسد نماز ہے یہ حدیثیں حدیث زیر بحث کی ناسخ ہیں۔ اور اس امر میں نص صریح ہیں کہ کلام مفسد نماز ہے۔ خواہ اصلاح صلوٰۃ ہی کے لئے ہو۔ قصداً ہو یا سہواً یا خطاءً۔ اپنی خوشی سے کلام کرے یا کسی کے مجبور کرنے پر۔ مقتدی کرے یا امام ——— خطاء کے معنی یہ ہیں۔ قرأت وغیرہ اذکار نماز کہنا چاہتا تھا مگر غلطی سے کوئی اور بات زبان پر آگئی اور سہو کے معنی یہ ہیں کہ اسے اپنا نماز میں ہونا یاد نہ رہا۔

ترک واجب سے سجدۂ سہو واجب ہے (۱) واجباتِ نماز میں سے جب کوئی واجب بھولے سے رہ جائے۔ تو اس کی تلافی کے لئے سجدۂ سہو واجب ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے۔ کہ التحیات کے بعد دہنی طرف سلام پھیر کر دو سجدے کرے۔ پھر تشہد وغیرہ پڑھ کر سلام پھیرے ——— حضور علیہ السلام نے جو سجدۂ سہو فرمایا ہے وہ تاخیر سلام کی وجہ سے فرمایا۔ یعنی چار رکعت کے بعد سلام پھیرنا چاہیئے تھا۔ مگر آپ نے سہواً پانچویں پڑھ کر سلام پھیرا اور سلام میں تاخیر ہو گئی جس کی تلافی سجدہ سے فرمائی ——— اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی نے چار رکعت پڑھ کر قعدہ اخیرہ کر لیا پھر پانچویں کے لئے کھڑا ہو اور پانچویں رکعت پڑھ کر سلام پھیر دیا۔ پھر یاد آیا کہ پانچ پڑھی ہیں اور سجدہ سہو کر لیا (چھٹی رکعت اور نہیں پڑھی) فرض ادا ہو گئے مگر پانچویں رکعت بوجہ ایک ہونے کے نفل ہو گئی ——— اس صورت میں یہ چاہیئے کہ جب بقدر تشہد قعدہ اخیرہ کر چکا ہے۔ اور پانچویں کے لئے کھڑا ہو گیا ہے۔ اور پانچویں کا سجدہ کر لیا ہے۔ تو ایک رکعت اور پڑھ لے اور سجدہ سہو کرے تاکہ چار فرض اور دو نفل ہو جائیں۔ اور پانچویں بوجہ ایک ہونے کے فوت نہ ہو۔

(۲) یہ بھی معلوم ہوا کہ سہو کے دو سجدے ہیں۔ اور یہ کہ سجدہ سہو سلام کے بعد کیا جائے۔ اور سجدہ سہو کے بعد تشہد وغیرہ پڑھ کر سلام پھیرے ——— اور حضرت امام شافعی یہ فرماتے ہیں کہ سلام سے پہلے سجدہ سہو کرے مگر یہ اختلاف جواز یا عدم جواز کا نہیں ——— بلکہ اولیت و افضلیت کا ہے۔ یعنی امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمہ کے نزدیک ایک طرف سلام پھیرنے کے بعد سجدہ سہو کرنا افضل ہے۔ تو اگر کسی نے قبل سلام پھیرے سجدہ سہو کر لیا۔ احناف کے نزدیک بھی نماز ہو جائے گی۔ خانیہ واشعۃ اللمعات ج ۱ ص (۵۵)

(۳) اس کے بعد حضور علیہ السلام نے فرمایا اذا شک احدکم کہ جب تم میں سے کسی کو رکعتوں کے متعلق شک ہو تو تحری کرے۔ مثلاً یہ شک ہو کہ تین پڑھی ہیں یا چار تو تین پر تو یقین ہے۔ چوتھی میں شک ہے تو تین کو اختیار کرے۔ اور چوتھی اور پڑھے یا مثلاً دو پڑھی ہیں یا تین تو دو پر تو یقین ہے لہٰذا ایک اور پڑھ لے اور سجدہ سہو کرے۔

ف ۔ اور حدیث ۳ میں اگرچہ بنا علی الاقل کا ذکر نہیں ہے مگر تحری سے کام نہ بنے تو مجبوراً اقل پر ہی بنا کرنی پڑے گی

نماز رکعت میں شک ہو تو کیا کرے؟

واضح ہو کہ شک کے باب میں تین حدیثیں وارد ہیں :-

اول :- یہ کہ جب شک ہو تو از سر نو پڑھے

دوم :- یہ کہ جب شک ہو تو تحری کرے

سوم :- یہ کہ جب شک ہو تو یقین پر بنا کرے

حضور علیہ السلام نے فرمایا : جب تمہیں شک ہو کہ کتنی رکعت پڑھی ہیں ۔ تین یا چار فلیطرح الشک ولیبن

علی ما استیقن ۔ تو شک کو دور کرے اور اس چیز پر عمل کرے جو یقینی ہے ۔

سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان تینوں حدیثوں میں تطبیق کی صورت یہ پیدا فرمائی

جس کو پہلی بار رکعت میں شک ہو مثلاً تین ہوئیں یا چار ، اور یہ شک تشہد کے بعد یہ پہلا واقعہ ہے تو سلام پھیر کر یا کوئی عمل منافی

نماز کر کے توڑ دے اور اس نماز کو از سر نو پڑھے ۔ حدیث اول کا یہی مطلب ہے

۔ اور اگر یہ شک پہلی بار نہیں ، بلکہ پیش تر بھی ہو چکا ہے ۔ تو اگر گمان غالب کسی طرف ہو تو اسی پر عمل کرے ۔ حدیث

دوم کا یہی مطلب ہے

۔ اور اگر گمان غالب نہ ہو تو کم کی جانب کو اختیار کرے مثلاً تین اور چار میں شک ہو تو تین قرار دے ۔ اور اگر دو اور

تین میں شک ہو تو دو ، وعلیٰ ہذا القیاس ۔ اور تیسری چوتھی دونوں میں قعدہ کرے کہ تیسری رکعت کا چوتھی ہونا محتمل ہے ۔ اور چوتھی

کے قعدہ کے بعد سجدہ سہو کر کے سلام پھیرے ۔ حدیث سوم کا یہ مطلب ہے ۔

فائدہ :- گمان غالب کی صورت میں سجدہ سہو نہیں ۔ مگر جب کہ سوچنے (تحری) میں بقدر ایک رکن کے وقفہ کیا تو

سجدہ سہو واجب ہو گیا ۔

اس حدیث سے یہ بھی واضح ہوا کہ سجدہ سہو آخیر صلوٰۃ میں کیا جائے ۔ اور اس میں حکمت یہ ہے کہ اگر درمیان نماز میں کوئی اور غلطی ہو جائے

تو اس کی تلافی بھی ایک ہی سجدہ سے ہو جائے ۔

سہو و نسیان کی تعریف :- نسیان : لغت میں حفظ و ذکر کی ضد ہے ۔ اور اصطلاح میں کسی بات سے دل کے

غافل ہو جانے کو نسیان کہتے ہیں ۔ اور نسیان ترک کے معنے میں بھی آتا ہے ۔ جیسے اس

آیت میں [illegible] نسوا اللّٰہ فنسیہم ۔ اور ولا تنسوا الفضل بینکم میں ۔

شک : لغت میں یقین کی ضد ہے ۔ اور اصطلاح میں شک کے معنے یہ ہیں کہ طرفین برابر مساوی ہو جائے ۔

اور ذہن ، یا ایک اور دو کے درمیان ٹھہر جاتا اس طرح کہ دونوں طرفوں یعنی ہاں اور نہیں ۔ یا ایک اور دو میں سے

کسی جانب کا میلان نہ ہو ۔ یعنی زید نے ظہر کی نماز پڑھی اور اب اس کو شک ہو گیا کہ نہیں معلوم کہ چار پڑھی ہیں یا پانچ ۔ تو

وہ چار پانچ کے درمیان شک میں مبتلا ہے اور اس کا دل کسی کو ترجیح نہیں دے رہا ۔

پس اگر ایک طرف میلان ہو جائے تو ظن محض ہے اور اگر ایک طرف ایسا میلان ہو کہ آدمی اس کو اختیار کرے اور دوسری

کو چھوڑ دے تو یہ ظن غالب ہے ۔ اس کو غالب رائے سے بھی موسوم کرتے ہیں ؛

کیا انبیاء کرام کو سہو و نسیان ہو سکتا ہے ؟ واضح ہو کہ امور تبلیغیہ میں انبیاء کرام سے سہو و نسیان اور خطا محال ہے ۔ یعنی احکام [illegible]

احکام تبلیغیہ، مسائل شرعیہ، اخبار معاد وغیرہ کا سر چشمہ وحی جلی ہو یا خفی) اس میں انہیں نہ شک و شبہ ہو سکتا ہے، نہ نسیان اور خطا۔ وہ اپنے فرض نبوت کو نہایت تیقن و اطمینان، سکون و وقار کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ اور دین سے بات کو اس کی صحیح حیثیت اور پوزیشن کے ساتھ پیش فرماتے ہیں۔ وہ خوشی اور ناراضگی حتی کہ مزاح کی حالت میں بھی قول و عمل سے دین کی جس بات کا اظہار فرماتے ہیں اس میں بھی سہو و نسیان اور خطا واقع نہیں ہو سکتی اور یہ بالکل ایک مسلمہ ہے جو کتاب و سنت کی نصوص صریحہ سے ثابت ہے اور امت کا اس پر اجماع بھی ہے۔

حضرت قاضی عیاض علیہ الرحمۃ نے فرمایا

ان السھو فی الاقوال البلاغیۃ فاجمعوا علی منعہ (الشفا ج ۲ ص [illegible])	امور تبلیغیہ میں انبیاء سے سہو و نسیان نہ ہونے پر اجماع ہے

البتہ بعض اوقات دین کے ایسے افعال میں جو امور طبعیہ سے نہیں بلکہ حکمت الٰہیہ کے پورے ہونے کے لئے واقع ہو سکتا ہے اگرچہ یہ بھی شاذ و نادر ہوا ہے اور عارضی ہوتا ہے جلد زائل ہو جاتا ہے۔ شیطان کے دخل کو اس میں قطعاً دخل نہیں اور اس عارضی سہو سے بھی متعدد مسائل شرعیہ امت کو معلوم ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ علامہ ابن قیم لکھتے ہیں:۔

وفائدۃ جواز السھو فی مثل ذٰلک بیان الحکم الشرعی اذا وقع مثلہ لغیرہ (زاد المعاد ج ۱ ص [illegible])	اور ایسے امور میں بھی سے جواز سہو کا فائدہ حکم شرعی کا ظاہر ہونا ہے جبکہ اس جیسا سہو غیر نبی سے واقع ہو

اس سے واضح ہوا کہ انبیاء کرام کے افعال میں جو سہو واقع ہوتا ہے مثلاً نماز میں یا روزہ میں، تو اس کی اصل یہ ہوتی ہے کہ امت کو اگر سہو ہو تو وہ اس کے متعلق حکم شرعی جان لے چنانچہ ـــــــ حضور علیہ السلام کو نماز میں سہو ہو نے چار کی جگہ پانچ رکعت پڑھیں تو متعدد مسائل معلوم ہو گئے۔

(۲) خوب یاد رکھئے کہ انبیاء کرام کے افعال میں جو سہو واقع ہوتا ہے اس میں شیطان کا دخل قطعاً نہیں ہوتا بلکہ یہ ہوتی ہے کہ جب وہ رجوع الی اللہ ہوتے ہیں۔ تو توجہ ادھر سے ہٹ جاتی ہے۔

حضرت شیخ محقق مولانا شاہ عبد الحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ اسی حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:۔

وگویند کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہرگز شک نیفتاد از جہت بودن آں از تلبیس شیطان و سہو نسیان افتادہ بجہت استغراق و توجہ بعالم دیگر۔ و حکم شک نیز حکم سہو است۔ (اشعۃ اللمعات ج ۱ ص [illegible])	اور علماء فرماتے ہیں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم تلبیس کی وجہ سے شک میں مبتلا نہیں ہو سکتے۔ کے افعال میں جو سہو واقع ہوتا ہے وہ بسبب غلبہ اور دوسرے عالم کی طرف توجہ کی وجہ سے ہوتا ہے شک کا حکم بھی سہو کے حکم کی طرح ہے

اس سے واضح ہو گیا کہ انبیاء کرام کے سہو کو عام لوگوں کے سہو و نسیان کی طرح نہیں سمجھنا چاہئے کیونکہ شیطان کے وسوسہ ڈالنے سے سہو و نسیان و شک و شبہ میں مبتلا ہوتے ہیں ـــــــ مگر حضور سید عالم ص

۱؎ چنانچہ ایک بڑھیا عورت کو حضور نے مزاحاً فرمایا تھا کہ بڑھیا عورتیں جنت میں نہیں جائیں گی اور یہ بات حق تھی اور ہے ۔۔

ذاتِ اقدس پر شیطان کا تسلط ہرگز ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اور نہ وہ آپ کے قلبِ اطہر میں وسوسہ ڈال سکتا ہے۔ حضور کے بعض افعال میں جو سہو واقع ہوا —— اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ مراقبۂ حق کی وجہ سے آپ کی توجہ ادھر قائم نہ رہ سکی ہو —— ۱

خیر کے افکار و اعمال شیطانی عمل دخل سے پاک و منزہ ہوتے ہیں

اور حضور علیہ السلام نے حدیث زیرِ بحث میں جو نسیان کی نسبت اپنی ذات کی طرف فرمائی ہے تو اس کا مطلب بھی یہی ہے جو اوپر مذکور ہوا —— اور منکرینِ شانِ نبوت کا اسی حدیث کے مذکورہ بالا الفاظ سے یہ استدلال کرنا کہ معاذ اللہ حضور علیہ السلام کو بھی بالکل اسی طرح اور اسی نوعیت کا سہو و نسیان ہوتا ہے جیسے عام لوگوں کو ہوتا ہے باطل محض ہے اور اپنے سوءِ ظنی کا اظہار ہے کیونکہ یہ بدیہیات ہے کہ عام انسانوں کے سہو و نسیان میں شیطان کا دخل ہوتا ہے۔ عام انسان بالکل یقینی امور میں بھی شک و شبہ و سہو و نسیان میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ خدا کے وجود تک میں شک کرنے لگتے ہیں۔ مگر انبیاء خصوصاً حضور سید عالم نورِ مجسم صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس پر شیطان کو کسی قسم کا تسلط حاصل نہیں ہے وہ امورِ یقینیہ میں شک و شبہ تو درکنار سہو و نسیان میں بھی مبتلا نہیں ہو سکتے۔ البتہ ان کے افعال میں سہو واقع ہو سکتا ہے مگر وہ بھی شاذ و نادر اور وہ بھی مراقبے اس کی وجہ ذاتِ خداوندی کے مشاہدہ میں استغراق ہے۔

حضرت علامہ قاضی عیاض علیہ الرحمۃ نے شفا میں اس مسئلہ پر بڑی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ اور اس سلسلہ میں ملحدین نے جو شبہات پیش کئے ہیں ان کے مکمل جواب بھی دیئے ہیں (دیکھو شفا ملا علی قاری ج ۲ ص ۲۸۵)۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔

واعلم ان الامۃ مجتمعۃ علی عصمۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم من الشیطان وکفایتہ منہ لا فی جسمہ بانواع الاذی ولا علی خاطرہ بالوساوس	جان لو کہ امت کا اس پر اجماع ہے کہ حضور علیہ السلام شیطان کی دست برد سے بالکل محفوظ ہیں۔ نہ حضور کے جسمِ اقدس کو کسی قسم کا ضرر پہنچا سکتا ہے اور نہ قلبِ مبارک میں وسوسہ ڈال سکتا ہے۔

اس کے علاوہ قرآنِ مجید میں ارشاد فرمایا:۔

ان عبادی لیس لک علیہم من سلطان	میرے بندوں پر تجھے کوئی تسلط نہیں ہے

اور حدیث میں فرمایا کہ میرا قرین جو شیطان سے تھا۔ فاسلم (بخاری، مسلم) وہ میرا تابع فرمان ہو گیا۔ اس کے علاوہ شیطان نے جس موقع پر بھی دخل اندازی کی کوشش کی کامیاب نہ ہوا۔ اس سلسلہ کی چند احادیث یہ ہیں

(۱) حضور علیہ السلام نے فرمایا بحالتِ نماز ایک شیطان وسوسہ ڈالنے کے لئے آیا۔ تو میرے رب نے طاقت عطا فرمائی فذعتہ۔ تو میں نے اس کا گلا خوب زور سے دبایا۔ اور میں نے ارادہ کیا کہ اس کو مسجد کے ایک ستون سے باندھ دوں۔

حتی تصبحوا تنظروا	حتیٰ کہ صبح کو تم اسے بندھا ہوا دیکھتے

مگر مجھے میرے بھائی سلیمان علیہ السلام کی دعا وھب لی ملکا لا ینبغی یاد آ گئی۔ اس لئے میں نے ایسا نہ کیا (بخاری)۔

(۲) روایت ابن ابی الدنیا کا مضمون یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا

نماز توڑنے کے قصد سے شیطان آیا۔ تو میں نے اس کو حلق سے پکڑ لیا اور اس زور سے پکڑا کہ اس وقت نہیں چھوڑا

حتی وجدت برد لسانه علی یدی (شفاء ملا علی قاری ج ۲ ص ۲۱۳)

جب تک کہ اس کی زبان کی ٹھنڈک میرے ہاتھ نے محسوس کی

دوم۔ حدیث شریف اور روایت میں ہے کہ شیطان بحالت نماز آگ کے چنگارے میرے منہ میں جھلانے کے قصد سے آیا تو میرا ارادہ ہوا کہ اس کو پکڑ کر ڈال دوں

ليلعب به ولدان اهل المدينة (شفا مذکور)

اور صبح کو مدینہ کے بچے اس سے کھیلیں

غرض اس نوع کے متعدد آثار ہیں۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ شیطان حضور کے لئے مسخر ہے۔ اور حضور کے احوال و افکار و خیالات پر اس کا کوئی عمل کارگر نہیں ہو سکتا ہے۔

اور یہ جو فرمایا کہ نسی سے لفظ نسیت اس میں بھی مشابہت من کل الوجوہ نہیں ہے۔ چنانچہ علامہ ملا علی قاری حنفی رحمۃ اللہ علیہ الرحمۃ نے اسی حدیث پر بحث کرتے ہوئے لکھا۔

ثم ليس نسيانه كنسيان غيره من كل وجه بل حالة النسيان والسهو اى نسيانه وسهوه ههنا اى فى هذا المحل بخصوصه فى حقه عليه السلام سبب افادة علم لامته وتقرير شرع لملته (شرح شفا ج ۲ ص ۲۳۶)

ہاں حضور کا نسیان بہر حیثیت سے دوسروں کے نسیان کی طرح نہیں۔ بلکہ اس مقام میں حضور کا نسیان آپ کے حق میں سبب ہے۔ آپ کی امت کے افادہ اور آپ کی ملت بیضا کے احکام کی تقریر و تحقیق کا۔

معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کا سہو بھی عام انسانوں کے سہو کی طرح نہیں۔ فافہم و تدبر ——— بلکہ ایک حدیث میں خود حضور علیہ السلام نے فرمایا:۔

بل لا انسى اى حقيقة ولكن انسى بصيغة المجهول: ([illegible])

میں بھولتا نہیں یعنی حقیقت میں مجھ کو نسیان نہیں ہوتا بلکہ بھلایا گیا ہوں تا کہ مسئلہ معلوم ہو جائے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْقِبْلَةِ

باب مسائل قبلہ کے بیان میں

وَمَنْ لَمْ يَرَ الْإِعَادَةَ عَلَى مَنْ سَهَا فَصَلَّى إِلَى غَيْرِ الْقِبْلَةِ وَقَدْ سَلَّمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي رَكْعَتَيِ الظُّهْرِ وَأَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ بِوَجْهِهِ ثُمَّ أَتَمَّ مَا بَقِيَ (بخاری)

اور جس نے یہ کہا کہ اگر کوئی بھولے سے قبلہ کے سوا اور طرف نماز پڑھ لے تو اس نماز کا اعادہ واجب نہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر دیا اور لوگوں کی طرف منہ کر لیا پھر باقی نماز پوری فرمائی۔

فوائد و مسائل مقصود عنوان یہ بتانا ہے کہ جس کو قبلہ کی شناخت نہ ہو اور تحری کر کے نماز پڑھے بعد کو معلوم ہوا کہ قبلہ کی طرف نماز نہیں پڑھی گئی تو اس صورت میں دوبارہ نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔

مسئلہ: یہ ہے کہ اگر کسی کو قبلہ کی شناخت نہ ہو اور کسی بھی ذریعہ اور وسیلہ سے وہ جہت قبلہ معلوم نہ کر سکے تو اسے تحری کرنی چاہیے۔ یعنی سوچنا چاہیے۔ پھر جدھر قبلہ ہونے پر دل جمے۔ ادھر ہی منہ کر کے نماز پڑھے اس کے حق میں وہی قبلہ ہے ——— اور اگر تحری کر کے نماز پڑھی بعد کو معلوم ہوا کہ قبلہ کی طرف نہیں پڑھی گئی، نماز ادا ہو گئی۔ اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

حضرت امام نخعی، شعبی، عطاء، سعید ابن مسیب، حماد، ثوری، امام بخاری، امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہی مسلک ہے ——— اور امام مالک، زہری کے نزدیک مستحب ہے۔ کہ اگر وقت کے اندر غلطی معلوم ہو جائے تو اعادہ کرے ورنہ نہیں۔ اور امام شافعی مطلقاً اعادہ کو لازم قرار دیتے ہیں ——— عنوان کے ماتحت تعلیق حدیث ابو ہریرہ کا ٹکڑا ہے جس میں ذوالیدین کا قصہ مذکور ہے۔

عنوان سے مطابقت بالکل ظاہر ہے یعنی حضور قبلہ سے منہ پھیرنے کی حالت میں نمازی کے حکم میں تھے اس سے ... نیچ ... پھیرلے سے قبلہ کے سوا دوسری طرف منہ کرنا نماز کو باطل نہیں کرتا اور یہ کہ اس کا اعادہ بھی نہیں ہے۔ وا ... نجم

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَافَقْتُ رَبِّيْ فِيْ ثَلَاثٍ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوِ اتَّخَذْنَا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى فَنَزَلَتْ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى وَاٰيَةُ الْحِجَابِ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْ اَمَرْتَ نِسَاءَكَ اَنْ يَّحْتَجِبْنَ فَاِنَّهٗ يُكَلِّمُهُنَّ الْبَرُّ وَالْفَاجِرُ فَنَزَلَتْ اٰيَةُ الْحِجَابِ وَاجْتَمَعَ نِسَاءُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْغَيْرَةِ عَلَيْهِ فَقُلْتُ لَهُنَّ عَسٰى رَبُّهٗ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ فَنَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ

(بخاری)

حضرت انس بن مالک سے ہے۔ کہ حضرت عمر نے فرمایا تین امور میں اللہ تعالیٰ نے میری موافقت فرمائی ہے (۱) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر ہم مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بنائیں تو کیا اچھا ہو تو اس وقت سورہ بقرہ کی آیت اتری وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى (۲) دوسرے پردہ کی آیت میں نے عرض کی یا رسول اللہ (۳) اپنی ازواج مطہرات کو پردہ کا حکم فرمائیں کیونکہ اچھے برے سب ہی ازواج مطہرات سے بات کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے پردہ کی آیت نازل فرمائی۔ (۳) تیسرے اسی طرح ایک بار ازواج مطہرات نے آپ کے خلاف اجتماع کیا۔ تو میں نے ان سے کہا کہ عجب نہیں کہ آپ کا رب آپ کو تم سے بہتر بیویاں عطا فرمائے اگر تم کو طلاق دے دیں پس یہ آیت نازل ہوئی۔

مدد مسائل اس حدیث کو امام نے کتاب التفسیر میں دوبارہ ذکر کیا اور نسائی و ترمذی نے تفسیر میں ابن ماجہ نے صلوٰۃ میں ذکر کیا۔

وافقت: ادب مقاصد سے ہے کیونکہ فعل کی نسبت جانبین کی طرف ہوتی ہے۔ گریہاں اس کے معنی یہ ہیں۔ اللہ عزوجل نے میری رائے کے مطابق حکم نازل فرمایا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ادب کی وجہ سے موافقت کی نسبت بجائے ذات باری کے اپنے نفس کی طرف فرمائی۔

فی ثلاث: یعنی اللہ عزوجل نے تین مواقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کے مطابق حکم نازل فرمایا۔ گر شارحین کرام نے

تصریح کی کہ تین کی تعداد میں حصر نہیں ہے۔ بنا بریں فتح الباری نے ۱۵ اور علامہ جلال الدین سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں ۲۱ موافقات
ذکر فرمائے۔ اور امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ازالۃ الخفاء میں علامہ ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ فصل سادس میں اور
ابن کثیر و ملا محمد آلوسی علیہم الرحمۃ نے اپنی تفاسیر میں خاص طور پر ان موافقات کو ذکر

موافقات سیدنا فاروق اعظم

ہے۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خصوصیات سے ہے کہ جو حکم اللہ تعالیٰ
نے مقدر فرمایا اس کے نزول سے قبل وہی حکم حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں پیدا ہو گیا۔ اور وحی الٰہی نے حضرت
عمر کی رائے کی تصدیق و موافقت فرمائی۔ ترمذی شریف میں ابن عمر سے منقول ہے کہ جس امر میں حضرت عمر اور دیگر صحابہ کا اختلاف
ہو گیا قرآن مجید حضرت عمر کے قول کے مطابق نازل ہوا۔ سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں۔ کہ ہم سب لوگ
بالاتفاق یہ خیال کرتے تھے۔ کہ حضرت عمر کی زبان سے سکینہ جاری ہوتا ہے۔ نیز فرماتے ہیں کہ عمر ایک بات کہتے ہیں
اور قرآن ان کی تصدیق و موافقت فرماتا ہے (ازالۃ الخفاء مقصد دوم ص ۱۵۹)

حدیث زیر بحث میں تین موافقات کا ذکر ہے۔

اوّل: حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے عرض کی۔ یا رسول اللہ! کاش کہ مقام ابراہیم کو مصلے بنا لیا جاتا۔
پر سورہ بقرہ کی آیت واتخذوا من مقام ابراھیم مصلی نازل ہوئی۔ مقام ابراہیم کے متعلق
بحث گذشتہ اوراق میں گزر چکی ہے۔

دوم: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر نے حضور نبی کریم سے عرض کی یا رسول اللہ کیا اچھا
ہو آپ ازواج مطہرات کو پردہ کا حکم فرمائیں ۔۔۔۔ علامہ آلوسی نے لکھا حضرت فاروق اعظم نے اہلبیت کے لئے پردہ
کی درخواست حضور کی محبت کی بنا پر کی تھی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حجاب کا حکم نازل فرمایا (روح المعانی وازالۃ الخفاء ص ۱۶۰)

سوم: حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات کے ہاں جو عزت افزائی کے باری مقرر فرما رکھی تھی۔ ایک دفعہ حضور
حضرت حفصہ کے ہاں جلوہ فرما تھے۔ انہوں نے حضور سے اپنے والد حضرت عمر کی عیادت کے لئے جانے کی
اجازت طلب کی۔ حضور نے اجازت دے دی وہ تشریف لے گئیں اور حضور نے اسی حجرہ میں حضرت ماریہ قبطیہ کو
سرفراز فرمایا جب حضرت حفصہ واپس آئیں۔ تو ماریہ قبطیہ کو دیکھ کر رشک کرنے لگیں اس پر حضور نے
دل جوئی کے لئے ماریہ قبطیہ کو اپنے اوپر حرام کر لیا۔

حضور علیہ السلام جب ام المومنین زینب بنت جحش کے ہاں تشریف لے جاتے تو وہ شہد پیش کرتیں
جس کی وجہ سے حضور ان کے ہاں کچھ زیادہ دیر تشریف فرما رہتے یہ بات حضرت عائشہ و حفصہ کو ناگوار ہوئی۔ اور انہوں نے
حضور حضرت زینب کے ہاں زیادہ دیر یوں جلوہ فرما ہیں چنانچہ باہم مشورہ سے یہ طے پایا کہ جب حضور اقدس تشریف لائیں
عرض کیا جائے کہ دہن اقدس سے مغافیر کی بو آتی ہے اور مغافیر کی بو حضور کو ناپسند تھی چنانچہ ایسا کیا گیا۔ حضور
نے ارشاد فرمایا مغافیر تو میرے قریب نہ آیا۔ ہاں زینب کے ہاں سے شہد میں نے پیا ہے اس کو میں اپنے
اوپر حرام کرتا ہوں۔ مقصود یہ کہ حضرت زینب کے ہاں شہد کے شغل سے تمہاری دل شکنی ہوتی ہے
شہد ہی ترک فرما دیتے ہیں۔

اس پر آیت مبارکہ لم تحرم ما احل اللہ لک نازل ہوئی سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ

آپ نے ازواج مطہرات کو وعظ کیا اور فرمایا: تمہیں ہر معاملہ میں حضور کی دلجوئی کو مقدم رکھنا چاہئے۔ اور اگر حضور طلاق دے دیں تو اللہ تعالیٰ آپ کو تم سے بہتر بیویاں عطا فرمائے گا۔ حضرت فاروق کی زبان سے جب یہ جملے صادر ہوئے تو اللہ نے ان کی تائید و موافقت فرمائی۔ اور یہ آیت نازل ہوئی۔

عَسٰى رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ	ان کا رب قریب ہے اگر وہ تمہیں طلاق دے دیں کہ تمہیں تم سے بہتر بیویاں بدل دے۔

صاحب کشاف نے سوال اٹھایا ہے کہ زمین پر تو امہات المومنین سے بڑھ کر بہتر کوئی عورت نہیں ہے پھر قرآن نے یہ کہا کہ تم سے بہتر بیویاں بدل دے۔ جواب یہ ہے کہ اگر بالفرض ایسا ہوتا کہ حضور کو ایذا پہنچتی اور نافرمانی کی وجہ سے حضور انہیں طلاق دے دیتے تو پھر نساء المؤمنین کی صفت پر باقی نہ رہتیں (کشاف ج ۴ ص ۱۲۱)

حکمت اس حدیث سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے کہ بعض اوقات جو بات آپ کے دل میں پیدا ہوتی تو قرآن اس کی موافقت میں نازل ہوتا ——— اور صحیح و درست فیصلوں اور حکموں کا کسی کے دل میں القاء ہو جانا قرآن مجید کی متعدد آیات سے ثابت ہے۔

۱۔ واوحینا الی ام موسیٰ ان ارضعیہ

۲۔ فالہمہا فجورہا وتقواہا

۳۔ واوحیٰ ربک الی النحل

۴۔ ظاہر ہے کہ غیر نبی کے الہام اتنا قوی نہیں ہو سکتا کہ اس سے دین اور شریعت نہیں بن سکتے۔ اور نہ الہام کی بنیاد پر کسی امر دینی کا اثبات ہو سکتا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ غیر نبی کے الہام و القاء کا معصوم و محفوظ ہونا ضروری نہیں ہے ——— ہاں جب قرآن یا حضور علیہ السلام کسی کے الہام یا القاء یا خواب کی تائید و توثیق کر دیں۔ تو اس کو تشریعی حیثیت دے دی جاتی ہے اور وہ دین و شریعت بن جاتا ہے۔ [illegible]

۳۔ ترجمۃ الباب: حدیث زیر بحث کے متن "واتخذوا من مقام ابراہیم مصلّٰی" کے جملے میں جنہوں نے مقام ابراہیم سے کعبہ مراد لیا ہے ان کے قول پر تو مناسبت ظاہر ہے اور جنہوں نے وہ پتھر مراد لیا جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کی دیوار بنائی ان کے قول پر ترجمۃ الباب میں مقامات قبلہ مراد ہوں گے۔

اس کے بعد امام نے ایک حدیث لکھی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے:

کچھ لوگ فجر کی نماز بیت المقدس کی طرف منہ کر کے پڑھ رہے تھے۔ تو ایک شخص آئے اور انہوں نے کہا کہ اب تو کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم آگیا ہے یہ سن کر لوگ کعبہ کی طرف نماز ہی میں پھر گئے ——— یہ حدیث مکمل تفہیم و ترجمانی کے ساتھ فیوض البخاری کی جلد اول میں گذر چکی ہے اس لئے صرف خلاصہ پر اکتفاء کیا گیا ——— اس حدیث کی مناسبت باب سے یہ ہے کہ استقبال کعبہ کا حکم دیا گیا ہے اور دوسری مناسبت یہ ہے کہ وہ لوگ ناواقفیت کی وجہ سے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ رہے تھے اور ناواقف بھی گویا بھول کر ایسا کرنے والے کے حکم میں ہے لہٰذا اگر کوئی بھول کر غیر کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے اور بعد میں غلطی معلوم ہو تو نماز کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

۱۲۔ اس کے بعد امام نے ایک حدیث ذکر کی ہے جس کا مفہوم یہ ہے۔ کہ حضور علیہ السلام نے سہواً ظہر کی پانچ رکعت

پڑھا کیں۔ یہ حدیث دوسری تفہیم و ترجمانی کے ساتھ گذر چکی ہے دیکھو ص ۱۳۴ ف ۵ (پارہ دوم)

بَابُ حَكِّ الْبُزَاقِ بِالْيَدِ مِنَ الْمَسْجِدِ | باب مسجد میں تھوک لگا ہوا دیکھے تو اس کو ہاتھ سے کھرچ دے

اس عنوان کے تحت امام نے تین حدیثیں لکھی ہیں۔ تینوں کے مضمون تقریباً ایک ہی سے ہیں۔ ہم یہاں تینوں حدیثیں مکمل لکھ رہے ہیں۔ اس کے بعد کے عنوانات میں بھی یہ حدیثیں آئی ہیں۔ مگر وہاں ہم صرف حدیث کے وہ الفاظ جو ترجمۃ الباب ہیں

(۱) عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰى نُخَامَةً فِي الْقِبْلَةِ فَشَقَّ ذٰلِكَ عَلَيْهِ حَتّٰى رُئِيَ فِيْ وَجْهِهٖ فَقَامَ فَحَكَّهٗ بِيَدِهٖ فَقَالَ اِنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا قَامَ فِيْ صَلَاتِهٖ فَاِنَّهٗ يُنَاجِيْ رَبَّهٗ اَوْ اِنَّ رَبَّهٗ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ فَلَا يَبْزُقَنَّ اَحَدُكُمْ قِبَلَ قِبْلَتِهٖ وَلٰكِنْ عَنْ يَّسَارِهٖ اَوْ تَحْتَ قَدَمِهٖ ثُمَّ اَخَذَ طَرَفَ رِدَائِهٖ فَبَصَقَ فِيْهِ ثُمَّ رَدَّ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ فَقَالَ اَوْ يَفْعَلُ هٰكَذَا۔ (بخاری)

حضرت انس کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبلہ کی طرف تھوک لگا ہوا دیکھا تو آپ کو یہ بہت ناگوار ہوا۔ حتیٰ کہ آپ کے چہرۂ اقدس پر ناراضگی کے آثار نمایاں ہو گئے پھر آپ نے اس کو دست مبارک سے صاف کر دیا۔ اور فرمایا جب کوئی تم میں سے نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو گویا وہ اپنے رب سے سرگوشی کرتا ہے یا اس کا رب اس کے اور قبلہ کے بیچ میں ہوتا ہے (یعنی اس حالت میں تجلیات رب حاصل ہوتی ہے) تو کوئی تم میں سے قبلہ کی طرف نہ تھوکے (البتہ اگر تھوکنا ہو) تو بائیں طرف یا پاؤں کے نیچے تھوک لے۔ پھر آپ نے اپنی چادر کا کنارہ اٹھایا اس کے ایک کونے میں تھوکا پھر آپ نے اس کو الٹ پلٹ کر دیا اور فرمایا یوں کیا کرے۔

(۲) اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰى بُصَاقًا فِيْ جِدَارِ الْقِبْلَةِ فَحَكَّهٗ ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ فَقَالَ اِذَا كَانَ اَحَدُكُمْ يُصَلِّيْ فَلَا يَبْصُقْ قِبَلَ وَجْهِهٖ فَاِنَّ اللّٰهَ سُبْحَانَهٗ قِبَلَ وَجْهِهٖ اِذَا صَلّٰى

حضور علیہ السلام نے قبلہ کی دیوار پر تھوک دیکھا اس کو کھرچ ڈالا۔ اور فرمایا جب کوئی تم میں نماز پڑھے تو قبلہ کے سامنے نہ تھوکے۔ اس لئے کہ نمازی کے چہرہ کے سامنے اللہ عزوجل ہوتا ہے۔

(۳) عَنْ عَائِشَةَ اُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰى فِيْ جِدَارِ الْقِبْلَةِ مُخَاطًا اَوْ بُصَاقًا اَوْ نُخَامَةً فَحَكَّهٗ مِنَ الْمَسْجِدِ (بخاری)

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں۔ کہ حضور علیہ السلام نے قبلہ کی دیوار پر رینٹ یا تھوک یا بلغم دیکھا تو اس کو صاف فرما دیا۔

فوائد و مسائل | حدیث اول کو امام نے حسب ذیل ابواب میں ذکر کیا ہے۔ باب کفارۃ البزاق فی المسجد، اذا بدرہ البزاق، باب لا یبصق عن یمینہ فی الصلاۃ، باب لیبصق عن یسارہ، باب ما یجوز من البزاق، باب المصلی یناجی ربہ اور مسلم، ترمذی و نسائی نے بھی

۔ تین اس حدیث کو درج کیا ہے

حدیث دوم کو امام صاحب نہیں ذکر کیا۔ اور مسلم و نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔

اور حدیث سوم کو امام بخاری نے صلاۃ میں اور مسلم نے بھی صلاۃ میں ذکر کیا ہے

یہ تینوں حدیثیں حسب ذیل مسائل پر مشتمل ہیں۔

مسجد کو گندگی اور ہر گھن کی چیز سے پاک صاف رکھنا ضروری ہے

مسجد کو ہر قسم کی گندگی اور گھن کی چیز جیسے بدن کا میل کچیل، تھوک، رینٹ، کھنگار وغیرہ سے پاک و صاف رکھنا واجب ہے (۲) مسجد کی خبر گیری متولی یا منتظم یا امام کے فرائض میں سے ہے (۳) آدمی کے فضلات پسینہ، تھوک، رینٹ وغیرہ پاک ہیں۔ اور بحالت نماز کپڑے میں بضرورت لے لینے میں حرج نہیں (۴) مسجد میں وضو کرنا مسجد کی دیوار یا چٹائیوں پر یا ان کے نیچے تھوکنا اور ناک سنکنا ممنوع ہے۔ اور چٹائیوں کے نیچے ڈالنا اور پڑ ڈالنے سے رہے۔ اور اگر ناک سنکنے یا تھوکنے کی ضرورت پڑ جائے تو کپڑے میں لے لے (۵) جب تھوکے تو قبلہ کی طرف نہ تھوکے ... کی حدیث میں ہے حضور نے فرمایا۔ جو قبلہ کی جانب تھوکے قیامت کے دن اس طرح آئے گا کہ اس کا تھوک دونوں آنکھوں کے درمیان ہوگا۔ اور انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ مسجد میں تھوکنا گناہ ہے۔

اور اس سلسلہ کی احادیث پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قبلہ رخ تھوکنا کم از کم مکروہ تحریمی ضرور ہے۔ کیونکہ اس پر وعید آئی ہے۔ اور ابو داؤد و ابن حبان میں صاحب ابی خلاد کی حدیث میں ہے۔ کہ ایک امام کو حضور نے قبلہ رخ تھوکنے کی وجہ سے امامت سے معزول کر دیا۔ اور فرمایا انک اذیت اللہ ورسولہ تو نے اللہ اور اس کے رسول کو تکلیف دی ہے۔ اور یہ ممانعت کا حکم مسجد و خارج مسجد دونوں کو شامل ہے —— علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے لکھا۔ کہ مسجد میں بضرورت بھی تھوکنا خطا ہے۔ تھوکنا ہو تو کپڑے میں لے لے۔ (عینی ج ۴ صفحہ ۳۱)

قبر کی طرف پاؤں کرنا منع ہے

قبر کی طرف قصداً پاؤں پھیلانے کو ہمارے فقہاء نے مکروہ قرار دیا ہے۔ خواہ سوتے میں پھیلائے یا جاگتے میں غالباً اس مسئلہ کے متعلق کوئی نص صریح نہیں ہے۔ مگر جب قبلہ کی جانب تھوکنا منع ہے تو پاؤں کرنا بھی منع ہونا چاہیئے۔

... اور یہ جو فرمایا کہ قبلہ کی طرف نہ تھوکو۔ کیونکہ نمازی اور قبلہ کے درمیان خدا ہے۔ اس سے مقصود ... ہے کہ قبلہ کی طرف متوجہ ہونا اللہ عزوجل کی طرف متوجہ ہونے کا ذریعہ ہے لہٰذا مواجہت رب کے وقت کوئی ... حرکت نہ کی جائے۔

... معتزلہ نے حدیث کے اس ٹکڑے فان اللہ قبل وجہہ سے یہ استدلال کیا کہ معاذ اللہ اللہ عزوجل ہر جگہ ... بعینہٖ موجود ہے۔ لیکن ان کا یہ استدلال متعدد وجوہ سے باطل و مردود ہے

... اولاً۔ اگر اللہ تعالیٰ ہر جگہ اور ہر مکان میں بعینہٖ موجود ہے تو بائیں طرف اور پاؤں کے نیچے تھوکنا بھی منع ہونا چاہیئے ... مسند احمد و ترمذی کی حدیث میں اس کی تفسیر موجود ہے فان الرحمۃ تواجہہ اللہ کی رحمت نمازی کے سامنے ... ہے نہ یہ کہ خود اللہ عزوجل وہاں موجود ہوتا ہے ثانیاً اس نوع کے الفاظ در اصل متشابہات سے ہیں۔ جیسے ... میں ید اللہ اور نزول کی نسبت خدا کی طرف کی گئی ہے اور جیسے استوی علی العرش بھی فرمایا گیا ہے اور متشابہات

پر ایک کم بیان کا ضروری ہے اور اس کی گہرائی میں جانے کا ہمیں مکلف نہیں کیا گیا۔

بَابُ حَكِّ الْمُخَاطِ بِالْحَصٰى مِنَ الْمَسْجِدِ	باب مسجد میں رینٹ دیکھے تو اس کو کنکری سے کھرچنے کے بیان میں
وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ إِنْ وَطِئْتَ عَلَى قَذَرٍ رَطْبٍ فَاغْسِلْهُ وَإِنْ كَانَ يَابِسًا فَلَا (بخاری)	حضرت ابن عباس نے فرمایا اگر تر گیلی نجاست پر چلے تو اس کو دھو ڈال اور اگر سوکھی پر چلے تو اس کو دھونا ضروری نہیں

حافظ ابن حجر نے فرمایا کہ عنوان مذکورہ سے امام بخاری نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے۔ قبلہ رخ دیوار پر تھوکنے کی ممانعت کی اصل علت احترام قبلہ ہے۔ محض ستھرائی نہیں ہے یعنی ایذا بھی علت ہے لیکن احترام قبلہ اکد ہے۔ اس لئے امام بخاری نے تھوک کے تر یا خشک ہونے میں فرق نہیں کیا ــــــــ اور زیر عنوان تعلیق کو ابن ابی شیبہ نے بسند صحیح روایت کیا۔ "قذر" در اصل ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس سے آدمی کو طبعاً نفرت ہو۔ خواہ وہ فی الحقیقت نجاست ہو یا نہ ہو۔

(۲) ترجمۃ الباب سے اس تعلیق کی مناسبت غالباً یہ ہے۔ کہ اگر کوئی شخص گیلے تھوک یا رینٹ پر چلے۔ پاؤں میں لگ جائے تو جب مسجد میں آئے تو اس کو چاہیے کہ پاؤں دھولے۔ ہاں اگر یہ چیزیں سوکھی ہوئی ہوں۔ تو پھر دھونے کی ضرورت نہیں ہے۔

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے مسجد کی دیوار پر بلغم دیکھا

فَتَنَاوَلَ حَصَاةً فَحَتَّهَا (بخاری)	تو اس کو ایک کنکری سے کھرچ دیا
بَابُ لَا يَبْصُقُ عَنْ يَمِينِهِ فِي الصَّلٰوةِ	باب بحالت نماز داہنی طرف نہ تھوکے

حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا

فَلَا يَتَنَخَّمْ قِبَلَ وَجْهِهِ وَلَا عَنْ يَمِينِهِ (بخاری)	جب کوئی تم میں سے کھنکارے تو اپنے منہ کے سامنے نہ تھوکے اور نہ داہنی طرف تھوکے۔
بَابُ لِيَبْصُقْ عَنْ يَسَارِهِ أَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ الْيُسْرٰى	باب بائیں طرف یا اپنے بائیں پاؤں کے نیچے تھوکنے کے بیان میں

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ مومن جب نماز میں ہوتا ہے تو اپنے رب سے سرگوشی کرتا ہے تو اپنے سامنے نہ تھوکو اور نہ داہنی طرف تھوکو

وَلٰكِنْ عَنْ يَسَارِهِ أَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ	البتہ بائیں طرف یا پاؤں کے نیچے تھوک لو۔

ان ابواب کی احادیث سے واضح ہوا۔

فوائد و مسائل (۱) داہنی طرف تھوکنا بھی اچھا نہیں۔ کیونکہ داہنی طرف نیکیاں لکھنے والا فرشتہ ہوتا ہے امام نووی نے داہنی طرف تھوکنے کی ممانعت مطلق ہے خواہ نماز میں یا بغیر نماز میں مسجد میں ہو یا غیر مسجد میں۔ مصنف عبد الرزاق کی روایت میں ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود نماز کے علاوہ بھی داہنی طرف تھوکنے کو ناجائز قرار دیتے تھے۔ معاذ بن جبل نے فرمایا

سے میں مسلمان ہوا ہوں۔ کبھی داہنی طرف نہیں تھوکا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز سے مروی ہے۔ کہ وہ اپنی اولاد کو داہنی طرف تھوکنے سے مطلقاً منع فرماتے تھے۔

(۳) علامہ خطابی نے فرمایا کہ بائیں طرف تھوکنا چاہیئے لیکن بائیں طرف کوئی اور نمازی ہو تو پھر نہ داہنی طرف تھوکے نہ بائیں طرف اپنے بائیں قدم کے نیچے تھوکے یا کپڑے میں لے لے (فتح جلد ۲ صفحہ ۳۲۳-۳۲۴)

(۴) نسائی کی حدیث میں ہے کہ مسجد میں قبلہ کی جانب تھوک دیکھ کر حضور کا چہرہ انور سرخ ہو گیا ایک انصاری عورت نے کھرچ دیا اور وہاں خوشبو لگادی حضور نے فرمایا بہت اچھا کیا۔

(۵) صحیح مسلم میں بروایت ابوذر مرفوعاً آیا ہے۔ کہ میں نے اپنی امت کی برائیوں میں یہ بھی پایا ہے۔ کہ مسجد میں تھوک ہو اور اسے مٹایا نہ جائے۔

(۶) مسند احمد میں بروایت سعد بن ابی وقاص مرفوعاً آیا ہے کہ جس شخص کو مسجد میں کھنکار آ جائے۔ تو چاہیئے کہ اسے دفن کردے ایسا نہ ہو کہ کسی مسلمان کے جسم یا کپڑے پر لگنے کے باعث اسے ایذا ہو۔

(۷) مسند احمد و طبرانی میں بروایت ابوامامہ مرفوعاً آیا ہے کہ مسجد میں تھوک کر دفن نہ کرنا گناہ ہے اور دفن کردینا نیکی ہے۔

(۸) صحیح ابن منصور کی روایت میں ہے کہ ابوعبیدہ بن الجراح ایک رات مسجد میں تھوک کر اسے صاف کرنا بھول گئے گھر جا کر یاد آیا تو آگ کا ایک شعلہ لے کر آئے اس کی روشنی میں تھوک تلاش کر کے مٹی میں دبا دیا۔ اور فرمانے لگے۔ اللہ تعالیٰ کے لئے تعریف ہے جس نے آج کی رات مجھے گناہ سے بچالیا۔

بَابُ كَفَّارَةِ الْبُزَاقِ فِي الْمَسْجِدِ	مسجد میں تھوکنے کا کفارہ
عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْبُزَاقُ فِي الْمَسْجِدِ خَطِيئَةٌ وَكَفَّارَتُهَا دَفْنُهَا (بخاری، مسلم)	حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مسجد میں تھوکنا خطا ہے اور اس کا کفارہ اس کو دفن کرنا ہے۔

اس حدیث کو مسلم و ابوداؤد نے صلوٰۃ میں ذکر کیا۔

فوائد و مسائل مطلب حدیث یہ ہے کہ اگر بضرورت مسجد میں تھوک دیا یا غلطی سے تھوک دیا اور مسجد کی زمین کچی ہے تو تھوک کو مٹی وغیرہ سے دبا دے اور اگر فرش پختہ ہے تو پھر اس کو صاف کرنا ضروری ہے۔

ان احادیث سے واضح ہوا کہ مسجد کو ہر قسم کی چیز سے پاک و صاف رکھنا اور اس کے احترام میں فرق نہ آنے دینا نہایت ضروری ہے۔

بَابُ دَفْنِ النُّخَامَةِ فِي الْمَسْجِدِ	باب بلغم کو مسجد میں دفن کردینا

اس عنوان کے تحت امام نے وہی حدیث ذکر کی ہے جو اوپر گذر چکی ہے۔ اور جس میں یہ ہدایت دی گئی ہے۔ اگر مسجد میں تھوک دیا ہے تو اس کو دبا دینا چاہیئے۔ بصورت دیگر صاف کر دینا چاہیئے۔

بَابُ إِذَا بَدَرَهُ الْبُزَاقُ فَلْيَأْخُذْ بِطَرَفِ ثَوْبِهِ	باب جب تھوک کا غلبہ ہو تو نمازی اپنے دامن میں تھوک لے۔

حضرت انس بن مالک کہتے ہیں حضور علیہ السلام نے فرمایا نمازی کو چاہیئے کہ قبلہ کی جانب نہ تھوکے البتہ بائیں طرف یا

پاؤں کے نیچے تھوکے۔

ثُمَّ أَخَذَ طَرَفَ رِدَائِهِ فَبَصَقَ فِيهِ وَرَدَّ بَعْضَهُ عَلَى بَعْضٍ قَالَ أَوْ يَفْعَلُ هٰكَذَا

(بخاری)

پھر آپ نے اپنی چادر کا کونا اٹھایا اور اس میں تھوک کر الٹ پلٹ کر دیا تاکہ جذب ہو جائے، اور فرمایا اس طرح کرے

لی زمانہ چونکہ مسجدیں پختہ ہوتی ہیں اور فرش و فروش سے مزین لہٰذا زیادہ مناسب یہ ہے کہ جب تھوک کا غلبہ ہو تو اخذ طرف ردائہ فبصق فیہ پر عمل کرے یعنی کپڑے میں لے لے۔

بَابُ عِظَةِ الْإِمَامِ النَّاسَ فِي إِتْمَامِ الصَّلٰوةِ وَذِكْرِ الْقِبْلَةِ

امام کا لوگوں کو اچھی طرح نماز پڑھنے کا وعظ کرنا اور قبلہ کا بیان

مقصود عنوان یہ ہے کہ امام کے لئے یہ مناسب ہے کہ وہ مقتدیوں کو نماز کے احکام و مسائل بتاتے، مثلاً صف بندی کی تاکید، ارکان نماز کو حسب مسنون ادا کرنا، خشوع و خضوع، رکوع، سجود، قومہ، جلسہ وغیرہ ادا کو سنت کے مطابق ادا کرنے کی ہدایت کرتا ہے اور لوگوں کا فرض ہے کہ وہ امام سے مسائل سیکھیں۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ هَلْ تَرَوْنَ قِبْلَتِي هٰهُنَا فَوَاللّٰهِ مَا يَخْفٰى عَلَيَّ خُشُوعُكُمْ وَلَا رُكُوعُكُمْ إِنِّي لَأَرَاكُمْ مِنْ وَرَاءِ ظَهْرِي

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول کریم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کیا تم یہ سمجھتے ہو میرا قبلہ یہ ہے بخدا مجھ پر نہ تمہارا خشوع پوشیدہ ہے اور نہ رکوع۔ میں تم کو پس پشت سے بھی دیکھتا ہوں

أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ صَلّٰى لَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةً ثُمَّ رَقِيَ الْمِنْبَرَ فَقَالَ فِي الصَّلٰوةِ وَفِي الرُّكُوعِ إِنِّي لَأَرَاكُمْ مِنْ وَرَائِي كَمَا أَرَاكُمْ

انس بن مالک سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو نماز پڑھائی پھر نماز کے بعد منبر پر جلوہ فرما ہوئے اور فرمایا میں تم کو پیچھے سے بھی ایسے ہی دیکھتا ہوں جیسے سامنے سے

فوائد و مسائل هل ترون قبلتي الخ: استفہام انکاری ہے۔ مقصود یہ بتانا ہے کہ رویت جہت قبلہ کے ساتھ خاص نہیں ہے کہ کام جہات میری پیش نظر ہیں ——— جمہور علماء نے فرمایا یہ بات حضور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص سے ہے کہ آپ جیسے آگے سے دیکھتے تھے اسی طرح پیچھے کے حالات سے بھی باخبر رہتے تھے۔ رویت سے مراد ادراک حقیقی ہے اسی لئے امام بخاری نے اس حدیث کو علامات نبوت میں بھی ذکر کیا۔

بعض علماء نے فرمایا کہ نبی علیہ السلام کے دونوں مونڈھوں کے درمیان سوئی کے ناکے کی طرح دو آنکھیں تھیں جن سے پیچھے کے لوگوں کو دیکھ لیتے تھے۔ لیکن مونڈھوں کے درمیان آنکھوں کا ہونا غالباً شارحین کا قیاس ہے۔

اس کے علاوہ حدیث میں صرف پیچھے کی طرف دیکھنے ہی کا ذکر نہیں ہے بلکہ یہ بھی ہے کہ ولا خشوعکم کہ مجھ پر تمہارا خشوع بھی پوشیدہ نہیں ہے۔ خشوع دل کی ایک کیفیت کا نام ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا قد افلح المومنون الذین هم فی صلاتهم خاشعون۔ اور خشوع و خضوع ایسی چیز نہیں جو آنکھوں سے نظر آسکے مگر نگاہ نبوی سے قلب کی کیفیات بھی پوشیدہ نہیں ہیں۔

اے فروخت صبح آثار وجود
چشم تو بینندہ ما فی الصدور

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ
حضور علیہ السلام کی مقدس آنکھیں عام لوگوں کی آنکھوں کی طرح نہ تھیں حضور آگے پیچھے اوپر نیچے یکساں دیکھتے تھے یہ کہ افعال و ارکان نماز کو مسنون طریقہ سے ادا کرنا چاہئے۔ اور امام سے پہلے رکوع و سجدہ میں نہیں جانا چاہئے

بَابُ هَلْ يُقَالُ مَسْجِدُ بَنِي فُلَانٍ | باب کیا یہ کہنا مسجد بنی فلاں کہنا جائز ہے۔

سیدنا امام بخاری علیہ الرحمۃ نے یہ عنوان قائم کر کے ایک تو ان لوگوں کی تردید کی ہے جو کسی بات کی نسبت غیر اللہ کی طرف کرنا جائز نہیں سمجھتے۔ اور یہ بتایا ہے کہ امور خیر کی نسبت غیر اللہ کی طرف کر دینا جائز ہے مثلاً یہ کہنا کہ یہ مسجد فلاں کی ہے اس میں کوئی قباحت نہیں کیونکہ اس نسبت کا مقصود محض شناخت و معرفت ہوتی ہے۔ فتح الباری میں حافظ علیہ الرحمۃ نے لکھا

ويستفاد منه جواز اضافة المساجد الى بانيها او المصلى فيها ويلتحق به جواز اضافة اعمال البر الى اربابها (فتح الباری)

مساجد کی نسبت و اضافت ان کے بانی یا نمازی کی طرف کرنی جائز ہے اسی طرح دیگر اعمال خیر کی نسبت بھی جائز ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَابَقَ بَيْنَ الْخَيْلِ الَّتِيْ اُضْمِرَتْ مِنَ الْحَفْيَاءِ وَاَمَدُهَا ثَنِيَّةُ الْوَدَاعِ وَسَابَقَ بَيْنَ الْخَيْلِ الَّتِيْ لَمْ تُضْمَرْ مِنَ الثَّنِيَّةِ اِلٰى مَسْجِدِ بَنِيْ زُرَيْقٍ وَاَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ ابْنَ عُمَرَ كَانَ سَابَقَ بِهَا (بخاری)

حضرت عبد اللہ بن عمر سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اضمار شدہ گھوڑوں کی دوڑ حفیاء سے لے کر مقام ثنیۃ الوداع تک مقرر کی اور غیر اضمار شدہ گھوڑوں کی حد ثنیۃ الوداع سے بنی زریق کی مسجد تک مقرر کی۔ اور حضرت عبد اللہ بن عمر ان لوگوں میں تھے۔ جنہوں نے گھوڑوں کی مسابقت کی شرط کی تھی۔

امام مسلم نے اس حدیث کو مناسک میں بھی ذکر کیا ابو داؤد نے جہاد میں اور نسائی نے خیل میں ذکر کیا۔

فوائد و مسائل اضمار کے معنے یہ ہیں کہ گھوڑے کو چالیس دن تک خوب کھلاتے پلاتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ خوب موٹا ہو جاتا ہے اس کے بعد اس کی خوراک میں کمی کر دیتے ہیں اور جھول ڈال کر پسینہ دلاتے ہیں۔ اس طرح کرنے سے اس کی سستی کاہلی اور بے فائدہ موٹاپا ختم ہو جاتا ہے اور وہ چست ہو جاتا ہے اور دوڑنے میں اس کا سانس نہیں پھولتا۔ حفیا ایک موضع کا نام ہے۔ ثنیۃ الوداع سے یہاں تک چھ میل کا فاصلہ ہے اور ثنیۃ الوداع سے مسجد بنی زریق تک ایک میل کا فاصلہ ہے۔ یہ حدیث بہت سے مسائل پر مشتمل ہے

(۱) جانوروں کی اصلاح اور ان کو کام کا بنانے کے لئے انہیں بھوکا رکھنا جائز ہے جیسے خصی کرنا جائز ہے

ان حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص و معجزات کی تفصیل کے لئے مصنف کی تالیف خصائص مصطفیٰ اور جامع المعجزات کا مطالعہ کیجئے یہ دونوں کتابیں مکتبہ [illegible] سے مل سکتی ہیں۔

(۱) مسابقت جائز ہے امام شافعی نے فرمایا سنت ہے۔

مسابقت کا بیان

مسابقت کا مطلب یہ ہے کہ چند اشخاص باہم میں یہ طے کرلیں کہ کون آگے بڑھ جاتا ہے۔ جو سبقت لے جائے اس کو یہ دیا جائے گا۔ یہ مسابقت صرف تیر اندازی اور گھوڑ دوڑ میں ہو سکتی ہے۔ اس کے جائز ہونے کی شرط یہ ہے کہ صرف ایک جانب سے مال شرط ہو۔ مثلاً زید و بکر دونوں میں سے ایک نے یہ کہا کہ اگر تم گھوڑا آگے نکل گیا یا تیر نشانہ پر لگا تو میں تمہیں ایک سو روپیہ انعام دوں گا۔ اور اگر میں آگے نکل گیا تو تم سے کچھ نہ لوں گا۔ دوسری صورت جواز کی یہ ہے کہ تیسرا شخص ان دونوں سے یہ کہے کہ تم میں جو آگے نکل گیا اس کو میں سو روپیہ انعام دوں گا۔ اس میں یہ بھی ضروری ہے کہ مسافت اتنی ہو جسے گھوڑے طے کرلیں اور جتنے گھوڑے ہیں وہ سب ایسے ہوں جو کبھی یہ، جو کبھی یہ آگے نکل جائے گا اسی طرح تیر اندازی اور آدمیوں کی دوڑ میں بھی یہی شرط ہے۔

(۲) اگر دونوں جانب سے مال شرط ہو مثلاً زید بکر سے کہے کہ اگر تم آگے ہوگئے تو میں سو روپیہ دوں گا اور اگر میں آگے گیا تو سو روپیہ تم سے لوں گا۔ یہ صورت جوئے کی ہے اور حرام و ناجائز ہے۔

(۳) اگر سبقت لے جانے میں کوئی چیز مشروط نہ ہو تو پھر مسابقت ہر چیز میں ہو سکتی ہے۔

(۴) سابق کے لئے جو کچھ شرط ہوا ہے وہ اس کے لئے حلال و طیب ہے مگر وہ اس کا مستحق نہیں۔ یعنی اگر دوسرا نہ دے تو سابق قاضی کے ہاں دعویٰ کر کے جبراً وصول نہیں کر سکتا۔

(۵) اگر مسابقت صرف لہو و لعب کے طور پر ہو تو مکروہ ہے۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے تیر اندازی اور گھوڑ دوڑ میں جو حصہ لیا تو اس سے مقصود لہو و لعب نہ تھا۔ بلکہ جہاد کے لئے تیاری تھی جیسا کہ قسم کی یہ جنگی مشقیں تھیں۔

(۶) حدیث زیر بحث میں مسجد بنی زریق کے الفاظ آئے ہیں۔ یہی ترجمۃ الباب ہے اور اس سے ثابت ہوا کہ مسجد اور دیگر اعمال خیر کی نسبت و اضافت غیر اللہ کی طرف کر دینا جائز ہے جیسے کہا جائے مسجد وزیر خاں۔ شاہی مسجد، مکی مسجد، وغیرہ اسی طرح حضور غوث پاک کی نیاز کا بکرا۔ خواجہ اجمیری کا بکرا۔ کہ اس سے مقصود محض معرفت ہوتی ہے کہ یہ بکرا یکھا نا حضور غوث پاک کی روح مبارک کو ایصال ثواب کے لئے ہے اور بس ۔

بَابُ الْقِسْمَةِ وَتَعْلِيقِ الْقِنْوِ فِي الْمَسْجِدِ

قَالَ اَبُوْعَبْدِ اللهِ اَلْقِنْوُ الْعِذْقُ وَالْاِثْنَانِ قِنْوَانِ وَالْجَمَاعَةُ اَيْضًا قِنْوَانٌ مِثْلُ صِنْوٍ وَّصِنْوَانٍ

وَقَالَ اِبْرَاهِيْمُ يَعْنِيْ ابْنَ طَهْمَانَ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيْزِ بْنِ صُهَيْبٍ عَنْ اَنَسٍ قَالَ اُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَالٍ مِّنَ الْبَحْرَيْنِ فَقَالَ انْثُرُوْهُ فِي الْمَسْجِدِ وَكَانَ اَكْثَرَ مَالٍ اُتِيَ بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى

باب مسجد میں مال تقسیم کرنا اور کھجور کا خوشہ لٹکانا

امام بخاری نے فرمایا قنو خوشہ کو کہتے ہیں۔ اس کی تثنیہ قنوان ہے۔ اور جمع بھی قنوان ہے۔ جیسے صنو کی جمع صنوان ہے

ابراہیم بن طہمان نے عبدالعزیز بن صہیب سے انہوں نے حضرت انس سے روایت کی۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بحرین کا مال آیا آپ نے فرمایا اس کو مسجد میں رکھ دو۔ اور یہ مال ان سب سے زیادہ تھا جو حضور کے پاس آیا۔ پھر حضور نماز کے لئے تشریف

اللہ علیہ وسلم فخرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی الصلوۃ ولم یلتفت الیہ فلما قضی الصلوۃ جاء فجلس الیہ فما کان یری احدا الا اعطاہ اذ جاءہ العباس فقال یا رسول اللہ اعطنی فانی فادیت نفسی وفادیت عقیلا فقال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خذ فحثا فی ثوبہ ثم ذھب یقلہ فلم یستطع فقال یا رسول اللہ مر بعضھم یرفعہ الی قال لا قال فارفعہ انت علی قال لا فنثر منہ ثم ذھب یقلہ فقال یا رسول اللہ مر بعضھم یرفعہ علی قال لا قال فارفعہ انت علی قال لا فنثر منہ ثم احتملہ فالقاہ علی کاھلہ ثم انطلق فما زال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یتبعہ بصرہ حتی خفی علینا عجبا من حرصہ فما قام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وثم منھا درھم (بخاری)

لئے اور اس کی طرف التفات نہ فرمایا جب آپ نماز سے فارغ ہو گئے تو مال کے پاس آکر بیٹھ گئے اور جو بھی نظر آیا اس کو عطا فرمانے لگے۔ اتنے میں حضرت عباس نے عرض کی مجھے بھی کچھ دیجئے میں نے بدر کی لڑائی میں اپنا اور عقیل کا فدیہ دیا تھا۔ حضور نے فرمایا تم بھی لے لو۔ تو انہوں نے کئی لپیں دونوں ہاتھوں کی بھر کے اپنے کپڑے میں ڈال لیں۔ پھر اٹھانے لگے تو اٹھا نہ سکی۔ عرض کی یا رسول اللہ کسی کو حکم دیجئے کہ مجھے اٹھوا دے۔ فرمایا نہیں۔ عرض کی۔ تو پھر آپ اٹھوا دیجئے۔ فرمایا نہیں۔ آخر انہوں نے اس میں سے کچھ کم کر کے پھر عرض کی۔ کسی کو حکم دیجئے کہ اٹھوا دے۔ فرمایا نہیں۔ عرض کی آپ ہی اٹھوا دیجئے۔ آخر حضرت عباس نے پھر اس میں سے کچھ کم کیا اور اس کو اپنے کندھے پر رکھ کر چل دیئے اور حضور علیہ السلام برابر ان کو دیکھتے رہے حتی کہ وہ نظر سے اوجھل ہو گئے۔ آپ نے ان کی حرص پر تعجب فرمایا۔ پھر آپ اس وقت تک نہ اٹھے جب تک کہ اس مال میں سے ایک درہم بھی باقی رہا یعنی سب کا سب تقسیم فرما دیا۔

فوائد و مسائل ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عنوان تو تھا۔ مسجد میں مال تقسیم کرنا اور انگور کا خوشہ لٹکانا مگر حدیث زیر بحث میں خوشہ کا ذکر نہیں ہے۔

جواب یہ ہے کہ خوشہ بھی ایک قسم کا مال ہی ہے۔ تو جب مساکین میں تقسیم کے لئے مال مسجد میں رکھنا جائز ہوگا تو مساکین کو دینے کے لئے خوشہ کا مسجد میں لٹکانا بھی جائز ہوا۔ یا عنوان میں نسائی کی اس روایت کی طرف اشارہ ہے جو عوف بن مالک سے مروی ہے اور جس میں خوشہ کا ذکر ہے۔ امام نے اس روایت کو اس لئے ذکر نہیں کیا کہ ان کی شرط پر نہ تھی۔ یا اس روایت کی طرف اشارہ ہے جو ثابت سے کتاب الاموال میں مذکور ہے۔ اور جس کا مضمون یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے ہر باغ میں سے کچھ پھل وغیرہ طلباء و مساکین کے لئے مسجد میں رکھنے کا حکم دیا تھا۔ اور اس کی تقسیم و حفاظت حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد کی تھی (عینی ج ۲ ص ۲۴۴)

مال البحرین اہل بحرین سے صلح کرائی گئی تھی۔ اور آپ نے حضرت علاء بن حضرمی کو وہاں کا گورنر مقرر کیا تھا یہ مال بحرین کا خراج تھا۔ جو ایک لاکھ درہم تھے۔ یہ پہلا خراج تھا۔ یہ خراج و جزیہ ہر سال

جاتا تھا اور حضور علیہ السلام سے مستحقین میں تقسیم فرما دیتے تھے جس سال حضور کا وصال ہوا۔ آپ نے حضرت جابر سے وعدہ کیا تھا کہ جب کبھی بحرین کا خراج آئے گا اس میں سے تمہیں بھی دوں گا۔ لیکن خراج بحرین کے آنے سے قبل آپ کا وصال ہو گیا تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کی طرف سے یہ وعدہ پورا فرمایا۔

حدیث ہذا مسائل ذیل پر مشتمل ہے:۔

(۱) فقراء و مساکین میں تقسیم کے لئے مسجد میں مال غنیمت، صدقہ و خیرات، جزیہ و خراج رکھنا جائز ہے حضرت امام مالک نے فرمایا مسجد میں فتویٰ دینا، مسائل دینیہ کا اظہار و بیان کرنا اور لوگوں کے بیٹھنے کے لئے چٹائی وغیرہ بچھا دینا جائز ہے

(۲) مال کی حرص کرنا اور حاجت سے زیادہ طلب کرنا اچھا نہیں یہی وجہ ہے کہ جب حضرت عباس نے اپنے لئے مال جمع کیا جو اٹھا نہ سکے تو حضور نے نہ خود اٹھوانے میں مدد دی نہ دوسرے سے مدد دلائی۔

(۳) حاکم پر فرض ہے کہ صدقات، خیرات، جزیہ اور خراج کی رقوم مستحقین میں تقسیم کر دے اور اس میں تاخیر نہ کرے

(۴) حضور علیہ السلام نہایت سخی تھے آپ اس وقت تک نہیں اٹھے جب تک کہ سارا مال مستحقین میں تقسیم نہ ہو گیا

بَابُ مَنْ دُعِيَ لِطَعَامٍ فِي الْمَسْجِدِ وَمَنْ اَجَابَ مِنْهُ

قَالَ وَجَدْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ مَعَهُ نَاسٌ فَقُمْتُ فَقَالَ لِي آرْسَلَكَ اَبُوْ طَلْحَةَ فَقُلْتُ نَعَمْ قَالَ لِطَعَامٍ قُلْتُ نَعَمْ فَقَالَ لِمَنْ حَوْلَهُ قُوْمُوْا فَانْطَلَقَ وَانْطَلَقْتُ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ

بخاری:

باب مسجد میں کھانے کی دعوت دینا۔ اور مسجد ہی میں قبول کرنا

حضرت انس کہتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ السلام کو مسجد میں بیٹھے ہوئے پایا، آپ کے پاس اور لوگ بھی تھے۔ میں آپ کے قریب کھڑا ہو گیا آپ نے فرمایا تمہیں ابو طلحہ نے بھیجا ہے کھانے کے لئے بلانے کے لئے بھیجا ہے میں نے عرض کی جی ہاں۔ حضور علیہ السلام نے حاضرین مجلس سے فرمایا اٹھو اور پھر ابو طلحہ کے گھر کی طرف روانہ ہوئے اور میں سب سے آگے تھا

فوائد و مسائل

ابو طلحہ جناب انس کے سوتیلے والد ہیں ان سے کل ۹۲ حدیثیں مروی ہیں۔ بخاری میں بھی ہیں۔ ۳۴ ہجری میں مدینہ منورہ ... آپ نے انتقال فرمایا حدیث ہذا مسائل ذیل پر مشتمل ہے۔

(۱) مسجد میں کھانے کی دعوت دینا اور اس کا قبول کرنا جائز ہے۔ اگرچہ وہ دعوت، دعوت ولیمہ ہو۔ (۲) صاحب دعوت کو یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے ساتھ بن بلائے افراد کو بھی لے جائے لیکن اگر صاحب دعوت کو یہ یقین ہو کہ جن کو میں ساتھ لے جا رہا ہوں میزبان کو ناگوار نہ ہوں گے اور کھانا بھی سب کے لئے کافی ہو جائے گا تو پھر حرج نہیں ——— حضور علیہ السلام کو اگرچہ یہ معلوم تھا کہ ابو طلحہ کے ہاں جو کھانا ہے وہ سب کے لئے کافی نہیں ہے لیکن آپ جانتے تھے کہ میری برکت سے کافی ہو جائے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

(۳) حضرت انس سب کے آگے اس لئے روانہ ہوئے تاکہ حضرت ابو طلحہ کو اطلاع دیں۔ کہ دعوت تو آپ نے صرف حضور ہی کی ہے مگر حضور نے حاضرین مجلس کو بھی ساتھ لے لیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بوقت ضرورت کسی واجب التعظیم شخص کے آگے چلنا خلاف ادب نہیں جیسے روشنی کرنا یا راستہ بتانے کے لئے ۔

۳: امام بخاری نے یہ حدیث زیر بحث مفصل طور پر تبوک میں ذکر کی وہاں ان شاء اللہ العزیز اس پر فوائد ذکر کئے جائیں گے۔

بَابُ الْقَضَاءِ وَاللِّعَانِ فِي الْمَسْجِدِ بَيْنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ

باب مسجد میں فیصلے کرنا اور لعان کرنا

مقصود عنوان یہ بتانا ہے کہ مسجد میں بیٹھ کر مسائل و احکام اسلامیہ بتانا اور نافذ کرنا جائز ہے۔ حضرت امام مالک علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ مسجد میں شریعت اسلامیہ کے مطابق تنازعات کا فیصل کرنا قدیم سے معمول ہے۔ قاضی شریح، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ مسجد میں عدالت کرتے تھے۔ خود حضور علیہ السلام نے بھی قضایا نے صحابہ کا فیصلہ مسجد میں فرمایا ـــــــ اور حضرت سعید بن مسیب سے جو اس کی کراہت منقول ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جب مسجد میں مقدمات فیصل کرنے میں شور و غل ہو اور نمازیوں کو تشویش اور حرج واقع ہو تو پھر مکروہ ہے ورنہ نہیں۔ حضرت امام شافعی کا بھی یہی قول ہے۔ علامہ عینی نے لکھا کہ عام علماء کا بھی یہی مسلک ہے۔ (عینی ج ۲)

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ اَنَّ رَجُلًا قَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ اَرَاَيْتَ رَجُلًا وَجَدَ مَعَ امْرَاَتِهٖ رَجُلًا اَيَقْتُلُهٗ فَتَلَاعَنَا فِي الْمَسْجِدِ وَاَنَا شَاهِدٌ

(بخاری)

سہل بن سعد سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضور نبوی عرض کیا یا رسول اللہ اگر کوئی اپنی بیوی کے ساتھ کسی مرد کو دیکھے تو کیا اس کو قتل کر دے آخر اس شخص اور اس کی بیوی نے مسجد میں لعان کیا۔

تعدد مسائل امام نے اس حدیث کو طلاق، تفسیر، الاعتصام، احکام وغیرہ میں ذکر کیا اور مسلم نے لعان اور ابو داؤد و نسائی و ابن ماجہ نے طلاق میں ذکر کیا۔

حدیث ہٰذا سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مسجد میں مقدمات کا فیصلہ کرنا جائز ہے۔ یہ حدیث مکمل متن کے ساتھ کتاب اللعان میں آ رہی ہے وہاں ان شاء اللہ العزیز اس کے مکمل مسائل بیان کئے جائیں گے۔

بَابُ اِذَا دَخَلَ بَيْتًا يُصَلِّي حَيْثُ شَاءَ اَوْ حَيْثُ اُمِرَ وَلَا يَتَجَسَّسُ

باب جب کسی کے گھر جائیں تو جہاں جگہ ملے یا جس جگہ کہا جائے وہاں نماز پڑھے اور تجسس نہ کرے

عَنْ عِتْبَانَ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَاهُ فِي مَنْزِلِهٖ فَقَالَ اَيْنَ تُحِبُّ اَنْ اُصَلِّيَ لَكَ مِنْ بَيْتِكَ قَالَ فَاَشَرْتُ لَهٗ اِلٰى مَكَانٍ فَكَبَّرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصَفَفْنَا خَلْفَهٗ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ.

(بخاری)

عتبان بن مالک کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لائے اور فرمایا۔ تم کہاں پسند کرتے ہو کہ میں تمہارے گھر میں نماز پڑھوں عتبان کہتے ہیں۔ کہ میں نے ایک جگہ کی طرف اشارہ کر دیا۔ حضور علیہ السلام نے تکبیر کہی۔ اور ہم نے آپ کے پیچھے صف باندھی۔ اور آپ نے دو رکعت نفل ادا فرمائے۔

تعدد مسائل امام نے اس حدیث کو مختصر و مفصل تقریباً دس جگہ ذکر کیا ہے۔ اور مسلم و نسائی نے بھی متعدد جگہ ذکر کیا ہے۔ اور ابن ماجہ نے صلوٰۃ میں ذکر کیا۔ حدیث ہٰذا مسائل ذیل پر مشتمل ہے

(۱) جو معذور ہو اور اسے مسجد میں آ کر نماز پڑھنا مشکل ہو تو گھر میں کسی جگہ کو خاص طور پر نماز کے لئے مقرر کر لینا مستحب ہے

(۱) گھر میں نماز با جماعت جائز ہے (۲) نوافل بھی با جماعت پڑھ سکتے ہیں (۳) حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم بایں وجاہت شان و عظیم و جلیل مرتبہ پر فائز ہونے کے نہایت ہی کریم و رحیم اور متواضع تھے۔ غریب سے غریب شخص اگر آپ کو اپنے گھر میں جلوہ فرما ہونے کی خواہش کرتا تو حضور پوری فرما دیتے۔

حضرت عتبان نے یہ عرض کی تھی کہ حضور میرے غریب خانہ پر آئیں اور نماز ادا فرمائیں۔ تاکہ برکت ہو۔ اور آپ کی نماز پڑھنے کی جگہ کو ہم مصلے بنالیں۔ اسی لئے حضور نے ان سے دریافت فرمایا کہ کہاں پڑھوں؟ ورنہ دریافت کرنے کی حاجت نہ تھی۔

بَابُ الْمَسَاجِدِ فِي الْبُيُوْتِ

باب گھر میں نماز کے لئے جگہ مقرر کرنا

وَصَلَّى الْبَرَاءُ بْنُ عَازِبٍ فِي مَسْجِدٍ فِي دَارِهٖ جَمَاعَةً

اور حضرت براء بن عازب نے اپنے گھر کی مسجد میں جماعت سے نماز ادا کی

عنوان میں مسجد سے مراد مسجد بیت ہے یعنی وہ متعین جو لوگ اپنے گھروں میں نماز پڑھنے کے لئے مقرر کریں۔ اس کا حکم مسجد کی طرح نہیں ہے۔ اس عنوان کے تحت امام نے ایک حدیث لکھی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے:۔

محمود بن ربیع انصاری کہتے ہیں کہ عتبان بن مالک جو اصحاب رسول سے تھے۔ اور بدر کی لڑائی میں شامل ہوئے تھے انہوں نے حضور نبوی عرض کی یا رسول اللہ میری نظر مجھے جواب دے چکی ہے اور میں اپنی قوم کو نماز پڑھاتا ہوں لیکن جب بارش ہوتی ہے اور وہ نالا بہنے لگتا ہے جو میرے اور میری قوم کی مسجد کے درمیان ہے۔ تو مسجد میں پہنچ کر نماز نہیں پڑھا سکتا یا رسول اللہ میری خواہش ہے کہ آپ میرے غریب خانہ پر تشریف لائیں۔ اور میرے گھر میں نماز پڑھیں

فَاَتَّخِذَهٗ مُصَلًّى

تو میں اس جگہ کو نماز کے لئے مقرر کر لوں۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا انشاء اللہ ایسا کروں گا۔ عتبان نے کہا۔ دوسرے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر دن چڑھے میرے مکان پر تشریف لائے اور آپ نے اجازت مانگی میں نے اجازت دے دی۔ آپ ابھی بیٹھے نہیں تھے کہ آپ نے فرمایا۔ تم اپنے گھر میں کس جگہ کو پسند کرتے ہو۔ جہاں میں نماز پڑھوں۔ عتبان نے گھر کے ایک کونے کی طرف اشارہ کر دیا۔ حضور نے کھڑے ہو کر اللہ اکبر کہا ہم بھی کھڑے ہوئے اور صف باندھی آپ نے دو رکعت پڑھ کر سلام پھیرا اور ہم نے حضور کے لئے حریرہ تیار کر کے آپ کو روک لیا۔ پھر محلہ کے بہت سے آدمی گھر میں جمع ہو گئے تو ایک شخص نے کہا

اَيْنَ مَالِكُ بْنُ الدُّخَيْشِنِ اَوِ ابْنُ الدُّخْشُنِ فَقَالَ بَعْضُهُمْ ذٰلِكَ مُنَافِقٌ لَا يُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُلْ ذٰلِكَ اَلَا تَرَاهُ قَدْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يُرِيْدُ بِذٰلِكَ وَجْهَ اللّٰهِ قَالَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ فَاِنَّا نَرٰى وَجْهَهٗ وَنَصِيْحَتَهٗ اِلَى الْمُنَافِقِيْنَ

مالک بن دخیشن یا مالک بن دخشن کہاں ہے۔ کسی نے کہا وہ منافق ہے اللہ اور اس کے رسول سے محبت نہیں رکھتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ایسا مت کہو۔ اس نے لوجہ اللہ لا الٰہ الا اللہ پڑھا ہے۔ اس پر اس شخص نے عرض کی اللہ اور اس کا رسول خوب جانتے ہیں مگر ہم اس کی توجہ اور دوستی منافقوں کے ساتھ پاتے ہیں

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لٰکِنَّ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ قَدْ حَرَّمَ عَلَی النَّارِ مَنْ قَالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ یَبْتَغِیْ بِذٰلِکَ وَجْہَ اللّٰہِ (بخاری)

حضورؐ نے فرمایا۔ اللہ عزوجل نے تو دوزخ کو اس پر حرام کر دیا ہے۔ جو خاص اللہ کے لئے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پڑھے

یہ حدیث حسب ذیل مسائل پر مشتمل ہے۔

مسائل (۱) نابینا کی امامت درست ہے۔ بشرطیکہ وہ طہارت اچھی طرح کرتا ہو (۲) سخت آندھی بارش کے خطرہ کی موجودگی کی وجہ سے گھر میں نماز پڑھ لینا جائز ہے (۳) گھر میں کسی جگہ کو نماز کے لئے معین کر لینا جائز ہے (۴) صفوں کو سیدھا رکھنا ضروری ہے دیگر احادیث میں اس کی تاکید آئی ہے (۵) گھر میں جو جگہ نماز پڑھنے کے لئے مقرر کی جاتی ہے ـــــ مسجد بیت کہتے ہیں۔ یہ وقف نہیں ہوتی یعنی اس کے احکام مسجد کے احکام کی طرح نہیں (۶) دن میں باجماعت نوافل پڑھنا جائز ہے (۷) جس نے صدق دل سے کلمہ پڑھا اور تمام ضروریات دین کی تصدیق کی وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں نہیں جائے گا (۸) مومن کے ساتھ حسن ظن رکھنا چاہیئے۔ اور بے تحقیق اس پر نفاق کا حکم نہیں لگانا چاہیئے (۹) جب کسی کے گھر میں جایا جائے خواہ اس کی دعوت پر ہی جائے تو گھر میں داخل ہونے سے قبل صاحب خانہ سے اجازت لے لینا مستحب ہے ـــــ علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ (۱۰) بزرگوں کو اگر کوئی برکت کے لئے گھر میں بلائے تو دعوت قبول کرنی چاہیے (۱۱) بزرگان دین کے اکرام اور ان کے لئے کھانے کا انتظام کرنا چاہیے (۱۲) جب کوئی بزرگ کسی کے مکان پر جائیں تو اس مکان میں ریاست وکرام اور ان سے استفادہ کے لئے جمع ہونا مستحب ہے (۱۳) جس جگہ کسی بزرگ نے نماز پڑھی بغرض تبرک اس جگہ کو نماز کے لئے مقرر کر لینا جائز ہے (عینی ج ۴ ص ۱۶۷ و ص ۱۶۸)

بَابُ التَّیَمُّنِ فِیْ دُخُوْلِ الْمَسْجِدِ وَغَیْرِہٖ

باب مسجد میں داخل ہوتے وقت اور دیگر کاموں میں داہنی طرف کو اختیار کرنا

وَکَانَ ابْنُ عُمَرَ یَبْدَأُ بِرِجْلِہِ الْیُمْنٰی فَاِذَا خَرَجَ بَدَأَ بِرِجْلِہِ الْیُسْرٰی (بخاری)

اور عبد اللہ بن عمر مسجد میں داخل ہوتے وقت پہلے داہنا قدم رکھتے اور نکلتے وقت پہلے بایاں قدم نکالتے

عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُحِبُّ التَّیَمُّنَ مَا اسْتَطَاعَ فِیْ شَأْنِہٖ کُلِّہٖ فِیْ طُہُوْرِہٖ وَتَرَجُّلِہٖ وَتَنَعُّلِہٖ (بخاری)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہر کام میں حتی المقدور داہنی طرف سے شروع کرنا پسند فرماتے تھے طہارت میں کنگھی کرنے اور جوتا پہننے میں بھی

مسائل اس حدیث کو امام نے کتاب اللباس میں بھی ذکر کیا۔ مَا اسْتَطَاعَ کا مطلب یہ ہے کہ جہاں تک شرعاً ممکن ہو حضورؐ داہنی طرف کو اختیار فرماتے اور جہاں شرعاً تیمن کی اجازت نہیں۔ وہاں تیمن نہیں فرماتے جیسے بیت الخلاء میں داخل ہونے کے وقت اور مسجد سے نکلتے وقت ـــــ سوال ہوتا ہے کہ

محبت دل کی کیفیت کا نام ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حضور کے دل کی حالت کیسے معلوم ہو گئی؟ جواب یہ ہے کہ کسی کے دل کی اس کیفیت کا علم قرائن سے بھی معلوم ہو جاتی ہے۔ جناب عائشہ رضی نے حضور علیہ السلام کے عمل کو دیکھا تو اس سے اندازہ کر لیا کہ آپ کو میں یمین محبوب ہے ——— حدیث بنا سے معلوم ہوا کہ مسجد میں داخل ہوتے وقت پہلے دایاں قدم اندر رکھنا چاہیے اور نکلتے وقت اسی طرح سیدھے ہاتھ سے کھانا پینا چاہیے۔ جوتا پہنے تو پہلے دائیں قدم سے پہنے۔ کنگھی کرے تو پہلے دائیں طرف کرے طرح اسی طرح وضو، غسل و دیگر امور میں دائیں طرف سے شروع کرنا مستحب ہے۔

بَابٌ هَلْ تُنْبَشُ قُبُوْرُ مُشْرِكِي الْجَاهِلِيَّةِ وَيُتَّخَذُ مَكَانُهَا مَسَاجِدَ

باب کیا زمانۂ جاہلیت کے مشرکوں کی قبروں کو کھود ڈالنا اور اس کی جگہ مسجد بنا لینا جائز ہے؟

علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ مطلب عنوان یہ ہے کہ جو مشرک زمانۂ جاہلیت میں ہلاک ہوئے۔ ان کی قبریں کھود کر وہاں مسجد بنا لینا جائز ہے۔ کیونکہ عنوان میں هل استفہام تقریری کے لئے ہے۔ اور قبور مشرکین کو کھود کر وہاں مسجد بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ قبروں کے کھود ڈالنے میں ان کی تعظیم نہیں ہے بلکہ توہین ہے۔ لیکن مسلمانوں کی قبریں خواہ وہ انبیاء کرام کی ہوں یا غیر مسلمانوں کی۔ حرام و ناجائز ہے۔ کیونکہ مسلمانوں کی حرمت موت و حیات میں قائم رہتی ہے۔ علامہ عینی کے اصل الفاظ یہ ہیں:-

مسلمانوں کی قبروں کو کھودنا یا کھاڑنا حرام و ناجائز ہے

فیہ مستفاد منہ جواز نبش قبور المشرکین لانہ لا حرمۃ لھم ولا یجوز نبش قبور غیرھم من المسلمین لما فیہ من الاھانۃ لھم فلا یجوز نبشھا لان حرمۃ المسلم لا تزول حیا ومیتا

عنوان سے یہ ثابت ہے کہ انبیاء کرام اور دیگر مسلمانوں کی قبروں کو کھودنا جائز نہیں کیونکہ اس طرح کرنے میں ان کی توہین ہے۔ اور مسلمان کی حرمت زندگی اور موت دونوں حالتوں میں قائم رہتی ہے۔
(عینی ج ۲ ص ۳۰)

حضرت علامہ حافظ ابن حجر نے اسی عنوان کے تحت لکھا۔ کہ چونکہ مشرکین کی عند اللہ کوئی عزت نہیں ہے بعد موت ان کی قبروں کو توڑ کر مسجد بنانی جائز ہے۔ لیکن انبیاء کرام اور مسلمانوں کی قبروں کو کھودنا جائز نہیں۔ کیونکہ اس میں ان کی تذلیل ہے اور یہ ناجائز و حرام ہے (فتح الباری)

لِقَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ (بخاری)

کیونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے یہود پر لعنت کی ہے۔ انہوں نے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔

وَمَا يُكْرَهُ مِنَ الصَّلٰوةِ فِي الْقُبُوْرِ (بخاری)

اور قبرستان میں نماز پڑھنے کی کراہت کے متعلق

قبر پر نماز پڑھنا یا قبر کے سامنے نماز پڑھنا۔ عنوان ان دونوں صورتوں کو شامل ہے۔ اور حدیث شریف ترمذی و نسائی نے روایت کیا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔

لا تجلسوا علی القبور ولا تصلوا علیھا (عینی ج ۴ ص ۱۸۹)
الارض کلھا مسجد الا المقبرۃ والحمام (ترمذی)

قبروں پر نہ بیٹھو اور نہ ان کی طرف نماز پڑھو تمام زمین مسجد ہے اس پر نماز درست مگر مقبرہ اور حمام

ہو کہ مقبرہ میں جو جگہ نماز کے لئے مقرر ہو اور اس میں قبر نہ ہو تو وہاں نماز میں حرج نہیں اور کراہت

فائدہ اس صورت میں ہے جب کہ قبر سامنے ہو اور نمازی اور قبر کے درمیان کوئی شے سُترہ کی قدر حائل نہ ہو

قبر دائیں بائیں یا پیچھے ہو یا بقدر سُترہ کوئی چیز حائل ہو تو کچھ بھی کراہت نہیں (عالمگیری وغیرہ)

وَرَأَى عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يُصَلِّي عِنْدَ قَبْرٍ فَقَالَ الْقَبْرَ الْقَبْرَ وَلَمْ يَأْمُرْهُ بِالْإِعَادَةِ (بخاری)

عمر ابن الخطاب نے حضرت انس کو قبر کے پاس نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو فرمایا قبر، قبر لیکن انہیں نماز کے اعادہ کا حکم نہیں دیا۔

مطلب حدیث یہ ہے کہ ایسے نماز پڑھنا کہ قبر نمازی کے سامنے ہو مکروہ ہے اور اگر کسی نے پڑھ لی تو نماز ہو گئی۔ حضرت عمر نے دوبارہ نماز پڑھنے کا حکم نہیں دیا۔

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ أُمَّ حَبِيبَةَ وَأُمَّ سَلَمَةَ ذَكَرَتَا كَنِيسَةً رَأَيْنَهَا بِالْحَبَشَةِ فِيهَا تَصَاوِيرُ فَذَكَرَتَا ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّ أُولَئِكَ إِذَا كَانَ فِيهِمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ فَمَاتَ بَنَوْا عَلَى قَبْرِهِ مَسْجِدًا وَصَوَّرُوا فِيهِ تِلْكَ الصُّوَرَ فَأُولَئِكَ شِرَارُ الْخَلْقِ عِنْدَ اللَّهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (بخاری)

حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ حضرت ام حبیبہ اور ام سلمہ نے ایک گرجے کا ذکر کیا جو انہوں نے ملک حبش میں دیکھا تھا اس میں تصویریں تھیں۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے انہوں نے اس کا ذکر کیا۔ تو آپ نے فرمایا ان لوگوں کا طریقہ یہ تھا۔ کہ جب ان میں کوئی نیک آدمی مر جاتا تو اس کی قبر کو سجدہ گاہ قرار دے لیتے۔ اور اس میں ان کی تصویریں بنا کر رکھتے قیامت کے دن اللہ کے حضور یہ لوگ بدترین مخلوق ہوں گے۔

(۱) بیضاوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا۔ کہ یہود و نصاریٰ انبیاء کرام کی قبروں کو سجدہ تعظیمی کرتے تھے اور انہوں نے ان کو قبلہ بنا لیا تھا۔ اور نماز میں انہیں کی طرف متوجہ ہوتے تھے بلکہ ان کے معبدوں میں بزرگوں کی تصویریں رکھی ہوتی تھیں۔ اس وجہ سے انہیں ملعون قرار دیا گیا۔ علامہ ابن بطال نے کہا یہود پر لعنت اس لئے آئی کہ انہوں نے قبروں کو مسجد بنا لیا تھا (لاتخاذھم القبور والصور آلھۃ)

وأما من اتخذ مسجدا في جوار صالح وقصد التبرك بالقرب منه لا للتعظيم له ولا التوجه إليه فلا يدخل في الوعيد المذكور (صفحہ ۲۵ ... ۵۲۳)

اگر کسی بزرگ کی قبر کے جوار میں برکت کی خاطر مسجد بنانا۔ کہ ان کی نیکی ہو جائے تعظیم کے طور اور قبر کی طرف توجہ کے لئے نہیں۔ تو ایسا کرنا (حدیث زیر بحث کی) وعید میں داخل نہیں ہے۔

(۲) علامہ طیبی نے فرمایا۔ کسی بزرگ کے جوار میں تبرکاً مسجد بنانا جائز ہے دیر جی لیسہ النفع ... اور اس ... ایسا ہے ——— شارحین کرام کی ان تصریحات سے واضح ہو گیا کہ حدیث زیر بحث کا مطلب یہ ہے کہ سجدہ کرنا ان کو پوجنا۔ ان کو قبلہ بنا کر ان کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا ممنوع و ناجائز ہے۔ اور یہود پر لعنت اسی وجہ سے ہے کہ وہ بزرگوں کی قبروں کو پوجنے لگ گئے تھے لیکن اگر محض تبرک کے لئے کسی بزرگ کے مزار ... بب

مسجد بنائی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے جیسے کہ مسجد نبوی حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے جوار میں بنی ہوئی ہے۔ یادگار کے طور مسجدیں کہ ان سے مقصود قبروں کو سجدہ گاہ بنانا نہیں ہے بلکہ حصول برکت ہے۔

اس کے بعد امام نے ایک طویل حدیث لکھی ہے جس کے ابتدائی جملوں کا ترجمہ یہ ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضور علیہ السلام مکہ سے مدینہ تشریف لائے تو مدینہ کے بلند حصہ میں بنی عمرو بن عوف کے قبیلہ میں اترے وہاں آپ نے چودہ راتیں قیام فرمایا پھر آپ نے بنی نجار کے لوگوں کو بلا بھیجا۔ وہ تلواریں لٹکائے ہوئے حاضر ہوئے (انس نے کہا گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم اپنی اونٹنی پر ہیں اور ابوبکر آپ کے پیچھے ہیں بنی نجار کے سردار گرد) اس طرح آپ کی سواری چلی یہاں تک کہ آپ ابو ایوب انصاری کے گھر کے صحن میں اترے۔ آپ کو یہ بات پسند تھی جہاں نماز کا وقت ہو جائے وہاں نماز پڑھ لیں اور آپ بکریوں کے باڑے میں بھی نماز پڑھ لیتے تھے پھر آپ نے مسجد بنانے کا حکم دیا بنی نجار سے فرمایا تم اپنے اس باغ کی قیمت مجھ سے لے لو انہوں نے عرض کی بخدا ہم اس کا اجر اللہ ہی سے لیں گے۔

قَالَ أَنَسٌ فَكَانَ فِيهِ مَا أَقُولُ لَكُمْ قُبُورُ الْمُشْرِكِينَ وَفِيهِ خَرِبٌ وَفِيهِ نَخْلٌ فَأَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقُبُورِ الْمُشْرِكِينَ فَنُبِشَتْ ثُمَّ بِالْخَرِبِ فَسُوِّيَتْ وَبِالنَّخْلِ فَقُطِعَ فَصَفُّوا النَّخْلَ قِبْلَةَ الْمَسْجِدِ وَجَعَلُوا عِضَادَتَيْهِ الْحِجَارَةَ وَجَعَلُوا يَنْقُلُونَ الصَّخْرَ وَهُمْ يَرْتَجِزُونَ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَهُمْ وَهُوَ يَقُولُ اللَّهُمَّ لَا خَيْرَ إِلَّا خَيْرُ الْآخِرَهْ فَاغْفِرْ لِلْأَنْصَارِ وَالْمُهَاجِرَهْ

(بخاری)

حضرت انس نے کہا میں تم کو بتاتا ہوں کہ اس باغ کی کیا کیفیت تھی۔ اس باغ میں مشرکوں کی قبریں اور کھنڈر تھے اور کچھ کھجور کے درخت۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے مشرکوں کی قبریں اکھیڑ دی گئیں اور کھنڈر ویرانے سب برابر کر دیئے گئے اور کھجور کے درخت کاٹ کر ان کی لکڑیاں قبلہ کی طرف جما دیں اور اس کی دونوں طرف پتھروں کی دیوار چن دی گئی اور صحابہ کرام شعر پڑھ پڑھ کر پتھر ڈھو رہے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے ساتھ شعر پڑھتے جاتے تھے آپ فرما رہے تھے۔ الٰہی خیر تو وہی ہے جو آخرت کی ہے الٰہی انصار و مہاجرین کو بخش دے۔

فوائد و مسائل اس حدیث کو امام نے صلوٰۃ، حج، وصایا، بیوع، ہجرت میں بھی ذکر کیا۔ اور مسلم، ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ نے صلوٰۃ میں ذکر کیا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مشرکین کی قبروں کو اکھاڑ کر وہاں مسجد بنا لینا جائز ہے۔ بکریوں کے باڑے میں نماز جائز ہے۔ یعنی چٹائی بچھا کر یا باڑے کی زمین کے اس حصہ پر جہاں نجاست وغیرہ کا اثر باقی نہ رہا ہو۔ پھل دار درختوں کو بوقت ضرورت کاٹ لینا جائز ہے۔ اس حدیث کے بقیہ مسائل متعدد ابواب میں بیان ہوں گے۔ ان شاء اللہ العزیز۔

بَابُ الصَّلٰوةِ فِي مَرَابِضِ الْغَنَمِ

قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِي مَرَابِضِ الْغَنَمِ ثُمَّ سَمِعْتُهُ بَعْدُ يَقُولُ كَانَ يُصَلِّي فِي مَرَابِضِ الْغَنَمِ قَبْلَ أَنْ يُبْنَى الْمَسْجِدُ (بخاری)

باب بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھنا

ابو التیاح نے بیان کیا کہ حضرت انس نے فرمایا حضور علیہ السلام بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھا کرتے تھے پھر میں نے سنا کہتے تھے کہ حضور علیہ السلام مسجد بننے سے قبل بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھ لیا کرتے تھے

واضح ہو کہ بکریوں کے باڑہ میں نماز پڑھنا شارح علیہ السلام کو مطلوب نہیں ہے بتانا مقصود یہ ہے کہ بکریوں کا باڑہ ہو یا اونٹوں کا یا کوئی اور جگہ نہ ہو تو وہاں بھی نماز پڑھ سکتے ہیں جبکہ وہ جگہ پاک و صاف ہو یا چٹائی بچھا کر نماز پڑھی جائے۔ بلاحصر امت کے لئے روئے زمین مسجد قرار دی گئی ہے۔ لہٰذا کسی جگہ کی تخصیص نہیں کی جا سکتی۔ الایہ کہ خود شارع ع منع فرما دی ہو۔ مزید تشریح کے لئے فیوض الباری پارہ دوم کا مطالعہ کیجئے ؛

بَابُ الصَّلٰوةِ فِي مَوَاضِعِ الْإِبِلِ
عَنْ نَافِعٍ قَالَ رَأَيْتُ ابْنَ عُمَرَ يُصَلِّي إِلٰى بَعِيْرِهٖ وَقَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْعَلُهٗ (بخاری)

باب اونٹوں کے باڑہ میں نماز پڑھنے کے متعلق
حضرت نافع نے کہا میں نے ابن عمر کو دیکھا وہ اپنے اونٹ کی طرف نماز پڑھتے ہے۔ اور کہتے تھے میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کرتے دیکھا ہے۔

ترجمۃ الباب یہ حدیث عنوان کے مناسب نہیں کیونکہ مضمون تو یہ ہے کہ حضرت ابن عمر نے اونٹ کی طرف نماز پڑھی نہ یہ کہ اونٹوں کے باڑہ میں نماز پڑھی ——— بہرحال متعدد احادیث میں حضور علیہ السلام نے اونٹوں کے باڑے اور اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا۔ مگر یہ نہی شفقت ہے۔ یعنی اونٹ شریر و سرکش جانور ہے۔ اگر لوگوں کے باڑہ میں نماز پڑھی گئی تو ممکن ہے وہ کوئی تکلیف پہنچائے اس لئے حضور نے ممانعت فرمائی۔ اور امام بخاری علیہ الرحمۃ کا مقصود یہ بتانا ہے کہ اونٹوں کے باڑہ میں بھی نماز پڑھنا جائز ہے۔ اور جو حدیثوں میں ممانعت آئی ہے وہ مطلق نہیں ہے بلکہ اس وقت ہے جبکہ اس امر کا خوف ہو کہ اونٹ شرارت کرے گا۔

بَابُ مَنْ صَلّٰى وَقُدَّامَهٗ تَنُّوْرٌ أَوْ نَارٌ أَوْ شَيْءٌ مِّمَّا يُعْبَدُ فَأَرَادَ بِهٖ وَجْهَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَقَالَ الزُّهْرِيُّ أَخْبَرَنِيْ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُرِضَتْ عَلَيَّ النَّارُ وَأَنَا أُصَلِّيْ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ انْخَسَفَتِ الشَّمْسُ فَصَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ أُرِيْتُ النَّارَ فَلَمْ أَرَ مَنْظَرًا كَالْيَوْمِ قَطُّ أَفْظَعَ (بخاری)

باب جو شخص نماز پڑھے اور اس کے سامنے تنور ہو یا آگ ہو یا کوئی ایسی چیز ہو جس کی مشرک پوجا کرتے ہیں لیکن اس کی نیت اللہ کی عبادت کی ہو ۔ اور امام زہری نے کہا مجھے انس بن مالک نے خبر دی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دوزخ میرے سامنے لائی گئی اور میں نماز پڑھ رہا تھا ۔ عبداللہ بن عباس نے کہا۔ سورج گرہن ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گرہن کی نماز پڑھی۔ پھر فرمایا مجھے دوزخ دکھائی گئی تو میں نے آج کی طرح کا ڈراؤنا منظر کبھی نہیں دیکھا

واضح ہو کہ ان دونوں حدیثوں سے امام نے یہ استدلال کیا ہے۔ کہ اگر نمازی کے سامنے آگ ہو یا تنور وغیرہ ہو۔ تو نماز درست ہوگی ——— لیکن امام کا یہ استدلال متعدد وجوہ سے صحیح نہیں۔

اولاً۔ اس لئے کہ دونوں حدیثوں کا مطلب صرف اس قدر ہے ——— کہ حضور علیہ السلام نے نماز میں دوزخ دیکھ لیا۔ لیکن اس کی تصریح نہیں ہے جہنم کی جو آگ آپ نے ملاحظہ فرمائی وہ آپ کے سامنے ہی تھی بلکہ ہو سکتا ہے دائیں یا بائیں جانب ہو۔ ثانیاً: مشرک وغیرہ دنیا کی آگ کی پرستش کرتے ہیں۔ اور کلام بھی دنیا کی آگ کے متعلق ہے اور

فِيهَا الصُّوَرُ وَكَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ يُصَلِّي فِي الْبِيعَةِ إِلَّا بِيعَةً فِيهَا تَمَاثِيلُ (بخاری)

تصویریں ہوتی ہیں ــــــ اور حضرت ابن عباس گرجے میں نماز پڑھ لیتے مگر اس گرجے میں نہیں جس میں تصاویر ہوں۔

اس عنوان کے تحت امام نے حدیث عائشہ ذکر کی ہے جس کا مضمون یہ تھا کہ ام حبیبہ اور ام سلمہ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حبشہ کے اس کلیسہ کا ذکر کیا جس میں تصویریں تھیں الخ۔ یہ حدیث اوپر گزر چکی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب شام تشریف لے گئے تو وہاں کے ایک رئیس قسطنطین نامی نصرانی نے کہا میری خواہش ہے کہ آپ میرے محل کو کھانا کھانے پر تشریف لائیں تو آپ نے فرمایا کہ گرجاؤں میں مورتیں اور تصویریں ہوتی ہیں اس لئے میں وہاں نہیں جا سکتا۔ معلوم ہوا جہاں خلاف شرع امور ہوں وہاں کھانا کھانا بھی ٹھیک نہیں ــــــ گرجا اور دیگر مذاہب والوں کے عبادت خانوں میں بوقت ضرورت نماز پڑھنی جائز ہے بشرطیکہ وہاں موانع شرعیہ نہ پائے جائیں۔

وضاحت: اس کے بعد امام بخاری نے صرف تقابل کر کے دو حدیثیں لکھی ہیں۔ جن کا مضمون یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ پر خدا کی لعنت ہو۔ انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا ــــــ اس مضمون کی حدیث پر اوپر بحث ہو چکی ہے اس لئے ہم نے چھوڑ دیں۔

بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُورًا (بخاری)

باب حضور علیہ السلام کے اس ارشاد کے متعلق کہ آپ نے فرمایا میرے لئے ساری زمین مسجد و طہور بنائی گئی ہے۔

اس عنوان کے تحت امام نے وہی حدیث لکھی ہے جو کتاب التیمم کے شروع میں مع تفہیم و ترجمانی کے گزر چکی ہے۔ دیکھئے فیوض الباری پارہ دوم ص ۶۲۔ (۲) عنوان سے مقصود یہ بتانا ہے کہ ہر زمین جب تک اس کے نجس ہونے کا علم نہ ہو، پاک قرار دی جائے گی۔ اس پر نماز پڑھ سکتے ہیں۔ اور پانی پر قدرت نہ ہو تو اس سے تیمم بھی کر سکتے ہیں۔ اور یہ کہ حضور علیہ السلام نے مطلقاً زمین کو مسجد و طہور قرار دیا ہے لہٰذا وہ احادیث جن میں مقابر وغیرہ میں نماز نہ پڑھنے کی ہدایت ہے یہ کراہت تحریمی نہیں ہے۔

بَابُ نَوْمِ الْمَرْأَةِ فِي الْمَسْجِدِ

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ وَلِيدَةً كَانَتْ سَوْدَاءَ لِحَيٍّ مِنَ الْعَرَبِ فَأَعْتَقُوهَا فَكَانَتْ مَعَهُمْ قَالَتْ فَخَرَجَتْ صَبِيَّةٌ لَهُمْ عَلَيْهَا وِشَاحٌ أَحْمَرُ مِنْ سُيُورٍ قَالَتْ فَوَضَعَتْهُ أَوْ وَقَعَ مِنْهَا فَمَرَّتْ بِهِ حُدَيَّاةٌ وَهُوَ مُلْقًى فَحَسِبَتْهُ لَحْمًا فَخَطِفَتْهُ قَالَتْ فَالْتَمَسُوهُ فَلَمْ يَجِدُوهُ قَالَتْ فَاتَّهَمُونِي بِهِ قَالَتْ فَطَفِقُوا يُفَتِّشُونَ حَتَّى فَتَّشُوا قُبُلَهَا قَالَتْ وَاللّٰهِ إِنِّي لَقَائِمَةٌ مَعَهُمْ إِذْ مَرَّتِ الْحُدَيَّاةُ فَأَلْقَتْهُ قَالَتْ فَوَقَعَ بَيْنَهُمْ

باب عورت کا مسجد میں سونے کے متعلق

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ عرب کے کسی قبیلہ کے پاس ایک سیاہ فام لڑکی تھی جسے انہوں نے آزاد کر دیا تھا اور وہ انہیں کے پاس رہتی تھی۔ ایک بار ایسا ہوا کہ اس قبیلے کی ایک لڑکی جو دلہن تھی غسل خانہ میں گئی اور اس نے اپنا سرخ چمڑے کا ہار اتار کر رکھ دیا یا اس کے ہاتھ سے کہیں گر گیا۔ ایک چیل نے اسے گوشت سمجھا اور جھپٹ کر لے گئی۔ قبیلے کے لوگوں نے تلاش کیا نہ ملا۔ اس لونڈی نے کہا ان لوگوں نے مجھ پر چوری کی تہمت لگائی اور میری تلاشی لی۔ حتی کہ میری شرمگاہ بھی دیکھی۔ لونڈی نے کہا خدا کی قسم میں ان کے پاس کھڑی تھی کہ اتنے میں وہی چیل آئی اور ہار گرا دیا۔ وہ ان کے بیچ

قالت فقلت هذا الذي اتهمتموني به زعمتم وأنا منه بريئة وهو ذا هو قالت فجاءت إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فأسلمت قالت عائشة فكانت لها خباء في المسجد أو حفش قالت فكانت تأتيني فتحدث عندي قالت فلا تجلس عندي مجلسا إلا قالت ويوم الوشاح من تعاجيب ربنا ألا إنه من بلدة الكفر أنجاني. قالت عائشة فقلت لها ما شأنك لا تقعدين معي مقعدا إلا قلت هذا قالت فحدثتني بهذا الحديث۔ بخاری

گندی تھی وہ اس نے وہ کمر بند پھینک دیا اور وہ ان کے سامنے گرا۔ میں نے ان لوگوں سے کہا: یہی ہے وہ کمر بند جس کی چوری مجھے لگائی تھی اور میں بے قصور تھی۔ یہی ہے تو وہ؟ حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔ اس واقعہ کے بعد وہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں آئی اور مسلمان ہو گئی۔ اور اس کا خیمہ یا جھونپڑا مسجد میں تھی۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ وہ لونڈی میرے پاس آیا کرتی اور مجھ سے باتیں کرتی۔ مگر جب بھی وہ میرے پاس آکر بیٹھتی تو یہ شعر ضرور پڑھتی: اور وشاح کا دن خدا کے عجوبات سے ہے۔ اسی خدا نے مجھ کو کفر کے شہر سے نجات دی۔ میں نے اس سے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے کہ جب تو میرے پاس بیٹھتی ہے تو یہ شعر ضرور پڑھتی ہے۔ تب اس نے مذکورہ بالا قصہ مجھے سنایا۔

فوائد و مسائل ابو بطال نے کہا کہ اس حدیث سے واضح ہوا کہ جس کا کوئی گھر بار نہ ہو اسے مسجد میں ٹھہرنا جائز ہے۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ خیمہ مسجد میں نہ تھا بلکہ احاطہ مسجد میں تھا۔ البتہ اس حدیث سے یہ ثابت ہوگا کہ احاطہ مسجد میں حسب ضرورت خیمہ وغیرہ جائز ہے ——— (۲) اس خیمہ کے خارج مسجد میں ہونے پر قرینہ یہ ہے کہ مسجد نبوی کے متصل ازواج مطہرات کے حجرے بھی تھے۔ اور یہ حجرے اس قدر متصل تھے کہ حضور علیہ السلام جب مسجد میں اعتکاف میں ہوتے تو مسجد سے سر نکال دیتے اور ازواج مطہرات گھر میں بیٹھے بیٹھے آپ کے بال دھو دیتی تھیں تو اس عورت کے لئے مسجد سے بالکل متصل جگہ میں جھونپڑی بنا دی گئی تھی۔

باب نوم الرجال في المسجد

باب مردوں کا مسجد میں سونے کے متعلق

(۱) عن أنس بن مالك قدم رهط من عكل على النبي صلى الله عليه وسلم فكانوا في الصفة (۲) وقال عبد الرحمن بن أبي بكر كان أصحاب الصفة الفقراء۔ بخاری

(۱) حضرت انس بن مالک کہتے ہیں کہ قبیلہ عکل کے کچھ لوگ حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو وہ صفہ میں رہا کرتے تھے (۲) عبد الرحمن بن ابو بکر نے کہا اصحاب صفہ فقیر تھے۔

فوائد و مسائل (۱) تعلیق اول قصہ عرنیین کا ایک ٹکڑا ہے جسے مصنف نے کتاب الطہارۃ میں ذکر کیا ہے۔ اور ابن القاسم نے امام نے اس موصولا کتاب المحاربین میں ذکر کیا ہے (۲) رھط کا اطلاق دس سے کم مردوں پر ہوتا ہے جن میں کوئی عورت نہ ہو (۳) مسجد نبوی کے سرے پر ایک مسقف چبوترہ تھا جو صفہ کہلاتا تھا یہ ان لوگوں کے لئے تھا جو اسلام لاتے اور گھر بار نہیں رکھتے تھے اور دین کا علم حاصل کرتے تھے ——— (۴) تعلیق دوم ایک طویل حدیث کے اجزاء سے ہیں۔ جسے مصنف نے باب السمر مع الضیف والاہل میں ذکر کیا ہے۔

حضرت عبد الرحمن: یہ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ کے سب سے بڑے صاحبزادے ہیں۔ جنگ بدر میں کفار کی

خلافت میں مسلمان ہوئے۔ اور جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے ساتھ ہجرت کی۔ حدیبیہ کے سال مشرف باسلام ہوئے۔ اور ہجرت کر کے مدینہ آئے۔ یہ بڑے بہادر اور اعلیٰ درجہ کے تیر انداز تھے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد بہترین مسلمان ہوئے۔ آپ نے ۲۸۰ حدیثیں مروی کی ہیں۔ بخاری میں ۳ ہیں۔ جناب عائشہ صدیقہ و حفصہ وغیرہ نے آپ سے حدیثیں روایت کیں۔ سنہ ۷۳ھ میں وصال فرمایا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

اَنَّهٗ كَانَ يَنَامُ وَهُوَ شَابٌّ عَزَبٌ لَا اَهْلَ لَهٗ فِیْ مَسْجِدِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (بخاری)	حضرت عبداللہ بن عمر جوان تھے اور مجرد۔ ان کے بیوی بچے نہ تھے۔ وہ مسجد نبوی میں سوتے تھے۔

فوائد و مسائل اس حدیث کو امام نے باب فضل قیام اللیل میں اور مسلم و نسائی نے صلوٰۃ میں ذکر کیا۔ اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔ اس کے بعد امام نے ایک اور حدیث لکھی ہے جس کے ابتدائی جملوں کا ترجمہ یہ ہے:۔ ———— حضرت سہل بن سعد سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی صاحبزادی جناب فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر تشریف لائے تو حضرت علی کو گھر میں نہ پایا۔ آپ نے حضرت فاطمہ سے پوچھا تمہارے چچا کا بیٹا کہاں ہے؟ حضرت فاطمہ نے جواب دیا۔

كَانَ بَيْنِيْ وَبَيْنَهٗ شَيْءٌ فَغَاضَبَنِيْ فَخَرَجَ فَلَمْ يَقِلْ عِنْدِيْ (بخاری)	کہ میرے اور حضرت علی کے درمیان کچھ بات ہو گئی۔ اور وہ مجھ پر غصہ ہوئے اور یہاں نہیں سوئے۔

حضور علیہ السلام نے کسی سے فرمایا دیکھو حضرت علی کہاں سوئے ہیں۔ اس نے آ کر کہا مسجد میں۔ پس حضور علیہ السلام مسجد میں تشریف لے گئے تو حضرت علی لیٹے ہوئے تھے۔ ایک طرف سے ان کی چادر کھسک گئی تھی اور جسم پر مٹی لگ گئی تھی۔

فَجَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُهٗ وَيَقُوْلُ قُمْ اَبَا تُرَابٍ قُمْ اَبَا تُرَابٍ (بخاری)	تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے جسم سے مٹی صاف کرنے لگے۔ فرماتے تھے اٹھو ابو تراب! اٹھو ابو تراب!

فوائد و مسائل اس حدیث کو امام نے استیذان اور فضل علی میں بھی ذکر کیا اور مسلم نے فضائل میں ذکر فرمایا۔ حدیث ہذا مسائل ذیل پر مشتمل ہے:۔ (۱) باپ کو اپنی بیٹی کے گھر میں اس کے شوہر کی اجازت کے بغیر جانا جائز ہے (۲) بصورت مسجد میں سونا جائز ہے (۳) کسی کے غضب کو دور کرنے کے لئے کنیت سے پکارنا جائز ہے (۴) کنیت بغیر اولاد جائز ہے (۵) بخاری کتاب الاستیذان کی حدیث میں ہے۔ کہ جناب علی کرم اللہ وجہہ الکریم ابو تراب کنیت کو بہت پسند فرماتے تھے (۶) داماد اگر ناراض ہو جائے تو سسر کو محبت و شفقت سے بات کو سلجھا دینا چاہئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم جناب فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ناراض ہوئے تو حضور علیہ السلام نے بکمال محبت و شفقت ان کی ناراضگی کو دور فرمایا (۷) حضرت علی کی فضیلت ثابت ہوئی کہ حضور آپ پر بے حد شفقت فرماتے تھے۔

حضرت علی و فاطمہ میں شکر رنجی حدیث ہذا سے واضح ہوا۔ کہ بعض اوقات جناب علی مرتضیٰ و فاطمہ زہرا میں شکر رنجی ہو جایا کرتی تھی۔ بلکہ حق الیقین کی روایت سے تو یہ واضح ہوتا ہے کہ بہت بار شدید ناراضگی ہو جاتی تھی۔ ظاہر ہے کہ ناراضگی بغیر ایذاء کے نہیں ہو سکتی ———— حدیث ہذا کے اس پہلو پر اگر آپ دیانتداری سے غور کریں۔ تو یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اگر بخاری میں یہ ہے کہ حضرت فاطمہ حضرت ابو بکر سے ناراض ہو گئیں! تو اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ہے کہ حضرت فاطمہ علی سے بھی ناراض ہو جایا کرتی تھیں۔ پھر اس کے ساتھ اس روایت کو بھی لیجئے۔ جس میں یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: جس نے فاطمہ کو ایذا پہنچائی اس نے مجھے ایذا پہنچائی ———— پھر سنی شیعہ کی بحث ملا کر جو الزام حضرت صدیق اکبر پر لگایا جاتا ہے

یہ حضرت علی پر کوئی الزام عائد نہیں ہوگا ——— اس کے بعد امام نے ایک حدیث ذکر کی ہے۔ جس کا مضمون یہ ہے۔ اہل صفہ ستر نفر تھے۔ جن کی غربت کا یہ عالم تھا کہ کسی کے پاس صرف تہبند تھا چادر نہ تھی۔ یا کمبل تھا جس کو وہ اپنے گردنوں میں لٹکا لیتے اور وہ بھی نصف پنڈلی تک پہنچتے تھے اور بعض کے ٹخنوں تک۔

کیا مسجد میں سونا جائز ہے

ان احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ بضرورت مسجد میں سو سکتا ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اب ہر کوئی مسجد میں ڈیرے ہی جما دے۔ اور اسے گھروں کی طرح استعمال کرنا شروع کر دے۔ مسجد میں اگر بضرورت رہنا پڑ جائے تو اس کے آداب کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے ——— فقہاء احناف نے تصریح کی ہے کہ معتکف اور پردیسی کے سوا کسی کو مسجد میں کھانا پینا، سونا جائز نہیں البتہ جب کھانے پینے وغیرہ کا ارادہ ہو تو اعتکاف کی نیت کر لے۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد میں سونے کو مکروہ قرار دیتے ہیں۔ حضرت امام مالک نے فرمایا میں یہ پسند نہیں کرتا کہ جس کا گھر بار ہو وہ مسجد میں سوئے (عینی ج ۲ ص ۳۸۱)

بَابُ الصَّلٰوۃِ اِذَا قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ

باب جب سفر سے واپس آئے تو نفل پڑھنے کے بیان میں

٤١١. وَقَالَ كَعْبُ بْنُ مَالِكٍ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ بَدَأَ بِالْمَسْجِدِ فَصَلّٰى فِيْهِ

کعب بن مالک نے کہا۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر سے واپس تشریف لاتے۔ تو پہلے مسجد میں جا کر نفل پڑھتے۔

٤١٢. عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ قَالَ مِسْعَرٌ اُرَاهُ قَالَ ضُحًى فَقَالَ صَلِّ رَكْعَتَيْنِ وَكَانَ لِيْ عَلَيْهِ دَيْنٌ فَقَضَانِيْ وَزَادَنِيْ (بخاری)

حضرت جابر بن عبد اللہ فرماتے ہیں۔ میں حضور کی خدمت میں حاضر ہوا اور حضور علیہ السلام مسجد میں جلوہ فرما تھے۔ مسعر نے کہا میرا خیال ہے کہ جابر نے کہا کہ چاشت کے وقت آپ نے فرمایا دو رکعت پڑھ لو اور میرا کچھ قرض حضور پر تھا آپ نے وہ ادا کیا اور زیادہ دیا۔

فوائد و مسائل

تعلیق مذکور کو امام نے مسند مفصلاً تبوک میں ذکر کیا ہے۔ جو ایک طویل حدیث ہے۔ جس کا مضمون ہے کہ جب حضور علیہ السلام سفر سے واپس آتے تو سب سے پہلے مسجد میں جا کر دو رکعت نفل ادا فرماتے ——— اور تحقیق ما میں ایک حدیث کا خلاصہ ہے جسے امام نے کتاب البیوع میں مکمل درج کیا ہے۔ اس حدیث کو امام نے تقریباً بیس مقامات پر کہیں مطول میں مختصر کہیں معنی کہیں مطول ذکر کیا ہے۔ مطول میں یہ تصریح ہے کہ حضرت جابر سفر سے واپس آئے تھے۔ اور حضور علیہ السلام نے ان سے دو رکعت نفل پڑھنے کو کہا تھا ——— حضرت جابر سے حضور علیہ السلام نے ایک غزوہ میں اونٹ خریدا تھا حضور علیہ السلام مدینہ شریف پہلے آ گئے اور حضرت جابر بعد میں پہنچے اس وقت حضور نے انہیں دو رکعت نفل پڑھنے کو فرمایا پھر آپ نے انہیں اونٹ بھی واپس دے دیا اور اونٹ کی قیمت سے زیادہ مال بھی انہیں عطا فرمایا ——— اس سے معلوم ہوا کہ اگر مقروض اپنی مرضی سے بغیر شرط کئے قرض کی مقدار سے زیادہ دے دے تو جائز ہے۔

بَابُ اِذَا دَخَلَ اَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ اَنْ يَجْلِسَ

باب۔ جو کوئی تم میں سے مسجد میں آئے تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعت پڑھے

عَنْ اَبِيْ قَتَادَةَ السَّلَمِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ

ابی قتادہ سلمی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يَجْلِسَ (بخاری)

نے فرمایا کہ تم میں سے جو مسجد میں داخل ہو بیٹھنے سے پہلے دو رکعت پڑھے۔

تحیۃ المسجد کے مسائل جو شخص مسجد میں آئے اسے دو رکعت نماز پڑھنا سنت ہے۔ بہتر ہے کہ بیٹھنے سے پہلے پڑھ لے۔ اور اگر بیٹھ گیا تو ساقط نہ ہوئی اب پڑھے (۲) ایسے وقت مسجد میں آیا جس میں نفل نماز مکروہ ہے مثلاً بعد طلوع فجر یا بعد نماز عصر وہ تحیۃ المسجد نہ پڑھے بلکہ تسبیح و تہلیل و درود شریف میں مشغول ہو حق مسجد ادا ہو جائے گا۔

بَابُ الْحَدَثِ فِي الْمَسْجِدِ

باب مسجد میں حدث ہونے کے متعلق

مقصود عنوان یہ بتانا ہے کہ بے وضو آدمی مسجد میں آسکتا ہے۔ اور حدث سے حدث اصغر یعنی بے وضو ہونا مراد ہے کہ صحابہ و تابعین بھی بے وضو مسجد میں آنے جانے اور بیٹھنے کے جواز کے قائل ہیں۔ البتہ با وضو مسجد میں آنا افضل ہے اور ابن المسیب حسن بصری فرماتے ہیں بے وضو مسجد میں نہ آئے۔

عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ الْمَلَائِكَةَ تُصَلِّي عَلَى أَحَدِكُمْ مَا دَامَ فِي مُصَلَّاهُ الَّذِي صَلَّى فِيهِ مَا لَمْ يُحْدِثْ تَقُولُ اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ اللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ (بخاری)

ابو الزناد اعرج سے وہ حضرت ابو ہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک نمازی اپنے مصلے پر ہوتا ہے جب تک اس کو حدث نہ ہو فرشتے اس کے لئے دعا کرتے رہتے ہیں۔ فرشتے دعا کرتے ہیں کہ الٰہی اس کو بخش دے اس پر رحم فرما۔

فوائد و مسائل اس حدیث کو امام نے کتاب الصلوٰۃ میں اور مسلم نسائی، ابو داؤد نے بھی کتاب الصلوٰۃ میں ذکر کیا ہے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ (۱) مسجد میں نماز پڑھنے کے بعد مصلیٰ پر بیٹھے رہنے والے کے لئے فرشتے دعا کرتے ہیں۔ ابن بطال نے فرمایا: کہ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کے گناہ آسانی سے معاف ہو جائیں۔ وہ نماز پڑھنے کے بعد مصلیٰ پر بیٹھ کر ذکر و وظائف میں مشغول رہے تاکہ فرشتوں کی دعاء استغفار سے اس کے گناہ معاف ہوں (۲)، حالت حدث کے لفظ سے معلوم ہوا کہ مسجد میں بے وضو ہو جانا کوئی جرم نہیں ہے۔

بَابُ بُنْيَانِ الْمَسْجِدِ

باب مسجد بنانے کے متعلق

(۱) وَقَالَ أَبُو سَعِيدٍ كَانَ سَقْفُ الْمَسْجِدِ مِنْ جَرِيدِ النَّخْلِ

(۱) اور ابو سعید نے کہا۔ مسجد نبوی کی چھت کھجور کی شاخوں کی تھی۔

(۲) وَأَمَرَ عُمَرُ بِبِنَاءِ الْمَسْجِدِ وَقَالَ أَكِنَّ النَّاسَ مِنَ الْمَطَرِ وَإِيَّاكَ أَنْ تُحَمِّرَ أَوْ تُصَفِّرَ فَتَفْتِنَ النَّاسَ

(۲) اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو بنانے کا حکم دیا۔ اور فرمایا میں لوگوں کو بارش سے بچانا چاہتا ہوں۔

(۳) وَقَالَ أَنَسٌ يَتَبَاهَوْنَ بِهَا ثُمَّ لَا يَعْمُرُونَهَا إِلَّا قَلِيلًا

(۳) اور حضرت انس نے فرمایا۔ لوگ مسجدوں پر فخر کریں گے مگر ان کو آباد کم رکھیں گے۔

(۴) وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَتُزَخْرِفُنَّهَا كَمَا زَخْرَفَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى۔

(۴) حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ تم لوگ مسجدوں کی ایسی آراستہ کرو گے جیسے یہود و نصاریٰ نے اپنے گرجوں کو آراستہ کیا

۵۰۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ اَخْبَرَہٗ اَنَّ الْمَسْجِدَ کَانَ عَلٰی عَھْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَبْنِیًّا بِاللَّبِنِ وَسَقْفُہُ الْجَرِیْدُ وَعَمَدُہٗ خَشَبُ النَّخْلِ فَلَمْ یَزِدْ فِیْہِ اَبُوْ بَکْرٍ شَیْئًا وَزَادَ فِیْہِ عُمَرُ وَبَنَاہُ عَلٰی بُنْیَانِہٖ فِیْ عَھْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِاللَّبِنِ وَالْجَرِیْدِ وَاَعَادَ عَمَدَہٗ خَشَبًا ثُمَّ غَیَّرَہٗ عُثْمَانُ فَزَادَ فِیْہِ زِیَادَۃً کَثِیْرَۃً وَّبَنٰی جِدَارَہٗ بِالْحِجَارَۃِ الْمَنْقُوْشَۃِ وَالْقَصَّۃِ وَجَعَلَ عَمَدَہٗ مِنْ حِجَارَۃٍ مَّنْقُوْشَۃٍ وَّسَقَفَہٗ بِالسَّاجِ (بخاری)

(۵۰) حضرت عبد اللہ بن عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک میں مسجد نبوی کچی اینٹوں سے بنی ہوئی تھی۔ اس کی چھت کھجور کی شاخوں اور ستون کھجور کی لکڑیوں کے تھے۔ پھر حضرت ابو بکر نے اپنے خلافت میں کچھ زیادہ نہیں کیا اور حضرت عمر نے اپنے عہد میں مسجد میں توسیع کی لیکن ساز و سامان وہی رکھا جو عہد نبوی میں تھا یعنی کچی اینٹ اور کھجور کی شاخیں اور ستون بھی کھجور کی لکڑی کے کام کئے۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد میں کافی توسیع کی۔ اور اس کی دیواریں منقش پتھر اور چونے کی بنوائیں اور ستون بھی منقش پتھر کے گڑوائے۔ اور چھت ساگوان کی لکڑی سے بنائی۔

فوائد و مسائل (۱) ابتداء میں مسجد نبوی کچی اینٹوں کی بنی ہوئی تھی۔ اس کے ستون کھجور کی لکڑیوں کے اور چھت کھجور کے پتوں اور شاخوں کی تھی۔ یہ صورت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد تک رہی۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں طول و عرض میں زیادتی کی۔ مگر اس کے ساز و سامان میں کوئی تبدیلی نہ فرمائی ——— حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کر توسیع فرمائی اور اس کی آرائش کی طرف بھی توجہ دی۔ آپ نے کچی اینٹوں کی جگہ منقش پتھر لگائے اور کھجور کی شاخوں کی بجائے چھت ساگوان کی لکڑی سے بنوائی ——— (۲) ان احادیث سے واضح ہوا کہ مسجد کا اصل مقصد اور اس کی حقیقی آبادی یہ ہے کہ نماز باجماعت اذان وغیرہ کا سنت کے مطابق انتظام و اہتمام کیا جائے اور ذکر الٰہی سے مسجدیں گونج رہیں ——— یہ نہ ہو کہ ان کی تو تعمیر و آرائش تو خوب کی جائے مگر وہاں نماز پڑھنے اور اللہ کو یاد کرنے والا کوئی نہ ہو ——— (۳) بہ نیت تعظیم مسجد کی زیب و زینت اور اس کی دیوار میں نقش و نگار اور سونے کا پانی پھیرنا منع نہیں۔ مگر دیوار قبلہ میں نقش و نگار مکروہ ہے۔ یہ حکم اس وقت ہے۔ جبکہ کوئی اپنے ذاتی مال سے نقش کرے اور مال وقف سے نقش و نگار حرام ہے۔

بَابُ التَّعَاوُنِ فِیْ بِنَاءِ الْمَسْجِدِ وَقَوْلِ اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ مَا کَانَ لِلْمُشْرِکِیْنَ اَنْ یَّعْمُرُوْا مَسَاجِدَ اللّٰہِ (بخاری)

باب مسجد کی تعمیر میں تعاون کے متعلق اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ مشرکوں کا یہ کام نہیں کہ اللہ کی مسجدیں آباد کریں۔

یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جبکہ جنگ بدر میں حضرت عباس قید ہوئے اور حضرت علی و دیگر صحابہ نے ان کو کفر و شرک پر ملامت کی۔ اس پر حضرت عباس نے کہا تم ہماری برائیاں ہی کو دیکھو، ہم مسجد حرام کو آباد رکھتے ہیں۔ کعبہ پر غلاف ڈالتے ہیں حاجیوں کو پانی پلاتے ہیں۔ اس پر یہ آیہ مبارکہ نازل ہوئی۔ جس میں یہ بتایا گیا کہ کفر و شرک کے ہوتے ہوئے یہ اعمال باعث اجر و ثواب نہیں ہو سکتے۔ اور مشرکوں اور کافروں کو مسجد کی تعمیر اور اس کو آباد کرنے کا حق نہیں ہے۔ یہ کام تو صرف اور صرف مسلمانوں کا ہے اور انہیں کے لئے اجر و ثواب بھی ہے ——— امام بخاری نے اس آیت سے یہ واضح کیا ہے کہ مساجد

کہ تعمیر اور اس کی آبادی کے اہل صرف مسلمان ہیں۔ لہٰذا مسلمانوں کو اپنا یہ فرض کما حقہ ادا کرنا چاہیئے۔

اس کے بعد امام نے ایک حدیث لکھی ہے جس کے ابتدائی جملوں کا ترجمہ ہے :۔ حضرت عکرمہ کہتے ہیں۔ کہ حضرت عباس نے مجھ سے اور اپنے صاحبزادہ علی سے کہا تم دونوں ابو سعید کے پاس جاؤ اور ان سے حدیثیں سنو۔ ہم دونوں ان کے گئے دیکھا کہ وہ اپنے باغ کو درست کر رہے تھے۔ انہوں نے اپنی چادر لی اور گوٹ مار کر بیٹھ گئے پھر حدیث بیان کی۔ یہاں تک کہ مسجد نبوی کے بنانے کا ذکر آیا تو کہنے لگے۔

فَقَالَ كُنَّا نَحْمِلُ لَبِنَةً لَبِنَةً وَعَمَّارٌ لَبِنَتَيْنِ لَبِنَتَيْنِ فَرَآهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَعَلَ يَنْفُضُ التُّرَابَ عَنْهُ وَيَقُوْلُ وَيْحَ عَمَّارٍ تَقْتُلُهُ الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ يَدْعُوْهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ وَيَدْعُوْنَهُ إِلَى النَّارِ قَالَ يَقُوْلُ عَمَّارٌ أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْفِتَنِ (بخاری)

کہ مسجد بناتے وقت ہم ایک ایک اینٹ اٹھا رہے تھے۔ اور حضرت عمار دو دو اینٹیں اٹھا رہے تھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھا تو ان سے مٹی جھاڑنے لگے اور فرمایا افسوس عمار کو باغی گروہ قتل کرے گا یہ انہیں جنت کی طرف بلائے گا اور وہ اس کو جہنم کی طرف بلائیں گے۔ ابو سعید نے کہا عمار کہا کرتے تھے الٰہی میں فتنوں سے پناہ مانگتا ہوں۔

فوائد و مسائل اس حدیث کو امام نے کتاب الجہاد میں بھی ذکر کیا —— یہ حدیث مسائل ذیل پر مشتمل ہے :۔
(۱) مسجد کی تعمیر میں تعاون کرنا بہترین عمل ہے۔ کیونکہ یہ کام ایسا ہے۔ جس کا اجر و ثواب مرنے کے بعد بھی جاری رہتا ہے۔ (۲) علم کی بات اپنے سے کم رتبہ والے شخص سے بھی حاصل کر لینی چاہیئے (۳) عمار بن یاسر جلیل القدر صحابی اور جاں نثار رسول ہیں آپ کے متعلق حضور علیہ السلام نے جو پیشینگوئی فرمائی وہ حضور اکرم کا معجزہ ہے اور حضور کے علم وسیع کی دلیل کہ جیسے آپ نے فرمایا ویسے ہی ہوا۔ (۴) اس حدیث سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی فضیلت ثابت ہوتی ہے کہ جنگ صفین میں وہ حق پر تھے اور جناب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے خطائے اجتہادی واقع ہوئی تھی (۵) فتنوں سے پناہ مانگنا جائز ہے۔

بَابُ الْإِسْتِعَانَةِ بِالنَّجَّارِ وَالصُّنَّاعِ فِي أَعْوَادِ الْمِنْبَرِ وَالْمَسْجِدِ

باب: بڑھئی اور معمار سے مسجد اور منبر بنانے میں مدد لینا۔

(۱) عَنْ سَهْلٍ قَالَ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى امْرَأَةٍ مُرِي غُلَامَكِ النَّجَّارَ يَعْمَلْ لِي أَعْوَادًا أَجْلِسُ عَلَيْهِنَّ (بخاری)

(۱) حضرت سہل سے ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کو حکم سے کہلا بھیجا کہ وہ اپنے غلام بڑھئی کو حکم کرے کہ میرے بیٹھنے کے لئے منبر بنا دے۔

(۲) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ أَنَّ امْرَأَةً قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَلَا أَجْعَلُ لَكَ شَيْئًا تَقْعُدُ عَلَيْهِ فَإِنَّ لِي غُلَامًا نَجَّارًا قَالَ إِنْ شِئْتِ فَعَمِلَتِ الْمِنْبَرَ (بخاری)

(۲) حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ایک عورت نے عرض کی یا رسول اللہ میں آپ کے لئے ایک چیز (منبر) بنا دوں جس پر آپ بوقت خطبہ بیٹھیں کیونکہ میرا غلام بڑھئی ہے حضور نے فرمایا اگر چاہو تو بنا دو۔ پھر اس نے آپ کے لئے منبر بنا دیا۔

فوائد و مسائل حدیث اول کو امام نے صلوٰۃ میں اور مسلم و ابو داؤد و نسائی و ابن ماجہ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا اور حدیث دوم کو امام نے کتاب البیوع میں اور باب علامۃ النبوۃ میں ذکر کیا —— الخ

حدیثوں میں تضاد نہیں ہے۔ ہوا یہ تھا کہ عائشہ نامی عورت نے آپ کے لئے منبر بنانے کا وعدہ کیا تھا جب اس نے وعدہ پورا کرنے میں دیر کی تو حضور علیہ السلام نے اس کو وعدہ یاد دلایا —— حدیث ہذا حسب ذیل مسائل پر مشتمل ہے۔
(۱) بے مانگے کوئی چیز ملے تو اس کے قبول کرنے میں حرج نہیں (۲) بزرگوں کی خدمت کرنا باعث اجر و ثواب ہے (۳) وعدہ پورا نہ کرنے والے سے مطالبہ کرنا جائز ہے۔

بَابُ مَنْ بَنٰى مَسْجِدًا

اَنَّهٗ سَمِعَ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُوْلُ عِنْدَ قَوْلِ النَّاسِ فِيْهِ حِيْنَ بَنٰى مَسْجِدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّكُمْ اَكْثَرْتُمْ وَاِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ بَنٰى مَسْجِدًا يَبْتَغِيْ بِهٖ وَجْهَ اللّٰهِ بَنَى اللّٰهُ لَهٗ مِثْلَهٗ فِي الْجَنَّةِ (بخاری)

باب مسجد بنانے کے ثواب میں

عبیداللہ خولانی کا بیان ہے کہ انہوں نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا جب انہوں نے مسجد نبوی دوبارہ بنائی (یعنی جب پتھروں سے منقش تعمیر ہونے سے مسجد بنوائی) اور لوگوں نے اس معاملہ میں باتیں کیں۔ تو حضرت عثمان نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ نے فرمایا: جو مسجد بنائے خالص اللہ کی رضا کے لئے اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں ویسا ہی گھر بنائے گا۔

فوائد و مسائل اس حدیث کو مسلم و ترمذی و ابن ماجہ نے کتاب الصلوٰۃ میں ذکر کیا —— حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب مسجد نبوی کو منقش پتھروں اور چونے سے بنوایا۔ تو بعض صحابہ نے ان کے اس فعل پر اعتراض کیا۔ ان کا موقف یہ تھا کہ جیسے یہ مسجد زمانہ نبوی میں کچی اینٹوں اور کھجور کی شاخوں سے بنی ہوئی تھی ویسے ہی رہنے دیا جائے۔ جناب عثمان غنی نے ان کو جواب دیا۔ کہ میں نے یہ کام محض رضائے الٰہی کے لئے کیا ہے اور حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ جو جیسی مسجد بنائے اللہ تعالیٰ ویسا ہی مکان اسے جنت میں عطا فرماتا ہے —— اس سے واضح ہو گیا۔ کہ اچھی نیت کے ساتھ مسجد کی آرائش کرنا اور قیمتی سے قیمتی ساز و سامان سے اسے تعمیر کرنا جائز ہے۔

بَابُ يَأْخُذُ بِنُصُوْلِ النَّبْلِ اِذَا مَرَّ فِي الْمَسْجِدِ

يَقُوْلُ مَرَّ رَجُلٌ فِي الْمَسْجِدِ وَمَعَهٗ سِهَامٌ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمْسِكْ بِنِصَالِهَا (بخاری)

باب جب کوئی مسجد میں تیر لے ہوئے آئے تو اس کا پھل ہاتھ میں تھامے رہے

حضرت جابر بن عبداللہ سے ہے کہ ایک شخص مسجد نبوی میں تیر لے کر آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کا پھل تھامے رہ۔

مسلم نے اس حدیث کو کتاب الفتن میں بھی ذکر کیا۔ مسلم نے ادب میں، نسائی نے صلوٰۃ میں اور ابن ماجہ نے ادب میں ذکر کیا —— اس حدیث سے واضح ہوا کہ مسجد میں ہتھیاروں کے ساتھ داخل ہونا جائز ہے۔ مگر جب ہتھیاروں کے ساتھ داخل ہو تو ان کو سنبھال کر رکھے تاکہ کسی مسلمان کو ایذا نہ پہنچے

بَابُ الْمُرُوْرِ فِي الْمَسْجِدِ

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ مَرَّ فِيْ شَيْءٍ مِنْ مَسَاجِدِنَا اَوْ اَسْوَاقِنَا بِنَبْلٍ

باب مسجد میں گزرنے کے متعلق

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو کوئی ہماری مسجدوں یا بازاروں میں تیر لے کر گزرے تو اس کا پھل تھامے رہنا

فَلْيَأْخُذْ عَلَىٰ نِصَالِهَا لَا يَعْقِرْ بِكَفِّهِ مُسْلِمًا (بخاری) | تو ہو کہ کسی مسلمان کو اپنے ہاتھ سے زخمی کرے

اس حدیث کو امام نے فتن میں، مسلم، ابن ماجہ نے ادب میں، امام ابو داؤد نے جہاد میں ذکر کیا ——— اس سے ثابت ہوا کہ مسجد میں سے تیر وغیرہ لے کر گزرنا جائز ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ مسجدوں، بازاروں اور لوگوں کے اجتماع میں کچھ لے کر گزرے تو احتیاط کرے کہ کسی کو ضرر نہ پہنچے۔

بَابُ الشِّعْرِ فِي الْمَسْجِدِ
باب مسجد میں شعر پڑھنے کے متعلق

أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ أَنَّهُ سَمِعَ حَسَّانَ بْنَ ثَابِتٍ الْأَنْصَارِيَّ يَسْتَشْهِدُ أَبَا هُرَيْرَةَ أَنْشُدُكَ اللّٰهَ هَلْ سَمِعْتَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ يَا حَسَّانُ أَجِبْ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ أَيِّدْهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ نَعَمْ (بخاری)

عبد الرحمن بن عوف کے بیٹے ابو سلمہ نے کہا کہ انہوں نے حسان بن ثابت انصاری سے سنا وہ ابوہریرہ کو گواہ بناتے تھے کہتے تھے اے ابوہریرہ میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا تم نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے نہیں سنا کہ اے حسان تم اللہ کے رسول کی طرف سے کفار کو جواب دو۔ الٰہی! روح القدس کے ساتھ اس کی مدد فرما۔ ابوہریرہ نے کہا بے شک ہاں۔

فوائد ومسائل | اس حدیث کو امام نے بدء الخلق، ادب میں، مسلم نے فضائل میں، نسائی نے کتاب الصلوۃ میں ——— حضرت امام نے مسجد میں شعر پڑھنا اور زیر عنوان صرف فی المسجد کا ذکر کیا مگر انہوں نے جو حدیث بدء الخلق میں ذکر کی ہے اس میں فی المسجد کی تصریح کی ہے ——— حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد میں نعتیہ اشعار پڑھ رہے تھے حضرت عمر گزرے تو آپ نے ٹوکا اس پر حضرت حسان نے یہ کہا میں تو حضور علیہ السلام کے سامنے بھی شعر پڑھتا تھا اور پھر حضرت ابوہریرہ سے اس کی شہادت بھی دلوائی۔

حضرت حسان بڑے شاعر اور ادیب تھے۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح وثنا میں اشعار کہتے اور حمایت میں کفار کی ہجو فرماتے۔ ترمذی کی حدیث میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسان کے واسطے مسجد میں منبر بچھواتے تھے وہ اس پر کھڑے ہو کر حضور علیہ السلام کی مدح وثنا کرتے اور کفار کی ہجو فرماتے۔ حضور ان کے متعلق فرماتے ان جبریل معک جبریل تمہارے ساتھ ہیں (ابو داؤد) اور کبھی دعا دیتے اَللّٰهُمَّ أَيِّدْهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ ——— اس حدیث سے واضح ہوا کہ حمد، نعت، منقبت، وعظ پر مشتمل اشعار کا مسجد میں پڑھنا جائز ہے۔ اور یہ کہ حضور علیہ السلام کی مدح وثنا کرنا اور آپ کے دشمنوں کی ہجو کرنا باعث ثواب ہے۔ اور بعض احادیث میں شعر پڑھنے کی ممانعت آئی ہے۔ اس سے مراد وہ شعر ہیں جو فضول اور خلاف شرع مضامین پر مشتمل ہوں۔

بَابُ أَصْحَابِ الْحِرَابِ فِي الْمَسْجِدِ
باب اصحاب حراب کا مسجد میں آنا

اصحاب حراب سے مراد وہ لوگ ہیں جو جنگی مشق کرتے ہیں۔ اور فن حرب کا مظاہرہ کرتے ہیں تاکہ لوگ اس فن کو سیکھیں اور انہیں اس کے حاصل کرنے کا شوق پیدا ہو۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ | حضرت عائشہ فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

جو کہ جب کل مال ادا کر دے تو آزاد ہو جائے گا۔ عقد مکاتبت کی مشروعیت قرآن پاک کی اس آیت سے ہی ثابت ہے:

فکاتبوھم ان علمتم فیہم خیرا

اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ بیع و شراء کے مسائل مسجد کے منبر پر بیٹھ کر بیان کرنا جائز ہے۔ اس حدیث کے بقیہ فوائد و مسائل کتاب العتق میں بیان ہوں گے۔ ان شاء اللہ العزیز

بَابُ التَّقَاضِيْ وَالْمُلَازَمَةِ فِي الْمَسْجِدِ

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ كَعْبٍ أَنَّهُ تَقَاضٰى ابْنَ أَبِيْ حَدْرَدٍ دَيْنًا كَانَ لَهُ عَلَيْهِ فِي الْمَسْجِدِ فَارْتَفَعَتْ أَصْوَاتُهُمَا حَتّٰى سَمِعَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِيْ بَيْتِهِ فَخَرَجَ إِلَيْهِمَا حَتّٰى كَشَفَ سِجْفَ حُجْرَتِهِ فَنَادٰى يَا كَعْبُ قَالَ لَبَّيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ ضَعْ مِنْ دَيْنِكَ هٰذَا وَأَوْمَأَ إِلَيْهِ أَيِ الشَّطْرَ قَالَ لَقَدْ فَعَلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ قُمْ فَاقْضِهِ

باب مسجد میں قرض کا تقاضا کرنا اور قرضدار کا پیچھا کرنے کے متعلق

حضرت کعب بن مالک نے عبداللہ بن ابی حدرد سے مسجد میں اپنے قرض کا تقاضا کیا اور دونوں کی آوازیں بلند ہو گئیں۔ حتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حجرہ میں ان کی آوازیں سنیں۔ آپ باہر نکلے اور حجرہ کا پردہ کھولا اور آواز دی: اے کعب! انہوں نے عرض کی لبیک یا رسول اللہ! فرمایا: ایسا کرو تم اپنے قرض سے نصف معاف کر دو اور آپ نے اشارہ سے یہ فرمایا۔ کعب نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے نصف معاف کر دیا۔ آپ نے ابن حدرد سے فرمایا: جاؤ ان کا قرض ادا کر دو (بخاری)

فوائد و مسائل

امام نے اس حدیث کو صلح اور ملازمۃ میں بھی ذکر کیا اور مسلم نے بیوع میں، ابوداؤد و نسائی نے قضاء میں اور ابن ماجہ نے احکام میں ذکر کیا۔

حدیث ہذا مسائل ذیل پر مشتمل ہے۔ (١) اپنے حق کا مسجد میں مطالبہ کرنا جائز ہے (٢) اگر مطالبہ میں آواز بلند ہو جائے تو حرج نہیں۔ لیکن سخت جھگڑا کرنا اور بلا ضرورت آوازیں بلند کرنا جائز نہیں ہے (٣) اشارہ پر اعتماد کیا جا سکتا ہے جیسا کہ آپ نے حضرت کعب کو اشارہ سے یہ ہدایت کی تھی کہ آدھا قرض معاف کر دو (٤) اچھی بات میں سفارش کرنا جائز ہے (٥) دروازہ پر پردہ ڈالنا جائز ہے۔

فائدہ: (١) بعض احادیث کا مضمون یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: بچوں، مجنونوں کو مسجد میں مت لاؤ، شور بلند کرو اور نہ لڑو جھگڑو۔ علامہ عینی نے لکھا اگرچہ اس مضمون کی احادیث ضعیف ہیں۔ مگر مختلف طرق سے مروی ہونے کی وجہ سے ان میں قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ لہٰذا اس تعامل احادیث کا مطلب یہ ہے کہ جیسے عام مقامات پر لوگ بے تکلف لڑتے جھگڑتے اور شور بلند کرتے ہیں۔ اس طرح مسجد میں نہ کریں۔ مسجد میں اگر مطالبہ کی نوبت آ جائے تو آداب مسجد کا ضرور خیال رکھیں ——— یعنی فحش کلامی، گالی گلوچ تو بہرصورت حرام و ناجائز ہے ——— (٢) قرضدار سے قرض کا تقاضا کرنے کا ذکر تو حدیث میں ہے لیکن اس کو پکڑنے اور پیچھا کرنے کا ذکر اگرچہ اس حدیث میں نہیں مگر امام نے کتاب الصلح میں جو حدیث ذکر کی ہے اس میں پکڑنے کا ذکر ہے امام کا باب میں ملازمۃ کا ذکر کر کے دوسری روایت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ منہ

بَابُ كَنْسِ الْمَسْجِدِ وَالْتِقَاطِ الْخِرَقِ وَالْقَذٰى وَالْعِيْدَانِ

باب مسجد میں جھاڑو دینا اور اس کے چیتھڑے کوڑا کرکٹ اور لکڑیاں چننا

عن ابی ھریرۃ ان رجلا اسود او امراۃ سوداء کان یقم المسجد فمات فسال النبی صلی اللہ علیہ وسلم عنہ فقالوا مات قال افلا کنتم اذنتمونی بہ دلونی علی قبرہ او قال قبرھا فاتی قبرہ فصلی علیھا (بخاری)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک سیاہ فام مرد یا عورت مسجد میں جھاڑو دیا کرتی تھی اس کا انتقال ہو گیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق پوچھا تو صحابہ نے عرض کی اس کا تو انتقال ہو گیا۔ فرمایا تم نے مجھے اطلاع کیوں نہ دی۔ اچھا مجھے اس کی قبر بتاؤ آپ اس کی قبر پر تشریف لے گئے اور اس کی نماز جنازہ پڑھی۔

مسائل اس حدیث کو امام نے صلوٰۃ اور جنائز میں ذکر کیا۔ اور مسلم، ابوداؤد و ابن ماجہ نے جنائز میں ذکر کیا ———

اگرچہ اس حدیث میں راوی کو شک ہے کہ وہ جھاڑو دینے والا مرد تھا یا عورت۔ لیکن ابن خزیمہ و بیہقی کی روایت میں ہے کہ وہ ایک خاتون تھیں ان کا نام ام محجن تھا رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

مسائل حدیث یہ ہیں، مسجد میں جھاڑو دینا، اس کو پاک و صاف رکھنا اور ہر گندی چیز وہاں سے الگ کرنا حدیث کا یہ ثواب ہے کہ حدیث میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے اس عورت کو جنت میں ملاحظہ فرمایا۔ علامہ ابن بطال علیہ الرحمۃ نے فرمایا سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دفن کے بعد اس کی نماز جنازہ اس لئے پڑھی تاکہ لوگوں کو مسجد کی صفائی کی طرف توجہ دلائی جائے کہ مسجد کو صاف کرنا باعث ثواب کا کام ہے۔

(۲) خادم دوست کا حال پوچھنا اور اس کے لئے دعا کرنا مطلوب و محبوب ہے (۳) صالح آدمی سے نماز جنازہ پڑھوانا (۴) صالح آدمی کے جنازہ میں شریک ہونا باعث سعادت ہے (۵) حضرت ابو موسیٰ، ابن عمر، ابن مسعود … امام شافعی و احمد و اسحاق رحمہم اللہ تعالیٰ قبر پر جنازہ کو جائز قرار دیتے ہیں۔ تمہید میں حضرت ابو عمر نے … کہ حضرت امام مالک بھی جواز کے قائل ہیں اور سات صورتوں سے قبر پر نماز جنازہ کا ثبوت ملتا ہے لیکن علامہ نووی … کہ حضرت امام مالک سے جواز ثابت نہیں ——— احناف کے نزدیک مسئلہ یہ ہے کہ اگر میت کو بغیر نماز پڑھے … مٹی بھی دے دی گئی تو اب اس کی قبر پر نماز پڑھیں جب تک نعش کے پھٹنے کا گمان نہ ہو۔ اسی طرح اگر ولی کے سوا کسی اور … جو ولی پر مقدم نہ تھا اور ولی نے اسے اجازت بھی نہ دی تو اگر ولی نماز میں شریک نہ تھا تو نماز کا اعادہ کر سکتا ہے اور اگر … گیا تو قبر پر نماز پڑھ سکتا ہے ——— حدیث زیر بحث میں بھی یہی صورت ہے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم امت کے ولی تھے حضور علیہ السلام پر کوئی اور مقدم بھی نہ تھا حضور اکرم سے اجازت بھی نہیں لی گئی اس لئے حضور علیہ السلام نے دوبارہ نماز جنازہ پڑھی۔ فافہم

باب تحریم تجارۃ الخمر فی المسجد

عن عائشۃ قالت لما انزلت الآیات من سورۃ البقرۃ فی الربوا خرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی المسجد فقراھن علی الناس ثم حرم تجارۃ الخمر (بخاری)

باب مسجد میں کھڑے ہو کر شراب کی تجارت وغیرہ کے احکام بتانا

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں جب سورۂ بقرہ کی وہ آیت جس میں سود کی حرمت کا بیان ہے نازل ہوئی تو حضور علیہ السلام مسجد میں تشریف لائے۔ اور آپ نے لوگوں کو یہ آیت سنائی اور شراب کی تجارت کو حرام فرمایا

حضور علیہ السلام نے اس جگہ مسجد میں باندھنے کا ارادہ فرمایا تو اس سے واضح ہوا کہ قیدی کو مسجد میں باندھ دینا جائز ہے۔ متوحش کو بھی پر قیاس کر لیا کہ وہ بھی قرضخواہ کا ایک طرح قیدی ہی ہوتا ہے ۔۔۔۔۔۔۔ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ جنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مسخر ہیں۔ اور یہ حضور علیہ السلام کے قول و عمل و بدن میں کسی قسم کا تصرف نہیں کر سکتے (۲) جن بھی اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق ہیں اور قرآن مجید میں یہ تصریح ہے یہ آگ سے پیدا کئے گئے (۳) جن کو بیشتر ریو لوگ عفریت کہتے ہیں۔

بَابُ الْاِغْتِسَالِ اِذَا اَسْلَمَ وَرَبْطِ الْاَسِيْرِ اَيْضًا فِي الْمَسْجِدِ وَكَانَ شُرَيْحٌ يَاْمُرُ الْغَرِيْمَ اَنْ يُّحْبَسَ اِلٰى سَارِيَةِ الْمَسْجِدِ (بخاری)	باب مسلمان ہونے کے وقت غسل کرنے اور قیدی کو مسجد میں باندھنے کے متعلق ۔۔۔۔۔۔ اور قاضی شریح قرضدار کو مسجد کے ستون کے پاس قید کرنے کا حکم دیتے

شرح یہ حدیث کندی حضور علیہ السلام کے زمانہ میں پیدا ہو گئے تھے مگر حضور سے ملاقات نہ ہو سکی جلیل القدر تابعی ہیں۔ حضرت عمر و عثمان کے زمانہ خلافت سے ساٹھ برس تک کوفہ کے قاضی رہے۔ حضرت شریح کا نام بھی اسی سلسلہ کا ہے۔ (وفات) تقریباً اٹھتر سال کی عمر میں ہوئی۔ اس کا مضمون یہ ہے کہ حضرت شریح جب کسی پر ڈگری کرتے تو مسجد میں اسے قید رکھنے کا حکم دیتے۔ مگر وہ حق ادا کر دیتا تو اسے چھوڑ دیتے ورنہ جیل خانہ بھیج دیتے۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ مسجد میں کوئی مقدمہ احکام شریعت سنانا اور شریعت کے مطابق فیصلے کرنا جائز ہے کیونکہ یہ عبادت ہے۔
۔۔۔۔۔ اور یہ بھی کہ قاضی وقت حسب ضرورت کسی ملزم کو مسجد میں قید بھی کر سکتا ہے اور چونکہ اس زمانہ میں مساجد میں عدالتیں قائم تھیں۔ سیاسی کارگزاری تھا ۔۔۔۔۔۔ زمانہ نبوی میں بھی مسجد میں احکام شرع سنائے جاتے اور فیصلے کئے جاتے تھے ۔۔۔۔۔۔
امام نے ایک حدیث لکھی ہے جس کے ابتدائی جملوں کا ترجمہ یہ ہے: حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ سوار نجد کی طرف بھیجے۔ وہ بنو حنیفہ کے ایک شخص کو پکڑ لائے جس کا نام ثمامہ بن اثال تھا

فَرَبَطُوْهُ بِسَارِيَةٍ مِّنْ سَوَارِي الْمَسْجِدِ فَخَرَجَ اِلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَطْلِقُوْا ثُمَامَةَ فَانْطَلَقَ اِلٰى نَخْلٍ قَرِيْبٍ مِّنَ الْمَسْجِدِ فَاغْتَسَلَ ثُمَّ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَقَالَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ (بخاری)	اس کو مسجد کے ایک ستون سے باندھ دیا پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس تشریف لائے حکم دیا ثمامہ کو آزاد کر دو۔ پھر ثمامہ مسجد کے قریب کھجور کے درختوں کے قریب گئے غسل کیا اور پھر مسجد میں آکر کلمہ پڑھ لیا

مسائل (۱) اس حدیث کو امام نے صلوٰۃ، اشخاص اور مغازی میں۔ مسلم نے مغازی میں، ابو داؤد نے جہاد میں اور نسائی نے طہارت میں ذکر کیا (۲) یہ واقعہ محرم الحرام ۶ھ کا ہے۔ حضور نے تیس سوار محمد بن مسلمہ کی امارت میں بھیجے تھے۔ ثمامہ کو مسجد کے ستون سے باندھ دیا گیا۔ ابن اسحاق نے مغازی میں تصریح کی ہے کہ تین دن تک بندھے رہے۔ پھر حضور علیہ السلام نے محسوس کیا کہ یہ اسلام لے آئیں گے۔ چنانچہ ان کو آزاد کرنے کا حکم دیا۔ ابن خزیمہ اور ابو نعیم کی روایات میں ہے کہ حضور اکرم نے ثمامہ کو ابو طلحہ کے باغ میں غسل کرنے کا حکم دیا اور اس کے سر پر ڈال دیا گیا انہوں نے دو رکعت نماز پڑھی اور اسلام قبول کر لیا۔ (عینی ج ۲ ص ۲۴۱)

اس حدیث سے واضح ہوا کہ (۱) کسی کو وقتی طور پر مسجد میں قید کرنا جائز ہے (۲) اسلام لاتے وقت غسل کرنا مستحب ہے

بَابُ الْخَيْمَةِ فِي الْمَسْجِدِ لِلْمَرْضٰى وَغَيْرِهِمْ

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ أُصِيْبَ سَعْدٌ يَوْمَ الْخَنْدَقِ فِي الْأَكْحَلِ فَضَرَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْمَةً فِي الْمَسْجِدِ لِيَعُوْدَهُ مِنْ قَرِيْبٍ فَلَمْ يَرُعْهُمْ وَفِي الْمَسْجِدِ خَيْمَةٌ مِنْ بَنِيْ غِفَارٍ إِلَّا الدَّمُ يَسِيْلُ إِلَيْهِمْ فَقَالُوْا يَا أَهْلَ الْخَيْمَةِ مَا هٰذَا الَّذِيْ يَأْتِيْنَا مِنْ قِبَلِكُمْ فَإِذَا سَعْدٌ يَغْذُوْ جُرْحُهُ دَمًا فَمَاتَ مِنْهَا (بخاری)

باب مسجد میں مریض وغیرہ کے لئے خیمہ لگانا

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ سعد بن معاذ کو خندق کے دن رگ اکحل میں تیر لگا۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں ایک خیمہ لگا کر اس میں انہیں رکھا تاکہ نزدیک سے ان کی عیادت کر لیا کریں پھر لوگوں کو اس وقت تشویش ہوئی جبکہ بنی غفار کے خیمہ کی طرف جو مسجد ہی میں تھا خون بہ بہکر آنے لگا ہو۔ تو کہا اے اہل خیمہ یہ کیا ہے کر دیکھا تو حضرت سعد کے زخم سے خون بہ رہا تھا اسی زخم کی وجہ سے ان کا وصال ہوا

فوائد و مسائل علما نے اس حدیث کو صلوٰۃ، مغازی، ہجرت میں اور مسلم نے مغازی میں۔ اور ابو داؤد نے جنائز اور نسائی نے صلوٰۃ میں ذکر کیا ——— اکحل بروزن افعل ایک رگ ہے عرق الحیاۃ و نہر بھی کہتے ہیں۔ انسان کے ہر عضو میں اس کی شاخ ہوتی ہے۔ ران میں جو شاخ ہے اسے عرق النساء کہتے ہیں اور ہاتھ کی کلائی میں ہے اسے اکحل کہتے ہیں۔ اس کے کٹ جانے کے بعد عموماً خون بند نہیں ہوتا ہے حتیٰ کہ ہلاک ہو جاتا ہے (عینی جلد ۲ صفحہ ۲۴۴)۔

حضرت سعد بن معاذ انصاری جلیل القدر اکابر و اخیار صحابہ سے ہیں۔ قبیلہ اوس کے سردار تھے۔ مدینہ میں عقبہ ثانیہ اور ثالثہ کے درمیان اسلام لائے۔ انہیں کی وجہ سے بنی عبد الاشہل اور ان کے خاندان والے سب مسلمان ہوئے۔ انصار کے خاندانوں میں یہ پہلا خاندان تھا جس نے اسلام قبول کیا۔ حضور علیہ السلام نے انہیں سید الانصار کا لقب دیا۔ غزوۂ بدر و احد میں شریک ہوئے اور جانفروشی کے ساتھ لڑے۔ جنگ خندق میں کلائی پر تیر لگا خون بند نہ ہو سکا۔ ایک ماہ بعد ۳۷ سال کی عمر میں وصال فرمایا۔ جنت البقیع میں دفن ہوئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کے لئے عرش الٰہی لرز گیا، ان کے جنازہ میں ستر ہزار فرشتے شریک ہوئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

واضح ہو کہ حضور علیہ السلام کی عادت کریمہ یہ تھی کہ آپ سفر میں جہاں قیام کرتے وہاں ایک جگہ نماز پڑھنے کے لئے مخصوص فرما لیتے تھے۔ اس جگہ کو بھی اصحاب سیر مسجد ہی سے موسوم کرتے ہیں۔ اگرچہ وہ مسجد فقہی نہیں ہوتی ہے۔ یہ غزوہ احزاب کا ہے جس میں مدینہ سے باہر نکل کر خندق کھودی گئی تھی۔ اور تقریباً ایک ماہ تک محاصرہ جاری رہا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس کے لئے حضور علیہ السلام نے وہاں بھی کوئی جگہ نماز کے لئے مقرر فرمائی تھی۔ اور حدیث زیر بحث میں جو حضرت سعد کے خیمہ کا ذکر ہے وہ اسی جگہ پر تھا۔ چنانچہ خود امام بخاری نے غزوہ خندق میں تصریح کی کہ رفیدہ ایک خاتون تھیں جو زخمیوں کا علاج کرتی تھیں حضرت سعد انہیں کے پاس مجروح کر کے رکھے گئے تھے (العلیہ)۔

ابن سعد نے رفیدہ کے ذکر میں لکھا ہے کہ ان کا ایک خیمہ مسجد نبوی کے پاس ہی تھا اسی میں وہ بیماروں اور زخمیوں کا علاج کرتی تھیں۔ بخاری میں بھی رفیدہ کے خیمہ اور جراحت خانہ کا ذکر ہے ——— نیز مسجد نبوی اس زمانہ میں ایسی نہ تھی جیسی

اب ہے۔ اس کا کل دو تہائی حصہ جاتا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس میں بیماروں، مسافروں اور وفود کے خیموں کی گنجائش کہاں ہوگی۔ لہذا اقرار آتا ہے واضح ہوتا ہے کہ یہ خیمہ مسجد نبوی میں نہ تھا بلکہ غزوۂ احزاب کے موقع پر حضور علیہ السلام نے جو نماز پڑھنے کے لئے جگہ مقرر فرمائی تھی یہ خیمہ بھی اسی جگہ تھا۔ فافہم

بَابُ إِدْخَالِ الْبَعِيرِ فِي الْمَسْجِدِ لِلْعِلَّةِ

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ طَافَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى بَعِيرِهِ۔

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ شَكَوْتُ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنِّي أَشْتَكِي فَقَالَ طُوفِي مِنْ وَرَاءِ النَّاسِ وَأَنْتِ رَاكِبَةٌ فَطُفْتُ وَرَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي إِلَى جَنْبِ الْبَيْتِ يَقْرَأُ بِالطُّورِ وَكِتَابٍ مَسْطُورٍ (بخاری)

باب کسی عذر کی وجہ سے مسجد میں اونٹ کو (لانا)

حضرت عبداللہ بن عباس نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام نے اپنے اونٹ پر بیت اللہ کا طواف کیا۔

حضرت ام سلمہ کہتی ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ میں بیماری کی وجہ سے پیدل طواف نہیں کر سکتی۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگوں کے پیچھے سواری پر طواف کر تو میں نے اونٹ پر طواف کیا۔

تعلیق اول کو ابو داؤد نے روایت کیا ہے۔ اور امام نے مسند ابا ب من اشاس الی انزکی کتاب الحج

فوائد و مسائل میں ذکر کیا ہے کہ جب حضور علیہ السلام فتح مکہ کے موقع پر مکہ تشریف لائے تو طبیعت نا ساز تھی۔ لہذا آپ نے اونٹ پر سوار ہو کر طواف کیا۔ سواری پر طواف کرنے کی ایک وجہ تو طبیعت کی ناسازی تھی۔ اور حضرت جابر سے یہ بھی منقول ہے کہ آپ نے سواری پر اس لئے طواف کیا تاکہ لوگ آپ کو ارکان ادا کرتے ہوئے دیکھ لیں طواف کے مسائل جان جائیں۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جو مریض ہو خود طواف نہ کر سکے تو سواری وغیرہ پر طواف کر سکتا ہے اور بہتر یہ ہے کہ کوئی شخص اٹھالے اور طواف کرا دے ——— حضرت امام بخاری علیہ الرحمۃ نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ طواف کعبہ کے ارد گرد ہوتا ہے اور کعبہ مسجد حرام میں ہے لہذا اونٹ اور حلال جانوروں کو ضرورۃً مسجد میں داخل کرنا جائز ہے ——— لیکن اس میں نظر ہے کیونکہ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں صرف کعبہ کی عمارت موجود تھی۔ اس کے ارد گرد کوئی عمارت نہ تھی۔

حدیث دوم کو امام نے صلوٰۃ، تفسیر اور حج میں ذکر کیا۔ مسلم، ابو داؤد اور ابن ماجہ نے حج میں اور تفسیر میں ——— اس حدیث سے ثابت ہوا کہ معذور سواری پر طواف کر سکتا ہے۔ سواری پر طواف کرنے والے کو لوگوں کے گذرنے کی جگہ سے ہٹ کر طواف کرنا چاہیئے کہ عام لوگوں کو تکلیف نہ ہو اور عورتیں طواف میں مردوں کے پیچھے رہیں خلط ملط نہ ہوں۔

بَابٌ - إِنَّ رَجُلَيْنِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَا مِنْ عِنْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَدُهُمَا عَبَّادُ بْنُ بِشْرٍ وَأَحْسِبُ الثَّانِيَ أُسَيْدَ بْنَ حُضَيْرٍ فِي لَيْلَةٍ مُظْلِمَةٍ وَمَعَهُمَا مِثْلُ الْمِصْبَاحَيْنِ يُضِيئَانِ بَيْنَ أَيْدِيهِمَا فَلَمَّا افْتَرَقَا صَارَ مَعَ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا وَاحِدٌ حَتَّى أَتَى أَهْلَهُ (بخاری)

باب ——— حضرت انس کا بیان ہے کہ صحابہ میں سے دو شخص یعنی عباد بن بشر اور میرے خیال میں اسید بن حضیر تھے حضور علیہ السلام کی مجلس سے اندھیری رات میں اپنے گھروں کو واپس ہوئے تو ان کے ساتھ دو شمعیں جیسی روشنی کرتی جاتی تھیں اور جب وہ ایک دوسرے سے جدا ہوئے تو ہر ایک کے ساتھ ایک ایک شمع ہو گئی یہاں تک کہ وہ اپنے گھر پہنچ گئے۔

سے واضح ہوتا ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے فضائل اور حقوق ایسے ہیں جن میں کوئی مخلوق شریک نہیں ہے۔ ترمذی کی حدیث میں فرمایا جس کسی نے ہم پر احسان کیا اس کا بدلہ ہم نے دے دیا مگر صدیق کے احسانات ہم پر باقی ہیں اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کا بدلہ دے گا۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ تاجدار صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے حق میں مذکورہ بالا حدیث میں ارشاد فرمانا کوئی معمولی بات نہیں ہے یہی تو وجہ ہے جس کی وجہ سے بہت سے حضرات نے حضرت صدیق اکبر کو افضل الخلق بعد الانبیاء تسلیم کیا ہے۔ ——— علامہ قرطبی نے کہا امن الناس علی کا معنی یہ ہے کہ مقصود کلام یہ ہے کہ صدیق اکبر کے مجھ پر اتنے احسانات ہیں کہ اگر کسی اور کے اتنے ہوتے تو وہ مجھ پر احسان جتا تا ———
——— علامہ نووی علیہ الرحمہ نے فرمایا: "امتنان" احسان رکھنے کے معنی میں صحیح نہیں۔ کیونکہ حضور علیہ السلام پر کسی کا احسان نہیں بلکہ سب جہان پر حضور کے احسانات ہیں۔ لہٰذا امن الناس کے معنی یہ ہیں کہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سخاوت مجھ پر بہت ہے جان و مال صرف سے۔

لاتخذت خلیلا یہاں خلۃ سے مراد وہ خلۃ ہے جو عبد و معبود کے درمیان ہوتی ہے۔ جو عبد و عبد کے درمیان نہیں ہو سکتی۔ مقصود کلام یہ ہے کہ میرا خلیل صرف ایک خدا ہے اور میرا محبوب سب سے زیادہ نہیں جو سب سے زیادہ محبوب ہے۔ تاہم

غرضیکہ مطلب ارشاد یہ ہے کہ ساری امت میں صرف ابوبکر ہی لائق خلت تھے۔ لیکن ان کو خلیل بنانا ممکن نہیں کیونکہ خلیل ایک ہی ہوتا ہے اور وہ میرا رب ہے۔ اسی لئے حضور علیہ السلام نے جناب عائشہ صدیقہ اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حق فرمایا: یہ دونوں میرے محبوب ہیں۔

لیبقین بخاری کی حدیث میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے پہلے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے حجرہ کا دروازہ بھی مسجد کی طرف کھلا رہنے کی اجازت دی تھی مگر قبل وصال شریف حضرت علی کے دروازہ کو بھی بند کر دینے کا حکم دیا صرف سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حجرہ کا دروازہ کھلا رہنے کی اجازت دی۔ اس سے سیدنا ابوبکر کی فضیلت ثابت ہوئی اس طرف اشارہ بھی کہ خلافت بلافصل کے مستحق بھی حضرت ابوبکر ہیں ——— اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسجد کو راستہ بنانا جس میں سے ہو کر گزرنا جائز نہیں۔ ہاں علماء مسجد کے نقشہ کھولے رکھ سکتے ہیں لیکن امام مسجد بھی صرف نماز کے لئے مسجد کے راستہ کو استعمال کرے عام کام کاج کے لئے مسجد کو گزرگاہ نہیں بنایا جا سکتا اور باب صدیق اکبر کے کھلے رہنے کی اجازت خصوصیات سے ہے جیسے سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حالت جنابت مسجد میں آنا حضور علیہ السلام نے جائز قرار دیا تھا۔

بَابُ الْأَبْوَابِ وَالْغَلْقِ لِلْكَعْبَةِ وَالْمَسَاجِدِ
قَالَ لِي ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ يَا عَبْدَ الْمَلِكِ لَوْ رَأَيْتَ
مَسَاجِدَ ابْنِ عَبَّاسٍ وَأَبْوَابَهَا
عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدِمَ مَكَّةَ
فَدَعَا عُثْمَانَ بْنَ طَلْحَةَ فَفَتَحَ الْبَابَ فَدَخَلَ
النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبِلَالٌ وَأُسَامَةُ
بْنُ زَيْدٍ وَعُثْمَانُ بْنُ طَلْحَةَ ثُمَّ أُغْلِقَ
الْبَابُ فَلَبِثَ فِيهِ سَاعَةً ثُمَّ خَرَجُوا قَالَ

باب کعبہ اور مسجد کے دروازوں کے متعلق

(۱) مجھ سے ابن ابی ملیکہ نے کہا اے عبدالملک اگر تم ابن عباس کی مسجدیں اور ان کے دروازے دیکھتے

(۲) حضرت ابن عمر نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تشریف لائے آپ نے عثمان بن طلحہ کو بلایا انہوں نے بیت اللہ کا دروازہ کھولا پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور بلال اور اسامہ بن زید اور عثمان بن طلحہ بیت اللہ شریف میں داخل ہوئے پھر دروازہ بند کر دیا گیا حضور کعبہ کے اندر تھوڑی دیر ٹھہرے پھر باہر تشریف

وسلم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طرفی النھار بکرۃ وعشیۃ ثم بدا لابی بکر فابتنی مسجدا بفناء دارہ فکان یصلی فیہ ویقرأ القرآن فیقف علیہ نساء المشرکین وابناؤھم یعجبون منہ وینظرون الیہ وکان ابوبکر رجلا بکاء لا یملک عینیہ اذا قرأ القرآن فافزع ذلک اشراف قریش من المشرکین (رواہ)

ہمارے یہاں تشریف لاتے ہوں، صبح شام کے وقت تشریف لاتے پھر حضرت ابوبکر کو خیال ہوا تو انہوں نے اپنے گھر کے صحن میں ایک مسجد بنالی۔ وہ وہاں نماز پڑھتے اور قرآن کی تلاوت کرتے مشرکوں کی عورتیں اور بچے کھڑے ہو کر تعجب کرتے اور انہیں دیکھتے۔ ابوبکر رقیق القلب تھے جب قرآن پڑھتے تو اپنے آنسو روک نہ سکتے یہ حال دیکھ کر قریش کے مشرکین گھبرا گئے

فوائد و مسائل مقصود عنوان یہ بتانا تھا کہ راستہ میں مسجد بنانا جائز ہے جبکہ لوگوں کو ضرر نہ ہو۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو مسجد بنائی وہ ان کے گھر کے راستہ کی طرف تھی ——— اپنی ملک میں مسجد بنانا بالاجماع جائز ہے اور کار خیر میں ہے تو نہیں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ مسجد دین کی تبلیغ و اشاعت کی غرض سے بنائی تھی وہاں بیٹھ کر قرآن کی تلاوت کرتے تھے بھر آتا تو آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے۔ مشرکین کی عورتیں اور بچے اس منظر کو دیکھ کر متاثر ہوتے تھے اس پر وہ سارے قریش کو خوف ہوا کہ کہیں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبان سے قرآن سن کر ان کی عورتیں اور بچے مسلمان نہ ہو جائیں۔

باب الصلوۃ فی مسجد السوق

باب بازار کی مسجد میں نماز پڑھنے کے متعلق

صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ اللہ عزوجل کو سب سے زیادہ محبوب مسجدیں ہیں اور سب سے مبغوض بازار ہیں۔ اس سے شبہ پیدا ہوتا تھا کہ بازار کی مسجد میں نماز نا جائز ہو۔ امام نے عنوان ذکر کر کے یہ واضح کیا کہ مسجد جہاں بھی ہو وہ خیر و برکت ہی کی جگہ قرار پائے گی۔

وصلی ابن عون فی مسجد فی دار یغلق علیھم الباب

ابن عون نے ایک گھر کی مسجد میں نماز پڑھی جس کا دروازہ ان لوگوں پر بند کر دیا جاتا تھا

اس حدیث سے امام بخاری نے یہ استدلال کیا کہ جب گھر کی مسجد میں نماز پڑھنا جائز ہے تو بازار کی مسجد میں جائز ہونا چاہئے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس روایت کو عنوان سے مناسبت نہیں ہے۔

عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال صلوۃ الجمیع تزید علی صلوتہ فی بیتہ وصلوتہ فی سوقہ خمسا وعشرین درجۃ فان احدکم اذا توضأ فاحسن واتی المسجد لا یرید الا الصلوۃ لم یخط خطوۃ الا رفعہ اللہ بھا درجۃ وحط عنہ بھا خطیئۃ حتی یدخل المسجد فاذا دخل المسجد کان فی صلوۃ ما کانت تحبسہ وتصلی الملئکۃ علیہ ما دام فی مجلسہ الذی یصلی فیہ اللھم اغفر لہ اللھم ارحمہ ما لم یؤذ یحدث فیہ (رواہ)

حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسجد میں باجماعت نماز پڑھنا گھر میں اور بازار میں نماز پڑھنے سے پچیس درجہ زیادہ فضیلت رکھتا ہے کیونکہ تم میں سے جب کوئی اچھی طرح وضو کرتا ہے اور مسجد میں نماز کے قصد سے جاتا ہے۔ تو ہر قدم پر اللہ تعالیٰ ایک درجہ بلندی عطا فرماتا ہے اور ایک گناہ مٹا دیتا ہے جب وہ مسجد میں داخل ہوتا ہے تو جب تک نماز کے انتظار میں مسجد میں رہتا ہے اس کو نماز کا ثواب ملتا ہے اور جب تک اس جگہ بیٹھا رہتا ہے جہاں نماز پڑھتا ہے فرشتے اس کے لئے دعا کرتے رہتے ہیں اے اللہ اس کو بخش دے، اے اللہ اس پر رحم فرما جب تک کہ وہ بے وضو ہو کر فرشتوں کو ایذا نہ دے

فوائد و مسائل امام نے اس حدیث کو فضل جماعت میں۔ مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے صلوٰۃ میں ذکر کیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں بازاروں میں مسجد نہیں ہوتی تھی۔ اس لئے جو شخص بازار میں نماز پڑھتا تو وہ اکیلا پڑھتا تھا۔ بہرحال حدیث ہٰذا میں یہ بتایا گیا ہے کہ مسجد میں باجماعت نماز پڑھنا اکیلے نماز پڑھنے سے ۲۵ درجہ زیادہ فضیلت رکھتی ہے کیونکہ اکیلے نماز پڑھنے میں متعدد ثوابوں سے آدمی محروم ہو جاتا ہے جو یہ ہیں مسجد کا ثواب، جماعت کا ثواب، مسجد کی طرف نماز کے لئے جانے کا ثواب پھر مسجد میں نماز کے انتظار کے لئے بیٹھنے کا ثواب اور یہ وہ ثواب ہیں جن سے وہ شخص محروم رہ جاتا ہے جو اکیلا گھر میں یا دوکان میں نماز پڑھتا ہے۔

فائدہ: حموی نے حسب حدیث کے ساتھ صلاتہ فی سوقہ ہیں اس سے امام بخاری نے یہ واضح کیا ہے کہ جب بازار میں اکیلے نماز پڑھنا درست ہے تو نماز باجماعت ادا کرنے بازار میں مسجد بنانا بطریق اولیٰ جائز ہوگی۔

بَابُ تَشْبِيْكِ الْاَصَابِعِ فِي الْمَسْجِدِ وَغَيْرِهٖ
قَالَ شَبَّكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَصَابِعَهٗ
عَنْ اَبِيْ مُوْسٰى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ
قَالَ اِنَّ الْمُؤْمِنَ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهٗ
بَعْضًا وَشَبَّكَ اَصَابِعَهٗ (بخاری)

باب مسجد وغیرہ میں انگلیوں کو انگلیوں میں ڈالنے کے متعلق
جیسا کہ بیان ہوا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلیوں میں تشبیک کی۔
حضرت ابو موسیٰ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک مومن دوسرے
مومن کے لئے عمارت کی طرح ہے جو ایک دوسرے کو تقویت دیتی ہے۔
آپ نے اپنی انگلیوں میں تشبیک کی

فوائد و مسائل اور اس کے بعد جو حدیث ہے اس سے امام بخاری نے یہ واضح کیا ہے کہ مسجد میں تشبیک جائز ہے۔ بعض احادیث میں تشبیک کی ممانعت آئی ہے۔ ابن حجر نے کہا کہ فائدہ اگر کوئی تشبیک کرے تو منع ہے لیکن اگر وعظ و نصیحت کے دوران مثال دینے اور بات سمجھانے کے لئے تشبیک کی جائے تو جائز ہے۔ لہٰذا جن حدیثوں میں تشبیک کی ممانعت وارد ہوئی ہے اس سے مراد عبث تشبیک ہے۔ (فتح الباری جلد ۲ صفحہ ۵۵)

تشبیک کے معنی ہیں ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں داخل کر لینا ——— حدیث زیر بحث کو امام نے صلوٰۃ کے متعلق میں، مسلم نے ادب میں، ترمذی نے بر میں اور نسائی نے زکوٰۃ میں ذکر کیا اس حدیث میں مسلمانوں کو باہم اتفاق و اتحاد کے ساتھ رہنے کی تلقین کی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے جیسے ایک دیوار دوسری دیوار کے لئے اور ایک اینٹ دوسری اینٹ کے لئے مضبوطی کا باعث ہوتی ہے یہی شان مسلمانوں کی ہونی چاہیئے کہ وہ دوسرے مسلمان کے لئے تقویت کا باعث بنے نہ کہ تخریب و تفریق کا۔

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِحْدٰى صَلَاتَيِ الْعَشِيِّ قَالَ ابْنُ سِيْرِيْنَ
قَدْ سَمَّاهَا اَبُوْ هُرَيْرَةَ وَلٰكِنْ نَسِيْتُ اَنَا قَالَ فَصَلّٰى
بِنَا رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ فَقَامَ اِلٰى خَشَبَةٍ مَعْرُوْضَةٍ
فِي الْمَسْجِدِ فَاتَّكَاَ عَلَيْهَا كَاَنَّهٗ غَضْبَانُ وَوَضَعَ
يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلَى الْيُسْرٰى وَشَبَّكَ بَيْنَ اَصَابِعِهٖ
وَوَضَعَ خَدَّهُ الْاَيْمَنَ عَلٰى ظَهْرِ كَفِّهِ الْيُسْرٰى وَخَرَجَتِ
السَّرَعَانُ مِنْ اَبْوَابِ الْمَسْجِدِ فَقَالُوْا قَصُرَتِ الصَّلٰوةُ

حضرت ابو ہریرہ نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شام کی دو نمازوں میں سے ایک نماز پڑھائی۔ ابن سیرین نے کہا کہ ابو ہریرہ نے اس نماز کا نام بھی بتایا مگر میں بھول گیا۔ ابو ہریرہ نے کہا کہ حضور نے ہمیں دو رکعت نماز پڑھا کر سلام پھیر دیا پھر آپ ایک لکڑی کی طرف گئے جو مسجد میں پڑی ہوئی تھی آپ نے اس سے ٹیک لگایا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ غصہ میں ہیں۔ اور آپ نے اپنا داہنا ہاتھ بائیں پر رکھا اور انگلیوں میں تشبیک کی اور اپنے رخسار کا داہنا حصہ بائیں ہتھیلی کی پشت پر رکھا اور جو لوگ جلد باز تھے مسجد سے باہر چلے گئے تب لوگ آپس میں کہنے لگے کیا نماز میں کمی ہو گئی۔

وَفِي الْقَوْمِ أَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ فَهَابَا أَنْ يُّكَلِّمَاهُ وَفِي الْقَوْمِ رَجُلٌ فِي يَدَيْهِ طُوْلٌ يُقَالُ لَهٗ ذُوالْيَدَيْنِ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَنَسِيْتَ أَمْ قَصُرَتِ الصَّلٰوةُ قَالَ لَمْ أَنْسَ وَلَمْ تُقْصَرْ فَقَالَ أَكَمَا يَقُوْلُ ذُوالْيَدَيْنِ فَقَالُوْا نَعَمْ فَتَقَدَّمَ فَصَلّٰى مَا تَرَكَ ثُمَّ سَلَّمَ ثُمَّ كَبَّرَ وَسَجَدَ مِثْلَ سُجُوْدِهٖ أَوْ أَطْوَلَ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهٗ وَكَبَّرَ ثُمَّ كَبَّرَ وَسَجَدَ مِثْلَ سُجُوْدِهٖ أَوْ أَطْوَلَ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهٗ وَكَبَّرَ فَرُبَّمَا سَأَلُوْهُ ثُمَّ سَلَّمَ فَيَقُوْلُ نُبِّئْتُ أَنَّ عِمْرَانَ قَالَ ثُمَّ سَلَّمَ — بخاری

اس وقت ان لوگوں میں ابوبکر و عمر بھی تھے مگر وہ حضورؐ سے بات کرنے سے ڈرے اور لوگوں میں ایک شخص تھے کہ ہاتھ کچھ لمبے تھے اس کو ذوالیدین کہتے تھے وہ بولے یا رسول اللہ کیا آپ بھول گئے یا نماز کم ہوگئی حضورؐ نے فرمایا نہ میں بھولا ہوں اور نہ نماز کم کی گئی ہے پھر آپ نے لوگوں سے پوچھا کیا ذوالیدین سچ کہتا ہے لوگوں نے عرض کیا جی ہاں ایسا ہی ہے کہ آپ آگے بڑھے اور جتنی نماز چھوڑ دی تھی وہ ادا فرمائی پھر آپ نے سلام پھیرا پھر اللہ اکبر کہا اور سجدہ سہو کیا عام سجدوں کی طرح یا اس سے کچھ لمبا پھر آپ نے سر اٹھایا اور اللہ اکبر کہہ کر دوسرے سجدے میں گئے۔ یہ سجدہ بھی عام سجدوں کی طرح تھا یا کچھ طویل پھر آپ نے سر اٹھایا اور اللہ اکبر کہا اور پھر سلام پھیرا۔ لوگوں نے ابن سیرین سے پوچھا کیا سجدہ سہو کے بعد آپ نے سلام پھیرا تو انہوں نے کہا کہ مجھے خبر دی گئی ہے کہ عمران بن حصین نے اس حدیث میں کہا کہ پھر آپ نے سلام پھیرا

فوائد و مسائل | حدیث ہذا مسائل ذیل پر مشتمل ہے (۱) سہو کے سجدے دو ہیں (۲) سجدہ سہو سلام پھیرنے کے بعد کیا جائے (۳) صورت زیر بحث سے یہ استدلال کیا گیا کہ اگر کوئی سہواً بجائے چار رکعت کے دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر دے اور پھر بات کرے یا مسجد سے نکل جائے یا نماز کی جگہ سے ہٹ جائے پھر اسے معلوم ہو کہ بجائے چار کے دو رکعت پڑھی گئی ہیں۔ تو اس صورت میں از سر نو نماز کی ضرورت نہیں بلکہ باقی ماندہ نماز پوری کر کے سجدہ سہو کرے نماز درست ہو جائے گی ——— اور احناف کے نزدیک مسئلہ یہ ہے کہ اگر بھولے سے دو رکعت پر سلام پھیر دیا اور اسی جگہ قبلہ رو گھٹنے ٹیکے بیٹھا ہے اور کلام بھی نہیں کیا ہے یا قبلہ سے منہ نہیں پھیرا اور مسجد ہی میں ہے اور سلام نہیں کیا ہے۔ تو اس صورت میں باقی ماندہ نماز پوری کر کے سجدہ سہو کرے لیکن اگر کلام کیا یا مسجد سے باہر نکل گیا۔ تو اب نماز فاسد ہو جائے گی از سر نو پڑھے۔ احناف یہ کہتے ہیں کہ حدیث زیر بحث منسوخ ہے۔ کیونکہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھولے سے دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر دیا پھر وہاں سے ہٹ گئے اور بات کی تو آپ نے از سر نو نماز پڑھی تھی اور انہوں نے یہ کام صحابہ کے سامنے کیا اور کسی نے اعتراض نہ کیا اس سے واضح ہوا کہ حدیث زیر بحث منسوخ ہے ——— اسی طرح اس حدیث سے یہ استدلال کیا گیا کہ نماز میں سہواً کلام کرنے سے نماز باطل نہیں ہوتی لیکن یہ استدلال درست نہیں کیونکہ یہ اس زمانے کا معاملہ ہے جبکہ نماز میں کلام کرنے کی ممانعت نہیں ہوئی تھی۔ زیادہ تفصیل کے لئے فیوض الباری پارہ دوم دیکھئے ؛

حضورؐ سے بات کرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی !

علامہ نووی نے اسی حدیث کے ماتحت لکھا ہے کہ زیر بحث حدیث میں یہ ہے کہ صحابہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے بات کی اور یہ مسئلہ متفقہ ہے۔ کہ حضور علیہ السلام سے بات کرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ علامہ نووی علیہ الرحمۃ کے اصل الفاظ یہ ہیں

ان هذا خطاب للنبي صلى الله عليه وسلم وجوابا وذلك لا تبطل عندنا ولا عند غيرنا

اس حدیث کے بقیہ مسائل کے لئے فیوض الباری پارہ دوم صفحہ ملاحظہ کیجئے۔

بَابُ الْمَسَاجِدِ الَّتِي عَلَى طُرُقِ الْمَدِينَةِ وَالْمَوَاضِعِ الَّتِي صَلَّى فِيهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

باب ان مسجدوں کے متعلق جو مدینہ کے راستوں پر ہیں اور ان مقامات پر جہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی

واضح ہو کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ یہ تھی کہ جب سفر کے لئے روانہ ہوتے یا کسی معرکہ میں شرکت فرماتے تو راستہ میں جہاں نماز پڑھنے کے لئے ایک جگہ مخصوص فرما لیتے تھے۔ اصحاب سیر ان مخصوص جگہوں کو مسجد ہی موسوم کرتے ہیں۔ اگرچہ مسجد نہیں ہوتی تھی۔ سفر میں حضور علیہ السلام نے جس جگہ نماز پڑھی، صحابہ کرام نے ان مقامات پر بطور یادگار اور تبرک کے لئے مسجد بنا دی۔ مکہ مکرمہ و مدینہ میں اس قسم کی مساجد آج تک موجود ہیں۔

عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ قَالَ رَأَيْتُ سَالِمَ بْنَ عَبْدِ اللهِ يَتَحَرَّى أَمَاكِنَ مِنَ الطَّرِيقِ فَيُصَلِّي فِيهَا وَيُحَدِّثُ أَنَّ أَبَاهُ كَانَ يُصَلِّي فِيهَا وَأَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِي تِلْكَ الْأَمْكِنَةِ وَحَدَّثَنِي نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ كَانَ يُصَلِّي فِي تِلْكَ الْأَمْكِنَةِ وَسَأَلْتُ سَالِمًا فَلَا أَعْلَمُهُ إِلَّا وَافَقَ نَافِعًا فِي الْأَمْكِنَةِ كُلِّهَا إِلَّا أَنَّهُمَا اخْتَلَفَا فِي مَسْجِدٍ بِشَرَفِ الرَّوْحَاءِ (بخاری)

موسیٰ بن عقبہ نے بیان کیا کہ میں نے سالم بن عبد اللہ کو دیکھا کہ وہ مدینہ و مکہ کے راستوں میں متعدد جگہوں کو ڈھونڈ کر وہاں نماز پڑھتے اور فرماتے کہ ان کے باپ عبد اللہ بن عمر وہاں نماز پڑھا کرتے تھے اور عبد اللہ بن عمر نے ان مقامات پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ موسیٰ بن عقبہ نے کہا مجھ سے نافع نے بیان کیا کہ ابن عمر ان مقامات پر نماز پڑھتے تھے اور میں نے سالم سے ان مقامات کے متعلق پوچھا تو انہوں نے بھی تمام مقامات کے متعلق نافع کی موافقت کی صرف روحاء کی مسجد کے متعلق دونوں نے اختلاف کیا۔

مسائل اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ صالحین کے آثار سے برکت لینا اور اسے متبرک سمجھنا جائز ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکہ مدینہ کے ان مقامات کو ڈھونڈ کر نماز ادا کرتے تھے، جہاں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا کی تھی۔

آثار صالحین سے برکت حاصل کرنا جائز ہے

کہتے ہیں کہ ابن تیمیہ نے اس حدیث کے ماتحت لکھا ہے کہ حضور علیہ السلام نے ان مقامات پر اتفاقاً نماز پڑھی تھی۔ لہٰذا اگر کسی کو ان مقامات پر اتفاقاً نماز کا موقع مل جائے تو پڑھ لے لیکن ایسے مقامات کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر وہاں نماز پڑھنا درست نہیں۔ لیکن یہ کیا ہے کہ ابن تیمیہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے آگے نہیں بڑھ سکتے جب ایک جلیل القدر صحابی نے ان مقامات پر برکت کے حصول کے لئے قصد کر کے نماز پڑھی تو اس میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ اس پر بھی اگر ابن تیمیہ مخالفت کریں تو یہ ان کی ذاتی رائے ہے اور حضرت عبد اللہ بن عمر کے مقابل اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ علاوہ ازیں ایک حضرت عبد اللہ بن عمر کیا متعدد صحابہ نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار مبارکہ سے برکت لی ہے۔ متعدد صحابہ کرام حضور علیہ السلام کو اس لئے اپنے گھر لے گئے کہ حضور علیہ السلام وہاں کسی جگہ نماز ادا کریں اور صحابہ نے اس جگہ کو برکت کے لئے متبرک کر لیا۔ کیا یہ سب صحابہ غلطی پر تھے؟

اسی طرح سالم بن عبد اللہ حضرت عبد اللہ بن عمر کے صاحبزادے ہیں۔ ان کی کنیت ابو عمر یا ابو عبد اللہ ہے۔ قریشی عدوی ہیں۔ فقہائے مدینہ سے ہیں اور تابعین کے سرخیل ہیں۔ ۱۰۶ھ میں مدینہ منورہ میں وصال فرمایا۔ یہ بھی ان مقامات کا قصد کر کے نماز پڑھتے تھے جہاں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تھی۔ پھر صحابہ میں سے کسی نے ان کے فعل پر اعتراض بھی نہیں کیا جو اجماع صحابہ کی دلیل ہے۔

شرف الروحا | اختلفا فی شرف الروحا ـــــ یہ ایک مقام ہے جو مدینہ سے ۳۰ میل پر واقع ہے رسول شریف حضور علیہ السلام نے فرمایا شرف الروحا جنت کی وادیوں میں سے ایک وادی ہے۔ اور مجھ سے پہلے
کرام نے یہاں نماز پڑھی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام حج یا عمرہ کے ارادہ سے یہاں سے گذرے تھے۔ حضرت نافع اور سالم
دونوں ان مواضع کے بتانے میں جس جگہ حضور نے نماز ادا کی متفق۔ ہے مگر شرف الروحا کی مسجد میں مختلف ہوئے
حافظ ابن حجر و ملا عینی نے لکھا کہ حضرت ابن عمر ان مقامات پر جہاں حضور نے نماز پڑھی سنت و متبرک جانتے تھے۔
حضرت عمرؓ کے متعلق یہ بات منسوب کی گئی ہے کہ انھوں نے ایک سفر میں دیکھا کہ لوگ ایک جگہ کی طرف دوڑے جا رہے
ہیں تو بتایا گیا اس جگہ نبی علیہ السلام نے نماز پڑھی ہے لوگ بھی وہیں نماز پڑھنے کے لئے جا رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا جب
وقت یہاں آجائے تو پڑھ لو ورنہ گذر جاؤ۔ اہل کتاب اس لئے ہلاک ہوئے کہ انھوں نے آثار انبیاء کو کھوج
اس گرجے اور حجرے «تخذوها کنائس وبیعا» بنا لئے۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک روایت ہے جس کی سند یہ
علاوہ ازیں اس سے آثار صلحا کی تعظیم و تکریم اور وہاں قصد کر کے جانے کی ممانعت ثابت نہیں ہوتی چنانچہ
حافظ ابن حجر علیہ الرحمۃ نے لکھا

قلت ان عمر انما خشی ان یلتزم الناس بالصلوٰۃ فی تلک المواضع	حضرت عمرؓ نے یہ خیال کیا کہ بعض لوگ کہیں ۔ کو واجب نہ سمجھ لیں

اس سے واضح ہوگیا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذکورہ بالا ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جس جگہ
السلام یا کسی بزرگ نے نماز پڑھی ہے۔ اسی جگہ نماز پڑھنے کو فرض یا واجب سمجھنا ممنوع ہے لیکن بطور تبرک وہاں قصد
نماز پڑھنا جائز ہے۔ کیونکہ صحابہ کرام نے اس کو پسند فرمایا اور اس پر عمل کیا ہے (فتح الباری و عینی) ؟
بلکہ مستحب ہی ہونا چاہیئے کیونکہ صحابہ نے آثار نبوی سے برکت حاصل کی ہے ۔

فوائد و مسائل | حضرت نافع بن سرجس دیلمی اکابر تابعین سے ہیں۔ یہ حضرت عبداللہ بن عمر کے آزاد کردہ
ابن عمر و ابو سعید سے حدیث کی سماعت کی نہایت ثقہ راویوں میں ان کا شمار ہے۔ حضرت ابن عمر
کا بڑا حصہ انہیں سے مروی ہے۔ حضرت امام مالک فرماتے ہیں۔ جب نافع کے واسطے سے حدیث سن لیتا
اور راوی کے سننے سے بے فکر ہو جاتا ہوں۔ حضرت نافع کا لقب امام علم ہے۔ عمر بن عبدالعزیز نے حضرت
مصر کے لئے حدیث کا معلم مقرر کیا تھا امام بخاری فرماتے ہیں اصح الاسانید مالک عن نافع عن ابن عمر
حضرت نافع کا بیان ہے کہ عبداللہ بن جعفر نے حضرت ابن عمر سے مجھے بارہ ہزار درہم میں اور ابن عامر
میں خریدنا چاہا تو حضرت ابن عمر نے انکار کر دیا اور مجھے بقید آزاد فرما دیا۔ آپ نے فرمایا میں نے سنا حضرت ابن عمر کی
ان سے علم ... کہ حضرت نافع نے ۱۱۷ھ میں وفات پائی (اکمال تذکرۃ الحفاظ)

(۲) یہ حدیث تین مختلف حدیثوں پر مشتمل ہے جسے امام بخاری نے ایک ہی اسناد سے بیان کیا ہے حسن بن سفیان نے اپنی سند میں الگ ذکر کیا ہے لیکن تیسری حدیث کو ذکر نہیں کیا اور مسلم نے آخری حدیث کو کتاب الحج میں ذکر کیا ہے۔

لغات حدیث: اس حدیث میں جو مشکل الفاظ آئے ہیں ان کے معنی یہ ہیں۔

ذوالحلیفہ: ایک جگہ کا نام ہے جو مدینہ سے ۶ میل پر واقع ہے یہاں سے اہل مدینہ احرام باندھتے ہیں۔

سمرۃ کیکر کے درخت کو کہتے ہیں بَطْحَاء پانی بہنے کی جگہ شَفِیر کے معنی کنارے کے ہیں۔
سنیہ بانی کی سنت ہے تعریس کے معنی رات کے آخر حصہ میں آرام کرنے کے لئے مسافر کا اترنا۔ اکمۃ ٹیلہ۔
خلیج وہ نالی جس میں بڑی اور چھوٹی دونوں نہروں پر آتا ہے اور بعض نے کہا خلیج اس وادی کو کہتے ہیں جس میں گہرائی ہو۔
کثب جمع کثیبہ کی۔ ریت کا ٹیلہ۔ فدحا کے معنی بہا لے جانے کے ہیں۔ حافہ کے معنی جانب۔ ظربی چھوٹا پہاڑ
حصہ ضحضحہ بلند زمین رویثہ ایک قریہ ہے جو مدینہ سے ۱۷ فرسخ پر ہے۔ جُجاہ کے معنی مقابل
کا وہ جگہ۔ سھل یفضی بمعنا کے برابر زمین اور خوشگوار کے ہیں۔ قلعۃ۔ مرتفع زمین
ایک قریہ ہے مدینہ کی طرف مکہ کے راستہ پر اس کے اور مدینہ کے درمیان ۱۲ میل کا فاصلہ ہے حضیطۃ ایک پہاڑ
ہے زمین پر منبسط ہے۔ تقضم بڑا پتھر یا اس کا ایک حصہ سلمات۔ بڑے پتھر۔ دوحا۔ ایک موضع ہے۔ مدینہ سے
ہے سیر پر کہ ذکر اسلم۔ ھرشی ایک پہاڑ ہے جو مدینہ اور شام کے راستہ کے درمیان واقع ہے اور جحفہ کے قریب ہے۔
کراع الطرف غلوہ کے معنی جہاں تیر جاکر گرے۔

اَنَّ عَبْدَ اللّٰہِ بْنَ عُمَرَ اَخْبَرَہٗ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَنْزِلُ بِذِی الْحُلَیْفَۃِ حِیْنَ یَعْتَمِرُ وَفِیْ حَجَّتِہٖ حِیْنَ حَجَّ تَحْتَ سَمُرَۃٍ فِیْ مَوْضِعِ الْمَسْجِدِ الَّذِیْ بِذِی الْحُلَیْفَۃِ وَکَانَ اِذَا رَجَعَ مِنَ الْغَزْوِ وَکَانَ فِیْ تِلْکَ الطَّرِیْقِ اَوْ حَجٍّ اَوْ عُمْرَۃٍ هَبَطَ بَطْنَ وَادٍ فَاِذَا ظَهَرَ مِنْ بَطْنِ وَادٍ اَنَاخَ بِالْبَطْحَاءِ الَّتِیْ عَلٰی شَفِیْرِ الْوَادِی الشَّرْقِیَّۃِ فَعَرَّسَ ثَمَّ حَتّٰی یُصْبِحَ لَیْسَ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الَّذِیْ بِحِجَارَۃٍ وَلَا عَلَی الْاَکَمَۃِ الَّتِیْ عَلَیْهَا الْمَسْجِدُ کَانَ ثَمَّ خَلِیْجٌ یُصَلِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ عِنْدَہٗ فِیْ بَطْنِہٖ کُثُبٌ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثَمَّ یُصَلِّیْ فَدَحَا فِیْہِ السَّیْلُ بِالْبَطْحَاءِ حَتّٰی دَفَنَ ذٰلِکَ الْمَکَانَ الَّذِیْ کَانَ عَبْدُ اللّٰہِ یُصَلِّیْ فِیْہِ

حضرت عبد اللہ بن عمر نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ارادہ عمرہ کرتے تھے یا جب حجۃ الوداع میں حج کے لئے جاتے تھے تو ذوالحلیفہ میں اس ببول کے درخت کے نیچے قیام فرماتے جہاں اب مسجد ذوالحلیفہ ہے اور آپ جب جہاد سے یا حج یا عمرہ سے واپس آتے اور اس راستہ میں ہوتے تو وادی عقیق کے نشیب میں اترتے جب وہاں سے اوپر چڑھتے تو اپنی اونٹنی بطحاء میں بٹھاتے جو وادی کے کنارے مشرق کی طرف ہے۔ پھر پچھلی رات کو یہاں آرام فرماتے صبح تک۔ یہ مقام اس مسجد کے پاس نہیں ہے جو پتھر کی بنی ہوئی ہے اور نہ اس ٹیلے پر جس پر مسجد ہے وہاں ایک گہرا نالہ تھا۔ عبد اللہ بن عمر اس کے پاس نماز پڑھا کرتے تھے۔ اس کے نشیب میں ریت کے ٹیلے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں نماز پڑھا کرتے تھے۔ لیکن سیلاب کے بہاؤ نے وہاں کنکریاں بچھا دیں اور اس مقام کو پاٹ دیا۔ جہاں عبد اللہ نماز پڑھتے تھے

وَاَنَّ عَبْدَ اللّٰہِ بْنَ عُمَرَ حَدَّثَہٗ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلّٰی حَیْثُ الْمَسْجِدُ الصَّغِیْرُ الَّذِیْ دُوْنَ الْمَسْجِدِ الَّذِیْ بِشَرَفِ الرَّوْحَاءِ وَقَدْ کَانَ عَبْدُ اللّٰہِ یَعْلَمُ الْمَکَانَ الَّذِیْ کَانَ

اور عبد اللہ بن عمر نے یہ واقعہ بیان کیا۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں نماز پڑھی ہے۔ جہاں اب چھوٹی سی مسجد ہے اس مسجد کے قریب جو شرف الروحاء میں ہے اور عبد اللہ بن عمر اس مقام کا پتہ بتاتے تھے جہاں

صَلّٰى فِيهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ ثَمَّ عَنْ
يَمِينِكَ حِينَ تَقُومُ فِي الْمَسْجِدِ تُصَلِّي وَ
ذٰلِكَ الْمَسْجِدُ عَلَى حَافَّةِ الطَّرِيقِ الْيُمْنٰى
وَأَنْتَ ذَاهِبٌ إِلَى مَكَّةَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْمَسْجِدِ
الْأَكْبَرِ رَمْيَةٌ بِحَجَرٍ أَوْ نَحْوُ ذٰلِكَ
وَأَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يُصَلِّي إِلَى الْعِرْقِ الَّذِي
عِنْدَ مُنْصَرَفِ الرَّوْحَاءِ وَ ذٰلِكَ الْعِرْقُ
انْتِهَاءُ طَرَفِهِ عَلَى حَافَّةِ الطَّرِيقِ دُوْنَ الْمَسْجِدِ
الَّذِي بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْمُنْصَرَفِ وَأَنْتَ ذَاهِبٌ
إِلَى مَكَّةَ وَقَدِ ابْتُنِيَ ثَمَّ مَسْجِدٌ فَلَمْ يَكُنْ
عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ يُصَلِّي فِي ذٰلِكَ الْمَسْجِدِ
كَانَ يَتْرُكُهُ عَنْ يَسَارِهِ وَوَرَاءَهُ وَيُصَلِّي
أَمَامَهُ إِلَى الْعِرْقِ نَفْسِهِ وَكَانَ عَبْدُ اللّٰهِ
يَرُوحُ مِنَ الرَّوْحَاءِ فَلَا يُصَلِّي الظُّهْرَ حَتّٰى
يَأْتِيَ ذٰلِكَ الْمَكَانَ فَيُصَلِّي فِيهِ الظُّهْرَ وَإِذَا
أَقْبَلَ مِنْ مَكَّةَ فَإِنْ مَرَّ بِهِ قَبْلَ الصُّبْحِ
بِسَاعَةٍ أَوْ مِنْ آخِرِ السَّحَرِ عَرَّسَ حَتّٰى
يُصَلِّيَ بِهَا الصُّبْحَ

وَأَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ حَدَّثَهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ كَانَ يَنْزِلُ تَحْتَ سَرْحَةٍ ضَخْمَةٍ دُوْنَ
الرُّوَيْثَةِ عَنْ يَمِينِ الطَّرِيقِ وَوِجَاهَ الطَّرِيقِ
فِي مَكَانٍ بَطْحٍ سَهْلٍ حَتّٰى يُفْضِيَ مِنْ أَكَمَةٍ
دُوَيْنَ بَرِيدِ الرُّوَيْثَةِ بِمِيلَيْنِ وَقَدِ انْكَسَرَ
أَعْلَاهَا فَانْثَنٰى فِي جَوْفِهَا وَهِيَ قَائِمَةٌ عَلٰى
سَاقٍ وَفِي سَاقِهَا كُثُبٌ كَثِيرَةٌ وَأَنَّ
عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ حَدَّثَهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى فِي طَرَفِ تَلْعَةٍ مِنْ
وَرَاءِ الْعَرْجِ وَأَنْتَ ذَاهِبٌ إِلٰى هَضْبَةٍ عِنْدَ
ذٰلِكَ الْمَسْجِدِ قَبْرَانِ أَوْ ثَلَاثَةٌ عَلَى الْقُبُورِ

تھی جسے اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تھی۔ کہتے تھے جب
تو مسجد میں نماز پڑھے تو وہ جگہ تیرے دائیں ہاتھ کی طرف
پڑتی ہے۔ مسجد یہ چھوٹی مسجد داہنی راہ کے کنارے پر ہے جب
کہ مکہ کو جاتے ہوئے اس میں اور بڑی مسجد میں ایک پتھر کی مار کا
فاصلہ ہے یا اس سے کچھ کم یا زیادہ
اور عبداللہ بن عمر اس چھوٹی پہاڑی کی طرف نماز پڑھتے تھے
جو روحا کے آخیر کنارے ہے اور یہ پہاڑی وہاں ختم ہوئی
جہاں راستہ کا کنارہ ہے۔ اس مسجد کے قریب جو اس کے اور
روحا کے آخری حصہ کے بیچ میں ہے۔ مکہ کو جاتے ہوئے
اب وہاں ایک مسجد بن گئی ہے۔ تو عبداللہ بن عمر اس مسجد
میں نماز نہیں پڑھتے تھے بلکہ اس مسجد کو اپنے بائیں اور
پیچھے چھوڑ دیتے تھے اور اس کے آگے نماز پڑھتے تھے
پہاڑی کی طرف۔ اور عبداللہ بن عمر روحا سے سورج ڈھلنے
کے بعد روحا سے چلتے تھے پھر ظہر کی نماز جب تک
اس مقام پر نہیں پہنچتے نہیں پڑھتے جب وہاں پہنچتے تو
ظہر پڑھتے اور مکہ سے واپس جاتے اور صبح ہونے سے
گھڑی بھر پہلے یا آخیر سحری کے وقت تک وہاں پہنچتے تو
وہاں اترتے فجر کی نماز وہیں پڑھتے۔
اور عبداللہ بن عمر نے نافع کو بیان کیا۔ کہ نبی صلی
اللہ علیہ وسلم ایک بڑے درخت کے تلے اترتے جو رویثہ
کے پاس ہے۔ راستے کے داہنی طرف اور راستے کے سامنے
کشادہ نرم ہموار جگہ میں یہاں تک کہ اس ٹیلے سے
پار ہو جاتے جو رویثہ کے رستے سے دو میل کے قریب
ہے اس درخت کا ایک حصہ ٹوٹ گیا ہے اور بیچ میں سے
دوہرا ہو کر جڑ پر کھڑا ہے اس کی جڑ میں بہت سے ریت کے ٹیلے
ہیں۔ اور عبداللہ بن عمر نے نافع سے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ
علیہ وسلم نے اس نالہ کے کنارے پر نماز پڑھی ہے جو عرج کے
پیچھے ہے جب تم ہضبہ کو جاتے ہو اس مسجد کے پاس دو یا تین
قبریں ہیں۔ ان قبروں پر اوپر تلے پتھر رکھے

ضَخْمٌ مِنْ حِجَارَةٍ عَنْ يَمِينِ الطَّرِيقِ عِنْدَ سَلِمَاتِ الطَّرِيقِ بَيْنَ أُولَئِكَ السَّلِمَاتِ كَانَ عَبْدُ اللَّهِ يَرُوحُ مِنَ الْعَرْجِ بَعْدَ أَنْ تَمِيلَ الشَّمْسُ بِالْهَاجِرَةِ فَيُصَلِّي الظُّهْرَ فِي ذَلِكَ الْمَسْجِدِ وَأَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ حَدَّثَهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَزَلَ عِنْدَ سَرَحَاتٍ عَنْ يَسَارِ الطَّرِيقِ فِي مَسِيلٍ دُونَ هَرْشَى ذَلِكَ الْمَسِيلُ لَاصِقٌ بِكُرَاعِ هَرْشَى بَيْنَهُ وَبَيْنَ الطَّرِيقِ قَرِيبًا مِنْ غَلْوَةٍ وَكَانَ عَبْدُ اللَّهِ يُصَلِّي إِلَى سَرْحَةٍ هِيَ أَقْرَبُ السَّرَحَاتِ إِلَى الطَّرِيقِ وَهِيَ أَطْوَلُهُنَّ وَأَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ حَدَّثَهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَنْزِلُ فِي الْمَسِيلِ الَّذِي فِي أَدْنَى مَرِّ الظَّهْرَانِ قِبَلَ الْمَدِينَةِ حِينَ يَهْبِطُ مِنَ الصَّفْرَاوَاتِ يَنْزِلُ فِي بَطْنِ ذَلِكَ الْمَسِيلِ عَنْ يَسَارِ الطَّرِيقِ وَأَنْتَ ذَاهِبٌ إِلَى مَكَّةَ لَيْسَ بَيْنَ مَنْزِلِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبَيْنَ الطَّرِيقِ إِلَّا رَمْيَةٌ بِحَجَرٍ وَأَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ حَدَّثَهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَنْزِلُ بِذِي طُوًى وَيَبِيتُ حَتَّى يُصْبِحَ يُصَلِّي الصُّبْحَ حِينَ يَقْدَمُ مَكَّةَ وَمُصَلَّى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَلِكَ عَلَى أَكَمَةٍ غَلِيظَةٍ لَيْسَ فِي الْمَسْجِدِ الَّذِي بُنِيَ ثَمَّةَ وَلَكِنْ أَسْفَلَ مِنْ ذَلِكَ عَلَى أَكَمَةٍ غَلِيظَةٍ وَأَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ حَدَّثَهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَقْبَلَ فُرْضَتَيِ الْجَبَلِ الَّذِي بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجَبَلِ الطَّوِيلِ نَحْوَ الْكَعْبَةِ فَجَعَلَ الْمَسْجِدَ الَّذِي بُنِيَ ثَمَّ يَسَارَ الْمَسْجِدِ بِطَرَفِ الْأَكَمَةِ وَمُصَلَّى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَسْفَلَ مِنْهُ عَلَى الْأَكَمَةِ السَّوْدَاءِ تَدَعُ مِنَ الْأَكَمَةِ

ہوئے مدینہ راستہ سے داہنی طرف چند بڑے پتھروں کے پاس جو راستے میں ہیں۔ ان کیکروں میں عبد اللہ بن عمر دوپہر کو سورج ڈھلنے کے بعد عرج سے چلتے۔ پھر ظہر کی نماز اس مسجد میں پڑھتے۔

اور عبد اللہ بن عمر نے نافع سے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان چند درختوں کے پاس اترے جو راستہ کے بائیں طرف ہرشی کے نالہ پر واقع ہے۔ یہ نالہ ہرشی کے کنارے سے مل گیا ہے اس میں اور راستہ میں ایک تیر کی مار کا فاصلہ ہے اور عبد اللہ بن عمر اس بڑے درخت کی طرف نماز پڑھتے جو سب درختوں میں راستہ سے زیادہ نزدیک ہے اور سب سے لمبا ہے۔ اور عبد اللہ بن عمر نے نافع سے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس نالے میں منزل کرتے جو مر الظہران کے نشیب میں واقع ہے مدینہ کے سامنے صفراوات سے اترتے وقت آپ اس نالے کے نشیب میں اترتے راستہ سے بائیں طرف کو جاتے ہوئے حضور جہاں اترا کرتے تھے۔ اس میں اور راستہ میں ایک پتھر کی مار کا فاصلہ ہوگا۔

اور عبد اللہ بن عمر نے نافع سے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ذی طوی میں اترتے اور رات کو یہیں رہتے صبح کی نماز پڑھ کر مکہ میں آتے اور ذی طوی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ٹیلے پر نماز پڑھتے۔ یہ وہ جگہ نہیں ہے جہاں اب مسجد بن گئی ہے۔ بلکہ اس سے نیچے ہٹ کر ایک سخت ٹیلہ ہے۔ اور عبد اللہ بن عمر نے نافع سے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہاڑوں کے دونوں کونوں کی طرف رخ کیا۔ جو کعبہ کی طرف آپ کے اور لمبے پہاڑ کے بیچ میں تھا تو عبد اللہ بن عمر نے اس مسجد کو جو وہاں بن گئی ہے اس مسجد کے بائیں طرف کیا۔ جو ٹیلے کے کنارے پر ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز پڑھنے کی جگہ اس سے نیچے ہے کالے ٹیلے پر۔ ٹیلے سے دس ہاتھ چھوڑ کر

عَشَرَةَ اَذْرُعٍ اَوْ نَحْوَهَا ثُمَّ تُصَلِّيَ مُسْتَقْبِلَ الْفُرْضَتَيْنِ مِنَ الْجَبَلِ الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَ الْكَعْبَةِ (بخاری)

یا اس سے کچھ کم و بیش وہاں نماز پڑھتے تو تیرا رخ پہاڑ کے دونوں کناروں کی طرف ہو گا یعنی اس پہاڑ کے جو تیرے اور کعبہ کے بیچ میں ہے۔

حضرت علامہ قسطلانی علیہ الرحمۃ نے فرمایا۔ یہ ہیں وہ مقامات جہاں حضور علیہ السلام نے نماز ادا فرمائی اور سیدنا ابن عمر نے ان مقامات پر بطور تبرک نماز پڑھی ——— اور اس باب میں حضرت عمر سے جو مروی ہے کہ وہ اس کو مکروہ قرار دیتے تو حضرت عمر نے مکروہ اس صورت میں قرار دیا ہے جبکہ کوئی ان مقامات پر نماز پڑھنے کو جن میں حضور نے نماز پڑھی ہے ضروری جانے۔ علامہ بغوی شافعی نے فرمایا کہ اگر کوئی ان مقامات پر نماز پڑھنے کی نذر مانے جن میں حضور نے نماز پڑھی ہے تو اس نذر کو پورا کرنا واجب ہے ——— نیز جن مسجدوں کا اس حدیث میں ذکر ہے ان میں سے اکثر کے نشانات مٹ گئے ہیں البتہ مسجد، مساجد روحا کو وہاں کے باشندے آج تک بہ تواتر پہچانتے ہیں (قسطلانی)

مساجد مدینہ امام بخاری علیہ الرحمۃ نے ان مساجد کا ذکر کیا جو راہ مدینہ میں واقع ہیں اور جن میں حضور نے نماز پڑھی مساجد جو خاص مدینہ میں واقع ہیں اور جن میں حضور نے نماز ادا فرمائی ان کا ذکر اس لئے نہیں کیا کہ وہ بخاری کی شرط پر نہ تھی ——— علامہ ابن زبالہ نے کتاب اخبار المدینہ میں لکھا کہ مدینہ میں نو مسجدیں ہیں جن میں حضور نے نماز ادا فرمائی

(۱) مسجد بنی عمرو بن مبذول (۲) مسجد بنی ساعدہ (۳) مسجد بنی عبید (۴) مسجد بنی سلمہ (۵) مسجد بنی راتج (۶) مسجد بنی زریق (۷) مسجد غفار (۸) مسجد اسلم (۹) مسجد جہینہ

اور ابو غسان نے مطلب سے نقل کیا کہ مدینہ و اطراف مدینہ میں جتنی مسجدیں منقش پتھروں سے بنی ہوئی ہیں ان سب میں حضور نے نماز ادا فرمائی ہے۔ اور حضرت عمر بن عبد العزیز نے اپنے زمانہ خلافت میں ایسے تمام مقامات کو دریافت کیا جہاں حضور نے نماز ادا فرمائی اور وہاں منقش پتھر سے مسجدیں بنائیں اور علامہ ابن شیبہ نے تفصیل کے ساتھ ان مقامات کی نشاندہی کی جو مشہور ہیں اس زمانے تک باقی تھیں وہ یہ ہیں:-

(۱) مسجد قبا (۲) مسجد فضیخ جو قبا کے مشرق کی طرف ہے (۳) مسجد بنی قریظہ (۴) مسجد مشربہ ام ابراہیم (۵) مسجد بنی ظفر بقیع کے مشرق کی طرف ہے جسے مسجد بغلہ بھی کہتے ہیں (۶) مسجد بنی معاویہ جسے مسجد الاجابہ بھی کہتے ہیں (۷) مسجد فتح جو سلع پہاڑ کے نزدیک ہے (۸) مسجد قبلتین جو بنی سلمہ میں ہے (منتخب ج ۱، ص ۱۰۸ ـ قسطلانی فتح الباری)

بَابُ سُتْرَةُ الْإِمَامِ سُتْرَةُ مَنْ خَلْفَهُ

باب امام کا سترہ مقتدیوں کو بھی کافی ہے

اس عنوان کے تحت انہوں نے تین حدیثیں لکھی ہیں پہلی حدیث آرہی ہے جو حضرت تعلیم و ترجمانی کے باب متی یصح سماع الصغیر کتاب العلم فیوض الباری پارہ اول میں گزر چکی ہے۔ باقی دو حدیثیں یہ ہیں:-

(۱) عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا خَرَجَ يَوْمَ الْعِيْدِ اَمَرَ بِالْحَرْبَةِ فَتُوْضَعُ بَيْنَ يَدَيْهِ فَيُصَلِّيْ اِلَيْهَا وَالنَّاسُ وَرَاءَهُ وَكَانَ يَفْعَلُ ذٰلِكَ فِي السَّفَرِ فَمِنْ ثَمَّ اتَّخَذَهَا الْاُمَرَاءُ (بخاری)

حضرت ابن عمر کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب عید کے دن تشریف لے جاتے تو نیزہ کو رکھنے کا حکم دیتے، وہ آپ کے سامنے گاڑی جاتی آپ اس کی طرف نماز پڑھتے اور لوگ آپ کے پیچھے اور سفر میں بھی آپ ایسا ہی کرتے۔ چنانچہ امراء نے اس کو برچھی رکھنے کو عادت بنا لیا۔

عَنْ عَوْنِ بْنِ أَبِي جُحَيْفَةَ قَالَ سَمِعْتُ أَبِي يَقُولُ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى بِهِمْ بِالْبَطْحَاءِ وَبَيْنَ يَدَيْهِ عَنَزَةٌ الظُّهْرَ رَكْعَتَيْنِ وَالْعَصْرَ رَكْعَتَيْنِ تَمُرُّ بَيْنَ يَدَيْهِ الْمَرْأَةُ وَالْحِمَارُ۔ (بخاری)

عون بن ابی جحیفہ کہتے ہیں میں نے اپنے باپ سے سنا، کہتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بطحاء میں نماز پڑھائی اور آپ کے سامنے برچھی گاڑی ہوئی تھی ظہر کی دو رکعتیں اور عصر کی دو رکعتیں، اور آپ کے آگے سے عورتیں اور حمار گزر رہے تھے۔

تعدد مسائل حدیث اول کو مسلم و ابوداؤد نے صلوٰۃ میں ذکر کیا۔ اور حدیث دوم کو بخاری نے صلوٰۃ میں متعدد بار اور اذان، صفۃ النبی و لباس وغیرہ میں اور مسلم، ابوداؤد و ترمذی ابن ماجہ نے صلوٰۃ میں ذکر کیا۔ یہ دونوں حدیثیں مسائل ذیل پر مشتمل ہیں۔

۔ بطحاء مکہ سے باہر ایک موضع کا نام ہے جسے ابطح بھی کہتے ہیں۔

فقہی مسائل (۱) اقامت کوئی آلہ رکھنا خصوصاً سفر میں، جس سے دشمن کو دفع کر سکے۔ مستحب ہے (۲) امام و منفرد صحراء میں یا کسی ایسی جگہ نماز پڑھیں جہاں سے لوگوں کے گزرنے کا اندیشہ ہو تو مستحب ہے کہ سترہ گاڑیں (۳) امام کا سترہ مقتدی کے لئے بھی کافی ہے۔ مقتدی کو جدید سترہ کی ضرورت نہیں اور سترہ بقدر ایک ہاتھ کے اونچا اور انگلی بھر موٹا ہو یا زیادہ سے زیادہ تین ہاتھ اونچا ہو۔ سترہ نزدیک ہونا چاہیئے۔ سترہ بالکل ناک کی سیدھ پر نہ ہو بلکہ داہنی یا بائیں ابرو کی سیدھ پر ہونا افضل ہے۔ اگر سترہ نصب کرنا ممکن ہو تو کوئی چیز آڑی رکھ دے، یہ بھی نہ ہو تو خط کھینچ دے۔ غرضکہ جو چیز بھی اڑ بن سکے وہ سترہ کے کام آ سکتی ہے۔ مثلاً کرسی، تپھر، درخت، آدمی وغیرہ مگر کسی کو اس حالت میں سترہ بنایا جائے جب اس کی پیٹھ مصلی کی طرف ہو کیونکہ مصلی کی طرف منہ کرنا منع ہے۔

یہ مسئلہ یہ بھی ہے کہ اب سترہ کے آگے سے گزرنا جائز ہو جاتا ہے ——— اور اگر کسی نے بلا سترہ شارع عام پر نماز پڑھی تو عورت، مرد، جانور، بلی، کتا، گدھے گزرے تو نماز فاسد نہ ہوگی ——— اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ سفر میں چار رکعت والی دو پڑھنا ہے کیونکہ حضور علیہ السلام نے ظہر و عصر کی نماز قصر پڑھی۔

بَابُ قَدْرِ كَمْ يَنْبَغِي أَنْ يَكُونَ بَيْنَ الْمُصَلِّي وَالسُّتْرَةِ
عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ كَانَ بَيْنَ مُصَلّٰى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبَيْنَ الْجِدَارِ مَمَرُّ الشَّاةِ۔ بخاری

باب نمازی اور سترہ کے درمیان کتنا فاصلہ ہونا چاہیئے۔
سہل بن سعد نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جہاں نماز پڑھا کرتے وہاں آپ کے اور دیوار کے درمیان اتنا فاصلہ رہتا کہ بکری گزر جاتی۔

اس حدیث سے واضح ہوا کہ امام اور سترہ کے درمیان اتنا فاصلہ ہو کہ بکری گزر جائے۔ اسی لئے فقہاء نے سترہ نزدیک کو مستحب قرار دیا ہے۔

---

۱ واضح ہو کہ خط کھینچ دینے سے نمازی کے آگے سے گزرنا جائز نہ ہوگا۔ البتہ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ شیطان قریب نہ آئے گا۔ جیسے لیلۃ الجن میں حضور علیہ السلام نے حضرت ابن مسعود کو بٹھا کر ان پر دائرہ بنا دیا تھا جس کو حصار کہتے ہیں۔ یہ حصار والی اوگ حدیث بیہ اس کی سے مستفاد ہے۔ منہ

حدیث دوم کا ترجمہ یہ ہے ۔ حضرت عبد اللہ بن عمر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسامہ بن زید اور عثمان بن طلحہ حجبی کعبہ کے اندر داخل ہوئے اور عثمان نے کعبہ کا دروازہ بند کر دیا۔ جب آپ باہر آئے تو میں نے پوچھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کے اندر کیا کیا۔ انہوں نے کہا۔

جَعَلَ عَمُوْدًا عَنْ يَسَارِهٖ وَعَمُوْدًا عَنْ يَمِيْنِهٖ وَثَلٰثَةَ اَعْمِدَةٍ وَرَآءَهٗ وَكَانَ الْبَيْتُ يَوْمَئِذٍ عَلٰى سِتَّةِ اَعْمِدَةٍ ثُمَّ صَلّٰى (بخاری)	حضور نے ایک ستون کو اپنے بائیں اور دوسرے کو اپنے داہنے کیا اور تین ستونوں کو اپنے پیچھے کیا اور اس وقت کعبہ کے چھ ستون تھے ۔ پھر نماز پڑھی۔

فوائد و مسائل

حضور علیہ السلام نے کعبہ کے اندر جو نماز پڑھی تو دو ستون آپ کی داہنی طرف اور ایک بائیں طرف اور تین پیچھے تھے کیونکہ جب کعبہ کے چھ ستون تھے تو ایک طرف آپ کے دو ستون اور ایک طرف ایک ستون رہا ہوگا۔

ان دونوں حدیثوں سے واضح ہوا کہ اگر منفرد یا جماعت دو ستونوں کے درمیان کھڑا ہو کر نماز پڑھے تو بلا کراہت جائز ہے اور مقتدی اگرچہ دو جماعتی ستونوں کے درمیان کھڑے ہو کر نماز پڑھنا مکروہ ہے ۔۔۔۔۔ اور حدیث مستدرک و حاکم میں جو ستونوں کے درمیان نماز سے ممانعت ہے تو یہ ممانعت اس صورت میں ہے جبکہ جماعت سے نماز پڑھ رہا ہو۔

ستونوں کے درمیان نماز پڑھنے کے متعلق سلف میں بھی اختلاف رہا ہے۔ حضرت انس بن مالک مکروہ قرار دیتے حضرت ابن مسعود نے فرمایا" لاتصفوا بین الاساطین واتموا الصفوف" ظاہر ہے کہ یہ نہی بھی اسی صورت ہے جبکہ با جماعت نماز پڑھی جائے۔ چنانچہ اتموا الصفوف کا لفظ اس پر دال ہے ۔۔۔۔۔ حضرت حسن و ابن سیرین ابن جبیر وابراہیم تیمی، سوید بن غفلہ کے نزدیک بھی ستونوں کے درمیان نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ہے۔ حضرت امام مالک ہے اگر مسجد تنگ ہو تو حرج نہیں ان شاء اللہ ۔۔۔۔۔ علامہ قرطبی نے کہا دو ستونوں کے درمیان صف بندی کی کراہت کا سبب انقطاع صف ہے جو تسویۂ صفوف کے منافی ہے۔

باب ۔۔۔۔۔ اس کے تحت امام نے جو حدیث ذکر کی ہے اس کے ترجمہ کی تفصیل یہ ہے حضرت نافع کہتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمر کعبہ کے اندر داخل ہوتے تو سیدھے منہ کی طرف چلے جاتے اور کعبہ کے دروازے کو پیچھے کرتے ہوئے آگے بڑھتے یہاں تک کہ وہ دیوار جو ان کے منہ کے سامنے ہوتی تین ہاتھ کے فاصلہ پر رہ جاتی وہاں نماز پڑھتے اس جگہ قصد کرکے نماز پڑھتے جس جگہ کے متعلق حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے بیان کیا تھا کہ

اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى فِيْهِ قَالَ وَلَيْسَ عَلٰى اَحَدِنَا بَاْسٌ اِنْ يُّصَلِّيَ فِيْ اَيِّ نَوَاحِي الْبَيْتِ شَآءَ (بخاری)	ابن عمر نے کہا (اگرچہ) اس میں کوئی قباحت نہیں کہ کوئی کعبہ کے جس کونے میں چاہے نماز پڑھے۔

حدیث ہذا مسائل ذیل پر مشتمل ہے

(۱) کعبہ کے اندر نماز پڑھنا جائز ہے (۲) نمازی کو سترہ سے قریب ہونا شارع کو مطلوب ہے حدیث میں نمازی اور سترہ کے درمیان فاصلہ کی مقدار تین ہاتھ بتائی گئی ہے۔ لیکن سابقہ حدیث نہیں کیونکہ حضور نے جس پر مواظبت فرمائی اس کی مقدار بکری کا گزر جانا ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ تین ہاتھ کا فاصلہ چھوڑا ہے (۳) کعبہ کے اندر جہاں حضور علیہ السلام نے نماز پڑھی اسی جگہ پر نماز پڑھنا باعث برکت و رحمت ہے لیکن ضروری نہیں۔

بَابُ الصَّلٰوةِ عَلَى الرَّاحِلَةِ وَالْبَعِيْرِ وَالشَّجَرِ وَالرَّحْلِ

عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ كَانَ يُعَرِّضُ رَاحِلَتَهٗ فَيُصَلِّيْ اِلَيْهَا قُلْتُ اَفَرَاَيْتَ اِذَا هَبَّتِ الرِّكَابُ قَالَ كَانَ يَاْخُذُ الرَّحْلَ فَيُعَدِّلُهٗ فَيُصَلِّيْ اِلٰى اٰخِرَتِهٖ اَوْ قَالَ مُؤَخَّرِهٖ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَفْعَلُهٗ

باب اونٹ سواری اور پالان کو سترہ بنا کر نماز پڑھنا۔

حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری کو آڑا بٹھالیتے اور اس کو سترہ بنا کر نماز پڑھتے۔ عبید اللہ بن عمر نے نافع سے پوچھا جب اونٹ مست ہوتے تو آپ کیا کرتے تب انہوں نے جواب دیا سترہ پالان کو اپنے سامنے سیدھا کر کے اس کی پچھلی لکڑی کی طرف سترہ ہو کر نماز پڑھتے اور ابن عمر بھی ایسا ہی کرتے۔

اس حدیث سے واضح ہوا کہ ہر وہ چیز جو اونچی ہو سترہ کے کام آسکتی ہے حضور علیہ السلام نے اونٹ اور کجاوہ اس کے پالان کو سترہ بنایا۔ سترہ کے مسائل اوپر گزر چکے ہیں۔

بَابُ الصَّلٰوةِ اِلَى السَّرِيْرِ

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اَعَدَلْتُمُوْنَا بِالْكَلْبِ وَالْحِمَارِ لَقَدْ رَاَيْتُنِيْ مُضْطَجِعَةً عَلَى السَّرِيْرِ فَيَجِيْئُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَتَوَسَّطُ السَّرِيْرَ فَيُصَلِّيْ فَاَكْرَهُ اَنْ اُسَنِّحَهٗ فَاَنْسَلُّ مِنْ قِبَلِ رِجْلَيِ السَّرِيْرِ حَتّٰى اَنْسَلَّ مِنْ لِحَافِيْ (بخاری)

باب تخت کی طرف نماز پڑھنے کے متعلق

حضرت عائشہ نے فرمایا کہ تم لوگوں نے ہمیں کتے اور گدھے کے برابر کر دیا میں نے اپنے آپ کو دیکھا کہ چارپائی پر لیٹی رہتی پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے تو تخت کو اپنے اور قبلہ کے درمیان کر لیتے پھر نماز پڑھتے مجھے آپ کے سامنے لیٹے رہنا اچھا معلوم نہ ہوتا تو پائنتی کی طرف سے کھسک کر لحاف سے باہر نکل جاتی۔

مسائل: کتاب الاستیذان میں ہم نے جو روایت درج کی ہے۔ اس میں یہ ہے۔ کہ آپ جب نماز پڑھتے تو چارپائی آپ کے اور قبلہ کے بیچ میں ہوتی اس حدیث فیتوسط السریر کے معنی ہیں۔ آپ اس چارپائی یا تخت کو اپنے اور قبلہ کے بیچ اور حضرت عائشہ صدیقہ اس چارپائی پر آرام فرما ہوتیں۔ اس سے واضح ہوا کہ نمازی کے آگے اگر عورت یا مرد ہو۔ سو رہا ہو۔ اور یہ بھی کہ اگر کوئی نمازی کے آگے بیٹھا ہو یا لیٹا ہوا ہو اور اسے جانا ہے تو بیٹھا بیٹھا کھسک جائے۔ کہ ایسے جناب عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا لیٹے لیٹے وہاں سے کھسک گئی تھیں۔

بعض غیر مقلد مولوی صاحب نے لکھا کہ حضرت عائشہ اس لئے حضور کے سامنے سے ہٹ گئیں تاکہ آپ کے خشوع و خضوع میں فرق نہ آئے یہ بات درست نہیں اور اس کی تردید بخاری شریف کی وہ حدیث کر دیتی ہے۔ جس میں یہ ہے کہ حضرت عائشہ نے فرمایا میں اپنی کسی حاجت کے لئے آپ کے سامنے سے چلی گئی تھی اور زیر بحث حدیث میں بھی حضرت عائشہ نے خود اپنی کراہت بیان کر دی ہے۔ فافہم

بَابُ يَرُدُّ الْمُصَلِّيْ مَنْ مَرَّ بَيْنَ يَدَيْهِ وَرَدَّ ابْنُ عُمَرَ فِي التَّشَهُّدِ وَفِي الْكَعْبَةِ وَقَالَ اِنْ اَبٰى اِلَّا اَنْ تُقَاتِلَهٗ فَقَاتِلْهُ

باب جب کوئی نمازی کے آگے سے گزرنا چاہے تو اسے دفع کرے حضرت ابن عمر نے التحیات پڑھتے وقت روکا اور کعبہ میں بھی ایسا کرے اور کہا اگر وہ بغیر لڑے نہ مانے تو اس سے لڑے۔

اس عنوان کے تحت امام نے جو حدیث لکھی ہے اس کے ابتدائی جملوں کا ترجمہ یہ ہے۔ ابو صالح سمان کہتے ہیں۔ میں نے حضرت ابو سعید خدری کو دیکھا جمعہ کے دن لوگوں سے آڑ کئے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے۔ ابو معیط کے بیٹوں

ہوتی رہے گی (۲) اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول اور حدیث میں جو قاتلہ کا لفظ ہے، جس کا لفظی ترجمہ ہم نے یہ کیا ہے کہ گزرنے والے سے لڑے، لیکن احناف کے نزدیک یہ فعل تعلیظ پر محمول ہے حسی پر نہیں یعنی قاتلہ کا مطلب یہ ہے کہ اشارہ دیا تسبیح وغیرہ سے یہی کوشش کرے کہ گزرنے سے باز آئے۔ تو نمازی اپنے دل میں اس کے گزرنے کو سخت شدید طور پر برا سمجھے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ اس سے ہاتھا پائی شروع کر دے یا اس کے کپڑے وغیرہ کھینچے۔ حضرت ابو سعید کا اپنے آگے سے گزرنے والے کو دھکا دینا۔ تو ظاہر ہے کہ یہ عمل کثیر ہے جس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ اور انہوں نے نیک نیتی کے ساتھ ظاہر حدیث پر عمل فرمایا۔ البتہ اتنی بات ضرور واضح ہوتی ہے کہ اگر کوئی ظاہر حدیث پر عمل کرتے ہوئے گزرنے والے کے مکان وغیرہ تک بھی اس سے مواخذہ نہ کرے۔ واللہ اعلم

جب اور یہ حضور نے گزرنے والے کو شیطان فرمایا تو اس اعتبار سے فرمایا کہ گزرنے والے نے شیطان کا سا کام کیا کیونکہ شیطان کا کام ہے کہ وہ نمازی کی نماز میں خلل ڈالتا ہے۔

بَابُ اسْتِقْبَالِ الرَّجُلِ وَهُوَ يُصَلِّي

باب ایک شخص نماز پڑھ رہا ہو اور دوسرا اس کی طرف منہ کر کے بیٹھے

استقبال کو اہل لغت نے مواجہہ سے خاص کیا ہے اور احناف کے نزدیک یہ بات مکروہ ہے کہ نمازی کے سامنے منہ کر کے بیٹھا رہے۔ امام بخاری نے فرق کیا ہے کہ کراہت اس وقت ہے جبکہ نمازی کا خیال بٹے اگر نہ بٹے تو مکروہ نہیں۔

وَكَرِهَ عُثْمَانُ أَنْ يُسْتَقْبَلَ الرَّجُلُ وَهُوَ يُصَلِّي وَهٰذَا إِذَا اشْتَغَلَ بِهِ فَأَمَّا إِذَا لَمْ يَشْتَغِلْ بِهِ فَقَدْ قَالَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ مَا بَالَيْتُ إِنَّ الرَّجُلَ لَا يَقْطَعُ صَلَاةَ الرَّجُلِ۔ بخاری

اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کو مکروہ جانا کہ ایک شخص نماز پڑھ رہا ہو اور دوسرا اس کی طرف منہ کر کے بیٹھے۔ امام بخاری نے کہا کراہت اس وقت ہے جبکہ نمازی کا دل ادھر مشغول ہو اگر دل ادھر مشغول نہ ہو تو زید بن ثابت نے فرمایا مجھے اس کی پرواہ نہیں کیونکہ مرد کی نماز کو مرد قطع نہیں کرتا۔

بَابُ الصَّلَاةِ خَلْفَ النَّائِمِ

باب سونے والے کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھنا

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي وَأَنَا رَاقِدَةٌ مُعْتَرِضَةٌ عَلَى فِرَاشِهِ فَإِذَا أَرَادَ أَنْ يُوتِرَ أَيْقَظَنِي فَأَوْتَرْتُ۔ بخاری

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے رہتے۔ اور میں آپ کے سامنے بچھونے پر آڑی لیٹی ہوتی۔ جب آپ وتر پڑھنے کا ارادہ فرماتے تو مجھ کو بھی جگا دیتے میں وتر پڑھ لیتی۔

(۱) اس حدیث سے واضح ہوا کہ نمازی کے آگے اگر کوئی سو رہا ہو تو نماز میں فساد نہیں آتا (۲) سوتے ہوئے کو وتر کے لئے جگا دینا مستحب ہے (۳) اور وتر سونے کے بعد پڑھنا مستحب ہے۔ مگر یہ اس کے لئے جسے تہجد کے وقت جاگنے کی عادت ہو۔

بَابُ التَّطَوُّعِ خَلْفَ الْمَرْأَةِ

باب عورت کے پیچھے کھڑے ہو کر نفل پڑھنا

اس عنوان کے تحت امام نے جو حدیث لکھی ہے۔ اس کا ترجمہ یہ ہے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آرام فرما ہوتی اور میرے پاؤں آپ کے قبلہ میں ہوتے۔ جب آپ سجدہ کرتے تو ہاتھ سے مجھے دبا دیتے۔ میں پاؤں سکیڑ لیتی جب آپ کھڑے ہوتے تو پھیلا لیتی۔ اور ان دنوں گھروں میں چراغ بھی نہ تھے۔

یہ حدیث فیوض الباری پارہ عاشر پر مع تفہیم کے گذر چکی ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ اگر عورت نمازی کے آگے سوئی ہو تو حرج نہیں۔ البتہ اگر اس طرح نماز پڑھنے سے خشوع و خضوع میں فرق آنے تو بہتر یہ ہے کہ نہ پڑھے اور یہ عورت ہی کے ساتھ کیا خاص ہے ہر وہ چیز جو نماز میں خلل انداز ہو سکے اس کے سامنے ہوتے ہوئے نماز پڑھنا اچھا نہیں ؛

بَابُ مَنْ قَالَ لَا يَقْطَعُ الصَّلٰوةَ شَيْءٌ

باب ان لوگوں کے مسلک کے بیان میں جو یہ کہتے ہیں کہ نماز کو کوئی چیز فاسد نہیں کرتی۔

عنوان کا یہ مطلب نہیں ہے کہ نماز کو کوئی چیز باطل نہیں کرتی بلکہ مطلب یہ ہے کہ خود نمازی اگر کوئی فعل کرے تو نمازی کی نماز میں کوئی فساد نہیں آئے گا۔ اس عنوان کے تحت امام نے یہ حدیث لکھی ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ ذُكِرَ عِنْدَهَا مَا يَقْطَعُ الصَّلٰوةَ الْكَلْبُ وَالْحِمَارُ وَالْمَرْأَةُ فَقَالَتْ شَبَّهْتُمُوْنَا بِالْحُمُرِ وَالْكِلَابِ وَاللّٰهِ لَقَدْ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ وَ إِنِّيْ عَلَى السَّرِيْرِ بَيْنَهُ وَ بَيْنَ الْقِبْلَةِ مُضْطَجِعَةً فَتَبْدُوْ لِيَ الْحَاجَةُ فَأَكْرَهُ أَنْ أَجْلِسَ فَأُوْذِيَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَنْسَلُّ مِنْ عِنْدِ رِجْلَيْهِ (رضی)

حضرت عائشہ رضہ کے سامنے اس بات کا ذکر آیا کہ نمازی کے سامنے کتا، گدھا یا عورت گذر جائے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے اس پر آپ نے فرمایا تم نے ہمیں گدھوں اور کتوں سے تشبیہ دے دی حالانکہ میں نے دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے ہوتے اور میں آپ کے اور قبلہ کے درمیان چارپائی پر لیٹی ہوتی پھر مجھے کوئی کام ہوتا تو میں آپ کے سامنے بیٹھ کر آپ کو تکلیف دینا برا جانتی تو چارپائی کے پائنتی سے کھسک کر نکل جاتی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے کسی نے ذکر کیا کہ اگر نمازی کے سامنے کتا یا گدھا یا عورت گذر جائے تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ اس پر حضرت عائشہ نے اس نظریہ کی تردید فرمائی اور کہا میں تو حضور کے سامنے لیٹی ہوتی تھی اور حضور نماز میں مشغول ہوتے تو جب میرے حضور کے سامنے لیٹے رہنے سے نماز میں فساد نہیں آتا تو عورت کے گذر جانے سے کیسے فساد آئے گا امام طحاوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ حدیث عائشہ سے ثابت ہوا کہ بنی آدم کا نمازی کے آگے سے گذر جانا نماز کو فاسد نہیں کرتا ؛

إِنَّهُ سَأَلَ عَمَّهُ عَنِ الصَّلٰوةِ يَقْطَعُهَا شَيْءٌ قَالَ لَا يَقْطَعُهَا شَيْءٌ

محمد بن عبد اللہ بن مسلم نے اپنے چچا ابن شہاب سے پوچھا کہ نماز کو کوئی چیز توڑتی ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ کوئی چیز نہیں توڑتی۔

کیونکہ حضرت عائشہ رضہ کا بیان ہے کہ حضور علیہ السلام تہجد کی نماز پڑھتے اور وہ حضور کے سامنے بچھے بچھونے پر اس طرح سوئی رہتی تھیں جیسے جنازہ۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ جب عورت کا نمازی کے سامنے لیٹے رہنے سے نماز میں فساد نہیں آتا۔ تو گذرنے سے کیسے آئے گا۔ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ رات کو نفل پڑھنا مستحب ہے اور یہ کہ آدمی جس بچھونے پر سوئے اگر وہ پاک ہے تو اس پر نماز پڑھنا جائز ہے ؛

بَابُ إِذَا حَمَلَ جَارِيَةً صَغِيْرَةً عَلٰى عُنُقِهٖ فِي الصَّلٰوةِ

باب۔ بحالت نماز اپنی چھوٹی بچی کو اپنی گردن پر بٹھا لینا۔

عَنْ أَبِيْ قَتَادَةَ الْأَنْصَارِيِّ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّيْ وَهُوَ حَامِلٌ أُمَامَةَ بِنْتَ زَيْنَبَ بِنْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت قتادہ انصاری راوی ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نواسی امامہ کو اٹھائے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے کہ حضرت زینب بنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

اس عنوان کے ماتحت امام نے دو ہی حدیث ذکر کی ہے۔ جو فیوض الباری پارہ اول میں مع تفہیم وترجمانی کے گزر چکی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کعبہ کے پاس نماز پڑھ رہے تھے کہ کفار کے مشورہ سے عقبہ بن ابی معیط نے اونٹ کا سر اور جھلی حضور کی پشت مبارک پر رکھ دیا اور جناب فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آکر اسے ہٹایا۔———

اس سے واضح ہوا کہ نمازی کے بدن سے عورت کسی چیز کو ہٹا دے تو نماز میں فساد لازم نہیں آتا لیکن امام بخاری کا یہ استدلال اس لئے درست نہیں کہ کفار نے جو چیز پشت مقدس پر رکھی تھی اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ تو نماز تو اس چیز کے رکھتے ہی فاسد ہو گئی۔ ایسی صورت میں عورت کے اٹھانے سے فساد وعدم فساد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا؟——— ویسے یہ مسئلہ اپنی جگہ درست ہے کہ نمازی کے آگے سے عورت گزر جائے۔ یا بدن کا کوئی حصہ یعنی عورت کے بدن سے لگ جائے تو نماز میں فساد نہیں آتا۔ فافہم

اس حدیث پر پارہ دوم ختم ہو گیا۔ فالحمد للہ علی ذالک۔ اب ان شاء اللہ تعالیٰ پارہ سوم شروع ہوگا۔ قارئین سے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اسے بھی پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

سید محمود احمد رضوی

۱۹ ربیع الثانی ۱۳۹۰ھ

مطابق ۲۰ اکتوبر ۱۹۶۹ء

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا

احادیث نبویہ کا محبوب مجموعہ نیز قرآن کے بعد سب سے صحیح کتاب

امام المحدثین امیر المومنین فی الحدیث راس المحدثین استاذ الحفاظ ابو عبداللہ محمد بن اسمٰعیل بخاری

قدس سرہ الباری کی تالیف صحیح بخاری کا سلیس اردو ترجمہ و مکمل شرح

فیوض الباری

فی شرح

صحیح البخاری

حصہ سوم

علامہ سید محمود احمد رضوی

ناشر مکتبہ رضوان، داتا دربار روڈ، لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم　　　　　　　　　نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

بخاری شریف پارہ اوّل و دوم کی تفہیم و ترجمانی کے بعد پارہ سوم کا آغاز ہوتا ہے۔ یہ اللہ عزوجل جل مجدہٗ کا خاص فضل ہے کہ وہ اپنے ایک بندۂ ناکارہ سے اپنے دین کا ایک کام لے رہا ہے۔ اسی کی بارگاہ بے نیاز میں التجا ہے کہ وہ باقی پاروں کی تکمیل کی بھی توفیق عطا فرمائے۔ انداز تفہیم و ترجمانی وہی سابق ہے۔ مقدور بھر کوشش کی گئی ہے کہ قدم رستہ سے نہ ہٹنے تاہم ایک خطا کار قلم کا لغزش کھا جانا ممکن ہے۔ —— اہل علم کی خدمت میں استدعا ہے کہ اگر کہیں لغزش قلم پائیں تو براہِ کرم اسکی نشان دہی فرمائیں۔ تاکہ آئندہ اشاعت میں ترمیم یا تصحیح کر دی جائے۔

اشد ضروری نوٹ

پارہ سوم فیوض الباری اصل کتاب کے صفحات ۲۱۲ سے شروع ہوکر ۲۵۲ پر ختم ہیں۔ درمیان میں غلطی سے ۲۱۶ کے بعد ۲۰۳ لکھا گیا ہے مگر ترتیب مضمون درست ہے چونکہ آئندہ حصص میں انہیں صفحات کے مطابق کسی مضمون یا حدیث کا حوالہ دیا گیا ہے لہٰذا انہیں برقرار رکھا گیا ہے۔ —— البتہ صحیح ترتیب کے مطابق بھی صفحے لکھ دیئے گئے ہیں۔

موقر روزنامہ "نوائے وقت"، ۹ جولائی ۱۹۵۹ء میں فیوض الباری پارہ اوّل پر مندرجہ ذیل تبصرہ شائع ہوا

دینی علوم میں علم حدیث غالباً وہ واحد فن ہے جس پر علماء نے سب سے زیادہ توجہ دی ہے اور صحابہ کرام کے دور سے لے کر آج تک اس فن شریف کی حسب مقدور زیادہ سے زیادہ خدمت کی ہے۔ تدوین حدیث، اسماء الرجال، اصول حدیث، موضوعات اور دوسرے ضمنی علوم کا وجود اسی کاوش اور محنت کا زندہ ثبوت ہے۔ زیر نظر کتاب اسی سلسلے کی ایک تازہ کڑی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس کے مصنف مولانا سید محمود احمد صاحب رضوی نے اس موضوع پر کامل دسترس کا ثبوت دیا ہے۔

زیر نظر مجموعہ فیوض الباری کا صرف پارہ اوّل ہے۔ جس میں کتاب الایمان، کتاب العلم اور کتاب الوضو شامل ہیں۔ یہ پارہ ۲۰×۳۰ سائز کے چار سو چالیس صفحات میں پھیلا ہوا ہے۔

اس کی ترتیب فن حدیث کے معروف اسلوب کے مطابق ہے۔ سب سے پہلے علم حدیث کے متعلق ایک سیر حاصل تبصرہ ہے جو کتاب کے نفس مضمون کے لحاظ سے اس موضوع پر مشتمل ہیں اور ان سے کتاب کی افادیت میں خاصا اضافہ ہو گیا ہے۔ اس کے بعد امام محمد بن اسماعیل بخاری کے حالات اور علمی مرتبہ کا اور بعد میں حدیث کی تعریف اور اقسام کا ذکر ہے۔ اس کے بعد بدء الوحی کی مکمل تشریح ہے کتاب الایمان اسکے بعد شروع ہوتی ہے۔ — علم حدیث کی خدمت میں برصغیر کے علماء کا مقام خاصا بلند ہے۔ خانوادۂ ولی اللہی نے اس میدان میں اتنی عظیم خدمت انجام دی ہے کہ آج خود عرب ممالک بھی علم حدیث اور فن حدیث کے لیے انہی کے احسان شناس ہیں۔ زیر نظر کتاب کے مصنف سید محمود احمد رضوی، مولانا ابوالبرکات سید احمد صاحب کے فرزند اور شاگرد ہیں اور وہ دو واسطوں سے شاہ عبدالحق محدث دہلوی کے تلمیذ بتائے گئے ہیں۔ علم حدیث پر اردو زبان میں بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ جن میں صحاح کے اردو ترجمے تشریحی نوٹ، اصول اور دوسرے مضامین شامل ہیں۔ لیکن زیر نظر کتاب اس لحاظ سے منفرد مقام رکھتی ہے کہ اس میں کسی بھی متعلق مضمون کو تشنہ نہیں چھوڑا گیا۔ اس میں ایک تو اسناد کی طوالت ختم کر دی گئی ہے۔ جس سے کتاب کی جامعیت بڑھ گئی ہے۔ دوسرے امام نے ایک ہی مضمون کی حدیث کو مختلف اسناد سے اور مختلف مقامات پر درج کیا ہے۔ انھیں ایک ہی جگہ دے دیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ حدیث پڑھنے والے ہر ایک فرد کو اختلاف اسناد سے دلچسپی نہیں ہوتی اس لئے اسے بھی مستحسن ہی کہا جائے گا۔

مصنف نے اپنی وسعت علم اور بصیرت کا ثبوت اس طرح بھی دیا ہے کہ انھوں نے کسی حدیث کی محض تشریح پر ہی اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ اس پر اتنی مفصل بحث کی ہے کہ اسے تشنہ نہیں چھوڑا، حدیث وحی، کتاب الایمان اور کتاب العلم میں انھوں نے ہر اس مسئلہ کو جو کسی حدیث میں آیا ہے شرح و بسط سے بیان کیا ہے، اسی طرح کتاب الوضو میں جہاں فقہی مسائل آئے ہیں، محض کسی حدیث کی تشریح ہی نہیں کی بلکہ اس کے ساتھ ہی مختلف آئمہ کے مسلک واضح کئے ہیں اور پھر امام اعظم حضرت ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کی برتری کے دلائل بھی دیئے ہیں۔ مختلف احادیث کی توجیہ اور ترجیح میں بھی یہی طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔

آج کل کے دور میں اکثر تصانیف محض پرانے مصنفین کی محنتوں کو نئے قالب میں ڈھال کر پیش کی جاتی ہیں اور ایک روش یہ بھی ہے کہ نئے مصنفین اس محنت، کاوش، وسیع مطالعہ اور عمیق تفکر سے کام نہیں لیتے جو کسی تصنیف کو مکمل بنانے کے لیے ضروری ہوتا ہے۔ اس ماحول میں "فیوض الباری" ایک ایسی نئی تصنیف نظر آتی ہے۔ جس میں مصنف نے وسعت علم کے فن پر عبور کے علاوہ محنت کا ثبوت دیا ہے۔ جس سے اسکی افادیت علماء اور عوام سب کے لیے یکساں ہو گئی ہے۔

مختصر فہرس مضامین فیوض الباری شرح صحیح البخاری پارۂ سوم

کتاب الاذان

نام کتاب ——— فیوض الباری (حصہ سوم)

مصنف ——— علامہ سید محمود احمد رضوی

مطبع ———

بار ہفتم ——— ایک ہزار

تاریخ اشاعت ———

• حسب فرمائش: صاحبزادہ سید فواد اشرف رضوی

سنتِ نبوی سے متعلق چند ضابطے

واضح ہو کہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ و افعالِ جمیلہ بحمد اللہ سب ہی حسین و جمیل ہیں اور حضور کی ہر سنت کو اپنانا سعادت ہے مگر ہاں ہر حضور کی مقدس سنتوں کے درجے ہیں۔ جس درجہ کی سنت ہے اسے اسی درجہ و رتبہ میں رکھنا واجب ہے۔ اصول کی معتبر کتاب نور الانوار میں ہے۔ سنت دو قسم پر ہے۔ سنۃ الھدیٰ۔ جس پر حضور نے مواظبت فرمائی، اس کو علی وجہ التعبد کیا کہ ایک دو بار بلا عذر چھوڑ بھی دیا ہو یا بالکل نہ چھوڑا ہو لیکن تارک پر انکار نہ فرمایا۔ سنتِ ھدیٰ کا ترک اساءت ہے وقتِ حساب اس سے کہا جائے گا تو نے یہ سنت کیوں نہیں ادا کی۔ دوسری قسم سنۃ الزوائد جیسے لباس اٹھنے بیٹھنے کھانے پینے پہننے میں حضور کی عادت کریمہ کہ یہ چیزیں حضور سے علی وجہ العبادۃ و قصدِ قربت کے طور پر صادر نہیں ہوئیں۔ بلکہ عادت کے طور پر حضور سے صادر ہوئی ہیں۔ جیسے حضور کا سرخ سبز سفید جبہ زیب تن فرمانا۔ کبھی سیاہ یا سرخ عمامہ سات ہاتھ یا بارہ ہاتھ یا اس سے کم و بیش کا استعمال فرمانا۔ تو ایسی تمام سنتیں سنتِ زوائد ہیں۔ سنتِ زوائد کا حکم یہ ہے:

یثاب المرء علی فعلہا ولا یعاقب علی ترکہا وھو فی معنی المستحب۔
(نور الانوار مع حاشیہ قمر الاقمار)

یعنی ان سنتوں پر عمل کرنے والا ثواب پاتا ہے اور جو عمل نہ کرے تو اس پر کچھ گناہ نہیں اور یہ سنتیں مستحب کے حکم میں ہیں۔

حضور کی سنن زوائد مستحب کے حکم میں ہیں ان کا ترک نہ گناہ نہ مکروہ تنزیہیہ

چنانچہ حضور کی سنتِ زائدہ کے متعلق اعلیٰحضرت نے تصریح فرمائی ہے کہ سنن زوائد نہ فرض نہ واجب نہ سنتِ مؤکدہ بلکہ مستحب کے حکم میں ہیں کہ ان پر عمل کرے تو ثواب نہ کرے تو کچھ گناہ نہیں بلکہ ان کا ترک مکروہ تنزیہیہ بھی نہیں۔ چنانچہ اعلیٰحضرت فرماتے ہیں۔

(۱) فذالک لان التحقیق من سنن الزوائد و سنن الزوائد حکمہا حکم المستحب (۲) ترکہ لا یوجب اساءۃ ولا عتابا کترک سنۃ الزوائد لکن فعلہ افضل درمختار (۳) و سنۃ الزوائد و ترکہا لا یوجب ذالک کسیر النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی لباسہ (۴) بخلاف سنۃ الھدیٰ وھی السنن المؤکدۃ القریبۃ من الواجب التی یضلل تارکہا (فتاویٰ رضویہ صفحہ ۲۵۶)

حدیث ضعیف اباحت میں بالاجماع مقبول!

حدیث ضعیف اباحت میں بالاجماع مقبول ہے۔ اعلیٰحضرت فاضل بریلوی لکھتے ہیں۔ صح بذا علیہ میں فرمایا کہ جب حدیث ضعیف بالاجماع فضائل میں مقبول ہے تو اباحت میں بدرجۂ اولیٰ (صفحہ ۳۳ جلد اول۔ فتاویٰ رضویہ)

اباحت کا مطلب ہے جائز ہونا کہ اگر حدیث ضعیف بھی ہو تو جو کچھ اس میں مروی ہے اس کا جائز ہونا ثابت رہے گا اور جائز کا مطلب یہ ہے کہ وہ چیز فرض و واجب یا حرام یا مکروہ تحریمہ ہرگز ہرگز نہیں قرار پائے گی کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے اور اباحت کو حرمت سے بدلنے کا حق صرف اور صرف حضرت شارع علیہ السلام کو ہے۔

بادلیل شرعی حرام ومکروہ کا فتویٰ دینا خدا ورسول پر افترا کرنا ہے

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے اس موضوع پر متعدد مقامات پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ فرماتے ہیں:۔

- جواز کے لیے صرف اتنا کافی ہے کہ خدا اور رسول نے منع نہ فرمایا۔ کسی چیز کی ممانعت قرآن وحدیث میں نہ ہو تو اسے منع کرنے والا خود حاکم وشارع بننا چاہتا ہے۔ فتاویٰ رضویہ ج۴، ص۲۸ کتاب النکاح،
- شریعتِ مطہرہ میں طہارت وحلت اصل ہیں اور ان کا ثبوت خود حاصل کہ اپنے اثبات میں کسی دلیل کا محتاج نہیں جبرؔ فتاویٰ رضویہ
- مجرد ظنون واوہام کی پابندی تشدد و ناواقفی ہے بے تحقیق کسی شے کو حرام وممنوع کہہ دینے میں کچھ احتیاط بلکہ احتیاط اباحت میں ہے۔
- جب کسی کو کسی شی سے منع وانکار کرتے اور اسے حرام ومکروہ یا ناجائز کہتے سنو۔ جان لو کہ بارِ ثبوت اس کے ذمہ ہے۔ جب تک دلیل واضح شرعی سے ثابت نہ کرے۔ اس کا دعویٰ اسی پر مردود اور جائز ومباح کہنے والا بالکل سبکدوش کہ اس کے لیے تمسک باصل موجود۔ یہ قاعدہ نصوص جلیلہ۔ احادیثِ نبویہ وتصریحات جلیلہ حنفیہ شافعیہ وغیرہم علماء وائمہ سے ثابت ہے۔ یہاں تک کسی عالم کا اس میں خلاف نظر نہیں آتا۔ ص۹۰۔
- جب بازار میں حلال وحرام مطلقاً۔ یا کسی جنسِ خاص میں مختلط ہوں اور کوئی تمیز وعلامت فارقہ نہ ملے تو شریعتِ مطہرہ خریداری سے اجتناب کا حکم نہیں دیتی کہ آخر اس میں حلال بھی ہے تو ہر شے میں احتمالِ حلت قائم اور رخصت واباحت کو اسی قدر کافی ص۱۱۔

احکام کے ثبوت کے لیے حدیث صحیح کی ضرورت ہے

واضح ہو اصولِ عقائدِ اسلامیہ کے معاملہ میں ظنیات کا کچھ اعتبار نہیں احادیث احاد اعتقاد کے معاملہ میں ناقابلِ اعتماد ہیں اور احکام کے ثبوت کے لیے حدیث صحیح کی ضرورت ہے۔ حدیث ضعیف سے احکام ثابت نہیں ہوتے اور موضوع کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ فضائل ومناقب میں حدیثِ ضعیف بھی کافی ہے۔ اعلیٰحضرت فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز تحریر فرماتے ہیں۔

جن باتوں کا ثبوت حدیث سے چاہا جائے۔ وہ سب ایک پلہ کی نہیں ہوتیں بعض تو اعلیٰ درجہ قوت پر ہیں کہ جب تک حدیث مشہور متواتر نہ ہو اس کا ثبوت نہیں دے سکتے۔ احاد اگرچہ کیسے ہی قوت سند ونہایت صحت پر ہوں، ان کے معاملہ میں کام نہیں دیتیں۔ یہ عقائد اسلامیہ ہیں جن میں خاص یقینی درکار علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ تعالیٰ شرح عقائد نسفی میں فرماتے ہیں۔

خبر الواحد علی تقدیر اشتمالہ علی	یعنی حدیث احاد اگرچہ تمام شرائط صحت کی
جمیع الشرائط المذکورۃ فی اصول الفقہ	جامع ہو ظن ہی کا فائدہ دیتی ہے اور معاملہ اعتقاد میں
لایفید الا الظن ولا عبرۃ بالظن فی	ظنیات کا کچھ اعتبار نہیں۔
باب الاعتقادات	

ملا علی قاری۔ الروض الازہر میں فرماتے ہیں۔

الاحاد لاتفید الاعتماد فی الاعتقاد؟	احادیثِ احاد دربارۂ اعتقاد ناقابلِ اعتماد۔

- دوسرا درجہ احکام کا ہے کہ ان کے لیے۔ اگرچہ اتنی قوت درکار نہیں پھر بھی حدیث کا صحیح لذاتہٖ۔ خواہ لغیرہٖ یا حسن لذاتہٖ یا کم سے کم لغیرہٖ ہونا چاہیے۔ جمہور علماء یہاں ضعیف حدیث نہیں سنتے۔
- تیسرا مرتبہ۔ فضائل ومناقب کا ہے یہاں باتفاقِ علماء ضعیف حدیث بھی کافی ہے۔ مثلاً کسی حدیث میں کسی عمل کی ترغیب آئی۔ کہ جو ایسا کرے اتنا ثواب پائے یا کسی نبی یا صحابی کی خوبی بیان ہوئی کہ انہیں اللہ عزوجل نے یہ مرتبہ بخشا یہ فضل عطا کیا تو ان کے ماننے

کہ ضعیف حدیث بھی کافی ہے۔ از فتاویٰ رضویہ ج ۲ صفحہ ۵۲۹)

احکام کے لیے حدیث ضعیف کافی نہیں

درباره احکام ضعیف حدیث کافی نہیں ہے اس کے لیے حدیث کا صحیح لذاتہٖ خواہ لغیرہٖ یا حسن یا اس سے کم از کم لغیرہٖ ہونا ضروری ہے۔ جمہور علماء اس معاملہ میں ضعیف حدیث ثابت کو تسلیم نہیں کرتے۔ ہاں ضعیف حدیث فضائل اعمال میں مانی جاتی ہے (فتاویٰ رضویہ)

پاگل و مجنون یا مکار پُرفتون

جو شخص بھی کسی چیز کے حرام یا کروہ ہونے کا مدعی ہو تو ثبوت اسی کے ذمہ ہے اپنے دعویٰ کا ثبوت نہ دے اور دوسروں سے الٹا ثبوت مانگے تو جان لو وہ پاگل و مجنون ہے۔ یعنی اسے تقوی کا ہیضہ ہو گیا ہے یا پھر مکار اور فتنہ پرور ہے۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز کے صاحبزادے حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

جو شخص کسی بات کا مدعی ہو اس کا بار ثبوت اس کے ذمے ہوتا ہے آپ اپنے دعویٰ کا ثبوت نہ دے اور دوسروں سے الٹا ثبوت مانگتا پھرے وہ پاگل و مجنون کہلاتا ہے یا مکار پُرفتون وصدائی ہر جدہٗ۔ (الصارم الربانی صفحہ)

اور ثبوت یہ نہیں ہے

کہ فلاں عالم نے ایسا لکھ دیا ہے اس لیے آنکھ بند کر کے مان لو۔ ورنہ امن اٹھ جائے گا آزاد خیالی کو تقویت پہنچے گی۔ بلکہ ثبوت یہ ہے کہ قرآن و حدیث سے واضح طور پر اس چیز کی حرمت و کراہت کو ثابت کرے۔ اعلیٰحضرت فرماتے ہیں:۔

جب تک دلیل واضح شرعی سے ثابت نہ کرے اس کا دعویٰ اسی پر مردود اور جائز و مباح کہنے والا بالکل سبکدوش کہ اس کے لیے تمسک باصل موجود۔ فتاویٰ رضویہ ج ۲ صفحہ ۹

گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی

شریعت کا جو حکم اور ہدایت جس مرتبہ اور درجہ کا ہے۔ اس کو اسی مرتبہ و درجہ تک ضروری و لازمی ہے۔ شریعت کی کسی ہدایت میں اپنی طرف سے غلو و شدت کرنا مذموم ہے پھر جو حکم یا ہدایت جس درجہ اور رتبہ کا ہے۔ وہ اسی درجہ کی دلیل شرعی سے ثابت ہوگا۔ متعامہ شریعت سے جو اور جعلی سنی اس مرض میں مبتلا دیکھے گئے ہیں۔ وہ بعض مسائل میں بے جا شدت و غلو کرتے ہیں اور بزعم خود سمجھتے ہیں کہ تبلیغ کر رہے ہیں۔ حالانکہ وہ تبلیغ نہیں فتنہ و فساد پھیلاتے ہیں۔ حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں صاحب فرزند اعلیٰحضرت فرماتے ہیں۔

مانی ہوئی باتیں چار قسم کی ہوتی ہیں۔ اول ضروریات دین جن کا منکر کافر ان کا ثبوت قرآن عظیم یا حدیث متواتر۔ یا اجماع قطعی قطعیات الدلالات۔ واضحہ الافادات سے ہوتا ہے۔ جن میں نہ شبہ کو گنجائش نہ تاویل کو راہ دوم ضروریات مذہب اہلسنت و جماعت جن کا منکر گمراہ بد مذہب ان کا ثبوت بھی دلیل قطعی سے ہوتا ہے اگرچہ باحتمال تاویل باب تکفیر مسدود ہو۔ سوم ثابتات محکمہ جن کا منکر بعد وضوح امر خاطی و آثم قرار پاتا ہے۔ اس کے ثبوت کو دلیل ظنی کافی اس کا مفاد اکبر رائے ہو کر جانب خلاف کو مطروح و مضمحل کر دے۔ یہاں حدیث احاد صحیح یا حسن کافی اور قول سواد اعظم و جمہور علماء سند وافی فان ید اللہ علی الجماعۃ۔ چہارم ظنیات محتملہ جن کے منکر کو صرف مخطی کہا جائے گا ان کے لیے ایسی دلیل ظنی بھی بس جس نے جانب خلاف کے لیے بھی گنجائش رکھی ہو ..... ہر بات اپنے ہی مرتبہ کی دلیل چاہتی ہے جو فرق مراتب نہ کرے اور ایک بات کو اس سے اعلیٰ مرتبہ کی دلیل مانگے جاہل بیوقوف ہے یا مکار فیلسوف ہر سخن وقتے و ہر نکتہ مقامے دارد گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

کتاب مَوَاقِیۡتُ الصَّلوٰۃِ —— کتاب نماز کے وقتوں کے بیان میں

واضح ہو کہ مامور بہ یعنی وہ کام جن کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ دو قسم پر ہیں غیر موقت یعنی جن کا کسی خاص وقت کے ساتھ تعین نہ ہو۔ جیسے زکوٰۃ عشر، نذر مطلق وغیرہ۔ زکوٰۃ کا سبب مالک نصاب ہونا ہے۔ اور اس کی شرط ایک سال کا گزرنا ہے مگر اس کی ادائیگی کے لیے کوئی وقت مقرر نہیں ہے۔ جب بھی ادا کی جائے گی ادا ہو جائے گی —— دوسری قسم موقت ہے کہ جس کا حق ایک خاص وقت کے ساتھ ہے۔ اس وقت میں اس کو کیا جائے تو ادا ہے۔ وقت مخصوص کے سوا اگر کیا جائے تو ادا نہ ہو گی وہ قضا ہو گی۔ اس کی مثال نماز ہے کہ اس کی ادائیگی کے لیے وقت مقرر ہے۔ وقت پر نہ پڑھی جائے تو قضا ہو جائے گی۔

۲۔ نماز کے اوقات۔ تعداد رکعات۔ شرائط و آداب کی پوری تفصیل تو قرآن مجید میں نہیں ملتی۔ البتہ ان امور کا اجمالی ذکر ہے ان کے اصول قرآن نے بیان کیے ہیں۔ مثلاً سورہ بقرہ کی یہ آیت جس میں لڑائی کی حالت میں نماز ادا کرنے کا ذکر ہے۔ اس سلسلہ میں یہ ایک جامع آیت ہے۔

فَاِذَآ اَمِنۡتُمۡ فَاذۡكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمۡ مَّا لَمۡ تَكُوۡنُوۡا تَعۡلَمُوۡنَ ۔ (بقرہ ۔ ۲۳۹)	پھر جب تم امن میں ہو تو خدا کو یاد کرو۔ جیسے اس نے تمہیں تعلیم دی جس سے پہلے تم ناواقف تھے۔

اس آیت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ نماز اور اس کے شرائط و آداب اللہ عزوجل نے اسی طرح تعلیم فرماتے ہیں جس طرح قرآن مجید کے اس اجمال کی تفصیل اور تشریح سنت نبوی کے ذریعے، احادیث میں تحریراً اور مسلمانوں کے نسلاً بعد نسل متفقہ تواتر میں عملاً موجود ہے اور قرآن مجید میں اس کے مجمل حوالے اور متعلقہ احکام بیان ہوئے۔

نماز کی پابندی اور اس کی نگہداشت

نماز کی مداومت کے لیے قرآن مجید میں ایک خاص لفظ محافظت کا استعمال ہوا ہے جس کے لفظی معنی نگرانی کے ہیں اور جس کی وسعت میں پابندی سے پڑھنا، وقت پر ادا کرنا سب داخل ہیں۔

حَافِظُوۡا عَلَى الصَّلَوٰتِ		نمازوں کی نگرانی رکھو۔
وَالَّذِيۡنَ هُمۡ عَلٰى صَلَوٰتِهِمۡ يُحَافِظُوۡنَ	معارج ۔ ۱	وہ جو اپنی نماز کی نگرانی رکھتے ہیں
الَّذِيۡنَ هُمۡ عَلٰى صَلَاتِهِمۡ دَآئِمُوۡنَ	معارج ۔ ۱	وہ جو اپنی نماز ہمیشہ ادا کرتے ہیں۔

ان آیات میں سب سے پہلی ہدایت یہ دی گئی ہے کہ نماز ایک ایسا فرض ہے جو کسی مسلمان سے کسی حال میں معاف نہیں اور اس کو ہمیشہ پابندیٔ وقت اور اس کے شرائط و آداب کے ساتھ ادا کرنا ضروری ہے۔ اور نماز کے لئے اوقات کے مقرر ہونے کی تصریح بھی قرآن نے کی۔

قرآن میں نماز کے اوقات

اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتۡ عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ كِتٰبًا مَّوۡقُوۡتًا ۔	بے شک نماز مسلمانوں پر مقررہ اوقات میں فرض ہے۔

اس سے واضح ہوا کہ فرض نمازوں کے لیے اوقات مخصوص ہیں۔ ادائے نماز کے لیے قرآن مجید نے زیادہ تر تین الف۔ استعمال کئے ہیں۔ صلوٰۃ۔ تسبیح۔ ذکر اللہ۔ پہلا لفظ اوقات صلوٰۃ کے لئے مخصوص ہے۔ لیکن دوسرا اور تیسرا لفظ عام تسبیح و تحمید یاد الٰہی اور نماز کے لیے بولا جاتا ہے۔ احادیث میں بھی تسبیح کے معنی نماز پڑھنے کے ہیں (مسلم باب صلوٰۃ) اور اشعار عرب اور محاورہ عرب سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے۔ قرآن میں جب تسبیح کے ساتھ وقت کی تخصیص ہوگی۔ تو اس سے کسی شبہ کے بغیر نماز کے سوا کوئی اور چیز مراد نہیں ہو سکتی کیونکہ وقت مخصوص کے ساتھ اسلام میں نماز کے علاوہ کوئی تسبیح فرض نہیں ہے۔ البتہ اوقات کی تخصیص کے بغیر جہاں تسبیح کا حکم قرآن میں دیا گیا ہے۔ اس سے اللہ عزوجل کی عام یاد و توصیف مراد ہو سکتی ہے۔

قرآن پاک کی متعدد آیات میں پانچ وقت نماز پڑھنے کے اوقات کا بالتصریح اور بالاجمال ذکر ہے۔ مثلاً سورہ طٰہٰ کی صرف ایک آیت سے اوقات پنجگانہ کی تفصیل کا استدلال کیا جا سکتا ہے۔

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا وَمِنْ آنَائِ اللَّيْلِ فَسَبِّحْ وَأَطْرَافَ النَّهَارِ۔ (طٰہٰ - ۸)	اور اپنے پروردگار کی حمد و تسبیح کر آفتاب نکلنے سے پہلے۔ آفتاب کے ڈوبنے سے پہلے اور رات کے کچھ وقت۔ پہر اور دن کے کناروں میں۔

آفتاب نکلنے سے پہلے فجر ہے۔ ڈوبنے سے پہلے عصر ہے۔ رات کے وقت سے مراد عشاء ہے اور دن کے کناروں میں ظہر و مغرب ہے۔ اسی طرح علیحدہ علیحدہ آیتوں سے بھی اوقاتِ پنجگانہ کا استدلال ہو سکتا ہے۔ مثلاً

(۱) أَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ (اسراء - ۹)	زوالِ آفتاب کے وقت نماز قائم کرو۔ یہ ظہر کی نماز ہے
(۲) وَقَبْلَ الْغُرُوبِ (ق - ۳)	اور غروب آفتاب سے پہلے خدا کی تسبیح کر۔

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَأَصِيلًا (دھر - ۲) اور اپنے پروردگار کا نام صبح کو اور عصر کو۔ یہ عصر کی نماز ہوئی۔ نیز وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۔ ———— بیچ کی نماز سورۂ بقر میں کہا گیا ہے۔ کیونکہ یہ دن کی نمازوں میں ظہر اور مغرب کے بیچ میں واقع ہے۔

(۳) وَأَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ (ھود - ۱) اور دن کے دونوں ابتدائی اور انتہائی کناروں میں نماز۔ دن کا ابتدائی کنارہ صبح اور انتہائی کنارہ مغرب ہے۔ یہ فجر اور مغرب کی نماز ہوئی۔

(۴) سورۂ نور میں ہے کہ صبح کی نماز سے پہلے بے آواز دیئے زنانہ مکان میں مت جایا کرو۔ مِنْ قَبْلِ الصَّلٰوةِ الفجر (نور - ۸) اس سے نماز فجر کا عمل ثبوت بھی ملتا ہے۔

(۵) پھر اسی میں یہ ہدایت بھی ہے کہ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَاءِ اور عشاء کی نماز کے بعد" کہ مسلمانوں کو عشاء کی نماز کے آرام کرنے اور کپڑے اُتار دینے کا وقت ہے کسی مسلمان کے مکان میں بلا اجازت نہ جانا چاہیئے۔ یہ بھی نماز عشاء کا عمل ثبوت اور یہی پانچوں اوقات نماز ہیں۔

نماز کی شرطیں واضح ہو کہ فرضیت نماز کا سبب حقیقی امر الٰہی ہے اور سبب ظاہری وقت ہے۔ صحت نماز کی شرطیں ہیں کہ بے ان کے ہوگی ہی نہیں۔ طہارت ستر عورت۔ استقبالِ قبلہ۔ وقت۔ نیت۔ تو کتاب مواقیت الصلوٰۃ میں نماز کی ایک شرط "وقت" کے احکام و مسائل کا بیان کرنا مقصود ہے۔

بَابُ مَوَاقِيتِ الصَّلٰوةِ وَفَضْلِهَا	باب نماز کے اوقات اور ان کی فضیلت کے بیان میں

وَقَوْلِهٖ تَعَالٰی - اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا وَدَتَہٗ عَلَیْھِمْ (بخاری)	اور اللہ عزوجل نے فرمایا۔ بیشک نماز مسلمانوں پر فرض ہے وقت باندھا ہوا۔

ہر نماز کے لیے وقت مقرر ہے اور اس کی محافظت فرض ہے

واضح ہو شرح مطہر نے ہر نماز کے لیے جُدا وقت مقرر فرمایا ہے کہ نہ وقت سے پہلے صحیح ہے نہ وقت کے بعد تاخیر جائز بلکہ فرض ہے کہ ہر نماز کو اپنے وقت پر ادا کیا جائے زیر عنوان آیت کی تفسیر میں علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی قدس سرہ العزیز نے تحریر فرمایا۔ یَقْتَضِیْ اَلْکَوْنُ لِکُلِّ صَلٰوۃٍ وَقْتًا عَلَیْحِدَۃً یعنی مقتضائے آیت یہی ہے کہ ایک نماز کے وقت میں دوسری نماز ادا نہیں ہو سکتی۔ اور یہ حکم عام ہے۔ مسافر و مقیم صحیح و مریض غرضیکہ ہر مسلمان کے لیے یہی حکم ہے کہ وہ نماز کو اس کے وقت مقررہ میں ادا کرے۔ اللہ عزوجل نے محافظت والتزام اوقات کا حکم سات سورتوں میں نازل فرمایا۔ بقرہ۔ نساء۔ مریم۔ مومنون۔ معارج۔ ماعون اور اس سلسلہ کی چند احادیث یہ ہیں:۔

نوعِ اوّل ۔ وہ احادیث جن میں محافظتِ وقت اور اس کی ترغیب اور اس کے ترک سے ترہیب ہے۔ حضرت حنظلہ کہتے ہیں کہ رسولِ کریم علیہ السلام نے فرمایا۔ جس نے ان پانچوں نمازوں کی ان کے رکوع و سجود اور اوقات کی

(۱) وَمَوَاقِیْتِہِنَّ وَعَلِمَ اَنَّہُنَّ حَقٌّ مِّنْ عِنْدِ اللہِ دَخَلَ الْجَنَّۃَ (امام احمد)	محافظت کی اور یقین جانا کہ وہ اللہ عزوجل کی طرف سے ہیں جنت میں جائے گا۔

(۲) اس مضمون کی حدیث کو مالک ابوداؤد و نسائی و ابن حبان نے حضرت عبادہ بن صامت سے (۳) ابوداؤد نے حضرت قتادہ سے (۴) ابوداؤد و طبرانی نے حضرت ابو درداء سے (۵) دارقطنی نے حضرت کعب بن عجرہ سے (۶) طبرانی نے حضرت عبداللہ بن مسعود (۷) طبرانی نے انس بن مالک سے (۸) ابوداؤد نے حضرت فضالہ زہرانی سے (۹) بخاری و مسلم۔ ترمذی و نسائی و دارمی نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے (۱۰) بیہقی نے بطریق حکم جناب فاروق اعظم سے (۱۱) امام مالک نے حضرت نافع سے روایت کیا ہے۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)۔

نوعِ دوم ۔ حدیث امامت جبرئیل جس میں انھوں نے ہر نماز کے لیے جُدا وقت معین کیا۔ جن کا مضمون یہ ہے کہ جبرئیل امین نے بعد تعیین اوقات عرض کی۔

ھٰذَا اُمِرْتَ "قَالَ ھٰکَذَا اُمِرْتُ" مَا بَیْنَ ھٰذَیْنِ وَقْتُ صَلٰوۃٍ	اس کا حضور کو حکم دیا گیا ہے ایسا ہی حضور کو حکم دیا گیا ہے۔ ان دونوں کے درمیان وقتِ نماز ہے۔

(۱) اس مضمون کی حدیثیں بخاری و مسلم۔ مالک۔ موطاء و دارمی نے حضرت ابومسعود انصاری سے (۲) طحاوی ابوداؤد ترمذی ابن حبان حاکم نے حضرت عبداللہ بن عباس سے (۳) نسائی و احمد و اسحٰق و ابن حبان و حاکم نے جابر بن عبداللہ سے (۴) طحاوی نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کیں۔

نوعِ سوم ۔ وہ احادیث جن میں یہ ہے کہ سائل کے پوچھنے پر حضور نے امامت کر کے ہر نماز کا اول و آخر وقت بتایا اور پھر فرمایا۔

وَقْتُ صَلٰوتِکُمْ مَا بَیْنَ مَا رَاَیْتُمْ	نماز کا وقت اس کے درمیان ہے جو تم نے دیکھا۔

(۱) اس مضمون کی احادیث مسلم ترمذی نسائی ابن ماجہ طحاوی نے حضرت بریدہ سے (۲) مسلم طحاوی ابوداؤد و نسائی و ابن حبان نے حضرت ابوموسیٰ اشعری سے (۳) مالک و نسائی و بزار نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کیں۔

نوعِ چہارم ۔ وہ احادیث جن میں حضور نے پیشگوئی فرمائی کہ کچھ لوگ وقت گزار کر نماز پڑھا کریں گے۔ تم ان کا اتباع نہ کرنا، اور یہ بات مطلقاً ارشاد فرمائی۔ سفر و حضر کی تخصیص نہیں کی۔

(۱) مسلم۔ ترمذی۔ نسائی۔ ابوداؤد۔ احمد، دارمی۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی ہیں کہ حضور علیہ السلام نے میری ران پر ہاتھ مار کر فرمایا۔ تیرا کیا حال ہوگا۔ جب تو ایسے لوگوں میں رہ جائے گا جو نماز کو اس کے وقت سے تاخیر کریں گے۔ میں نے عرض کی حضور مجھے کیا حکم ہے؟

قَالَ صَلِّ الصَّلٰوۃَ لِوَقْتِہَا ۔ | تو نماز کو اس کے وقت پر ہی پڑھنا۔

(۲) اسی مضمون کی حدیث کو امام احمد و ابن ماجہ نے بسند صحیح حضرت عبادہ بن صامت سے (۲) ابوداؤد نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کیا۔

نوعِ پنجم ۔ وہ احادیث جن میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف و صریح طور پر ارشاد فرمایا کہ جب دوسری نماز کا وقت آیا اور دوسری کا جاتا رہا۔ قضا ہوگئی اور اس کی مخالفت و مذمت فرمائی۔

(۱) مسلم۔ ابوداؤد و نسائی و طحاوی ابان حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص سے راوی ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

وقت الظھر مالم یحضر العصر و وقت المغرب مالم یسقط ثور الشفق ۔ | ظہر کا وقت جب تک ہے کہ عصر کا وقت نہ آئے اور مغرب کا وقت جب تک ہے کہ شفق نہ ڈوبے۔

(۲) مسلم۔ ابوداؤد و ابن ماجہ۔ طحاوی و ابن حبان حضرت ابوقتادہ سے راوی ہیں کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سونے میں کچھ تقصیر نہیں۔ تقصیر تو جاگنے میں ہے۔

ان توخر الصلوۃ حتی یدخل وقت صلاۃ اخری ۔ | کہ تو ایک نماز کو اتنا پیچھے ہٹائے کہ دوسری کا وقت آجائے۔

(۳) امام طحاوی حضرت عبداللہ بن عباس سے راوی۔

قال لا تفوت صلاۃ حتی یجیئ وقت الاخری | نماز فوت نہیں ہوتی جب تک دوسری نماز کا وقت نہ آئے

یعنی جب دوسری کا وقت آیا پہلی قضا ہوگئی

(۴) امام بزار و معمی المسند بطرق حضرت سعد بن ابی وقاص سے راوی کہ میں نے حضور علیہ السلام سے پوچھا وہ کون لوگ ہیں کہ اللہ عزوجل قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ الذین ھم عن صلاتھم ساھون خرابی ہے ان نمازیوں کے لیے جو اپنی نماز سے بے خبر ہیں

قال ھم الذین یوخرون الصلوۃ عن وقتھا | حضور نے فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو نماز کو اس کے وقت سے ہٹا کر پڑھیں

(۵) ابوقتادہ عدوی جو اجلّہ اکابر و ثقات تابعین سے ہیں۔ بلکہ بعض نے انھیں صحابہ میں گنا۔ فرماتے ہیں کہ میں نے امیر المؤمنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا فرمان سُنا۔

ثلٰثٌ من الکبائر: الجمع بین الصلاتین والفرار من الزحف والنھبۃ | کہ تین باتیں کبیرہ گناہوں میں ہیں۔ دو نمازیں جمع کرنا، جہاد میں کفار کے مقابلے سے بھاگنا اور کسی کا مال لوٹنا۔

واضح ہو کہ یہ حدیث موطائی ہے جو اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے۔ اس کے سب رجال اسمٰعیل بن ابراہیم ابن علیہ سے آخر تک ثقات عدول رجال صحیح مسلم سے ہے۔

ان تمام آیات واحادیث سے آفتاب نیمروز کی طرح واضح ہوا کہ ہر نماز کے لیے خاص وقت جداگانہ مقرر ہے کہ نہ اس سے پہلے صحیح جائز اور نہ اس کے بعد تاخیر کی اجازت ہے (۲) ہر نماز کو اس کے وقت میں ادا کرنا فرض ہے (۳) سوا ظہرین عرفہ وعشائین ... کے دو نمازوں کو قصداً ایک وقت میں جمع کرنا سفراً حضراً کسی طرح جائز نہیں (۴) نماز کے لیے تعیینِ اوقاتِ قرآنِ عظیم کی ... ت اور حضور سید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے قطعی الثبوت ہے اور اس کے خلاف کے لیے دلیل ویسی ہی ... چاہیے جیسے عصر عرفہ ومغرب مزدلفہ کا اجماعی مسئلہ۔ ورنہ یقینی کے مقابل ظنی مضمحل فافہم۔

... عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيْزِ اَخَّرَ الصَّلٰوةَ يَوْمًا فَدَخَلَ ... عَلَيْهِ عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ فَاَخْبَرَهٗ اَنَّ الْمُغِيْرَةَ بْنَ ... شُعْبَةَ اَخَّرَ الصَّلٰوةَ يَوْمًا وَّهُوَ بِالْعِرَاقِ فَدَخَلَ ... عَلَيْهِ اَبُوْ مَسْعُوْدٍ الْاَنْصَارِيُّ فَقَالَ مَا هٰذَا يَا ... مُغِيْرَةُ اَلَيْسَ قَدْ عَلِمْتَ اَنَّ جِبْرِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ ... نَزَلَ فَصَلّٰى فَصَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ ... صَلّٰى فَصَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ صَلّٰى ... فَصَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ صَلّٰى فَصَلّٰى ... رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ صَلّٰى فَصَلّٰى رَسُوْلُ ... اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ بِهٰذَا اُمِرْتُ ... فَقَالَ عُمَرُ لِعُرْوَةَ اعْلَمْ مَا تُحَدِّثُ بِهٖ وَاَنَّ جِبْرِيْلَ ... هُوَ اَقَامَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقْتَ ... الصَّلٰوةِ قَالَ عُرْوَةُ كَذٰلِكَ كَانَ بَشِيْرُ بْنُ اَبِيْ مَسْعُوْدٍ ... يُحَدِّثُ عَنْ اَبِيْهِ فَقَالَ عُرْوَةُ وَلَقَدْ حَدَّثَتْنِيْ عَائِشَةُ ... اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي الْعَصْرَ ... وَالشَّمْسُ فِيْ حُجْرَتِهَا قَبْلَ اَنْ تَظْهَرَ۔

ابن شہاب سے روایت ہے کہ ایک دن حضرت عمر بن عبد العزیز نے نماز عصر میں دیر کی تو عروہ بن زبیر آئے اور کہا مغیرہ بن شعبہ نے ایک دن جبکہ وہ عراق میں تھے نماز میں دیر کی تو ابو مسعود انصاری نے ان کے پاس آکر کہا: مغیرہ یہ تم کیا کرتے ہو کیا تمہیں معلوم نہیں کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نازل ہوئے تو انھوں نے نماز پڑھ کر دکھائی پھر حضور علیہ السلام نے بھی پڑھی، پھر انھوں نے نماز پڑھی حضور نے بھی پڑھی پھر انھوں نے نماز پڑھی، حضور نے بھی پڑھی پھر انھوں نے نماز پڑھی حضور نے بھی پڑھی۔ پھر انھوں نے نماز پڑھی حضور نے بھی پڑھی۔ اس کے بعد جبرئیل نے عرض کی مجھے ایسا ہی حکم ہوا ہے (یعنی ان وقتوں میں نماز پڑھنے کا) حضرت عمر بن عبد العزیز نے عروہ سے کہا۔ جو تم بیان کرتے ہو اس کو سوچ لو کیا جبرئیل نے حضور کے لئے نماز کے وقت مقرر کئے۔ حضرت عروہ نے کہا بشیر بن ابی مسعود اپنے والد سے ایسے ہی روایت کرتے تھے۔ عروہ نے کہا اور تحقیق مجھ سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز اس وقت پڑھتے جب دھوپ آپ کے حجرہ میں رہتی۔ اوپر نہیں چڑھتی۔

فوائد و مسائل

امام بخاری نے اس حدیث کو بدء الخلق اور مغازی میں اور مسلم، ابو داؤد و نسائی وابن ماجہ نے صلوٰۃ میں ذکر کیا۔ ترجمۃ الباب حدیث کے اس جملے (ان جبرئیل علیہ السلام نزل فصلّی) کہ جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے ... انھوں نے پانچ مرتبہ نماز پڑھی جس سے ثابت ہوا کہ پنج وقتہ نمازوں کے اوقات مقرر ہیں۔ اخر الصلوٰۃ یوما بخاری بدء الخلق ... میں اخر العصر شیئا کے لفظ ہیں۔ اس تاخیر کا یہ مطلب نہیں ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز نے اتنی تاخیر کی کہ عصر کا وقت نکل ... بلکہ مطلب صرف یہ ہے کہ انھوں نے عصر تاخیر سے پڑھی۔ چونکہ حضرت عروہ کا مسلک یہ تھا کہ نماز اوّل وقت میں پڑھی جائے اس ... انھوں نے اعتراض کیا اور حدیث امامت جبرئیل سنائی تو حضرت عمر بن عبد العزیز نے فرمایا۔ اعلم ما تحدث۔ عروہ تم جو کچھ ... کہہ رہے ہو اس کو سوچ لو یعنی تم صحابی نہیں ہو۔ حدیث کی سند لاؤ۔ مرسل حدیث نہ بیان کرو۔ چنانچہ حضرت عروہ نے حدیث کی ... سند بیان کردی۔ حدیث ہذا مسائل ذیل پر مشتمل ہے۔

(۱) پنج وقتہ نمازوں کے اوقات مقرر و متعین ہیں (۲) امراء و سلاطین کے دربار میں علماء جائیں تو ان کی اصلاح کریں، بتائیں اور غیر دینی حرکتوں پر تنبیہ کریں (۳) حدیث مستر جمت سے بمقطوع حجت نہیں۔ حدیث مانثر پر مکمل بحث آئندہ صفحات میں ہوگی۔

بَابُ قَوْلِ اللهِ عَزَّوَجَلَّ مُنِيبِينَ إِلَيْهِ وَاتَّقُوهُ

باب اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے متعلق اس کی طرف رجوع لاتے ہوئے

وَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ (سورۂ روم)

اور اس سے ڈرو اور نماز قائم رکھو اور مشرکوں سے نہ ہوں۔

انابت کے معنی رجوع ہونے کے ہیں۔ یعنی اللہ عزوجل کی طرف توبہ و اطاعت کے ساتھ رجوع کرو۔ اور نماز کو قائم رکھو۔ شرک نہ کرو۔ کیونکہ یہ دین کا ستون ہے۔ اس عنوان کے ماتحت امام نے وہی حدیث ذکر کی ہے۔ جو فیوض الباری پارہ اول کے ص پر مع تقسیم و ترجمانی کے گذر چکی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب عبدالقیس کے بھیجے ہوئے کچھ لوگ حضور نبوی حاضر ہوئے۔ آپ نے خوش آمدید مرحبا کہا۔ پھر انھوں نے عرض کی ہمیں ایسی باتیں بتا دیجئے جن پر عمل کرنے سے ہم جنت میں جائیں۔ حضور علیہ السلام نے چار باتوں کا حکم دیا۔

الْإِيمَانُ بِاللهِ ثُمَّ فَسَّرَهَا لَهُمْ شَهَادَةَ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللهِ وَإِقَامُ الصَّلٰوةِ وَإِيتَاءُ الزَّكٰوةِ الخ وَأَنْ تُؤَدُّوا إِلَيَّ خُمُسَ مَا غَنِمْتُمْ وَأَنْهٰى عَنِ الدُّبَّاءِ وَالْحَنْتَمِ وَالنَّقِيرِ وَالْمُقَيَّرِ۔

ایک اللہ پر ایمان لاؤ۔ پھر آپ نے اس کی تفسیر یوں کی کہ اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت نہیں، اور میں اللہ کا رسول ہوں۔ نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، الخ اور مال غنیمت کا پانچواں حصہ داخل کرنا۔ دبا حنتم نقیر و مقیر برتنوں میں کھانے سے منع فرمایا۔

فوائد و مسائل مرحبا رحب وسعت کے معنی میں آتا ہے۔ عرب کا دستور تھا کہ جب ایک دوسرے کے ہاں جاتے تو کہتے یعنی تم آرام دہ اور کشادہ مکان میں آئے ہو۔ کہتے ہیں کہ سیف ذویزن عرب میں ایک مشہور شخص گذرا ہے۔ لفظ مرحبا اسی کی ایجاد ہے اور اسی وقت سے یہ کلمہ خیر مقدم کے لیے عرب میں رائج ہے (۲) اقامت کے معنی ادا کے بھی ہیں، تو اب یہ ہوں گے کہ نماز کو ہمیشہ ادا کرتے رہو۔ دوسرے معنی قائم کرنے کے ہیں۔ کسی مکان کو جب تک وہ مکمل نہ ہو جائے قائم نہیں کہتے تو اب معنی یہ ہوں گے کہ نماز کو اس کے شرائط و آداب کے ساتھ ادا کرتے رہو (۳) اخراج کی جگہ ایتاء کا لفظ فرمایا گیا۔ قرآن میں بھی یوتون الزکوٰۃ آیا ہے جس سے واضح ہوا کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے تملیک شرط ہے۔ یعنی مستحق کو زکوٰۃ کے مال کا مالک بنا دے۔ تب زکوٰۃ ادا ہوگی ورنہ نہیں۔ بقیہ مسائل کے لیے فیوض الباری ص پارہ اول ملاحظہ فرمائیے۔

بَابُ الْبَيْعَةِ عَلٰى إِقَامَةِ الصَّلٰوةِ

باب اقامت صلوٰۃ پر بیعت لینا

عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ بَايَعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى إِقَامِ الصَّلٰوةِ وَإِيتَاءِ الزَّكٰوةِ وَالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ (بخاری)

حضرت جریر ابن عبداللہ نے کہا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اقامت صلوٰۃ، ادائیگی زکوٰۃ اور ہر مسلمان کی بھلائی چاہنے پر بیعت کی۔

اس حدیث سے نماز، زکوٰۃ اور مسلمان کی خیر خواہی چاہنے کی عظمت و اہمیت کا اظہار ہوا کہ یہ وہ اعمال خیر ہیں۔ جن پر

…ست مبارک پر بیعت کرتے تھے۔ یہ بھی واضح ہوا کہ کسی مردِ صالح کے ہاتھ پر دین پر قائم و دائم رہنے اور فرائضِ اسلامیہ کو کماحقہ
…سے کا عہد کرنا یہی بیعت کی حقیقت ہے۔ یہ حدیث فیوض الباری پارہ اول صفحہ ۲۳ پر مع تفہیم و ترجمانی کے پیش ہو چکی ہے۔

بَابُ الصَّلٰوةِ كَفَّارَةٌ

باب نماز گناہوں کا کفارہ ہے

…ـنَا جُلُوسًا عِنْدَ عُمَرَ فَقَالَ اَيُّكُمْ يَحْفَظُ
…وْلَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْفِتْنَةِ
…ـا كَمَا قَالَهُ قَالَ اِنَّكَ عَلَيْهِ اَوْعَلَيْهَا لَجَرِيٌّ
…فِتْنَةُ الرَّجُلِ فِيْ اَهْلِهٖ وَمَالِهٖ وَ
…ـدِهٖ وَجَارِهٖ تُكَفِّرُهَا الصَّلٰوةُ وَالصَّوْمُ وَ
…صَّدَقَةُ وَالْاَمْرُ وَالنَّهْيُ قَالَ لَيْسَ هٰذَا
…ـدُ وَلٰكِنِ الْفِتْنَةَ الَّتِيْ تَمُوْجُ كَمَا
…ـوْجُ الْبَحْرُ قَالَ لَيْسَ عَلَيْكَ مِنْهَا بَاْسٌ
…ـيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِنَّ بَيْنَكَ وَبَيْنَهَا بَابًا
…ـقًا قَالَ اَيُكْسَرُ اَمْ يُفْتَحُ قَالَ يُكْسَرُ
…ـالَ اِذًا لَا يُغْلَقُ اَبَدًا قُلْنَا اَكَانَ عُمَرُ
…ـلَمُ الْبَابَ قَالَ نَعَمْ كَمَا اَنَّ دُوْنَ الْغَدِ
…ـلَيْلَةَ اِنِّيْ حَدَّثْتُهٗ بِحَدِيْثٍ
…ـسَ بِالْاَغَالِيْطِ فَهِبْنَا اَنْ
نَّسْاَلَ حُذَيْفَةَ فَاَمَرْنَا
مَسْرُوْقًا فَسَاَلَهٗ فَقَالَ
الْبَابُ عُمَرُ۔

حضرت حذیفہ کا بیان ہے کہ ہم حضرت عمرؓ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے تو حضرت عمرؓ نے کہا۔ تم میں کون ہے؟ جسے فتنوں کے باب میں حضورؐ نے جو فرمایا وہ یاد ہو؟ میں نے کہا مجھے جو حضورؐ نے فرمایا یاد ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا۔ تم تو اس پر دلیر ہو۔ میں نے کہا کہ آدمی اپنے گھر بار، مال اولاد اور ہمسایوں کی وجہ سے جن فتنوں میں مبتلا ہوتا ہے وہ تو نماز روزے، صدقے، اچھی بات کا حکم کرنے اور بُری بات سے روکنے سے معاف ہو جاتے ہیں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے کہا۔ میں ان فتنوں کے متعلق نہیں پوچھتا۔ میں تو اس فتنے کے متعلق سوال کر رہا ہوں جو سمندر کی موج کی طرح اُمڈ آئے گا۔ (حذیفہ) نے کہا۔ اس فتنے سے آپ کو کیا خوف؟ اے امیر المؤمنین! اس فتنے کے درمیان تو ایک بند دروازہ ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ وہ دروازہ کھولا جائیگا یا توڑا جائیگا (اس پر) حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا توڑا جائیگا۔ (اس پر) حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ پھر تو وہ کبھی بند ہی نہ ہوگا۔ شقیق کہتے ہیں ہم نے حضرت حذیفہ سے پوچھا کیا حضرت عمر اس دروازہ کو جانتے تھے، حذیفہ نے جواب دیا۔ ہاں۔ میں نے ان سے ایک حدیث بیان کی جو غلط نہیں تھی۔ کہا کہ ہم حذیفہ سے یہ پوچھتے "کہ کون وہ دروازہ ہے" ڈر گئے تو ہم نے مسروق سے کہا انھوں نے حذیفہ سے پوچھا تو حذیفہ نے کہا وہ دروازہ خود عمرؓ ہیں۔

…تخریج و مسائل اس حدیث کو امام بخاری نے زکوٰۃ۔ علامات نبوت۔ فتن اور صوم میں ذکر کیا اور مسلم۔ ترمذی و ابن ماجہ نے فتن میں ذکر کیا۔ حدیث کے الفاظ تکفرها الصلوٰة ترجمة الباب ہیں۔ جن سے واضح ہوتا ہے کہ نماز …کا کفارہ بنتی ہے (۲) قرآن مجید میں بھی مال و دولت اور اولاد کو فتنہ فرمایا گیا ہے۔ یعنی یہ چیزیں بھی ایسی ہیں۔ جن کی وجہ سے …ـہ ستہ کو اختیار کر لیتا ہے۔ فتنہ کا لفظ کتاب و سنت میں متعدد معنوں میں استعمال ہوا۔ مثلاً کفر، عذاب، امتحان، دماغی …ـابر۔ یہ دنیا امتحان گاہ ہے اور یہاں کی ہر چیز آدمی کے لیے فتنہ بن سکتی ہے۔ مثلاً فتنہ مال یہ ہے کہ اس کے حصول کے …ـی ناجائز طریقہ اختیار کرے یا اپنی نیک کمائی کو گناہوں کے کاموں میں خرچ کر دے۔ فتنہ اولاد یہ ہے کہ ان کی محبت میں ایسا …ـہ ہو جائے کہ حق و باطل کا خیال نہ رہے۔ فتنہ جار یہ ہے کہ اگر ہمسایہ خوشحال ہے تو اس کی خوشحالی کو ختم کرنے کے لیے کوشش کی …: پانچ وقت باجماعت نماز پڑھنے والا اگر فتنوں میں مبتلا ہو جائے تو نماز اس کے لیے کفارہ بن جاتی ہے۔

(۳) حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور علیہ السلام سے زیادہ تر واقعاتِ آئندہ کے متعلق پوچھا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آئندہ حوادثات وفتن سے متعلق احادیث زیادہ تر آپ ہی سے مروی ہیں۔ حضور علیہ السلام نے آپ کو آئندہ ہونے والے واقعات و حادثات کی اطلاع دی تھی (۴) حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق حضور نے فرمایا۔ یہ فتنوں کے درمیان ایک بند دروازہ ہیں۔ یعنی ان کی وفات کے بعد فتنوں کا دور شروع ہو جائے گا اور پھر قیامت تک بند نہ ہوگا۔ چنانچہ حضور کی پیشگوئی کے مطابق ہی ہوا۔ شہادتِ فاروق کے بعد فتنوں کا دروازہ ایسا کھلا ہے کہ بارش کے متواتر قطروں کی طرح فتنے برپا ہو رہے ہیں۔

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَجُلًا اَصَابَ مِنِ امْرَاَةٍ قُبْلَةً فَاَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرَهُ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ اللَّيْلِ اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ فَقَالَ الرَّجُلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلِيْ هٰذَا قَالَ لِجَمِيْعِ اُمَّتِيْ كُلِّهِمْ (بخاری)

عبد اللہ ابن مسعود سے روایت ہے کہ ایک شخص نے ایک عورت کا بوسہ لے لیا (اور پھر نادم ہو کر) بحضور نبوی حاضر ہوا تو اللہ تعالیٰ نے سورہ ہود کی یہ آیت نازل کی نماز قائم کرو صبح شام اور رات میں بیشک نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔ وہ شخص کہنے لگا۔ حضور کیا یہ حکم میرے ساتھ خاص ہے؟ حضور نے فرمایا۔ نہیں میری ساری امت کے لئے یہی حکم ہے۔

فوائد و مسائل | اس حدیث کو امام نے تفسیر میں مسلم نے توبہ میں، ترمذی اور نسائی نے تفسیر میں اور ابن ماجہ نے صلوٰۃ میں روایت کیا۔ حدیث میں رجلاً سے مراد ابو الیسر ہیں جن سے مذکورہ فعل ہوا۔ تو بحضور نبوی حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! مجھ پر حد جاری فرمائیے۔ حضور نے اعراض فرمایا۔ یہاں تک کہ نماز کا وقت ہو گیا اور یہ آیت اقم الصلوٰۃ ... نازل ہوئی۔ اکثر مفسرین کا قول ہے کہ آیت میں حسنات سے مراد پانچ وقت کی نماز ہے جس کی پابندی گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہے۔ حدیث مسائل ذیل پر مشتمل ہے ۱۔ بوسہ لینے یا اسی قسم کی حرکت کرنے پر حد نہیں ہے۔ البتہ تعزیر ہے ۲۔ پانچ وقت پابندی سے نماز پڑھنا گناہوں کے لئے کفارہ ہے ۳۔ توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے اور توبہ کرنے والے کی توبہ قبول ہوتی ہے۔

بَابُ فَضْلِ الصَّلٰوةِ لِوَقْتِهَا

باب نماز کو وقت پر پڑھنے کی فضیلت کے بیان میں

قَالَ سَاَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّ الْعَمَلِ اَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ قَالَ الصَّلٰوةُ عَلٰى وَقْتِهَا قَالَ ثُمَّ اَيٌّ قَالَ بِرُّ الْوَالِدَيْنِ قَالَ ثُمَّ اَيٌّ قَالَ الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ (بخاری)

حضرت عبد اللہ بن مسعود نے فرمایا کہ میں نے بحضور نبوی عرض کیا کون سا عمل اللہ کو بہت پسند ہے۔ فرمایا وقت پر نماز پڑھنا۔ عرض کیا پھر کون سا؟ فرمایا ماں باپ سے اچھا سلوک کرنا۔ عرض کیا پھر کون سا؟ فرمایا جہاد فی سبیل اللہ۔

فوائد و مسائل | اس حدیث کو امام نے ادب و توحید میں۔ مسلم نے ایمان میں۔ ترمذی و نسائی نے صلوٰۃ میں ذکر کیا ہے (۱) وقت پر نماز پڑھنا اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہے (۲) والدین کے ساتھ احسان کرنا و ان کی تعظیم و توقیر واجب ہے (۳) جہاد فی سبیل اللہ بھی احب الاعمال ہے۔

بَابُ صَلٰوةِ الْخَمْسِ

باب پانچ وقت کی نماز

كَفَّارَةٌ لِّلْخَطَايَا اِذَا صَلَّاهُنَّ لِوَقْتِهِنَّ فِي الْجَمَاعَةِ وَغَيْرِهَا۔

وقت میں پڑھنا۔ جماعت کے ساتھ یا اکیلے گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہے۔

اس عنوان کے تحت امام نے جو حدیث ذکر کی ہے اس کے ابتدائی مضمون کا ترجمہ یہ ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ نے حضور علیہ السلام کو فرماتے ہوئے سنا۔ بتاؤ تو اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر نہر ہو اور وہ ہر روز پانچ بار اس میں نہائے تو کیا یہ نہانا اس کے جسم میں میل کچیل باقی چھوڑے گا

فَذٰلِكَ مَثَلُ الصَّلٰوةِ الْخَمْسِ يَمْحُوا اللّٰهُ بِهَا الْخَطَايَا۔ (بخاری)	فرمایا یہی کیفیت ہے پانچوں نمازوں کی اللہ عزوجل ان کے سبب گناہ مٹا دیتا ہے۔

اس حدیث کو مسلم نے صلوٰۃ میں۔ ترمذی نے امثال میں اور نسائی نے صلوٰۃ میں ذکر کیا۔ دین سے مراد صغیرہ گناہ ہیں اور دوسری متعدد حدیثوں کا مضمون یہ ہے کہ پانچ وقت نماز پڑھنا گناہوں کا کفارہ ہے۔ بشرطیکہ آدمی کبیرہ گناہوں سے بچے۔ اصل یہ ہے سب کچھ اللہ عزوجل کی مشیت پر موقوف ہے۔ گناہ خواہ صغیرہ ہو یا کبیرہ وہ سب کے بخشنے پر قادر ہے۔ وہ رب العالمین ہے چھوٹے سے چھوٹا عمل بھی اس کی بارگاہِ قدس میں شرفِ باریابی پا جائے تو نجات کے لئے وہی کافی ہے۔ اس کی رحمت بے انتہا ہے اس کا فضل و کرم انسان کی امید و توقع سے بھی ہزاروں درجے زیادہ ہے۔

بَابُ تَضْيِيعِ الصَّلٰوةِ عَنْ وَقْتِهَا

باب نماز کو ضائع کرنا یعنی بے وقت پڑھنا

عَنْ اَنَسٍ قَالَ مَا اَعْرِفُ شَيْئًا مِمَّا كَانَ عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِيْلَ الصَّلٰوةُ۔ قَالَ اَلَيْسَ صَنَعْتُمْ مَا صَنَعْتُمْ فِيْهَا۔	حضرت انس نے فرمایا۔ میں تو عہد نبوی کی اب کوئی بات نہیں دیکھتا۔ کسی نے کہا نماز (یعنی یہ تو اب بھی لوگ پڑھتے ہیں) فرمایا نماز کے ساتھ بھی تم نے جو سلوک کر رکھا ہے وہ کر رکھا ہے۔

یہ بات حضرت انس رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اس وقت کہی تھی۔ جب کہ انھیں معلوم ہوا کہ حجاج اور ولید بن عبدالملک وغیرہ نماز میں تاخیر کرتے ہیں۔ یعنی وقت مستحب ہی نہیں پڑھتے اور دوسرے دنیاوی امور میں مصروف رہتے ہیں ——— ——— ایک وہ زمانہ تھا کہ نماز کو وقت مستحب میں ادا نہ کرنے پر ٹوکا جاتا تھا اور لعنت ملامت کی جاتی تھی اور آج نوبت یہ ہے کہ نماز پڑھتے ہی نہیں ——— ——— ——— ———

(۲) زہری کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس کو دمشق میں روتے ہوئے دیکھا تو میں نے کہا کیوں روتے ہو۔ فرمایا میں نے جو بات عہد نبوی میں دیکھی وہ اب نہیں پایا۔

هٰذِهِ الصَّلٰوةُ وَهٰذِهِ الصَّلٰوةُ قَدْ ضُيِّعَتْ	مگر نماز اور وہ بھی ضائع ہوگئی

یعنی نماز کو بے وقت پڑھنا ضائع کرنا ہی ہے۔ بعض روایات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حجاج وغیرہ۔ نماز کو اس کے وقت سے ہٹا دیتے تھے۔ اس پر حضرت انسؓ نے اظہار افسوس کیا۔

بَابُ الْمُصَلِّيْ يُنَاجِيْ رَبَّهٗ

باب نماز میں نمازی اپنے رب سے سرگوشی کرتا ہے

گذشتہ عنوانوں میں وقت میں نماز پڑھنے کی فضیلت اور غیر وقت میں پڑھنے کی مذمت کا بیان تھا۔ اس عنوان سے مقصود یہ ہے کہ نماز کی ادائیگی کے اوقات اللہ رب العالمین جل مجدہٗ سے مناجات کے اوقات ہیں اور یہ مناجات کا موقع انہیں اوقات میں حاصل ہوتا ہے لہٰذا نمازی کو چاہیئے کہ وہ اس فضلِ عظیم کو حاصل کرنے کیلئے نماز کو اس کے وقت میں ادا کرے اور اسکے آداب کا پورا پورا خیال رکھے۔

عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا صَلّٰى يُنَاجِيْ رَبَّهٗ فَلَا يَتْفِلَنَّ عَنْ يَمِيْنِهٖ وَلٰكِنْ تَحْتَ قَدَمِهِ الْيُسْرٰى (بخاری)

حضرت قتادہ اور وہ حضرت انس سے راوی کہ نبی صلے اللہ [...] نے فرمایا جب تم میں کوئی نماز پڑھتا ہے تو گویا وہ اپنے رب سے سرگوشی کرتا ہے اس لئے چاہیئے کہ داہنے طرف نہ تھوکے بلکہ بائیں قدم کے نیچے

عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ اعْتَدِلُوْا فِي السُّجُوْدِ وَلَا يَبْسُطْ اَحَدُكُمْ ذِرَاعَيْهِ كَالْكَلْبِ وَاِذَا بَزَقَ فَلَا يَبْزُقَنَّ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلَا عَنْ يَمِيْنِهٖ فَاِنَّهٗ يُنَاجِيْ رَبَّهٗ ۔ (بخاری)

۲۔ حضرت انس سے ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ سجدہ میں اعتدال کرو اور کوئی تم میں سے اپنے بازو کتے کی طرح زمین [...] اور جب تھوکنا چاہے تو داہنے طرف نہ تھوکے کیونکہ وہ اپنے رب سے سرگوشی کرتا ہے۔

فوائد و مسائل یعنی نمازی بحالتِ نماز ایک نہایت ہی مقدس حالت میں ہوتا ہے۔ لہٰذا اسے ایسی حالت میں یہ کام نہیں کرنا چاہیئے جو اس حالتِ حسن کے منافی ہو۔ اسی لئے سیدھی طرف تھوکنے اور سامنے [...] سے منع فرمایا بلکہ آگے تھوکنا اور زیادہ برا ہے۔ اعتدلوا سجدہ میں تعدیل کا مطلب یہ ہے کہ ہتھیلیوں کو زمین پر رکھ کر پہلوؤں سے اور پیٹ کو ران سے جدا رکھے کیونکہ اس طرح سجدہ کرنے میں زیادہ تواضع ہے اور پیشانی زمین پر اچھی طرح جمتی ہے۔ علامہ ابوبکر ابن عربی علیہ الرحمۃ نے شرح ترمذی صفحہ ۶۲ ج ۲ پر فرمایا۔ اعتدلوا سے مقصود یہ ہے کہ سجدہ دونوں پاؤں دونوں ہاتھوں اور پیشانی پر بالکل برابری کے ساتھ کیا جائے۔ اس طرح کہ یہ سب اعضاء زمین پر مساوی طور پر سجدہ ریز ہوں کیونکہ حدیث میں فرمایا۔ مجھے سات ہڈیوں پر سجدہ کا حکم دیا گیا ہے۔ تو اگر بازو زمین پر کتے کی طرح بچھا دیئے جائیں گے تو اس میں فرق آجائے گا۔

بَابُ الْاِبْرَادِ بِالظُّهْرِ

باب (گرمیوں میں) نمازِ ظہر ٹھنڈی کرکے پڑھنا

عَنْ اَبِيْ ذَرٍّ قَالَ اَذَّنَ مُؤَذِّنُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الظُّهْرَ فَقَالَ اَبْرِدْ اَبْرِدْ وَقَالَ شِدَّةُ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ فَاِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَاَبْرِدُوْا عَنِ الصَّلٰوةِ حَتّٰى رَاَيْنَا فَيْءَ التُّلُوْلِ۔

(۱) حضرت ابوذر کہتے ہیں کہ مؤذن نے اذان کہی تو حضور نے فرمایا۔ ٹھنڈا کر ٹھنڈا کر۔ اور فرمایا سخت گرمی جہنم کے جوش سے ہے تو جب سخت گرمی ہو تو ظہر کو ٹھنڈا کرکے پڑھو یہاں تک کہ ٹیلوں کا سایہ ہم نے دیکھا۔

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ اِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَاَبْرِدُوْا بِالصَّلٰوةِ فَاِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ وَاشْتَكَتِ النَّارُ اِلٰى رَبِّهَا فَقَالَتْ يَا رَبِّ اَكَلَ بَعْضِيْ بَعْضًا فَاَذِنَ لَهَا بِنَفَسَيْنِ نَفَسٍ فِي الشِّتَاءِ وَنَفَسٍ فِي الصَّيْفِ وَهُوَ اَشَدُّ مَا تَجِدُوْنَ مِنَ الْحَرِّ وَهُوَ اَشَدُّ مَا تَجِدُوْنَ مِنَ الزَّمْهَرِيْرِ۔ (بخاری)

(۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰے عنہ سے ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ظہر کو ٹھنڈا کرکے پڑھو کہ سخت گرمی جہنم کے جوش سے ہے۔ دوزخ نے اپنے رب سے شکایت کی کہ میرے بعض اجزاء بعض کو کھائے لیتے ہیں۔ تو دو مرتبہ سانس کی اجازت ہوئی۔ ایک گرمی میں جس سے تم سخت گرمی محسوس کرتے ہو۔ اور ایک سردی میں جس کی وجہ سے تم سخت سردی محسوس کرتے ہو۔

فوائد و مسائل حدیث اول کو امام نے صلوٰۃ صفت نار میں ستم۔ ترمذی ابو داؤد نے بھی صفت نار میں ذکر کیا۔ امام نے بالکل اسی مضمون کی دو حدیثیں اور لکھی ہیں۔ جنہیں ہم نے چھوڑ دیا ہے۔ دونوں حدیثوں کے مسائل یہ ہیں :-

۱۔ گرمیوں میں ظہر کو ٹھنڈا کرکے پڑھنا مستحب ہے۔ خواہ تنہا پڑھے یا باجماعت۔ البتہ اگر کہیں اول وقت میں ظہر کی جماعت ہوتی ہو اور امام سنی صحیح العقیدہ ہو تو مستحب وقت کے لئے جماعت کا ترک کرنا جائز نہیں ۲۔ دوزخ پیدا ہو چکی ہے اور اب موجود ہے۔ معتزلہ کا یہ خیال کہ قیامت کے دن پیدا کی جائیگی یہ خیال باطل ہے ۳۔ جمادات و نباتات بھی اپنی شان کے مطابق شکوہ و شکایت عرض و معروض کرتے ہیں اور ان میں بھی ایک قسم کی روح موجود ہے ۴۔ فیح جہنم کے متعلق لوگوں نے بڑی بحثیں اٹھائی ہیں۔ لیکن حدیث زیر بحث کے الفاظ اپنے مفہوم میں بالکل واضح ہیں اور ان میں کسی قسم کا ابہام نہیں ہے۔ الجھاؤ جو بھی ہوگا۔ وہ در اصل ہمارا اپنا پیدا کردہ ہوگا۔ حدیث ہذا میں دو باتوں کا بیان ہے اول یہ کہ گرمیوں میں ظہر ٹھنڈی کرکے پڑھی جائے۔ یعنی اول وقت میں نہ پڑھی جائے۔ اس کی علت (شدت حر) گرمی کو قرار دیا ہے۔ یعنی اس وقت گرمی پورے شباب پر ہوتی ہے اور لوگوں کو اس شدت کی گرمی میں گھر سے نکلنے اور مسجد میں آنے سے زیادہ تکلیف ہوگی۔ اس لئے ظہر پڑھنے میں تاخیر کی جائے اور دوسری بات یہ واضح ہوتی ہے گرمی اور سردی کی شدت کے اسباب میں سے ایک سبب جہنم کے ان طبقات کی فیح (گیس) بھی ہے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ گرمی و سردی کا ظاہری و حسی سبب سورج نہیں۔ بلکہ فیح جہنم ہے۔ چنانچہ اس مضمون کی تمام حدیثوں میں حر کا ذکر ہونا اور شدت حر کا لفظ اسی پر دال ہے۔

بَابُ الْاِبْرَادِ بِالظُّهْرِ فِي السَّفَرِ

باب بحالت سفر بھی ظہر ٹھنڈے وقت میں پڑھنا

مقصود عنوان یہ بتانا ہے کہ ابراد فی الظہر کی ہدایت حضر کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ سفر میں بھی ابراد کیا جائے۔

عَنْ أَبِي ذَرٍّ الْغِفَارِيِّ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ فَأَرَادَ الْمُؤَذِّنُ أَنْ يُؤَذِّنَ لِلظُّهْرِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبْرِدْ ثُمَّ أَرَادَ أَنْ يُؤَذِّنَ فَقَالَ لَهُ أَبْرِدْ حَتّٰى رَأَيْنَا فَيْءَ التُّلُولِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ فَإِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَأَبْرِدُوا بِالصَّلٰوةِ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَتَفَيَّؤُ يَتَمَيَّلُ۔

(ب) حضرت ابوذر کہتے ہیں کہ ہم آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے کہ مؤذن نے ظہر کی اذان دینا چاہی تو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ٹھنڈی ہونے دے۔ پھر انھوں نے اذان دینا چاہی۔ حضورؐ نے فرمایا۔ ٹھنڈی ہونے دے۔ یہاں تک کہ ہم نے ٹیلوں کا سایہ دیکھا۔ پھر نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ گرمی کی شدت دوزخ کی بھاپ سے ہوتی ہے۔ تو جب گرمی ہو تو نماز کو ٹھنڈا کرو —— حضرت ابن عباس نے فرمایا۔ یَتَفَیَّؤُ کے معنی یَتَمَیَّلُ کے ہیں۔

فوائد و مسائل اس حدیث کا وہی مضمون ہے جو اوپر گذر چکا ہے۔ امام بخاری علیہ الرحمۃ کی یہ عادت کریمہ ہے کہ حدیث میں کوئی ایسا لفظ آجاتا ہے جو قرآن میں بھی آتا ہے۔ تو اس کی تفسیر بھی کر دیتے ہیں۔ چنانچہ سورہ نحل میں یتفیؤ ظلالہ آیا ہے۔ امام نے اس کی تفسیر یَتَمَیَّلُ کے لفظ سے کردی ہے۔ اذن۔ مؤذن النبی کے لفظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضورؐ نے ابراد کا حکم اذان کے بعد دیا لیکن صحیح معنی یہ ہیں کہ حضرت بلالؓ اذان دینا چاہتے تھے اور حضورؐ نے ابراد کا حکم دیا۔ جیسا کہ بخاری کی دوسری حدیث میں یہ تصریح ہے فاراد ان یؤذن کہ حضرت بلالؓ نے اذان دینے کا ارادہ فرمایا تھا۔ اس پر حضورؐ نے ابراد کا حکم دیا۔ تو انھوں نے اذان شروع ہی نہیں کی۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ گرمیوں

میں ظہر میں تاخیر مستحب ہے اور حضورؐ نے اپنے قول اور عمل دونوں سے ابراد بالظہر کا حکم دیا ہے۔

حدیث مسلم

اور مسلم شریف کی حدیث میں ہے ا۔ حضرت خباب رضی اللہ تعالٰی عنہ کہتے ہیں۔

شَکَوْنَا اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَرَّ الرَّمْضَاءِ فَلَمْ یُشْکِنَا۔ | ہم نے بحضور نبویؐ گرم پتھروں کی گرمی کی شکایت کی تو آپ نے نہ سُنی۔

غیر مقلد وہابی اس حدیث سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ ظہر اوّل وقت میں پڑھنی چاہیئے۔ لیکن اس کے متعدد معقول جواب ہیں۔ اوّل یہ کہ زیادہ سے زیادہ اس حدیث سے جو بات ثابت ہوتی ہے وہ صرف یہ ہے۔ گرمیوں میں اول وقت میں ظہر پڑھ لینا جائز ہے اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ سوال تو یہ ہے کہ ظہر کا مستحب وقت کونسا ہے۔ تو مستحب وقت حضورؐ نے اپنے قول و عمل سے خود مقرر فرمایا کہ سردیوں میں جلدی اور گرمیوں میں تاخیر کی جائے۔ ثانیاً۔ مسلم کی زیر بحث حدیث سے یہ تو واضح ہوا کہ حضرت خباب نے حرالرمضاء گرم پتھروں کی شکایت کی۔ حضورؐ نے اس کے ازالہ کی کوئی تدبیر نہ بتائی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس گرمی کی حضرت خبابؓ نے شکایت کی تھی۔ وہ دراصل فرش کی گرمی تھی اور جو ابراد کے بعد بھی گرم رہتے تھے۔ چنانچہ مدینہ میں سورج غروب ہو جانے کے بعد بھی حرم کا صحن گرم رہتا ہے۔ ثالثاً بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ حدیث خباب حدیث ابرد وا سے منسوخ ہے۔ چنانچہ علامہ طحاوی علیہ الرحمۃ نے اور امام ابوبکر الاثرمی نے کتاب الناسخ والمنسوخ میں اس کی تصریح فرمائی ہے۔ رابعاً علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ بعض علماء نے یہ فرمایا کہ دراصل حضرت خباب نے حضورؐ سے یہ عرض کی کہ ظہر کو قدر ابراد سے زائد موخر کی اجازت دی جائے تو حضورؐ نے اس کو منظور نہیں فرمایا۔ عینی ج ۲ ص۵۲۹

ظہر ٹھنڈی کرکے پڑھنے کے متعلق بحث

واضح ہو کہ ظہر کا وقت آفتاب ڈھلنے سے اس وقت تک ہے کہ ہر چیز کا سایہ علاوہ سایہ اصلی کے دوچند ہو جائے۔ سردیوں میں نماز ظہر جلدی پڑھنا اول وقت میں پڑھنا اور گرمیوں میں کچھ تاخیر سے پڑھنا کہ دوپہر کی تیزی کم ہو جائے مستحب ہے۔ جیسا کہ احادیث مذکورہ بالا سے واضح ہے۔ اسی طرح نماز جمعہ کا وقت بھی ظہر ہی کا وقت ہے۔ لہٰذا گرمیوں میں جمعہ بھی ظہر کی طرح تاخیر سے پڑھنا مستحب ہے اور اوّل وقت میں پڑھنا خلاف سنت ہے اور حکمت اس میں یہ ہے کہ گرمیوں میں تاخیر سے ظہر پڑھنے میں ایک تو لوگوں کو آرام ملتا ہے دوسرے سنت قیلولہ سے محرومی نہیں ہوتی۔ تیسرے تقلیلِ جماعت نہیں ہوتی۔ اگر گرمیوں میں ظہر اول وقت یعنی سورج ڈھلنے کے فوراً بعد پڑھ لی جائے تو اس طرح سخت دھوپ اور زمین مسجد میں آنا تکلیف کا باعث ہوگا۔ خصوصاً گرم ممالک میں اور وہاں جہاں مسجد دُور ہو ـــــ اس کے علاوہ عام طور پر گرمیوں میں لوگ کھانا کھا کر سو جاتے ہیں۔ جو سنت بھی ہے اور وقت میں پڑھنے سے لوگ سنتِ قیلولہ سے محروم ہو جائیں گے اور آرام کے وقت انھیں مسجد میں آنا بھی گراں ہوگا۔ اس سلسلہ کی چند حدیثیں یہ ہیں:۔

(۱) حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام گرمیوں میں ظہر ٹھنڈی کرکے پڑھتے وَاِذَا کَانَ الْبَرْدُ عَجَّلَ اور جب سردی ہوتی تو جلدی پڑھ لیتے۔ (نسائی)

(۲) حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔

یُعَجِّلُھَا فِی الشِّتَاءِ وَیُؤَخِّرُھَا فِی الصَّیْفِ۔ (طحاوی) | آپ سردیوں میں ظہر کی نماز جلدی پڑھتے اور گرمیوں میں تاخیر سے پڑھتے۔

(٣) حضرت انس فرماتے ہیں کہ جب سخت سردی ہوتی تو حضور نماز ظہر جلدی پڑھتے اور جب گرمی تیز ہوتی

اَبْرَدَ بِالصَّلٰوۃِ یعنی الْجُمُعَۃَ (بخاری) — تو نماز ٹھنڈی کرکے پڑھتے یعنی جمعہ کی نماز

(۴) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

فَاِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَاَبْرِدُوْا بِالصَّلٰوۃِ (معالم الامام) — جب گرمی کی شدت ہو تو ظہر کو ٹھنڈی کرکے پڑھو۔

ان تمام حدیثوں سے واضح ہوا کہ گرمیوں میں ظہر میں تاخیر مستحب ہے اور سردیوں میں تعجیل اور یہ حدیثیں حنفیوں کی ظہر میں تاخیر کی ...یت ہے اور حدیث زیر بحث جس پر ہم نے ب کا نشان دیا ہے۔ ان سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ظہر کا وقت دو مثل سایہ تک ...ت ہے اور عصر کا وقت دو مثل سایہ ہونے سے شروع ہوتا ہے کیونکہ حضور نے ظہر کو ٹھنڈا کرکے پڑھنے کا حکم دیا ہے اور سورج کی گرمی ...ہ شدت حرارت ہر جگہ خصوصاً ملک عرب میں دو مثل سایہ کے بعد ہی ٹوٹتی ہے۔ تو اگر ایک مثل سایہ پر ظہر کا وقت ختم ہو جانے تو ...جر ابراد بالظہر کا حکم بے معنی ہو جاتا ہے۔ ثانیاً حدیث زیر بحث (ب) میں یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے اس وقت ظہر پڑھی جب حَتّٰی رَاَیْنَا فَیْءَ التُّلُوْلِ ہم نے ٹیلوں کا سایہ دیکھا اور ٹیلوں کا سایہ ایک مثل سایہ کے وقت بوجہ ٹیلے کے (پھیلے) ہونے کے ...ظاہر نہیں ہوتا بلکہ ایک مثل کے بعد ظاہر ہوتا ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ ایک مثل سایہ پر ظہر کا وقت ختم نہیں ہوتا۔ اگر یہ ہو جاتا تو پھر حضور ظہر کی نماز اس وقت میں جب کہ ٹیلے کا سایہ دکھائی دیا کیسے پڑھتے ـــــ فافہم

بَابُ وَقْتِ الظُّهْرِ عِنْدَ الزَّوَالِ

باب ظہر کا وقت زوال کے بعد ہے

وَقَالَ جَابِرٌ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ بِالْهَاجِرَةِ (بخاری) — حضرت جابرؓ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ظہر دوپہر میں پڑھتے تھے۔

(۱) یہ تعلیق حدیث جابر کا ایک ٹکڑا ہے جسے امام نے باب وقت المغرب میں موصولاً ذکر کیا۔ ہاجرۃ ٹھیک دوپہر کو کہتے ہیں جب راستے خوب گرم ہو جاتے ہیں یا ہاجرہ ہجر سے مشتق ہے جس کے معنی چھوڑنے کے ہیں کیونکہ ٹھیک دوپہر میں گرمی زیادہ ہوتی ہے اور لوگ آرام کرتے ہیں اور کام کاج چھوڑ دیتے ہیں اسلئے اس کو ہاجرہ سے موسوم کیا گیا (۲) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ظہر کا اول وقت زوال کے بعد ہے اور یہ کہ حضورؐ نے بیان جواز کے لئے کبھی گرمیوں میں بھی ظہر اول وقت میں پڑھی ہے مگر افضل و مستحب یہی ہے کہ گرمیوں میں ظہر کو ٹھنڈا کرکے پڑھا جائے۔

(۳) اس حدیث سے یہ استدلال صحیح نہیں کہ گرمیوں میں بھی ظہر اول میں پڑھنی مستحب ہے کیونکہ ظہر کو ٹھنڈا کرکے پڑھنے کی افضلیت حضور کی قولی اور فعلی احادیث سے ثابت ہے۔ ثانیاً یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ ظہر کا اول وقت میں پڑھنا صرف حضور کے فعل سے ثابت ہے اور ابراد کی ہدایت قول و فعل دونوں سے ثابت ہے اور صرف فعل پر قول و عمل کو ترجیح ہوتی ہے۔ ثالثاً یہ کہ اس حدیث سے زیادہ سے زیادہ ظہر کو اول وقت میں پڑھنے کا جواز ثابت ہوگا۔ جس کا کوئی منکر نہیں اور سوال جواز کا نہیں بلکہ افضلیت کا ہے نیز علامہ ابوبکر حازمی نے کتاب الناسخ والمنسوخ میں لکھا کہ حدیث خباب جس سے ظہر اول وقت میں پڑھنے کا استدلال کیا جاتا ہے منسوخ ہے کیونکہ حدیث مغیرہ میں ہے کہ

حدیث ابراد پر بحث

كُنَّا نُصَلِّيْ بِالْهَاجِرَةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَبْرِدُوْا۔ — ہم دوپہر کے وقت ظہر پڑھتے تھے تو حضور علیہ السلام نے فرمایا ٹھنڈا کرکے پڑھو۔

اور حدیث انس میں ہے۔

إِذَا كَانَ الْبَرْدُ بَكِّرُوا
وَإِذَا كَانَ الْحَرُّ أَبْرِدُوا

جب سردیاں ہوں تو ظہر جلدی پڑھو
اور جب گرمیاں ہوں تو ابراد کرو

اور یہ حکم تہجیر کے بعد ہے اور روایت قولی حسن صغیر کے لفظ یہ ہیں۔

وَكَانَ آخِرُ الْأَمْرَيْنِ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْإِبْرَادَ (نیل الاوطار ص ۳۰۳ ج ۱)

حضور علیہ السلام کا آخری عمل ظہر کو ٹھنڈا کرکے پڑھنا تھا۔

علامہ شوکانی نے لکھا ہے کہ حدیث مغیرہ کی امام ابوحاتم و امام احمد نے تصحیح کی اور امام بخاری نے اس حدیث کو محفوظ اور ... نے میں بہت بڑی دلیل قرار دیا ہے۔ علامہ شوکانی مزید لکھتے ہیں کہ اگرچہ بابت تاریخ اور عدم معرفت متاخر کی وجہ سے نسخ کو تسلیم نہ کریں تو بھی حدیث ابراد بہرحال راجح ہیں کیونکہ ابراد کی حدیثیں صحیحین بلکہ تمام امہات کتب حدیث میں بطرق متعددہ موجود ہیں اور حدیث ... صرف مسلم میں ہے ولا شك ان المتفق عليه مقدم اور متفق علیہ حدیث اور وہ حدیث جو طرق متعددہ سے مروی ہو مقدم ہوتی ہے (نیل الاوطار ج ۱ ص ۳۰۳ ترجمہ حنفی ہے)۔

فائدہ بعض نے کہا ظہر کو شدت گرمی میں اول وقت میں پڑھنا اس لئے افضل ہے کہ بوجہ زیادہ تکلیف کے ثواب زیادہ ہوگا۔ یہ بات بہت بودی ہے اور یہ کلیہ درست نہیں کہ جس کام میں زیادہ تکلیف ہو اس میں ثواب بھی زیادہ ہوگا۔ ثانیاً ... میں علامہ رازی علیہ الرحمۃ نے ایک جواب یہ دیا کہ اول وقت کی فضیلت تمام کا تعلق ہے اور ظہر کے ابراد والی حدیث خاص و مقید ... خاص عام پر اور مقید مطلق پر مقدم ہوتا ہے (۲) بعض علماء نے کہا۔ حضور علیہ السلام نے مدینہ میں ظہر کے ابراد کا حکم اس لئے دیا تھا کہ لوگ ... چل کر بہ نوبت مسجد میں آتے تھے۔ اسلئے آپ نے ظہر میں ابراد کیا تاکہ سب لوگ جمع ہو جائیں لیکن یہ بات اور زیادہ بودی ہے کیونکہ وہ حدیثیں جن میں ظہر میں تاخیر کی ہدایت ہے انہیں حضور نے علت تاخیر یہ بیان فرمائی ہے کہ گرمی کی شدت جہنم کی بھاپ سے ہے۔ لوگوں کا جمع ہونا علت تاخیر نہیں سمجھی گئی۔ اسکی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ حضور علیہ السلام نے بحالت سفر بھی گرمیوں میں ظہر میں تاخیر فرمائی اور بلالؓ اذان ... فرمایا کہ ظہر کو ٹھنڈا کرو تو اگر ابراد کی وجہ وہ ہوتی تو حضور نے سفر میں ابراد کیوں کیا۔ کیونکہ سفر میں تو صحابہ حضور کے ہمراہ تھے دور سے آنے کی ضرورت نہ تھی۔ ...

أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ حِينَ زَاغَتِ الشَّمْسُ فَصَلَّى الظُّهْرَ فَقَامَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَذَكَرَ السَّاعَةَ وَذَكَرَ أَنَّ فِيهَا أُمُورًا عِظَامًا ثُمَّ قَالَ مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَسْأَلَ عَنْ شَيْءٍ فَلْيَسْأَلْ فَلَا تَسْأَلُونِي عَنْ شَيْءٍ إِلَّا أَخْبَرْتُكُمْ مَا دُمْتُ فِي مَقَامِي هٰذَا فَأَكْثَرَ النَّاسُ فِي الْبُكَاءِ وَأَكْثَرَ أَنْ يَقُولَ سَلُونِي فَقَامَ عَبْدُ اللهِ بْنُ حُذَافَةَ السَّهْمِيُّ فَقَالَ مَنْ أَبِي قَالَ أَبُوكَ حُذَافَةُ ثُمَّ أَكْثَرَ أَنْ يَقُولَ سَلُونِي فَبَرَكَ عُمَرُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَلَى رُكْبَتَيْهِ فَقَالَ رَضِينَا بِاللهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا وَبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا فَسَكَتَ ثُمَّ قَالَ عُرِضَتْ عَلَيَّ الْجَنَّةُ وَالنَّارُ آنِفًا فِي ... فَلَمْ أَرَ كَالْخَيْرِ وَالشَّرِّ (بخاری)

حضرت انس کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام سورج ڈھلے جب ... ہوئے اور ظہر کی نماز پڑھائی۔ پھر منبر پر قیام کیا اور قیامت کا ذکر کیں فرمایا جس کو جو پوچھنا ہو پوچھ لے جب تک میں ... قیام فرما ہوں۔ تم جو بات مجھ سے پوچھو گے بتاؤں گا۔ یہ سن کر صحابہ رونے لگے تو عبداللہ بن حذافہ سہمی کھڑے ہوئے عرض کیا میرا باپ کون ہے؟ آپ نے فرمایا۔ حذافہ! پھر آپ بار بار یہی فرمانے لگے پوچھو، پوچھو۔ بالآخر حضرت عمرؓ دو زانو ہو کر بیٹھے۔ عرض کی ... کے رب ہونے، اسلام کے دین ہونے اور محمد صلے اللہ کے رسول برحق ہونے پر راضی ہیں۔ اس پر حضور خاموش ہوئے۔ پھر فرمایا۔ ... دوزخ میرے سامنے اس دیوار کے عرض میں پیش کی گئی۔ تو میں نے ... جیسی اچھی چیز اور دوزخ جیسی بری چیز نہیں دیکھی۔

فوائد و مسائل

(۱) ترجمۃ الباب حدیث کے یہ الفاظ ہیں خرج حین زاغت الشمس جن سے واضح ہوتا ہے کہ ابتدائے وقت ظہر زوال کے بعد ہے کیونکہ زوال سے قبل حضورؐ کا ظہر پڑھنا ثابت نہیں۔ اور اس پر اجماع بھی ہے۔

(۲) حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تھا کہ منافقین بطور امتحان آپ سے سوالات کرنا چاہتے ہیں۔ قسطلانی میں ہے کہ بعض منافقین نے کہا ہم آپ سے ایسی باتیں پوچھیں گے۔ جن کے جواب سے آپ عاجز آجائیں گے۔ اس پر آپ منبر پر جلوہ فرما ہوئے اور اعلان کیا۔ مجھ سے جو پوچھو جواب دوں گا۔ ۳۔ حضرت عبداللہ بن حذافہ کو لوگ کسی اور کا بیٹا قرار دیتے تھے۔ اس لئے اپنے والد کے متعلق سوال کیا کہ کون تھا۔ آپ نے فرمایا تیرا باپ حذافہ ہے۔ یہ منظر دیکھ کر لوگ رونے لگے کہ کہیں عذاب نہ ہو جائے۔ منافقین اللہ کے نبی کا امتحان لینا چاہتے ہیں۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالے عنہ نے جب یہ دیکھا کہ حضورؐ بار بار فرما رہے ہیں کہ پوچھو۔ پوچھو۔ تو مذکورہ بالا عرض کئے تب جا کر حضورؐ کو سکون ہوا تھا ۴) اس حدیث سے بلا کسی کھینچ تان کے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے علم پاک کے متعلق کلام کرنا اور یہ خیال کرنا کہ فلاں بات کا علم حضورؐ کو نہیں ہے۔ علامت منافقت ہے ۵) حضور علیہ السلام نے عن شئی فرمایا جس کا مفہوم یہ ہے کہ جس چیز کے متعلق سوال کرنا ہے کرو۔ میں جواب دوں گا جس سے واضح ہوتا ہے کہ حضور ہر چیز کے عالم تھے ورنہ اس عموم کے ساتھ اعلان نہ فرماتے۔ فرض کیجئے کہ اگر کوئی شخص اس موقع پر حضورؐ سے ان غیبیہ امور کے متعلق سوال کر لیتا۔ جن کو بعض لوگ اللہ عزوجل کا خاصہ بتاتے ہیں (یعنی امور خمسہ) تو کیا ان کے متعلق حضورؐ یہ فرماتے کہ مت پوچھو اس کا جواب میں نہیں دے سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ منکرین علم نبوی کو بھی یہ بات تسلیم کرنی پڑتی ہے کہ حضورؐ کے الفاظ واقعی عموم پر دال ہیں یعنی اس میں یہ قید نہیں ہے کہ فلاں بات کے تو سوال کی اجازت ہے اور فلاں کے متعلق نہیں۔ بلکہ حضورؐ نے مطلقاً یہ فرمایا ہے۔

فلا تسألونی عن شیٔ الا اخبرتکم (بخاری) | تم مجھ سے جو کچھ پوچھوگے میں اس کے متعلق جواب دوں گا۔

ظاہر ہے ایسا عام اور مطلق دعوے وہی کر سکتا ہے جس کو ہر چیز کا علم ہو۔ بعض لوگ جن کی جبلت ثانیہ ہی یہ ہے کہ حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے فضائل کو کم کیا جائے۔ حدیث زیر بحث کا مطلب یہ بتاتے ہیں کہ ایک وقت خاص میں حضورؐ کی یہ کیفیت ہوتی تھی۔ چنانچہ ما دمت فی مقامی ھذا کی قید اس پر دال ہے۔ لیکن ظاہر ہے یہ قید اتفاق ہے اور اس نوع کی قیدیں ہر زبان میں موقع اور محل کے لحاظ سے جاری ہوتی ہیں اور اگر اس کو اتفاق قید نہ مانا جائے تو ہم یہ کہیں گے کہ منکر نے یہ تو تسلیم کر لیا کہ ایک وقت خاص تک کے لیے حضور پر یہ کیفیت طاری ہوتی تھی۔ گویا اتنا تو منکر نے بھی مان لیا کہ اس وقت خاص میں حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم ہر چیز کے عالم ہو گئے تھے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ منکرین کے نزدیک ایک معین وقت تک کے لئے حضور علیہ السلام کو ہر چیز کا عالم مانا جائے تو شرک نہیں لیکن اگر دائمی طور پر مانا جائے تو شرک ہے حالانکہ یہ قطعی بات ہے کہ جو بات شرک ہے وہ بہر صورت شرک ہے خواہ اس کے ساتھ زمانہ کی قید ہو یا نہ ہو۔ بت کو خواہ ایک وقت معین کے لیے خدا کا شریک قرار دیا جائے یا دائمی طور پر شریک بنایا جائے بہر صورت شرک ہی ہے۔ جب منکرین کے نزدیک اللہ عزوجل کے سوا کسی اور کو ہر چیز کا عالم ماننا شرک ہے تو خواہ دائمی طور پر کسی کو ہر چیز کا عالم مانا جائے یا عارضی طور پر شرک ہی رہنا چاہیئے مگر یہ لوگ فضل نبوی کو گھٹانے کے نشہ میں کچھ ایسے مدہوش ہو چکے کہ انہیں اپنی منطق کے الٹے پن کا احساس ہی نہیں ہوتا۔

۵۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اس دیوار کے عرض میں مجھے جنت و دوزخ دکھائی گئی اور اللہ تعالے قادر ہے۔ جس طرح اور جس کیفیت سے چاہے اپنے رسولؐ کو جنت و دوزخ کا مشاہدہ کرا دے۔

عن ابی برزۃ قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم | حضرت ابو برزہ سے روایت ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز ایسے

يُصَلِّي الصُّبْحَ وَاَحَدُنَا يَعْرِفُ جَلِيْسَهُ وَيَقْرَأُ فِيْهَا مَابَيْنَ السِّتِّيْنَ اِلَى الْمِائَةِ وَيُصَلِّي الظُّهْرَ اِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ وَالْعَصْرَ وَاَحَدُنَا يَذْهَبُ اِلَى اَقْصَى الْمَدِيْنَةِ رَجَعَ وَالشَّمْسُ حَيَّةٌ وَنَسِيْتُ مَا قَالَ فِي الْمَغْرِبِ وَلَا يُبَالِي بِتَاخِيْرِ الْعِشَاءِ اِلَى ثُلُثِ اللَّيْلِ ثُمَّ قَالَ اِلَى شَطْرِ اللَّيْلِ وَقَالَ مُعَاذٌ قَالَ شُعْبَةُ ثُمَّ لَقِيْتُهُ مَرَّةً فَقَالَ اَوْ ثُلُثُ اللَّيْلِ۔

(بخاری)

وقت میں پڑھتے کہ ہم میں سے کوئی شخص اپنے قریب بیٹھے کو پہچان لیتا اور اس میں ساٹھ آیتوں سے لیکر ایک سو آیت تک پڑھتے اور ظہر کی نماز اس وقت پڑھتے جب سورج ڈھل جاتا اور عصر اس وقت کہ ہم میں سے کوئی شخص عصر پڑھ کر شہر کے دوسرے حصے تک جاتا تو اس وقت (بھی) سورج زندہ ہوتا اور ابو المنہال کہتے ہیں کہ میں بھول گیا ابو برزہ نے مغرب کے متعلق کیا کہا اور عشاء کی نماز تہائی رات تک دیر کر کے پڑھنے میں حرج نہیں سمجھتے یا یوں کہا کہ آدھی رات تک۔ اور معاذ نے کہا کہ شعبہ نے کہا کہ پھر ایک دن میں ابو المنہال سے ملا تو انھوں نے کہا تہائی رات تک۔

فوائد و مسائل

اس حدیث کو مسلم، ابوداؤد و نسائی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔

۲- ابو برزہ اسلمی کا نام نضلہ بن عبید ہے جو قدیم الاسلام ہیں۔ حضورؐ کے ساتھ غزوات میں شریک ہوتے رہے حتیٰ کہ حضورؐ نے وصال پایا۔ پھر آپ نے بصرہ کی سکونت ترک کی اور خراسان کے جہاد میں شریک ہو گئے۔ مرو یا بصرہ یا مفازہ بمقام میں ۶۰ھ میں انتقال فرمایا۔ بخاری میں چار حدیثیں آپ سے مروی ہیں اور معاذ یہ معاذ بن نصر بن حسان العنبری التمیمی ہیں جو بصرہ کے قاضی تھے۔ شعبہ سے ان کا سماع ثابت ہے ۱۹۶ھ میں انتقال کیا (۳) ترجمۃ الباب حین زالت الشمس کے الفاظ میں یعنی حضور علیہ السلام ظہر کی نماز اس وقت پڑھتے جبکہ سورج ڈھل جاتا۔ اس سے ثابت ہوا کہ ظہر کا وقت زوال کے بعد ہے۔

(۵) اِلٰی اَقْصَی الْمَدِیْنَۃِ رَجَعَ سے مراد آنا اور جانا نہیں ہے بلکہ مسافت کی جانب واحدہ مراد ہے جیسا کہ بخاری ہی کی دوسری روایت سے واضح ہوتا ہے یرجع احدنا الی رحلہ فی اقصی المدینۃ والشمس حیۃ "عصر کی نماز پڑھ کر جب ہم میں سے کوئی اپنے گھر جاتا تو اس وقت بھی سورج زندہ ہوتا (۶) حدیث زیر بحث کے خط کشیدہ جملوں سے یہ استدلال کیا گیا کہ جب عصر پڑھ کر صحابہ کرامؓ عوالی مدینہ جاتے جو دو تین میل کا فاصلہ تھا تو وہاں پہنچنے پر بھی سورج چمکتا ہوتا تو اس سے ثابت ہوا کہ عصر کی نماز دو مثل سے پہلے پڑھی جاتی تھی کیونکہ اگر دو مثل سایہ ہونے کے بعد عصر کی نماز پڑھی جائے تو یہ ممکن نہیں ہے کہ دو میل مسافت طے کرنے کے بعد بھی سورج چمکتا رہے لیکن یہ استدلال متعدد وجوہ سے درست نہیں کیونکہ اس کا مبنیٰ رفتار پر ہے اور حدیث زیر بحث میں یہ تصریح نہیں ہے کہ یہ لوگ عصر کی نماز پڑھ کر پیدل جاتے تھے یا سواری پر۔ پھر سواری اونٹ تھی یا گھوڑا وغیرہ۔ پھر پیدل چلنے والوں کی رفتار میں بھی فرق ہوتا ہے۔ کوئی تیز چلتا ہے اور کوئی سست رفتار ہوتا ہے۔ جبتک ان امور کا قطعی فیصلہ نہ ہو جائے استدلال صحیح نہیں۔ ثانیاً۔ دو مثل کے بعد عصر پڑھ کر تین میل کا فاصلہ بخوبی طے ہو سکتا ہے۔ عرب قوی اور تیز رفتار ہوتے ہیں۔ ہمارے ہاں بھی بعض لوگ پندرہ منٹ میں ایک میل چل لیتے ہیں اور عصر کا وقت بھی بعض دنوں میں دو گھنٹے سے بھی زیادہ ہوتا ہے۔ بہر حال مسئلہ مختلف فیہ ہے اور احناف کے نزدیک ظہر کا وقت زوال شمس سے دو مثل سایہ تک ہے اور دو مثل سایہ کے بعد عصر کا وقت شروع ہوتا ہے اور عصر کی نماز میں ہمیشہ تاخیر مستحب ہے مگر نہ اتنی کہ قرص آفتاب میں زردی آجائے اور اس پر بے تکلف نظر ٹھہر سکے۔ یعرف جلیسہ سے ثابت ہوا کہ فجر میں اسفار مستحب ہے اس مسئلہ کی مکمل بحث کے لیے فیوض الباری پارہ دوم ص۲۹ کا مطالعہ کیجئے اس حدیث سے یہ بھی واضح ہوا کہ عشاء میں تہائی رات تک تاخیر مستحب ہے اور آدھی رات تک مباح یعنی آدھی رات سے قبل

فرض پڑھ چکے اور اتنی تاخیر کرنا ت و عمل جائے۔ بلا وجہ تقلیل جماعت کروہ ہے اور یہ بھی کہ نماز عشاء سے پہلے سوجانا اور عشاء کے بعد فضول لو۔ لغو اور غیر ضروری باتیں کرنا مکروہ ہے۔ ان مسائل کے جزئیات آئندہ صفحات میں آ رہے ہیں۔

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كُنَّا اِذَا صَلَّيْنَا خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ بِالظَّهَائِرِ سَجَدْنَا عَلٰى ثِيَابِنَا اتِّقَاءَ الْحَرِّ

حضرت انس بن مالک نے فرمایا ہم حضور علیہ السلام کے پیچھے ظہر کی نماز پڑھتے اور گرمی سے بچنے کے لئے اپنے کپڑوں پر سجدہ کرتے تھے

فوائد و مسائل اس حدیث کو امام نے صلوٰۃ میں ابن ماجہ، ابوداؤد، مسلم و ترمذی و نسائی نے بھی کتاب الصلوٰۃ میں ذکر کیا ظہائر، ظہیرہ کی جمع ہے اور اس سے مراد ظہر کی نماز ہے ۲۔ اس حدیث سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ ظہر اول وقت میں پڑھنا مستحب ہے لیکن اس کے متعدد جواب ہیں۔ اولاً یہ کہ ظہر کو اس کے اول وقت میں پڑھنے کا جواز ثابت ہے کسی کا حنفیہ کو بھی انکار نہیں ہے اور سوال افضلیت کا ہے تو اس کے متعلق حضور کی قول و فعل احادیث موجود ہیں (جیسا کہ گذشتہ اوراق میں پوری بحث ہو چکی ہے۔ ثانیاً فرش مسجد کو گرم ہونے سے ظہر کو اول وقت میں پڑھنے کی دلیل لینا اس لئے بھی درست نہیں کہ اگر نماز ظہر تاخیر سے پڑھی جائے تو بھی فرش گرم رہتا ہے بلکہ عصر کے بعد تک گرم تو آج کل بھی رہتا ہے۔

بَابُ تَاخِيْرِ الظُّهْرِ اِلَى الْعَصْرِ

باب ظہر میں اتنی تاخیر کرنا کہ اول وقت عصر کا آجائے

علامہ عینی و حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی و امام قسطلانی شافعی علیہم الرحمہ نے فرمایا کہ مقصود عنوان یہ بتانا ہے کہ ظہر اس کے آخری وقت میں پڑھنا کہ فراغت کے بعد اول وقت عصر کا شروع ہو جائے اور پھر عصر پڑھی جائے۔ عنوان کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ظہر کو عصر کے وقت میں ملا کر پڑھا جائے۔ چنانچہ علامہ قسطلانی و حافظ ابن حجر عسقلانی کے الفاظ یہ ہیں۔

باب تاخير الظهر الى اول وقت العصر بحيث انه اذا فرغ منها يدخل وقت ما يليها منه يجمع بينهما في وقت واحد (قسطلاني) المراد انه عند فراغه منها دخل وقت العصر كما سياتي عن ابي الشعثاء

فتح الباری) اور حدیث ابی الشعثاء کا مضمون یہ ہے کہ عمرو بن دینار نے ابوالشعثاء سے پوچھا کہ حضور نے جو ظہر عصر و مغرب کو جمع فرمایا۔ تو اس طرح جمع فرمایا کہ ظہر کو مؤخر کر دیا اور عصر کو اول وقت میں پڑھا۔ اسی طرح مغرب میں تاخیر اور عشاء میں تعجیل فرمائی تو انھوں نے جواب دیا اِنَّا اَظُنُّہٗ میرا بھی یہی خیال ہے (بخاری) اہل علم نوٹ کر لیں کہ علامہ عسقلانی و حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما کی تصریح سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ احادیث جمع بین الصلاتین میں احناف کا جمع صوری مراد لینا بے بنیاد نہیں ہے اور اسی سے غیر مقلد وہابی حضرات کے اس قول کے بھی پرخچے اڑ جاتے ہیں کہ احادیث جمع میں جمع صوری مراد لینا عمل بے معنی الفاظ اور باطل تحکم ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى بِالْمَدِيْنَةِ سَبْعًا وَّثَمَانِيًا الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ فَقَالَ اَيُّوْبُ لَعَلَّهٗ فِيْ لَيْلَةٍ مَطِيْرَةٍ قَالَ عَسٰى۔

حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں سات رکعتیں مغرب اور عشاء کی اور آٹھ رکعتیں ظہر اور عصر کی پڑھیں۔ ایوب نے جابر بن زید سے کہا۔ شاید بارش کی رات ایسا کیا ہوگا۔ انہوں نے کہا۔ شاید۔

فوائد و مسائل اس حدیث کو امام نے صلوٰۃ اللیل میں بھی ذکر کیا اور مسلم و امام داؤد، نسائی نے بھی باب صلوٰۃ اللیل میں ذکر کیا۔ ۲۔ حضور علیہ السلام نے مدینہ شریف میں مغرب اور عشاء ظہر و عصر کو جو جمع کرکے پڑھا تو ظاہر ہے کہ یہ جمع سفر یا بارش کی وجہ سے تو نہ تھی۔ اگر یہ کہا جائے کہ بوجہ مرض حضور نے ایسا کیا جیسا کہ علامہ نووی نے فرمایا تو یہ اس لئے درست نہیں کہ روایت میں بیٹھ کر

میں یہ بھی تصریح ہے کہ حضورؐ نے باجماعت نماز پڑھائی تھی سب ظاہر ہے کہ حضورؐ اگر مریض تھے تو باقی لوگ تو مریض نہ تھے۔ لہٰذا معلوم ہوا یہ جمع بین الصلوتین مرض، مطر اور سفر کے عذر کی وجہ سے نہ تھی۔ ۳۔ علامہ شوکانی نے اس حدیث پر طویل بحث کرتے ہوئے یہ ثابت کیا ہے کہ یہ جمع، جمع صوری تھی۔ حقیقی نہ تھی۔ یعنی حضورؐ نے مدینہ میں ظہر و عصر کو جمع کرکے پڑھا تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ نے ظہر اور عصر کے وقت میں جمع کرکے پڑھا بلکہ مطلب یہ ہے کہ آپ نے ظہر میں تاخیر کی اور ظہر کو ظہر کے آخری وقت میں ادا فرمایا اور فراغت کے بعد وقت عصر وقت شروع ہوگیا تو آپ نے عصر اوّل وقت میں ادا فرمائی۔ جیسا کہ نسائی میں حضرت ابن عباس سے مروی ہے (نیل الاوطار ج ۳ ص ٢١٣) ۴۔ حدیث نسائی کے الفاظ یہ ہیں۔ اخر الظهر و عجل العصر و اخر المغرب و عجل العشاء۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حضورؐ کی تاخیر و تعجیل صحابہ کرامؓ میں جمع صوری کے لئے معروف تھی۔ جمع وقتی کے لیے نہیں۔

مسئلہ جمع بین الصلوٰتین

اس مسئلہ اور حدیث زیر بحث پر بحث سے پہلے قارئین کرام حسب ذیل امور کو بھی ذہن میں رکھیں۔ ۱۔ احناف کے نزدیک ہر نماز کو اس کے وقت میں پڑھنا فرض ہے۔ سفر ہو یا حضر، بیماری ہو یا کوئی اور عذر بہر صورت نماز کو اس کے وقت میں پڑھنا ضروری ہے۔ ۲۔ البتہ دو نمازوں کو صورۃً جمع کر لینا جائز ہے۔ یعنی اگر عذر جو بھی ہو یا مریض ہو یا سفر کی جلدی ہو تو ایسی صورت میں احناف کے نزدیک جمع صوری جائز ہے اور وہ حدیثیں جن میں جمع کا ذکر ہے ان میں جمع صوری مراد ہے۔ جمع حقیقی مراد نہیں ہے۔ ۳۔ جمع صوری جس کو جمع فعلی بھی کہتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ ظہر کو اس کے آخر وقت میں پڑھا کہ بعد از فراغت عصر کا وقت شروع ہو جائے اور عصر پڑھ لی جائے۔ اسی طرح مغرب میں دیر کی حتیٰ کہ شفق ڈوبنے کے قریب آگئی۔ اس وقت مغرب پڑھی جائے اور مغرب سے فارغ ہوئے کہ شفق ڈوب گئی اور عشاء کا وقت آگیا اور پھر عشاء پڑھ لی گئی۔ دیکھئے کہ ظہر و عصر اور مغرب و عشاء تو اپنے وقت میں پڑھی گئیں مگر صرف صورۃً ادا میں مجتمع ہوگئیں۔ جمع صوری کو مثال سے یوں سمجھ لیجئے۔ فرض کیجئے۔ ظہر کا وقت ۱۲ بجے سے چار بجے تک ہے۔ اب ہم نے ظہر میں تاخیر کی یہاں تک کہ ۳ بج کر ۵۰ منٹ ہوئے۔ تو ۳ بج کر ۵۰ منٹ پر ظہر پڑھی اور ان دس منٹوں میں ظہر پڑھ کر فارغ ہوئے تھے کہ عصر کا وقت شروع ہوگیا اور ہم نے عصر بھی پڑھ لی۔ دیکھئے ظہر اور عصر دونوں اپنے اپنے وقتوں ہی میں پڑھی گئیں۔ مگر صورۃً دفعۃً دونوں نمازیں جمع کرکے پڑھی گئیں ہیں۔

جمع حقیقی جس کو وقتی بھی کہتے ہیں وہ یہ ہے کہ ایک نماز کو دوسری نماز کے وقت میں جمع کرکے پڑھنا۔ یعنی ظہر کا وقت ختم ہو کر عصر کا شروع ہوا۔ تو اب ظہر کو عصر کے وقت ملاکر پڑھ لیا جائے۔ حضرت امام شافعی و مالک و احمد بن حنبل کا مسلک یہ ہے۔ عذر کی وجہ سے مثلاً سفر ہو یا مرض ہو، تو اس صورت میں ایک نماز کو دوسری نماز کے وقت میں ملاکر پڑھنا جائز ہے۔ یہ حضرات بھی حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں۔ ان کے مضمون یہ ہیں:

اوّل۔ حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں آٹھ رکعتیں ظہر و عصر کی اور سات رکعتیں مغرب اور عشاء کی پڑھیں۔ (مسلم)

دوم۔ معاذ بن جبل کہتے ہیں کہ حضورؐ نے غزوہ تبوک میں ظہر و عصر اور مغرب اور عشاء کو جمع کرکے پڑھا۔ (طحاوی)

سوم۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ جب حضورؐ سفر میں ہوتے تو مغرب و عشاء اور ظہر و عصر کو جمع فرما لیتے (احمد)

یہ اور اسی مضمون کی اور بھی متعدد احادیث ہیں جن سے امام شافعی و مالک و احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے یہ سمجھا کہ عذر کی وجہ سے دونمازوں کو وقت واحد میں پڑھ لینا جائز ہے (یعنی جمع حقیقی)۔ لیکن ان حضرات کا احادیث بالا سے مذکورہ بالا نتیجہ نکالنا صحیح و درست نہیں اور جہاں تک دلائل کا تعلق ہے۔ اس باب میں احناف کا موقف بہت قوی ہے جس کی تقریر یہ ہے:

۱۔ نمازوں کے اوقات کا مقرر و معین ہونا قطعی اور متواتر ہے۔ ہر نماز کو اس کے وقت میں پڑھنا فرض ہے اور جہاں جہاں قرآن

صرف کا حکم آیا ہے۔ سب کا اتفاق ہے۔ اس سے نماز کو اس کے وقت میں پڑھنا اور اس کے آداب کا لحاظ رکھنا مراد ہے۔ غرضیکہ کتاب سنت کی نصوص صریحہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہر نماز کا وقت مقرر ہے۔ احادیث جزیہ میں نماز کو وقت پر پڑھنے کی تاکید اور بے وقت بلکہ مت کروہ میں پڑھنے پر وعید شدید آئی ہے اور اس کو منافقین کا عمل قرار دیا گیا۔ جیسا کہ کتاب کے ابتدائی صفحات میں مفصل بیان ہوا۔

۔ حادیث جمع بین الصلوتین کے وہ معنی مراد لئے جانے چاہئیں جو نصوص صریحہ کے منافی نہ ہوں اور خود احادیث میں تضاد و تخالف پیدا نہ کریں۔ پس وہ احادیث جن میں دو نمازوں کے جمع کرنے کا ذکر ہے۔ ان میں جمع سے جمع حقیقی ہرگز مراد نہیں بلکہ صوری مراد ہے اور جمع صوری مراد ہونے پر احناف کے پاس معقول دلائل موجود ہیں۔ جن میں سے چند یہ ہیں:۔

۱۔ نجمع بین المغرب والعشاء یؤخر هذه فی اٰخر وقتها ویعجل هذه فی اول وقتها (طحاوی)

کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مغرب و عشاء کو اس طرح جمع فرماتے تھے کہ مغرب اس کے آخر وقت میں اور عشاء اس کے اول وقت میں ادا فرماتے۔

علامہ شوکانی نے مذکورہ بالا مضمون کی حدیثوں میں الفاظ تاخیر و تعجیل کو جمع صوری کی صریح دلیل مانا ہے۔ چنانچہ انھوں نے لکھا۔

ومما یدل علی تعین حمل حدیث الباب علی الجمع الصوری ما اخرجه النسائی عن ابن عباس بلفظ صلیت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم الظهر والعصر جمیعا الخ۔ ایک دوسری حدیث بھی مؤید ان للعمل علی الجمع الصوری ما اخرجه ابن جریر عن ابن عمر قال خرج علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فکان یؤخر الظهر ویعجل العصر فیجمع بینهما وهذا هو الجمع الصوری (نیل الاوطار ج ۳ ص ۲۱۳)

۲۔ امام نافع فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمر اپنی ایک زمین کو گئے۔ جاتے جاتے کسی نے کہا آپ کی زوجہ صفیہ بنت ابی عبید سخت بیمار ہیں۔ شاید ہی آپ زندہ پائیں۔ یہ سن کر بسرعت چلے۔ ان کے ساتھ ایک مرد قریشی تھا۔ سورج ڈوب گیا اور آپ نے مغرب کی نماز نہ پڑھی اور میں نے ہمیشہ ان کی عادت یہی پائی تھی کہ نماز کی محافظت فرماتے تھے۔ جب دیر لگائی۔ میں نے کہا نماز پڑھئے اللہ آپ پر رحم کرے۔ تو انھوں نے میری طرف پھر دیکھا اور آگے روانہ ہوئے۔

حتی اذا کان فی اٰخر الشفق نزل فصلی المغرب ثم اقام العشاء وقد توارى الشفق فصلی بنا ثم اقبل علینا فقال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا عجل به السیر صنع هکذا۔ (نسائی۔ ابوداؤد)

جب شفق کا اخیر حصہ رہا اتر کر مغرب پڑھی پھر عشاء کی تکبیر اس حال میں کہی کہ شفق ڈوب چکی اس وقت عشاء پڑھی۔ پھر ہماری طرف متوجہ ہو کر کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب سفر کی جلدی ہوتی تو ایسا ہی کرتے۔

۔ ت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یؤخر الظهر ویقدم العصر ویؤخر المغرب ویقدم العشاء۔ (بخاری۔ احمد بن حنبل۔ طحاوی)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں ظہر کو دیر کر کے اور عصر کو اول وقت میں پڑھتے۔ مغرب کی تاخیر فرماتے اور عشاء کو اول وقت پڑھتے۔

۔ نجمع بین الظهر والعصر نقدم من هذه ونؤخر من هذه ونجمع بین المغرب والعشاء نقدم من هذه ونؤخر من هذه حتی قدمنا مکة۔ (طحاوی)

عاصم احول عن ابی عثمان راوی ہیں کہ میں اور حضرت سعد بن مالک حج کی جلدی میں کہ مسلسل ہم ظہر و عصر، مغرب و عشاء کو یوں جمع کرتے گئے کہ ظہر و مغرب دیر کر کے پڑھتے اور عصر و عشاء جلدی یہاں تک کہ مکہ پہنچ گئے۔

صحبت عبد اللہ بن مسعود فی حجة فکان

عبد الرحمان بن یزید کہتے ہیں کہ میں حج میں حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ

يوخر الظهر ويعجل العصر ويوخر المغرب و يعجل العشآء ويسفر الصلوٰة الغداة (طحاوی)

کے ہمراہ رکاب تھا۔ آپ ظہر میں دیر فرماتے اور عصر میں جلدی، مغرب میں تاخیر اور عشا میں جلدی اور صبح کی نماز روشنی کر کے پڑھتے۔

۵۔ ابوداؤد۔ باب متی یتم المسافر میں ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم جب سفر فرماتے سورج ڈھلے پر چلتے رہتے یہاں تک کہ قریب ہوتا کہ تاریکی ہو جائے۔

حتیٰ تکاد ان یظلم ثم ینزل فیصلی المغرب ثم یدعو بعشآئه فیتعشیٰ ثم یصلی العشاء ثم یرتحل و یقول ھکذا کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصنع (ابوداؤد)

پھر اتر کر مغرب پڑھتے۔ پھر کھانا منگا کر تناول فرماتے پھر عشا پڑھ کر کوچ کرتے اور فرماتے حضور علیہ السلام اسی طرح کرتے تھے۔ علامہ عینی نے فرمایا اس حدیث کی سند میں کوئی نقص نہیں۔

ان احادیث سے آفتاب نیمروز کی طرح واضح ہوا کہ بعذر دو نمازوں کو جمع کر کے پڑھا جا سکتا ہے اور جمع کا طریقہ الخ

بھی ان احادیث سے معلوم ہو گئی کہ دو نمازوں کو جمع کرنا اس طرح نہ تھا کہ ایک نماز کو دوسری نماز کے وقت میں جمع کر کے پڑھا جائے (جمع حقیقی) بلکہ جمع کی صورت یہ تھی کہ آپ مغرب کو اس کے اخیر وقت میں پڑھتے کہ فراغت کے بعد عشا کا وقت شروع ہو جاتا اور عشا ادا فرماتے۔ یعنی حضور علیہ السلام ہر نماز کو اس کے معین وقت ہی میں ادا فرماتے تھے مگر کبھی عذر سفر وغیرہ کی وجہ سے صورةً و فعلاً جمع فرما لیتے تھے۔ جس سے اس امر کی وضاحت ہوتی ہے کہ وہ احادیث جنہیں امام شافعی پیش کرتے ہیں ان سے جمع صوری ہی مراد ہے حقیقی مراد نہیں۔ بخاری و مسلم میں ہے:۔

قَالَ مَارَأیتُ رسولَ اللہ صلّی اللّٰہُ علیه وسلّم صلّیٰ صلوٰۃ قطّ فِی غیرِ وقتها الّا انّهٗ جَمَعَ بَیْنَ الصَّلوٰتَیْن بجمع الخ (بخاری و مسلم و طحاوی جلد ۱ صفحہ ۱۳۳)

حضرت عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی ایک وقت میں دو نمازوں کو جمع کرتے ہوئے نہیں دیکھا سوائے مقام جمع کے (یعنی مزدلفہ)

اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ حضور علیہ السلام نے کبھی دو نمازوں کو اس طرح جمع نہیں کیا کہ وقت واحد میں دو نمازوں کو ادا کیا ہو۔ لہٰذا ضروری ہے۔ جن احادیث میں جمع کا ذکر ہے اس میں جمع صوری مراد لی جائے اور اگر جمع حقیقی مراد لی جائے گی تو اس سے ایک تو کتاب و سنت کی نصوص صریحہ کا خلاف ہوگا۔ دوسرے خود احادیث میں تضاد و تخالف پیدا ہو جائے گا اور یہ تضاد و تخالف حقیقت میں تو ہے نہیں۔ محض اس وجہ سے پیدا ہو رہا ہے کہ احادیث جمع میں جمع حقیقی مراد لی جا رہی ہے۔ اس کے علاوہ جو جمع حقیقی کے قائل ہیں وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ نمازوں میں جمع حقیقی بلا عذر جائز نہیں ہے حالانکہ احادیث میں حضور علیہ السلام سے بلا عذر بھی جمع کرنا ثابت ہے جیسا کہ ترمذی کی حدیث میں ہے۔

عَنْ ابن عباسٍ اَنَّ النّبیَّ صلّی اللہ علیه وَسَلَّمَ جمع بَیْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ بِالْمَدِیْنَةِ وَالْمَغْرِبِ وَالْعِشَآءِ مِن غَیْرِ خوفٍ وَّلَا سَفَرٍ وَّلَا مطرٍ۔ (حاشیہ ترمذی مع شرح تحفۃ الاحوذی ج ۱ ص ۱۶۶)

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ حضور نے ظہر و عصر کو اور مغرب و عشاء کو مدینہ میں بغیر عذر، خوف و سفر و بارش کے جمع کیا۔

عَنْ ابن عباسٍ قَالَ جَمَعَ رسولُ اللہ صلّی اللہ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بَیْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ وَبَیْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَآءِ بِالْمَدِیْنَةِ مِنْ غَیْرِ خَوْفٍ وَّلَا مطرٍ (ترمذی)

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے مدینہ میں ظہر و عصر کو مغرب و عشاء کو بغیر خوف و بارش کے جمع کیا۔

اب قائلین جمع حقیقی کو چاہیئے تھا کہ وہ اس حدیث میں بھی جمع حقیقی مراد لیتے مگر وہ بجائے اس کے جمع صوری مراد لیتے ہیں۔ دیکھئے۔ نیل الاوطار۔ ج ۳ صفحہ ۲۱۲ و تحفۃ الاحوذی ج ۱۔ صفحہ ۱۶۷)

جس سے یہ بات کھل جاتی ہے کہ احادیث جمع بین الصلوٰتین میں جمع سے مراد بھی درحقیقت جمع صوری ہے اور حضورؐ نے صرف مطر و سفر جمع صوری بیان جواز کے لئے فرمائی تاکہ امت حرج میں مبتلا نہ ہو۔ چنانچہ اجلۂ صحابہ کرامؓ میں جناب فاروق اعظم حضرت سعد بن ابی وقاص۔ حضرت عبداللہ بن مسعود و عبداللہ بن عمرو ام المومنین عائشہ صدیقہ اور تابعین میں حضرت عمر بن عبدالعزیز سالم بن عبداللہ بن عمر علقمہ۔ اسود بن یزید نخعی۔ امام حسن بصری ابن سیرین۔ امام ابراہیم نخعی۔ مکحول شامی۔ جابر بن زید امام عمرو بن دینار و حماد و امام اجل سیدنا امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ علیہم اور تبع تابعین میں امام سفیان ثوری۔ لیث بن سعد۔ قاضی ابو یوسف۔ امام ابو عبداللہ محمد الشیبانی و امام زفر بن الہذیل۔ حسن بن زیاد۔ مالک بن انس اور امام عبدالرحمٰن متقی عیینہ امام مالک و امام عیسٰی بن ابان و امام ابو جعفر احمد بن سلامہ مصری وغیرہم آئمہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہی مسلک ہے کہ ظہرین عرفہ و عشائین مزدلفہ کے سوا دو نمازوں کا قصداً ایک وقت میں جمع کرنا سفراً حضراً ہرگز کسی طرح جائز نہیں۔ البتہ جمع صوری جائز ہے۔ جیسا کہ مذکورہ بالا احادیث سے بالتصریح واضح و ثابت ہے۔

وقت ظہر اور اس کے دلائل کا بیان

واضح ہو کہ ابتداء وقت ظہر میں تو کسی کا اختلاف نہیں البتہ انتہاء وقت ظہر میں اختلاف ہے، اسی وجہ سے ابتداء وقت عصر میں بھی اختلاف ہو جاتا ہے۔ احناف کے نزدیک وقت ظہر آفتاب ڈھلنے سے اس وقت تک ہے کہ ہر چیز کا سایہ علاوہ سایہ اصلی کے دو چند ہو جائے اور وقت عصر سایہ اصلی کے دو مثل سایہ ہونے سے آفتاب ڈوبنے تک ہے۔ اس سلسلہ کی چند حدیثیں یہ ہیں:-

دلیل اوّل۔ اِنَّ اَوَّلَ وَقْتِ صَلٰوۃِ الظُّھْرِ حِیْنَ تَزُوْلُ الشَّمْسُ (رواہ الامام احمد و الترمذی و ابن ابی شیبہ عن ابی ہریرۃ)

حضور علیہ السلام نے فرمایا نمازِ ظہر کا اوّل وقت سورج ڈھلنے پر ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ ظہر کا وقت زوال آفتاب ڈھلنے کے بعد ہے۔

دلیل دوم۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ ایک سفر میں ہم حضورؐ کے ہمراہ تھے کہ مؤذن نے ظہر کی اذان دینی چاہی۔ حضورؐ نے فرمایا۔ وقت ٹھنڈا کر۔ کچھ دیر بعد انہوں نے پھر ارادہ کیا فرمایا۔ وقت ٹھنڈا کر۔ یہاں تک کہ ہم نے دیکھا کہ

حَتّٰی سَاوَی الظِّلُّ التُّلُوْلَ

ٹیلوں کا سایہ ان کے برابر آگیا۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ گرمی کی شدت جہنم کے جوش سے ہے تو اس میں نماز ظہر ٹھنڈے وقت میں پڑھو (بخاری شریف) ظاہر ہے کہ ٹھیک دوپہر خصوصاً موسم گرما میں کہ وہی زمانہ ابراد ہے۔ ٹیلوں کا سایہ بالکل نہیں ہوتا۔ بہت دیر کے بعد ہوتا ہے چنانچہ امام اجل ابو زکریا نووی شافعی شرح مسلم میں فرماتے ہیں اور علامہ شوکانی نیل میں لکھتے ہیں۔

التُّلُوْلُ مُنْبَطِحَۃٌ غَیْرُ مُنْتَصِبَۃٍ وَّلَا یَصِیْرُ لَھَا فَیْءٌ فِی الْعَادَۃِ اِلَّا بَعْدَ زَوَالِ الشَّمْسِ بِکَثِیْرٍ (نووی شرح مسلم)

ٹیلے زمین پر پھیلے ہوتے ہیں نہ کہ بلند عادۃً ان کا سایہ نہیں پڑتا مگر سورج ڈھلنے سے بہت دیر کے بعد۔

اور علامہ امام ابن اثیر جزری شافعی نہایہ میں لکھتے ہیں۔

ھِیَ مُنْبَطِحَۃٌ لَمْ یَظْھَرْ لَھَا ظِلٌّ اِلَّا اِذَا ذَھَبَ اَکْثَرُ وَقْتِ الظُّھْرِ (نہایہ۔ و نیل الاوطار ج ۱ صفحہ ۳۰۰)

ٹیلے پست ہوتے ہیں ان کے لئے سایہ ظاہری نہیں ہوتا مگر جب ظہر کا اکثر وقت جاتا رہے۔

پس آثار شاھدہ کی شہادت اور مشاہدہ عقل و قواعد ظل سے ثابت ہوا کہ ٹیلوں کے سائے کی ابتدا زوال سے بہت دیر کے بعد ہوتی ہے تو ظاہر ہے کہ سایہ ٹیلوں کے برابر اس وقت پہنچے گا۔ جب بلند چیزوں کا سایہ ایک مثل سے بہت گذر جائے گا اور اس وقت تک کے لئے حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے گرمیوں میں ظہر ٹھنڈی کرنے کا حکم دیا اور اس کے بعد مؤذن کو اجازتِ اذان مرحمت فرمائی تو بلاشبہ دوسری مثل میں وقتِ ظہر باقی رہنا ثابت ہوا۔ جیسا کہ ہمارے امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰے عنہ کا مذہب ہے۔

دلیل سوم ۔ یہ کہ نمازِ عصر کا وقت ہمیشہ ظہر کے وقت سے کم ہونا چاہیے اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب کہ یہ مانا جائے کہ ظہر کا وقت دو مثل سایہ تک رہتا ہے اور عصر کا وقت دو مثل سایہ سے شروع ہوتا ہے اور اگر یہ مانا جائے کہ عصر کا وقت ایک مثل سایہ سے شروع ہو جاتا ہے تو اس صورت میں وقتِ عصر ظہر کے برابر بلکہ بعض دنوں میں ظہر سے بڑھ جائے گا اور یہ بات بخاری شریف کی اس حدیث کے خلاف ہے۔ جس میں حضور علیہ السلام نے اپنی امت کی مثال یہود و نصاریٰ کے مقابل اس طرح دی ہے جیسے کوئی شخص کسی مزدور کو صبح سے دوپہر تک ایک قیراط اُجرت پر دوسرے مزدور کو دوپہر سے نمازِ عصر تک ایک قیراط اُجرت پر اور تیسرے کو نمازِ عصر سے غروبِ شمس تک دو قیراط اُجرت پر رکھے۔ پہلے مزدور یہود ہیں اور دوسرے نصاریٰ اور تیسرے مزدور مسلمان ہیں اور مقصودِ تشبیہ یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ کے عمل کی مدت زیادہ ہے اور مسلمانوں کی مدتِ عمل تھوڑی ہے مگر مزدوری دگنی ہے۔ پس اگر عصر کا وقت ایک مثل سایہ سے شروع مانا جائے تو ظہر کے برابر بلکہ کبھی کبھی اس سے زیادہ ہو جائے گا اور اس صورت میں یہ مثال جو حضور علیہ السلام نے بیان فرمائی ہے درست نہیں اُترے گی۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ ظہر کا وقت سورج ڈھلنے سے دو مثل سایہ تک رہتا ہے اور دو مثل سایہ ہونے سے عصر کا وقت شروع ہوتا ہے۔

دلیل چہارم ۔ حدیثِ امامت جبرئیل بروایت ترمذی و ابوداؤد عن ابن عباس میں ہے کہ حضرت جبرئیل امین نے صبح منیت بعد فرضیت نماز حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی امامت کے پہلے دن ظہر سے فجر تک پانچوں نمازیں اوّل وقت میں پڑھیں اور دوسرے دن ہر نماز آخر وقت میں اس کے بعد گزارش کی الوقت مَابَیْنَ ھٰذَیْنِ الوقتین۔ وقت ان دونوں وقتوں کے بیچ میں ہے۔ حدیث اس سلسلہ کی حدیث ابوداؤد، ترمذی و ابن حبان و حاکم بروایت عبد اللہ بن عباس میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

صَلّی بی العصر حین کان ظلہ مثلہ فلما کان الغد صلی بی الظھر حین کان ظلہ مثلہ	جبرئیل امین نے میرے ساتھ عصر اس وقت پڑھی جب سایہ ایک مثل ہوا اور دوسرے دن ظہر اسوقت پڑھائی جبکہ سایہ ایک مثل تھا

ان احادیث میں جو وقت کل کی عصر سے متعلق ہے وہی وقت آج کی ظہر کے متعلق بھی ہے۔ یعنی کل کی عصر ایک مثل سایہ ہونے پر پڑھائی اور آج کی ظہر بھی اس وقت پڑھائی جب کہ ایک مثل سایہ ہوا اور روایت ترمذی تو صاف صاف ہے کہ آج کی ظہر اسوقت پڑھی جس وقت کل عصر پڑھی تھی۔ چنانچہ ترمذی کے لفظ یہ ہیں۔ صلی المرۃ الثانیۃ الظھر حین کان ظل کل شیئ مثلہ لوقتِ العصر بالامس۔ حالانکہ مقصود اوقات کی تمیز اور ہر نماز کا اوّل و آخر وقت جدا جدا بتانا ہے اور ان احادیث میں وقت آخر ظہر کا بعینہٖ اول وقت عصر کا معلوم ہوتا ہے اور حدیث مسلم سے ثابت ہے کہ عصر کا وقت اس وقت تک نہیں ہوتا جبتک ظہر کا وقت باقی رہے چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

وقت الظھر اذا زالت الشمس وکان ظل الرجل کطولہ مالم یحضر العصر ووقت العصر مالم	اوّل وقت ظہر کا اس وقت ہے۔ جب آفتاب ڈھل جائے اور سایہ اسکے قد کی درازی کے برابر ہو جائے اور اسوقت تک رہتا ہے جب

ف مدعی لوگ یہ کہتے ہیں کہ وقت ظہر ایک مثل سایہ ہونے پر ختم ہو جاتا ہے اور ایک مثل کے بعد عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ وہ حدیث جبرئیل ہی سے استدلال کرتے ہیں۔

...صفر الشمس۔
سرہ باب مواقیت الصلوٰۃ صـ۲۲۳ (بروایت صحیح مسلم)

نماز عصر کا وقت نہ ہوا مگر وقت (کامل) عصر کا اس وقت تک ہے جب تک آفتاب زرد نہ ہو جائے۔

۱۔ حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ

...وقت صلوٰۃ الظهر ما لم يحضر العصر ووقت ...صلوٰۃ العصر ما لم تصفر الشمس (احمد نسائی ابوداؤد مسلم)

نماز ظہر کا وقت اس وقت تک ہے جبتک عصر کا وقت نہ آئے اور عصر کا وقت کامل اس وقت تک ہے جبتک سورج میں زردی نہ آئے

۲۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالے عنہ سے روایت ہے۔ فرمایا۔

...الظهر الى العصر ووقت العصر الى ...مغرب الخ (رواہ ابن ابان)

ظہر کا وقت عصر تک ہے اور عصر و مغرب تک اور مغرب کا عشاء تک اور عشاء کا فجر تک۔

ان احادیث صحیحہ سے واضح ہو گیا کہ حدیث امامت جبرئیل بروایت ترمذی جس سے آخر وقت ظہر کا اول وقت عصر کا ہونا ثابت ...منسوخ ہے اور حضور علیہ السلام نے اپنے صاف و صریح ارشاد سے یہ بات مقرر کر دی کہ جب تک ظہر کا وقت باقی رہے عصر ...نہیں ہوتا۔ اور حدیث مسلم سے جواز ظہر بعد ایک مثل بھی ثابت ہو گیا کہ جب ہر چیز کا سایہ سوا سایہ اصلی کے ایک مثل ہو ...تو بھی ظہر ہی کا وقت ہے۔ لہذا جب ظہر و عصر میں اشتراک وقت کا ہونا منسوخ ہوا تو اب واضح ہو گیا کہ ظہر کا وقت زوال ...سے لے کر دو مثل سایہ ہونے تک رہتا ہے کیونکہ حدیث جبرئیل میں یہ بھی ہے۔

...وصلى بى العصر حين كان ظله مثليه

دوسرے دن جبرئیل امین نے عصر جب پڑھائی جبکہ ہر چیز کا سایہ دو مثل ہو گیا

...پس عصر کا وقت دو مثل سایہ ہونے کے بعد شروع ہوتا ہے اور اس میں سب کا اتفاق ہے۔ عصر کا وقت غروب آفتاب تک رہتا ہے۔ ...

فائدہ: واضح ہو کہ حدیث امامت جبرئیل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایک مثل پر ظہر کا وقت ختم نہیں ہوتا بلکہ بعد مثل دونوں نمازوں میں وقت مشترک ہونا مستفاد ہوتا ہے۔ اس کے دفع میں مولوی نذیر حسین دہلوی جو حضرات غیر مقلدین کے امام ہیں۔

...نے شوافع کی تقلید جامد میں مبتلا ہو کر لکھا کہ:۔

"روایت نسائی کے معنی یہ ہیں کہ آنحضرت نے پہلے دن عصر جب پڑھی کہ
ایک مثل سایہ آگیا اور دوسرے دن ظہر سے ایک مثل پر فارغ ہو لئے۔ الخ"

لیکن حدیث نسائی کے یہ معنی کسی طرح بھی ٹھیک نہیں بیٹھتے۔

(۱) حدیث جبرئیل بروایت جابر نسائی میں یوں ہے کہ جبرئیل امین حضور نبوی اس وقت حاضر ہوئے۔

...حين كان الظل مثل شخصه فصلى العصر ثم ...فى اليوم الثانى حين كان ظل الرجل ...مثل شخصه فصلى الظهر

جبکہ ہر شخص کا سایہ اس کی مثل تھا تو عصر پڑھی۔ پھر دوسرے دن اس وقت آئے جب کہ ہو گیا تھا سایہ آدمی کا اس کے برابر پس ظہر پڑھی۔

۲۔ دوسری روایت میں ہے۔

...ثم مكث حتى اذا كان فئ الرجل مثله ...للعصر فقال قم يا محمد فصل العصر ثم جاءه ...الغد كان فئ الرجل مثله فقال قم يا محمد

پھر ٹھہرے یہاں تک کہ جب ہو گیا سایہ آدمی کا اس کی مثل تو عصر کے لیے آئے تو عرض کی حضور عصر پڑھیئے۔ پھر دوسرے دن اس وقت آئے جب کہ ہوا سایہ آدمی اس کی مثل اور عرض کی

فصل الظهر۔ ظہر پڑھیے۔

۳۔ دارقطنی و طبرانی و ابوعمر کے یہاں بروایت عقبہ بن عمرو و بشیر بن عقبہ اور مسند اسحاق میں بروایت ابی مسعود بدری رضی اللہ تعالٰی عنہم یوں ہے۔

جاءہ حین کان ظل کل شیٔ مثلہ فقال یا محمد صل العصر فصلی ثم جاءہ الغد حین کان ظل کل شیٔ مثلہ فقال صل الظهر فصلی

اس وقت آئے۔ جب کہ ہر شے کا سایہ اس کی مثل ہوگیا تو عرض کی عصر پڑھیے آپ نے پڑھی۔ پھر دوسرے دن اسی وقت آئے جبکہ ہر شے کا سایہ اس کی مثل ہوگیا تو عرض کی ظہر پڑھیے پس آپ نے

۴۔ اور حدیث سائل بروایت عبداللہ بن قیس ابوداؤد میں یوں ہے۔

امر بلالا فاقام الفجر حین انشق الفجر ... فاقام الظهر فی وقت العصر الذی کان قبلہ

حضور نے بلال کو حکم دیا تو انھوں نے صبح کی اقامت اس وقت کہ پو پھٹ چکی تھی اور ظہر کی اقامت اس وقت کہی جس وقت کہ کل عصر پڑھی تھی۔

ان سب حدیثوں میں تصریح صریح ہے کہ جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام والتسلیم ظہر کے لیے حاضر اس وقت ہوئے جب کہ ایک مثل کو پہنچ چکا تھا۔ اس وقت نماز ظہر کے لئے عرض کی اور حضور نے ظہر پڑھی۔ اس کے یہ معنی کیونکر ممکن ہیں کہ ختم مثل سے فارغ ہولئے تھے۔ اسی طرح حدیث سائل میں تو اور زیادہ تصریح ہے کہ ایک مثل سایہ ہونے کے بعد حضرت بلال نے ظہر کی تکبیر کہی تو ایسی صورت میں ایک مثل تک فراغ کیا۔ البتہ ان حدیثوں سے مسلک حنفیہ کو بہت تقویت پہنچ گئی اور یہ ثابت ہوگیا کہ ایک مثل سایہ ہونے کے بعد حضور نے ظہر پڑھی یعنی ایک مثل سایہ ہونے کے بعد عصر کا وقت شروع نہیں ہوتا بلکہ ظہر کا ہی وقت رہتا ہے جو علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگرچہ عصر و ظہر کے وقت کے متعلق تمام لوگ حضرت امام اعظم علیہ الرحمۃ کے خلاف ہیں۔ مگر حضرت کا مسلک حدیث سے ثابت ہے تو ہم مخالفت کی کوئی چیز نہیں ہے۔ اس کے بعد حسب ذیل دو حدیثیں مسلک امام کے ثبوت میں تحریر فرمائی ہیں۔

وحدیث جابر صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم العصر حین صار ظل کل شیٔ مثلیہ قدر ما یسیر الراکب الی ذی الحلیفة العنق (رواہ ابن ابی شیبة بسند لا باس بہ)

اور حدیث جابر یہ ہے کہ حضور نے ہمیں اس وقت عصر پڑھائی جب کہ ہر شے کا سایہ اس کی دو مثل ہوگیا۔ یعنی کہ سوار کے "ذی الحلیفہ عنق" تک چلنے کی مقدار۔

وحدیث علی بن شیبان قال قدمنا علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المدینة فکان یؤخر العصر ما دامت الشمس بیضاء نقیة۔
(رواہ ابوداؤد وابن ماجہ ۔ عینی ج ۲ صفحہ ۵۴۰)

اور حدیث علی بن شیبان یہ ہے کہ ہم حضور کے پاس مدینہ آئے پس تاخیر کرتے تھے حضور عصر میں۔ جب تک سورج سفید اور صاف ہوجاتا۔

غرضیکہ یہ ہیں وہ چند دلائل جن سے مسلک حنفیہ کا اثبات ہوتا ہے۔ تفصیل کے لئے طحاوی و نیل الاوطار عینی ج ۲ وغیرہ کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اگرچہ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے مگر غیر مقلدین کا یہ کہنا کہ ظہر و عصر کے متعلق احناف کا مسلک بالکل بے بنیاد ہے اور حدیث کے بالکل خلاف ہے۔ یہ سخت زیادتی اور صریح ظلم ہے۔ یہ ہوسکتا ہے کہ جمہور کا مذہب عنداللہ درست ہو اور یہ بھی ممکن ہے احناف کا مسلک عنداللہ صحیح و صواب ہو مگر یہ کہنا کہ احناف حدیث کے مقابل قول امام کو ترجیح دیتے ہیں یا حدیث کو نہیں ملتے۔ یہ محض اتہام و الزام ہے اور مسائل فرعیہ میں کسی بھلا دیانتدار شخص کے نزدیک اس قسم کے انداز کی حوصلہ افزائی نہیں کی جاسکتی۔

بَابُ وَقْتِ الْعَصْرِ

باب عصر کی نماز کے وقت کے بیان میں

اس عنوان کے تحت امام نے حضرت عائشہ سے جو حدیثیں روایت کی ہیں۔ ان کے الفاظ یہ ہیں :۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ لَمْ تَخْرُجْ مِنْ حُجْرَتِهَا وَالشَّمْسُ طَالِعَةٌ فِي حُجْرَتِي وَلَمْ يَظْهَرِ الْفَيْءُ وَالشَّمْسُ فِي حُجْرَتِهَا لَمْ يَظْهَرِ الْفَيْءُ مِنْ حُجْرَتِهَا

حضرت عائشہ نے فرمایا نبی صلے اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز اس وقت پڑھتے کہ سورج ابھی ان کے حجرہ میں ہی ہوتا۔
(۲) اور سورج ان کے حجرہ میں ہی ہوتا اور سایہ ظاہر نہ ہوتا۔
(۳) اور دھوپ میرے حجرہ میں ہوتی اور سایہ نہ پھیلا ہوتا۔

فوائد و مسائل والشمس فی حجرتی۔ شمس سے مراد دھوپ ہے۔ مطلب حدیث یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے عصر کی نماز کی وقت پڑھی۔ جب کہ دھوپ حضرت عائشہ صدیقہ رض کے حجرہ میں موجود تھی (۲) غالباً شبہ جملوں سے حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ نے یہ استدلال فرمایا کہ عصر میں تعجیل کرنی چاہیئے۔ لیکن علامہ طحاوی نے اس کے جواب میں لکھا ہے کہ حجرہ میں دھوپ اس لئے باقی رہتی تھی کہ اس کی دیواریں لمبی نہ تھیں۔ اس لئے حجرہ سے دھوپ جب جاتی تھی جبکہ آفتاب قریب غروب ہوتا۔ لہٰذا اس حدیث سے بجائے تعجیل کے تاخیر ثابت ہوئی۔

فائدہ اور جہاں تک ہم نے ان احادیث پر غور کیا تو اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ احادیث زیر بحث سے عصر کی ابتداء اور انتہاء وقت کے قطعی فیصلہ کرنا تو بہت مشکل ہے البتہ جو بات صاف اور صریح طور پر واضح ہو رہی ہے وہ صرف یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے عصر اس وقت پڑھی جب کہ حجرہ صدیقہ رض میں دھوپ موجود تھی جس سے واضح ہوا کہ عصر ایسے وقت میں نہ پڑھنی چاہیئے کہ قرص آفتاب میں زردی جسے اور اس کی روشنی میں تغیر پیدا ہو جائے۔ یعنی اس پر بے غبار بے تکلف نگاہ قائم ہونے لگے۔ بلکہ عصر ایسے وقت میں ادا کی جائے کہ آفتاب صاف و شفاف اور روشن ہو۔

فَقَالَ كَانَ يُصَلِّي الْهَجِيرَ الَّتِي تَدْعُونَهَا الْأُولَى حِينَ تَدْحَضُ الشَّمْسُ وَيُصَلِّي الْعَصْرَ ثُمَّ يَرْجِعُ أَحَدُنَا إِلَى رَحْلِهِ فِي أَقْصَى الْمَدِينَةِ وَالشَّمْسُ حَيَّةٌ وَنَسِيتُ مَا قَالَ فِي الْمَغْرِبِ وَكَانَ يَسْتَحِبُّ أَنْ يُؤَخِّرَ مِنَ الْعِشَاءِ الَّتِي تَدْعُونَهَا الْعَتَمَةَ وَكَانَ يَكْرَهُ النَّوْمَ قَبْلَهَا وَالْحَدِيثَ بَعْدَهَا وَكَانَ يَنْفَتِلُ مِنْ صَلَاةِ الْغَدَاةِ حِينَ يَعْرِفُ الرَّجُلُ جَلِيسَهُ وَيَقْرَأُ بِالسِّتِّينَ إِلَى الْمِائَةِ - (بخاری)

ابو برزہ اسلمی نے کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز جسے تم پہلی نماز کہتے ہو اس وقت پڑھتے جب سورج ڈھل جاتا اور عصر کی نماز پڑھتے پھر اس کے بعد ہم میں سے کوئی اپنے گھر کو جو مدینہ کے آخر میں ہوتا جا پہنچتا اور سورج کی چمک قائم رہتی اور ابو برزہ نے کہا مغرب کی نماز کے بارے میں جو کچھ کہا وہ میں (یسار) بھول گیا اور حضور عشاء کی نماز جس کو تم عتمہ کہتے ہو دیر کرنا پسند کرتے اور عشاء سے قبل سونا اور اس کے بعد باتیں کرنے کو حضور ناپسند فرماتے تھے اور حضور نماز فجر اس وقت پڑھتے جبکہ کوئی اپنے ساتھ والے کو پہچان لیتا اور آپ نماز فجر میں ساٹھ آیتوں سے لیکر سو آیت تک پڑھتے

یہ حدیث باب وقت الظہر عند الزوال میں مع تفہیم و ترجمانی کے گذر چکی ہے۔ امام نے اسی مضمون کی دو حدیثیں اور لکھی ہیں جنہیں ہم یہاں یکجا لکھ رہے ہیں۔

قَالَ كُنَّا نُصَلِّي الْعَصْرَ ثُمَّ يَذْهَبُ الذَّاهِبُ مِنَّا إِلَى قُبَاءٍ فَيَأْتِيهِمْ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ - (بخاری)

حضرت انس بن مالک کہتے ہیں کہ ہم عصر کی نماز پڑھ چکتے پھر ہم سے کوئی قبا جاتا اور وہاں پہنچ جاتا تو پھر بھی سورج بلند ہوتا۔

قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ حَيَّةٌ فَيَذْهَبُ الذَّاهِبُ إِلَى الْعَوَالِيْ فَيَأْتِيْهِمْ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ وَبَعْضُ الْعَوَالِيْ مِنَ الْمَدِيْنَةِ عَلٰى أَرْبَعَةِ أَمْيَالٍ أَوْ نَحْوِهٖ۔

حضرت انس نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام عصر کی وقت پڑھتے کہ سورج بلند اور تیز ہوتا۔ پھر کوئی جانے والا عوالی کی طرف جاتا۔ وہاں پہنچ جاتا اور سورج بلند رہتا۔ بعض عوالی مدینہ سے چار میل پر یا کچھ ایسے ہی تھے۔

فوائد و مسائل

اس حدیث کے مسائل یہ ہیں۔ باجرہ ٹھیک دوپہری کو کہتے ہیں اور ظہر کو پہلی نماز اس لئے کہا گیا ہے ... امین نے صبح اسراء جب نمازیں پڑھ کر دکھائیں تو سب سے پہلے ظہر پڑھی تھی۔ تدحض کے معنی ڈھلنے ... یعنی حضور علیہ السلام نے سورج ڈھلتے ظہر پڑھی اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ زوال کے فوراً بعد ظہر کے وقت کی ابتدا ہو جاتی ہے ... کا مطلب یہ ہے کہ سورج خط نصف النہار سے مغرب کی طرف ذرا سا ہٹ جائے۔ پس جب آفتاب ذرا سا ہٹا ظہر کا وقت ... ہو گیا۔ اسی رحلت سے واضح ہوا کہ سافت میں جانب واحد مراد ہے جیسا کہ ہم نے گذشتہ اوراق میں واضح کیا ہے۔

کیا ایک مثل کے بعد عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے؟

جو لوگ اس امر کے قائل ہیں کہ عصر کا وقت ایک مثل ... سے شروع ہو جاتا ہے۔ وہ اسی زیر بحث حدیث ... مسلک کے اثبات میں بہت بڑی اور واضح دلیل قرار دیتے ہیں۔ جس کی تقریر یہ ہے:۔

"عصر کی نماز کے بعد جب بعض لوگ عوالی مدینہ جاتے جو چار میل یا اس سے لگ بھگ کی مسافت پر تھے تو وہاں پہنچنے پر بھی ... صاف اور چمکدار ہوتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ عصر کا وقت ایک مثل سایہ سے شروع ہو جاتا ہے۔ ورنہ دو مثل سایہ ہونے کے بعد یہ ... آدمی چار چھ میل تک جائے اور سورج میں تیزی آ رہے" ——— لیکن یہ استدلال متعدد وجوہ سے درست نہیں۔ اول اس لئے ... حدیثوں میں اس کا بیان نہیں ہے کہ عوالی مدینہ کو جانے والا۔ سواری پر جاتا تھا یا پیدل؟ پھر رفتار کا معیار کیا تھا اور جب تک ... نہ ہو اس وقت تک استدلال ہو ہی نہیں سکتا۔ ثانیاً۔ موطا امام مالک کی حدیث سے "فَتَذْهَبُ مَا يَسِيْرُ الرَّاكِبُ فَرْسَخَيْنِ أَوْ ثَلٰثَةً" سے واضح ہوتا ہے کہ عوالی مدینہ تک بحالت بلندی آفتاب پہنچ جانے والے سوار ہوتے تھے اور سواری ... دو مثل سایہ ہونے پر گرمی کے دنوں متوسط رفتار سے آفتاب کے صاف و شفاف رہنے تک بخوبی چار میل طے ہو سکتے ہیں۔ او ... زیر پہلے تو دو مثل سایہ کے بعد آٹھ میل، تین فرسخ بھی طے ہو سکتے ہیں۔ فافہم

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كُنَّا نُصَلِّي الْعَصْرَ ثُمَّ يَخْرُجُ الْإِنْسَانُ إِلٰى بَنِيْ عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ فَيَجِدُهُمْ يُصَلُّوْنَ الْعَصْرَ۔

حضرت انس فرماتے ہیں کہ ہم حضور کے ساتھ عصر پڑھ لیتے اور کوئی آدمی بنی عمرو بن عوف کے محلہ میں جاتا تو ان کو نماز پڑھتے ہوئے پاتا۔

فوائد و مسائل

اس حدیث کو امام نے عبداللہ بن یوسف سے بھی روایت کیا اور مسلم و نسائی نے کتاب الصلوٰۃ میں ... عمرو بن عوف کا محلہ مدینہ سے دو میل کے فاصلہ پر تھا تو جب کوئی حضور کے ہمراہ عصر پڑھ کر اس محلہ میں ... انھیں عصر کی نماز میں مشغول پاتا۔ یہ لوگ چونکہ اہل زراعت تھے اس لئے کھیتی باڑی سے فراغت پاکر عصر پڑھتے ... اس حدیث سے یہ ... کیا گیا کہ عصر میں تعجیل مستحب ہے لیکن استحباب اس سے ثابت نہیں ہوتا۔ صرف عصر کو اول وقت میں پڑھنے کا جواز نکلتا ہے اور جواز میں ... ہے۔ اسی طرح حضرات غیر مقلدین کا اس حدیث سے یہ استدلال کرنا تو بالکل ہی عجیب ہے کہ حضور نے عصر اول وقت میں ایک مثل سایہ ہونے پر ...

تی۔ کیونکہ حدیث ہذا میں ایک مثل اور دو مثل کا تو ذکر ہی نہیں ہے۔ پھر یہ فیصلہ کس طرح کیا جا سکتا ہے کہ عصر کا وقت ایک مثل سے شروع ہو جاتا ہے۔ یہ بھی تو ممکن ہے کہ حضور علیہ السلام نے عصر دو مثل سایہ ہونے کے بعد پڑھی ہو۔

۲۔ ابو امامہ سعد بن سہل کہتے ہیں کہ ہم عمر بن عبدالعزیز کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھ کر حضرت انس کے پاس گئے۔ دیکھا تو وہ عصر کی نماز پڑھ رہے تھے۔ میں نے کہا چچا یہ کون سی نماز ہے جو تم نے پڑھی۔ انھوں نے کہا عصر کی۔

وَهٰذِهٖ صَلٰوةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّتِيْ كُنَّا نُصَلِّيْ مَعَهٗ۔

اور یہ ہی وہ نماز تھی جس کو ہم آپ کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مکان مسجد نبوی کے قریب تھا اور یہ واقعہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خلافت کا نہیں کیونکہ حضرت انس تو ان کے خلافت پر متمکن ہونے سے قبل انتقال کر گئے تھے بلکہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب کہ وہ مدینہ کے والی بنائے گئے تھے۔

اس حدیث سے بھی عصر میں تعجیل کے استحباب کا قول کیا گیا لیکن ظاہر ہے کہ عمر بن عبدالعزیز جیسا پکباز متبع سنت اور فاضل علوم دینیہ شخص یہ خیال نہیں کیا جا سکتا کہ وہ نماز کے صحیح اوقات سے بھی بے خبر ہو جیسا کہ بعض شارحین نے لکھا ہے۔ حضرت انس نے عصر کی نماز اول وقت میں پڑھی تو ہو اتو ثابت ہوا مگر یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ آپ نے ایک مثل کے بعد عصر پڑھی تھی ہو سکتا ہے کہ آپ نے دو مثل سایہ ہونے پر اول وقت میں نماز عصر پڑھی ہو۔

بَابُ اِثْمِ مَنْ فَاتَتْهُ الْعَصْرُ

باب اس شخص کا گناہ جس کی عصر کی نماز کو قضا کر دینے کا گناہ

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الَّذِيْ تَفُوْتُهٗ صَلٰوةُ الْعَصْرِ فَكَاَنَّمَا وُتِرَ اَهْلَهٗ وَمَالَهٗ قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ يَتِرَكُمْ وَتَرْتُ الرَّجُلَ قَتَلْتَ لَهٗ قَتِيْلًا اَوْ اَخَذْتَ مَالَهٗ۔

عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کی عصر قضا ہو گئی گویا اس کا گھر بار مال و اسباب لٹ گیا۔ ابو عبداللہ امام بخاری نے کہا سورہ محمد میں۔ یترکم کا لفظ آیا ہے وہ وتر سے مشتق ہے اور وتر کے معنی کسی شخص کے کسی عزیز کو قتل کر دیا اس کا مال چھین لینا ہے۔

عصر میں کتنی تاخیر کی جائے

اس حدیث میں نماز عصر کی اہمیت و عظمت کا اظہار ہے کہ نماز عصر کی محافظت نہ کرنا قضا کر دینا وقت کروہ تک موخر کر دینا اس پورے ثواب سے محروم ہونا ہے جو عصر کے لئے مقرر ہے۔ مؤطا امام مالک میں خواتہاان تدخل الشمس صفرۃ کے لفظ بھی آئے ہیں کہ عصر کو فوت کرنا یہ ہے کہ سورج میں زردی آ جائے۔ احناف کے نزدیک عصر میں تاخیر مستحب ہے مگر اتنی تاخیر جائز نہیں کہ قرص آفتاب میں تغیر پیدا ہو جائے۔ چنانچہ متعدد حدیثوں میں عصر کو اتنی تاخیر سے پڑھنے کو منافق کی نماز قرار دیا گیا۔ پس عصر کا مستحب وقت یہ ہے کہ جب ہر چیز کا سایہ دو مثل ہو جائے تو اتنی تاخیر کی جائے کہ آفتاب سپید چمکدار رہے اور اس کے قرص میں بالکل تغیر پیدا نہ ہو اور زردی آ جانے تک تاخیر کرنا مکروہ ہے۔

بَابُ اِثْمِ مَنْ تَرَكَ الْعَصْرَ

باب عصر کی نماز ترک کر دینے کا گناہ

عَنْ اَبِي الْمَلِيْحِ قَالَ كُنَّا مَعَ بُرَيْدَةَ فِيْ غَزْوَةٍ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ غَيْمٍ فَقَالَ بَكِّرُوْا بِصَلٰوةِ الْعَصْرِ فَاِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ تَرَكَ صَلٰوةَ الْعَصْرِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ

ابو الملیح (عامر بن اسامہ ہذلی) سے کہ میں جہاد میں بریدہ بن حصیب صحابی کے ہمراہ تھا اس دن ابر تھا۔ انھوں نے کہا۔ نماز عصر جلدی پڑھو کیونکہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو کوئی عصر چھوڑے اس کا عمل اکارت ہو گیا۔

فوائد و مسائل ذی عظیم یہ یوم کی صفت ہے جبکہ تو یا کے معنی اسرعوا (جلدی کرو) کے ہیں۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ دو ...
ابر میں عصر میں تعجیل مستحب ہے۔ احناف کا بھی یہی مسلک ہے ۲۔ حبط عمل کفر کی وجہ سے ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ عصر کی نماز بوجہ سستی نہ پڑھنا کفر نہیں بنتا بلکہ گناہ عظیم ہے تو حدیث میں حبط عمل محض وعید شدید کے طور پر فرمایا گیا ہے تاکہ لوگوں پر نماز کی اہمیت و عظمت کا اظہار ہو۔ اور اگر حقیقی معنی لئے جائیں تو مطلب حدیث یہ ہوگا کہ جس ترک (جس نے نماز کی فرضیت سے انکار کر کے نماز) چھوڑ دیا اس کے عمل حبط ہو جائیں گے۔ کیونکہ فرضیت نماز کا انکار کفر ہے۔

بَابُ فَضْلِ صَلٰوةِ الْعَصْرِ

باب نماز عصر کی فضیلت کے بیان میں

عَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَظَرَ إِلَى الْقَمَرِ لَيْلَةً فَقَالَ إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ كَمَا تَرَوْنَ هٰذَا الْقَمَرَ لَا تُضَامُّوْنَ فِيْ رُؤْيَتِهِ فَإِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ لَّا تُغْلَبُوْا عَلَى الصَّلٰوةِ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا فَافْعَلُوْا ثُمَّ قَرَأَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِهَا قَالَ إِسْمٰعِيْلُ افْعَلُوْا لَا تَفُوْتَنَّكُمْ۔

جریر بن عبداللہ بجلی کہتے ہیں کہ ہم حضور نبی کے پاس بیٹھے تھے کہ آپ نے چاند کی طرف دیکھی تو فرمایا تم ایک دن عنقریب اپنے رب کو اس طرح دیکھو گے جیسے اس چاند کو دیکھ رہے ہو۔ اس کو دیکھنے میں تم کو زحمت نہ ہوگی پھر اگر تم سے ہو سکے تو سورج نکلنے سے پہلے جو نماز ہے (فجر) اور سورج ڈوبنے سے پہلے جو نماز ہے (عصر) ان پر کسی اور کام کو غالب نہ کرو۔ پھر حضور نے سورۃ ق کی یہ آیت پڑھی وسبح بحمد ربك قبل طلوع الشمس وقبل الغروب۔ اسمٰعیل نے کہا افعلوا کے معنی یہ ہیں کہ نماز کو قضا نہ ہونے دو۔

فوائد و مسائل ۱۔ امام نے اس حدیث کو صلوٰۃ، تفسیر اور توحید میں، مسلم نے صلوٰۃ میں، نسائی، ابوداؤد نے سنت میں ذکر کیا۔ لاتضامون بضم تاء وتخفیف المیم ضیم سے اس کے معنی مشقت کے ہیں ۲۔ اور بفتح التاء وتشدید المیم ضم سے اس کے معنی دوسرے کی جگہ حاصل کرنے کے ہیں۔ پہلی صورت میں لاتضامون کے معنی یہ ہوں گے۔ روز قیامت دیدار باری میں کوئی مشقت، تکلیف اور رنج نہیں ہوگی اور ہر مسلمان آسانی کے ساتھ اس نعمت کو حاصل کر سکے گا۔ دوسری صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ جیسے کسی قیمتی اور مشکل سے نظر آنے والی چیز پر لوگ ٹوٹ پڑتے ہیں اور ایک دوسرے کی جگہ حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں یا جیسے چاند کو دیکھتے وقت ایک کہتا ہے وہ ہے دوسرا کہتا ہے وہ نہیں بلکہ وہ ہے ——— تو روز قیامت دیدار باری تعالٰے میں ایسا نہ ہوگا۔ سب کو دیدار باری ہوگا اور جب ہوگا تو کسی کو بھی دیدار باری میں شک و شبہ نہ ہوگا۔ ۳۔ تنبیہ کا حاصل معنی یہ ہیں جس کو دیدار الٰہی کی تمنا ہے اسے چاہئیے کہ وہ عصر و فجر کی محافظت کرے۔ نیند اور آرام ان کی ادائیگی میں رکاوٹ نہ بننے دے چنانچہ روایت مسلم میں یعنی العصر والفجر کے الفاظ بھی موجود ہیں۔

روز قیامت و دیدار الٰہی واضح ہو کہ قیامت کے دن ہر مسلمان کو دیدار باری تعالٰے ہوگا اور خدا کا دیدار ایسا صاف ہوگا جیسے آفتاب اور چودھویں رات کے چاند کو ہر ایک نہایت آسانی کے ساتھ اپنی اپنی جگہ سے دیکھتا ہے کیا دیکھنے میں دوسرے کے لئے مانع نہیں ہوتا۔ اب رہی یہ بات کہ یہ دیدار کیسے ہوگا اس کی کیفیت کیا ہوگی ہو ذات کا دیدار ہوگا یا تجلی کی رویت تو اس کے متعلق ایک مسلم کے لیے بس اتنا جاننا اور ماننا کافی ہے کہ دیدار ہوگا۔ رہی اس کی حقیقت و ماہیت و کیفیت تو نہ بیان ہو سکتی ہے نہ بیان کی جا سکتی ہے اور نہ اس کی تہہ تک پہنچنے کا ہمیں مکلف بنایا گیا ہے۔ دیدار باری حق ہے۔ کتاب و سنت و اجماع صحابہ سے ثابت ہے احادیث مشہورہ اس باب میں بہت ہیں۔ قرآن مجید میں بھی اس کی تصریح ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ وجوہ یومئذ ناضرة الی ربها ناظرہ اور فرمایا۔ کلا انهم عن ربهم یومئذ لمحجوبون (۲) حدیث زیر بحث میں جو آیت ہے وہ سورہ طٰہٰ پ رکوع آخر کی ایک آیت ہے

قبل طلوع الشمس سے نمازِ فجر اور قبل غروبہا سے نمازِ عصر مراد ہے اور رویتِ الٰہی کے ذکر کے وقت فجر و عصر کے ذکر کی مناسبت
یہ ہے کہ نماز افضل عبادت ہے اور عصر و فجر کی اہمیت و حکمت بہت زیادہ ہے۔ کیونکہ یہ وقت فرشتوں کے اجتماع و اعمال کے اٹھنے
کا ہے۔ لہٰذا ایسے افضل و اعلیٰ عمل کا ثواب بھی افضل ہونا چاہیئے اور وہ ہے دیدارِ الٰہی جو تمام اُخروی نعمتوں سے افضل و اکمل و اعلیٰ و ارفع ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ
قَالَ یَتَعَاقَبُوْنَ فِیْکُمْ مَلٰٓئِکَةٌ بِاللَّیْلِ وَمَلٰٓئِکَةٌ بِالنَّهَارِ
وَیَجْتَمِعُوْنَ فِی الصَّلٰوةِ الْفَجْرِ وَصَلٰوةِ الْعَصْرِ
ثُمَّ یَعْرُجُ الَّذِیْنَ بَاتُوْا فِیْکُمْ فَیَسْاَلُهُمْ رَبُّهُمْ
وَهُوَ اَعْلَمُ بِهِمْ کَیْفَ تَرَکْتُمْ عِبَادِیْ
فَیَقُوْلُوْنَ تَرَکْنَاهُمْ وَهُمْ یُصَلُّوْنَ وَاَتَیْنَاهُمْ وَهُمْ یُصَلُّوْنَ۔

حضرت ابی ہریرہ نے کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ فرشتے رات اور دن میں نوبت بہ نوبت آتے جاتے ہیں اور دونوں کا اجتماع فجر اور عصر کی نماز میں ہوتا ہے۔ پھر وہ فرشتے جنھوں نے تم میں رات گذاری ہے آسمان پر چلے جاتے ہیں اور اللہ رب العزت جل مجدہٗ ان سے لوگوں کا حال دریافت فرماتا ہے حالانکہ وہ جانتا ہے تو فرشتے عرض کرتے ہیں ہم نے انھیں نماز میں مشغول چھوڑا اور جب ان کے پاس گئے اس وقت بھی وہ نماز میں مشغول تھے۔

فوائد و مسائل اس حدیث کو امام نے توحید میں اور مسلم و نسائی نے صلوٰۃ میں ذکر کیا۔ حدیث ہٰذا مسائل ذیل پر مشتمل ہے۔
۱۔ دن اور رات کے فرشتے۔ نماز فجر و عصر میں جمع ہوتے ہیں یہ اللہ عزوجل کا خاص فضل و کرم ہے کہ یہ ملائکہ اس وقت میں
جمع ہوتے ہیں جبکہ بندگانِ خدا کی جبینیں اس کے حضور جھکی ہوتی ہیں اور ملائکہ اس بات کی شہادت دیتے ہیں۔ جو وہ مشاہدہ کرتے ہیں
۔ نماز عبادات میں ایک نہایت ہی اعلیٰ عبادت ہے اور نماز فجر و عصر ان میں اعظم ہیں۔ ۳۔ اس حدیث میں اس طرف اشارہ بھی ہے کہ
… جو مقرر ہے وہی ملتا ہے، مگر رزق کی تقسیم فجر کے وقت اور اعمال عصر کے وقت اُٹھتے ہیں۔ تو جو شخص ان دونوں وقتوں میں مصروفِ
عبادت ہوتا ہے اس کے رزق و عمل میں برکت دی جاتی ہے ۴۔ اور یہ کہ یہ امت تمام امتوں سے اور حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم
کے صحابہ کرام سے افضل ہیں ۵۔ اور یہ کہ ملائکہ بھی اللہ عزوجل سے ہم کلامی کا شرف حاصل کرتے ہیں (عینی۔ ج ۲ صفحہ ۵۵) ۶۔ اس
حدیث سے یہ بھی واضح ہوا کہ سوال کرنا ہر موقع و محل پر سائل کے عدمِ علم پر دلالت نہیں کرتا۔ اللہ عزوجل کے باوجود عالم الغیب والشہادۃ ہونے
کے ذکرسے سوال کرنے میں حکمت یہ تھی کہ ملائکہ گواہ ہو جائیں یا یہ حکمت تھی کہ اس سوال سے ملائکہ پر اس امر کو اظہار تھا کہ بنی آدم میں بھی تمہاری
طرح تقدیس و تسبیح کرنے والے موجود ہیں۔ کیونکہ ملائکہ نے خلقِ آدم کے وقت عرض کی تھی اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا الخ (۷) اس
حدیث میں اس طرف اشارہ بھی ہے کہ نجات کا دارومدار خاتمہ پر ہے۔ اگر خاتمہ ایمان پر ہو گیا تو سب ٹھیک ہے ورنہ نہیں۔ کیونکہ سوال کے
جواب میں ملائکہ نے پہلے ترک کو اور اس کے بعد اتیان کی حالت کو بحضور رب العالمین عرض کیا۔ حالانکہ عرض یوں کرنا چاہیئے تھا جب
ہم ان کے پاس گئے تب بھی وہ نماز میں مشغول تھے اور جب ان کو چھوڑ کر واپس ہوئے تب بھی عبادات میں مصروف تھے۔ فافہم۔

بَابُ مَنْ اَدْرَکَ رَکْعَةً مِّنَ الْعَصْرِ قَبْلَ الْغُرُوْبِ

باب۔ جو شخص سورج ڈوبنے سے پہلے عصر کی ایک رکعت پالے تو وہ اپنی نماز پوری کرے

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ
اِذَا اَدْرَکَ اَحَدُکُمْ سَجْدَةً مِّنَ الصَّلٰوةِ الْعَصْرِ قَبْلَ
اَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَلْیُتِمَّ صَلٰوتَهٗ وَمَنْ اَدْرَکَ
سَجْدَةً مِّنْ صَلٰوةِ الصُّبْحِ قَبْلَ اَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا جو شخص سورج ڈوبنے سے پہلے عصر کی ایک رکعت پالے تو وہ اپنی نماز پوری کرے اور جو سورج نکلنے سے پہلے فجر کی ایک رکعت پالے۔ وہ بھی اپنی نماز

فَلْيُتِمَّ صَلوٰتَهُ (بخاری) | پوری کرے۔

مَنْ اَدْرَكَ رَكْعَةً مِّنَ الْفَجْرِ کا مطلب

حدیث ہٰذا سے ثابت ہوا کہ جس نے عصر اخیر وقت میں پڑھنی شروع کی ... ایک رکعت پڑھ لی کہ آفتاب غروب ہوگیا تو اس کو چاہیئے کہ نماز پوری کرے اور عصر درست ہوگئی۔ اس مسئلہ میں تمام ائمہ کرام کا اتفاق ہے اور اجماع بھی -- لیکن فجر کے متعلق اختلاف ہے یعنی کسی نے فجر کی ایک رکعت پڑھی اور سلام پھیرنے سے پہلے سورج نکل آیا۔ تو ائمہ ثلاثہ کے نزدیک فجر ہوگئی اور نمازی کو چاہیئے کہ نماز پوری کرلے لیکن احناف کا مسلک یہ ہے کہ اگر فجر کی نماز پڑھنے کے دوران سورج طلوع ہوگیا تو نماز فاسد ہوگئی۔ جائز نہ ہوگی۔ ایسے شخص کو مخبرہ قضا پڑھنی چاہیئے۔

احناف کا موقف یہ ہے کہ نماز کی فرضیت کا سبب وقت ہے۔ جب کسی نماز کا وقت آتا ہے تو وہ نماز فرض ہوجاتی ہے تو ... وقت کامل فرضیت کا سبب بنا ہے تو اس نماز کو کامل وقت میں ادا کرنا ضروری ہے۔ ناقص وقت میں ادا کرنے سے روانہ ہوگی۔ یہ جس شخص نے عصر کی نماز ناقص وقت میں شروع کی (یعنی اس وقت شروع کی جب کہ سورج ڈوبنے کے قریب ہوا جو عصر کا وقتِ ناقص ہے تو اس دن کی نمازِ عصر کا سبب وقتِ ناقص بنا۔ کیونکہ جب اس نے نمازِ عصر وقتِ صحیح میں ادا نہ کی تو جو وقت کہ تحریمہ کے وقت ہے وہی کا سبب بنے گا اور وہ ناقص ہے لہٰذا ناقص وقت میں ادا ہوجائے گی۔ مختصر یہ کہ جب بوجہ نقصانِ سبب ناقص واجب ہوئی تو ناقص وقت میں ادا ہونے کے قابل ہوگی۔ لہٰذا اگر نمازِ عصر کے دوران سورج غروب ہوجائے تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ برخلاف فجر کے کہ اس کا سارا وقتِ کامل ہے تو جب فجر شروع کی تو وقتِ کامل اس کا سبب بنا۔ لہٰذا وہ بغیر وقتِ کامل کے ادا نہ ہوگی۔ پس اگر نمازِ فجر کے دوران سورج طلوع ہوگیا تو نماز فاسد ہوجائے گی اب اگر یہ کہا جائے کہ یہ تعلیل مورد نص میں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حدیثیں ... ایک کا مضمون یہ ہے۔ فجر و عصر طلوع و غروب کے وقت بھی صحیح ہوجائے گی۔ اور دوسری حدیث میں حضور علیہ السلام نے ... طلوع و غروب و استواء کے وقت مطلقاً نماز جائز نہیں ہے۔ اب یہ دونوں حدیثیں صحیح ہیں اور متعارض ہیں اور اصول یہ ہے کہ جب نصین میں تعارض ہو اور ایک کو ایک پر ترجیح نہ دی جاسکے اور جمع بھی ممکن نہ ہو تو پھر مجتہد قیاس کی طرف رجوع کرے گا جیسا کہ ہو ... پس قیاس نے حدیث ادراک کو صلوٰۃِ عصر میں اور حدیث نہی کو صلوٰۃِ فجر میں ترجیح دے دی۔ لہٰذا نمازِ عصر کے جواز اور نمازِ فجر کے ف... حکم دیا گیا۔ علامہ طحاوی نے فرمایا کہ اگرچہ حدیث زیرِ بحث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر نمازِ فجر کے دوران سورج طلوع ہوجائے تو ... نہ ہوگی۔ مگر یہ حدیث نہی سے منسوخ ہے جس میں حضور علیہ السلام نے طلوعِ شمس کے وقت مطلقاً نماز پڑھنے کی ممانعت فرمائی ہے کیونکہ اس مقام پر محرم و مبیح جمع ہوگئے ہیں اور محرم کے باب میں آثار متواتر وارد ہوئے ہیں اور قاعدہ یہ ہے کہ محرم و مبیح جب جمع ہو جائیں تو محرم پر عمل کیا جاتا ہے اور مبیح منسوخ قرار پاتا ہے۔ اور یہ اس لیے کہ ناسخ متاخر ہوتا ہے اور اس میں شک نہیں کہ حرمت اباحت سے متاخر ہوتی ہے کیونکہ اصل اشیاء میں اباحت ہے اور تحریم عارض ہے۔ ولا یجوز العکس لانہ یلزم النسخ مرتین (عینی ص ...) مزید تفصیل کے لیے طحاوی نیل الاوطار جلد ۲ عینی جلد ۲ کا مطالعہ کیجئے۔

اَنَّہٗ اَخْبَرَہٗ اَنَّہٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّمَا بَقَاؤُکُمْ فِیْمَا سَلَفَ قَبْلَکُمْ مِنَ الْاُمَمِ کَمَا بَیْنَ صَلٰوۃِ الْعَصْرِ اِلٰی غُرُوْبِ الشَّمْسِ اُوْتِیَ اَھْلُ التَّوْرَاۃِ التَّوْرَاۃَ فَعَمِلُوْا حَتّٰی اِذَا انْتَصَفَ النَّھَارُ عَجَزُوْا

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارا دنیا میں رہنا امم سابقہ کے مقابلہ میں ایسے ہے جیسے عصر سے سورج ڈوبنے تک کا وقت۔ جن کو تورات دی گئی تو انہوں نے عمل کیا۔ یہاں تک کہ جب دوپہر کا وقت ہوا تو تھک گئے

وَأُعْطُوا قِيرَاطًا قِيرَاطًا ثُمَّ أُوتِيَ أَهْلُ الْإِنْجِيلِ الْإِنْجِيلَ فَعَمِلُوا إِلَى صَلَاةِ الْعَصْرِ ثُمَّ عَجَزُوا فَأُعْطُوا قِيرَاطًا قِيرَاطًا ثُمَّ أُوتِينَا الْقُرْآنَ فَعَمِلْنَا إِلَى غُرُوبِ الشَّمْسِ فَأُعْطِينَا قِيرَاطَيْنِ قِيرَاطَيْنِ فَقَالَ أَهْلُ الْكِتَابَيْنِ أَيْ رَبَّنَا أَعْطَيْتَ هٰؤُلَاءِ قِيرَاطَيْنِ قِيرَاطَيْنِ وَأَعْطَيْتَنَا قِيرَاطًا قِيرَاطًا وَنَحْنُ كُنَّا أَكْثَرَ عَمَلًا قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ هَلْ ظَلَمْتُكُمْ مِنْ أَجْرِكُمْ مِنْ شَيْءٍ قَالُوا لَا قَالَ فَهُوَ فَضْلِي أُوتِيهِ مَنْ أَشَاءُ (بخاری)

پورا نہ کر سکے تو ان کو ایک ایک قیراط (اجر) دیا گیا۔ پھر انجیل والوں کو انجیل ملی۔ انھوں نے عصر کی نماز تک کام کیا۔ پھر عاجز آگئے۔ تو ان کو بھی ایک ایک قیراط دیا گیا۔ پھر ہم کو قرآن ملا اور ہم نے غروب شمس تک کام کیا تو ہمیں دو دو قیراط (اجر) عطا کیا گیا۔ تو اہل تورات و انجیل کہنے لگے الٰہی! تو نے ان مسلمانوں کو دو دو قیراط عطا فرمائے اور ہم کو ایک ایک قیراط عطا فرمایا۔ حالانکہ ہم نے ان سے زیادہ کام کیا۔ اللہ عزوجل نے فرمایا۔ کیا میں نے تمہارے عمل کا پورا اجر دینے میں کوتاہی کی؟ کہنے لگے نہیں۔ اللہ تعالٰے نے فرمایا۔ تو پھر یہ میرا فضل ہے جس پر چاہوں کروں۔

فوائد و مسائل

اس حدیث کو امام نے اجارہ توجیہ "ما ذکر عن بنی اسرائیل" میں ذکر کیا اور مسلم و ترمذی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ۲۔ الی غروب الشمس کے الفاظ ترجمۃ الباب ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ عصر کا وقت غروب آفتاب تک ہے۔ مقصود حدیث یہ بتانا ہے کہ اس امت کیلئے عمر و عمل کم ہے۔ مگر اجر و ثواب زیادہ ہے۔ حاصل مفہوم یہ ہے کہ اگر دنیا کے سارے دنوں کو ایک دن فرض کر لیا جائے تو امت محمدیہ کی مدت اتنی ہے کہ جتنی عصر سے لے کر غروب شمس تک ہے اور اس حدیث میں۔ غرض یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ کو ان کی مزدوری دی گئی یعنی ایک ایک قیراط۔ ظاہر ہے کہ اس حدیث میں یہود و نصاریٰ سے وہی مراد ہیں جنہوں نے کسی دوسرے پیغمبر کا زمانہ پایا اور اپنے نبی کی شریعت پر عمل کر کے وفات پا گئے لیکن وہ یہودی اور نصرانی جنہوں نے حضور علیہ السلام کا زمانہ پایا اور آپ پر ایمان نہ لائے وہ تو بالکل اجر و ثواب سے محروم رہے جیسا کہ بعد والی حدیث سے واضح ہے۔

عَنْ أَبِي مُوسَى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَثَلُ الْمُسْلِمِينَ وَالْيَهُودِ وَالنَّصَارَى كَمَثَلِ رَجُلٍ اسْتَأْجَرَ قَوْمًا يَعْمَلُونَ لَهُ عَمَلًا إِلَى اللَّيْلِ فَعَمِلُوا إِلَى أَجْرِكَ فَاسْتَأْجَرَ آخَرِينَ فَقَالَ أَكْمِلُوا بَقِيَّةَ يَوْمِكُمْ وَلَكُمُ الَّذِي شَرَطْتُ فَعَمِلُوا حَتَّى إِذَا كَانَ حِينَ صَلَاةِ الْعَصْرِ قَالُوا لَكَ مَا عَمِلْنَا فَاسْتَأْجَرَ قَوْمًا فَعَمِلُوا بَقِيَّةَ يَوْمِهِمْ حَتَّى غَابَتِ الشَّمْسُ فَاسْتَكْمَلُوا أَجْرَ الْفَرِيقَيْنِ۔ (بخاری)

حضرت ابو موسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مسلمانوں اور یہود و نصاریٰ کی کہاوت اس شخص کی طرح ہے جس نے چند افراد کو کام کے لیے اُجرت پر لیا کہ رات تک عمل کریں تو انھوں نے دوپہر تک کام کیا۔ پھر کہنے لگے۔ اب ہمیں تیری مزدوری کی ضرورت نہیں۔ تو اس شخص نے دوسرے مزدور مقرر کئے اور ان سے کہا۔ جتنا دن باقی ہے تم اس کو پورا کرو۔ تو انہوں نے کام شروع کیا۔ جب عصر کا وقت ہوا تو کہنے لگے۔ ہم نے جتنا کام کیا ہے مفت کر دیا ہے (ہم سے شام تک کام نہیں ہو سکتا) تو اس نے دوسرے مزدور رکھ لیے تو انھوں نے سورج کے ڈوبنے تک کام کیا اور دونوں گروہوں کے اجر کو انہوں نے کامل کر دیا (یعنی دونوں کی مزدوری انہوں نے حاصل کر لی)۔

یعنی یہود موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے توریت پر عمل کیا لیکن انجیل کے منکر ہو گئے۔ عیسیٰ علیہ السلام اور حضور علیہ السلام کو نہ مانا اسی طرح نصاریٰ نے انجیل کو تسلیم کیا مگر قرآن و صاحب قرآن پر ایمان نہ لائے۔ لہٰذا ان دونوں نے جو کچھ عمل کیا وہ سب رائیگاں گیا اور

اور آخرت کے اجر و ثواب سے بالکل محروم ہو گئے اور مسلمان گویا بعد میں آئے۔ مگر تمام کتب سماویہ و انبیاء سابقین پر ایمان لائے اور حضور
اور قرآن کو مانا اس لیے سارا ثواب انھیں کے حصے میں آگیا ۲۔ اس حدیث سے یہ بھی واضح ہوا کہ ظہر کا وقت زوال سے لے کر دو مثل سایہ
ہونے تک رہتا ہے اور جب سایہ ہر چیز کا سوا سایہ اصلی کے دو مثل ہو جائے تو عصر کا وقت شروع ہوتا ہے۔ جس کی تقریر یہ ہے کہ حدیث
بزا میں مقصود تشبیہ یہ ہے کہ زمانہ مدت عمل یہود و نصاریٰ نے بہ نسبت زمانہ مدت عمل امت مرحومہ بہت زیادہ ہے ——— اور طول بلد
و عرض بلد میں بغیر دھوپ گھڑی دیکھی جائے تو ایک مثل سایہ ہونے پر سات گھڑی تو پل یا ساڑھے آٹھ گھڑی دن باقی رہتا ہے
(زوال) سے غروب آفتاب تک کل ۱۵ گھڑی دن ہوتا ہے ——— تو اگر عصر ایک مثل پر پڑھی جائے تو عصر سے غروب آفتاب تک
ساڑھے آٹھ گھڑی دن رہے گا اور زوال سے عصر تک ساڑھے چھ گھڑی دن باقی رہے گا اور اس صورت میں یہود و نصاریٰ کے کل ساڑھے
ساڑھے چھ گھڑی دن اور مدت امت مرحومہ کی مدت عمل ساڑھے آٹھ گھڑی دن قرار پاتے کہ جو حدیث زیر بحث کے بالکل مخالف ہے ——— اس
کے برعکس اگر عصر دو مثل سایہ ہونے پر پڑھی جائے تو دو مثل سایہ ہونے پر پانچ گھڑی سات پل دن باقی رہتا ہے اور زوال سے عصر تک
کم دس گھڑی دن باقی رہتا ہے اور اس تقدیر پر مقصود حدیث صحیح و درست بن جاتا ہے اس لیے ضروری ہے عصر کا وقت ظہر کے وقت
سے ہمیشہ کم ہو اور یہ جبھی ہو سکتا ہے جب کہ یہ مانا جائے کہ ظہر کا وقت دو مثل سایہ تک رہتا ہے۔ جیسا کہ احناف
کا مسلک ہے۔

بَابُ وَقْتِ الْمَغْرِبِ

باب وقت مغرب کے بیان میں

وَقَالَ عَطَاءٌ يَجْمَعُ الْمَرِيْضُ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ

اور حضرت عطا ابن ابی رباح نے فرمایا کہ مریض مغرب و عشاء کو ملا کر پڑھ سکتا ہے۔

اس تعلیق کو امام عبدالرزاق نے اپنے مصنف میں ابن جریج سے وصل کیا اور جمع سے مراد جمع صوری ہے۔ جیسا کہ گزشتہ صفحہ
میں وضاحت کی گئی ہے ۲۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ عنوان تو مغرب کے وقت کے متعلق تھا اور زیر عنوان قول عطا میں مغرب و عشاء کو جمع کر کے
پڑھنے کا بیان ہے۔ جواب یہ ہے کہ عنوان سے مناسبت یہ ہے کہ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مغرب کا وقت عشاء تک ہے۔

يَقُوْلُ كُنَّا نُصَلِّي الْمَغْرِبَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَنْصَرِفُ اَحَدُنَا وَاِنَّهٗ لَيُبْصِرُ مَوَاقِعَ نَبْلِهٖ (بخاری)

رافع بن خدیج کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کے ساتھ ہم مغرب نماز پڑھتے پھر نماز پڑھ کر ہم میں سے کوئی واپس ہوتا تو تیر گرنے کی جگہ

فوائد و مسائل اس حدیث کو ابن ماجہ نے کتاب الصلوٰۃ میں ذکر کیا۔
۲۔ اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے غروب ہوتے ہی مغرب پڑھ کر
تعجیل فرمائی اور نماز کے بعد اتنا اجالا باقی تھا کہ اگر کوئی تیر چلائے تو وہ تیر کے گرنے کی جگہ کو دیکھ لیتا ——— واضح رہے کہ سنت متوارثہ مغرب میں
تقلیل قرأت ہی ہے وہاں ورد التطویل ایضا فی بعض الاحیان ۔ احناف کے نزدیک بھی سوا ابر والے دن کے مغرب میں
تعجیل مستحب ہے۔

فَقَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الظُّهْرَ بِالْهَاجِرَةِ وَالْعَصْرَ وَالشَّمْسُ نَقِيَّةٌ وَالْمَغْرِبَ اِذَا وَجَبَتْ وَالْعِشَاءَ اَحْيَانًا وَاَحْيَانًا

جابر بن عبداللہ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز دوپہر کو اور عصر کی اس وقت جب کہ سورج صاف اور تیز ہوتا اور مغرب کی اس وقت جب سورج غروب ہو جاتا اور عشاء کی کبھی اس جب

وَاِذَا رَاٰهُمْ اجْتَمَعُوْا عَجَّلَ وَاِذَا رَاٰهُمْ اَبْطَؤُا اَخَّرَ وَالصُّبْحَ كَانُوْا اَوْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْهَا بِغَلَسٍ۔

کبھی دیر میں۔ جب آپ دیکھتے کہ لوگ جمع ہو گئے ہیں تو جلدی پڑھ لیتے اور جب دیکھتے کہ انہوں نے جمع ہونے میں دیر کی ہے تاخیر فرماتے اور فجر کی نماز صحابہ کرام یا حضور غلس میں پڑھتے۔

۰۰ عَنْ سَلَمَةَ قَالَ كُنَّا نُصَلِّيْ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَغْرِبَ اِذَا تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ (بخاری)

۲۔ حضرت سلمہ بن اکوع فرماتے ہیں کہ ہم حضور علیہ السلام کے ساتھ مغرب اس وقت پڑھتے جب سورج غروب ہو جاتا ہے۔

حدیث اوّل کو امام بخاری و مسلم، ابو داؤد و نسائی نے کتاب الصلوٰۃ میں ذکر کیا اور حدیث دوم کو مسلم ترمذی و ابن ماجہ نے کتاب الصلوٰۃ میں ذکر کیا ــــــ ان دونوں حدیثوں سے واضح ہو، کہ ظہر کا وقت زوال کے بعد شروع ہو جاتا ہے اور عصر حضور نے اس وقت پڑھی۔ جب سورج صاف اور روشن تھا اور مغرب اس وقت جب کہ سورج غروب ہو گیا۔ معلوم ہوا کہ مغرب کا وقت سورج غروب ہو جانے کے بعد ہے اور عشاء میں کبھی حضور نے جلدی فرمائی اور کبھی تاخیر اور صبح کی نماز غلس میں پڑھی یا صحابہ نے ایسا کیا۔ تفصیل گزشتہ اوراق میں بیان ہو چکی ہے۔

۰ یہ حدیث ثلاثیات بخاری سے چوتھی حدیث ہے اور اس سے ثابت ہوا کہ قرص آفتاب کے غروب ہوتے ہی مغرب کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔

۔ عَنْ اَبِيْ اَيُّوْبَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَادِرُوْا بِصَلٰوةِ الْمَغْرِبِ قَبْلَ طُلُوْعِ النَّجْمِ۔ (طبرانی)

حضرت ابو ایوب سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ مغرب کے پڑھنے میں جلدی کرو۔ ستاروں کے نکلنے سے پہلے۔

۰۰ بخاری شریف کی حدیث اوپر گزر چکی۔ جس کا مضمون یہ ہے کہ صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ ہم مغرب پڑھ کر فارغ ہوتے اور ہم میں سے کوئی تیر پھینکتا، تیر کے گرنے کی جگہ کو دیکھ لیتا یعنی نماز مغرب سے فراغت بعد اتنا اجالا ہوتا کہ تیر نظر آ جاتا تھا۔ علامہ نووی علیہ الرحمۃ نے فرمایا: غروب ہو جانے کے بعد مغرب کے جلدی پڑھنے پر اجماع ہے اور تمام صحابہ کرام مغرب میں تاخیر کو مکروہ قرار دیتے تھے (نیل الاوطار، ج مرقات)

وقتِ مغرب کا بیان

مغرب کا وقت غروبِ آفتاب سے غروبِ شفق تک ہے۔ شفق احناف کے نزدیک وہ سپیدی ہے جو جانبِ مغرب میں سُرخی ڈوبنے کے بعد شمالاً جنوباً صبح صادق کی طرح پھیلی ہوتی ہے اور یہ وقت ہمارے یہاں کم از کم ایک گھنٹہ ۱۸ منٹ اور زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ ۳۵ منٹ ہوتا ہے۔ ہر روز کے صبح اور مغرب دونوں کے وقت برابر ہوتے ہیں۔ اس سلسلہ کی حدیثیں یہ ہیں:۔

۱۔ حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ہر نماز کا اوّل وقت اور آخر وقت ہوتا ہے۔

اَوَّلُ وَقْتِ الْمَغْرِبِ حِيْنَ تَغْرُبُ الشَّمْسُ وَاٰخِرُ وَقْتِهَا حِيْنَ يَغِيْبُ الشَّفَقُ۔ (احمد، ترمذی و ابن ابی شیبہ)

اور اوّل وقت مغرب کا غروبِ آفتاب کے بعد ہے اور آخر وقت مغرب کا غروبِ شفق تک ہے۔

۲۔ ابن جریج سلیمان بن موسیٰ سے راوی کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:۔

صَلِّ الْمَغْرِبَ حِيْنَ تَغِيْبُ الشَّمْسُ وَصَلٰوةَ الْعِشَاءِ حِيْنَ تَغِيْبُ الشَّفَقُ۔ (رواہ عبد الرزاق)

جب سورج غروب ہو جائے تو مغرب کی نماز پڑھو اور عشاء جب کہ شفق غروب ہو جائے۔

اس پر سب کا اتفاق ہے کہ مغرب کا وقت غروبِ آفتاب کے بعد ہے۔ البتہ شفق میں اختلاف ہے احناف کے نزدیک شفق وہ سپیدی ہے جو صبح صادق کی طرح جنوباً و شمالاً شرقی کے ڈوبنے کے بعد پھیلی ہوئی ہوتی ہے۔ چنانچہ سیدنا صدیق اکبرؓ، عائشہ صدیقہؓ، معاذ بن جبل، ابی بن کعبؓ، عبد اللہ بن زبیرؓ اور حضرت عمر بن عبد العزیز و عبد اللہ بن مبارکؓ، اوزاعی (مالک و زفر) یہ ذیل فی

روایت) اور ابو ثور بیر و ابو داؤد رضی اللہ تعالے عنہم سے یہی مروی ہے۔

مغرب کا وقتِ مستحب روز ابر کے سوا مغرب میں ہمیشہ تعجیل (یعنی غروب ہوتے ہی پڑھ لینا) مستحب ہے اور دو رکعت تاخیر کروہ ہے اور اگر بغیر عذر بہ سفر و مرض وغیرہ اتنی تاخیر کی کہ ستارے گتھ گئے تو کروہ تحریمی ہے۔

اس مسئلہ کی چند احادیث یہ ہیں :-

۱۔ حضرت ابو ایوب و عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالے عنہما سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ میری امت ہمیشہ فطرت پر رہے گی

مَالَمْ يُؤَخِّرُوا الْمَغْرِبَ اِلٰى اَنْ تَشْتَبِكَ النُّجُومُ (احمد، ابو داؤد، مستدرک و قال صحیح علی شرط مسلم)

جب تک کہ مغرب میں اتنی تاخیر نہ کریں کہ ستارے گتھ جائیں۔

فائدہ اسی مضمون کی حدیث حضرت عباس بن عبد المطلب سے ابن ماجہ، دارمی، طبرانی، حاکم، مستدرک نے اور حضرت زید سے تمام اور ابن عساکر نے اور حارث بن وہب سے طبرانی و ابو نعیم نے روایت کی۔

۲۔ سائب بن یزید سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت ہمیشہ فطرت پر رہے گی۔

۔ صلوا المغرب قَبْلَ طلوعِ النُّجومِ۔ (احمد، طبرانی، بیہقی)

جب تک وہ مغرب کو ستاروں کے نکلنے سے پہلے پڑھ لیں۔

۳۔ حضرت امام ابو حنیفہ عن حماد عن ابراہیم سے روایت کرتے ہیں کہ صحابہ کرام کا کسی بات پر ایسا اجتماع نہ ہوا۔ جیسا کہ

علی التنویر فی الفجر والتعجیل فی المغرب

فجر میں اسفار اور مغرب میں تعجیل پر ہوا۔ (ادلہ ابن خرو حسن بن محمد)

بَابُ مَنْ كَرِهَ اَنْ يُقَالَ لِلْمَغْرِبِ الْعِشَاءُ

باب مغرب کو عشاء کہنے کی کراہت کے متعلق

قَالَ لَا يَغْلِبَنَّكُمُ الْاَعْرَابُ عَلٰى اِسْمِ صَلَاتِكُمُ الْمَغْرِبِ قَالَ وَيَقُوْلُ الْاَعْرَابُ هِيَ الْعِشَاءُ (بخاری)

عبد اللہ بن مغفل مزنی نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسا نہ ہو کہ دیہاتی تمہاری مغرب کی نماز کے نام بدلنے پر غالب آجائیں۔ عبد اللہ نے کہا دیہاتی مغرب کو بھی عشاء سے موسوم کرتے ہیں۔

: عرب وہ لوگ جو گاؤں میں رہتے اور شہروں میں کبھی کام کاج کے لیے آجاتے۔ یہ لوگ مغرب کو بھی عشاء سے موسوم کرتے۔ چونکہ صرف مغرب و عشاء میں التباس ہوتا اس لیے مغرب کو عشاء کہنے سے منع فرما دیا گیا۔ صاحب فتح الباری نے لکھا کہ عشاء کے معنی لغت میں ہیں کے ہیں اور یہ شفق ڈوبنے کے بعد ہوتی ہے۔ پس اگر مغرب کو بھی عشاء کا نام دینے کی اجازت دے دی جاتی تو احتمال تھا کہ آئندہ لوگ مغرب کا وقت شفق ڈوبنے کے بعد سمجھنے لگیں۔ (منہ)

بَابُ ذِكْرِ الْعِشَاءِ وَالْعَتَمَةِ وَمَنْ رَاٰهُ وَاسِعًا

باب عشاء کو عتمہ کہنے کے متعلق اور جو اس کے جواز کے قائل ہیں

وَقَالَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَثْقَلُ الصَّلٰوةِ عَلَى الْمُنَافِقِيْنَ الْعِشَاءُ وَالصُّبْحُ وَقَالَ لَوْ يَعْلَمُوْنَ مَا فِي الْعَتَمَةِ وَالْفَجْرِ قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ وَالْاِخْتِيَارُ اَنْ يَّقُوْلَ الْعِشَاءُ لِقَوْلِهِ تَعَالٰى وَمِنْ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَاءِ وَيُذْكَرُ عَنْ اَبِيْ

ابو ہریرہ نے کہا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ دو نمازیں منافقوں پر بہت بھاری ہیں۔ فجر اور عشاء اور حضور نے فرمایا لوگ عتمہ اور فجر کی نماز کے ثواب کو جانتے۔ امام بخاری نے کہا صحیح یہ ہے کہ عشاء کو عشاء ہی سے موسوم کیا جائے کیونکہ اللہ تعالے نے فرمایا۔ اور عشاء کی نماز کے بعد۔ اور ابو موسیٰ اشعری سے منقول

ـ نی قَالَ كُنَّا نَنْتَظِرُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
ـ صَلٰوةِ الْعِشَاءِ فَتَأَخَّرَ بِهَا فَلَمْ يَخْرُجْ رَسُوْلُ
ـ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً صَلٰوةَ الْعِشَاءِ وَهِيَ الَّتِيْ
ـ عُوْا النَّاسُ الْعَتَمَةَ ثُمَّ انْصَرَفَ فَاَقْبَلَ عَلَيْنَا فَقَالَ
ـ تُكُمْ لَيْلَتَكُمْ هٰذِهٖ فَاِنَّ رَأْسَ مِائَةِ سَنَةٍ
ـ لَا يَبْقٰى مِمَّنْ هُوَ الْيَوْمَ عَلٰى ظَهْرِ الْاَرْضِ اَحَدٌ۔

کہ ہم بھی باری عشاء کی نماز کے وقت حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے اس نماز کو تاخیر سے پڑھا۔ عبد اللہ بن عمر نے کہا کہ حضور علیہ السلام نے ایک رات عشاء کی نماز ہم کو پڑھائی یعنی وہی نماز جس کو لوگ عتمہ کہتے ہیں۔ پھر حضور ہماری طرف متوجہ ہوئے فرمایا کیا تم نے اس رات کو دیکھا اس رات سے سو برس گزرنے تک جتنے لوگ آج زمین پر بس رہے ہیں ان میں کوئی باقی نہ رہے گا۔

ان تمام احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ عشاء کو عتمہ سے موسوم کرنا بھی جائز ہے مگر اولیٰ یہ ہے کہ عشاء کو عشاء ہی سے موسوم کیا جائے اور آن میں بھی اس نماز کو عشاء سے موسوم کیا گیا ہے۔ حافظ علیہ الرحمۃ نے فرمایا عشاء کو عتمہ کہنا جائز ہے۔ پھر جب اس کا استعمال زیادہ ہونے لگا تو اس سے منع کیا گیا تاکہ جاہلیت کی زبان اسلام کی زبان پر غالب نہ آنے لیکن اس کے باوجود عشاء کو عتمہ سے موسوم کرنا حرام نہیں ۔ بہت سے صحابہ کرام نے عشاء کو عتمہ سے موسوم کیا ہے۔ (فتح الباری ۔ نیل الاوطار ۔ ج ۲ صفحہ)

فائدہ ۔ اعتم ای دخل فی العتمۃ ۔ عتمہ اس دودھ کو کہتے ہیں۔ جو اونٹنی کے تھنوں میں باقی رہنے دیتے اور کچھ دیر ٹھہرنے کے بعد اس کو دوہتے ہیں۔ بعض نے کہا عتمہ کے معنی شفق کے غروب کے بعد رات کے تیسرے حصے کو گزر جانے کے کہتے ہیں اور چونکہ عتمہ اسی وقت ہے اس لیے یہ نماز اس وقت پڑھی جاتی ہے۔

بَابُ وَقْتِ الْعِشَاءِ اِذَا اجْتَمَعَ النَّاسُ اَوْ تَاَخَّرُوْا

باب عشاء کی نماز اس وقت پڑھنا جب کہ لوگ جمع ہو جائیں!

مطلب عنوان یہ ہے کہ اگر نمازی جلدی جمع ہو جائیں تو عشاء اول وقت میں پڑھنا اور اگر آنے میں تاخیر کریں تو عشاء میں تاخیر کرنا۔ جس کے تحت امام نے حدیث جابر ہی سنی کی ہے جو اوپر گزر چکی ہے۔ جس میں یہ لفظ بھی ہیں۔

كَانَ اِذَا رَاٰهُمْ اجْتَمَعُوْا عَجَّلَ وَاِذَا رَاٰهُمْ اَبْطَوْا اَخَّرَ۔ (بخاری)

جب سب نمازی جمع ہو جاتے تو عشاء اول وقت میں ادا فرماتے اور جب نمازیوں کی تعداد کم ہوتی تو تاخیر فرماتے۔

واضح ہو کہ عشاء کا وقت غروب شفق سے طلوع فجر تک ہے اور عشاء میں تاخیر مستحب ہے مگر حضور علیہ السلام نے بعض اوقات امت پر شفقت فرماتے ہوئے اول وقت میں بھی عشاء پڑھی ہے جیسا کہ حدیث زیر بحث میں ہے کہ جب سب نمازی جمع ہو گئے۔ یعنی مسجد میں سب نمازی جلدی آ گئے تو حضور علیہ السلام نے ان کی رعایت فرماتے ہوئے عشاء جلدی ادا فرمائی اور عشاء کو اس کے اول وقت میں پڑھنا خصوصاً نمازیوں کے آرام کا خیال کر کے ایسا کرنا بلا کراہت جائز ہے اور حضور علیہ السلام نے تو مریض، ضعیف، سقیم اور صاحب حاجت افراد کا خیال کرتے ہوئے عشاء کی نماز اول وقت میں بھی ادا فرمائی ہے۔ اسی لیے فرمایا۔

اگر یہ بات نہ ہوتی کہ میری امت پر مشقت ہو جائے گی تو میں ان کو حکم فرما دیتا کہ ہر وضو کے ساتھ مسواک کریں اور عشاء کی نماز تہائی رات تک مؤخر کرو کیونکہ اللہ عزوجل آسمان پر خاص تجلی رحمت فرماتا ہے اور صبح تک فرماتا رہتا ہے کہ کوئی سائل ہے کہ اسے دوں ہے مغفرت چاہنے والا کہ اس کی مغفرت کروں۔ ہے کوئی دعا کرنے والا کہ قبول کروں۔ (احمد حنبل)

اس سے واضح ہوا کہ عشاء میں تاخیر مستحب ہے البتہ اول وقت میں عشاء پڑھنا بھی جائز ہے۔ منہ

بَابُ فَضْلِ الْعِشَاءِ ۔۔۔ باب عشاء کی فضیلت کے بیان میں

۱۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک رات حضورؐ نے دینِ اسلام کے دوسرے ممالک میں پھیلنے سے پہلے عشاء میں دیر کی حتیٰ اپنے حجرۂ اقدس سے برآمد نہ ہوئے کہ حضرت عمرؓ نے عرض کیا۔ عورتیں اور بچے سو گئے۔ پھر حضورؐ جلوہ فرما ہوئے۔

فَخَرَجَ فَقَالَ لِاَهْلِ الْمَسْجِدِ مَا يَنْتَظِرُهَا اَحَدٌ مِّنْ اَهْلِ الْاَرْضِ غَيْرُكُمْ۔ (بخاری)

اور حاضرینِ مسجد سے فرمایا۔ تمہارے سوا کوئی زمین والوں میں اس نماز کا (اس وقت) منتظر نہیں ہے۔

۲۔ اس کے بعد امام نے ایک اور حدیث درج کی۔ جس کے ابتدائی جملوں کا ترجمہ ہے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کہتے ہیں کہ میرے ساتھی جو کشتی میں آئے تھے بطحان کے میدان میں اترے ہوئے تھے اور حضورؐ مدینہ میں جلوہ فرما تھے اور ہم لوگ باری باری عشاء کے لیے بحضورِ نبوی حاضر ہوتے۔ ایک دن ایسا ہوا کہ میں اپنے ساتھیوں کے ہمراہ بحضورِ نبوی حاضر ہوا۔ حضورؐ اپنے کسی کام میں معروف تھے آپ نے عشاء میں دیر کی یہاں تک کہ آدھی رات گزر گئی اس کے بعد آپ برآمد ہوئے اور لوگوں کے ساتھ نماز پڑھی۔ نماز کے بعد آپ نے

عَلٰى رِسْلِكُمْ اَبْشِرُوْا اِنَّ مِنْ نِعْمَةِ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اَنَّهٗ لَيْسَ اَحَدٌ مِّنَ النَّاسِ يُصَلِّيْ هٰذِهِ السَّاعَةَ غَيْرُكُمْ (بخاری)

اپنی اپنی جگہ ٹھہرے رہو۔ بشارت ہو یہ اللہ کا تم پر احسان ہے کہ اس وقت تمہارے سوا کوئی نماز نہیں پڑھ رہا۔

فوائد و مسائل حدیثِ اول کو امام نے باب النوم قبل العشاء میں اور مسلم نے بھی اس کو روایت کیا اور حدیث دوم کو مسلم اور ابو داؤد نے کتاب الصلوٰۃ میں ذکر کیا۔ دونوں حدیثوں کے مسائل یہ ہیں:۔

۱۔ ہر نماز کو اس کے وقت پر پڑھنا ضروری ہے اور اس معاملہ میں نمازیوں کا انتظار اور ان کی سہولت وغیرہ کا لحاظ رکھنا نہیں البتہ یہ جائز ہے کہ کمزوروں، صاحبِ حاجت مندوں کی رعایت اور عام لوگوں کی آسانی کے لیے وقت مؤخر کر لیا جائے اور اس میں مستحب وقت تک مؤخر کرنا افضل ہے لیکن اگر وقت مستحب تک تاخیر میں مشقت ہو تو پھر اول وقت میں نماز ادا کر لینا بھی جائز ہے۔ جیسے عشاء کو مؤخر کرنا مستحب ہے مگر لوگوں کی سہولت کے لیے اگر اول وقت میں پڑھی جائے تو مضائقہ نہیں۔

فائدہ اور یہ جو حضورؐ نے فرمایا۔ "اہلِ زمین میں تمہارے سوا اور کوئی اس نماز کا انتظار نہیں کرتا" شارحین نے اس کے متعدد مطلب بیان کئے ہیں ۱۔ علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ نے فرمایا۔ عشاء کی نماز کسی امت میں شروع نہ تھی اور کسی نبی نے عشاء کی نماز نہیں پڑھی۔ سب سے پہلے نماز عشاء حضور علیہ السلام نے ہی پڑھی ہے تو ملینتظرها احد الخ میں حصر بالنسبۃ الی اہل کتب ہے چنانچہ مسند میں یہ لفظ ہیں۔ اِنَّكُمْ يَنْتَظِرُوْنَ صَلٰوةً مَا يَنْتَظِرُهَا اَهْلُ دِيْنٍ غَيْرُكُمْ۔

۲۔ بعض نے کہا حصر بالنسبۃ الی الکفار ہے جیسا کہ حدیث زیر بحث میں یہ تصریح ہے کہ اس وقت تک اسلام دوسرے مقامات میں نہیں پھیلا تھا صرف مکہ اور مدینہ میں اسلام تھا۔ دیگر بلاد میں اسلام فتح مکہ کے بعد پھیلا۔

۳۔ علامہ ابن حجر عسقلانی نے فرمایا کہ مقصود یہ بتانا ہے کہ عشاء کی نماز باجماعت پڑھنا اس وقت صرف اہلِ مدینہ کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ مکہ میں جو مسلمان تھے وہ مغلوب تھے۔ چھپ چھپ کر نماز پڑھتے تھے اور مکہ و مدینہ کے علاوہ بلاد میں اسلام تھا ہی نہیں۔

۴۔ یہ بھی ممکن ہے کہ حصر بالنسبۃ مسجدِ نبوی ہو کیونکہ اس وقت کل مسجدیں ۹ عدد تھیں۔ اکما عند الدار قطنی باسناد ضعیف اس تقدیر پر معنی یہ ہوں گے کہ باقی مساجد میں تو نمازی نماز پڑھ کر سو بھی گئے۔ صرف تم ہو جو مسجدِ نبوی میں عشاء کی نماز کے انتظار میں یہ سعادت تمہی کو حاصل ہے۔ بہر حال جو لوگ اس وقت نمازِ عشاء کے انتظار میں رہے رات کے ایک حصہ کے گزر جانے کے بعد حضورؐ کی اقتداء میں نماز عشاء ادا کی حضورؐ نے انہیں خوش خبری دی کہ اس وقت اس نماز کے انتظار کی سعادت اللہ عزوجل نے تمہیں بخشی جس سے عشاء کو تاخیر سے پڑھنے کا استحباب ہوا۔

بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنَ النَّوْمِ قَبْلَ الْعِشَاءِ

باب عشاء کی نماز سے قبل سونا مکروہ ہے

عَنْ أَبِي بَرْزَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَكْرَهُ النَّوْمَ قَبْلَهَا وَالْحَدِيثَ بَعْدَهَا۔ (بخاری)

ابو برزہ اسلمی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نماز عشاء سے پہلے سوجانا اور عشاء کے بعد فضول باتوں میں مصروف ہوجانا مکروہ جانتے تھے۔

فوائد و مسائل ۱۔ نماز عشاء سے قبل سوجانے کو مکروہ قرار دینے کی وجہ یہ ہے۔ سوجانے کے بعد بہت ممکن ہے کہ آنکھ نہ کھلے اور نماز عشاء فوت ہوجائے۔ چنانچہ یہ تجربہ شاید سب کو ہوگا کہ عشاء کی نماز سے قبل سوجانے سے عشاء فوت ہوجانے کا سخت خطرہ ہوتا ہے۔ اور اگر وقت پر آنکھ کھل جائے تو نماز کا ادا کرنا بوجھ سا معلوم ہوتا ہے ۲۔ اسی طرح نماز عشاء کے بعد فضول اور لغو باتوں میں مصروف ہوجانا بھی مکروہ ہے۔ بعض اوقات قصہ کہانیوں میں ایسا جی لگتا ہے کہ رات بیت جاتی ہیں اور پھر فجر کے لیے بیداری دشوار ہوجاتی ہے — البتہ یہ ضرور ہے کہ یہ نہی تحریمی نہیں ہے اور بعض کو فقیہہ اس طرف گئے ہیں کہ اگر کسی کو وقت پر بیدار ہوجانے کا وثوق ہو یا جگانے کے لیے مقرر کردیا گیا ہے تو پھر عشاء کی نماز سے قبل سوجانے میں حرج نہیں۔ ولكن الاخذ بظاهر الحديث احوط (۳) وَالْحَدِيثُ بَعْدَهُ۔ اور حضور عشاء کے بعد باتیں کرنا مکروہ جانتے۔ چنانچہ اس سلسلہ کی چند احادیث یہ ہیں :۔

۱۔ ترمذی کی حدیث میں یہ ہے کہ عشاء کے بعد باتیں کرنا جائز نہیں۔ مگر نمازی یا مسافر یعنی مہمان سے ۲۔ مجمع الزوائد میں حضرت صدیقہؓ سے مرفوعاً آیا کہ عشاء کے بعد تین شخصوں کو بات چیت کرنا جائز ہے۔ نمازی، مسافر، مہمان، میاں بیوی ۳۔ ترمذی کی حدیث میں ہے کہ حضور علیہ السلام عشاء کے بعد حضرت ابو بکرؓ سے جماعت کے متعلق مشورہ فرماتے تھے ۴۔ مسلم میں ہے کہ آپ عشاء کے بعد باتیں کرنے کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ بخاری میں ہے۔ مکروہ جانتے تھے۔ ابوداؤد میں ہے کہ آپ منع فرماتے تھے۔ ابن ماجہ میں ہے کہ آپ نماز عشاء سے پہلے نہ آرام فرماتے اور نہ عشاء کے بعد باتیں کرتے۔ ان تمام احادیث سے یہ واضح ہوا کہ عشاء کی نماز کے بعد فضول اور بے فائدہ باتیں کرنا مکروہ ہے۔ اور علم کی باتیں کرنا۔ پڑھنا پڑھانا۔ وعظ و نصیحت صالحین کی حکایت، مہمان کی خاطر تواضع، دلہن کی دلجوئی جائز ہے۔

بَابُ النَّوْمِ قَبْلَ الْعِشَاءِ لِمَنْ غَلَبَ

باب اگر نیند کا بہت غلبہ ہو تو عشاء کی نماز سے پہلے سونے کے متعلق

اس عنوان کے ماتحت امام نے متعدد حدیثیں لکھی ہیں۔ سب کے مضمون تقریباً ایک ہیں۔ ہم یہاں ان حدیثوں کو اختصار کے ساتھ پیش کرتے ہیں ۱۔ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ حضور نے عشاء میں دیر کی۔ یہاں تک کہ حضرت عمرؓ نے عرض کی، عورتیں اور بچے سوگئے۔ حضور علیہ السلام نے باہر آکر نماز پڑھائی۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ :۔

۔۔ وَكَانُوا يُصَلُّونَ فِيمَا بَيْنَ أَنْ يَغِيبَ الشَّفَقُ ۔۔ ثُلُثِ اللَّيْلِ الْأَوَّلِ۔ (بخاری)

حضور اور صحابہؓ کرام عشاء کی نماز شفق ڈوبنے سے لے کر پہلی تہائی رات گذرنے تک ادا فرماتے تھے۔

عبد اللهِ بْنَ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شُغِلَ عَنْهَا لَيْلَةً فَأَخَّرَهَا حَتَّى رَقَدْنَا فِي الْمَسْجِدِ ثُمَّ اسْتَيْقَظْنَا ثُمَّ رَقَدْنَا ثُمَّ اسْتَيْقَظْنَا ثُمَّ خَرَجَ عَلَيْنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ لَيْسَ أَحَدٌ مِنْ أَهْلِ الْأَرْضِ يَنْتَظِرُ الصَّلٰوةَ غَيْرُكُمْ (بخاری)

۲۔ حضرت عبد اللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کو ایک رات کچھ کام ہوگیا اور آپ نے عشاء میں دیر فرمائی۔ یہاں تک کہ ہم لوگ مسجد میں سوگئے۔ پھر آنکھ کھلی۔ پھر سوگئے۔ پھر جاگے۔ اس کے بعد حضور حجرہ سے تشریف لائے اور فرمایا۔ اس وقت تمہارے سوا اہل زمین میں کوئی نماز کا منتظر نہیں۔

۳۔ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ لَا يُبَالِي أَقَدَّمَهَا أَمْ أَخَّرَهَا إِذَا كَانَ لَا يَخْشَى أَنْ يَغْلِبَهُ النَّوْمُ عَنْ وَقْتِهَا وَقَدْ كَانَ يَرْقُدُ قَبْلَهَا۔

اور حضرت ابن عمر عشاء کی نماز جلدی یا دیر پڑھنے میں کچھ حرج نہ سمجھتے جب کہ ان کو یہ ڈر نہ ہوتا کہ سو جانے سے وقت نہ رہے گا اور کبھی عشاء پڑھنے سے پہلے سو جاتے۔ پھر اٹھ کر پڑھتے۔

۴۔ اس کے بعد جو حدیث ہے اس کا مضمون تو وہی ہے جو حدیث ۲ کا ہے مگر اس میں یہ لفظ بھی ہیں کہ حضور علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا

فَقَالَ لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي لَأَمَرْتُهُمْ أَنْ يُصَلُّوهَا هٰكَذَا۔ (بخاری)

اگر میری امت پر شاق نہ ہوتا تو میں حکم دیتا کہ نماز عشاء اسی وقت پڑھا کرو۔

ان تمام حدیثوں سے واضح ہوتا ہے کہ افضل و مستحب یہی ہے۔ عشاء تاخیر سے پڑھی جائے اور عشاء پڑھنے سے قبل نہ سویا جائے اگر نیند کا غلبہ ہو اور یہ وثوق بھی ہو کہ وقت پر بیدار ہو جائے گا۔ یا کسی کو جگانے کے لیے مقرر کر دیا ہے تو عشاء پڑھنے سے قبل سو جانے میں مضائقہ نہیں۔ اس سلسلہ کی چند روایات کے خلاصے یہ ہیں :۔

۱۔ امام ترمذی نے کہا اکثر اہل علم عشاء کی نماز سے قبل سو جانے کو مکروہ قرار دیتے ہیں۔ اور بعض نے رمضان میں سونے کی رخصت دی بشرطیکہ کوئی جگانے والا مقرر کر دیا جائے یا خود جاگ جانے کا اطمینان ہو۔ فتح الباری ۲۔ بلا وجہ نماز عشاء سے قبل سو جانے اور نماز کی پرواہ نہ کرنے والے کے متعلق حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

مَنْ نَامَ قَبْلَ الْعِشَاءِ فَلَا نَامَتْ عَيْنَاهُ

جو عشاء کی نماز پڑھے بغیر سو جائے اس کی آنکھوں کو نیند نہ آئے

۳۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عشاء سے قبل سونے والے کو برا بھلا کہتے لیکن اگر خود کبھی سو جاتے تو کسی کو جگانے پر مقرر کر دیتے تھے ۴۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ اپنی خوابگاہوں سے دور رہتے تھے غرضیکہ ——— جماعت سے محرومی جو بلا عذر شرعی ہو جیسا شارح علیہ السلام کو مطلوب نہیں ہے۔

بَابُ وَقْتِ الْعِشَاءِ إِلَى نِصْفِ اللَّيْلِ

باب عشاء کا وقت مختار نصف شب تک ہے

۱۔ قَالَ أَبُو بَرْزَةَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَحِبُّ تَأْخِيرَهَا۔ (بخاری)

ابو برزہ نے کہا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز دیر سے پڑھنا پسند فرماتے تھے۔

عَنْ أَنَسٍ قَالَ أَخَّرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةَ الْعِشَاءِ إِلَى نِصْفِ اللَّيْلِ ثُمَّ صَلَّى ثُمَّ قَالَ قَدْ صَلَّى النَّاسُ وَنَامُوا أَمَا إِنَّكُمْ فِي صَلٰوةٍ مَا انْتَظَرْتُمُوهَا۔ (بخاری)

حضرت انس نے فرمایا کہ نبی علیہ السلام نے عشاء کی نماز میں آدھی شب تک دیر کی پھر نماز پڑھی اور فرمایا لوگ تو یہ نماز پڑھ کر سو رہے اور تم جب تک نماز کی انتظار میں رہے ثواب میں رہا۔

فوائد و مسائل عنوان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام بخاری علیہ الرحمۃ کا مسلک یہ ہے کہ عشاء کا وقت نصف شب تک ہے اور زیرِ عنوان حدیث میں بھی نصف اللیل کے الفاظ موجود ہیں۔ علامہ کرمانی نے فرمایا کہ امام بخاری کا مذہب یہی ہے اسی لیے انہوں نے اس مضمون کی کوئی حدیث بخاری میں درج نہیں کی جس سے یہ واضح ہو کہ عشاء کا وقت طلوعِ فجر تک ہے علامہ عینی نے فرمایا۔ یہ بات درست نہیں۔ کیونکہ امام نے یہ تصریح کی ہے کہ وقتِ مختار نصف شب تک ہے اور وقت جواز طلوعِ فجر تک ——— حدیث دوم عنوان کے مناسب نہیں معلوم ہوتی کیونکہ اس میں نصف اللیل کے الفاظ نہیں ہیں

...ذکر ہے۔ جواب یہ ہے اس مضمون کی دوسری حدیثوں میں ثلث اللیل اور نصف اللیل کے الفاظ بھی وارد ہوئے ہیں۔ واضح ہو کہ نماز ... تاخیر کے متعلق جو احادیث آئی ہیں ان میں تہائی رات اور بعض میں نصف رات تک کی تاخیر کا ذکر ہے اور صبح صادق کے طلوع تک ... پڑھ سکتے ہیں۔ جمہور کا یہی مذہب ہے اور علامہ طحاوی نے اس مضمون کی صریح حدیثیں روایت کی ہیں۔ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ... وقت صریح فجر تک ہے۔ حدیث دوم مع تفہیم و ترجمانی اوپر گزر چکی ہے۔

وقت عشاء کا بیان

واضح ہو کہ عشاء کا وقت۔ شفق غروب ہونے سے طلوع صبح صادق تک ہے شفق کی تعریف اوپر مذکور ہوئی اور صبح صادق ایک روشنی ہے کہ پورب کی جانب جہاں سے آج آفتاب طلوع ہونے والا ہے اس کے ... آسمان کے کنارے میں دکھائی دیتی ہے اور بڑھتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ تمام آسمان پر پھیل جاتی ہے اور زمین پر اُجالا ہو جاتا ہے (۱) عشاء کا ... شفق غروب ہونے سے طلوع صبح صادق تک ہے۔ (۲) عشاء میں تہائی رات تک تاخیر مستحب ہے اور آدھی رات تک تاخیر مباح ہے۔ یعنی آدھی رات ہونے سے پہلے فرض پڑھ لینا مباح ہے اور اتنی تاخیر کر رات ڈھل گئی۔ بوجہ تقلیل جماعت کروہ ہے۔ اب اس سلسلہ کی ... حدیثیں پڑھیئے۔ جن سے مذکورہ بالا مسائل اخذ ہوئے۔

۱۔ حضرت ابو سعید خدری فرماتے ہیں کہ رسول کریم علیہ السلام نے فرمایا کہ جبرئیل امین نے امامت کرائی ...

...لعشاء حِيْنَ غَابَ الشَّفَقُ وَصَلَّى الصُّبْحَ حِيْنَ ... الْفَجْرُ۔ (طحاوی)

عشاء شفق کے غروب کے بعد پڑھی اور فجر کی نماز اس وقت جب کہ فجر طلوع ہو گئی۔

۲۔ حضرت انس فرماتے ہیں کہ۔

...النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةَ الْعِشَاءِ ... نِصْفَ اللَّيْلِ ثُمَّ صَلّٰى (بخاری)

حضور علیہ السلام نے عشاء کو نصف رات تک موخر فرمایا اور پھر ادا کی۔

۳۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر میں اپنی امت پر مشقت نہ جانتا تو

...خیر العشآء الٰی نصف اللّیل (مسلم و نسائی)

انہیں حکم دیتا کہ وہ عشاء میں نصف رات تک تاخیر کریں۔

۴۔ روایت ابو ہریرہ کے لفظ یہ ہیں۔

...وخروا العشآء الٰی ثلث اللیل او نصفہ (احمد، ابن ماجہ، ترمذی)

کہ وہ عشاء میں تہائی رات یا نصف رات تک تاخیر کریں۔

بَابُ فَضْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَالْحَدِيْث

باب نمازِ فجر کی فضیلت کے بیان میں

اس عنوان کا مقصود نماز فجر کی فضیلت بیان کرنا ہے۔ امام نے اس عنوان کے ماتحت دو حدیثیں لکھی ہیں۔

۱۔ پہلی حدیث وہی ہے جو باب الصلٰوۃ السمر میں مع تفہیم کے گزر چکی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور سرور کائنات علیہ الصلٰوۃ والتسلیم نے فرمایا کہ تم قیامت کے دن دیدارِ الٰہی سے اس طرح مشرف ہو گے جیسے چودھویں کے چاند کو دیکھتے ہو۔ لہٰذا نماز فجر و عصر کی حفاظت ... پر کسی اور کام کو غالب نہ آنے دو (خلاصہ)

۲۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

...صَلَّى الْبَرْدَيْنِ دَخَلَ الْجَنَّةَ۔

جو کوئی بردین کو پڑھا کرے جنت میں جائے گا۔

بردین بردکی جمع ہے اور اس سے مراد فجر اور عشاء کی نماز ہے دونوں حدیثوں سے فجر و عشاء کی فضیلت نکلتی ہے کہ قوی تمادی...

محافظت کرنے والا آخرت میں دیدارِ الٰہی کا شرف حاصل کرے گا اور جنت اس کا مقام ہوگا۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ دخولِ جنت کے ۔ یہی دو نمازیں کافی ہیں۔ باقی نمازوں کی محافظت ضروری نہیں ہے۔ ۲۔ اور عنوان میں والحدیث کا لفظ وہم نہیں ہے بلکہ تقدیر عبارت ۔ باب فی بیان فضل الفجر و فی بیان الحدیث الوارد فیہ۔ یعنی یہ باب فجر کی فضیلت اور اس حدیث کے بیان میں ہے جو فضیلتِ فجر میں وارد ہوئی۔

باب وقت الفجر

باب نمازِ فجر کے وقت کے بیان میں

۱۔ حضرت انس اور وہ حضرت زید بن ثابت سے راوی ہیں کہ

أَنَّهُمْ تَسَحَّرُوْا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَامُوْا إِلَى الصَّلٰوةِ قُلْتُ كَمْ بَيْنَهُمَا قَالَ قَدْرُ خَمْسِيْنَ أَوْ سِتِّيْنَ يَعْنِيْ آيَةً

(بخاری)

انہوں نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ سحری کا کھانا کھایا۔ پھر نماز کے لیے کھڑے ہوئے۔ انس نے کہا میں نے زید سے پوچھا اور نماز کے درمیان کتنا فاصلہ تھا۔ انہوں نے جواب دیا۔ ۔ میں یا پچاس یا ساٹھ آیتیں پڑھیں۔

۲۔ حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ

أَنَّ نَبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَزَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ تَسَحَّرَا فَلَمَّا فَرَغَا مِنْ سُحُوْرِهِمَا قَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الصَّلٰوةِ فَصَلّٰى قُلْنَا لِأَنَسٍ كَمْ كَانَ بَيْنَ فَرَاغِهِمَا مِنْ سُحُوْرِهِمَا وَدُخُوْلِهِمَا فِي الصَّلٰوةِ قَالَ قَدْرُ مَا يَقْرَءُ الرَّجُلُ خَمْسِيْنَ آيَةً۔

حضرت زید بن ثابت اور حضور علیہ السلام نے سحری کھائی۔ جب ۔ ہوئے تو نبی صلے اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز کے لیے کھڑے ہو ۔ حضرت قتادہ نے کہا۔ ہم نے انس سے پوچھا کہ جب وہ د ۔ فراغت ہوئی تو نماز اس کے کتنی دیر بعد شروع کی۔ انہو ۔ اتنی دیر کے بعد جتنی دیر میں آدمی پچاس آیتیں پڑھے۔

فوائد و مسائل اس حدیث کو امام نے صوم میں بھی ذکر کیا اور مسلم، ترمذی، ابوداؤد، نسائی و ابن ماجہ نے بھی کتاب الصوم میں ذ ۔ حدیث سے ثابت ہوا کہ فجر کا وقت جب شروع ہوتا ہے۔ جب کہ روزہ دار کی سحری کھانے کا وقت ختم ہو تب ۔ فجر کا اول وقت طلوعِ صبح صادق ہے اور حضور علیہ السلام سحری سے فارغ ہو کر فجر کی نماز کے لیے اتنی دیر بعد متوجہ ہو گئے۔ جتنی د ۔ پچاس یا ساٹھ آیتیں پڑھی جا سکیں۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ۲۔ حدیث ہذا کے راویوں میں حضرت زید بن ثابت قابلِ ذکر ہیں۔ یہ حضور سید عالم صلے اللہ علیہ ۔ کے مقدس صحابی کاتبِ وحی ہیں جب مدینہ تشریف لائے تو آپ کی عمر ۱۱ سال تھی۔ اسی عمر میں ۔ بہ اسلام ہوئے۔ نہایت ذکی، نجیب، عالم فرائض و میراث کے ماہر تھے۔ تدوینِ قرآن میں آپ کا بڑا حصہ ہے۔ خلافتِ صدیقی میں ۔ مجید کی کتابت فرمائی۔ پھر خلافتِ عثمانی میں مصحف سے قرآن نقل کیا۔ ایک بڑی جماعت نے آپ سے روایت کی۔ آپ سے ۹۲ حدیثیں ۔ ہیں۔ ۹ بخاری میں ہیں۔ عہدِ نبوی میں چار حافظ مشہور تھے۔ ابی بن کعب، زید بن ثابت، معاذ بن جبل، ابوزید۔ سیدنا فاروق اعظم ۔ تعالےٰ عنہ۔ جب حج کا عزم فرماتے تو زید بن ثابت کو اپنا قائم مقام بنا جاتے۔ حدیث انس میں آیا ہے کہ افرض امتی زید بن ثابت۔ ۔ یہ بھی اقضی کے علمبردار زید بن ثابت ہیں۔ آپ نے مدینہ میں ۴۵ھ بعمر ۵۶ سال وفات پائی۔ سیدنا ابوہریرہ نے کہا۔ آج حبر الامۃ نے وفا ۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا زید بن ثابت راسخین فی العلم میں سے تھے۔ رضی اللہ تعالےٰ عنہم (اکمال و تذکرہ وغیرہ)

۲۔ حضرت سہل بن سعد کہتے ہیں۔

كُنْتُ أَتَسَحَّرُ فِي أَهْلِي ثُمَّ تَكُونُ سُرْعَةٌ بِي أَنْ أُدْرِكَ صَلٰوةَ الْفَجْرِ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

میں اپنے گھر میں سحری کھاتا۔ پھر مجھے یہ جلدی رہتی کہ صبح کی نماز رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ادا کروں۔

اس حدیث کی عنوان سے مطابقت بطریق اشارہ یہ ہے کہ اول وقت فجر کا طلوع صبح صادق سے ہے۔ بعض نے کہا امام بخاری نے اس حدیث کے بیان سے اس طرف اشارہ کرنا ہے کہ حضور علیہ السلام اول وقت میں فجر ادا فرماتے تھے لیکن ظاہر ہے کہ عنوان تو مطلق وقت فجر کے بیان کے متعلق ہے۔ فافہم

۴۔ اس کے بعد امام نے حدیث عائشہ صدیقہ ذکر کی ہے جس میں یہ ہے کہ عورتیں نماز فجر پڑھ کر جب اپنے گھروں کو واپس ہوتیں تو اندھیرے کی وجہ سے انھیں کوئی نہ پہچان سکتا۔ یہ حدیث مع مکمل تفہیم و ترجمانی کے فیوض الباری پارہ دوم صفحہ ۲۱۲ پر گزر چکی ہے۔

بَابُ مَنْ أَدْرَكَ مِنَ الْفَجْرِ رَكْعَةً

باب۔ جو سورج نکلنے سے پہلے فجر کی ایک رکعت پالے

اس عنوان کے ماتحت امام بخاری نے وہی حدیث ذکر کی ہے جو باب من ادرک رکعۃ من العصر میں گزر چکی ہے۔ اس حدیث پر مکمل بحث فیوض الباری پارہ سوم صفحہ ۲۵ میں گزر چکی ہے۔

وقتِ فجر کا بیان

وقت فجر طلوع صبح صادق سے آفتاب کی کرن چمکنے تک ہے۔ فجر میں اسفار مستحب ہے جیسا کہ گزشتہ اوراق میں ان امور پر مکمل بحث ہو چکی ہے۔ اس مسئلہ کی احادیث میں سے چند حدیثیں یہ ہیں۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

۱۔ ان اول وقت الفجر حين يطلع الفجر وان آخر وقتها حين تطلع الشمس (احمد۔ ترمذی۔ ابن شیبہ)

اول وقت اس وقت ہے جب کہ فجر طلوع کرے، اور آخر وقت جب سورج نکل آئے۔

۲۔ حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ جبرئیل امینؑ نے

صلى بي الصبح حين كادت الشمس ان تطلع (طحاوی)

صبح کی نماز اس وقت پڑھی کہ قریب تھا کہ سورج طلوع ہو جائے۔

۳۔ حضرت بریدہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے حضورؐ سے اوقات نماز دریافت کئے تو آپ نے اس سے فرمایا۔ میرے ساتھ نماز پڑھو۔ تو آپ نے وصلى الفجر فاسفر۔ (مسلم، ترمذی، طحاوی)

فجر کی نماز پڑھی اور اسفار کیا۔

بَابُ مَنْ أَدْرَكَ مِنَ الصَّلٰوةِ رَكْعَةً

باب جو کسی نماز کی ایک رکعت پالے۔ اس نے نماز پالی

عن أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قال مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الصَّلٰوةِ فَقَدْ أَدْرَكَ الصَّلٰوةَ

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے نماز کی ایک رکعت پالی، اس نے نماز پالی۔

مولوی کرمانی نے فرمایا کہ مقصود عنوان یہ ہے کہ جس نے کسی بھی نماز کی ایک رکعت پالی اس نے نماز کو پالیا۔ اس سے قبل امام نے جو عنوان قائم کیا تھا اس میں عصر کی تخصیص تھی اس جگہ جو عنوان باندھا اس میں فجر کی تخصیص تھی۔ اس عنوان میں مطلق نماز کے متعلق حدیث ہے۔ اس مسئلہ کی تفصیل گزشتہ اوراق میں ہو چکی ہے۔

بَابُ الصَّلٰوةِ بَعْدَ الْفَجْرِ حَتّٰى تَرْتَفِعَ الشَّمْسُ

باب نماز فجر کے بعد سورج بلند ہونے تک نماز پڑھنے کے متعلق

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ شَهِدَ عِنْدِیْ رِجَالٌ مَّرْضِیُّوْنَ وَاَرْضَاهُمْ عِنْدِیْ عُمَرُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَهٰی عَنِ الصَّلٰوةِ بَعْدَ الصُّبْحِ حَتّٰی تُشْرِقَ الشَّمْسُ وَبَعْدَ الْعَصْرِ حَتّٰی تَغْرُبَ۔ (بخاری)

حضرت ابن عباس نے فرمایا مجھ سے کئی معتبر آدمیوں [illegible] جن میں حضرت عمرؓ سب سے زیادہ معتبر ہیں کہ نبی [illegible] نے صبح کی نماز کے بعد سورج روشن ہونے تک نماز پڑھنے [illegible] فرمایا اور عصر کی نماز کے بعد سورج ڈوبنے تک۔

فوائد و مسائل

اس حدیث کو امام مسلم۔ ترمذی، ابن ماجہ نے بھی روایت کیا۔ مرضیون کے معنی ہیں کہ ان کی صداقت [illegible] کوئی شبہ نہ تھا۔ بعد الصبح یعنی نماز فجر کے بعد۔ حتی تشرق اشراق کے معنی طلوع ہونے، بلند ہونے، [illegible] ہیں۔ علامہ قاضی عیاض نے فرمایا کہ حتی تشرق کا مطلب یہ ہے کہ سورج خوب اچھی طرح نکل آئے یہ نہیں کہ صرف اسکا قرص ظاہر ہو [illegible]

فجر و عصر کی نماز کے بعد نفل پڑھنا ممنوع ہیں

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ نماز فجر کے بعد طلوع آفتاب [illegible] نماز عصر کے بعد غروب آفتاب تک نفل پڑھنا ممنوع ہیں [illegible] نماز اگر کوئی ہو تو پڑھ سکتے ہیں۔ سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ، حسن بصری، سعید بن المسیب، علاء بن زیاد، حمید بن عبد الرحمان [illegible] جماعتِ صحابہ کرام کا یہی مذہب ہے (۲) علامہ بطال نے فرمایا۔ فجر و عصر کی نماز کے بعد نوافل پڑھنے کی ممانعت پر احادیث متو[اتر] [illegible] حضرت فاروق اعظم و حضرت خالد بن ولید ان لوگوں کو درے لگاتے تھے جو فجر یا عصر کی نماز کے بعد نفل پڑھتے اور صحابہ [illegible] کسی نے حضرت عمر یا حضرت خالد بن ولید کے اس فعل پر اعتراض نہیں کیا۔ (۳) وہ جو بعض احادیث میں آیا ہے کہ حضور علیہ [illegible] کی نماز کے بعد دو رکعت نماز نفل ادا فرمائے تو یہ حضورؐ کی خصوصیات سے تھا۔ (عینی ج ۲ صفحہ ۵۹)

قَالَ اَخْبَرَنِیْ ابْنُ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا تَحَرَّوْا بِصَلٰوتِكُمْ طُلُوْعَ الشَّمْسِ وَلَا غُرُوْبَهَا

حضرت عبداللہ بن عمر نے کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ [illegible] سورج کے طلوع اور غروب کے وقت نماز کا قصد نہ [illegible]۔

فوائد و مسائل

اس حدیث کو امام نے صفحہ ابلیس میں اور مسلم و نسائی نے کتاب الصلوٰۃ میں ذکر کیا لاتحروا کے معنی [illegible] یعنی جب آفتاب طلوع ہو رہا ہو اس وقت اور جب غروب ہو رہا ہو اس وقت نماز نہ پڑھی جائے۔

قَالَ وَحَدَّثَنِیْ ابْنُ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا طَلَعَ حَاجِبُ الشَّمْسِ فَاَخِّرُوا الصَّلٰوةَ حَتّٰی تَرْتَفِعَ وَاِذَا غَابَ حَاجِبُ الشَّمْسِ فَاَخِّرُوا الصَّلٰوةَ حَتّٰی تَغِیْبَ۔ (بخاری)

حضرت عبداللہ بن عمر نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلے [illegible] نے فرمایا جب سورج کا کنارہ نکل آئے تو ٹھہر جاؤ [illegible] نہ پڑھو یہاں تک کہ سورج بلند ہو جائے اور جب سورج [illegible] جائے تب بھی ٹھہر جاؤ نماز نہ پڑھو یہاں تک کہ سورج کا کنارہ [illegible]

طلوع کے وقت مطلقاً نماز ناجائز ہے

ان دونوں حدیثوں سے ثابت ہوا کہ طلوع و غروب کے وقت کوئی [illegible] نہیں ہے نہ فرض نہ واجب نہ نفل نہ ادا نہ قضا حتی کہ سجدہ سہو اور سجدہ [illegible] بھی جائز نہیں ہے۔ طلوع سے مراد آفتاب کا کنارہ ظاہر ہونے سے اس وقت تک ہے کہ اس پر نگاہ خیرہ ہونے لگے۔ جس کی مقدار [illegible] چمکنے سے ۲۰ منٹ تک ہے اور اس وقت سے کہ آفتاب پر نگاہ ٹھہرنے لگے ڈوبنے تک غروب ہے۔ یہ وقت بھی ۲۰ منٹ [illegible] علماء نے طلوع و غروب اور فجر و عصر کے بعد نوافل کی ممانعت کو تنزیہی پر محمول کیا اور کہا کہ ممانعت ان نوافل کی ہے جو بلا سبب ہوں [illegible] سببی نوافل جیسے تحیۃ المسجد یا سجدہ تلاوت و شکر وغیرہ نمازیں ممانعت میں داخل نہیں لیکن یہ تخصیص بلا دلیل ہے ۳۔ حضرت [illegible] روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے دو طرح کے پہننے، دو طرح کے لباس اور دو وقتوں میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا

نھی عن الصلوۃ بعد الفجر حتی تطلع الشمس و بعد العصر حتی تغرب الشمس۔ (بخاری)

فجر کی نماز کے بعد جب تک سورج نہ نکلے اور عصر کے بعد جب تک سورج ڈوب نہ جائے۔

اور اشتمالِ صماء سے منع فرمایا اور ایک کپڑے میں گوٹ مار کر بیٹھنے سے اس طرح کہ شرمگاہ آسمان کی طرف کھلی رہے اور بیع منابذہ اور بیع ملامسہ سے منع فرمایا۔ (بخاری)

باب لا تتحری الصلوۃ قبل غروب الشمس

باب سورج غروب ہونے سے پہلے نماز کا قصد نہ کرے

اس عنوان کے ماتحت امام نے وہی حدیثیں ذکر کی ہیں جو اوپر گزر چکی ہیں۔ ان میں سے دو یہ ہیں۔

عن ابی سعید قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لا صلوۃ بعد الصبح حتی ترتفع الشمس ولا صلوۃ بعد العصر حتی تغیب الشمس (بخاری)

حضرت ابو سعید فرماتے ہیں۔ میں نے حضور علیہ السلام کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ نماز فجر کے بعد سے سورج بلند ہونے تک اور نماز عصر کے بعد سے سورج غروب ہونے تک کوئی نماز نہ پڑھو۔

اس حدیث کو مسلم و نسائی نے کتاب الصلوۃ میں ذکر کیا ۲۔ لاصلوۃ میں لا یا تو نفی جنس کے لیے ہے تو تقدیر عبارت یہ ہوگی لا صلوۃ صالحۃ بعد الصبح۔ بعض نے کہا لا نہی کے لیے ہے تو تقدیر عبارت یہ ہوگی لا تصلوا (۳)

عن معاویۃ رضی اللہ عنہ قال انکم لتصلون صلوۃ لقد صحبنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فما رأیناہ یصلیہما ولقد نھی عنھما یعنی الرکعتین بعد العصر۔

حضرت معاویہ نے کہا تم لوگ ایسی نماز پڑھتے ہو کہ ہم حضور کی صحبت میں رہے۔ ہم نے آپ کو یہ نماز پڑھتے نہیں دیکھا بلکہ آپ نے اس سے منع کیا یعنی عصر کے بعد دو رکعت نفل پڑھنے سے۔

یہ دونوں حدیثیں اپنے مضمون میں واضح ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ عصر کے بعد سے لے کر غروب شمس تک اور فجر کے بعد سے طلوع شمس تک نوافل پڑھنا مکروہ ہے۔

باب من لم یکرہ الصلوۃ الا بعد العصر والفجر

باب اس شخص کی دلیل جس نے عصر اور فجر کے بعد نماز پڑھنے کو مکروہ نہ رکھا

عن ابن عمر قال اصلی کما رأیت اصحابی یصلون لا انھی احدا یصلی بلیل او نھار ما شاء غیر ان لا تحروا طلوع الشمس ولا غروبھا (بخاری)

حضرت عبداللہ بن عمر نے فرمایا میں تو اسی طرح نماز پڑھتا ہوں جیسے میں نے اپنے ساتھیوں کو دیکھا۔ میں کسی کو رات اور دن میں کسی وقت میں نماز پڑھنے سے منع نہیں کرتا مگر طلوع و غروب شمس کے وقت نماز کا قصد نہ کرے۔

فوائد و مسائل بلیل او نھار کی جگہ بلیل ولا نھار بھی آیا ہے۔ اس حدیث سے حضرت امام مالک نے یہ استدلال فرمایا کہ استواء کے وقت نماز جائز ہے۔ امام شافعی نے فرمایا کہ سوا جمعہ کے اور کوئی نماز جائز نہیں۔ لیکن استواء کے وقت جمعہ کے جواز کی حدیث سے امام شافعی استدلال فرماتے ہیں وہ غریب ہے (عینی ج ۲ ص۵۹۹) بہرحال سند مختلف فیہ ہے اور احناف کا مسلک یہ ہے عصر و فجر کی نماز کے بعد نوافل پڑھنا مکروہ ہے اور طلوع و غروب اور استواء شمس (یعنی نصف النہار) ان تینوں وقتوں میں کوئی نماز جائز نہیں ہے۔ نہ فرض، نہ واجب، نہ نفل، نہ قضا، ان تینوں وقتوں میں سجدہ تلاوت و سجدہ سہو بھی ناجائز ہے۔ اور اوقات ممنوعہ یعنی طلوع و غروب اور استواء کے وقت نماز جنازہ اگر آجائے تو پڑھ لیا جائے۔ اس میں کوئی کراہت نہیں۔ کراہت اس صورت میں ہے جب پیشتر سے جنازہ موجود ہے اور تاخیر کی یہاں تک کہ وقت کراہت آگیا۔

طلوعِ آفتاب و غروبِ آفتاب اور نصف النہار کے وقت نماز جائز نہیں ہے

۱- حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِذَا بَدَا حَاجِبُ الشَّمْسِ فَاخِّرُوا الصَّلٰوةَ حَتّٰى تَبْرُزَ فَاِذَا غَابَ حَاجِبُ الشَّمْسِ فَاَخِّرُوا الصَّلٰوةَ حَتّٰى تَغِيْبَ۔ (مسلم شریف)

جب آفتاب کا کنارہ ظاہر ہو جائے تو نماز کو موقوف کر دو یہاں تک کہ آفتاب پورا نکل آئے۔ اور جب آفتاب کا کنارہ غروب ہو جائے جب بھی نماز نہ پڑھو۔ یہاں تک کہ پورا آفتاب غروب ہو جائے۔

۲- پھر حضور نے فرمایا۔

فَاِذَا انْتَصَفَ النَّهَارُ فَاقْصُرْ عَنِ الصَّلٰوةِ حَتّٰى تَمِيْلَ الشَّمْسُ (بیہقی) جب نصف النہار کا وقت ہو تو نماز نہ پڑھو یہاں تک کہ سورج زائل ہو جائے

بَابُ مَا يُصَلّٰى بَعْدَ الْعَصْرِ مِنَ الْفَوَائِتِ وَنَحْوِهَا

باب عصر کے بعد قضاء نماز یا اس کی مثل (مثلاً جنازہ) کی نماز پڑھنا

واضح ہو کہ احناف کے نزدیک نماز فجر و عصر کے بعد نوافل ممنوع ہیں لیکن فجر و عصر کے بعد قضا نماز اور نماز جنازہ پڑھ سکتے ہیں۔ طلوعِ فجر سے طلوعِ آفتاب تک کہ اس درمیان میں سوا دو رکعت سنت فجر کے کوئی نفل جائز نہیں ہے حتیٰ کہ اگر فجر کی سنتیں رہ جائیں تو ان کو بھی نماز فجر کے بعد نہ پڑھے بلکہ جب سورج پورا نکل آئے تو ادا کرے۔ اسی طرح نماز عصر سے آفتاب زرد ہونے تک نفل منع ہے

وَقَالَ كُرَيْبٌ عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ صَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ الْعَصْرِ الرَّكْعَتَيْنِ وَقَالَ شَغَلَنِيْ نَاسٌ مِنْ عَبْدِ الْقَيْسِ عَنِ الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الظُّهْرِ۔

کُریب نے حضرت ام سلمہ سے روایت کی کہ حضور علیہ السلام نے عصر کے بعد دو رکعت (ظہر کی سنت) پڑھیں فرمایا وفد عبد القیس نے مجھے ظہر کی دو رکعت پڑھنے کا موقع نہیں دیا۔

لیکن حدیث ترمذی میں ہے حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام نے ظہر کی دو سنتیں جو رہ گئی تھیں وہ عصر کے بعد پڑھیں

ثُمَّ لَمْ يَعُدْ

پھر آپ نے ایسا نہیں کیا۔

وحدیث ابن عباس صحیح من حدیث عائشہؓ لما یاتی فیہ من الاضطراب - فافہم

قَالَتْ وَالَّذِيْ ذَهَبَ بِهٖ مَا تَرَكَهُمَا حَتّٰى لَقِيَ اللّٰهَ وَمَا لَقِيَ اللّٰهَ حَتّٰى ثَقُلَ عَنِ الصَّلٰوةِ وَكَانَ يُصَلِّيْ كَثِيْرًا مِنْ صَلٰوتِهٖ قَاعِدًا تَعْنِي الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْهِمَا وَلَا يُصَلِّيْهِمَا فِي الْمَسْجِدِ مَخَافَةَ اَنْ يُثَقِّلَ عَلٰى اُمَّتِهٖ وَكَانَ يُحِبُّ مَا يُخَفِّفُ عَنْهُمْ۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے فرمایا کہ مجھے اس ذات مقدس کی قسم جس نے حضور کو اپنے پاس بلایا حضور نے رب سے ملنے تک ان دو رکعتوں کو نہیں چھوڑا اور حضور اپنے رب سے نہیں ملے اور اپنی نماز کو اکثر بیٹھ کر پڑھتے دو رکعتوں سے عصر کے بعد دو رکعت پڑھنا مراد ہیں اور حضور ان کو مسجد میں اس لئے نہیں پڑھتے تھے کہ امت پر بار ہوگا۔ اور آپ امت سے تخفیف پسند فرماتے تھے

مَا تَرَكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السَّجْدَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ عِنْدِيْ قَطُّ۔ (بخاری)

حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام نے عصر کے بعد یہ دو رکعتیں کبھی میرے پاس آکر نا غہ کیں۔

قَالَتْ رَكْعَتَانِ لَمْ يَكُنْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَعُهُمَا سِرًّا وَعَلَانِيَةً رَكْعَتَانِ قَبْلَ صَلٰوةِ الصُّبْحِ وَرَكْعَتَانِ بَعْدَ الْعَصْرِ۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ صبح کی سنتیں اور دو رکعتیں عصر کے بعد حضور نے ان کو کبھی نہیں چھوڑا۔ نہ سراً نہ علانیہ۔

قَلَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَاتِيْنِيْ فِيْ يَوْمٍ بَعْدَ الْعَصْرِ اِلَّا صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ۔ (بخاری)

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضور جب بھی عصر کے بعد میرے ہاں تشریف لاتے تو دو رکعتیں ضرور پڑھتے۔

فوائد و مسائل ان تمام حدیثوں سے واضح ہوتا ہے کہ حضور سید عالم نورِ مجسم صلے اللہ علیہ وسلم نمازِ عصر کے بعد دو رکعت نفل ادا فرمایا کرتے تھے۔ انھیں احادیث سے علماء کی ایک جماعت نے عصر کے بعد نفل پڑھنے کو جائز قرار دیا ہے لیکن اصل یہ ہے کہ عصر کے بعد نفل پڑھنا حضور کے خصوصیات سے ہے اور دلیل اس کی حدیث ابو داؤد ہے۔ حضرت ذکوان حضرت عائشہ کے آزاد کردہ غلام کہتے ہیں کہ جناب عائشہ صدیقہ نے فرمایا۔

۱۔ انه صلی الله علیه وسلم کان یصلی بعد العصر و ینهیٰ عنها و یواصل و ینهیٰ عن الوصال۔ (ابو داؤد)

کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کے بعد خود تو نفل پڑھے لیکن لوگوں کے لیے ممانعت فرمائی۔ اسی طرح خود تو صوم وصال رکھے مگر دوسروں کو منع فرمایا۔

۲۔ اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ اس شخص کو جو عصر کے بعد نفل پڑھے سزا دیتے تھے اور یہ کام وہ مجمع صحابہ میں کرتے تھے لیکن کسی نے اعتراض نہ کیا۔ (طحاوی باسانید صحیحہ)

اس سے صریح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ عصر کے بعد نفل پڑھنا حضور علیہ السلام کے خصوصیات سے تھا۔

بَابُ التَّبْكِيْرِ بِالصَّلٰوةِ فِيْ يَوْمِ غَيْمٍ

باب ابر والے دن نماز میں تعجیل کرنا

قَالَ كُنْتُ مَعَ بُرَيْدَةَ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ غَيْمٍ فَقَالَ بَكِّرُوْا بِالصَّلٰوةِ فَاِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ تَرَكَ صَلٰوةَ الْعَصْرِ حَبِطَ عَمَلُهٗ۔

عامر بن اسامہ ہذلی نے بیان کیا کہ ہم بریدہ بن حصیب صحابی کے ہمراہ تھے۔ اس دن ابر تھا تو انھوں نے کہا کہ نماز جلدی پڑھو کیونکہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ جو کوئی عصر چھوڑ دے اس کا عمل برباد ہوگیا۔

فوائد و مسائل یہ حدیث عنوان کے دو وجوہ سے مطابق نہیں ہے۔ اول اس لیے کہ حدیث میں عصر کی نماز میں تعجیل کا ذکر ہے اور عنوان ہے تمام نمازوں میں تعجیل کے متعلق اسی طرح عنوان حضرت بریدہ کے قول کے مطابق تو ہے مگر حدیث کے مطابق نہیں البتہ بطور اشارہ مطابقت پیدا کرنے کی یہ صورت ہو سکتی ہے کہ حضرت بریدہ نے ابر والے دن نماز جلدی پڑھنے کے لیے کہا تو اس وقت کہا جب کہ عصر کا وقت ہو گیا تھا اور چونکہ ابر تھا۔ اس لیے اگر دیر کی جاتی تو نماز کا وقت گزر جانے کا اندیشہ تھا اور اگر اس میں تاخیر ہوتی اور وقت عصر ختم ہو جاتا تو فعل وعید کے تحت آجاتا (یعنی وہ وعید جو عصر کے متعلق حدیث بذا میں ہے) اور ظاہر ہے کہ تمام نمازیں حرمت میں برابر ہیں۔

واضح ہو کہ احناف کے نزدیک تمام نمازوں میں (سوائے مغرب کے مطلقاً اور عصر وعشاء میں ابر والے دن فقط) تاخیر مستحب ہے اور امام شافعی کے نزدیک تمام نمازوں میں سوائے عشاء کے تعجیل مستحب ہے۔

بَابُ الْاَذَانِ بَعْدَ ذَهَابِ الْوَقْتِ

باب وقت گزر جانے کے بعد اذان دینا

۱۔ اس مسئلہ میں احناف کا مسلک یہ ہے کہ جماعت عصر کی نماز قضا ہو گئی تو اذان و اقامت سے پڑھیں اور اکیلا بھی قضا کے لیے اذان

واقامت کرسکتا ہے۔ جبکہ جنگل میں تنہا ہو۔ ورنہ قضا کا اظہار گناہ ہے۔ لہٰذا مسجد میں قضا پڑھنا مکروہ ہے۔ پڑھے تو اذان نہ کہے چنانچہ حدیث میں ہے کہ حضور کی نماز فجر قضا ہوگئی تو آپ نے اذان دینے کا حکم دیا اور پھر دو رکعت سنت فجر ادا کی اس کے بعد باجماعت فجر کی نماز پڑھی۔
حضرت امام اعظم ابوحنیفہ۔ شافعی (فی القدیم) واحمد وابو ثور وابن المنذر کا یہی مسلک ہے۔

قضا نماز کے لیے اذان و اقامت کہی جائے

۲۔ اگر اہل جماعت سے چند نمازیں قضا ہوگئیں تو پہلی کے لیے اذان و اقامت دونوں کہیں اور باقیوں میں اختیار ہے خواہ دونوں کہیں یا صرف اقامت پر اکتفا کریں اور دونوں کہنا بہتر ہے۔ یہ اس صورت میں ہے کہ ایک مجلس میں وہ سب پڑھیں اور اگر مختلف اوقات میں پڑھیں تو ہر مجلس میں پہلی کے لیے اذان کہیں جیسا کہ ترمذی کی روایت میں ہے کہ یوم خندق کے دن چار نمازیں قضا ہوگئیں۔ یہاں تک کہ رات کا کچھ حصہ گذر گیا۔ پھر حضور علیہ السلام نے اذان کا حکم دیا۔ اس کے بعد اقامت ہوئی اور ظہر کی نماز پڑھی۔ پھر اقامت ہوئی تو عصر کی۔ پھر اقامت ہوئی تو مغرب کی۔ پھر اقامت ہوئی تو عشاء کی نماز پڑھی۔

۳۔ چنانچہ اس عنوان کے ماتحت حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ قضا نماز کے لیے اذان دی جائے۔ حضرت امام احمد و ابوحنیفہ، ابوثور و ابن منذر اور اوزاعی رضی اللہ تعالے عنہم کا یہی مسلک ہے۔ حتیٰ کہ امام نووی نے لکھا کہ صحیح یہ ہے کہ قضا نماز کے لیے اذان دی جائے کیونکہ ابوقتادہ وغیرہ کی صحیح حدیثوں سے یہی ثابت ہے۔

۴۔ اور امام مالک اور امام شافعی کا قول جدید یہ ہے کہ قضا نماز کے لیے اذان نہ دی جائے اور جن احادیث میں اذان کا ذکر ہے۔ سے مراد تکبیر لیتے ہیں اور اس حدیث سے دلیل پکڑتے ہیں کہ خندق کے دن چار نمازیں قضا ہوئیں۔ مگر ان میں اذان کا ذکر نہیں۔ ظاہر ہے کہ اذان سے مراد تکبیر لینا یہ محض ایک تاویل ہے۔ رہا اذان کا عدم ذکر تو عدم ذکر عدم شئی کو کب مستلزم ہے۔ علاوہ ازیں حدیث مسلم واحمد و نسائی بروایت ابوہریرہ میں اذان کا ذکر ہے اور حدیث مسند احمد و نسائی و ترمذی بروایت عبداللہ بن مسعود میں خندق کی قضا نمازوں کے متعلق پہلی کے لیے اذان و اقامت کا ذکر ہے۔ امام طحاوی علیہ الرحمۃ نے عمران بن حصین سے روایت صحیح کی۔ جس میں قضا کے بیے اذان و تکبیر کا ذکر ہے۔ زیلعی نے تخریج ہدایہ میں کہا حضرت ابوہریرہ، عمران بن حصین۔ عمرو بن امیہ ضمری و ابن مسعود کی احادیث میں اذان و اقامت کا ذکر ہے۔ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ قضا نماز کے لیے اذان و اقامت مشروع ہے۔ البتہ یہ اختیار ہے کہ تو پہلی کے لیے اذان دی جائے اور باقی کے لیے صرف تکبیر پر اکتفا کیا جائے (رضی اللہ تعالے عنہم)

قَالَ سِرْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً فَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ لَوْعَرَّسْتَ بِنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ أَخَافُ أَنْ تَنَامُوْا عَنِ الصَّلٰوةِ قَالَ بِلَالٌ أَنَا أُوْقِظُكُمْ فَاضْطَجَعُوْا وَأَسْنَدَ بِلَالٌ ظَهْرَهُ إِلٰى رَاحِلَتِهٖ فَغَلَبَتْهُ عَيْنَاهُ فَنَامَ فَاسْتَيْقَظَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

ابوقتادہ حارث بن ربعی کہتے ہیں۔ ہم خیبر سے لوٹ رہے تھے کہ بحضور نبوی حاضر ہونے تو بعض لوگوں نے عرض کی۔ یا رسول اللہ اگر آپ ہمارے ساتھ آرام فرمائیں! حضور نے فرمایا۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں تمہاری آنکھ لگ جائے اور نماز فجر کے لیے نہ اٹھو۔ حضرت بلال نے عرض کیا۔ میں جگاؤں گا۔ پھر صحابہ لیٹ رہے اور بلال نے اپنی پیٹھ اونٹنی سے لگائی۔ اور

لہ یہ تخیر کا قول اس لیے کہا گیا ہے کہ ایک روایت میں قضاهن صلى الله عليه وسلم بالأذان والاقامة اور دوسری میں باذان واقامة لاولى واقامة لكل واحد عن البواقی وارد ہوا ہے اس اختلاف کی وجہ سے احناف نے تخیر کا قول کیا

وَقَدْ طَلَعَ حَاجِبُ الشَّمْسِ فَقَالَ يَا بِلَالُ أَيْنَ مَا قُلْتَ قَالَ مَا أُلْقِيَتْ عَلَيَّ نَوْمَةٌ مِثْلُهَا قَطُّ قَالَ إِنَّ اللهَ قَبَضَ أَرْوَاحَكُمْ حِينَ شَاءَ وَرَدَّهَا عَلَيْكُمْ حِينَ شَاءَ يَا بِلَالُ قُمْ فَأَذِّنْ بِالنَّاسِ بِالصَّلٰوةِ فَتَوَضَّأَ فَلَمَّا ارْتَفَعَتِ الشَّمْسُ وَابْيَاضَّتْ قَامَ فَصَلّٰى۔ (بخاری)

نیند کے غلبے سے سو گئے۔ پھر حضور علیہ السلام بیدار ہوئے تو اس وقت سورج کا کنارہ نکل آیا تھا۔ فرمایا بلال تمہارا جگانے کا قول کیا ہوا؟ عرض کی حضور مجھے ایسی نیند کبھی نہیں آئی۔ حضور نے فرمایا۔ اللہ تعالےٰ نے جب چاہا۔ تمہاری روحوں کو قبض کر لیا اور جب چاہا پھر تم کو دے دیں۔ بلال اٹھو اذان کہو بلال نے اذان دی۔ حضور نے وضو فرمایا۔ جب سورج بلند ہوا تو نماز پڑھی۔

فوائد و مسائل امام نے اس حدیث کو توحید میں ابوداؤد نے صلوٰۃ میں اور نسائی نے صلوٰۃ و تفسیر میں ذکر کیا —— عرست لو کا جواب لو محذوف ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے۔ لکان اسہل علینا یا لو تمنا کیلئے ہے تعریس کے معنی رات کے آخری حصہ میں آرام کے لیے ٹھہرنے کے ہیں۔ وابیاضت بروزن افعالت ابیضاض سے مبالغہ پر دال ہے۔ مطلب یہ ہے کہ فجر کی نماز حضور نے اس رات قضا پڑھی جب کہ سورج خوب اچھی طرح روشن ہو گیا تھا۔ حدیث ہٰذا مسائل ذیل پر مشتمل ہے۔

۱۔ امام کا غزوات میں شریک ہونا ۲۔ امام سے مصالح دینی بلکہ دنیوی جب کہ اس میں خیر ہو طلب کرنا جائز ہے ۳۔ امام کا یہ فرض ہے کہ وہ مصالح دینی کا خیال رکھے ۴۔ قضا نماز پڑھنے کے لیے اذان کہنا ۵۔ قضا نماز کو فی الفور ادا کرنا واجب نہیں ہے لیکن ادائیگی میں جلدی کرنا مطلوب ہے تاکہ فرض سے سبکدوشی ہو ۶۔ اوقاتِ ممنوعہ میں قضا نماز کی جا سکے ۷۔ قضا نماز با جماعت پڑھنا جائز ہے۔ ۸۔ اس حدیث میں اس امر کی دلیل قوی ہے کہ طلوع شمس کے وقت نماز جائز نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے اس وقت ادا فرمائی جب کہ سورج خوب اچھی طرح ظاہر ہو گیا ۹۔ اگر نیند کے غلبہ سے نماز قضا ہو گئی۔ یعنی عزم و ارادہ تو یہی تھا کہ نماز وقت پر پڑھ لیں لیکن غلبہ نیند کی وجہ سے بلا اختیار نماز قضا ہو گئی۔ تو کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ بیدار ہونے پر قضا کر لے ۱۰۔ بعض مالکیہ نے حدیث زیر بحث سے یہ استدلال کیا کہ حضور نے فجر کی نماز قضا پڑھی۔ مگر سنت کے قضا کرنے کا اس میں چونکہ ذکر نہیں۔ اس لیے سنت فجر کی قضا نہ چاہیئے لیکن یہ استدلال صحیح نہیں کیونکہ عدم ذکر عدم شی کو مستلزم نہیں ہوتا۔ ثانیاً اگرچہ اس حدیث میں سنت فجر کی قضا کا ذکر نہیں ہے مگر دوسری روایت میں سنتِ فجر کے قضا کرنے کا بھی ذکر ہے چنانچہ۔ حدیث صحیح مسلم بروایت ابوقتادہ میں و حدیث مسند احمد و مسلم و نسائی بروایت ابوہریرہ، طحاوی بروایت عمران بن حصین میں۔ اسی طرح حدیث مسند بزار و مسند احمد و ابن حبان میں سنتِ فجر کی قضا کا بھی ذکر ہے۔ خلاصہ یہ کہ حدیث زیر بحث سے ثابت ہوا کہ قضاء نماز کو با جماعت اذان و اقامت کے ساتھ ادا کرنا اور فجر کی سنتوں کی بھی قضا کا مشروع ہے۔ (واللہ اعلم)

فائدہ حدیث زیر بحث کا یہ پہلو بھی قابل بیان ہے کہ جب صحابہ نے عرض کی حضور رات یہاں آرام فرمائیں تو حضور نے فرمایا اخاف ان تناموا مجھے ڈر ہے کہ تمہاری آنکھ لگ جائے اور نماز فجر قضا ہو جائے۔ تناموا خطاب ہے صحابہ کرام کو اور اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے۔ میں تو بحالتِ خواب بھی بیدار رہتا ہوں اور میرا قلب اقدس تو جاگتا رہتا ہے۔ لہٰذا نماز تمہارے سونے کی وجہ سے قضا ہوگی۔ چنانچہ حضور نے جیسا فرمایا ویسا ہی ہوا اسی طرح نماز قضا ہو کر رہی اور حکمت اس میں یہی تھی کہ قضا نماز کے پڑھنے کا طریقہ اور اس کے متعلقہ احکام و مسائل امت کو معلوم ہو جائیں۔ چنانچہ موطا کی حدیث سے تو ان امور کی صریح طور پر نشاندہی ہوتی ہے۔

حضرت زید ابن اسلم رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے راستے میں ایک جگہ رات گزاری

اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا کہ وہ صبح کی نماز کے لیے لوگوں کو بیدار کر دیں۔ پس لوگ بھی سو گئے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ بھی سو گئے۔ یہاں تک کہ سب لوگ اس وقت بیدار ہوئے۔ جب ان پر اچھی طرح سورج نکل آیا۔ اور جب بیدار ہوئے تو نماز فجر قضا ہو جانے کی وجہ سے بہت گھبرائے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے انھیں سوار ہونے اور وہاں سے نکل جانے کا حکم دیا اور ارشاد فرمایا کہ اس وادی میں شیطان ہے۔ صحابہ کرام وہاں سے سوار ہو کر نکل گئے اس کے بعد حضور علیہ السلام نے انھیں اترنے اور وضو کرنے کا حکم دیا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان و تکبیر کہنے کے لیے ارشاد فرمایا۔ اس کے بعد حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو نماز پڑھائی۔

ثُمَّ انْصَرَفَ اِلَیْهِمْ وَقَدْ رَاٰی مِنْ فَزَعِهِمْ فَقَالَ
یٰاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّ اللّٰهَ قَبَضَ اَرْوَاحَنَا وَلَوْ شَاءَ لَرَدَّهَا
اِلَیْنَا فِیْ حِیْنٍ غَیْرِ هٰذَا فَاِذَا رَقَدَ اَحَدُکُمْ عَنِ الصَّلٰوةِ
اَوْ نَسِیَهَا ثُمَّ فَزِعَ اِلَیْهَا فَلْیُصَلِّهَا کَمَا کَانَ یُصَلِّیْهَا
فِیْ وَقْتِهَا ثُمَّ الْتَفَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ
اِلٰی اَبِیْ بَکْرٍ فَقَالَ اِنَّ الشَّیْطَانَ اَتٰی بِلَالًا وَهُوَ قَائِمٌ
یُصَلِّیْ فَاَضْجَعَهٗ فَلَمْ یَزَلْ یُهَدِّئُهٗ کَمَا یُهَدَّأُ الصَّبِیُّ
حَتّٰی نَامَ۔ ثُمَّ دَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِلَالًا
فَاَخْبَرَ بِلَالٌ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَ
الَّذِیْ اَخْبَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَبَا بَکْرٍ
فَقَالَ اَبُوْ بَکْرٍ اَشْهَدُ اَنَّکَ رَسُوْلُ اللّٰهِ (موطا امام محمد)

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کی گھبراہٹ کو دیکھ کر فرمایا کہ اے لوگو! بےشک اللہ تعالے نے ہماری جانوں کو روک رکھا ہے اگر وہ چاہتا تو اس وقت کے علاوہ کسی دوسرے وقت میں ہماری جانوں کو ہماری طرف پھیر دیتا۔ لہٰذا تم میں سے کوئی اپنی نماز سے سو جائے یا نماز پڑھنا بھول جائے تو پھر وہ نماز کے لیے گھبرا کر اٹھے تو اسے چاہیئے۔ وہ اس وقت اپنی نماز کو اسی طرح پڑھے جس طرح اس کے اصل وقت میں پڑھتا تھا اس کے بعد حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالے عنہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ شیطان بلال رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اس حال میں کہ وہ کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے اس نے انھیں لٹا دیا پھر انھیں تھپکتا رہا۔ جیسے کسی بچے کو تھپکا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ سو گئے۔ یہ فرما کر حضور علیہ السلام نے حضرت بلال رضی اللہ تعالے عنہ کو بلایا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے حاضر ہو کر اپنا سارا واقعہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے بالکل اسی طرح بیان کیا جس طرح ان کے آنے سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرما چکے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالے عنہ نے جب حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ مشاہدہ کیا تو بے ساختہ کہہ اٹھے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔

موطا شریف کی اس حدیث سے حسب ذیل امور جو کسی چیز مان کے ثابت ہوتے ہیں۔

۱۔ حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم بحالت خواب بیدار رہتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی چشمان مبارک سوتی ہیں اور قلب اطہر جاگتا رہتا ہے۔

۲۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالے عنہ پر اس رات جو واقعہ گذرا اس کا پورا پورا حال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا۔

۳۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کو ورغلانے اور انھیں اللہ تعالے کی طاعت و عبادت سے روکنے کے لیے شیطان جو کرتا ہے اس کا کوئی داؤ پیچ اور کسی قسم کا کوئی کارنامہ ایسا نہیں جو نگاہ رسالت سے مخفی ہو۔

۴۔ حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم سوتے جاگتے کسی وقت اپنے غلاموں کے حال سے بے خبر نہیں۔

۵۔ باوجود علم کے کسی بات کا ظاہر نہ کرنا حکمت اور مصلحت پر مبنی ہوتا ہے۔

۶۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے پاس شیطان کا آنا اور انھیں بچے کی طرح تھپکنا اور ان کو سلا دینا امور غیبیہ سے متعلق ہے۔ حضور صلی اللہ

نے اس کا مشاہدہ کیا، اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اپنے مشاہدہ کو بیان فرمایا۔ صدیقِ اکبرؓ نے اس مبارک بیان کو سن کر حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے کی گواہی دی۔ اس موقع پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی اس گواہی سے ثابت ہوا
انبیاء علیہم السلام کا مشاہدہ غیب شرک نہیں۔ بلکہ ان کی غیب دانی ان کی نبوت و رسالت کی چمکتی ہوئی دلیل ہے۔

۷۔ شیطان کا یہ حال ہے کہ وہ بنی آدم کے ساتھ اپنی دشمنی پوری کرنے کے لیے ہر وقت لگا ہوا ہے۔ دن رات، بیداری و خواب، سفر و حضر، وادی و صحرا ہر جگہ ہر وقت انسان کے ساتھ رہتا اور اس کو اپنی نظر میں رکھتا ہے۔

۸۔ نماز کا قضا ہو جانا اگرچہ غیر اختیاری طور پر ہو، مسلمان کے لیے طبعاً اور فطرتاً وحشت اور گھبراہٹ کا موجب ہوتا ہے۔ نماز کی طرف سے لاپروائی کرنے والوں کو اس حدیث سے سبق حاصل کرنا چاہیئے۔

۹۔ جن مقامات پر شیطانی اثرات نمایاں ہوں، مسلمانوں کو ان سے بچنا چاہیئے اس میں ان لوگوں کے لیے عبرت ہے جو لہو و لعب اور معصیت کے مقامات پر بے دھڑک جانے اور وہاں ٹھہرنے سے اجتناب نہیں کرتے۔

۱۰۔ سو جانے یا بھول جانے کی وجہ سے اگر نماز قضا ہو جائے تو یاد آنے اور بیدار ہونے کے بعد وہ نماز اسی طرح پڑھنی چاہیئے جس طرح اس کے وقت میں پڑھی جاتی ہے۔

۱۱۔ اپنے رفقاء کو ان کی سخت گھبراہٹ اور خوفزدہ ہونے کی حالت میں بتقاضائے مصلحت تسلی دینا مکارمِ اخلاق میں داخل ہے۔

بَابُ مَنْ صَلّٰى بِالنَّاسِ جَمَاعَةً بَعْدَ ذَهَابِ الْوَقْتِ

باب وقت گزر جانے کے بعد قضاء نماز باجماعت پڑھنا

۔ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ جَاءَ يَوْمَ الْخَنْدَقِ بَعْدَ مَا غَرَبَتِ الشَّمْسُ فَجَعَلَ يَسُبُّ كُفَّارَ قُرَيْشٍ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا كِدْتُ اُصَلِّي الْعَصْرَ حَتّٰى كَادَتِ الشَّمْسُ تَغْرُبُ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاللّٰهِ مَا صَلَّيْتُهَا فَقُمْنَا اِلٰى بُطْحَانَ فَتَوَضَّأَ لِلصَّلٰوةِ وَتَوَضَّأْنَا لَهَا فَصَلَّى الْعَصْرَ بَعْدَ مَا غَرَبَتِ الشَّمْسُ ثُمَّ صَلّٰى بَعْدَهَا الْمَغْرِبَ۔ (بخاری)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ غزوۂ خندق کے دن اس وقت آئے جبکہ سورج غروب ہو گیا تھا تو وہ کفار کو برا بھلا کہنے لگے اور عرض کی یارسول اللہ میں نماز عصر اس وقت تک نہ پڑھ سکا کہ سورج ڈوبنے ہی کو تھا۔ حضور نے فرمایا۔ بخدا میں نے بھی ابھی تک نہیں پڑھی۔ پھر ہم بطحان کی طرف روانہ ہوئے اور حضور نے نماز کے لیے وضو کیا۔ ہم نے بھی وضو کیا۔ تو آپ نے نمازِ عصر غروب آفتاب کے بعد ادا فرمائی۔ اس کے بعد نمازِ مغرب ادا فرمائی۔

فوائد و مسائل اس حدیث کو امام نے باب صلوٰۃ الخوف اور مغازی میں۔ مسلم، ترمذی و نسائی نے صلوٰۃ میں ذکر کیا ہے کلاد اثبات میں نفی اور نفی میں اثبات کا معنی پیدا کرتا ہے۔ یہاں صلوٰۃ پر کاد منفی ہے اور غروب پر کاد مثبت تو خلاصہ یہ کہ نماز کا اثبات اور غروب کی نفی ہو گی۔ حدیث ہذا مسائل ذیل پر مشتمل ہے۔

۱۔ مشرکین کو برا بھلا کہنا جائز ہے مگر فحش گوئی جائز نہیں ۲۔ کسی مصلحت دینی کی وجہ سے کسی بات کو حلفیہ بیان کرنا جائز ہے۔ حضور نے جناب عمرؓ کے اطمینانِ قلبی کے لیے قسم اٹھائی تھی ۳۔ ظاہر یہی ہے۔ حضورؐ نے قضا نماز باجماعت ادا فرمائی۔ چنانچہ اسماعیلی کی روایت میں فصلی بنا ہم۔ اور ہشام کی روایت میں فصلی بنا کے لفظ بھی ہیں ۴۔ نماز وقتی و فائتہ میں ترتیب ضروری ہے۔ حضرت نخعی، زہری، یحییٰ انصاری، لیث، امام مالک، احمد، اسحاق و امام ابوحنیفہ و حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم کا یہی مسلک ہے ۵۔ اس حدیث میں اذان کا ذکر نہیں۔ حالانکہ مغرب کے لیے اذان ضرور ہوئی ہو گی تو راوی نے اذان کا ذکر اس لیے نہیں کیا کہ حضورؐ کی عادت کریمہ ہی یہی تھی کہ

آپ وقتی نماز کے لیے مزید وقت کموانے تھے ۔ ۶۔ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ مغرب کا وقت اتنا تنگ نہیں ہوتا کہ اس میں صرف مغرب کی نماز ہی ادا ہو سکے اور اس کا رد ہے جو ضیق وقت مغرب کے قائل ہیں۔

توضیحات حدیث زیر بحث کے بعض پہلو یہ بھی ہیں۔

۱۔ علامہ ابن العربی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ خندق کے موقع پر نماز عصر فوت ہوئی تھی اور اس کی تائید حدیث مسلم سے ہوتی ہے جس میں یہ ہے۔ لشغلونا عن الصّلوٰۃ الوسطیٰ صلوٰۃ العصر

۲۔ موطا کی روایت میں یہ ہے۔ ظہر و عصر اور حدیث ابو سعید خدری میں ظہر و عصر و مغرب اور نسائی کی حدیث میں ظہر عصر مغرب و عشاء اور ترمذی ابو عبیدہ عن ابیہ میں ہے۔ ان المشرکین شغلوا النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم عن اربع صلوات یوم الخندق کہ مشرکین نے خندق کے دن حضور علیہ السلام کو چار نمازوں سے مشغول رکھا۔ تو عشاء کے فوت ہونے کا یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ عشاء وقت معمود معروف ہوئی یہ نہیں کہ عشاء کا وقت ہی ختم ہو گیا۔ رہی یہ بات کہ مسلم میں صرف عصر کا فوت ہونا مذکور ہے اور باقی روایتوں میں ظہر و عصر و مغرب کا تو اس کا جواب یہ ہے کہ غزوہ خندق تقریباً ایک مہینہ مسلسل رہا ہے اور کفار کا محاصرہ اس قدر شدید اور پر خطر تھا کہ الامان الحفیظ۔ قبائل عرب کی فوجیں تین حصوں میں تقسیم ہو کر حملہ آور ہوئی تھیں۔ اس موقع پر متعدد بار نمازیں قضا ہوئی تھیں۔

۳۔ رہا یہ سوال کہ غزوہ خندق میں نمازوں کو کیوں فوت ہونے دیا گیا۔ وقت پر ہی کیوں نہ پڑھ لی گئیں۔ تو اس کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت نماز خوف کی آیات نازل نہیں ہوئی تھیں۔ لہٰذا آج اگر جنگ ہو تو نماز کو اس کے وقت سے مؤخر کرنا ناجائز ہو گا۔ بلکہ نمازوں کو ان کے وقت پر پڑھا جائے گا۔

بَابُ مَنْ نَسِیَ صَلوٰۃً فَلْیُصَلِّ اِذَا ذَکَرَ وَلَا یُعِیْدُ اِلَّا تِلْکَ الصَّلوٰۃَ

باب جو نماز پڑھنا بھول جائے تو جب یاد آئے اس وقت پڑھ لے اور فقط وہی نماز پڑھے

یعنی جو نماز بھولے سے رہ گئی۔ جب بھی یاد آئے خواہ کتنے ہی عرصہ کے بعد یاد آئے اس کی قضا کرے اور صرف وہی نماز پڑھے۔ یہ نفی صاحب نے ان لوگوں کا رد کیا ہے جو کہتے ہیں جب یاد آئے اس وقت پڑھے لیکن اس نماز کو پھر اس کے وقت میں دوبارہ بھی پڑھے۔ امام احمد وغیرہ کثیر جماعتوں نے یہی منع کیا۔ دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں چنانچہ مسند احمد و ابن حبان کی روایت میں یہ ہے کہ جب صحابہ نے فجر کی نماز قضا ہونے پر عرض کی۔ یا رسول اللہ ہم اس نماز کو کل فجر کے وقت میں پڑھ لیں! آپ نے جواب دیا۔ اللہ نے تم کو سود سے منع فرمایا ہے۔ کیا وہ خود سود لے گا یعنی دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ (قسطلانی عینی و فتح الباری)

وَقَالَ اِبْرَاہِیْمُ مَنْ تَرَکَ صَلوٰۃً وَّاحِدَۃً عِشْرِیْنَ سَنَۃً لَّمْ یُعِدْ اِلَّا تِلْکَ الصَّلوٰۃَ الْوَاحِدَۃَ۔

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ نَسِیَ صَلوٰۃً فَلْیُصَلِّ اِذَا ذَکَرَ لَا کَفَّارَۃَ لَہَا اِلَّا ذٰلِکَ اَقِمِ الصَّلوٰۃَ لِذِکْرِیْ۔ (بخاری)

۱۔ ابراہیم نخعی نے کہا جو کوئی بیس برس تک ایک نماز چھوڑ دے تو فقط وہی ایک نماز پڑھ لے۔

۲۔ حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو نماز پڑھنا بھول جائے تو جب یاد آئے پڑھ لے۔ اس پر کفارہ نہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اقم الصلوٰۃ لذکری۔

بھولے سے نماز رہ گئی تو جب یاد آئے پڑھ لے

۱۔ جس چیز کا بندہ پر حکم ہے اسے وقت میں بجا لانا ادا ہے اور وقت کے بعد عمل میں لانا قضا ہے اور اگر اس حکم کے بجا لانے میں کوئی خرابی پیدا ہو جائے تو دوبارہ اس خرابی کو دفع کرنے کے لیے اس کو کرنا اعادہ کہلاتا ہے ۲۔ قضا کے لیے کوئی وقت مقرر نہیں عمر میں جب بھی پڑھے گا بری الذمہ ہو جائے گا۔ لیکن طلوع و غروب و زوال کے وقت قضا نہ کرے کہ ان تینوں وقتوں میں نماز جائز نہیں ۳۔ بلا عذر شرعی نماز قضا

۔ سخت گناہ ہے۔ ایسے شخص پر فرض ہے کہ قضا پڑھے اور سچے دل سے توبہ کرے۔ توبہ سے گناہِ تاخیر بھی معاف ہو جائے گا۔ اور توبہ جب
۔ مدگی ہے کہ قضا پڑھے لیکن توبہ تو کیے جائے اور قضا نہ کرے۔ تو یہ توبہ نہیں۔ کیونکہ جو نماز اس کے ذمہ باقی ہے وہ تو اب بھی باقی ہے تو
۔ سے گناہ سے باز نہ آیا تو توبہ کہاں ہوئی! حدیث میں فرمایا۔ گناہ پر قائم رہ کر استغفار کرنے والا اس کے مثل ہے جو اپنے رب سے مذاق کرے
۔ شرح۔ حدیث زیرِ بحث سے واضح ہوا کہ بھول چوک کی وجہ سے جو نماز قضا ہو گئی تو اس کی قضا پڑھنی فرض ہے۔ البتہ قضا کا گناہ نہ ہوگا
۔ نہ نماز کی قضا کر لینا ہی اس کا کفارہ ہے اور بیدار ہونے یا یاد آنے پر اگر وقت مکروہ نہ ہو تو اسی وقت پڑھے تاخیر مکروہ ہے حضور
۔ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

۔ بذا احد کم عن الصلوٰۃ او غفل عنها فليصلها اذا ذكرها۔ (مسلم)	جو نماز سے سو جائے یا غافل ہو جائے تو جب یاد آئے پڑھ لے۔

خیکہ بھول جانے یا سو جانے کی وجہ سے جو نماز قضا ہو گئی تو کوئی جرم نہیں۔ یاد آنے یا بیداری پر قضا کرے لیکن وقت ہو جانے پر
۔ ورِ وقت کے اندر جاگ گئے پر صحیح اعتماد نہ ہو اور کسی کو جگانے پر مقرر بھی نہ کرنا اور نماز کو قضا کر دینا گناہِ عظیم ہے۔ حدیث زیرِ بحث
۔ سے ثابت ہوتا ہے کہ نماز کی تلافی نہ تو مال سے ہو سکتی ہے کہ نماز کی جگہ مال دے دے اور نہ نیابت ہی سے ہو سکتی ہے کہ کوئی دوسرا اس
۔ پڑھ لے اور فرض ذمہ سے ساقط ہو جائے بلکہ زندگی میں فوتِ نماز کو خود قضا کرنا فرض ہے۔

بَابُ قَضَاءِ الصَّلٰوةِ الْاُوْلٰى فَالْاُوْلٰى

باب ۔ اگر کئی نمازیں قضا ہو جائیں تو ان کو ترتیب سے پڑھے

۔ بر قال جاء عمر رضی اللہ عنہ يَوْمَ الْخَنْدَقِ ۔ يَسُبُّ كُفَّارَ قُرَيْشٍ فَقَالَ مَا كِدْتُ اُصَلِّي الْعَصْرَ حَتّٰى ۔ كَادَتِ الشَّمْسُ قَالَ فَنَزَلْنَا بُطْحَانَ فَصَلّٰى بَعْدَ مَا ۔ غَرَبَتِ الشَّمْسُ ثُمَّ صَلَّى الْمَغْرِبَ۔ (بخاری)	حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ خندق کے دن کفار کو برا بھلا کہتے ہوئے اور کہا سورج ڈوبنے کے قریب تک میں نماز نہیں پڑھ سکا۔ پھر ہم بطحان میں اترے۔ حضورؐ نے سورج ڈوبنے کے بعد عصر کی نماز پھر اس کے بعد مغرب کی نماز پڑھی۔

۔ نمازوں میں ترتیب واجب ہے

یہ حدیث اوپر گزر چکی ہے۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ قضا نمازوں میں ترتیب واجب ہے
سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ، امام مالک، لیث، زہری، نخعی، ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہ
۔ ہے۔ حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ حضورِ اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی چار نمازیں غزوہ خندق میں مشرکین کی وجہ سے جاتی رہیں
۔ رات کا کچھ حصہ ہو گیا تو حضورؐ نے بلالؓ کو حکم فرمایا۔ انھوں نے اذان و اقامت کہی۔ حضورؐ نے ظہر کی نماز پڑھی۔

۔ س صلاتها كما كان يصليها في وقتها (بل الاوطار ج ۲ صفحہ ۲۰، احمد ونسائی)	اور اس کو اسی طرح پڑھا۔ جیسے کہ وقت میں نماز پڑھا کرتے تھے۔

۔ مر آپ نے عصر پڑھی پھر مغرب پڑھی۔ اس سے واضح ہوا کہ پانچوں فرضوں میں باہم اور فرض و وتر میں ترتیب ضروری ہے یعنی
۔ یہ ظہر، پھر عصر، پھر مغرب، پھر عشاء پھر وتر پڑھے۔ خواہ یہ سب قضا ہوں یا بعض ادا اور بعض قضا۔ مثلاً ظہر کی نماز قضا ہو گئی تو فرض
۔ ہے پڑھ کر عصر پڑھے یا وتر قضا ہو گیا تو پہلے اسے پڑھے پھر فجر کی نماز پڑھے۔ اگر یاد ہوتے ہوتے (اسی صورت میں) عصر کی یا فجر کی پڑھ
۔ لی ہے۔ اگر وقت میں اتنی گنجائش نہیں کہ وقتی اور قضا میں سب پڑھ لے تو وقتی اور قضا نمازوں میں جس کی گنجائش ہو۔ پڑھے،
۔ ترتیب ساقط ہے۔ مثلاً عشاء و وتر قضا ہو گئے اور فجر کے وقت میں پانچ رکعت کی گنجائش ہے تو وتر و فجر پڑھ لے اور اگر چھ رکعت

کی گنجائش ہے تو عشا و فجر پڑھ لے۔ تفصیل کے لیے بہار شریعت حصہ چہارم ملاحظہ کیجیے۔
علامہ شوکانی نے لکھا کہ امام اعظم ابوحنیفہ امام مالک، لیث، زہری، نخعی اور ربیعہ کے نزدیک فوائت نماز نفل میں ترتیب واجب ہے اور امام شافعی کے نزدیک ترتیب واجب نہیں۔ یہ امام بخاری بھی وجوب کے قائل ہیں۔

بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنَ السَّمَرِ بَعْدَ الْعِشَاءِ

باب۔ نماز عشا کے بعد دنیا کی باتیں کرنا مکروہ ہے

امام بخاری علیہ الرحمۃ نے فرمایا سامِرًا کا لفظ جو قرآن میں ہے۔ (سَامِرًا تَهْجُرُونَ) سمر ہی سے نکلا ہے اور سامر کی جمع سمّار اس آیت میں جمع کے معنی میں ہے۔ امام بخاری علیہ الرحمۃ کی یہ عادت کریمہ ہے کہ اگر حدیث میں قرآن مجید کا کوئی لفظ آ جاتا ہے تو اس کی تفسیر اور قرآن مجید کے نادر لغات کے معنی بیان کر دیتے ہیں۔ سورہ مومنون پ میں مُسْتَكْبِرِينَ بِهِ سَامِرًا تَهْجُرُونَ آیا ہے۔ سامر کا لفظ سمر سے مشتق ہے۔ سمر چاند کی روشنی کو کہتے ہیں۔ عرب کی عادت تھی کہ چاندنی رات میں بیٹھ کر گپ شپ کرتے اور اسلام اور اہل اسلام کے خلاف منصوبے باندھتے تھے۔ سمر کی جمع سمار ہے۔ جیسے کاتب کو کُتّب آیت میں سامر لفظ مفرد ہے مگر معنا جمع ہے۔ سامر کا اطلاق جمع و واحد دونوں پر آتا ہے۔ رات کی باتوں کو سمر کہتے ہیں۔ اس عنوان کے تحت امام نے وہی حدیث لکھی ہے جو باب وقت الظہر میں گزر چکی ہے۔ جس میں عنوان کے مناسب یہ لفظ ہیں۔

قَالَ وَكَانَ يَكْرَهُ النَّوْمَ قَبْلَهَا وَالْحَدِيثَ بَعْدَهَا مختصرًا | اور حضور عشا کی نماز سے پہلے سو جانا اور عشا کے بعد باتیں کرنا مکروہ...

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ عشا سے پہلے سو جانا اور بعد عشا دنیا کی باتیں کرنا قصے کہانیاں سنانا مکروہ ہے اور مقصد شرع یہ ہے کہ آدمی جب سوتا ہے تو ایک طرح کی اس پر موت طاری ہو جاتی ہے لہٰذا سونے کے وقت بھی ذکر الٰہی اس کی زبان پر جاری ہو...

بَابُ السَّمَرِ فِي الْفِقْهِ وَالْخَيْرِ بَعْدَ الْعِشَاءِ

باب، نماز عشاء کے بعد مسئلے مسائل کی باتیں کرنا اور اچھی باتیں کرنا

مقصود عنوان یہ بتانا ہے کہ عشا کے بعد دنیاوی باتوں میں مشغول ہونا مکروہ ہے مگر دینی مسائل کی گفتگو اور قرآن مجید کی تعلیم ذکر و اذکار کرنا جائز بلکہ مطلوب و محبوب ہے۔ امام نے فقہ کے لفظ کے بعد خیر کا ذکر کیا ہے۔ جو کہ دینی مسائل میں بحث و مباحثہ بھی خیر ہی ہے۔ علامہ عینی نے فرمایا۔ فقہ کا خصوصیت سے ذکر فقہ کی اہمیت اور جلالت شان کی بنا پر کیا۔ عینی ج ۲ صفحہ ۱۷۱
اس عنوان کے ماتحت امام نے تین حدیثیں لکھی ہیں جو (باب السمر بالعلم) فیوض الباری پارہ اول صفحہ ۱۳۲ پر مع ترجمانی کے گزر چکی ہے یہاں ہم ان کا ترجمہ اور بعض الفاظ پر اکتفا کرتے ہیں۔
انس بن مالک نے فرمایا کہ ایک رات ہم نے حضور کے جلوہ فرما ہونے کا انتظار کیا۔ جب آدھی رات کا وقت ہو تب حجرہ مبارک سے باہر آئے اور نماز پڑھائی۔ پھر خطبہ دیا اور فرمایا۔

انکم لم تزالوا فی الصلوٰۃ ما انتظرتم الصلوٰۃ (بخاری)
قَالَ الْحَسَنُ وَاِنَّ الْقَوْمَ لَا يَزَالُوْنَ فِي خَيْرٍ مَا انْتَظَرُوا الْخَيْرَ۔
اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ ابْنَ عُمَرَ قَالَ صَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةَ الْعِشَاءِ فِي آخِرِ حَيَاتِهٖ فَلَمَّا

سن لو لوگ تو نماز پڑھ چکے اور سو رہے اور تم جب تک نماز کے انتظار میں رہے نماز...
۲۔ اور حسن بصری نے کہا۔ لوگ جب تک کسی نیک کام کے انتظار میں ہوتے ہیں تو گویا اس نیک کام میں ہی ہوتے ہیں۔
۳۔ حضرت عبد اللہ ابن عمر کہتے ہیں کہ ایک بار حضور نے اپنی حیات پاک کے آخری زمانے میں عشاء کی نماز پڑھی۔ جب سلام پھیر ہو...

قَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَرَأَيْتَكُمْ لَيْلَتَكُمْ هٰذِهِ فَإِنَّ رَأْسَ مِائَةِ سَنَةٍ لَا يَبْقَى مِمَّنْ هُوَ عَلَى ظَهْرِ الْأَرْضِ أَحَدٌ فَوَهِلَ النَّاسُ فِي مَقَالَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى مَا يَتَحَدَّثُوْنَ فِي هٰذِهِ الْأَحَادِيْثِ عَنْ مِائَةِ سَنَةٍ وَإِنَّمَا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَبْقَى مِمَّنْ هُوَ الْيَوْمَ عَلَى الْأَرْضِ يُرِيْدُ بِذٰلِكَ أَنَّهَا تَخْرِمُ ذٰلِكَ الْقَرْنَ۔ (بخاری)

کھڑے ہو کر فرمایا تم نے اس رات کو دیکھا اب سے لے کر سو برس کے ختم تک جتنے لوگ اس وقت زمین پر ہیں ان میں سے کوئی باقی نہ رہے گا ـــــ تو لوگوں نے حضور کے اس ارشاد کے مطلب سمجھنے میں غلطی کی۔ اور سو برس کے متعلق کچھ کہنے لگے۔ ابن مسعود نے یہ کہا کہ سو برس میں قیامت آ جائے گی۔ حالانکہ آپ نے یہ نہیں فرمایا۔ بلکہ یہ فرمایا کہ جو لوگ زمین پر بستے ہیں۔ ان میں کوئی باقی نہ رہے گا۔ آپ کا مطلب یہ بتانا تھا کہ سو برس میں یہ قرن گزر جائے گا۔

بَابُ السَّمَرِ مَعَ الْأَهْلِ وَالضَّيْفِ

باب: اپنی بیوی یا مہمان سے عشاء کے بعد بات کرنا

مطلب عنوان یہ ہے۔ نماز عشاء کے بعد دنیاوی باتیں کرنا مکروہ ہے۔ مگر مہمان یا اپنی بیوی کے ساتھ ضروری باتیں کرنے میں حرج نہیں ہے۔ حضرت عبد الرحمن بن ابو بکر سے روایت ہے کہ اصحاب صفہ فقیر لوگ تھے اور حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا تھا۔

مَنْ كَانَ عِنْدَهُ طَعَامُ اثْنَيْنِ فَلْيَذْهَبْ بِثَالِثٍ وَإِنْ أَرْبَعٌ فَخَامِسٌ أَوْ سَادِسٌ وَأَنَّ أَبَا بَكْرٍ جَاءَ بِثَلَاثَةٍ وَانْطَلَقَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعَشَرَةٍ قَالَ فَهُوَ أَنَا وَأَبِي وَأُمِّي وَلَا أَدْرِي هَلْ قَالَ امْرَأَتِي وَخَادِمٌ بَيْنَ بَيْتِنَا وَبَيْتِ أَبِي بَكْرٍ وَإِنَّ أَبَا بَكْرٍ تَعَشَّى عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ لَبِثَ حَيْثُ صُلِّيَتِ الْعِشَاءُ ثُمَّ رَجَعَ فَلَبِثَ حَتَّى تَعَشَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَاءَ بَعْدَ مَا مَضَى مِنَ اللَّيْلِ مَا شَاءَ اللهُ قَالَتْ لَهُ امْرَأَتُهُ مَا حَبَسَكَ عَنْ أَضْيَافِكَ أَوْ قَالَتْ ضَيْفِكَ قَالَ أَوَمَا عَشَّيْتِهِمْ قَالَتْ أَبَوْا حَتَّى تَجِيْءَ قَدْ عُرِضُوْا فَأَبَوْا قَالَ فَذَهَبْتُ أَنَا فَاخْتَبَأْتُ فَقَالَ يَا غُنْثَرُ فَجَدَّعَ وَسَبَّ وَقَالَ كُلُوْا لَا هَنِيْئًا فَقَالَ وَاللهِ لَا أَطْعَمُهُ أَبَدًا وَايْمُ اللهِ مَا كُنَّا نَأْخُذُ مِنْ لُقْمَةٍ إِلَّا رَبَا مِنْ أَسْفَلِهَا أَكْثَرُ مِنْهَا حَتَّى شَبِعُوْا وَصَارَتْ أَكْثَرَ مِمَّا

جس کے پاس دو آدمیوں کا کھانا ہو وہ تیسرا (اصحاب صفہ سے) لے جائے اور جس کے پاس چار کا ہو وہ پانچواں اور جس کے پاس پانچ کا ہو وہ چھٹا آدمی اصحاب صفہ سے لے جائے۔ تو حضرت ابو بکر تین آدمیوں کو کھانے کے لیے لے گئے اور حضور علیہ السلام دس آدمی اپنے ساتھ لے گئے۔ عبد الرحمن نے کہا گھر میں میں تھا اور میرے ماں باپ (یعنی تین فرد تھے) ابو عثمان نے کہا مجھے یہ یاد نہ رہا کہ عبد الرحمن نے اپنی زوجہ اور خدمت گار کا جو ان کے اور ابو بکر کے گھروں کا کام کرتا تھا۔ ذکر کیا یا نہیں۔ خیر حضرت ابو بکر نے شام کا کھانا حضور کے ہمراہ کھا لیا۔ پھر یہاں عشاء پڑھی وہیں ٹھہرے رہے۔ اس کے بعد بحضور نبوی آئے اور حضور کے پاس رہے۔ حتی کہ آپ نے رات کا کھانا بھی کھا لیا۔ پھر جتنی رات اللہ کو گزارنی منظور تھی اس کے گزرنے کے بعد حضرت ابو بکر گھر آئے آپ کی بیوی نے کہا۔ تم مہمانوں کو چھوڑ کر کہاں اٹک گئے۔ حضرت ابو بکر نے فرمایا۔ تم نے ان کو رات کا کھانا نہیں کھلایا آپ کی بیوی ام رومان نے جواب دیا۔ میں نے تو ان کے سامنے کھانا رکھ دیا مگر مہمانوں نے کہا جب تک ابو بکر نہ آئیں گے ہم نہیں کھائیں گے۔

كَانَتْ قَبْلَ ذٰلِكَ فَنَظَرَ اِلَيْهَا اَبُوْ بَكْرٍ فَاِذَا هِيَ كَمَا هِيَ اَوْ اَكْثَرُ فَقَالَ لِاِمْرَاَتِهٖ يَا اُخْتَ بَنِيْ فِرَاسٍ مَا هٰذَا قَالَتْ لَا وَقُرَّةِ عَيْنِيْ لَهِيَ الْاٰنَ اَكْثَرُ مِنْهَا قَبْلَ ذٰلِكَ بِثَلَاثِ مِرَارٍ فَاَكَلَ مِنْهَا اَبُوْ بَكْرٍ وَقَالَ اِنَّمَا كَانَ ذٰلِكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ يَعْنِيْ يَمِيْنَهٗ ثُمَّ اَكَلَ مِنْهَا لُقْمَةً ثُمَّ حَمَلَهَا اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَصْبَحَتْ عِنْدَهٗ وَكَانَ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمٍ عَقْدٌ فَمَضَى الْاَجَلُ فَفَرَّقَنَا اثْنَيْ عَشَرَ رَجُلًا مَعَ كُلِّ رَجُلٍ مِنْهُمْ اُنَاسٌ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ كَمْ مَعَ كُلِّ رَجُلٍ فَاَكَلُوْا مِنْهَا اَجْمَعُوْنَ اَوْ كَمَا قَالَ (بخاری)

عبدالرحمٰن نے کہا میں ڈر کر چھپ گیا تھا۔ حضرت ابوبکر نے ... او باجی اور بُرا بھلا کہا (کہ تم چھپ کیوں گئے) پھر اپنے اہل وعیال سے کہا کھاؤ یہ کھانا تمہیں ناخوشگوار نہ ہو اور بخدا میں تو اس کھانے کو نہ کھاؤں گا۔ عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ اس کھانے کا یہ حال ہوا کہ ہم ایک لقمہ اس میں سے اٹھاتے تو نیچے سے اور زیادہ بڑھ آتا۔ حتیٰ کہ مہمان سیر ہو گئے اور کھانا جتنا تھا اس سے بھی زیادہ ہو گیا۔ حضرت ابوبکر نے دیکھا کہ کھانا جوں کا توں بلکہ بڑھ گیا ہے۔ انھوں نے بیوی سے کہا۔ بنی فراس کے خاندان میں یہ کیا بات ہے۔ وہ بولیں کہ میری آنکھ کی ٹھنڈک یہ کھانا تو دیسا ہی بلکہ تگنا ہو گیا ہے۔ پھر حضرت ابوبکر نے بھی اس میں سے کھایا اور کہنے لگے۔ یہ قسم شیطان کی طرف سے تھی۔ پھر آپ وہ کھانا بحضور نبوی لاتے۔ وہ صبح تک آپ کے پاس رہا۔ عبدالرحمٰن نے کہا ہم میں اور قوم میں عہد تھا اس کی مدت گزر گئی تو ان میں سے بارہ آدمی چھٹے اور ہر ایک کے ساتھ کتنے آدمی تھے اللہ کو معلوم ہے تو سب نے کھایا یا عبدالرحمٰن نے کچھ ایسا ہی کہا۔

فوائد ومسائل اس حدیث کو امام نے علامات نبوۃ میں مسلم نے طعمہ میں اور ابوداؤد نے ایمان اور نذور میں ذکر کیا۔ حدیث ہذا امور ذیل پر مشتمل ہے۔ ۱۔ نمازِ عشاء کے بعد اپنے اہل وعیال سے ضروری باتیں کرنے میں حرج نہیں ۲۔ اصحاب صفہ جو صحابہ میں ستر یا کچھ زیادہ افراد تھے جو مسجد نبوی کے قریب ایک سایہ دار جگہ میں رہتے تھے۔ یہ کوئی دنیاوی کاروبار نہیں کرتے تھے اور ان کے کھانے کا انتظام یہ تھا کہ جس کے پاس اپنی ضرورت سے زیادہ کھانا ہوتا وہ انھیں کھلا دیا کرتا تھا ۳۔ اس میں ایثار اور جود وسخا کی تعلیم دی گئی ہے۔ ۴۔ یہ مومن کا یہ اخلاقی فرض ہے کہ جو کھانا زائد ہو تو غرباء ومساکین خصوصاً اپنے محلہ اور قریبیوں کو کھلائے ۵۔ اگر صاحب خانہ گھر پر نہ ہو تو بال بچوں کو مہمانوں کی خدمت کرنی چاہئیے ۶۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ کرامت ہے کہ وہ کھانا بست سے اگلی کے لیے اور پھر بھی بچ رہا اور یہ کہ اولیاء کی کرامات حق ہیں ۶۔ یہ کہ حضور علیہ السلام کے معجزات کبھی دوسروں سے بھی ظاہر ہوتے ہیں۔ یعنی کرامت درحقیقت نبی کا معجزہ ہوتا ہے ۷۔ بیوی کو اس کے نام کے علاوہ خطاب کرنا جائز ہے ۸۔ جس قسم کے توڑنے میں فائدہ ہو اس کو توڑ دینا چاہئیے اور کفارہ دینا چاہئیے ۹۔ صاحب خانہ کی عدم موجودگی میں مہمانوں کو کھانا کھلانا جائز ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو رحمٰن اور رحیم ہے

كِتَابُ الْاَذَانِ

بَابُ بَدْءِ الْاَذَانِ

باب "اذان کی ابتداء کیونکر ہوئی"!

عرف شرع میں اذان ایک خاص قسم کا اعلان ہے جس کے الفاظ مقرر ہیں۔ پنج وقتہ نمازیں اور جو جب جماعت سے مسجد میں وقت پر ادا کی جائیں تو ان کے لیے اذان سنت مؤکدہ ہے اور اس کا حکم مثلِ واجب ہے۔ اگر کسی نے اذان نہ کہی تو وہاں کے ...

سنگسار ہوں گے۔ حتیٰ کہ امام محمد علیہ الرحمۃ نے فرمایا اگر کسی شہر کے سب لوگ اذان ترک کر دیں تو میں ان سے قتال کروں گا اور اگر ایک شخص چھوڑ دے تو اسے ماروں گا یا قید کروں گا۔ عنوان سے اذان کی ابتدا اس کی کیفیت مشروعیت اور اس کے احکام و مسائل کا بیان مقصود ہے۔

وَقَوْلِهٖ تَعَالٰى وَإِذَا نَادَيْتُمْ إِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ جب تم نماز کے لیے بلاتے ہو تو کفار اس کو ہنسی اور کھیل بناتے ہیں۔ یہ اس لیے کہ وہ بے عقل لوگ ہیں۔

وَقَوْلِهٖ تَعَالٰى إِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ۔ الخ

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب تمہیں جمعہ کی نماز کے لیے پکارا جائے۔ الخ

ان آیتوں سے امام بخاری نے یہ واضح کیا ہے کہ اذان کی اصل قرآن سے ثابت ہے اور یہ کہ اذان کی ابتدا مدینہ میں ہوئی۔ چونکہ سورہ مائدہ اور سورہ جمعہ دونوں مدینہ میں نازل ہوئیں اور صحیح یہ ہے کہ اذان ہجرت کے پہلے یا دوسرے سال میں شروع ہوئی۔ علامہ قسطلانی نے لکھا کہ امام بخاری نے اس آیت سے استدلال کیا کہ اذان نص سے شروع ہوئی صرف خواب سے نہیں۔ ابن کثیر نے زہری سے نقل کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اذان کا ذکر فرمایا۔ حضرت ابن عباس کا قول ہے کہ اذان کی فرضیت اس آیت سے ہوئی اور ترمذی کی حدیث میں آیا ہے کہ عبداللہ بن زید نے اذان کے متعلق خواب دیکھا اور حضور کو سنایا تو آپ نے فرمایا ان ھٰذہ لرؤیا حق ان شاء اللہ۔ پھر حضور نے حضرت بلال کو حکم دیا اتنے میں جناب فاروق اعظم حاضر ہوئے۔ عرض کی میں نے بھی ایسا خواب دیکھا ہے۔ حضور نے فرمایا۔ الحمد للہ۔ شیعہ حضرات اسی حدیث کی بنا پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ سنیوں کی اذان خواب سے مقرر ہوئی۔ لیکن اگر انصاف اور دیانت کے ساتھ غور کیا جائے تو واضح ہے کہ اس میں اعتراض کی کونسی بات ہے۔ جب حضور علیہ السلام نے حضرت عبداللہ یا حضرت عمرؓ کے خواب کی صحت کو تسلیم فرما کر اذان کا حکم دے دیا تو اذان کی مشروعیت تو حکم رسول ہی سے ہوئی۔ علاوہ ازیں مصنف عبدالرزاق میں کبار تابعین سے منقول ہے کہ حضرت عمر کے حاضر دربار ہونے سے پہلے اذان کے متعلق وحی آچکی تھی اور جب حضرت عمر اپنا خواب سنانے بحضور نبوی آئے۔ تو حضور نے فرمایا۔ سبقك بذلك الوحي اذان کے متعلق تو وحی آچکی ہے (فتح الباری)

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ لَمَّا كَثُرَ النَّاسُ قَالَ ذَكَرُوْا أَنْ يَّعْلَمُوْا وَقْتَ الصَّلٰوةِ بِشَيْءٍ يَّعْرِفُوْنَهٗ فَذَكَرُوْا أَنْ يُّوْرُوْا نَارًا أَوْ يَضْرِبُوْا نَاقُوْسًا فَأُمِرَ بِلَالٌ أَنْ يَّشْفَعَ الْأَذَانَ وَأَنْ يُّوْتِرَ الْإِقَامَةَ (بخاری)

حضرت انس نے فرمایا جب لوگ بہت ہو گئے تو انہوں نے کہا کہ نماز کے وقت کے لیے کوئی نشانی مقرر کر لینی چاہیے۔ جس کو وہ پہچان لیں۔ کسی نے کہا آگ روشن کر دیا کریں یا گھنٹہ بجا دیا کریں بلال کو حکم دیا گیا کہ وہ اذان کے الفاظ دو دو بار اور تکبیر کے الفاظ ایک ایک بار کہیں۔

فوائد و مسائل اس حدیث کو امام نے ذکر بنی اسرائیل میں اور مسلم و ابوداؤد و نسائی و ابن ماجہ نے صلاۃ میں ذکر کیا ۱۔ عنوان سے مطابقت یہ ہے کہ اذان حضور کے حکم سے شروع ہوئی۔ تاریخ امام کلاعی میں حضرت عروہ و زید ابن اسلم و سعید بن المسیب کا یہ قول مروی ہے کہ عہد نبوی میں منادی الصلاۃ جامعۃ پکار دیتا تھا اور لوگ جمع ہو کر نماز پڑھ لیتے۔ پھر جب کعبہ قبلہ مقرر ہوا تو اذان کا حکم دیا گیا۔ اس سے واضح ہوا کہ اذان ہجرت کے دوسرے سال مقرر ہوئی۔ کیونکہ حضور علیہ السلام نے بیت المقدس کی طرف ۱۶ مہینہ نماز ادا فرمائی (ھکذا فی السعایۃ) ۲۔ اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ اذان کے الفاظ دو دو بار کہے

تکبیر کے الفاظ ایک بار کہے جائیں۔ حضرت امام شافعی وامام احمد کا یہی مذہب ہے لیکن احناف کے نزدیک اذان واقامت دونوں کے الفاظ دو دو بار کہے جائیں۔ مگر در اصل یہ ہے کہ اقامت کے الفاظ کو دو دو بار کہنا اور ایک ایک بار کہنا دونوں طرح جائز ہے جیسا کہ اس سلسلہ کی حدیثوں سے ثابت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ احناف اگرچہ الفاظ تکبیر کو دو دو بار کہنے کے قائل ہیں مگر اکہری تکبیر کو ناجائز نہیں کہتے۔ فافہم

إِنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُوْلُ كَانَ الْمُسْلِمُوْنَ حِيْنَ قَدِمُوا الْمَدِيْنَةَ يَجْتَمِعُوْنَ فَيَتَحَيَّنُوْنَ الصَّلٰوةَ لَيْسَ يُنَادِيْ لَهَا فَتَكَلَّمُوْا يَوْمًا فِيْ ذٰلِكَ فَقَالَ بَعْضُهُمْ اتَّخِذُوْا نَاقُوْسًا مِثْلَ نَاقُوْسِ النَّصَارٰى وَقَالَ بَعْضُهُمْ بَلْ بُوْقًا مِثْلَ قَرْنِ الْيَهُوْدِ فَقَالَ عُمَرُ اَوَلَا تَبْعَثُوْنَ رَجُلًا يُنَادِيْ بِالصَّلٰوةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا بِلَالُ قُمْ فَنَادِ بِالصَّلٰوةِ۔ (بخاری)

حضرت عبد اللہ بن عمر کا بیان ہے کہ مسلمان جب پہلے پہل مدینہ آئے تو نماز کے لیے یونہی (بلا اطلاع) جمع ہو جاتے وہ نماز کے لیے ایک وقت ٹھہرا لیتے لیکن اذان نہیں ہوتی تھی۔ ایک دن لوگوں نے اس بارے میں گفتگو کی۔ بعض نے کہا (نماز کی اطلاع کے لیے) نصاریٰ کی طرح ناقوس مقرر کر لو۔ (جو بجا دیا جائے) بعض نے کہا یہود کی طرح ایک بوق (بگل) مقرر کر لیا جائے۔ حضرت عمر نے فرمایا کیوں نہ ایک آدمی کو مقرر کر دیا جائے وہ نماز کی اطلاع دے دیا کرے۔ اس پر حضور علیہ السلام نے بلال سے فرمایا اٹھو اور نماز کے لیے پکارو۔

فوائد ومسائل

۱۔ اس حدیث کو مسلم ونسائی وترمذی نے صلوٰۃ میں ذکر کیا ۲۔ فَيَتَحَيَّنُوْنَ باب تفعل سے تحیین کے معنی وقت مقرر کرنے کے ہیں ۳۔ اذان کی مشروعیت سے قبل لوگ بلا اطلاع ایک وقت معین میں جمع ہو جاتے تھے اور نماز پڑھ لیتے پھر اس بارے میں گفتگو ہوئی تو کسی نے کہا بوق نرسنگا بجا دیا جائے۔ بعض نے کہا ناقوس بجا دیا جائے۔ کیونکہ یہ دونوں چیزیں یہود ونصاریٰ استعمال کرتے تھے۔ اس لیے جناب فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے یہ ہوئی کہ اطلاع کے لیے کوئی شخص اعلان کر دیا کرے چنانچہ حضور علیہ السلام نے حضرت بلال کو حکم دیا کہ وہ نماز کا اعلان کریں۔ ۴۔ اگرچہ بعض شارحین نے يَا بِلَالُ قُمْ فَنَادِ بِالصَّلٰوةِ سے اذان مراد لی ہے مگر صحیح یہ ہے کہ اس وقت تک اذان شروع نہیں ہوئی تھی اور خط کشیدہ جملوں کا مطلب اذان نہیں ہے بلکہ محض اطلاع واعلان ہے یعنی جب نماز کا وقت ہوتا تو ایک شخص راستوں میں الصلوٰۃ الصلوٰۃ پکار دیتا تھا ۵۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اذان کھڑے ہو کر دینی چاہیئے۔ ابو ثور کے علاوہ جمہور علماء کا یہی مذہب ہے۔

بَابُ الْأَذَانُ مَثْنٰى مَثْنٰى

باب ، اذان کے الفاظ دو دو بار کہنا

عَنْ اَنَسٍ قَالَ اُمِرَ بِلَالٌ اَنْ يَّشْفَعَ الْاَذَانَ وَ اَنْ يُّوْتِرَ الْاِقَامَةَ اِلَّا الْاِقَامَةَ۔

حضرت انس نے کہا کہ حضرت بلال کو حکم دیا گیا کہ وہ اذان کے الفاظ دو بار اور تکبیر کے الفاظ ایک ایک بار کہیں مگر (قد قامت الصلوٰۃ)

بَابُ الْاِقَامَةُ وَاحِدَةٌ اِلَّا قَوْلَهٗ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ

باب تکبیر کے الفاظ ایک ایک بار کہے جائیں۔ سوا قد قامت الصلوٰۃ کے

اس عنوان کے ماتحت بھی امام نے حدیث انس ہی ذکر کی ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ اذان کے الفاظ دو دو بار کہے جائیں اور تکبیر کے اکہرے مگر قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ کے الفاظ دو دو بار ہی کہے جائیں۔ واضح ہو کہ اکہری تکبیر بھی جائز ہے مگر بعض احادیث صحیحہ میں تکبیر کے الفاظ کو بھی دو دو بار کہنا آیا ہے۔ چنانچہ حدیث ابی محذورہ عند الترمذی میں علمہ الاذان مثنیٰ مثنیٰ کے الفاظ ہیں اور حدیث بیہقی میں ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اذان دی تو کلمات اذان کو دو دو بار ادا کیا۔ اسی طرح ويقيم الاقامة مثنیٰ مثنیٰ

اقامت کے الفاظ بھی دو دو بار کہے احناف کا انہی حدیثوں پر عمل ہے۔ عینی ج ۲ ص ۱۰۹

بَابُ فَضْلِ التَّاذِيْنِ

باب اذان دینے کی فضیلت کے بیان میں

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ اَدْبَرَ الشَّيْطَانُ لَهٗ ضُرَاطٌ حَتّٰى لَا يَسْمَعَ التَّاذِيْنَ فَاِذَا قَضَى النِّدَآءَ اَقْبَلَ حَتّٰى اِذَا ثُوِّبَ بِالصَّلٰوةِ اَدْبَرَ حَتّٰى اِذَا قَضَى التَّثْوِيْبَ اَقْبَلَ حَتّٰى يَخْطِرَ بَيْنَ الْمَرْءِ وَ نَفْسِهٖ يَقُوْلُ اذْكُرْ كَذَا اُذْكُرْ كَذَا لِمَا لَمْ يَكُنْ يَذْكُرُ حَتّٰى يَظَلَّ الرَّجُلُ لَا يَدْرِيْ كَمْ صَلّٰى۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب نماز کے لیے اذان دی جاتی ہے۔ تو شیطان گوز مارتا ہو پیٹھ موڑ کر چل دیتا ہے تاکہ اذان نہ سنے۔ جب اذان ہو چکتی ہے تو پھر آتا ہے۔ جب نماز کی تکبیر ہوتی ہے تو پھر پیٹھ موڑ کر بھاگتا ہے تکبیر ہونے کے بعد پھر آتا ہے اور نمازی کے دل میں وسوسہ ڈالتا ہے اور کہتا ہے فلاں بات یاد کر۔ فلاں بات یاد کر۔ شیطان وہ باتیں یاد دلاتا ہے جو نمازی کو یاد نہیں ہوتیں۔ آخر نمازی بھول جاتا ہے کہ کتنی رکعتیں پڑھیں۔

فوائد و مسائل اس حدیث کو ابوداؤد و نسائی نے صلوٰۃ میں ذکر کیا ۲۔ ادبر۔ قبال کی ضد ہے۔ ضراط جملہ اسمیہ ہے۔ حال واقع ہوا ہے۔ مقصود تمثیل یہ ہے کہ شیطان اذان سے سخت خوفزدہ ہو کر بھاگتا ہے اور شیطان کی پیٹھ موڑ کر بھاگنے کو ضراط کے لفظ کے ساتھ بیان کرنے میں اس کی قباحت کی طرف اشارہ ہے۔ ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اذان سے تو شیطان بھاگ جاتا ہے اور مؤذن کے دل میں وسوسے بھی نہیں ڈال سکتا۔ مگر نماز جس میں قرآن کی تلاوت ہوتی ہے اور اللہ رب العزت سے قرب ہوتا ہے اس میں خلل انداز ہوتا ہے حالانکہ نماز، اذان سے افضل ہے۔ اس سوال کے شارحین نے متعدد جواب دیئے ہیں۔ مگر سب سے زیادہ صحیح جواب یہ ہے کہ یہاں سوال اذان یا نماز کی فضیلت کا نہیں یعنی اذان سے شیطان کے بھاگنے کی علت اذان کی افضلیت نہیں ہے بلکہ شیطان کا اذان سے بھاگنا اذان کے خصائص سے ہے اور خصائص جیسے ایک افضل چیز کے ہوتے ہیں۔ ایسے ہی اس سے کم فضیلت رکھنے والی چیز کے بھی ہو سکتے ہیں۔ ۳۔ حتی اذا ثوب یہاں تثویب کے معنی اقامت کے ہیں۔ ویسے اصل لغت میں تثویب کے معنی دشمن کے خوف کے وقت اپنے ساتھی کو کپڑا ہلا کر متوجہ کرنے کے ہیں۔ یعنی کسی شے کا اعلان یا کسی بات کے واقع ہونے سے ڈرانا۔ پھر تثویب بلند آواز سے اعلان کرنے کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔ خواہ وہ اعلان کسی بھی نوع کا ہو۔ یظل یہاں ' بمعنی یصیر ہے جیسے کتاب مجید میں آیا ظل وجهها۔ دو روایت اصیل میں یضل بالضاد المکسورہ ہے ای ینسی و یذہب وهمه و یسهو کتاب مجید میں آیا ان تضل احداهما ابن قرقول نے کہا یضل ضلال سے ہے۔ اس کے معنی حیرت کے ہیں (عینی ج ۲ ص ۱۰۹) ۴۔ اس حدیث سے اذان مؤذن کی فضیلت ثابت ہوتی ہے اور دیگر احادیث میں اذان اور مؤذن کے کثیر فضائل بیان ہوئے ہیں جن میں چند حدیثوں کا مفہوم یہ ہے

اذان و مؤذن کے فضائل ۱۔ مؤذنوں کی گردنیں قیامت کے دن سب سے زیادہ دراز ہوں گی۔ مسلم واحمد وابن ماجہ۔ علامہ عبدالرؤف مناوی نے تیسیر میں لکھا کہ یہ حدیث متواتر ہے اور معنی حدیث یہ ہیں کہ مؤذن رحمت الٰہی کے بہت امیدوار ہوں گے کیونکہ جس کو جس چیز کی امید ہوتی ہے اس کی طرف گردن دراز کرتا ہے یا یہ معنی ہیں کہ ان کے ثواب بہت ہیں یا یہ کہ وہ قیامت کے دن شرمندہ نہ ہوں گے کیونکہ جو شرمندہ ہوتا ہے اس کی گردن جھک جاتی ہے ۲۔ مؤذن کی جہاں تک آواز پہنچتی ہے اس کے لیے مغفرت کر دی جاتی ہے اور ہر تر و خشک جس نے اس کی آواز سنی اس کی تصدیق کرتا ہے یا گواہی دیتا ہے ۳۔ اذان دینے والا جو محض ثواب

کے لیے اذان دیتا ہے اس شہید کی طرح ہے جو خون میں آلودہ ہے۔ قبر میں اس کے بدن میں کیڑے نہیں پڑیں گے۔ (طبرانی) اذان وافع مذاب ہے (طبرانی) ۵۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا اگر لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے اذان کہنے میں کتنا ثواب ہے تو اس پر باہم تلوار چلتی (احمد) ۶۔ جس نے بارہ برس اذان دی جنت اس کے لیے واجب ہو گئی اور اذان کے بدلے ساٹھ نیکیاں اور اقامت کے بدلے تیس نیکیاں لکھی جائیں گی۔ (ابن ماجہ و حاکم) ۷۔ جو سال بھر اذان کہے اور اجرت طلب نہ کرے وہ قیامت کے دن جنت کے دروازے پر کھڑا کیا جائے گا اور اس سے کہا جائے گا جس کے لیے تو چاہے شفاعت کر (ابن عساکر) ۸۔ اذان کے وقت دعا بست کم رد ہوتی ہے (ابو الشیخ عن انس) اس طرح بہت فضیلتیں احادیث میں ان مؤذنوں کے لیے وارد ہوئی ہیں جو اللہ کی خوشنودی کے لیے اذان دیتے ہیں اور اجرت طلب نہیں کرتے عجیب زمانہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں لوگ اذان تو کہتے نہیں اور جو خلوص دل کے ساتھ اذان دے بھی تو اس کا مذاق اڑاتے ہیں اور ان پر آوازے کستے ہیں اور یہ سب کچھ دین سے بے رغبتی اور بے تعلقی کی وجہ سے ہے ؎

گئے وہ اقبال کہ ان کو یہ انجمن ہی بدل گئی ہے

نئے زمانے میں آپ ہم کو پرانی باتیں سنا رہے ہیں

بَابُ رَفْعِ الصَّوْتِ بِالنِّدَآءِ

باب، اذان بلند آواز سے کہنا

وَقَالَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيْزِ اَذِّنْ اَذَانًا سَمْحًا وَّاِلَّا فَاعْتَزِلْنَا۔

اور عمر بن عبد العزیز نے ایک مؤذن سے فرمایا۔ اگر اذان دینی ہے تو صحیح طرح دو۔ ورنہ نہ دو۔

سمحا کے معنی آسان کے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ خوش آوازی کے ساتھ اذان دی جائے ۱۔ اس اثر کو ابن ابی شیبہ نے موصولاً روایت کیا کہ ایک مؤذن نے اذان میں لحن کیا تو حضرت عمر بن عبد العزیز نے فرمایا۔ سادی طرح بلند آواز سے اذان دو۔ جس سے معلوم ہوا کہ کلمات اذان کو قواعد موسیقی پر گانا ناجائز ہے اور اذان خوش آوازی سے دینا مطلوب ہے۔

اَنَّ اَبَا سَعِيْدِ نِ الْخُدْرِيَّ قَالَ لَهٗ اِنِّيْ اَرَاكَ تُحِبُّ الْغَنَمَ وَالْبَادِيَةَ فَاِذَا كُنْتَ فِيْ غَنَمِكَ اَوْ بَادِيَتِكَ فَاَذَّنْتَ لِلصَّلٰوةِ فَارْفَعْ صَوْتَكَ بِالنِّدَآءِ فَاِنَّهٗ لَا يَسْمَعُ مَدٰى صَوْتِ الْمُؤَذِّنِ جِنٌّ وَّلَا اِنْسٌ وَّ شَيْءٌ اِلَّا شَهِدَ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ قَالَ اَبُوْ سَعِيْدٍ سَمِعْتُهٗ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

ابو سعید خدری نے ان سے کہا۔ تم جنگل کی بود و باش اور بکریاں چرانے کو پسند کرتے ہو۔ سو جب تم اپنی بکریوں یا جنگل میں ہو پھر تو بلند آواز سے اذان دو۔ کیونکہ جہاں تک مؤذن کی آواز پہنچتی ہے۔ جن یا آدمی یا کوئی اور اذان کی آواز سنتا ہے وہ قیامت کے دن اس کیلئے گواہی دے گا۔ ابو سعید نے کہا یہ بات میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے۔

فوائد و مسائل | اس حدیث کو امام نسفی، ابن ماجہ اور ترمذی نے بیان کیا ہے۔ نسائی و ابن ماجہ نے صلوٰۃ میں ذکر کیا ہے۔ حدیث ہذا مسائل ذیل پر مشتمل ہے ۱۔ بلند آواز سے کہی جائے کہ پڑوس والوں کو خوب سنائی دے ۲۔ فتنہ و فساد کے زمانہ میں تنہائی اختیار کرنا جائز ہے ۳۔ اکیلا آدمی اگر جنگل میں ہو تو بھی اذان کہہ کر اسے نماز پڑھنا مستحب ہے کیونکہ اگرچہ جنگل میں آدمی اذان نہیں سنیں گے۔ مگر حیوانات اور جمادات گواہ ہو جائینگے ۴۔ یہ کہ جنات بنی آدم کی آواز کو سنتے ہیں ۵۔ یہ کہ بعض مخلوقات بعض پر گواہ ہوں گی ۶۔ جنگل میں بھی بلند آواز سے اذان دینی چاہیئے اگرچہ کسی اور نمازی کے آنے کی توقع نہ ہو۔

بَابُ مَا يُحْقَنُ بِالْاَذَانِ مِنَ الدِّمَآءِ

باب، اذان کی وجہ سے خون ریزی سے رک جانا

ـ اَنَسٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ کَانَ اِذَا غَزٰی بِنَا قَوْمًا لَمْ یَکُنْ یُغِیْرُ بِنَا حَتّٰی یُصْبِحَ وَیَنْظُرَ فَاِنْ سَمِعَ اَذَانًا کَفَّ عَنْھُمْ وَاِنْ لَّمْ یَسْمَعْ اَذَانًا اَغَارَ عَلَیْھِمْ قَالَ فَخَرَجْنَا اِلٰی خَیْبَرَ فَانْتَھَیْنَا اِلَیْھِمْ لَیْلًا فَلَمَّا اَصْبَحَ وَلَمْ یَسْمَعْ اَذَانًا رَکِبَ وَرَکِبْتُ خَلْفَ اَبِیْ طَلْحَۃَ وَاِنَّ قَدَمِیْ لَتَمَسُّ قَدَمَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ فَخَرَجُوْا اِلَیْنَا بِمَکَاتِلِھِمْ وَمَسَاحِیْھِمْ فَلَمَّا رَاَوُا النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالُوْا مُحَمَّدٌ وَّاللّٰہِ مُحَمَّدٌ وَّالْخَمِیْسُ قَالَ فَلَمَّا رَاٰھُمْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ خَرِبَتْ خَیْبَرُ اِنَّا اِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَۃِ قَوْمٍ فَسَآءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِیْنَ۔ (بخاری)

حضرت انس نے فرمایا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم جب ہمارے ساتھ کسی قوم پر جہاد کرتے تو صبح ہونے تک اس گاؤں پر حملہ کی اجازت نہ دیتے اور آپ اگر اس گاؤں میں اذان کی آواز سنتے تو حملہ سے رُک جاتے لیکن اگر اذان کی آواز نہ سنتے تو ان پر حملہ کرتے۔ انس نے کہا ہم خیبر کی طرف جہاد کے لیے روانہ ہوئے اور رات کو وہاں پہنچے۔ جب صبح ہوئی اور اذان کی آواز سنائی نہ دی تو سوار ہو گئے اور میں ابو طلحہ کے پیچھے سوار ہوا میرا پاؤں چلتے ہوئے حضور کے قدم مبارک سے چھو جاتا۔ حضرت انس کہتے ہیں کہ خیبر والے یہودی اپنی ٹوکری اور کدالیں لے کر نکلے۔ جب انھوں نے حضور کو دیکھا تو کہا۔ بخدا محمد صلے اللہ علیہ وسلم اپنی فوج کے ساتھ پہنچے۔ جب حضور نے ان کو دیکھا تو فرمایا اللہ اکبر اللہ اکبر خیبر خراب و ویران ہوا۔ بے شک جب ہم کسی قوم کے میدان میں اُترتے ہیں جو لوگ ڈرائے گئے (کفار) ان کی صبح بُری ہوتی ہے۔

فوائد و مسائل یہ حدیث مسائل ذیل پر مشتمل ہے۔ ۱۔ اذان دین اسلام کا شعار ہے اور اس کا ترک جائز نہیں ۲۔ جس قوم کو اسلام کی دعوت پہنچ جاتی تھی۔ اس پر حملہ کے وقت حضور علیہ السلام یہ دیکھا کرتے تھے کہ اس قوم میں اذان ہوتی ہے یا نہیں۔ اگر اذان سنائی دیتی تو اس کا یہ مطلب ہوتا تھا کہ انھوں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ بصورت دیگر ان سے جنگ کی جاتی تھی ۳۔ دشمن سے سامنا ہو تو اس وقت تکبیر کہنا مستحب ہے ۴۔ قرآن پاک کی آیات سے استشہاد کرنا مستحب ہے حضور کے مذکورہ بالا کلمے سورہ صافات کی آیت فَاِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِھِمْ فَسَآءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِیْنَ سے ماخوذ ہیں۔

بَابُ ، مَا یَقُوْلُ اِذَا سَمِعَ الْمُنَادِیْ

باب ، جب اذان سُنے تو کیا کہے ؟

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا سَمِعْتُمُ النِّدَآءَ فَقُوْلُوْا مِثْلَ مَا یَقُوْلُ الْمُؤَذِّنُ۔

۱۔ حضرت ابو سعید خدری کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب تم اذان سنو تو جس طرح مؤذن کہے تم بھی وہی کہو۔

۲۔ عیسےٰ ابن طلحہ نے بیان کیا کہ میں نے حضرت معاویہ کو دیکھا وہ مؤذن کی طرح کہہ رہے تھے۔ اشہدان محمدا رسول اللہ تک۔

قَالَ یَحْیٰی وَحَدَّثَنِیْ بَعْضُ اِخْوَانِنَا اَنَّہٗ قَالَ لَمَّا قَالَ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ قَالَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ۔ وَقَالَ ھٰکَذَا سَمِعْنَا نَبِیَّکُمْ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔

۳۔ یحییٰ نے کہا مجھ سے میرے بعض احباب نے کہا کہ جب مؤذن نے حی علے الصلوٰۃ کہا تو حضرت معاویہ نے لاحول ولا قوۃ الا باللہ کہا۔ اور امیر معاویہ نے کہا میں نے تمہارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح فرماتے ہوئے سُنا۔

جواب اذان کے فضائل و مسائل اس سلسلہ کی چند حدیثوں کے خلاصے یہ ہیں ۱۔ حضور نے فرمایا۔ جب اذان سُنو تو

اللہ کے دس لاکھ کا جواب ہے (طبرانی) ۲۔ جب مؤذن اذان کہے تو سنو تو جو وہ کہتا ہے تم بھی کہو (ابن ماجہ) ۳۔ مومن کو بدبختی و نامرادی کے لیے یہ کافی ہے کہ تکبیر کہتے سنے اور جواب نہ دے ۴۔ حضور علیہ السلام نے مستورات سے فرمایا۔ جب تم بلال کو اذان و اقامت کہتے سنو تو جیسے وہ کہیں تم بھی کہو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے ہر کلمے کے بدلے ایک لاکھ نیکی لکھے گا اور ہزار درجے بلند فرمائے گا۔ اور ہزار گناہ محو کرے گا۔ اور مردوں کو دوگنا ثواب ہے (ابن عساکر) ۵۔ اذان کا جواب دینے والے کی مغفرت ہوگی۔ وہ جنت میں داخل ہوگا۔ (مسلم و ابوالشیخ) ان سے واضح ہوا کہ اذان کا جواب دینا واجب ہے۔ مؤذن جو کہے تو اس کے بعد سننے والا بھی وہی کہے مگر حی علی الصلوٰۃ و حی علی الفلاح کے جواب میں لاحول ولا قوۃ الا باللہ کہے ۶۔ جنبی بھی اذان کا جواب دے مگر حیض و نفاس والی عورت اور خطبہ سننے والے اور نماز جنازہ پڑھنے والے اور جماع میں مشغول یا قضائے حاجت میں ہوں ان پر جواب واجب نہیں ۷۔ جب اذان ہو تو اتنی دیر کے لئے سلام کلام اور جواب سلام تمام اشغال موقوف کردے اور بغور اذان سنے اور جواب دے یونہی اقامت میں بھی ۸۔ راستہ میں اذان کی آواز آئے تو رک جائے اور کھڑا ہو کر اذان سنے اور جواب دے ۹۔ چند اذانیں سنے تو پہلی ہی کا جواب دے۔ مگر بہتر ہے کہ سب کا جواب دے ۱۰۔ خطبہ کی اذان کا جواب زبان سے دینا مقتدیوں کو جائز نہیں ۱۱۔ جب اذان ختم ہو جائے تو مؤذن اور سامعین درود شریف پڑھیں اس کے بعد دعا اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَۃِ پڑھیں۔ جیسا کہ آئندہ حدیث میں ہدایت موجود ہے ۱۲۔ جب مؤذن اشہد ان محمدًا رسول اللہ کہے تو سننے والا درود شریف پڑھے اور انگوٹھوں کو بوسہ دے کر آنکھوں کو لگائے اور کہے۔ قُرَّۃُ عَیْنِیْ بِکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَللّٰھُمَّ مَتِّعْنِیْ بِالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ۔ بعض لوگ انگوٹھے چومنے کو بلادلیل شرک و بدعت قرار دیتے ہیں لیکن آپ یہ سوچئے کہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام اقدس کی تعظیم کے لیے چومنا شرک یا بدعت ہوسکتا ہے؟

فائدہ علامہ طحاوی علیہ الرحمۃ نے لکھا کہ اذان کا جواب دینا مستحب ہے کیونکہ مسلم کی حدیث میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے جب سنا۔ اللہ اکبر اللہ اکبر۔ تو فرمایا علی الفطرۃ جب مؤذن نے اشھد ان لا الٰہ الا اللہ کہا تو فرمایا خرجت من النار دیکھیے۔ حضور نے مؤذن کے جواب میں وہ کلمے نہیں کہے جو مؤذن نے کہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ جواب میں وہی کلمے کہنا ضروری نہیں جو مؤذن کہتا ہے بلکہ مستحب ہیں۔ اس کے جواب میں علامہ عینی نے فرمایا۔ جواب اذان کے متعلق حضور علیہ السلام کا امر مجرد ہے اور یہ وجوب کی دلیل ہے۔ ثانیاً ایک حدیث میں فرمایا۔

مِنَ الْجَفَاءِ اَنْ تَسْمَعَ الْمُؤَذِّنَ ثُمَّ لَا یَقُوْلُ مِثْلَ مَا یَقُوْلُ (ابن ابی شیبہ) | یہ بھی ظلم ہے کہ تو اذان سنے اور جو مؤذن کہتا ہے نہ کہے۔

ظاہر ہے وعید ترک واجب پر ہوتی ہے اور مستحب کے تارک کو ظالم نہیں کہہ سکتے۔ عینی ج ۲ صفحہ ۱۲۳

فائدہ اقامت کا جواب دینا مستحب ہے۔ اس کا جواب بھی اسی طرح ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ قد قامت الصلوٰۃ کے جواب میں اَقَامَھَا اللّٰہُ وَاَدَامَھَا مَادَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ کہے۔

بَابُ الدُّعَاءِ عِنْدَ النِّدَاءِ

باب اذان کے بعد کی دعا

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَالَ حِیْنَ یَسْمَعُ النِّدَاءَ | جابر ابن عبداللہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ جو شخص اذان کے بعد یہ دعا پڑھے

اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَائِمَةِ اٰتِ مُحَمَّدَ نِ الْوَسِيْلَةَ وَالدَّرَجَةَ الرَّفِيْعَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَ نِ الَّذِيْ وَعَدْتَّهٗ حَلَّتْ لَهٗ شَفَاعَتِيْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔

اس دعا، تام اور نماز برپا ہونے کے مالک تو ہمارے سردار محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ اور فضیلت اور بلند درجہ عطا کر اور ان کو مقام محمود میں کھڑا کر جس کا تو نے وعدہ کیا ہے۔ تو قیامت کے دن میری شفاعت کا وہ مستحق ہو جائے گا۔

فوائد و مسائل اس حدیث کو امام نے تفسیر میں ابوداؤد و نسائی و ابن ماجہ نے صلوٰۃ میں ذکر کیا ۲- اَللّٰھُمَّ یعنی یا اللہ میم یعنی کے عوض میں ہے۔ ربّ منصوب محل اللہ ہو ہے اور اس کو ضمیر مبتدا محذوف کی خبر مانا جائے تو پھر رب پر رفع پڑھیں گے۔ تقدیر عبارت یہ ہوگی۔ رب ھٰذہ الدعوۃ - دعوۃ - دعوۃ - د کے زبر کے ساتھ طعام کے لیے ہے دعوۃ بالکسر نسب کے معنی میں آتا ہے۔ دعوۃ بالضم حرب کے معنی میں آتا ہے اور یہاں مراد الفاظ اذان ہیں۔ جن کے ذریعہ آدمی اللہ کی عبادت کی طرف بلاتا ہے۔ تامہ یہ دعوت کی صفت ہے اور تامہ کے معنی یہ ہیں کہ اس میں تغیر و تبدل نہیں قیامت تک باقی رہے گی۔ وسیلہ یہ جنت میں ایک خاص مقام ہے جو حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے۔ طحاوی کی روایت ہے (فانھا منزلۃ فی الجنۃ) ۳- حضرت عمرو بن عاص سے روایت ہے کہ حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب مؤذن اذان دے تو جو وہ کہے تم بھی وہی کہو۔

ثم صلوا علی فانہ من صلی علی صلاۃ صلی اللہ علیہ بھا عشرا ثم سلوا اللہ لی الوسیلۃ فانھا منزلۃ فی الجنۃ لا ینبغی الا لعبد من عباد اللہ وارجو ان اکون انا ھو فمن سال اللہ لی الوسیلۃ حلت لہ الشفاعۃ۔ (مسلم)

پھر مجھ پر درود پڑھو اور جو مجھ پر درود پڑھتا ہے۔ اللہ تعالےٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے۔ پھر اللہ تعالےٰ سے میرے لیے وسیلہ طلب کرو۔ وسیلہ جنت میں ایک مقام ہے۔ یہ مقام اللہ کے خاص بندے کو حاصل ہوگا اور مجھے امید ہے کہ اس مقام پر میں فائز ہوں گا۔ تو جس نے اللہ سے میرے لیے وسیلہ کی دعا کی۔ میری شفاعت اس کے لیے حلال ہو گئی۔ مسلم، ابوداؤد و نسائی

مقام محمود وہ جگہ ہے جس پر جلوہ گر ہو کر حضور شفاعت فرمائیں گے۔ تمام اولین و آخرین تو نفسی نفسی میں سرگرداں ہوں گے۔ جلیل القدر انبیاء کرام اذھبوا الی غیری کہ رہے ہوں گے۔ تو صرف اور صرف حضور کی زبان پر انا لھا ہوگا۔ حضور کی اس عظمت بزرگی و شان کو دیکھ کر اولین و آخرین حضور کی تعریف کریں گے۔ اسی بنا پر اس کو مقام محمود کہتے ہیں۔ حدیث ابو ہریرہ میں حضور نے فرمایا۔ ھو المقام الذی اشفع فیہ لامتی۔ عینی ج ۳ ص یہ وہ مقام ہے جہاں میں اپنی امت کی شفاعت کروں گا۔

ابن جوزی نے کہا۔ مقام محمود سے مراد شفاعت ہے۔ بعض نے کہا عرش پر یا کرسی پر حضور علیہ السلام کا کھڑا ہونا مراد ہے۔ سیدنا عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما سے روایت ہے کہ مقام محمود وہ مقام ہے کہ اولین و آخرین اس وقت حضور کی تعریف کریں گے اور کل عالم پر حضور کے فضل و شرف کا اظہار ہوگا۔

سَلْ تُعْطَهْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ لَيْسَ اَحَدٌ اِلَّا تَحْتَ لِوَائِكَ۔ عینی ج ۳ ص ۱۲۱

مانگئے آپ دیئے جائیں گے۔ سفارش کیجئے وہ قبول کی جائے گی۔ (اس وقت) سبھی آپ کے جھنڈے تلے ہوں گے۔

۴- سوال پیدا ہوتا ہے۔ مقام محمود تو حضور علیہ السلام کو حاصل ہے اور اللہ تعالےٰ نے وعدہ بھی فرمالیا ہے۔ پھر اس کے لیے دعا کرنے کا کیا سبب ہے؟ جواب یہ ہے کسی حاصل شدہ نعمت کے لیے دعا کرنا یا کرانا یہ ہی شان عبدیت ہے۔ اور بعض اوقات حاصل شدہ نعمت کے دوام و بقا کے لیے بھی دعا کرتے ہیں۔ علامہ عینی علیہ الرحمہ نے لکھا کہ اس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ کسی دوسرے سے دعا کرانا درست ہے۔

پاک ضروریات میں استعانت کی، حضورؐ صالحین امت سے دعا کرنا، جائز ہے۔ عینی ج ۲ صفحہ (۲) والفضیلۃ۔ بعض سے
وسیلہ کی تفسیر ہے لیکن خفیہ میں بہم کہا ہے، (۵) حلت لہ "مطلب یہ ہے کہ جس کے لیے حضورؐ کی شفاعت حلال ہو گئی
کا مستحق ہو گیا، اور یہاں حلال حرام کے مقابل نہیں ہے کیونکہ شفاعت اس سے قبل حرام نہ تھی (۶) اگر یہ کہا جائے کہ شفاعت تو گنہ
اور جو لوگ مومن مذکورہ فی الحدیث دعا کرتے ہیں، وہ سب کے سب گنہگار نہیں ہوں گے، جواب یہ ہے کہ حضور سید عالم
کی شفاعت متعدد قسم کی ہوگی۔ گناہوں کی بخشش کے لیے شفاعت اور جنت میں بغیر حساب داخل کرانے کی شفاعت جو صالحین
کریں گے۔ انشاء اللہ العزیز۔ وہ حضورؐ کی شفاعت سے بلا حساب جنت میں داخل کئے جائیں گے اور راقم الحروف جیسے گنہ
گناہوں کی معافی بھی حضورؐ ہی کی شفاعت سے ہوگی۔ انشاء اللہ العزیز۔

بَابُ الْاِسْتِهَامِ فِی الْاَذَانِ

باب اذان دینے میں جھگڑا ہو تو قرعہ ڈالنا

وَ یُذْكَرُ اَنَّ قَوْمًا اخْتَلَفُوْا فِی الْاَذَانِ فَاَقْرَعَ بَیْنَهُمْ سَعْدٌ۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْ یَعْلَمُ النَّاسُ مَا فِی النِّدَاءِ وَالصَّفِّ الْاَوَّلِ ثُمَّ لَمْ یَجِدُوْا اِلَّا اَنْ یَّسْتَهِمُوْا عَلَیْهِ لَاسْتَهَمُوْا وَلَوْ یَعْلَمُوْنَ مَا فِی التَّهْجِیْرِ لَاسْتَبَقُوْا اِلَیْهِ وَلَوْ یَعْلَمُوْنَ مَا فِی الْعَتَمَةِ وَالصُّبْحِ لَاَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا۔ (بخاری)

(۱) اور ذکر کیا گیا کہ کچھ لوگوں میں اذان کے متعلق جھگڑا ہوا تو حضرت سعد نے اُن میں قرعہ ڈالا۔

(۲) حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر لوگوں کو اذان اور پہلی صف کے ثواب کا علم ہو اور پھر قرعہ اندازی کے سوا چارہ نہ پائیں تو دونوں میں قرعہ ڈالیں۔ اور ظہر کا ثواب معلوم ہو جائے تو اس کی طرف دوڑ کر جائیں اگر فجر و عشاء کے اجر کا علم ہو جائے تو گھسٹتے ہوئے آئیں۔

فوائد و مسائل

تعلیق اللہ کو سعید بن منصور، بیہقی و طبری نے عبداللہ بن شبرمہ سے وصل کیا انھوں نے کہا قادسیہ
اذان کے معاملہ پر جھگڑا کیا کہ مؤذن کون مقرر ہو تو حضرت سعد بن ابی وقاص نے قرعہ کے ذریعہ فیصلہ فرمایا۔ حضرت
بن ابی وقاص عشرہ مبشرہ سے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے آپ کو قادسیہ کا گورنر مقرر فرمایا تھا۔ قادسیہ ایک موضع ہے۔ کوفہ
حجاج کی منزل بھی ہے۔ زمانہ فاروقی میں وہاں اہل فارس سے جنگ ہوئی تھی۔ مسلمانوں کے امیر لشکر حضرت سعد تھے۔ بعض
قادسیہ اس لیے کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وہاں سے گذر ہوا آپ نے ایک بڑھی عورت کو دیکھا اور اس کو
اس نے کہا قدست من الارض اس لیے اس جگہ کا نام قادسیہ ہوا۔ استہام کے معنی قرعہ اندازی کے ہیں۔ علامہ خطابی
ڈالنے کو استہام اس لیے کہتے ہیں کہ عرب تیروں پر اپنے نام لکھ کر قرعہ ڈالا کرتے تھے۔ اس حدیث سے اذان دینے کی فضیلت
صف اول کی اور ظہر کی نماز با جماعت پڑھنے کی فضیلت بھی واضح ہوئی اور یہ کہ اگر اذان دینے میں جھگڑا ہو تو پھر قرعہ اندازی سے
فیصلہ کر لیا جائے۔ مگر یہ اس صورت میں جب کہ تمام امیدوار سنی العقیدہ ہوں اور اگر ایک صحیح العقیدہ ہو اور دوسرا گمراہ
دونوں کے درمیان اذان و امامت یا اسی نوع کے کسی منصب پر جھگڑا ہو تو اس صورت میں بہرحال صحیح العقیدہ ہی کو ترجیح دی جائے

بَابُ الْكَلَامِ فِی الْاَذَانِ

باب، اذان کہتے ہوئے بات کرنا

…تَكَلَّمَ سُلَيْمَانُ بْنُ صُرَدٍ فِي أَذَانِهِ وَقَالَ … لَا بَأْسَ أَنْ يَضْحَكَ وَهُوَ يُؤَذِّنُ … يُقِيمُ۔

…عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ خَطَبَنَا ابْنُ عَبَّاسٍ … يَوْمٍ رَدْغٍ فَلَمَّا بَلَغَ الْمُؤَذِّنُ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ … أَنْ يُنَادِيَ الصَّلٰوةُ فِي الرِّحَالِ فَنَظَرَ … بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ فَقَالَ فَعَلَ هٰذَا … هُوَ خَيْرٌ مِنْهُ وَإِنَّهَا عَزْمَةٌ" (بخاری)

۱۔ سلیمان بن صرد نے اذان دیتے ہوئے بات کی۔
۲۔ اور حسن بصری نے فرمایا اگر مؤذن اذان دیتے ہوئے ہنسا تو کوئی حرج نہیں۔
۳۔ عبداللہ بن حارث نے کہا کہ جناب ابن عباس نے کیچڑ والے دن ہمیں جمعہ کا خطبہ دیا تو جب مؤذن حی علی الصلوٰۃ پر پہنچا تو آپ نے فرمایا کہ الصلوٰۃ فی الرحال کہو۔ اس پر لوگ ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے تو حضرت ابن عباس نے فرمایا جو سب سے بہتر تھے وہ بھی ایسا ہی کرتے تھے اور جمعہ کی نماز واجب ہے۔

…و مسائل

سلیمان بن صرد ابی الجون خزاعی صحابی ہیں۔ جاہلیت میں ان کا نام یسار تھا۔ حضور نے سلیمان رکھا۔ ان کی کنیت ابو المطرف ہے۔ یہ بڑے عابد و زاہد صحابی ہیں۔ کوفہ میں مقیم ہو گئے تھے۔ ابن سعد نے کہا۔ جزیرہ عین وردہ میں ربیع الآخر ۶۵ھ … ہوئے۔ یہ اس لشکر کے امیر تھے جو خون حسین بن علی کا مطالبہ کر رہا تھا۔ ۲۔ اس تعلیق کو خود امام بخاری نے تاریخ میں اور امام بخاری … نے کتاب الصلوٰۃ میں اور ابن ابی شیبہ نے بسند صحیح وصل کیا کہ سلیمان لشکر میں اذان دے رہے تھے آپ نے دوران اذان اپنے غلام … حکم دیا تھا ۳۔ اور اثر حسن بصری عنوان کے مناسب نہیں۔ کیونکہ ہنسنا کلام نہیں۔ بلکہ آواز محض ہے ۴۔ علامہ داؤدی نے کہا کہ … عباس بھی عنوان کے مطابق نہیں۔ کیونکہ حضرت ابن عباس کا قول اس موقع پر مشروع ہے۔ دوران اذان میں کلام کرنے کے … میں اختلاف ہے۔ علامہ ابن المنذر نے عروہ، عطاء، حسن بصری اور قتادہ سے مطلقاً جواز نقل کیا ہے اور نخعی اور ابن سیرین والوزاعی … نے قائل ہیں اور امام ثوری عدم جواز کے قائل ہیں اور ہمارے امام اعظم ابو حنیفہ اور صاحبین خوف اولیٰ کا قول کرتے ہیں اور دوران اذان … بات کرلی تو اذان فاسد نہ ہوگی۔ دوبارہ کہنے کی حاجت نہیں۔ امام محمد علیہ الرحمۃ نے کتاب الآثار میں فرمایا:۔ وان فعل لم … ذلك في اذانه وهو قول ابي حنيفة رحمة الله تعالى عليهم اجمعين كذا في البناية۔

مذکورہ بالا دونوں روایتوں سے یہ نتیجہ نکالنا ہرگز صحیح نہیں ہے کہ دوران اذان بلا ضرورت ہنسنا اور بات کرنا شارح علیہ السلام … ہے بلکہ مقصود صرف یہ بتانا ہے کہ اگر مؤذن کسی وجہ سے ہنس پڑا یا بضرورت دوران اذان گفتگو کرلی تو حرج نہیں۔ لیکن اس کو عادت … بلا ضرورت دوران اذان ہنسنا و بولنا بہر حال محمود و مطلوب نہیں ہے۔

بَابُ أَذَانِ الْأَعْمٰى إِذَا كَانَ لَهُ مَنْ يُخْبِرُهُ

باب ، نابینا اذان دے سکتا ہے جبکہ اسے کوئی وقت بتانے والا ہو

…سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ … وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ بِلَالًا يُؤَذِّنُ بِلَيْلٍ فَكُلُوا وَاشْرَبُوا … يُنَادِيَ ابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ قَالَ وَكَانَ رَجُلًا أَعْمٰى … حَتّٰى يُقَالَ لَهُ أَصْبَحْتَ أَصْبَحْتَ۔

حضرت سالم بن عبداللہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بلال رات باقی ہوتے ہوئے اذان دیتے ہیں اس لئے تم کھاتے پیتے رہا کرو، حتی کہ عبداللہ ابن ام مکتوم اذان دیں۔ ابن عمر نے فرمایا کہ عبداللہ ابن ام مکتوم نابینا تھے اور صرف اس وقت اذان دیتے تھے جبکہ لوگ کہتے تھے صبح ہو گئی، صبح ہو گئی۔

…حدیث

۱۔ نابینا کی اذان درست ہے جبکہ وہ خود یا کسی کے بتانے پر ٹھیک وقت پر اذان دے سکے اور حضرت ابن مسعود و ابن زبیر سے جو کراہت منقول ہے یا محیط سرخسی میں نابینا کی اذان کو مکروہ لکھا ہے، یہ کراہت اسی صورت میں

ہے۔ جب کرنا بینا ٹھیک وقت پر اذان نہ دے سکے ۲۔ سحری میں تاخیر مستحب ہے ۳۔ خبر واحد پر عمل جائز ہے ۴۔ کسی
اس کی والدہ کی طرف کی جاسکتی ہے۔ جبکہ وہ اسی نسبت سے مشہور ہو ۵۔ عورت کو کنیت رکھنا جائز ہے۔

حضرت عبداللہ بن ام مکتوم | قرشی عامری قدیم الاسلام ہیں۔ آپ کے والد کا نام قیس بن زائدہ ہے اور ماں کا نام عاتکہ بنت عبداللہ مخزومیہ، ان کی کنیت ام مکتوم تھی۔ مکتوم نابینا کو کہتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن ام مکتوم نابینا صحابی اور مقرب بارگاہ نبوت تھے۔ اپنی عدم موجودگی میں حضور مدینہ میں ان کو اپنا نائب بنا دیا کرتے تھے۔ سورہ عبس انھیں کے متعلق ہے۔

بَابُ الْاَذَانِ بَعْدَ الْفَجْرِ

باب، طلوع فجر کے بعد اذان دینا

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ اَخْبَرَتْنِیْ حَفْصَةُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا اعْتَكَفَ الْمُؤَذِّنُ لِلصُّبْحِ وَبَدَا الصُّبْحُ صَلّٰی رَكْعَتَیْنِ خَفِیْفَتَیْنِ قَبْلَ اَنْ تُقَامَ الصَّلٰوةُ۔ عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا كَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُصَلِّیْ رَكْعَتَیْنِ خَفِیْفَتَیْنِ بَیْنَ النِّدَآءِ وَالْاِقَامَةِ مِنْ صَلٰوةِ الصُّبْحِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ بِلَالًا یُنَادِیْ بِلَیْلٍ فَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰی یُنَادِیَ ابْنُ اُمِّ مَكْتُوْمٍ۔ (بخاری)

عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ ام المومنین حضرت حفصہ نے خبر دی کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب مؤذن اذان دے کر بیٹھ جاتا اور صبح ظاہر ہو جاتی۔ تو جماعت سے پہلے دو ہلکی رکعتیں پڑھتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم صبح کی اذان و اقامت کے درمیان دو ہلکی سی رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بلال باقی رات ہوتے ہوئے اذان دیتے ہیں تو کھاتے پیتے رہو۔ یہاں تک کہ عبداللہ بن ام مکتوم اذان دیں۔

فوائد و مسائل | حدیث اول کو امام نے مسلم، نسائی و ابن ماجہ نے صلوٰۃ میں اور ترمذی نے صلوٰۃ اور شمائل میں روایت کیا ہے ۱۔ معلوم ہوا کہ فجر کی دو سنتیں ہیں جو نماز فجر سے پہلے پڑھی جاتیں اور یہ سنت مؤکدہ ہیں اور نماز فجر کے بعد ہے۔ طلوع فجر سے پہلے فجر کی نماز پڑھی نہ ہوگی۔ اسی طرح فجر کی اذان طلوع فجر کے بعد دی جانی چاہیئے۔ اگر پہلے دی گئی تو دوبارہ وقت ہونے پر دینا ضروری ہے۔

بَابُ الْاَذَانِ قَبْلَ الْفَجْرِ

باب، طلوع فجر سے قبل اذان دینا

اس عنوان سے امام بخاری علیہ الرحمۃ کا مسلک یہ معلوم ہوتا ہے کہ طلوع فجر سے قبل اگر اذان دی گئی تو اعادہ ضروری نہیں۔ لیکن فجر کی اذان طلوع فجر کے بعد دی جانی چاہیئے۔ زیر عنوان حدیثوں سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے۔

عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا یَمْنَعَنَّ اَحَدَكُمْ اَوْ اَحَدًا مِّنْكُمْ اَذَانُ بِلَالٍ مِّنْ سَحُوْرِهٖ فَاِنَّهٗ یُؤَذِّنُ اَوْ یُنَادِیْ بِلَیْلٍ لِیَرْجِعَ

عبداللہ بن مسعود نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا تم کو بلال کی اذان سحری کھانے سے نہ روکے، وہ رات باقی ہوتے ہوئے اذان دیتے ہیں تاکہ

...كُمْ وَلِيُنَبِّهَ نَائِمَكُمْ وَلَيْسَ اَنْ يَّقُوْلَ الْفَجْرُ ... وَقَالَ بِاَصَابِعِهٖ وَرَفَعَهَا اِلٰى فَوْقُ ... اِلٰى اَسْفَلَ حَتّٰى يَقُوْلَ هٰكَذَا وَقَالَ ... بِسَبَّابَتَيْهِ اِحْدٰهُمَا فَوْقَ ... ثُمَّ مَدَّهُمَا عَنْ يَمِيْنِهٖ وَشِمَالِهٖ ... عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ... اِنَّ بِلَالًا يُؤَذِّنُ بِلَيْلٍ فَكُلُوْا ... حَتّٰى يُؤَذِّنَ ابْنُ اُمِّ مَكْتُوْمٍ (بخاری)

...طلاع دینے اور سونے والا جاگ جاتے اور فجر و صبح اس طرح نہیں ہوتی۔ آپ نے اپنی انگلیوں کو اٹھا کر پھر نیچے کی طرف جھکا کر بتلایا۔ جب تک اس طرح سے ظاہر نہ ہو، اور زہیر نے اس کو یوں بیان کیا کہ شہادت کی انگلیوں کو اوپر نیچے رکھا۔ پھر ان کو دائیں بائیں کھینچ دیا۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بلال رات باقی ہوتے ہوئے اذان دے دیتے ہیں۔ تم کھاتے پیتے رہو حتےٰ کہ ابن ام مکتوم اذان دیں۔

...دیثوں سے واضح ہوا کہ حضرت بلال طلوع فجر سے قبل جو اذان دیتے تھے وہ اس لیے تھی کہ جو نماز میں مصروف ہو وہ ... تھوڑی دیر آرام کرلے اور جو سو رہا ہے وہ جاگ جائے ۲۔ فجر کی اذان طلوع فجر کے بعد ہی دی جائے اگر پہلے دی ... اعادہ کیا جائے ۳۔ اذانِ بلال فجر کی اذان نہ تھی۔ ۴۔ صبح صادق مستطیر ہوتی ہے اور صبح کاذب مستطیل ہوتی ہے لیس ... وقت شروع نہیں ہوتا۔ حدیث ہذا میں انگلیوں کے اشارہ سے حضورؐ نے صبح صادق وکاذب کی کیفیت بیان فرمائی ہے۔

...قبل الفجر کی بحث

...احادیث زیر بحث سے حضرت امام اوزاعی و عبداللہ بن المبارک امام مالک و شافعی و احمد و اسحٰق و داؤد و ابن جریر طبری نے یہ دلیل لی کہ فجر کے لیے اس کے وقت سے پہلے اذان دے دینا جائز ہے۔ لیکن ابی ... اور محدثین کا ایک طائفہ یہ کہتے ہیں کہ قبل الفجر اذان دی گئی تو وقت پر دوسری اذان دینا ضروری ہے۔ تفصیل کے لیے ... ج ۲ صفحہ ۹۹ ملاحظہ کیجئے اور سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ و امام ثوری و امام محمد و امام زفر قبل فجر اذان کو جائز نہیں مانتے اور بلال کی ... بمنزلہ ذکر قرار دیتے ہیں اور دوسری اذان وقت پر دینے کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ احناف کے دلائل یہ ہیں ۱۔ حضرت قاسم ... بن ابی بکرؓ کے پوتے ہیں اور مدینہ منورہ کے سات مشہور فقہاء میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ حضرت بلالؓ و ابن ام مکتوم کی اذانوں میں اتنا ... بلندی پر چڑھتے اور وہ اُترتے وَلَمْ يَكُنْ بَيْنَهُمَا اِلَّا اَنْ يَنْزِلَ هٰذَا وَيَصْعَدَ هٰذَا۔

... صفحہ فتح الباری ج ۲ صفحہ ... طحاوی ج ۱ صفحہ ... عینی ج ۲ صفحہ ... اور طحاوی میں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے ... اسلام کے دو مؤذن حضرت بلالؓ اور ابن ام مکتوم تھے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ بلال رات میں اذان دیتے ہیں۔ کھاؤ پیو ... تم اذان دیں۔

...لَمْ يَكُنْ بَيْنَهُمَا اِلَّا اَنْ يَنْزِلَ ... هٰذَا (مسلم عن ابن عمر و عائشہ ج ۱ صفحہ ...)

فرمایا کہ ان دونوں کی اذانوں میں اتنا وقفہ ہوتا کہ یہ منارہ سے اُترتے اور وہ چڑھتے۔

...ان اذانوں کے قرب سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت بلال اور ابن ام مکتوم دونوں وقت پر اذان دینے کا قصد کرتے تھے۔ مگر ... ابن ام مکتوم صحیح وقت پر اذان دیتے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ نماز فجر کے لیے قبل فجر اذان دینا مشروع ...

...انسؓ سے روایت ہے کہ حضرت بلال نے قبل الفجر اذان دے دی تو حضور علیہ السلام نے انھیں حکم دیا کہ منارہ ... ہو کر یہ اعلان کریں کہ عبد (بلال) سو گیا تھا اور غافل ہو گیا۔ حضرت بلال نے یہ اعلان کر دیا اور رونے لگے۔

لیت بلالا لم تلدہ امہ و ثم اذن حین اضاء الفجر (دارقطنی مرفوعاً عن انس و مرسلا عن قتادہ)

کاش بلال کو اس کی ماں نہ جنتی۔ پھر حضرت بلالؓ نے صبح صادق ہونے پر دوبارہ اذان دی۔

اسی طرح طحاوی ج ۱ صفحہ ۸۲ مستدرک بیہقی ج ۱ صفحہ ۳۸۳ حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ حضرت بلالؓ نے فجر سے پہلے اذان دے دی۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

ما حملک علی ذلک قال استیقظت وانا وسنان فظننت ان الفجر طلع فامرہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان ینادی بالمدینۃ ثلاثا ان العبد قد نام ثم اقعدہ الی جنبہ حتی طلع الفجر۔ (ابوداؤد عن ابن عمر)

بلال تمہیں اس فعل پر کس نے ابھارا۔ عرض کی حضور غنودگی میں تھا گمان کیا کہ صبح صادق ہو گئی۔ حضورؐ نے مدینہ میں تین بار اعلان کروایا کہ بندہ سویا ہوا تھا۔ (یعنی نیند کی حالت میں تھا) پھر حضورؐ نے بلال کو اپنے پہلو میں بٹھا لیا یہاں تک کہ صبح صادق ہو گئی۔

ان احادیث سے بھی واضح ہوتا ہے کہ اذان قبل الفجر مشروع نہیں ہے اور اگر غلطی سے دے دی گئی تو وقت ہونے پر دہرائی جانی چاہیئے۔ مزید تفصیل کے لیے طحاوی، العینی، فتح الباری، نیل الاوطار کا مطالعہ کیجئے۔

فائدہ ہمارے زمانے کے غیر مقلد وہابی حضرات نے بخاری کی زیر بحث احادیث سے یہ نکتہ استدلال کیا۔ بلکہ اس پر زور دیا ہے کہ حضرت بلال کو حضورؐ نے سحری کے وقت روزہ داروں کو جگانے کے لیے اذان دینے پر مقرر کیا تھا۔ سحری کے لیے یہ اذان سنت ہے اور اس کو پھر جاری کرنا چاہیئے لیکن اس سلسلہ کی جس قدر روایتیں ہیں۔ ان میں کسی روایت سے مذکورہ بالا مطلب ثابت نہیں ہوتا۔ اور نہ شارحین کرام میں سے کسی نے یہ استدلال کیا ہے۔ چنانچہ اس مضمون کی حدیثوں سے ائمہ کرام نے یہ استدلال تو کیا کہ اذان قبل الفجر جائز ہے یا نہیں۔ اگر جائز ہے تو پہلی کافی ہے یا دوبارہ ضروری ہے مگر کسی شارح نے یہ استدلال کیا ہی نہیں کہ حضرت بلال کی اذان سحری کو جگانے کے لیے ہوا کرتی تھی؛ چنانچہ علامہ ابن حجر علیہ الرحمۃ نے تصریح کی کہ اگر نیند کے بعد آتی ہے اس لیے مناسب ہوا کہ ایک شخص مقرر کر دیا جائے جو فجر کا وقت آنے سے پہلے لوگوں کو جگایا کرے۔ نماز فجر کے لیے تیاری کر لیں اور اول وقت کی فضیلت حاصل کریں۔ فتح الباری ج ۲ صفحہ ۸۵

علامہ ابن حجر کی اس تصریح سے ثابت ہوا کہ حضرت بلالؓ کی اذان کا مقصد نماز فجر کے لیے اٹھانا تھا۔ سحری کے لیے جگانا یہ احتمال ضمنی طور پر ادا کیے جا سکتے تھے یعنی حضرت بلالؓ کی اذان کے بعد چونکہ رات کا کچھ وقت باقی رہتا تھا۔ اس لیے اگر کسی کا وتر رہ گئے ہوں تو پڑھ سکتا تھا۔ اسی طرح اگر روزہ رکھنا ہو تو سحری کھا سکتا تھا۔ یا اگر رمضان کا مہینہ آگیا ہے اور سحری نہیں کھا سکتے اسی لیے حضورؐ نے فرمایا کہ بلال کی اذان تمہیں دھوکہ میں نہ ڈال دے۔ کھاؤ پیو ابھی وقت باقی ہے۔ غرضیکہ سحری کھانا وغیرہ تو ضمنی باتیں ہیں اذان کی غرض و غایت ان امور کی ادائیگی کے لیے نہ تھی۔ چنانچہ تمام شارحین حدیث نے یہ بات ماہ رمضان سے خاص نہ تھی۔ خود حضور علیہ السلام نے اس اذان کی غرض و غایت جو بیان فرمائی وہ یہ ہے۔ لیرجع قائمکم ولینبہ نائمکم۔ کہ یہ اذان اس لیے ہے کہ تمہارا تہجد گزار اپنی نماز تہجد سے فارغ ہو کر کچھ دیر آرام کر لے اور سونے والا جاگ جائے۔ جس سے واضح ہوا کہ یہ اذان سحری کے لیے جگانے کو نہ تھی بلکہ نماز فجر کے لیے اٹھانے اور اس کی تیاری کے لیے تھی۔ چنانچہ شارحین نے لکھا معناہ یرد القائم ای المتھجد الی راحتہ لیقوم الی صلوٰۃ الصبح

...ردالقوم نیل الاوطار ج ۲ ص۳۱ نوری ج ۱ ص۳۵۰ عینی ج ۵ ص۱۳۹ فتح الباری ج ۲ ص۸۴ ان کا مطلب یہ ہے۔ یہ اذان اس لیے ... تہجد پڑھنے والا نماز پوری کر کے ذرا آرام کر لے تاکہ صبح کی نماز کے لیے خوش و خرم اٹھے اور اگر روزہ کی حاجت ہو یا روزہ کا ارادہ ہو تو ... کھالے اور جو سو رہا ہو وہ جاگ جائے۔ تاکہ نماز فجر کے لیے غسل و وضو اطمینان سے ہو سکے۔ دیکھئے شارحین نے یہ تصریح کی کہ اگر روزہ ... حاجت ہو یا ارادہ ہو تو کچھ کھالے۔ ظاہر ہے کہ اگر رمضان آجائے اور روزہ فرض ہو جائے تو پھر (ارادہ ہو) کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ... سے واضح ہوا کہ احادیث زیر بحث میں اذان بلال سحری کو جگانے کے لیے نہ تھی اور نہ ماہ رمضان سے خاص تھی۔ غرض کہ کسی بھی ... نے احادیث زیر بحث سے یہ نتیجہ نہیں نکالا کہ اذان بلال سحری کے لیے تھی اور یہ کہ اس مقصد کے لیے اس اذان کو جائی ... سنت ہے۔

بَابٌ كَمْ بَيْنَ الْأَذَانِ وَالْإِقَامَةِ

باب۔ اذان اور اقامت کے درمیان کتنا وقفہ ہونا چاہیئے

...عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلِ نِالْمُزَنِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ ... صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَيْنَ كُلِّ اَذَانَيْنِ ... صَلوٰةٌ ثَلَاثًا لِمَنْ شَاءَ (بخاری)

عبداللہ بن مغفل مزنی سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ اذان و تکبیر کے درمیان (نماز نفل) ہے تین مرتبہ فرمایا اور یہ نفل جو چاہے پڑھے۔

فوائد و مسائل

بعض شارحین نے کہا۔ ترجمۃ الباب سے امام بخاری نے حدیث ترمذی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ جس کا مضمون یہ ہے کہ حضور نے حضرت بلال سے فرمایا۔ اذان و اقامت کے درمیان اتنا ٹھہر کر کہ کھانے والا کھانے سے ... نے سے اور جس کو بول و براز کی حاجت ہو وہ اپنی حاجت سے فارغ ہو جائے (اور یہ حدیث ضعیف ہے) لیکن یہ بات بڑی عجیب ہے ... بخاری ایک عنوان قائم کریں اور اس کے ماتحت حدیث صحیح درج کریں اور اشارہ کر دیں۔ حدیث ضعیف کی طرف۔ آخر اس کی کیا ... عنوان سے امام نے حدیث ضعیف کی طرف اشارہ کیا ہے ۲ حدیث زیر عنوان کو مسلم، ترمذی، ابوداؤد و نسائی نے صلوٰۃ میں ذکر کیا ۳ اذانین ... اذان و اقامت ہے قطعاً اذانین کہا گیا۔ جیسے چاند اور سورج کو قمرین یا قمرین کہہ سکتے ہیں ۴ صلوٰۃ (اسی وقت صلوٰۃ و ... مصعہام ۵ ثلاثا یعنی حضور علیہ السلام نے یہ جملے تین مرتبہ ارشاد فرمائے۔ جیسا کہ آئندہ روایت میں ہے کہ حضور نے دو مرتبہ یہ فرمایا۔ ... کل اذانین صلوٰۃ بین کل اذانین صلوٰۃ ۹ اور تیسری بار لمن شاء فرمایا اور حدیث مسلم میں یہ ہے کہ چوتھی بار لمن شاء فرمایا۔ اس ... سے براذان و اقامت کے درمیان نفل پڑھنے کا جواز نکلتا ہے اور یہ کہ اذان و اقامت میں وصل مکروہ ہے۔ کیونکہ اذان کا مقصد یہ ... کہ جان جائیں کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے اور نماز کے لیے تیاری کریں اور وصل سے یہ مقصود فوت ہو جاتا ہے۔

اذان واقامت کے درمیان وقفہ کی بحث

واضح ہو کہ اس امر میں سب کا اتفاق ہے کہ ہر نماز کی اذان و اقامت کے درمیان وقفہ کرنا چاہیئے اور وصل مکروہ ہے۔ وقفہ کے متعلق ... کے اقوال مختلف ہیں۔ مگر سب کا نتیجہ تقریباً ایک ہی ہے۔

... فجر و ظہر و عصر و عشا کی اذان و اقامت کے درمیان اتنا وقفہ بھی کیا جائے کہ کھانے پینے والا، کھانے پینے سے بول و براز والا ... حاجت سے فارغ ہو جائے (عامہ اہل علم) ۲۔ دو رکعت پڑھنے کی مقدار وقفہ کیا جائے (امام شافعی و احمد بن حنبل) ۳۔ چار رکعت ... کی مقدار وقفہ کیا جائے یا اتنا کہ جماعت سے نماز پڑھنے والے مسجد میں آجائیں (احناف) ظاہر ہے کہ اس نوع کے جس قدر اقوال ... سب کا نتیجہ یہی ہے کہ مذکورہ بالا چاروں نمازوں کی اذان و اقامت کے درمیان حسب ضرورت وقفہ کیا جا سکتا ہے اور وقفہ کا کم از کم

مقدار یہ ہے کہ دو رکعت نفل پڑھ لی جائیں۔ البتہ اتنا وقفہ کرنا ممنوع ہے کہ وقت مکروہ آجائے۔ اسی طرح اس پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ مغرب کی اذان واقامت میں بھی وقفہ ہو مگر بہت کم ۔ اس بہت کم وقفہ کے متعلق احناف کا مسلک یہ ہے کہ مغرب کی اذان واقامت کے درمیان اتنا وقفہ کیا جائے جتنی دیر میں تین آیتیں چھوٹی یا ایک بڑی پڑھ لی جائے۔ سیدنا امام اعظم سے تین قدم چل لینے کا وقفہ مروی ہے۔ امام ابو یوسف و محمد سے جلسہ خفیفہ کا وقفہ اور حضرت امام شافعی کا مذہب جو علامہ نووی نے ذکر فرمایا۔ وہ ایک قعدہ یا اس کی مثل مدت ہے۔ عینی ج ۲ صفحہ ۱۳۳ اور صاحب ہدایہ نے نقل کیا کہ امام شافعی کے نزدیک مغرب کی اذان اور اقامت میں بھی دو رکعت کا وقفہ کیا جائے۔ حضرت امام احمد بن حنبل علیہ الرحمۃ کا بھی یہی مسلک ہے اور امام احمد پر شرط بھی لگاتے ہیں کہ نفل پڑھنے والا مغرب کی تکبیر تک نفل ختم کرنے۔

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ الْمُؤَذِّنُ اِذَا اَذَّنَ قَامَ نَاسٌ مِّنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَبْتَدِرُوْنَ السَّوَارِيَ حَتّٰى يَخْرُجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُمْ كَذٰلِكَ يُصَلُّوْنَ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الْمَغْرِبِ وَلَمْ يَكُنْ بَيْنَ الْاَذَانِ وَالْاِقَامَةِ شَيْءٌ وَقَالَ عُثْمَانُ بْنُ جَبَلَةَ وَاَبُوْدَاؤدَ عَنْ شُعْبَةَ لَمْ يَكُنْ بَيْنَهُمَا اِلَّا قَلِيْلٌ۔ (بخاری)

انس بن مالک کہتے ہیں کہ جب مؤذن اذان دیتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ صحابی ستونوں کی طرف لپکتے۔ یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جلوہ فرما ہونے تک وہ اسی حال میں رہتے۔ مغرب سے پہلے بھی دو رکعتیں پڑھتے اور اذان واقامت کے درمیان کچھ زیادہ فاصلہ نہ ہوتا۔ عثمان بن جبلہ اور ابوداؤد طیالسی نے شعبہ سے یوں نقل کیا کہ اذان و تکبیر میں تھوڑا وقفہ ہوتا۔

فوائد و مسائل

یبتدرون کے معنی جلدی کرنے اور سبقت لے جانے کے ہیں۔ السواری جمع ساریہ ستون کو کہتے ہیں۔ مطلب یہ کہ مغرب کی اذان کے فوراً بعد صحابہ کرام ستونوں کی طرف بڑھتے اور دو نفل پڑھتے۔ حتیٰ کہ حضور علیہ السلام حجرۂ مبارکہ سے برآمد ہو جاتے۔ شیئ میں کثرت کی نفی اور قلت کا اثبات ہے کیونکہ تنوین تنکیر و تعظیم کے لیے ہے اور نفی کثیر سے نفی مطلق نہیں ہوتی۔ لہٰذا معلق روایت موصول کی معارض نہیں۔ لم یکن بینھما الا قلیل دراصل پہلی کی تفسیر ہے کہ اذان واقامت میں زیادہ وقفہ نہیں ہوتا تھا۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ ہر نماز کی اذان واقامت کے درمیان وقفہ کرنا سنت ہے اور سنتے ہی اقامت کہہ دینا مکروہ ہے۔ جن نمازوں سے پہلے سنت یا نفل ہے۔ ان میں ہے کہ بعد اذان سنن و نوافل میں مشغول ہو جائے۔ مغرب کی اذان واقامت میں زیادہ دیر نہیں چاہیئے۔ حدیث زیر بحث کے پیش نظر غیر مقلدین حضرات مغرب کی اذان واقامت کے درمیان دو نفل پڑھنے پر بہت زور دیتے ہیں۔ بلکہ بعض تو نہ پڑھنے والوں پر ملامت کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ لیکن اصل یہ ہے کہ عہد نبوی میں صحابہ کرام نے یہ دو نفل پڑھے ہیں۔ بلکہ خود حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ مگر یہ نفل حضور کی سنت اخیرہ نہیں ہے۔ اس سلسلہ کی احادیث کے پیش نظر یہ کہنا درست ہے کہ

مغرب سے قبل نفل پڑھنے کے متعلق بحث

اگر کوئی مغرب کی اذان واقامت کے درمیان دو نفل پڑھ لے تو جائز ہے جیسا کہ علامہ ابن الہمام علیہ الرحمۃ نے فرمایا (کما فی الفتح) لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی حق ہے کہ عہد نبوی میں تو صحابہ نے یہ نفل پڑھے ہیں۔ مگر اس کے بعد یہ عمل منقطع ہو گیا اور اس کے انقطاع کا یہ عالم ہوا کہ سیدنا ابن عمر جیسے جلیل القدر صحابی نے اس سے لاعلمی کا اظہار فرمایا۔ جبکہ کسی نے یہ نفل پڑھے تو صحابہ نے اس پر حیرت اور استعجاب کا اظہار کیا۔ حتیٰ کہ عہد خلفاء اربعہ میں بھی اس کا پتہ نشان نہیں تھا۔ حضرات خلفاء اربعہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین یہ نفل نہیں پڑھتے تھے۔ جیسا کہ علامہ نووی علیہ الرحمۃ نے تصریح فرمائی جس سے اس امر کی وضاحت ہوتی ہے کہ حضور

ـ سوم کی سنتِ آخیرہ جس پر حضورؐ کا اور صحابہ کرام کا عمل مستقر ہوا۔ مغرب کی اذان واقامت کے درمیان نفل نہ پڑھنا ہی ہے۔ اب میں
ـ حادیث کو لکھتا ہوں جس سے مذکورہ بالا نتیجہ نکلتا ہے۔

اوّل۔ حدیث عام بدون تعرض الی المغرب نفیا و اثباتا۔ جس میں حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ ہر اذان واقامت کے درمیان
ـ نماز ہے۔

دوم۔ وہ حدیث جس میں مغرب سے قبل نفل پڑھنے کے متعلق ارشاد ہے۔ بخاری باب الصلوٰۃ قبل المغرب میں حدیث گزر چکی
ـ علیہ السلام نے فرمایا۔ صلوا قبل المغرب کہ مغرب سے قبل نفل پڑھو۔ اس میں نمازِ مغرب سے قبل نفل پڑھنے کی تصریح ہے۔
ـ مرکمل ہے۔ جس کا ادنیٰ درجہ استحباب ہے۔ وقال فی الثالث لمن شآء جس سے یہ واضح ہوا۔ یہ نفل فرض واجب نہیں
ـ جو چاہے پڑھے۔ اور جو چاہے نہ پڑھے۔

سوم۔ وہ حدیث جس میں مغرب کا استثناء ہے۔ دارقطنی بیہقی نے اپنے سنن میں حیان سے روایت کیا حضورؐ نے فرمایا۔

ـ عند کل اذانین رکعتین الا المغرب	کہ ہر اذان واقامت کے درمیان دو رکعت نفل پڑھنا سوائے مغرب کے ہیں

ـ وف الشذی میں ہے کہ بزار وابن شاہین اس طرف گئے کہ مغرب سے قبل نفل پڑھنا منسوخ ہے (الورود بالاستثناء) واضح ہو
ـ ابن شاہین، امام دارقطنی کے معاصر ہیں۔ علامہ ابن جوزی نے اس حدیث کو موضوعات میں ذکر کیا اور کہا فلاس سے منقول ہے کہ
ـ حبر کذاب ہے لیکن ابن جوزی سے در اصل سہو ہوا۔ فلاس نے حیان بن عبداللہ کو کذاب قرار دیا ہے۔ حیان بن عبیداللہ کو نہیں
ـ المغرب کے استثناء والی روایت حیان بن عبیداللہ کی ہے جو بصری ہیں اور ثقہ ہیں۔ چنانچہ علامہ زیلعی نے لکھا۔ حیان الذی
ـ عبداللہ وھو کذاب وابن عبیداللہ وھو ثقہ۔ اور علامہ سیوطی نے اللآلی المصنوعہ میں تحریر فرمایا۔ قال البزار بعد تخریجہ
ـ حلو ر د بہ الا حیان وھو بصری مشہور لیس بہ بأس" اور بڑی عجیب بات ہے کہ حافظ علیہ الرحمۃ نے عبارت ابن
ـ تو نقل فرمائی۔ مگر عبارت بزار محض اس بنا پر کہ اس میں حنفیہ کو نفع تھا۔ ترک فرما گئے ——— وھو لیس
ـ د دنزع عن ھذا۔ فافہم

چہارم:۔ سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مغرب سے قبل دو رکعت نفل کے متعلق پوچھا گیا۔ تو آپ نے فرمایا۔

ـ رأیت احدا علی عھد رسول اللہ صلی ـ علیہ وسلم یصلیھا۔ ابوداؤد ص۱۸۲	میں نے کسی کو عہدِ نبوی میں یہ نفل پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا۔

غور کیجئے کہ سیدنا ابن عمر مغرب سے قبل دو نفل پڑھنے کے متعلق بالکل لاعلمی کا اظہار فرما رہے ہیں۔ حالانکہ ظاہر ہے کہ عہد
ـ میں یہ نفل پڑھے گئے تھے۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ حضورؐ کی سنتِ اخیرہ نہ پڑھنا ہی تھی۔ ورنہ حضرت ابن عمرؓ نفی نہیں فرما
ـ تے تھے۔ اسی طرح ابوداؤد باب الرخصۃ فی الصلوٰۃ ص۱۸۲ جناب ابن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے کہ ابا تمیم الشیبانی
ـ ب سے قبل دو رکعت پڑھنے کے لیے کھڑے ہوئے۔

ـ حت لعقبہ بن عامر انظر الی ھذا ای صلاۃ یصلی	تو میں نے عقبہ بن عامر سے کہا دیکھو یہ کونسی نماز پڑھ رہے ہیں۔

ـ ھوں نے کہا۔ یہ نماز ہم عہدِ نبویؐ میں بھی پڑھتے تھے۔ (ابوداؤد)
اس سے ثابت ہوا یہ نفل عہد نبویؐ میں پڑھے گئے پھر منقطع ہو گئے۔ حتیٰ کہ پڑھنے والوں پر اعتراض ہونے لگا اور حضرت
ـ نے اس انداز سے پوچھا کہ جیسے اس کی کوئی اصل ہی نہیں ہے۔

تجسیم: اب حدیثِ زیرِ بحث پر غور کیجئے۔ جس میں یہ ہے کہ جب مؤذن اذان دیتا تو قام ناس من اصحٰب النبیؐ الخ تو صحابہ میں سے بعض نفل پڑھنے کے لیے کھڑے ہو جاتے۔ حتیٰ یخرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم (من) یہ بتا رہا ہے کہ تمام صحابہ نفل نہیں پڑھتے تھے۔ بلکہ ان میں سے کچھ نفل پڑھنے لگتے۔ گویا انہوں نے اذان و اقامت کے وقفہ میں بیکار بیٹھے رہنے کی بجائے نماز میں مصروف رہنا پسند کیا۔ جس پر حتیٰ یخرج النبیؐ کا لفظ دال ہے۔ پھر ظاہر یہی ہے کہ حضور علیہ السلام یہ نفل نہیں پڑھتے تھے وھو کذٰلك یصلون سے واضح ہوتا ہے کہ انہوں نے یہ نفل بطریقِ استحباب و سنت نہیں پڑھے۔ بلکہ امورِ وقتیہ کی طرح ہے۔ ادا کیا ہے۔ کیونکہ اگر یہ سنت ہوتے تو خلفاء مدینہ کبھی ان کو ترک نہ فرماتے۔ فافہم

بَابُ مَنِ انْتَظَرَ الْاِقَامَةَ

باب، اذان سن کر گھر میں تکبیر کا انتظار کرنا

اِنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَكَتَ الْمُؤَذِّنُ بِالْاُوْلٰى مِنْ صَلٰوةِ الْفَجْرِ قَامَ فَرَكَعَ رَكْعَتَيْنِ خَفِيْفَتَيْنِ قَبْلَ صَلٰوةِ الْفَجْرِ بَعْدَ اَنْ يَّسْتَبِيْنَ الْفَجْرُ ثُمَّ اضْطَجَعَ عَلٰى شِقِّهِ الْاَيْمَنِ حَتّٰى يَاْتِيَهُ الْمُؤَذِّنُ لِلْاِقَامَةِ (بخاری)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب مؤذن صبح کی اذان دے کر خاموش ہو جاتا تو دو رکعت (سنتِ فجر) ہلکی ادا فرماتے۔ صبح صادق روشن ہو جانے کے بعد پھر آپ داہنی کروٹ پر آرام فرما ہوتے حتیٰ کہ مؤذن تکبیر کہنے کے لیے حاضر ہوتا۔

فوائد و مسائل اس حدیث کو نسائی نے صلوٰۃ میں ذکر کیا ہے۔ یہ حدیث مسائلِ ذیل پر مشتمل ہے۔
۱۔ سنتِ فجر میں خفیف قراءۃ مستحب ہے لیکن اطالہ بھی جائز ہے۔ چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت سعید بن جبیر سے مروی ہے کہ کان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ربما اطال رکعتی الفجر اور حدیثِ صحیح میں وارد ہوا کہ حضور علیہ السلام سنتِ فجر کی پہلی رکعت میں الحمد اور قل یا ایھا الکٰفرون اور دوسری رکعت میں فاتحہ اور قل ھو اللہ احد تلاوت فرماتے ۲۔ سنتِ فجر پڑھنے کے بعد تھوڑا دیر داہنی کروٹ لیٹ جانا مسنون ہے ۳۔ طلوعِ فجر کے بعد صرف فجر کی دو سنتیں ہی پڑھی جائیں۔ دو رکعت سنت سے زیادہ پڑھنا مکروہ ہے۔ مسلم میں حضرت حفصہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام طلوعِ فجر کے بعد صرف دو رکعت سنتِ فجر ہی ادا کرتے تھے۔ ابوداؤد کی حدیث میں ہے۔ یسار کہتے ہیں کہ عبد اللہ بن عمر نے مجھے طلوعِ فجر کے بعد نفل پڑھتے ہوئے دیکھا تو فرمایا یسار یہ دن میں طلوعِ فجر کے بعد نفل پڑھ رہا تھا کہ حضور تشریف فرما ہوئے اور فرمایا۔

لا تصلوا بعد الفجر الا رکعتین۔ (نقلہ بہ حدیث غریب) | طلوعِ فجر کے بعد سوائے سنتِ فجر کے کوئی اور نفل نہ پڑھو۔

بَابٌ بَيْنَ كُلِّ اَذَانَيْنِ صَلٰوةٌ لِمَنْ شَاءَ

باب، ہر اذان و اقامت کے درمیان جو چاہے نفل پڑھے

اس عنوان کے ماتحت امام نے وہی حدیث لکھی ہے جو باب کم بین الاذانِ والاقامۃ کے تحت مع تفسیر و ترجمہ اور مکمل بحث کے ساتھ بیان ہو چکی ہے۔ (پارہ سوم صفحہ) دیکھئے۔

بَابُ مَنْ قَالَ لِيُؤَذِّنْ فِي السَّفَرِ مُؤَذِّنٌ وَّاحِدٌ

باب، سفر میں ایک ہی شخص اذان کہے، جیسے حضر میں،

۔ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ قَالَ اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ
سیہ وَسَلَّمَ فِي نَفَرٍ مِّنْ قَوْمِي فَاَقَمْنَا عِنْدَهٗ عِشْرِيْ
ـعَرَّ كَانَ رَحِيْمًا رَفِيْقًا فَلَمَّا رَاٰى شَوْقَنَا اِلٰى
ـيْنَا قَالَ ارْجِعُوْا فَكُوْنُوْا فِيْهِمْ وَعَلِّمُوْ
ھم وَصَلُّوْا فَاِذَا حَضَرَتِ الصَّلٰوةُ فَلْيُؤَذِّنْ
ـر اَحَدُكُمْ وَلْيَؤُمَّكُمْ اَكْبَرُكُمْ۔ (بخاری)

حضرت مالک بن حویرث سے مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں میں اپنی قوم بنی لیث کے چند افراد کے ہمراہ بحضور نبوی آیا اور بیس راتیں آپ کے پاس رہا۔ آپ بہت رحیم و رفیق تھے۔ جب آپ نے دیکھا کہ ہم کو گھر جانے کا شوق ہے تو فرمایا اب تم واپس جاؤ اور اپنی قوم میں رہو ان کو دین کی باتیں سکھاؤ اور نماز پڑھتے رہنا جب نماز کا وقت ہو جائے تو تم میں ایک شخص اذان دے اور جو تم میں بڑا ہو وہ امامت کرے۔

فوائد و مسائل اس حدیث کو امام نے صلوٰۃ ادب، خبر واحد اور جہاد میں اور مسلم، ترمذی، ابن ماجہ، نسائی، وابوداؤد نے صلوٰۃ میں ذکر کیا۔ مسائل حدیث یہ ہیں ۱۔ جماعت ایک امام و ایک مقتدی کے ساتھ درست ہے ۲۔ سفر و حضر میں اذان کی ـعت شارع کو مطلوب ہے ۳۔ مسافروں کے لیے بھی اذان اور جماعت مشروع ہے اور جب جماعت سے نماز پڑھیں تو اذان والقامت ـیں۔ وَلْيَؤُمَّكُمْ اَكْبَرُكُمْ سے فقہا نے ترتیب امامت کے مسئلہ کو اخذ کیا یعنی سب سے زیادہ امامت کا وہ شخص مستحق ـے جو نماز و طہارت کے مسائل کو سب سے زیادہ جانتا ہو اس کے بعد وہ جو تجوید و قرأت کا زیادہ علم رکھتا ہو۔ اگر کئی شخص ان باتوں ـیں برابر ہوں تو وہ جو زیادہ ورع رکھتا ہو۔ اس میں بھی برابر ہوں تو وہ جو زیادہ عمر والا ہو۔ غرضیکہ چند اشخاص اگر برابر کے ہوں تو ان میں ـ نسبی ترجیح رکھتا ہو، زیادہ حقدار ہے اور اگر ترجیح نہ ہو سکے تو قرعہ ڈالا جائے یا جس کو لوگ چاہیں یا جس کی طرف اکثریت ہو وہ ـمت کا مستحق ہے۔ یہاں عنوان میں مؤذن واحد سے اذان واحد مراد ہے۔ جیسا کہ امام بخاری نے باب الجمع میں مؤذن واحد سے ـن واحد مراد لی ہے اور یہ اس امر کی دلیل ہے کہ امام بخاری کے نزدیک ایک مؤذن ایک ہی اذان دے۔

بَابُ الْاَذَانِ لِلْمُسَافِرِ اِذَا كَانُوْا جَمَاعَةً وَّالْاِقَامَةِ وَكَذٰلِكَ بِعَرَفَةَ وَجَمْعٍ وَقَوْلِ الْمُؤَذِّنِ الصَّلٰوةُ فِي الرِّحَالِ فِي اللَّيْلَةِ الْبَارِدَةِ وَالْمَطِيْرَةِ

ـب۔ اگر چند مسافر ہوں تو نماز کے لیے اذان و اقامت کہیں اور عرفات و مزدلفہ میں بھی اسی طرح کریں اور جب سردی یا بارش کی رات ہو تو مؤذن یوں پکارے اپنے ٹھکانوں میں نماز پڑھو تو

احناف کے نزدیک مسافر کو مستحب ہے کہ اذان و اقامت کے ساتھ نماز پڑھے اور اگر صرف اقامت پر اکتفا کرے تو جائز ہے ـں دونوں کا ترک مکروہ ہے ۲۔ حدیث ابن مسعود میں ہے کہ انھوں نے مغرب و عشا کو اذان و اقامت کے ساتھ پڑھی اور کہا کہ میں ـے حضور کو ایسا کرتے ہوئے دیکھا اور حدیث جابر جو ایک طویل حدیث ہے۔ اس میں ہے کہ حضرت بلال نے اذان اور اقامت کہی ـب کہ حضور علیہ السلام نے عرفہ میں ظہر و عصر جمع کر کے پڑھی (مسلم شریف) ۳۔ اس عنوان کے ماتحت امام نے حدیث ابراد بالظہر ذکر کی جو مع ـمیر و ترجمہ کے فیوض الباری پارہ سوم ص ۲۳۱، ۲۳۰ پر گزر چکی ہے جس سے سفر میں اذان کا مشروع ہونا ثابت ہوتا ہے۔

ـن مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ قَالَ اَتَى رَجُلَانِ النَّبِيَّ
ـصَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُرِيْدَانِ السَّفَرَ فَقَالَ
ـنَبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَنْتُمَا خَرَجْتُمَا
ـذِّنَا ثُمَّ اَقِيْمَا ثُمَّ لِيَؤُمَّكُمَا اَكْبَرُكُمَا۔
عَنْ اَبِي قِلَابَةَ قَالَ حَدَّثَنَا مَالِكٌ قَالَ

۱۔ مالک بن حویرث کہتے ہیں کہ دو شخص بحضور نبوی حاضر ہوئے ان کا ارادہ سفر کا تھا۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا۔ جب تم سفر پر جاؤ تو اذان کہنا اور تکبیر کہنا۔ پھر تم دونوں میں سے جو بڑا ہو وہ امامت کرے۔

۲۔ ابو قلابہ نے کہا ہم سے مالک بن حویرث نے بیان کیا۔ ہم

اَتَيْنَا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ شَبَبَةٌ مُتَقَارِبُوْنَ فَاَقَمْنَا عِنْدَهٗ عِشْرِيْنَ يَوْمًا وَّلَيْلَةً وَّكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَحِيْمًا رَفِيْقًا فَلَمَّا ظَنَّ اَنَّا قَدِ اشْتَهَيْنَا اَهْلَنَا وَقَدِ اشْتَقْنَا سَاَلَنَا عَمَّنْ تَرَكْنَا بَعْدَنَا فَاَخْبَرْنَاهُ فَقَالَ ارْجِعُوْا اِلٰى اَهْلِيْكُمْ فَاَقِيْمُوْا فِيْهِمْ وَعَلِّمُوْهُمْ وَمُرُوْهُمْ وَذَكَرَ اَشْيَآءَ اَحْفَظُهَا اَوْلَا اَحْفَظُهَا وَصَلُّوْا كَمَا رَاَيْتُمُوْنِيْ اُصَلِّيْ فَاِذَا حَضَرَتِ الصَّلٰوةُ فَلْيُؤَذِّنْ لَكُمْ اَحَدُكُمْ وَلْيَؤُمَّكُمْ اَكْبَرُكُمْ۔

قَالَ اَذَّنَ ابْنُ عُمَرَ فِيْ لَيْلَةٍ بَارِدَةٍ بِضَجْنَانَ ثُمَّ قَالَ صَلُّوْا فِيْ رِحَالِكُمْ وَاَخْبَرَنَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَاْمُرُ مُؤَذِّنًا يُّؤَذِّنُ ثُمَّ يَقُوْلُ عَلٰى اِثْرِهٖ اَلَا صَلُّوْا فِي الرِّحَالِ فِي اللَّيْلَةِ الْبَارِدَةِ اَوِ الْمَطِيْرَةِ فِي السَّفَرِ۔ (بخاری)

بحضورِ نبوی حاضر ہوئے جبکہ ہم سب نوجوان اور قریب العمر تھے۔ پس بیس دن رات قیام کیا اور حضور علیہ السلام بڑے ہی رحم دل اور ملنسار تھے۔ جب آپ یہ سمجھے کہ ہم اپنے گھروں کو دیکھنا چاہتے ہیں یا ہمیں گھر جانے کا شوق ہے تو آپ نے پوچھا اپنے وطن میں کن کن عزیزوں کو چھوڑ کر آئے ہو۔ ہم نے بتایا۔ آپ نے فرمایا اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ۔ انہیں دین سکھاؤ اور حکم دو (مالک نے حضورؐ کی فرمودہ کئی باتیں بیان کیں نے کہا کہ ابو قلابہ نے یہ کہا کہ وہ باتیں مجھے یاد ہیں یا کہ یاد نہیں) اور فرمایا جیسے تم نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے اسی طرح نماز پڑھو۔ اور نماز کا وقت آئے تو تم میں سے ایک شخص اذان دے اور جو اکبر ہو وہ امامت کرے۔

۲۔ حضرت عبداللہ ابن عمر نے بمقام ضجنان سردی کی رات میں اذان دی۔ پھر کہا اپنی قیام گاہ میں نماز پڑھ لو اور بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مؤذن کو حکم دیتے کہ اذان دے۔ پھر یہ کہہ کر کہ اپنی اپنی قیام گاہ میں نماز ادا کر لو اور حضورؐ سردی یا بارش کی رات میں بحالتِ سفر یہ حکم دیتے تھے۔

فوائد و مسائل ان احادیث کے مسائل یہ ہیں۔ سفر میں نماز کا وقت آ جائے تو اذان و اقامت کے ساتھ با جماعت نماز محمود و مطلوب ہے ۲۔ اگر رات سخت سرد ہو یا بارش ہو اور سفر میں یکجا مل کر با جماعت پڑھنا دشوار ہو تو پھر تم اپنی قیام گاہوں میں نماز ادا کر لیں ۳۔ حدیث ۱ کے الفاظ (فاذنا ثم اقیما) کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ تم دونوں اذان کہنا اور دونوں اقامت کہنا۔ مراد یہ ہے کہ تم دونوں میں سے جو چاہے اذان و اقامت کہے اور جو اکبر ہو وہ امامت کرے ۴۔ اکبر سے عمر میں یا علم و فضل میں بڑا ہونا یا وہ بہت تقویٰ میں بڑا ہونا مراد لیا جا سکتا ہے ۵۔ سب حدیثوں کی باب سے مناسبت یہی ہے کہ ان میں بحالتِ سفر اذان و اقامت کا ذکر ہے ۶۔ حدیث ۲ میں ضجنان بروزن فعلان غیر منصرف ہے اور یہ مکہ میں ۲۵ یا ۲۶ میل کے فاصلہ پر ایک پہاڑی ہے ۷۔ ظاہر یہی ہے کہ صلوا فی الرحال کا جملہ بعد اذان کہا گیا ہے کیونکہ ثم کا مفاد یہی ہے ۸۔ اگر بوجہ آندھی یا بارش یا سخت سردی مسجد میں آنا دشوار ہو تو گھر نماز پڑھ لینے میں کوئی حرج نہیں۔ اس صورت میں جماعت میں حاضر ہونا معاف ہے ۹۔ امام نے ان حدیثوں کے بعد ایک اور حدیث لکھی ہے جو باب سترۃ الامام سترۃ لمن خلفہ میں مع تفہیم و ترجمانی کے گزر چکی ہے۔ دیکھو فیوض الباری پارہ دوم صفحہ ۲۰

بَابٌ هَلْ يَتَتَبَّعُ الْمُؤَذِّنُ فَاهُ هٰهُنَا وَهٰهُنَا وَهَلْ يَلْتَفِتُ فِي

باب (۱۸) کیا مؤذن اذان میں اپنے منہ ادھر ادھر کرے ہم اور کیا اذان میں ادھر ادھر دیکھ سکتا ہے؟

الْاَذَانِ وَيُذْكَرُ عَنْ بِلَالٍ اَنَّهٗ جَعَلَ اِصْبَعَيْهِ فِيْ اُذُنَيْهِ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ لَا يَجْعَلُ اِصْبَعَيْهِ فِيْ اُذُنَيْهِ وَقَالَ اِبْرَاهِيْمُ لَا بَاْسَ اَنْ يُّؤَذِّنَ عَلٰى

۳۔ حضرت بلالؓ نے بوقتِ اذان اپنی دونوں انگلیوں کو کانوں میں ڈالا ہم۔ عبداللہ بن عمر بوقتِ اذان کانوں میں انگلیاں نہ رکھتے تھے۔ اور ابراہیم نخعی نے کہا ہے کہ وضو اذان دینے میں حرج نہیں

غَيْرِ وُضُوْءٍ وَقَالَ عَطَاءٌ اَلْوُضُوْءُ حَقٌّ وَسُنَّةٌ وَقَالَتْ عَائِشَةُ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْكُرُ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ اَحْيَانِهٖ عَنْ عَوْنِ بْنِ اَبِيْ جُحَيْفَةَ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّهٗ رَاٰى بِلَالًا يُؤَذِّنُ فَجَعَلْتُ اَتَتَبَّعُ فَاهُ هٰهُنَا وَهٰهُنَا بِالْاَذَانِ۔ (بخاری)

(۶) اور عطاء بن ابی رباح نے فرمایا۔ بوقت اذان باوضو ہونا حق ہے اور سنت ہے (۷)، اور جناب عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا۔ حضور علیہ السلام ہر حال میں یادِ خدا کرتے تھے (۸) اور عون اپنے والد ابی جحیفہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے جناب بلال کو اذان دیتے ہوئے دیکھا اور وہ اذان میں اپنا چہرہ ادھر ادھر پھراتے تھے۔

فوائد و مسائل تعلیقات زیرِ عنوان کے مسائل یہ ہیں۔ اوّل۔ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ داہنی طرف منہ کر کے کہے اور حی علی الفلاح بائیں جانب منہ کر کے کہے اور یہ پھیرنا صرف منہ کا ہے۔ سارے بدن سے نہ پھیرے۔ چنانچہ حدیث ابوداؤد میں ہے فلما بلغ حی علی الصلاۃ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ لوی عنقہ یمینًا وشمالًا وَلَمْ يَسْتَدِرْ۔ اور اگر مینارہ پر اذان کہے تو داہنے طرف کے طاق سے سر نکال کر حی علی الصلاۃ اور بائیں جانب کے طاق سے حی علی الفلاح کہے تاکہ آواز اچھی طرح پہنچ جائے اور یہ وہیں ہوگا کہ مینارہ بند ہے اور دونوں طرف طاق کھلے ہوں۔ لیکن اگر کھلے مینارہ پر اذان دی جائے تو ایسا نہ کرے بلکہ وہی صرف منہ پھیرے اور قدم ایک جگہ قائم رہیں ۲۔ بوقتِ اذان کانوں میں انگلیاں ڈالے رہنا مستحب ہے اور یہ فعل بلندیٔ آواز میں معین ہے۔ کان جب بند ہوتے ہیں تو آدمی زور سے بولتا ہے اور اگر اذان میں ایسا نہ کیا تو بھی جائز ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر ایسا نہیں کرتے تھے ۳۔ باوضو اذان دینا افضل و بہتر ہے۔ ویسے اذان کے لیے شرط نہیں ہے۔ بے وضو اذان دی تو ہو گئی اور ترمذی کی حدیث میں ہے کہ اذان نہ دے۔ ترمذی یہ حدیث ضعیف ہے لیکن اس سے شریعت کے رجحان کا پتہ ضرور چلتا ہے کہ اذان باوضو دینا محمود و محبوب ہے ۴۔ اور حدیث عطاء رضی اللہ عنہ سے امام نے یہ واضح کیا ہے کہ بے وضو اذان دینا درست ہے۔ (چنانچہ امام مالک اور ابل کوفہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ کیونکہ اذان ذکر ہے اور حضور علیہ السلام اللہ کا ذکر ہر حال میں جائز سمجھتے تھے اس کی مزید توضیح کے لیے فیوض الباری پارہ دوم ص۲۴۲ کا ضرور مطالعہ کیجئے۔

بَابُ قَوْلِ الرَّجُلِ فَاتَتْنَا الصَّلٰوةُ

باب یوں کہنا کہ "میری نماز فوت ہو گئی" کیسا ہے؟

وَكَرِهَ ابْنُ سِيْرِيْنَ اَنْ يَقُوْلَ فَاتَتْنَا الصَّلٰوةُ وَلْيَقُلْ لَمْ نُدْرِكْ وَقَوْلُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَصَحُّ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِيْ قَتَادَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ نُصَلِّيْ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذْ سَمِعَ جَلَبَةَ رِجَالٍ فَلَمَّا صَلّٰى قَالَ مَا شَاْنُكُمْ قَالُوْا اسْتَعْجَلْنَا اِلَى الصَّلٰوةِ قَالَ فَلَا تَفْعَلُوْا اِذَا اَتَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَعَلَيْكُمُ السَّكِيْنَةُ فَمَا اَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوْا وَمَا فَاتَكُمْ فَاَتِمُّوْا۔ (بخاری)

حضرت ابن سیرین نے اس کو کروہ جانا اور کہا کہ یہ کہنا چاہیے کہ ہم نے نماز نہیں پائی اور نبی علیہ السلام کا فرمان سب سے زیادہ صحیح ہے حضرت عبداللہ اپنے والد ابو قتادہ سے راوی کہ ہم ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے اچانک آپ نے چند لوگوں کے دوڑنے کی آواز سنی۔ جب آپ نماز پڑھ چکے تو فرمایا یہ آواز کیسی تھی۔ لوگوں نے عرض کی ہم نماز کے لیے دوڑ کر آئے تھے۔ آپ نے فرمایا ایسا مت کرنا جب تم نماز کیلیے آؤ تو اطمینان کو لازم پکڑو جتنی نماز تم کو امام کے ساتھ مل جائے پڑھ لو اور جتنی فوت ہو جائے تو وہ خود پوری کر لو۔

فوائد و مسائل اس حدیث سے واضح ہوا کہ اگر کسی کی نماز قضا ہو گئی ہو تو اسے یہ کہنا جائز ہے کہ میری نماز قضا ہو گئی یا فوت ہو گئی اور حضرت ابن سیرین علیہ الرحمۃ کی یہ رائے کہ ایسا کہنا کروہ ہے غلط ہے۔ اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ جس کی بڑی

شخصیت کی رائے بھی حدیث رسول کے خلاف ہو تو وہ مردود ہے اور حدیث رسول بہرحال مقدم ہے۔

بَابُ مَا اَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوْا وَمَا فَاتَكُمْ فَاَتِمُّوْا

باب، جتنی نماز امام کے ساتھ پاؤ، پڑھ لو اور جتنی رہ جائے اسے پورا کرو

قَالَ اَبُوْ قَتَادَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا سَمِعْتُمُ الْاِقَامَةَ فَامْشُوْا اِلَى الصَّلٰوةِ وَعَلَيْكُمُ السَّكِيْنَةَ وَالْوَقَارَ وَلَا تُسْرِعُوْا فَمَا اَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوْا وَمَا فَاتَكُمْ فَاَتِمُّوْا۔ (بخاری)

یہ ابو قتادہ نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کی۔ ۲ حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فر... تم تکبیر کی آواز سنو تو نماز کے لیے آہستگی اور اطمینان سے ... اور دوڑو نہیں۔ پھر جتنی نماز مل جائے وہ پڑھ لو اور جو ... جائے اسے پوری کرو۔

احادیث ہذا مسائل ذیل پر مشتمل ہے ۱۔ با جماعت نماز پڑھنا اور اس کے حصول کی کوشش کرنا محمود و محبوب ہے ۲۔ جو شخص جماعت کے ساتھ ایک رکعت یا اس کا کوئی جزو پالے وہ فضیلت جماعت حاصل کرے گا۔ اسی لیے حضور علیہ السلام نے فما ادرکتم فصلوا فرمایا اور قلیل وکثیر میں فصل نہیں کیا ۳۔ اس میں یہ ہدایت بھی ہے کہ جماعت سے ملنے کے لیے دوڑنا نہیں بلکہ معتدل رفتار سے چل کر جانا چاہیئے۔ بعض اوقات دوڑنے سے پاؤں پھسل جاتا ہے نیز مسجد میں دوڑنا آداب مسجد کے بھی خلاف ہے

بَابُ لَا يَقُوْمُ اِلَى الصَّلٰوةِ مُسْتَعْجِلًا وَلْيَقُمْ اِلَيْهَا بِالسَّكِيْنَةِ وَالْوَقَارِ

باب، نماز کے لیے جلدی سے نہ اٹھے بلکہ اطمینان اور سہولت کے ساتھ اٹھے

عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَلَا تَقُوْمُوْا حَتّٰى تَرَوْنِيْ وَعَلَيْكُمُ السَّكِيْنَةُ۔

حضرت قتادہ اپنے والد سے راوی ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا جب نماز کی تکبیر ہو تو تم اس وقت تک کھڑے نہ ہو جب تک مجھے دیکھ نہ لو۔

بَابُ مَتٰى يَقُوْمُ النَّاسُ اِذَا رَاَوُا الْاِمَامَ عِنْدَ الْاِقَامَةِ

باب، لوگ کس وقت کھڑے ہوں، جب کہ امام کو دیکھ لیں اقامت کے وقت

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِيْ قَتَادَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَلَا تَقُوْمُوْا حَتّٰى تَرَوْنِيْ۔

عبداللہ بن ابی قتادہ اپنے والد سے راوی۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب نماز کی تکبیر ہو تو جب تک مجھے نہ دیکھو کھڑے نہ ہو۔

فوائد و مسائل اس حدیث کو امام نے صلوٰۃ میں ذکر کیا اور مسلم و ترمذی و ابوداؤد نے بھی صلوٰۃ میں ذکر کیا ۲۔ حضور نے فرمایا لا تقوموا حتی ترونی۔ جب تک مجھے نہ دیکھ لو، کھڑے نہ ہو۔ جس سے واضح ہوا کہ امام کے مسجد میں آنے سے پہلے صف بنا کر کھڑے ہونا مکروہ ہے ۳۔ مسلم میں حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام کے مسجد میں جلوہ فرما ہونے سے پہلے تکبیر کہی گئی اور ہم کھڑے ہوئے اور صفیں برابر کیں اور حدیث جابر کا مضمون یہ ہے کہ حضرت بلال اقامت اس وقت کہتے تھے۔ جب حضور جلوہ فرما ہوتے۔ تو ان دونوں حدیثوں میں تعارض نہیں ہے۔ حضرت بلال نگاہ رکھتے تھے کہ حضور کب جلوہ فرما ہوتے ہیں اور وہ حضور کو دیکھ کر ہی اقامت کہتے تھے اور بعض اوقات دوسرے لوگوں کو حضور کا جلوہ فرما ہونا دکھائی نہ دیتا اور وہ اس وقت کھڑے ہوتے تھے۔ جب حضور سامنے تشریف لاتے ہوئے دیکھ لیتے ۴۔ حضور علیہ السلام کا حجرہ مبارکہ کاشانۂ مسجد کی طرف تھا اور جب آپ مسجد میں آنا چاہتے تو دروازہ ...

پڑھتا تھا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ چونکہ حضور کے خروج پر نگاہ رکھتے تھے۔ اس لیے حضور کے اولین خروج کو دیکھ لیتے اور دوسرے بعض اوقات نزدیک پاتے۔ کتب احناف میں ہے کہ کھڑے ہو کر اقامت کا انتظار کرنا مکروہ ہے۔ جب کبرٰی حی علی الصلوٰۃ کہے تو کھڑے ہونا چاہیے۔ یعنی اقامت کے وقت جو شخص آئے اور جو لوگ مسجد میں موجود ہوں انہیں چاہیے کہ بیٹھے رہیں۔ اس وقت اٹھیں جب مکبر حی علی الصلوٰۃ پر پہنچے۔ یہ ہی حکم امام کے لیے ہے۔

بَابٌ هَلْ يَخْرُجُ مِنَ الْمَسْجِدِ لِعِلَّةٍ

باب۔ کیا بوقت ضرورت اذان کے بعد مسجد سے نکل سکتا ہے

ب) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ وَقَدْ أُقِيمَتِ الصَّلَوٰةُ وَعُدِّلَتِ الصُّفُوفُ حَتَّى إِذَا قَامَ فِي مُصَلَّاهُ انْتَظَرْنَا أَنْ يُكَبِّرَ انْصَرَفَ قَالَ عَلَى مَكَانِكُمْ فَمَكَثْنَا عَلَى هَيْئَتِنَا حَتَّى خَرَجَ إِلَيْنَا يَنْطِفُ رَأْسُهُ مَاءً وَقَدِ اغْتَسَلَ۔ (بخاری)

(ب) حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مسجد میں جلوہ فرما ہوئے اور نماز کی تکبیر ہونے والی تھی اور صفیں برابر کی جانے والی تھیں۔ آپ جب مصلے پر کھڑے ہوئے اور ہم منتظر تھے کہ آپ اللہ اکبر کہیں گے۔ آپ لوٹے اور فرمایا اپنی جگہ کھڑے رہو۔ ہم اسی طرح کھڑے رہے۔ یہاں تک کہ آپ تشریف لائے۔ آپ کے سر مبارک سے پانی ٹپک رہا تھا آپ نے غسل فرمایا تھا۔

فوائد و مسائل خرج وقد اقیمت الصلوٰۃ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ حضور کے مصلے پر آنے سے قبل اقامت ہو چکی تھی۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ حضور ایسے وقت میں تشریف لائے کہ تکبیر ہونے والی تھی ۲۔ ہوا یہ کہ حضور علیہ السلام کو نہانے کی حاجت تھی۔ آپ بھولے سے تشریف لائے پھر یاد آیا تو واپس ہوئے اور غسل فرما کر تشریف لائے اور نماز پڑھائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء کرام کو امور غیر طاعیہ میں نسیان ہو سکتا ہے اور اس میں حکمت یہ ہے کہ لوگوں کو مسائل معلوم ہو جائیں۔ حدیث ہذا مسائل ذیل پر مشتمل ہے ۱۔ بحالت جنابت بھولے سے مسجد میں آ گیا اور نماز میں شامل ہو گیا تو گناہ نہیں مگر یاد آنے پر فوراً واپس ہو اور غسل کر کے نماز ادا کرے ۲۔ امور دین میں شرم و حیا مطلوب نہیں ہے ۳۔ صحیح مسلم اور ابو داؤد میں حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ ایک شخص اذان کے بعد مسجد سے نکلا تو حضور نے فرمایا۔ اس نے ابو القاسم صلے اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ اذان کے بعد مسجد سے نہیں نکلتا مگر منافق۔

اذان کے بعد مسجد سے نکلنا جائز نہیں اس حدیث سے واضح ہوا کہ بلا ضرورت شرعیہ اذان کے بعد مسجد سے نکلنا جائز نہیں مگر جو عذر کی وجہ سے جائے۔ مثلاً بول و براز کی حاجت ہو گئی یا کوئی ضروری کام ہے اور واپسی کا ارادہ رکھتا ہے۔ یعنی قبل قیام جماعت واپس آنے کا ارادہ ہے یا دوسری مسجد کی جماعت کا منتظم ہے تو اسے اذان کے بعد مسجد سے جانا جائز ہے ۵۔ اسی طرح اگر کوئی اس وقت کی نماز پڑھ چکا ہے تو اذان کے بعد مسجد سے جا سکتا ہے۔ مگر ظہر و عشاء میں اقامت ہو گئی تو رک جائے۔ نفل کی نیت سے شریک ہو جائے اور باقی تین نمازوں (فجر عصر و مغرب میں) اگر تکبیر ہو گئی اور یہ تنہا پڑھ چکا ہے تو باہر نکل جانا ضروری ہے کیونکہ فجر عصر و مغرب میں بطور نفل شریک نہیں ہو سکتا اور مسجد میں ٹھہرے رہنے میں لوگ بے نمازی ہونے کا گمان کریں گے۔

فائدہ منکرین شان نبوت اس حدیث سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کو علم غیب نہ تھا اگر آپ کو پہلے سے یہ علم ہوتا کہ مصلے پر جا کر واپس آ جاؤں گا تو آپ بغیر غسل کیے جاتے ہی کیوں؟ لیکن یہ استدلال بہت ہی رکیک ہے کیونکہ نسیان عدم علم پر دلالت نہیں کرتا بلکہ نسیان تو علم کی دلیل ہے۔ دیکھئے ایک شخص قرآن حکیم کا حافظ کامل ہے مگر بعض اوقات کوئی آیت بھول جاتا

سبب ہے۔ اس کے متعلق کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس کو قرآن کا علم نہیں بلکہ یہ کہا جائے گا کہ بھول گیا۔ بلا تمثیل اسی طرح بعض اوقات نبی کریم کو ان کے افعال قبیلہ وغیرہ میں نسیان ہو جاتا ہے۔ مگر اس پر بھی اللہ تعالیٰ قائم نہیں رہنے دیتا۔ فوراً ادھر متوجہ فرما دیتا ہے۔ تو سہو بات سے تردد کا باعث جانا (ذہول) یا کسی بات کو بھول جانا (نسیان) کو عدم علم کی دلیل بنانا بجائے خود جہالت ہے۔

بَابُ إِذَا قَالَ الْإِمَامُ مَكَانَكُمْ حَتَّى يَرْجِعَ انْتَظَرُوا عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ أُقِيمَتِ الصَّلٰوةُ

باب، جب امام مقتدیوں سے کہے۔ کہ یہیں ٹھہرے رہو۔ جب تک میں آؤں تو مقتدی انتظار کریں۔

اس عنوان کے ماتحت امام نے وہی حدیث ذکر کی ہے جو اوپر گزر چکی ہے۔ جس پر ہم نے ب کا نشان دیا ہے۔ بخاری کے بعض نسخوں میں یہ بھی ہے کہ امام بخاری سے پوچھا گیا کہ مقتدی امام کا انتظار کھڑے کھڑے کریں یا بیٹھ کر تو آپ نے فرمایا کہ اگر تکبیر تحریمہ ہو چکی ہو تو کھڑے کھڑے انتظار کریں ورنہ بیٹھ جانے میں حرج نہیں۔

بَابُ قَوْلِ الرَّجُلِ مَا صَلَّيْنَا

باب، اس طرح کہنا کہ ہم نے نماز نہیں پڑھی

اس عنوان کے ماتحت امام نے وہی حدیث ذکر کی ہے جو باب من صلی بالناس جماعۃ بعد ذهاب الوقت (فیوض الباری ۔ سوم ص۲۰۹) میں ذکر کی ہے۔ مقصود عنوان یہ ہے کہ اگر کسی کی نماز رہ گئی تو اس کو یوں کہنا جائز ہے کہ میں نے ابھی نماز نہیں پڑھی۔

بَابُ الْإِمَامِ تَعْرِضُ لَهُ الْحَاجَةُ بَعْدَ الْإِقَامَةِ

اگر تکبیر ہو جانے کے بعد امام کو کوئی ضروری حاجت پیش آجائے (تو اسے پوری کر سکتا ہے)

ج۔ عَنْ أَنَسٍ قَالَ أُقِيمَتِ الصَّلٰوةُ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُنَاجِي رَجُلًا فِي جَانِبِ الْمَسْجِدِ فَمَا قَامَ إِلَى الصَّلٰوةِ حَتَّى نَامَ الْقَوْمُ۔ (بخاری)

ج۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نماز کی تکبیر ہوئی اور حضور علیہ السلام مسجد کے ایک گوشے میں ایک شخص سے سرگوشی فرما رہے اور نماز شروع نہیں فرمائی۔ حتیٰ کہ لوگ اونگھنے لگے۔

۱۔ بعض شارحین نے کہا کہ حدیث ہذا میں نَامَ سے مراد اونگھنا ہے یعنی اقامت ہو گئی اور حضور علیہ السلام اس شخص کے ساتھ گفتگو میں مصروف رہے یہاں تک کہ لوگ اونگھنے لگے۔ لیکن اگر نَامَ کے حقیقی معنی (سو گئے) کے لیے جائیں تو بھی حرج نہیں کیونکہ اس سے یہ ثابت نہیں ہوگا کہ سونے کے بعد بغیر وضو کیے نماز پڑھ لی گئی ہوگی! ۲۔ صحیح مسلم کی روایت میں ہے۔ یہ واقعہ عشا کا ہے۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ تکبیر تحریمہ و اقامت میں بھی بضرورت شرعیہ فاصلہ جائز ہے۔ اگر اقامت کے بعد امام کو کوئی حاجت پیش آجائے تو اس کا پورا کرنا جائز ہے۔ مقتدیوں کو چاہیے کہ اتنی دیر امام کا انتظار کریں۔ لیکن بضرورت یہ فاصلہ ایسی صورت میں جائز ہوگا۔ جب کہ وقت میں گنجائش ہو ۳۔ صاحب توضیح نے لکھا ہے کہ اس حدیث سے اقامت کے بعد بضرورت بات کرنے کا جواز نکلا۔ اگرچہ زہری اور ابراہیم نے اسے مکروہ قرار دیا اور بعض حنفیہ نے یہ بھی لکھا کہ اقامت کے بعد امام کو اللہ اکبر کہنا واجب ہے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ احناف کے نزدیک کراہت اس صورت میں ہے جب کہ بلا ضرورت ایسا کیا جائے۔ لیکن اگر کسی امر دینی کی وجہ سے اقامت کے بعد بات کرے تو حرج نہیں۔

بَابُ الْكَلَامِ إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلٰوةُ

باب، کیا تکبیر کے بعد بات کرنا جائز ہے

اس عنوان کے ماتحت امام نے وہی حدیث ذکر کی ہے جو اوپر گزر چکی ہے۔ جس پر ہم نے (ج) کا نشان دیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اقامت کے بعد بضرورت بات کرنا جائز ہے۔ علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے لکھا۔ اس حدیث میں اس امر کی دلیل ہے کہ اقامت اور

نماز میں وصل سنّتِ مؤکدہ نہیں ہے بلکہ وصل مستحب ہے۔

بَابُ وُجُوْبِ الصَّلٰوةِ الْجَمَاعَةِ

باب: باجماعت نماز پڑھنا ضروری ہے

وَقَالَ الْحَسَنُ اِنْ مَنَعَتْهُ اُمُّهٗ عَنِ الْعِشَآءِ فِی الْجَمَاعَةِ شَفَقَةً لَّمْ يُطِعْهَا عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ اٰمُرَ بِحَطَبٍ لِّيُحْطَبَ ثُمَّ اٰمُرَ بِالصَّلٰوةِ فَيُؤَذَّنَ لَهَا ثُمَّ اٰمُرَ رَجُلًا فَيَؤُمَّ النَّاسَ ثُمَّ اُخَالِفَ اِلٰى رِجَالٍ فَاُحَرِّقَ عَلَيْهِمْ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ لَوْ يَعْلَمُ اَحَدُهُمْ اَنَّهٗ يَجِدُ عَرْقًا سَمِيْنًا اَوْ مِرْمَاتَيْنِ حَسَنَتَيْنِ لَشَهِدَ الْعِشَآءَ۔

اور حسن بصری نے فرمایا۔ اگر کسی کو اس کی ماں شفقت کے طور پر نمازِ عشاء باجماعت پڑھنے سے روکے تو وہ ماں کا کہنا نہ مانے۔ حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ مجھے اس کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے میں نے یہ ارادہ کیا کہ حکم دوں کہ لکڑیاں جمع کی جائیں۔ پھر نماز کا حکم دوں۔ نماز کی اذان دی جائے۔ پھر ایک شخص کو حکم دوں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے اور میں وہاں کو چھوڑ کر ان لوگوں کے پاس جاؤں جو جماعت کی شامل نہیں مجھے ان کے گھروں کو آگ لگا دوں۔ اسی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر ان لوگوں کو جو جماعت میں شامل نہیں ہوتے یہ معلوم ہو جائے کہ ہڈی یا مرت حسن ملےگا تو عشاء کی نماز میں ضرور شامل ہوتے۔

حضرت حسن بصری کے اثر کو علامہ مروزی نے بسندِ صحیح وصل کیا کہ حضرت حسنؓ نے فرمایا کہ اگر والدہ نفل روزہ افطار کرانے کو کہے تو روزہ کا ثواب بھی ملےگا اور والدہ کی تابعداری کا بھی اور اگر ماں عشاء کی نماز باجماعت پڑھنے سے از روئے شفقت و محبت منع کرے تو اس کا کہنا نہ مانے کیونکہ یہ فرض ہے ۲۔ حدیث دوم کو امام نے احکام میں اور نسائی نے صلوٰۃ میں ذکر کیا ۳۔ عرق اس کی جمع عراق ہے اور سمین کے معنی فربہ کے ہیں۔ تو عرق کے معنی ہوئے وہ ہڈی جس سے گوشت نوچ کر کھا لیا جائے اور مرمات بکری کے کھروں کو کہتے ہیں۔ مطلب حدیث یہ ہے کہ وہ ہڈی جس پر ذرا سا گوشت رہ جاتا ہے اور اسی طرح بکری کی کھری کہ ذرا سے گوشت کی حامل ہوتی ہے۔ اگر لوگوں کو یہ دونوں چیزیں مسجد میں ملنے کی اُمید ہو تو وہ ضرور نماز باجماعت ادا کریں۔ تو جب اتنی معمولی سی چیز کے حصول کے لیے آدمی کی یہ کیفیت ہے تو جماعت سے نماز پڑھنے میں جو ثواب ہے۔ اس کے حصول کے لیے تو اور بھی زیادہ کوشش کرنی چاہیئے۔

نماز باجماعت پڑھنا واجب ہے

ہر عاقل بالغ حر اور قادر مسلمان پر جماعت سے نماز پڑھنا واجب ہے اور بلا عذر ایک بار بھی چھوڑنے والا گنہگار مستحقِ سزا ہے اور کئی بار ترک فسق ہے۔ بلکہ ایک جماعت علماء جن میں سیدنا احمد بن حنبل بھی شامل ہیں۔ وہ جماعت کو فرضِ عین قرار دیتے ہیں اور اگر فرضِ عین نہ مانا جائے تو اس کے واجب اور ضروری ہونے میں تو شبہ ہی نہیں ہے۔ حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا عمومی عمل یہی تھا کہ آپ فرض نمازیں باجماعت ادا فرماتے الا یہ کہ کوئی مجبوری پیش آجاتی۔ صحابہ کرامؓ کا بھی اسی پر عمل تھا اور عہدِ نبوی میں اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت عتاب بن اسید نے جو عہدِ نبوی میں مکہ کے گورنر تھے۔ اپنے خطبہ میں فرمایا:-

یا اهل مكة والله لا يبلغني ان احدا منكم يتخلف عن الصلوٰة في المسجد في الجماعة الا

اے اہلِ مکہ! خدا کی قسم۔ اگر مجھے یہ خبر پہنچی کہ تم میں سے کوئی قصداً جماعت کی نماز کے لیے مسجد میں نہیں آیا۔ تو میں

ضربت عنقه۔ (کتاب الصلوٰۃ لابن القیم)

اس کی گردن مار دوں گا۔

اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی دُوربین نگاہ میں جماعت سے مسجد میں نماز پڑھنے کی کتنی اہمیت تھی یہی وجہ ہے کہ علماء نے مسجد میں جمع ہو کر نماز ادا کرنے کو شعارِ دین قرار دیا۔ جماعت کی اہمیت سمجھنے کے لیے یہ کچھ کم ہے کہ ساری مخلوق میں جو شخصیت سب سے زیادہ رحیم و کریم ہے اور جسے اس کے رب کریم نے رحمۃ للعالمین قرار دیا ہے۔ وہ فرماتا ہے:

"جی چاہتا ہے کہ جو لوگ با جماعت نماز کی ادائیگی کے لیے مسجد میں نہیں آتے، ان کے گھروں کو جلا دوں۔"

قرآن مجید کے الفاظ سے بھی واضح ہوتا ہے کہ نمازوں کی ادائیگی با جماعت مسجدوں میں ہی مطلوب ہے اور شریعت حقہ میں ان مسجدوں کو مرکزی گھر ہونے کی حیثیت حاصل ہے۔

وَاَقِیْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ (الاعراف ۳۰)

اور سیدھا کرو اپنے چہروں کو ہر مسجد کے پاس اسی کی عبادت اس طور پر کرو کہ عبادت اسی کے لیے خاص ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں صاحب تفسیرات احمدیہ تحریر فرماتے ہیں:

ففی الاٰیۃ دلیل علی فرضیۃ القیام فی الصلوٰۃ وادائها فی المسجد وعدم اختصاص بمسجدها۔

اس آیت سے نماز میں قیام کی فرضیت ثابت ہوتی ہے اور یہ کہ وہ مسجد میں ادا کی جائے۔ ہاں وہ کسی خاص مسجد کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔

اور علامہ ابوبکر جصاص علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

والثانی فعل الصلوٰۃ فی المسجد وذلك يدل على وجوب فعل المكتوبات جماعة لان المساجد بنيت للجماعات۔ (احکام القرآن ۵ ۳ ص۳۰۳)

اور یہ کہ فرض نماز با جماعت واجب ہے۔ کیونکہ مسجدیں جماعت کے لیے بنائی گئی ہیں۔

سورہ نور کی آیت بیوت اذن اللّٰہ ان ترفع ویذکر فیها۔ الایہ کے تحت تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲۹۳ میں تحریر ہے۔

اس آیت کا طرزِ بیان بھی بتلاتا ہے کہ مسجدوں کا یہ واجبی حق ہے کہ اللہ کی دوسری عبادات اور نماز انہی میں ادا کی جائے بیوت سے مراد مسجد ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے روایت ہے کہ انھوں نے دیکھا کہ جونہی فرض نماز کے لیے اذان ہوئی بازار والوں کی ایک جماعت کام کاج چھوڑ کر مسجد کی طرف روانہ ہو گئی۔ یہ منظر دیکھ کر آپ نے بیساختہ فرمایا۔ انہی لوگوں کے متعلق اعلان ہے۔ رجال لا تلهيهم تجارة ولا بيع عن ذكر الله الخ

اور احادیث تو اس باب میں کثرت سے وارد ہوئی ہیں۔ مسلم شریف کی ایک طویل حدیث میں یہ الفاظ آئے جس کے راوی عبد اللہ

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم علمنا سنن الهدى وان من سنن الهدى الصلوٰة فی المسجد الذی یوذن فیه وان کنتم صلیتم فی بیوتکم کما یصلی هذا

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سنن ہدیٰ کی تعلیم سُنن ہدیٰ میں یہی ہے کہ نماز اس مسجد میں ادا کی جائے جس میں اذان ہوتی ہو۔ اگر تم نے اپنے گھروں میں نماز پڑھی جیسے گھر میں نماز پڑھتا ہے تو بلاشبہ تم نے اپنے نبیؐ کی سنت

لتخلفتم في بيته لتركتم سنة نبيكم و لو تركتم سنة نبيكم لضللتم (مسلم ابن ماجہ ص۲۳)

ترک کر دی اور جس وقت تم نے اپنے نبی کی سنت ترک کر دی یقین کرو کہ گمراہ ہو گئے۔

حضرت شیخ المحدث محدث دہلوی اسی نوع کی ایک حدیث کے تحت لکھتے ہیں:۔

در بدائع گفتہ کہ واجب است، بر حر، عاقل، بالغ کہ معذور نیست حاضر شدن بمسجد برائے جماعت۔ (اشعۃ اللمعات ج ۱ ص۲۶۴)

بدائع میں ہے کہ آزاد عاقل، بالغ جو معذور نہیں ہے۔ اس پر جماعت کی نماز کے لیے مسجد میں حاضر ہونا واجب ہے۔

۱۔ بعض علما اس طرف گئے کہ گھر میں باجماعت نماز ادا کر لینا مسجد میں نماز ادا کر لینے کے برابر ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ اس صورت میں جماعت کا ثواب مل جانے کی امید ہے۔ مگر مسجد کا ثواب تو نہ ملے گا۔ بہر حال مسجدوں کو چھوڑ کر گھروں میں باجماعت نماز پڑھ لینے کو عادت بنا لینا اور سستی و کاہلی کی وجہ سے مسجد میں نہ حاضر ہونا بہر حال شارع کو مطلوب نہیں ہے البتہ اگر کسی موقع پر ضرورت گھر میں باجماعت نماز ادا کر لی گئی تو جماعت کی فضیلت حاصل ہو جائے گی، اور ترک جماعت کی وعید سے بچ جانے کی امید ہے۔

جماعت اور ترک جماعت کے ضروری مسائل

بعض کتب فقہ میں جماعت کو سنت لکھا ہے تو سنت اس لیے لکھا گیا ہے کہ اس کا وجوب سنت سے ثابت ہوا ۲۔ پانچوں نمازوں کے لیے جماعت واجب ہے لیکن شرط نہیں، اور جمعہ و عیدین کے لیے جماعت شرط ہے اور تراویح کے لیے سنت کفایہ کہ محلہ کے سب لوگوں نے ترک کی تو سب نے برا کیا اور اگر کچھ لوگوں نے قائم کر لی تو باقیوں کے سر سے ساقط ہو گئی اور رمضان کے وتر کے لیے جماعت مستحب ہے ۳۔ جس کی جماعت جاتی رہی اس پر یہ واجب نہیں کہ دوسری مسجد میں نماز تلاش کرے۔ ہاں دوسری مسجد میں جماعت تلاش کرنا مستحب ہے ۴۔ مریض جسے مسجد تک جانے میں مشقت ہو۔ اپاہج جس کا پاؤں کٹ گیا ہو۔ اندھا ہو۔ سخت سردی یا سخت تاریکی ہو۔ آندھی یا بارش ہو اور شدید کیچڑ کا حائل ہونا۔ مال یا کھانے کے تلف ہو جانے کا اندیشہ ہو۔ ظالم کا خوف ہو، قافلہ چلے جانے کا خوف ہو۔ مریض کی تیمار داری کہ جماعت کے لیے جانے سے اس کو تکلیف ہو گی اور گھبرائے گا۔ یہ سب ترک جماعت کے عذر ہیں۔ ان صورتوں میں اکیلے نماز پڑھ لینا جائز ہے۔

بَابُ فَضْلِ صَلٰوةِ الْجَمَاعَةِ

باب، نماز باجماعت کی فضیلت میں

وَكَانَ الْاَسْوَدُ اِذَا فَاتَتْهُ الْجَمَاعَةُ ذَهَبَ اِلٰى مَسْجِدٍ اٰخَرَ وَجَآءَ اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ اِلٰى مَسْجِدٍ قَدْ صُلِّيَ فِيْهِ فَاَذَّنَ وَاَقَامَ وَصَلّٰى جَمَاعَةً۔ (بخاری)

اور اسود کو اگر ایک مسجد میں جماعت نہ ملتی تو دوسری مسجد میں چلے جاتے اور انس بن مالک ایک مسجد میں آئے جہاں نماز ہو چکی تھی تو انہوں نے اذان دی اور تکبیر کہی اور جماعت سے نماز پڑھی۔

فوائد و مسائل اس سے قبل کے عنوان میں جماعت کے وجوب کا بیان تھا اور عنوان ہذا میں جماعت کی فضیلت کا بیان ہے اور کسی شے کا وجوب کے ساتھ متصف ہونا فضیلت کے ساتھ متصف ہونے کے منافی نہیں ہے۔ زیر عنوان تعلیق کو ابو بکر بن ابی شیبہ نے باسناد صحیح وصل کیا۔ جس کا مضمون یہ ہے کہ اگر اسود کو ان کی قوم کی مسجد میں جماعت نہ ملتی تو کسی دوسری مسجد میں چلے جاتے۔ صاحب توضیح نے لکھا ہے کہ یہی بات حضرت حذیفہ و سعید بن جبیر سے بھی مروی ہے اور امام طحاوی نے کوفیوں اور امام مالک سے نقل کیا کہ اگر چاہے تو اسی مسجد میں اکیلا نماز پڑھ لے اور اگر چاہے تو دوسری مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کرے۔

اور امام مالک نے یہ بھی فرمایا کہ جس کی نماز با جماعت مسجد حرام یا مسجد نبوی میں فوت ہو جائے تو وہ ان دونوں مسجدوں میں اکیلے ہی
پڑھ لے کیونکہ ان دونوں مسجدوں میں نماز پڑھنا بہر حال دوسری مسجدوں میں نماز پڑھنے سے افضل ہے (عینی ج ۲ ص ۳۶۶) ۲۔ اثر انس کو مسد
اپنی مسند میں وصل کیا۔ جب کسی مسجد میں جماعت سنت کے ساتھ پڑھ لی جائے تو اذان و اقامت کے ساتھ دوبارہ جماعت کرنے میں علماء کا اختلاف ہے حضرت
ابن مسعود و علقمہ و اسود و عطاء و حسن و احمد و اسحٰق و اشہب (فی روایۃ) بلا کراہت جواز کے قائل ہیں اور حضرت سالم و قاسم ... حضرت
امام مالک و لیث و ابن مبارک و ثوری و اوزاعی و امام ابو حنیفہ و شافعی کراہت کا قول کرتے ہیں۔ یعنی احناف کے ہاں مسئلہ یہ ہے کہ
... میں امام مقرر ہو۔ امام نے اذان و اقامت کے ساتھ بطریق مسنون جماعت پڑھ لی ہو تو اذان و اقامت کے ساتھ سب
اس پر دوبارہ جماعت قائم کرنا مکروہ ہے اور اگر بے اذان جماعت ثانیہ ہوئی تو حرج نہیں جب کہ محراب سے ہٹ کر ہو۔ لیکن ...
سر راستہ اور سٹیشن کی مسجد کہ جس کے نمازی مقرر نہیں ہوتے اس میں اگرچہ اذان و اقامت کے ساتھ جماعت ثانیہ قائم کی جائے تو
حرج نہیں بلکہ یہی افضل ہے کہ جو گروہ آئے۔ نئی اذان و اقامت کے ساتھ جماعت کرے ۲۔ امام بخاری علیہ الرحمۃ نے ...
اثر انس کو ذکر کر کے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ جماعت کی فضیلت جو احادیث میں وارد ہے وہ جماعت مسجد کے متعلق ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ صَلٰوةُ الْجَمَاعَةِ تَفْضُلُ صَلٰوةَ الْفَذِّ بِسَبْعٍ وَعِشْرِيْنَ دَرَجَةً عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ اَنَّهٗ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ صَلٰوةُ الْجَمَاعَةِ تَفْضُلُ صَلٰوةَ الْفَذِّ بِخَمْسٍ وَّعِشْرِيْنَ دَرَجَةً۔ (بخاری)

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز با جماعت اکیلے شخص کی نماز سے ۲۷ درجے زیادہ فضیلت رکھتی ہے۔ ابو سعید خدری سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ آپ فرماتے تھے کہ با جماعت نماز علیحدہ نماز پڑھنے سے ۲۵ درجے زیادہ فضیلت رکھتی ہے۔

فوائد و مسائل صلٰوۃ الفذ۔ فذ کے معنی منفرد کے ہیں۔ اس سے واضح ہوا کہ صحت نماز کے لیے جماعت شرط نہیں۔ بے جماعت
کی نماز بھی صحیح و درست ہے۔ مگر با جماعت نماز پڑھنے میں بہت فضیلت ہے ۲۔ ان دونوں روایتوں
میں ۲۵ درجے اور ستائیس درجے فضیلت کا ذکر ہے۔ روایت مسلم میں کچھ بیس۔ ابو داؤد میں پچاس درجے کا ذکر ہے۔
اختلاف تصرف رواۃ پر محمول نہیں۔ جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے۔ بلکہ یہ اختلاف اختلافِ اشخاص کی بنا پر ہے۔ یعنی
کوئی عالم متقی و پرہیزگار ہے اور خشوع کے ساتھ با جماعت نماز پڑھ رہا ہے تو اس کو ۲۷ یا ۵۰ درجے زیادہ ثواب ہوگا۔
درجے ثواب ہوگا۔ اور یا ان مختلف اعداد کے بیان سے مقصود صرف کثرت ثواب ہے۔ تخصیص عدد نہیں۔ (فافہم)

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةُ الرَّجُلِ فِي الْجَمَاعَةِ تُضَعَّفُ عَلٰى صَلٰوتِهٖ فِيْ بَيْتِهٖ وَفِيْ سُوْقِهٖ خَمْسَةً وَّعِشْرِيْنَ ضِعْفًا وَّذٰلِكَ اَنَّهٗ اِذَا تَوَضَّاَ فَاَحْسَنَ الْوُضُوْءَ ثُمَّ خَرَجَ اِلَى الْمَسْجِدِ لَا يُخْرِجُهٗ اِلَّا الصَّلٰوةُ لَمْ يَخْطُ خَطْوَةً اِلَّا رُفِعَتْ لَهٗ بِهَا دَرَجَةٌ وَّحُطَّ عَنْهُ بِهَا خَطِيْئَةٌ فَاِذَا

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی کا با جماعت نماز پڑھنا گھر یا بازار میں پڑھنے سے پچیس گنا زیادہ ثواب رکھتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آدمی جب اچھی طرح وضو کر کے مسجد میں جانے کے لیے نکلتا ہے اور صرف نماز ہی کے لیے نکلتا ہے تو جو قدم اٹھاتا ہے۔ ہر قدم پر اس کا ایک درجہ بلند ہوتا ہے اور ایک گناہ معاف ہوتا ہے

مَنْ لَمْ تَزَلِ الْمَلٰئِكَةُ تُصَلِّيْ عَلَيْهِ مَا دَامَ فِيْ مُصَلَّاهُ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيْهِ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ وَلَا يَزَالُ اَحَدُكُمْ فِيْ صَلٰوةٍ مَا انْتَظَرَ الصَّلٰوةَ۔ (بخاری)

ہے۔ پھر جب وہ نماز پڑھتا ہے اور جب تک اپنی نماز کی جگہ میں رہتا ہے تو فرشتے اس کے لیے دعا کرتے رہتے ہیں۔ یا اللہ اس پر اپنی رحمت اتار یا اللہ اس پر رحم کر اور تم میں کوئی جب تک نماز کا انتظار کرتا رہتا ہے۔ گویا وہ نماز ہی میں ہے۔

فوائد و مسائل یہ حدیث باب الصلوٰۃ فی مسجد السوق فیوض الباری پارہ دوم صفحہ ۹۳ پر مع تفسیر و ترجمانی کے گذر چکی ہے۔ البتہ الفاظ حدیث میں کچھ فرق ہے ۲۔ تضعیف تضعیف کے معنی اصل پر زیادتی کے ہیں ۳۔ اس حدیث سے ... جماعت کی افضلیت ثابت ہوئی کہ باجماعت نماز پڑھنے والے پر خاص رحمتیں اور برکتیں نازل ہوتی ہیں اور ملائکہ اس کی مغفرت ... نہیں کرتے ہیں اور اس سے صالحین امت کا ملائکہ سے افضل ہونا ثابت ہے۔ کیونکہ نماز پڑھنے والے عبادت کے ذریعے بلندی ... کے مستحق ہیں اور ملائکہ ان کی مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔ علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے لکھا کر خواص بنی آدم یعنی انبیاء کرام مطلقاً ملائکہ سے افضل ہیں۔ عوام بنی آدم عوام ملائکہ سے افضل ہیں اور خواص ملائکہ عوام بنی آدم سے افضل ہیں ۴۔ اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ ... نماز کے لیے جماعت شرط نہیں ہے۔ حضورؐ کے الفاظ یعنی صلوٰۃ وحدہٗ اس پر نص صریح ہیں اور جن لوگوں نے اس سلسلہ کے آثار سے ... نکالا ہے کہ جو شخص اکیلے نماز پڑھی تو نہیں ہوگی۔ یہ غلط ہے کیونکہ یہی وجہ ہے کہ ان آثار سے بعض علماء نے جماعت کے فرض یا واجب ... کا استدلال تو کیا ہے۔ مگر کسی نے یہ استدلال نہیں کیا کہ اکیلے نماز پڑھنے والے کی نماز ہوگی ہی نہیں۔

بَابُ فَضْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ فِيْ جَمَاعَةٍ

باب، نماز فجر باجماعت پڑھنے کی فضیلت میں

پہلا باب مطلقاً جماعت کی فضیلت کے بیان میں تھا اور یہ باب خاص فجر کی نماز باجماعت پڑھنے کی فضیلت کے متعلق ہے ... نماز فجر کی جماعت دیگر اوقات کی جماعت سے زیادہ اہم ہے کیونکہ یہ فرشتوں کے اجتماع کا وقت ہے۔

... هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ ... عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ تَفْضُلُ صَلٰوةُ الْجَمِيْعِ ... صَلٰوةَ اَحَدِكُمْ وَحْدَهٗ بِخَمْسَةٍ وَّ ... عِشْرِيْنَ جُزْءًا وَّتَجْتَمِعُ مَلٰئِكَةُ اللَّيْلِ ... وَمَلٰئِكَةُ النَّهَارِ فِي الصَّلٰوةِ الْفَجْرِ ثُمَّ يَقُوْلُ ... اَبُوْ هُرَيْرَةَ فَاقْرَءُوْا اِنْ شِئْتُمْ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ ... كَانَ مَشْهُوْدًا ... تَقُوْلُ دَخَلَ عَلَيَّ اَبُو الدَّرْدَآءِ وَ ... هُوَ مُغْضَبٌ فَقُلْتُ مَا اَغْضَبَكَ قَالَ وَاللّٰهِ مَا ... اَعْرِفُ مِنْ اَمْرِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ ... عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا اِلَّا اَنَّهُمْ يُصَلُّوْنَ ... جَمِيْعًا۔ (بخاری)

ابوہریرہ نے کہا میں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ آپ فرما رہے تھے۔ جماعت کی نماز تم میں سے کسی کے اکیلے نماز سے پچیس درجے زیادہ ثواب رکھتی ہے اور صبح کی نماز کے وقت رات اور دن کے (چوکیدار) فرشتے اکٹھا ہو جاتے ہیں۔ پھر ابوہریرہ کہتے تھے۔ اگر تمہارا جی چاہے تو (سورہ بنی اسرائیل کی) یہ آیت پڑھو۔ فجر کے قرآن پر فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ ام درداء کہتی ہیں کہ ابو درداء میرے پاس آئے ... غصے میں تھے۔ میں نے پوچھا۔ تجھے کیوں غصہ ہے۔ انہوں نے کہا۔ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی امت میں دیکھتا ہوں۔ کہ حضورؐ کے وقت کا کوئی کام باقی نہیں رہا۔ بس یہ رہ گیا ہے کہ لوگ مل کر نماز پڑھ لیتے ہیں۔

فائدہ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دین کی تبلیغ و تعلیم کے لیے متعدد صحابہ کرام کو مختلف شہروں میں مقرر فرمایا تھا۔ چنانچہ ملک شام میں حضرت ابو الدرداء، حضرت ابن مسعود، حضرت عمار کو علی الترتیب تعلیم، تولیت بیت المال اور امت کے منصب پر فائز کیا اور حضرت سعد بن ابی وقاص کو کوفہ کا امیر مقرر فرمایا۔ حضرت فاروق اعظم نے کوفہ و بصرہ کو چھاؤنی بنا دیا تھا۔ چنانچہ قریباً ڈیڑھ سو صحابہ کرام نے نزول فرمایا تھا۔ مالکی اس پر فخر کرتے ہیں کہ ان کا امام مدینہ کا ساکن ہے جو علم کا مرکز ہے تو اس فضل کے اعتراف کے ساتھ ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ اکثر صحابہ کرام دین کی تبلیغ و اشاعت کے لیے عراق کی طرف بھی آئے ہیں اور کوفہ بھی علوم نبوت کا مخزن و منبع بنا ہے۔

عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْظَمُ النَّاسِ أَجْرًا فِي الصَّلٰوةِ أَبْعَدُهُمْ فَأَبْعَدُهُمْ مَمْشًى وَالَّذِي يَنْتَظِرُ الصَّلٰوةَ حَتَّى يُصَلِّيَهَا مَعَ الْإِمَامِ أَعْظَمُ أَجْرًا مِنَ الَّذِي يُصَلِّي ثُمَّ يَنَامُ (بخاری)

حضرت ابو موسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ سب سے زیادہ ثواب اس کو ملتا ہے جو مسجد میں دُور سے چل کر آتا ہے۔ اس کے بعد جو اور زیادہ دُور سے آئے۔ جو آدمی امام کے ساتھ نماز کا منتظر رہتا ہے اس کو زیادہ ثواب ہے اس سے جو اکیلا نماز پڑھ کر سو جائے۔

قرآن الفجر۔ نماز فجر سے کنایہ ہے۔ ان احادیث سے نماز باجماعت پڑھنے کی افضلیت ثابت ہوئی۔ موطا امام مالک میں سیدنا عثمان غنی سے مروی ہے کہ جس نے عشاء کی نماز باجماعت پڑھی۔ گویا اس نے نصف رات عبادت میں گزاری۔ جس نے فجر کی نماز جماعت سے پڑھی اس نے گویا ساری رات عبادت میں گزار دی۔

بَابُ فَضْلِ التَّهْجِيْرِ إِلَى الظُّهْرِ

باب ظہر کی نماز کے لیے جلدی جانے کی فضیلت میں

تہجیر تبکیر کے معنی میں ہے اور مراد یہاں ظہر کے لیے اوّل وقت میں جانا ہے۔ اور یہ بات حدیث ابراد کے مخالف نہیں کیونکہ گرمیوں میں تاخیر مستحب ہے اور اوّل وقت میں پڑھنا جائز ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَيْنَمَا رَجُلٌ يَمْشِي بِطَرِيقٍ وَجَدَ غُصْنَ شَوْكٍ عَلَى الطَّرِيقِ فَأَخَّرَهُ فَشَكَرَ اللّٰهُ لَهُ فَغَفَرَ لَهُ ثُمَّ قَالَ الشُّهَدَاءُ خَمْسَةٌ الْمَطْعُونُ وَالْمَبْطُونُ وَالْغَرِقُ وَصَاحِبُ الْهَدْمِ وَالشَّهِيدُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَقَالَ لَوْ يَعْلَمُ النَّاسُ مَا فِي النِّدَاءِ وَالصَّفِّ الْأَوَّلِ ثُمَّ لَمْ يَجِدُوا إِلَّا أَنْ يَسْتَهِمُوا عَلَيْهِ لَاسْتَهَمُوا عَلَيْهِ وَلَوْ يَعْلَمُونَ مَا فِي التَّهْجِيرِ لَاسْتَبَقُوا إِلَيْهِ وَلَوْ يَعْلَمُونَ مَا فِي الْعَتَمَةِ وَالصُّبْحِ لَأَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا

حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ایک مرتبہ ایک شخص راستہ میں جا رہا تھا اس نے راستہ پر کانٹوں کی ٹہنی دیکھی۔ اس نے وہاں سے اس کو ہٹا دیا۔ اللہ کو اس کا کام بہت پسند آیا اس کو بخش دیا۔ پھر آپ نے فرمایا۔ شہید پانچ ہیں۔ جو طاعون سے مرے اور جو پیٹ سے اور جو ڈوب جائے اور جو دب کر مر جائے اور جو اللہ کی راہ میں مارا جائے اور آپ نے فرمایا کہ اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے ثواب اذان اور پہلی صف میں ہے۔ پھر قرعہ ڈالے بغیر نہ پا سکیں تو ان کے لیے قرعہ ڈالیں اور اگر ان کو معلوم ہو جائے ظہر کی نماز کے لیے جانے میں کیا ثواب ہے تو ایک دوسرے سے آگے بڑھیں اور اگر ان کو معلوم ہو جائے کہ عشاء اور صبح کی نماز میں آنے کا کیا ثواب ہے تو گھٹنوں کے بل گھسٹتے ہوئے آتے

اس حدیث کو امام نسائی نے شہادت میں، مسلم نے ادب اور جہاد میں، ترمذی نے بر میں ذکر کیا۔ مسائل حدیث یہ ہیں۔
...ستہ سے تکلیف دہ چیز کا دور کرنا کارِ ثواب ہے اور خدا کی رحمت بہت وسیع ہے۔ جب اتنی سی نیکی کی وجہ سے بخشش ہو گئی
...ڑی نیکیوں کے فضل و ثواب کا کیا ٹھکانہ ہے ۳۔ حدیث ہذا میں طاعون، پیٹ کا عارضہ، ڈوب کر اور دب کر مرنے والوں کو
...یہ فرمایا گیا ہے تو اس سے شہید فقہی مراد نہیں ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان عوارض میں مرنے والوں کو بھی اللہ تعالیٰ شہادت کا درجہ
...ب عطا فرمائے گا ۳۔ نماز کے لیے مسجد کی طرف جتنے قدم اٹھتے ہیں۔ ہر قدم پر نیکی لکھی جاتی ہے ۴۔ اذان دینا اور پہلی صف
... ہوئے ہو کر نماز پڑھنے کا بہت ثواب ہے ۵۔ عشاء وغیرہ کو جماعت کے ساتھ پڑھنے میں فضیلت ہے۔

بَابُ اِحْتِسَابِ الْاٰثَارِ

باب نیک کام کرنے والے کو ہر قدم پر ثواب ملتا ہے

...نس بن مالک قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ
...ه وَسَلَّمَ يَا بَنِي سَلِمَةَ اَلَا تَحْتَسِبُوْنَ اٰثَارَكُمْ
...د بَنِي اَنَسٌ اَنَّ بَنِي سَلِمَةَ اَرَادُوْا اَنْ
...تَحَوَّلُوْا عَنْ مَّنَازِلِهِمْ فَيَنْزِلُوْا قَرِيْبًا
...النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ
...ه النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُّعْرُوْا
...مدِيْنَةَ فَقَالَ اَلَا تَحْتَسِبُوْنَ اٰثَارَكُمْ قَالَ مُجَاهِد
...خُطُوَاتُهُمُ الْمَشْيُ فِي الْاَرْضِ بِاَرْجُلِهِمْ۔

حضرت انسؓ سے مروی ہے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ اے بنی سلمہ! کیا تم اپنے قدموں کا ثواب نہیں چاہتے۔؟ حضرت انس کا بیان ہے کہ بنی سلمہ نے ارادہ کیا کہ اپنے مکان (جو مسجد سے دُور تھے) چھوڑ دیں اور حضورؐ کے قریب آ رہیں تا کہ نماز کے لیے آنے میں آسانی ہو۔ حضورؐ کو یہ پسند نہ آیا کہ وہ اپنا مکان چھوڑ دیں آپ نے فرمایا تم اپنے قدموں کا ثواب نہیں چاہتے؟ مجاہد نے کہا۔ سورہ یٰسین میں آثارھم سے قدم مراد ہیں۔ یعنی زمین پر پاؤں سے چلنا۔

...د و مسائل بنی سلمہ انصار کا ایک قبیلہ ہے انھوں نے یہ ارادہ کیا کہ مسجد نبویؐ کے قریب آباد ہو جائیں۔ تا کہ نماز کے لیے مسجد میں آنے میں آسانی ہو۔ جب حضورؐ کو اطلاع ہوئی تو فرمایا۔ ان لکم بکل خطوة درجة کہ تم ... ہر جو مسجد کی طرف چلو گے ایک نیکی کا ثواب ملے گا۔ چنانچہ سورہ یٰسین کی یہ آیت ونکتب ما قدموا واثارھم ... ہو پر نازل ہوئی۔ اس حدیث اور آیت سے معلوم ہوا کہ نماز کے لیے مسجد کی طرف چل کر آنے میں ہر قدم پر ایک نیکی لکھی ... ہے۔ مسجد کے قریب رہنا بھی مستحب ہے لیکن اگر زیادتی قدم کے لیے مسجد سے دُور رہے تو بھی اچھا ہے اور حضور علیہ السلام ... ہ کے لیے مسجد نبویؐ کے قریب سکونت اختیار کرنے کو نا پسند فرمایا اس بنا پر تھا کہ ان کے وہاں آجانے سے جانب ... ویران ہو جاتے۔

بَابُ فَضْلِ صَلٰوةِ الْعِشَاءِ فِي الْجَمَاعَةِ

باب، با جماعت نمازِ عشاء پڑھنے کی فضیلت میں

...ی هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ
...ه وَسَلَّمَ لَيْسَ صَلٰوةٌ اَثْقَلَ عَلَى
...مُنَافِقِيْنَ مِنَ الْفَجْرِ وَالْعِشَاءِ وَلَوْ يَعْلَمُوْنَ
...مَا فِيْهِمَا لَاَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا لَقَدْ هَمَمْتُ

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ منافقوں پر فجر و عشاء سے زیادہ کوئی نماز گراں نہیں۔ اگر لوگ ان نمازوں کے ثواب کو جانتے تو گھٹنوں کے بل گھسٹتے ہوئے آتے اور میں نے ارادہ کیا کہ مؤذن کو

أَنْ آمُرَ الْمُؤَذِّنَ فَيُقِيْمَ ثُمَّ آمُرَ رَجُلًا يَؤُمُّ النَّاسَ ثُمَّ آخُذَ شُعَلًا مِّنْ نَّارٍ فَأُحَرِّقَ عَلٰى مَنْ لَّا يَخْرُجُ إِلَى الصَّلٰوةِ بَعْدُ۔

اذان کا حکم دوں پھر ایک شخص کو نماز پڑھانے کے لیے مقرر کروں۔ پھر چنگاریاں لے کر ان کو جلادوں جو مو تک نماز کے لیے نہیں آئے۔

اس حدیث سے فجر و عشا کی نماز باجماعت پڑھنے کی فضیلت پر روشنی پڑتی ہے اور یہ کہ ان دونوں نمازوں کا اجر و ثواب اتنا عظیم و جلیل ہے کہ جو پاؤں سے نہیں چل سکتے۔ اگر انھیں ان نمازوں کے اجر و ثواب کا علم ہو جائے تو وہ گھٹنوں کے بل مسجد میں حاضر ہوں اور یہ کہ فجر و عشا باجماعت پڑھنے کے لیے ہر ممکن کوشش کرنی چاہیئے اور بلا عذر شرعی جماعت سے رہ جانا علامتِ نفاق ہے۔

بَابُ اِثْنَانِ فَمَا فَوْقَهُمَا جَمَاعَةٌ

باب دو یا دو سے زائد جماعت ہے

مطلب عنوان یہ ہے کہ جماعت کے لیے کم از کم ایک امام اور ایک مقتدی کا ہونا لازمی ہے۔ لہٰذا جب صورت یہ ہو جماعت قائم کرلینی چاہیئے۔ تاکہ جماعت کا ثواب حاصل ہو جائے۔

۲۔ عنوانِ باب کے الفاظ دراصل ایک حدیث ہے جس کو ابن ماجہ و دارقطنی و بیہقی و طبرانی و امام احمد نے اپنی مسند میں حضرت ابوموسیٰ و ابن عمرو انس و ابو امامہ سے روایت کیا۔ چونکہ یہ حدیث ضعیف تھی۔ اس لیے امام نے صرف اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

عَنْ مَّالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا حَضَرَتِ الصَّلٰوةُ فَأَذِّنَا وَأَقِيْمَا ثُمَّ لِيَؤُمَّكُمَا أَكْبَرُكُمَا۔

مالک بن حویرث سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا جب نماز کا وقت ہو جائے تو اذان کہنا اور پھر تکبیر کہ۔ تم میں جو بڑا ہو وہ امامت کرے۔

فائدہ اس حدیث سے واضح ہوا کہ اگر دو آدمی ہوں تو ان میں بڑی عمر والا ہے یا زیادہ علم والا ہے وہ امام ہو جائے اور دوسرا مقتدی۔ لیکن مقتدی مرد اگرچہ لڑکا ہو امام کی برابر دہنی جانب کھڑا ہو۔ بائیں جانب یا پیچھے کھڑا ہونا مکروہ ہے اور دو مقتدی ہیں تو پیچھے کھڑے ہوں۔ دو مقتدیوں کو امام کے برابر کھڑا ہونا مکروہ تنزیہی ہے اور دو سے زائد کا امام کے برابر کھڑا ہونا مکروہِ تحریمی ہے (در مختار) اور امام کے برابر کھڑے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مقتدی کا قدم امام سے آگے نہ ہو یعنی مقتدی کے پاؤں کا گٹا امام کے گٹے سے آگے نہ ہو۔

بَابُ مَنْ جَلَسَ فِي الْمَسْجِدِ يَنْتَظِرُ الصَّلٰوةَ وَفَضْلِ الْمَسَاجِدِ

باب نماز کے انتظار میں مسجد میں بیٹھے رہنے کی فضیلت کے بیان میں اور مسجدوں کی فضیلت کے متعلق

اس عنوان کے ماتحت امام نے وہی حدیث لکھی ہے جو باب فضل الجماعۃ میں گزر چکی ہے۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ جو شخص نماز کے انتظار میں مسجد میں بیٹھا رہے۔ تو فرشتے اس کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہیں اور اس شخص کا مسجد میں نماز کے انتظار میں بیٹھنا بھی عبادت ہے۔

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظِلِّهِ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ الْإِمَامُ

حضرت ابوہریرہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا۔ سات آدمی ایسے ہیں کہ ان کو اللہ تعالیٰ عرش کے سایہ کے نیچے جگہ دے گا۔ اس دن سوائے اس کے

عادِلٌ وَشَابٌ نَشَأَ فِي عِبَادَةِ رَبِّهٖ وَرَجُلٌ قَلْبُهٗ مُعَلَّقٌ فِي الْمَسْجِدِ وَرَجُلَانِ تَحَابَّا فِي اللّٰهِ اِجْتَمَعَا عَلَيْهِ وَتَفَرَّقَا عَلَيْهِ وَرَجُلٌ طَلَبَتْهُ امْرَاَةٌ ذَاتُ مَنْصِبٍ وَجَمَالٍ فَقَالَ اِنِّيْ اَخَافُ اللّٰهَ وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ اِخْفَاءً حَتّٰى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهٗ مَا تُنْفِقُ يَمِيْنُهٗ وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللّٰهَ خَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ۔

عرش کے سایہ کے اور کہیں سایہ نہ ہوگا۔ امام عادل۔ وہ نوجوان جس نے اللہ کی عبادت میں نشو و نما پائی۔ وہ آدمی جس کا دل مسجد سے معلق رہتا تھا۔ وہ آدمی جو آپس میں صرف اللہ کے لیے محبت رکھتے ہیں اسی پر جمع ہوتے اور اسی پر جُدا ہوتے ہیں۔ وہ آدمی جس کو حسب و نسب والی خوبصورت عورت بُرائی کی طرف بُلاتی ہے لیکن وہ کہتا ہے کہ میں تو اللہ سے ڈرتا ہوں۔ وہ آدمی جو کہ پوشیدہ طور پر صدقہ کرتا ہے یہاں تک کہ اس کے بائیں کو معلوم نہیں ہوتا کہ دائیں نے کیا خرچ کیا ہے۔ وہ آدمی جس نے خلوت میں ذکر اللہ کیا اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہ نکلے۔

عَنْ حُمَيْدٍ قَالَ سُئِلَ اَنَسٌ هَلِ اتَّخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاتَمًا فَقَالَ نَعَمْ اَخَّرَ لَيْلَةً صَلٰوةَ الْعِشَاءِ اِلٰى شَطْرِ اللَّيْلِ ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ بَعْدَ مَا صَلّٰى فَقَالَ صَلَّى النَّاسُ وَرَقَدُوْا وَلَمْ تَزَالُوْا فِيْ صَلٰوةٍ مُنْذُ انْتَظَرْتُمُوْهَا قَالَ فَكَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلٰى وَبِيْصِ خَاتَمِهٖ۔

حمید کہتے ہیں کہ حضرت انسؓ سے پوچھا گیا کہ کیا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے انگوٹھی پہنی ہے تو اس نے کہا ہاں پہنی ہے۔ ایک رات آپ نے عشاء کی نماز میں آدھی رات تاخیر کر دی (پھر آپ تشریف لائے) اور نماز پڑھا کر ہماری طرف متوجہ ہوئے۔ آپ نے فرمایا لوگ تو نماز پڑھ کر سو گئے اور تم برابر نماز ہی میں رہے۔ جب سے نماز کا انتظار کر رہے تھے۔ اس نے کہا جیسے میں آپ کی انگوٹھی کی چمک اس وقت بھی دیکھ رہا ہوں۔

فوائد و مسائل ۱۔ امام عادل۔ وہ حاکم بادشاہ اور سربراہ جو عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کرے اور امرِ الٰہی کا تابع ہو۔ مسلم کی حدیث میں آیا کہ عدل کرنے والے قیامت کے دن نور کے منبر پر ہوں گے اور یہ منبر عرش الٰہی کی داہنی طرف ہوں گے۔ ۲۔ وہ جوان جس نے اللہ کی عبادت میں نشو و نما پائی۔ جوانی میں شہوت کا غلبہ ہوتا ہے اور خواہشات کا ہجوم ایسی حالت میں عبادت و ریاضت میں مشغول رہنا اور احکام الٰہیہ کے مطابق اپنی زندگی کو گذارنا بھی باعث اجر و ثواب ہے ۳۔ مسجد سے وابستہ دل رہنا یہ ہے۔ نماز کے اوقات کے انتظار سے مطلب یہ ہے کہ ایک نماز کی ادائیگی کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا اور وقت پر مسجد میں جماعت نماز ادا کرنا اور یہ شان اسی کی ہو سکتی ہے جو کاروبار میں انہماک و مشغولیت کے باوجود نماز با جماعت کا خیال رکھے اور بڑی سے بڑی معروفیت مسجد کی حاضری میں رکاوٹ نہ بنے ۴۔ اللہ کے لیے دوستی، دنیا میں دوستی اور محبت کی بہت سی بنیادیں ملتی ہیں دولت، حکومت و اقتدار، حسن و جمال اور خونی و نسلی تعلقات۔ لیکن ان میں کوئی بھی بُنیاد مستحکم نہیں۔ محبت و دوستی وہی پائیدار ہو سکتی ہے جس کی بنیاد اللہ کی رضا ہو نہ صرف دنیا میں بلکہ آخرت میں بھی یہ رشتہ منقطع نہ ہوگا۔ قرآنِ حکیم میں فرمایا اَلْاَخِلَّاءُ یَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ۔ اس دن ہر دوست دوست کا دشمن ہوگا۔ مگر تقوٰے والے ان کی دوستیاں برقرار رہیں گی۔ ایک حدیث میں فرمایا کہ اللہ کی محبت اور اللہ ہی کے لیے عداوتِ ایمان کی نشانی ہے ۵۔ معصیت سراپا دعوت یعنی ایک طرف معصیت اپنی پوری وجاہت، حسن و جمال اور سج دھج کے ساتھ سراپا دعوت بنی ہوئی ہو اور دوسری طرف ایک اللہ کا بندہ اس کی ساری آن بان کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے صاف کہہ دیتا ہے۔ اِنِّیْ اَخَافُ اللّٰهَ۔ قرآنِ مجید میں فرمایا۔

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتَانِ ۶۔ خشیتِ الٰہی، تنہائی میں اللہ کا ذکر کرنا اور خوف و خشیت کی بنا پر آنکھوں سے آنسو جاری ہونا اس امر کی علامت ہے کہ ابھی دل میں خشیتِ الٰہی اور جذبۂ انابت موجود ہے۔ ایک دوسری حدیث میں فرمایا دو نگاہوں پر جہنم کے شعلے حرام ہیں۔

عَيْنٌ بَكَتْ مِنْ خَشْيَةِ اللهِ وَعَيْنٌ بَاتَتْ تَحْرُسُ فِي سَبِيْلِ اللهِ۔ (مشکوٰۃ)

ایک وہ آنکھ جو اللہ کے خوف سے رو پڑے اور دوسری جس نے اللہ کی راہ میں پہرہ دیتے ہوئے ساری رات بیداری میں گزاری۔

۷۔ انفاقِ مال۔ عام طور پر نفس کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ اللہ کی راہ میں جو خرچ کریں تو اس کا صلہ اسی دنیا میں مدح سرائی اور شہرت کی شکل میں مل جائے۔ لیکن مومنِ کامل کا نفس اس تقاضا سے خالی ہوتا ہے۔ وہ اپنی دولت اس طرح چھپ چھپ کر اللہ کی راہ میں لٹا دیتا ہے کہ کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوتی۔ قرآنِ مجید میں فرمایا۔ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ۔ اگر تم فقراء کو چھپا کر دو تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ مگر یہ حکم صدقاتِ نافلہ کے لیے ہے۔ لیکن صدقاتِ واجبہ زکوٰۃ تو اس کو علانیہ دینا چاہیئے تاکہ دوسروں کو بھی شوق ہو اور شعائرِ اسلام کا اعلان ہو —— اور حدیث دوم سے نماز باجماعت کی فضیلت ثابت ہوئی کہ جماعت سے نماز پڑھنے کے انتظار میں مسجد میں بیٹھ رہنا بھی عبادت ہے۔

بَابُ فَضْلِ مَنْ خَرَجَ اِلَى الْمَسْجِدِ وَمَنْ رَاحَ

باب اس شخص کی فضیلت جو مسجد میں صبح و شام جاتا ہے

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ غَدَا اِلَى الْمَسْجِدِ اَوْ رَاحَ اَعَدَّ اللهُ لَهٗ نُزُلَهٗ مِنَ الْجَنَّةِ كُلَّمَا غَدَا اَوْ رَاحَ (بخاری)

حضرت ابوہریرہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جو شخص صبح کو یا شام کو مسجد میں جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی مہمانی کا جنت میں صبح و شام سامان تیار کرتا ہے۔

صحاح میں ہے کہ رواح صباح کی نقیض ہے اور یہ وقت کے نام ہیں۔ غدو صبح سے زوالِ شمس تک چلنے کو کہتے ہیں اور رواح زوالِ شمس سے رات تک چلنے کو کہتے ہیں۔ (یعنی اس وقت کے درمیان چلنا) معلوم ہوا کہ جو لوگ صبح و شام مسجد میں رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے لیے جنت میں جگہ مقرر فرما دیتا ہے۔

بَابُ اِذَا اُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَلَا صَلٰوةَ اِلَّا الْمَكْتُوْبَةُ

باب جب نماز کی تکبیر ہو۔ تو اس نماز کے سوا کوئی اور نماز نہ پڑھی جائے

قَالَ سَمِعْتُ رَجُلًا مِّنَ الْاَزْدِ يُقَالُ لَهٗ مَالِكُ بْنُ بُحَيْنَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰى رَجُلًا وَقَدْ اُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ يُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ فَلَمَّا انْصَرَفَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاثَ بِهِ النَّاسُ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلصُّبْحَ اَرْبَعًا اَلصُّبْحَ اَرْبَعًا۔ (بخاری)

حاتم کہتے ہیں کہ میں نے قبیلہ ازد کے ایک شخص مالک بن بحینہ سے سنا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا۔ وہ نماز کی تکبیر ہونے کے بعد دو رکعت پڑھ رہا تھا جب حضور نے سلام پھیرا۔ تو لوگوں نے اس شخص کو گھیر لیا اور حضور نے اس سے فرمایا۔ کیا صبح کی چار رکعتیں ہیں؟ کیا صبح کی چار رکعتیں ہیں؟

جب فرض نماز کی تکبیر ہو جائے تو کسی نفل کا شروع جائز نہیں

اس حدیث کو مسلم و نسائی نے کتاب الصلوٰۃ میں ذکر کیا۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ جماعت قائم ہو جائے

سی نفل کا شروع کرنا جائز نہیں اور اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔ البتہ سنتِ فجر کے متعلق اختلاف ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ
بیرین و ابراہیم و عطاء و امام شافعی احمد و اسحٰق و ابو ثور کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص نمازِ فجر کے لیے مسجد میں آیا اور جماعت کھڑی
ہے تو اب اس کو سنتِ فجر پڑھنا مکروہ ہے اور دلیل ان حضرات کی حدیث زیرِ بحث ہے۔ لیکن امام اعظم ابوحنیفہ اور اوزاعی نے
مذکورہ صورت میں سنتِ فجر خارج مسجد ادا کرے جب کہ اسے یقین ہو کہ دوسری رکعت امام کے ساتھ پالے گا۔ امام اعظم علیہ الرحمۃ کا
صرف اسی قدر ہے۔ کما فی الجامع الصغیر والبدائع ـــ اور صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ مذکورہ بالا صورت میں مسجد کے
پر سنتِ فجر پڑھے تاکہ سنت اور جماعت دونوں کی فضیلت حاصل ہو جائے۔ ذخیرہ و محیط میں ہے کہ سنت یہ ہے کہ سنتِ فجر
ے اور اگر گھر میں نہیں پڑھی اور امام مسجد میں نمازِ فجر پڑھ رہا ہے تو مسجد کے دروازہ پر، اگر کوئی قابلِ نماز جگہ ہو تو وہاں نماز پڑھے۔
نہ ہو تو مسجد کے اندر کے حصہ میں جماعت ہوتی ہو تو باہر کے حصہ میں اور اگر باہر کے حصہ میں ہو تو اندر پڑھے ـــ اور اگر اس
ہی باہر اندر دو حصے نہ ہوں تو ستون یا پیڑ کی آڑ میں پڑھے۔ تاکہ اس میں اور صف میں حائل ہو جائے۔ چنانچہ علامہ طحاوی علیہ الرحمۃ
یہ کہ حدیث زیرِ بحث کا مطلب یہ ہے کہ سنتِ فجر اور نمازِ فجر ایک جگہ نہ پڑھی جائے بلکہ دونوں میں فصل کیا جائے اور اس کی
س حدیث سے ہوتی ہے کہ حضور علیہ السلام نے دیکھا کہ ابن بحینہ سنتِ فجر پڑھ رہے ہیں۔ اس پر آپ نے فرمایا۔ لا تجعلوا
صلوٰۃ لصلاۃ الظهر واجعلوا بينهما فصلا تو اس سے واضح ہوا۔ سببِ کراہت یہی ہے کہ نفل و فرض دونوں ایک
پڑھے جائیں اور اس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ خارج مسجد یا مسجد کے کسی گوشہ میں پڑھنا مکروہ نہ ہو۔ چنانچہ حسبِ ذیل آثار سے امام
علیہ الرحمۃ کی تائید ہوتی ہے۔

۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ جب اقامت ہو جائے تو کوئی نماز جائز نہیں۔ الا رکعتی
فجر کی دو سنتیں امام بیہقی علیہ الرحمۃ نے اگرچہ خط کشیدہ استثناء کو بے اصل قرار دیا ہے اور اس کے راوی حجاج و عباد کو ضعیف
لیکن علامہ عینی فرماتے ہیں کہ یعقوب بن شیبہ نے کہا کہ میں نے ابن معین سے حجاج بن نصیر فساطیلی بصری کے متعلق پوچھا۔ تو انھوں
وہ صدوق ہے اور ابن حبان نے بھی ان کو ثقہ قرار دیا ہے اور عباد بن کثیر صالحین سے ہیں۔ (عینی ج ۲ ص ۶۱)
۔۔ ابوبکر بن ابی شیبہ اپنے مصنف میں شعبی سے اور مسروق سے مروی ہیں کہ وہ مسجد میں داخل ہوئے اور لوگ فجر کی نماز پڑھ رہے
حضرت مسروق نے فجر کی سنتیں نہیں پڑھی تھیں۔ فصلی فی ناحیۃ المسجد ثم دخلہ مع القوم فی
تھے تو انھوں نے مسجد کے ایک کونہ میں سنتِ فجر پڑھیں اور پھر نماز میں شامل ہو گئے۔
۔۔ حضرت سعید ابن جبیر مسجد میں آئے اور امام نمازِ فجر میں مشغول تھے۔ آپ نے سنتِ فجر مسجد کے دروازہ پر پڑھیں۔ فصلی
تین قبل ان یلج المسجد عند باب المسجد۔
۔ ابی عثمان النہدی کہتے ہیں کہ ایک شخص مسجد میں آیا اور حضرت عمرؓ نمازِ فجر پڑھا رہے تھے۔ اس نے مسجد کے دروازے پر
سنتِ فجر پڑھیں۔ پھر جماعت میں شامل ہو گیا۔
۔ مجاہد کہتے ہیں کہ جب تو مسجد میں داخل ہو اور نمازِ فجر ہو رہی ہو اور تو نے سنتِ فجر نہ پڑھی ہوں۔ فاركعهما وان
ن الركعة الاولى تفوتك تو سنتِ فجر پڑھ لے اگرچہ تجھے فجر کی پہلی رکعت فوت ہو جانے کا اندیشہ ہو۔
۔۔ وبرہ کہتے ہیں کہ میں نے ابن عمرؓ کو اسی طرح کرتے دیکھا اور ابو درداء کہتے ہیں کہ میں بھی ایسے ہی کرتا ہوں۔ ان تمام
و زبیدی نے اتحاف میں ذکر کیا ہے۔

۱۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد میں آئے اور نمازِ فجر کی اقامت ہو چکی تھی۔ آپ نے ستون کی آڑ میں دو رکعت سنت فجر پڑھی اور اس وقت حضرت حذیفہ و ابی موسےٰ بھی موجود تھے ۲۔ ابن البطال نے کہا کہ اسی طرح حضرت عمر بن الخطاب و ابی درداء و ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہم سے بھی مروی ہے ۳۔ اور حضرت ابن عمرؓ کے متعلق ہے کہ وہ مسجد میں آئے اور امام فجر کی نماز پڑھ رہے تھے تو وہ حضرت حفصہ کے گھر میں داخل ہوئے اور وہاں دو رکعت سنتِ فجر پڑھیں۔ پھر امام کے ساتھ نماز میں شامل ہو گئے۔ (عینی)

نیز صحیح ابن خزیمہ کی حدیث عن انس خرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم حین اقیمت الصلوٰۃ فرأی ... یُصَلُّوْنَ رکعتین بالعجلۃ فقال اصلوتان معاً و نھی ان تصلیا فی المسجد اذا اقیمت الصلاۃ ... تصریح ہے کہ نہی مقتصر علی المسجد ہے۔ (فافہم) اور سنتِ فجر کی تخصیص کو مزید قوت ان احادیث سے بھی ہو جاتی ہے۔ جن میں ... نے سنتِ فجر کے پڑھنے کی تاکید اکید فرمائی اور یہاں تک فرمایا کہ اگر تمہیں گھوڑوں کے پاؤں تلے روندے جانے کا خوف ہو تو بھی سنتِ فجر کو نہ چھوڑو۔ واللہ تعالےٰ اعلم۔

بَابُ حَدِّ الْمَرِيْضِ اَنْ يَّشْهَدَ الْجَمَاعَةَ

باب مریض کو بیماری کی کس حد تک مسجد میں جماعت کیلئے آنا چاہیئے

عَنْ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ الْاَسْوَدُ كُنَّا عِنْدَ عَائِشَةَ فَذَكَرْنَا الْمُوَاظَبَةَ عَلَى الصَّلٰوةِ وَالتَّعْظِيْمَ لَهَا قَالَتْ لَمَّا مَرِضَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَضَهُ الَّذِيْ مَاتَ فِيْهِ فَحَضَرَتِ الصَّلٰوةُ فَاُذِّنَ فَقَالَ مُرُوْا اَبَابَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ فَقِيْلَ لَهٗ اِنَّ اَبَابَكْرٍ رَجُلٌ اَسِيْفٌ اِذَا قَامَ مَقَامَكَ لَمْ يَسْتَطِعْ اَنْ يُّصَلِّيَ بِالنَّاسِ وَاَعَادَ فَاَعَادُوْا لَهٗ فَاَعَادَ الثَّالِثَةَ فَقَالَ اِنَّكُنَّ صَوَاحِبُ يُوْسُفَ مُرُوْا اَبَابَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ فَخَرَجَ اَبُوْبَكْرٍ يُّصَلِّيْ فَوَجَدَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ نَّفْسِهٖ خِفَّةً فَخَرَجَ يُهَادٰى بَيْنَ رَجُلَيْنِ كَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلٰى رِجْلَيْهِ تَخُطَّانِ الْاَرْضَ مِنَ الْوَجَعِ فَاَرَادَ اَبُوْبَكْرٍ اَنْ يَّتَاَخَّرَ فَاَوْمَاَ اِلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ مَّكَانَكَ ثُمَّ اُتِيَ بِهٖ حَتّٰى جَلَسَ اِلٰى جَنْبِهٖ فَقِيْلَ لِلْاَعْمَشِ فَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ وَاَبُوْبَكْرٍ يُّصَلِّيْ بِصَلٰوتِهٖ وَالنَّاسُ يُصَلُّوْنَ بِصَلٰوةِ اَبِيْ بَكْرٍ فَقَالَ بِرَاْسِهٖ نَعَمْ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ

ابراہیم نخعی سے روایت ہے۔ اسود نے کہا کہ ہم حضرت عائشہؓ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے ہم نے نماز پر مواظبت اور اس کی عظمت کا ذکر کیا تو حضرت نے فرمایا۔ جب نبی صلے اللہ علیہ وسلم اس بیماری میں بیمار ہوئے جس میں آپ کا وصال ہوا تو نماز کا وقت ہو گیا اور اذان ہوئی۔ حضورؐ نے فرمایا۔ ابوبکر کو حکم پہنچاؤ کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ کہا گیا کہ ابوبکر نرم دل ہیں۔ جب آپ کے مصلے پر کھڑے ہوں گے تو لوگوں کو نماز نہ پڑھا سکیں گے۔ آپ نے پھر یہی فرمایا تو سابقہ جواب دیا گیا۔ پھر تیسری دفعہ آپ نے فرمایا۔ تم صواحب یوسف کی طرح ہو ابوبکر کو حکم دو۔ وہ نماز پڑھائیں تو ابو بکر نماز پڑھانے کے لیے مسجد میں آئے۔ پھر حضورؐ نے کچھ اپنی طبیعت میں سکون پایا۔ آپ دو آدمیوں کے سہارے مسجد گئے گویا کہ میں آپ کے دونوں پاؤں کو دیکھ رہی تھی کہ زمین پر ... جاتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے آپ کو دیکھ کر پیچھے ہٹنا چاہا تو حضور نے انھیں اپنی جگہ قائم رہنے کا اشارہ کیا۔ پھر حضور علیہ السلام ابوبکر صدیقؓ کے پہلو میں بٹھا دیا گیا۔ اعمش سے کہا گیا۔ ... صلے اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا رہے تھے اور ابوبکرؓ حضورؐ کی ... کر رہے تھے اور لوگ حضرت ابوبکرؓ کی اقتدا کر رہے تھے تو ... سر کے اشارے سے کہا۔ ہاں! اس حدیث کا ایک حصہ ہو۔

شُعْبَةَ عَنِ الْاَعْمَشِ بِحْنِهٖ وَزَادَ اَبُوْمُعَاوِيَةَ عَنْ يَسَارِ اَبِیْ بَكْرٍ فَكَانَ اَبُوْبَكْرٍ يُصَلِّیْ قَائِمًا۔

٢۔ قَالَتْ عَائِشَةُ لَمَّا ثَقُلَ النَّبِیُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاشْتَدَّ وَجَعُهٗ اِسْتَاْذَنَ اَزْوَاجَهٗ اَنْ يُمَرَّضَ فِیْ بَيْتِیْ فَاَذِنَّ لَهٗ فَخَرَجَ بَيْنَ رَجُلَيْنِ تَخُطُّ رِجْلَاهُ الْاَرْضَ وَكَانَ بَيْنَ الْعَبَّاسِ وَبَيْنَ رَجُلٍ اٰخَرَ قَالَ عُبَيْدُ اللهِ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِابْنِ عَبَّاسٍ مَا قَالَتْ عَائِشَةُ فَقَالَ لِیْ وَهَلْ تَدْرِیْ مَنِ الرَّجُلُ الَّذِیْ لَمْ تُسَمِّ عَائِشَةُ قُلْتُ لَا قَالَ هُوَ عَلِیُّ بْنُ اَبِیْ طَالِبٍ۔ (البخاری)

نے شعبہ سے روایت کیا۔ انھوں نے اعمش سے اور ابو معاویہ نے اس روایت میں اتنا زیادہ بیان کیا کہ حضور علیہ السلام ابوبکر کی بائیں جانب تھے اور ابوبکر کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے۔

حضرت عائشہ نے فرمایا جب حضور علیہ السلام کی علالت سخت ہو گئی تو آپ نے اپنی ازواج سے اس امر کی اجازت چاہی کہ علالت کے دنوں میں آپ میرے ہی پاس جلوہ فرما رہیں تو انھوں نے اجازت دیدی، آپ دو آدمیوں کے کندھوں کے سہارے تشریف لے گئے اور آپ کے پاؤں مبارک زمین پر لکیر کھینچتے ہوئے جا رہے تھے اور آپ حضرت عباس اور ایک اور شخص کے درمیان تھے۔ عبید اللہ نے کہا میں نے اس واقعہ کا جو کچھ حضرت عائشہ نے بیان کیا۔ حضرت ابن عباس سے ذکر کیا تو انھوں نے مجھ سے کہا کیا تم اس آدمی کا نام جانتے ہو جس کا نام حضرت عائشہ نے نہیں لیا میں نے کہا نہیں، حضرت ابن عباس نے کہا وہ علی ابن ابی طالب تھے

فوائد و مسائل

حدیث اول کو امام نے صلوۃ میں مسلم و نسائی و ابن ماجہ نے بھی صلوۃ میں ذکر کیا اور حدیث دوم کو امام نے طہارت باب الغسل والوضوء فی المخضب مغازی، طب صلوۃ ہبہ، خمس، استیذان ازواج میں اور نسائی و ابن ماجہ و مسلم نے بھی استیذان ازواج میں ذکر کیا۔ زہری نے تصریح کی۔ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب کہ آپ کے مرض نے شدت اختیار کی اور آپ حجرہ عائشہ ہی میں جلوہ فرما ہو گئے۔ ٢۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تمام صحابہ کرام سے افضل ہونا ثابت ہوا کہ حضور نے اپنی حیات مبارکہ میں تمام صحابہ کرام میں سے صرف انھیں کو اپنی جگہ امامت کے لیے مقرر کیا اور حضرت عائشہ کے عذر پیش کرنے کے باوجود حضور نے حضرت صدیق اکبر ہی کی امامت کو پسند فرمایا ٣۔ اسیف بروزن فعیل اس کے معنی شدت حزن کے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے یا اسفی علی یوسف۔ مطلب یہ کہ حضرت صدیق اکبر رقیق القلب ہیں۔ جب مسند پر حضور کو نہ پائیں گے تو ضبط نہ کر سکیں گے فی جمل ... ظاہر ہے کہ اسی نماز کے موقع پر حضور کی طبیعت سکون پذیر ہوئی اور آپ دو آدمیوں کے سہارے مسجد میں آئے۔ حضرت صدیق اکبر نے جب دیکھا کہ حضور آ رہے ہیں تو غایت ادب و تعظیم کی بنا پر پیچھے ہٹنا چاہا۔ مگر حضور نے اشارہ سے ہدایت کی کہ اپنی جگہ رہو۔ چنانچہ حضور علیہ السلام حضرت صدیق کے پہلو میں جلوہ فرما رہے ٥۔ اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ اس نماز میں حضور ہی امام تھے۔ اور صدیق اکبر مقتدی اور مبلغ حضور بیٹھ کر نماز ادا فرما رہے تھے اور صدیق اکبر کھڑے ہو کر حضور کی اقتدا کر رہے تھے۔

بَابُ الرُّخْصَةِ فِی الْمَطَرِ وَالْعِلَّةِ اَنْ يُصَلِّیَ فِیْ رَحْلِهٖ

باب بارش یا کسی اور عذر کی وجہ سے گھر میں نماز پڑھ لینے کی اجازت

عن نَافِعٍ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ اَذَّنَ بِالصَّلٰوةِ فِیْ لَيْلَةٍ ذَاتِ بَرْدٍ وَرِيْحٍ ثُمَّ قَالَ اَلَا صَلُّوْا فِی الرِّحَالِ ثُمَّ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَاْمُرُ الْمُؤَذِّنَ اِذَا كَانَتْ لَيْلَةٌ ذَاتُ بَرْدٍ وَمَطَرٍ

حضرت نافع سے مروی ہے کہ عبد اللہ بن عمر نے ایک ٹھنڈی اور ہواؤں والی رات میں نماز کے لیے اذان دی۔ تو انھوں نے اذان کے بعد کہا خبردار اپنے ٹھکانوں میں نماز پڑھ لو، تو پھر انھوں نے کہا کہ حضور علیہ السلام سردی اور بارش والی رات میں مؤذن

يَقُولُ الْاَصَلُّوْا فِي الرِّحَالِ۔ (بخاری)

عَنْ مَحْمُودِ بْنِ رَبِيْعِ الْاَنْصَارِيِّ اَنَّ عِتْبَانَ بْنَ مَالِكٍ كَانَ يَؤُمُّ قَوْمَهٗ وَهُوَ اَعْمٰى وَاَنَّهٗ قَالَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّهَا تَكُوْنُ الظُّلْمَةُ وَالسَّيْلُ وَاَنَا رَجُلٌ ضَرِيْرُ الْبَصَرِ فَصَلِّ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فِيْ بَيْتِيْ مَكَانًا اَتَّخِذُهٗ مُصَلًّى فَجَآءَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَيْنَ تُحِبُّ اَنْ اُصَلِّيَ فَاَشَارَ اِلٰى مَكَانٍ مِّنَ الْبَيْتِ فَصَلّٰى فِيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

کو حکم دیتے کہ وہ کہہ دے کہ اپنے ٹھکانوں میں نماز پڑھو۔

محمود بن ربیع انصاری سے مروی ہے کہ عتبان بن مالک قوم کی امامت کرتے تھے اور وہ نابینا تھے۔ انھوں نے حضور نبی کریم سے عرض کی۔ یا رسول اللہ کبھی اندھیرا ہوتا ہے اور کبھی سیلاب بہتا ہے اور میں نابینا آدمی ہوں (جماعت میں شریک نہیں) ہو سکتا، تو یا رسول اللہ! آپ میرے گھر میں کسی جگہ نماز پڑھ دیں میں اسی کو نماز کی جگہ بنالوں گا۔ پھر حضور ان کے گھر تشریف لائے۔ تم کونسی جگہ پسند کرتے ہو کہ میں اس جگہ نماز پڑھوں۔ عتبان نے گھر میں ایک جگہ کی طرف اشارہ کیا۔ تو حضور نے اسی جگہ نماز پڑھی۔

حدیثِ اوّل باب الاذان للمسافر میں اور حدیث دوم باب المساجد فی بیوت فیوض الباری پارہ دوم صہ۱۲۵ پر اور دیوبند پارہ سوم صہ۱۹۱ پر گزر چکی ہے۔ ان دونوں حدیثوں سے واضح ہوا کہ اگر سخت سردی یا آندھی یا بارش وغیرہ ہو۔ تو جماعت میں حاضر ہونا معاف ہے اور اس صورت میں گھر میں اکیلا یا باجماعت نماز ادا کر سکتا ہے۔ مگر یہ رخصت ہے اور عزیمت یہ ہے کہ مسجد میں حاضر ہو کر باجماعت نماز پڑھے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن ام مکتوم نے بوجہ نابینا ہونے کے ترکِ جماعت کی رخصت چاہی تو حضور نے انھیں اجازت نہ دی اور اس کی وجہ شاید یہی تھی کہ حضور چاہتے تھے کہ عبداللہ عزیمت پر عمل کریں۔

بَابٌ هَلْ يُصَلِّي الْاِمَامُ بِمَنْ حَضَرَ وَهَلْ يَخْطُبُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فِي الْمَطَرِ

باب، بارش میں بھی لوگ اگر مسجد میں آجائیں تو کیا امام انھیں نماز پڑھائے اور جمعہ کا خطبہ دے۔

قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ الْحَارِثِ قَالَ خَطَبَنَا ابْنُ عَبَّاسٍ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ رَدْغٍ فَاَمَرَ الْمُؤَذِّنَ لَمَّا بَلَغَ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ قَالَ قُلِ الصَّلٰوةُ فِي الرِّحَالِ فَنَظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ كَاَنَّهُمْ اَنْكَرُوْا فَقَالَ كَاَنَّكُمْ اَنْكَرْتُمْ هٰذَا اِنَّ هٰذَا فَعَلَهٗ مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِّنِّيْ يَعْنِي النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّهَا عَزْمَةٌ وَاِنِّيْ كَرِهْتُ اَنْ اُحْرِجَكُمْ وَعَنْ حَمَّادٍ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْحَارِثِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ نَحْوَهٗ غَيْرَ اَنَّهٗ قَالَ كَرِهْتُ اَنْ اُؤَثِّمَكُمْ فَتَجِيْئُوْنَ تَدُوْسُوْنَ الطِّيْنَ اِلٰى رُكَبِكُمْ۔

عبدالحمید صاحب الزیادی نے بیان کیا کہ میں نے عبداللہ بن حارث سے سنا کہ عبداللہ بن عباس نے ہمیں کیچڑ والے دن خطبہ دیا۔ جس وقت مؤذن حی علی الصلوٰۃ پر پہنچا تو آپ نے مؤذن کو حکم دیا کہ وہ اعلان کر دے کہ لوگو اپنے اپنے ٹھکانوں پر نماز پڑھ لو۔ لوگ یہ دیکھ کر ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے جیسے انھوں نے اس کو غیر معمولی سمجھا۔ ابن عباس نے فرمایا۔ تم نے اسے برا جانا۔ یہ تو انھوں نے کیا جو مجھ سے بہتر تھے۔ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ جمعہ واجب ہے اور میں نے برا جانا کہ تم کو حرج میں ڈالوں۔ حماد نے اس حدیث کو عاصم سے۔ انھوں نے عبداللہ بن حارث سے۔ انھوں نے عبداللہ بن عباس سے ایسے ہی روایت کیا۔ مگر اس فرق سے کہ ابن عباس نے فرمایا۔ میں نے تم کو گناہ میں ڈالنا برا جانا کہ تم گھٹنوں تک کیچڑ میں لتھڑے ہوئے آتے۔

عنوان کا مقصود یہ بتانا ہے کہ اگر عذر ہوتے ہوئے بھی لوگ مسجد میں آجائیں تو امام حاضرین کو نماز پڑھا دے اور جو لوگ نہیں آئے
ن کا انتظار نہ کرے۔ خصوصاً جب کہ الصلوٰۃ فی الرحال کا اعلان بھی ہو جائے ——— اور حدیث زیر بحث سے واضح ہوا کہ سخت بارش
میں یا کیچڑ کہ جس کی وجہ سے جماعت میں شامل ہونا دشوار ہو۔ ترکِ جماعت کے لئے عذر ہیں۔

عَنْ اَبِیْ سَلَمَۃَ قَالَ سَاَلْتُ اَبَا سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیَّ فَقَالَ جَآءَتْ سَحَابَۃٌ فَمَطَرَتْ حَتّٰی سَالَ السَّقْفُ وَکَانَ مِنْ جَرِیْدِ النَّخْلِ فَاُقِیْمَتِ الصَّلٰوۃُ فَرَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَسْجُدُ فِی الْمَآءِ وَالطِّیْنِ حَتّٰی رَاَیْتُ اَثَرَ الطِّیْنِ فِیْ جَبْھَتِہٖ (بخاری)

ابو سلمہ سے روایت ہے کہ میں نے ابو سعید خدری سے پوچھا تو انھوں نے کہا کہ ایک ابر کا ٹکڑا آیا۔ برسا۔ یہاں تک کہ مسجد کی چھت چھکنے لگی اور وہ کھجور کی شاخوں کی تھی۔ پھر نماز کی تکبیر ہوئی۔ میں نے دیکھا کہ حضورؐ پانی اور مٹی (کیچڑ) میں سجدہ کر رہے ہیں اور کیچڑ کا اثر آپ کی پیشانی پر بھی آگیا ہے۔

اس حدیث کو امام نے اعتکاف، صوم، الصلوٰۃ میں۔ مسلم و ابن ماجہ نے صوم میں اور ابوداؤد نے صلوٰۃ میں ذکر کیا ———
ب سے مناسبت یہ بھی ہے کہ بارش وغیرہ کے موقع پر جو بعض لوگ مسجد میں نہیں آتے تو امام حاضرین کو نماز پڑھا دیتا ہے۔ حضور علیہ السلام
ے بھی جو آگئے تھے ان کو نماز پڑھا دی اور یہ واقعہ صبح کی نماز کا ہے۔ لہٰذا حدیث "باب ھل یصلی الامام بمن
حضر" کے مناسب ہے۔

عَنْ اَنَسِ بْنِ سِیْرِیْنَ قَالَ سَمِعْتُ اَنَسًا یَقُوْلُ قَالَ رَجُلٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ اِنِّیْ لَآ اَسْتَطِیْعُ الصَّلٰوۃَ مَعَکَ وَکَانَ رَجُلًا ضَخْمًا فَصَنَعَ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ طَعَامًا فَدَعَاہُ اِلٰی مَنْزِلِہٖ فَبَسَطَ لَہٗ حَصِیْرًا وَنَضَحَ طَرَفَ الْحَصِیْرِ فَصَلّٰی عَلَیْہِ رَکْعَتَیْنِ فَقَالَ رَجُلٌ مِّنْ اٰلِ الْجَارُوْدِ لِاَنَسٍ اَکَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُصَلِّی الضُّحٰی قَالَ مَا رَاَیْتُہٗ صَلَّاھَا اِلَّا یَوْمَئِذٍ۔ (بخاری)

انس بن سیرین سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا کہ میں نے حضرت انس سے سُنا وہ کہتے تھے کہ انصار میں سے ایک آدمی نے عرض کیا میں آپ کے ساتھ نماز میں شریک نہیں ہو سکتا اور وہ ضخیم و لحیم اور موٹا آدمی تھا۔ اس نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے لیے کھانا تیار کیا اور آپکو اپنے مکان پر دعوت دی اور ایک بوریا آپ کے لیے بچھایا اس کا ایک کنارہ دھو دیا۔ نبی علیہ السلام نے اسی بوریئے پر دو رکعتیں پڑھیں۔ ایک شخص نے جو جارود کی اولاد میں سے تھا۔ انسؓ سے کہا۔ کیا نبی صلے اللہ علیہ وسلم دن چڑھے چاشت کی نماز پڑھا کرتے تھے۔ انھوں نے کہا کہ میں نے تو آج ہی آپ کو یہ نماز پڑھتے دیکھا ہے۔

فوائد و مسائل اس حدیث کو امام نے صلوٰۃ ضحیٰ اور ادب میں۔ ابوداؤد نے صلوٰۃ میں ذکر کیا۔ مسائل حدیث یہ ہیں ۱۔ جس شخص کو موٹاپے کی وجہ سے جماعت میں شریک ہونا مشکل ہو وہ معذور ہے گھر پر نماز پڑھ سکتا ہے ۲۔ اولیٰ افضل کی
عوت کرنا، دعوت قبول کرنا مستحب ہے ۳۔ چٹائی اور فرش جو گھاس پھوس سے بنایا جائے اس پر نماز بلا کراہت جائز ہے اور
بن عبدالعزیزؓ سے جو مروی ہے کہ وہ چٹائی پر نماز نہیں پڑھتے تھے۔ یہ ان کی تواضع و انکساری تھی۔

نمازِ چاشت چاشت کی نماز مستحب ہے کم از کم دو اور زیادہ سے زیادہ چاشت کی بارہ رکعتیں ہیں اور افضل بارہ ہیں۔ اس نماز کے فضائل میں متعدد حدیثیں وارد ہوئیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ جس نے چاشت کی بارہ رکعتیں پڑھیں

اس کے لیے اللہ تعالیٰ جنت میں سونے کا محل بنائے گا۔ (ترمذی وابن ماجہ) چاشت کی دو رکعتوں پر جو محافظت کرے اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے اگرچہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں (ترمذی) چاشت کا وقت آفتاب بلند ہونے سے زوال یعنی نصف النہار شرعی تک ہے اور بہتر یہ ہے کہ چوتھائی دن چڑھے پڑھے (عالمگیری)۔

بَابٌ إِذَا حَضَرَ الطَّعَامُ وَأُقِيمَتِ الصَّلٰوةُ

باب۔ جب کھانا حاضر ہوا اور ادھر تکبیر ہو جائے تو کیا کرنا چاہیئے

وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَبْدَاءُ بِالْعَشَاءِ وَقَالَ اَبُو الدَّرْدَاءِ مِنْ فِقْهِ الْمَرْءِ إِقْبَالُهُ عَلٰى حَاجَتِهٖ حَتّٰى يُقْبِلَ عَلٰى صَلٰوتِهٖ وَقَلْبُهٗ فَارِغٌ عَنْ هِشَامٍ قَالَ حَدَّثَنِيْ اَبِيْ سَمِعْتُ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ إِذَا وُضِعَ الْعَشَاءُ وَاُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَابْدَءُوْا بِالْعَشَاءِ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا قُدِّمَ الْعَشَاءُ فَابْدَءُوْا بِهٖ قَبْلَ اَنْ تُصَلُّوْا صَلٰوةَ الْمَغْرِبِ وَلَا تَعْجَلُوْا عَنْ عَشَائِكُمْ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا وُضِعَ عَشَاءُ اَحَدِكُمْ وَاُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَابْدَءُوْا بِالْعَشَاءِ وَلَا يُعْجَلْ حَتّٰى يَفْرُغَ مِنْهُ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يُوْضَعُ لَهُ الطَّعَامُ وَتُقَامُ الصَّلٰوةُ فَلَا يَاْتِيْهَا حَتّٰى يَفْرُغَ وَاِنَّهٗ لَيَسْمَعُ قِرَاءَةَ الْاِمَامِ وَقَالَ زُهَيْرٌ وَوَهْبُ بْنُ عُثْمَانَ عَنْ مُوْسَى ابْنِ عُقْبَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ اَحَدُكُمْ عَلَى الطَّعَامِ فَلَا يَعْجَلْ حَتّٰى يَقْضِيَ حَاجَتَهٗ مِنْهُ وَاِنْ اُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ۔ (بخاری)

عبداللہ بن عمر تو (ایسی حالت میں) شام کا کھانا کھاتے تھے اور ابو درداء نے کہا کہ یہ آدمی کی عقلمندی ہے کہ پہلے اپنی حاجت پوری کرے۔ تاکہ نماز میں جب وہ کھڑا ہو تو اس کا دل خالی ہو (کوئی خیال دل میں نہ ہو) ہشام سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا کہ مجھ سے میرے ماں باپ نے بیان کیا۔ انھوں نے کہا کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنا۔ انھوں نے نبی علیہ السلام سے کہ آپ نے فرمایا۔ جب شام کا کھانا سامنے رکھ دیا جائے اور ادھر نماز کھڑی ہو جائے تو پہلے شام کا کھانا کھالو۔ انس بن مالک سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب شام کا کھانا رکھ دیا جائے تو مغرب کی نماز پڑھنے سے پہلے اسے کھالو اور کھانا چھوڑ کر نماز میں جلدی مت کرو۔ ابن عمر سے مروی ہے انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی ایک کے سامنے شام کا کھانا رکھ دیا جائے اور تکبیر ہو جائے تو پہلے شام کا کھانا کھالو اور نماز کے لیے جلدی نہ کرو۔ یہاں تک کہ کھانے سے فارغ ہو جائے اور عبداللہ کے سامنے کھانا رکھا جاتا۔ اور ادھر نماز کھڑی ہو جاتی۔ وہ کھانے سے فارغ ہونے تک نماز کے لیے نہ آتے اور امام کی قرأت سنتے رہتے اور زہیر اور وہب بن عثمان نے موسیٰ بن عقبہ سے انھوں نے نافع سے انھوں نے ابن عمر سے روایت کیا۔ انھوں نے کہا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی کھانے پر ہو تو وہ جلدی نہ کرے یہاں تک کہ اپنی کھانے کی حاجت پوری کرے اگرچہ نماز کھڑی ہو جائے۔

فوائد و مسائل

علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ فابدؤا کا امر جمہور کے نزدیک ندب کے لیے ہے۔ ان احادیث و آثار سے واضح ہوتا ہے کہ اگر سخت بھوک لگی ہو اور وقت میں گنجائش بھی ہو تو پھر پہلے کھانا کھالے اس کے بعد نماز پڑھے

کہ خضوع و خشوع میں فرق نہ آئے اور دربار خداوندی میں بحضور قلب حاضر ہو۔

اور روایت ابوداؤد عن جابر کا مضمون یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ کھانے وغیرہ کے لیے نماز کو مؤخر نہ کرے۔ تو یہ حدیث ضعیف ہے اور اگر اس کی صحت کو تسلیم کر لیا جائے تو مطلب حدیث یہ ہے کہ اگر نماز کا وقت تنگ ہو کہ کھانے میں مشغول ہونے کی صورت میں وقت ختم ہو جائیگا تو پہلے نماز پڑھ لینا ضروری ہے۔ لہٰذا تنگیٔ وقت کی صورت میں نماز کو مؤخر کرنا جائز نہ ہوگا۔ عینی ج ۲ صفحہ ۲۶۔

بَابٌ اِذَا دُعِیَ الْاِمَامُ اِلَی الصَّلٰوۃِ وَبِیَدِہٖ مَا یَاْکُلُ

باب، جب امام کو نماز پڑھانے کے لیے بلایا جائے اور وہ کھا رہا ہو۔

عَنِ ابْنِ شِہَابٍ قَالَ اَخْبَرَنِیْ جَعْفَرُ بْنُ عَمْرِو بْنِ اُمَیَّۃَ اَنَّ اَبَاہُ قَالَ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَاْکُلُ ذِرَاعًا یَحْتَزُّ مِنْہَا فَدُعِیَ اِلَی الصَّلٰوۃِ فَقَامَ فَطَرَحَ السِّکِّیْنَ فَصَلّٰی وَلَمْ یَتَوَضَّأْ۔ (بخاری)

ابن شہاب سے مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جعفر بن عمرو بن اُمیّہ نے خبر دی۔ ان کے باپ عمرو نے کہا میں نے حضور علیہ السلام کو دیکھا کہ آپ (بکری کا) دست کاٹ کاٹ کر کھا رہے تھے کہ اتنے میں نماز کے لیے آپ کو بلایا گیا آپ نے چھری پھینک دی اور نماز پڑھائی اور (دوبارہ) وضو نہیں کیا۔

علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے لکھا کہ اس عنوان سے مقصود یہ بتانا ہے کہ گزشتہ باب کی حدیثوں میں امر وجوب کے لیے نہیں ہے۔ اگر وجوب کے لیے ہوتا تو حضور علیہ السلام درمیان طعام نماز کے لیے تشریف نہ لے جاتے ۲۔ حدیث زیر بحث سے اس طرف اشارہ ہوتا ہے کہ چند لقمے کھانے کے بعد بھوک کی شدت ٹوٹ جائے۔ تو پھر نماز میں تاخیر نہ کرے۔ بلکہ جماعت میں شامل ہو جانا بہتر ہے۔ ۳۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ آگ کی پکی ہوئی چیز کے کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا ہے۔ یہ بھی کہ گوشت کے بڑے ٹکڑے کو چھری سے کاٹ کاٹ کر کھانا جائز ہے۔ جیسے امرود یا سیب اور دیگر اشیاء کو کاٹ کر کھاتے ہیں۔

بَابٌ مَنْ کَانَ فِیْ حَاجَۃِ اَھْلِہٖ فَاُقِیْمَتِ الصَّلٰوۃُ فَخَرَجَ

باب، جو شخص گھر کے کام کاج میں مشغول ہو اور نماز کی تکبیر ہو جائے تو نماز کے لیے جائے

عَنِ الْاَسْوَدِ قَالَ سَاَلْتُ عَائِشَۃَ مَا کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَصْنَعُ فِیْ بَیْتِہٖ قَالَتْ کَانَ یَکُوْنُ فِیْ مَہْنَۃِ اَھْلِہٖ تَعْنِیْ خِدْمَۃَ اَھْلِہٖ فَاِذَا حَضَرَتِ الصَّلٰوۃُ خَرَجَ اِلَی الصَّلٰوۃِ (بخاری)

اسود سے مروی ہے کہ میں نے حضرت عائشہ سے پوچھا۔ نبی علیہ السلام گھر میں کیا کرتے تھے تو انہوں نے جواب دیا۔ حضور اپنے اہل کے اُمور سر انجام دیتے تھے۔ جب نماز کا وقت ہو جاتا تو آپ نماز کے لیے تشریف لے جاتے۔

اس حدیث سے واضح ہوا کہ گھر کے کام کاج اور اُمورِ خانہ داری میں مشغولیت ترک جماعت کیلیے عذر نہیں بن سکتی۔ اگر کوئی گھر کے کام کاج میں مصروف ہو اور نماز کی تکبیر ہو جائے تو تمام کاموں کو چھوڑ کر نماز میں شامل ہونا ضروری ہے۔

بَابٌ مَنْ صَلّٰی بِالنَّاسِ وَھُوَ یُرِیْدُ اَنْ یُعَلِّمَھُمْ صَلٰوۃَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَسُنَّتَہٗ

باب، جو شخص صرف لوگوں کو تعلیم دینے اور بتانے کے لیے کہ نبی علیہ السلام کس طرح نماز پڑھتے تھے۔ نماز پڑھے تو کیسا ہے؟

عَنْ اَبِیْ قِلَابَۃَ قَالَ جَاءَنَا مَالِکُ بْنُ الْحُوَیْرِثِ فِیْ مَسْجِدِنَا ھٰذَا فَقَالَ اِنِّیْ لَاُصَلِّیْ بِکُمْ وَمَا اُرِیْدُ الصَّلٰوۃَ اُصَلِّیْ کَیْفَ رَاَیْتُ النَّبِیَّ

ابو قلابہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا کہ مالک بن حویرث (صحابی رسول) ہماری اس مسجد میں آئے اور کہنے لگے میں اس وقت تمہارے لیے نماز پڑھتا ہوں اور میری نیت نماز پڑھنے کی نہیں ہے فقط

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فَقُلْتُ لِأَبِي قِلَابَةَ كَيْفَ كَانَ يُصَلِّي قَالَ مِثْلَ شَيْخِنَا هٰذَا وَكَانَ الشَّيْخُ يَجْلِسُ اِذَا رَفَعَ رَاْسَهُ مِنَ السُّجُوْدِ قَبْلَ اَنْ يَّنْهَضَ فِي الرَّكْعَةِ الْاُوْلٰى -

یہ چاہتا ہوں کہ اس طرح نماز پڑھوں جس طرح میں نے نبی علیہ السلام کو نماز پڑھتے دیکھا ہے تاکہ تم کو بتلاؤں جس طرح نبی علیہ السلام نماز پڑھتے تھے۔ ایوب نے کہا میں نے ابو قلابہ سے پوچھا کہ وہ کس طرح نماز پڑھتے تھے۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے اس شیخ (عمرو بن سلمہ) کی طرح اور عمرو بن سلمہ جب دوسرے سجدے سے سر اٹھاتے پہلی رکعت پڑھنے کے بعد تو کھڑے ہونے سے پہلے تھوڑی دیر بیٹھ جاتے۔

فوائد و مسائل اس حدیث سے واضح ہوا کہ لوگوں کو نماز کی ترکیب سکھانے کے لیے نماز پڑھ کر دکھانا جائز ہے اور یہ کہ تعلیم بالعمل تعلیم بالقول سے زیادہ واضح ہوتی ہے ۲۔ اس حدیث سے امام شافعی علیہ الرحمۃ نے یہ استدلال کیا کہ جب سجدہ ثانی کرکے سر اٹھائے تو ذرا دیر بیٹھ جائے۔ پھر کھڑا ہو۔ اس کو جلسۂ استراحت کہتے ہیں، لیکن احناف کا موقف یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے سجدہ ثانی کے بعد جو جلسۂ استراحت فرمایا تو وہ بوجہ ضعف کے تھا۔ چنانچہ حضرت ابن مسعود و ابن عمر و ابن عباس و حضرت عمر و علی و ابی الزناد و نخعی و امام مالک و ثوری و احمد و اسحٰق کا یہی مسلک ہے۔ امام احمد نے فرمایا کہ اکثر احادیث سے ترکِ جلوس ثابت ہوتا ہے اور امام ترمذی نے فرمایا کہ اہلِ علم ترکِ جلوس ہی کے قائل ہیں۔

بَابٌ اَهْلُ الْعِلْمِ وَالْفَضْلِ اَحَقُّ بِالْاِمَامَةِ

باب جو علم و فضل میں زیادہ ہو وہ امامت کا سب سے زیادہ حقدار ہے

اس عنوان کے ماتحت امام نے متعدد ایسی حدیثیں ذکر کی ہیں۔ جن میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی امامت کا ذکر ہے۔ الفاظ میں اگرچہ فرق ہے مگر مضمون تقریباً سب کا ایک ہی ہے۔ یعنی یہ کہ حضور علیہ السلام نے اپنے مرضِ وفات میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھانے کے لیے مقرر فرمایا اور جناب عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی معذرت کے باوجود حضور نے اپنے فیصلے میں تبدیلی نہ فرمائی اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضور کی حیاتِ اقدس میں امامت کے فرائض انجام دیئے۔ جس سے ثابت ہوا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تمام صحابہ کرام میں اعلم و افضل ہیں۔ حضور کو یہ منظور ہی نہ تھا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں کوئی اور امامت کرائے اور یہ کہ امامت کا زیادہ حقدار وہی ہے جو سب سے زیادہ افضل ہو اور یہی ترجمۃ الباب ہے۔ اسی عنوان کے ماتحت امام نے یہ دو حدیثیں بھی لکھی ہیں۔

عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ اَخْبَرَنِي اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ الْاَنْصَارِيُّ وَكَانَ تَبِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَخَدَمَهُ وَصَحِبَهُ اَنَّ اَبَا بَكْرٍ كَانَ يُصَلِّي لَهُمْ فِي وَجَعِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِي تُوُفِّيَ فِيْهِ حَتّٰى اِذَا كَانَ يَوْمُ الْاِثْنَيْنِ وَهُمْ صُفُوْفٌ فِي الصَّلٰوةِ فَكَشَفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِتْرَ الْحُجْرَةِ يَنْظُرُ اِلَيْنَا وَهُوَ قَائِمٌ كَاَنَّ وَجْهَهُ وَرَقَةُ مُصْحَفٍ ثُمَّ تَبَسَّمَ يَضْحَكُ فَهَمَمْنَا اَنْ نَفْتَتِنَ مِنَ الْفَرَحِ بِرُؤْيَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَكَصَ اَبُوْ بَكْرٍ عَلٰى عَقِبَيْهِ لِيَصِلَ

۱۔ زہری نے فرمایا مجھے حضرت انس بن مالک نے خبر دی، وہ حضور کے تابعدار خادم اور صحابی تھے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام کی اس علالت میں جس میں آپ نے وصال فرمایا صحابہ کو نماز پڑھاتے تھے۔ جب پیر کا دن ہوا تو لوگ نماز کی صف باندھے کھڑے تھے۔ آپ نے اپنے حجرہ مبارک کا پردہ اٹھایا اور ہمیں ملاحظہ فرمانے لگے۔ آپ کا چہرۂ اقدس گویا مصحف کا ورق تھا۔ پھر آپ مسکرائے۔ حضور کے دیدار سے ہمیں اتنی خوشی ہوئی کہ ہم نماز چھوڑنے ہی کو تھے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ الٹے پاؤں پیچھے ہٹے تاکہ صف میں مل جائیں۔ وہ سمجھے کہ نبی علیہ السلام

الصَّفَّ وَظَنَّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَارِجٌ إِلَى الصَّلٰوةِ فَأَشَارَ إِلَيْنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ أَتِمُّوا صَلٰوتَكُمْ وَأَرْخَى السِّتْرَ فَتُوُفِّيَ مِنْ يَوْمِهٖ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أَنَسٍ قَالَ لَمْ يَخْرُجِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثًا فَأُقِيمَتِ الصَّلٰوةُ فَذَهَبَ أَبُو بَكْرٍ يَتَقَدَّمُ فَقَالَ نَبِيُّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْحِجَابِ فَرَفَعَهُ فَلَمَّا وَضَحَ وَجْهُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا نَظَرْنَا مَنْظَرًا كَانَ أَعْجَبَ إِلَيْنَا مِنْ وَجْهِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ وَضَحَ لَنَا فَأَوْمَأَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهٖ إِلَى أَبِي بَكْرٍ أَنْ يَتَقَدَّمَ وَأَرْخَى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحِجَابَ فَلَمْ نَقْدِرْ عَلَيْهِ حَتّٰى مَاتَ (بخاری)

کے لیے جلوہ فرما ہو رہے ہیں۔ لیکن حضورؐ نے ہم کو اشارہ سے بتایا کہ اپنی نماز پوری کر لو اور پردہ ڈال دیا۔ پھر اسی دن حضورؐ کا وصال ہوا۔

(۲) حضرت انس فرماتے ہیں کہ نبی علیہ السلام تین دن تک تشریف نہ لائے۔ ایک دن نماز کی تکبیر ہوئی اور حضرت ابوبکرؓ نماز پڑھانے کے لیے آگے بڑھنے کو تھے کہ حضور علیہ السلام نے حجرۂ مبارکہ کا پردہ اٹھایا۔ جب حضورؐ کا چہرۂ اقدس ہمارے سامنے ہوا تو آپ کے چہرۂ مبارک سے زیادہ حسین اور کوئی چیز ہم کو نظر نہ آئی۔ پھر حضورؐ نے اپنے دست مبارک کے اشارے سے حضرت صدیق اکبرؓ کو امامت کے لیے حکم دیا اور پردہ لٹکا دیا۔ پھر وصال تک ہم حضورؐ کی زیارت نہ کر سکے۔

فوائد و مسائل

دونوں حدیثیں مسائل ذیل پر مشتمل ہیں ۱۔ امامت کے زیادہ حقدار وہ ہے جو سب سے زیادہ اعلم و افضل ہو۔ ۲۔ سیدنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام صحابہ کرامؓ میں افضل و اعلم تھے۔ اسی لیے حضورؐ نے امامت کے لئے ان کو انتخاب کیا ۳۔ حضورؐ کے چہرۂ انور کو ورق مصحف سے تشبیہ دینے میں آپ کے ظاہری و باطنی حسن و جمال کا اظہار مقصود ہے۔ ۴۔ حضرت صدیق اکبرؓ کو امامت کراتے ہوئے حضورؐ کا ملاحظہ فرمانا اور پھر مسکرانا اس امر پر دال ہے کہ حضور علیہ السلام امامت صدیق رضی اللہ عنہ سے خوش تھے۔ آپ نے مسکرا کر تمام حاضرین پر اپنی رضا کا اظہار فرمایا تھا ۵۔ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ وصال تک تمام نمازیں حضرت صدیق اکبرؓ ہی پڑھاتے رہے اور حضرات شیعہ کا یہ قول باطل ہوا کہ حضورؐ نے جلوہ فرما ہو کر حضرت صدیق اکبرؓ کو امامت سے معزول کر دیا تھا۔

بَابُ مَنْ قَامَ إِلٰى جَنْبِ الْإِمَامِ لِعِلَّةٍ

باب کسی عذر کی وجہ سے مقتدی کا امام کے پہلو میں کھڑا ہونا

مسئلہ یہ ہے کہ امام مقتدیوں کے آگے کھڑا ہو۔ لیکن اگر عذر ہو تو مقتدی امام کے پہلو میں کھڑا ہو سکتا ہے۔ مثلاً اگر مقتدی ایک ہے تو اس کو امام کے برابر داہنی طرف کھڑا ہونا چاہیئے یا اگر جگہ تنگ ہو یا تیمم کے تمام نکتے ہیں تو بھی امام مقتدیوں کے ساتھ بیچ میں کھڑا ہو گا اور اگر مقتدی دو ہیں یا زیادہ تو امام کے پیچھے کھڑے ہوں گے ۲۔ اس عنوان کے ماتحت امام نے حدیث امامت صدیق اکبرؓ لکھی ہے۔ حضورؐ نے مرض وفات میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کو امامت کرنے کا حکم دیا پھر حضورؐ خود جلوہ فرما ہوئے اور حضرت ابوبکرؓ کے برابر بائیں بیٹھ گئے اور حضرت ابوبکرؓ حضورؐ کے پہلو میں کھڑے ہوئے جس سے واضح ہوا کہ کسی عذر کی وجہ سے مقتدی امام کے پہلو میں کھڑا ہو سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت صدیق اکبرؓ حضورؐ کے پہلو میں اس لیے کھڑے ہوئے کہ صف اول میں جگہ نہ تھی۔

بَابُ مَنْ دَخَلَ لِيَؤُمَّ النَّاسَ فَجَاءَ الْإِمَامُ الْأَوَّلُ فَتَأَخَّرَ الْأَوَّلُ أَوْلَمْ يَتَأَخَّرْ جَازَتْ

باب جس شخص نے امامت شروع کر دی پھر مقررہ امام آگیا۔ اب پہلا شخص پیچھے ہٹ گیا یا نہیں ہٹا بہر صورت نماز جائز ہو گئی اس کے متعلق حضرت عائشہؓ نے حضورؐ سے روایت کی ہے

صَلٰوتُهٗ فِيهِ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدِنِ السَّاعِدِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم ذَهَبَ اِلٰى عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ لِيُصْلِحَ بَيْنَهُمْ فَحَانَتِ الصَّلٰوةُ فَجَآءَ الْمُؤَذِّنُ اِلٰى اَبِيْ بَكْرٍ فَقَالَ اَتُصَلِّيْ لِلنَّاسِ فَاُقِيْمُ قَالَ نَعَمْ فَصَلّٰى اَبُوْبَكْرٍ فَجَآءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسُ فِي الصَّلٰوةِ فَتَخَلَّصَ حَتّٰى وَقَفَ فِي الصَّفِّ فَصَفَّقَ النَّاسُ وَكَانَ اَبُوْبَكْرٍ لَا يَلْتَفِتُ فِيْ صَلٰوتِهٖ فَلَمَّا اَكْثَرَ النَّاسُ التَّصْفِيْقَ الْتَفَتَ فَرَاٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَشَارَ اِلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنِ امْكُثْ مَكَانَكَ فَرَفَعَ اَبُوْبَكْرٍ يَدَيْهِ فَحَمِدَ اللّٰهَ عَلٰى مَا اَمَرَهٗ بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ ذٰلِكَ ثُمَّ اسْتَاْخَرَ اَبُوْبَكْرٍ حَتَّى اسْتَوٰى فِي الصَّفِّ وَتَقَدَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰى فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ يَا اَبَا بَكْرٍ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَثْبُتَ اِذْ اَمَرْتُكَ فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ مَا كَانَ لِابْنِ اَبِيْ قُحَافَةَ اَنْ يُّصَلِّيَ بَيْنَ يَدَيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَالِيْ رَاَيْتُكُمْ اَكْثَرْتُمُ التَّصْفِيْقَ مَنْ نَابَهٗ شَيْءٌ فِيْ صَلٰوتِهٖ فَلْيُسَبِّحْ فَاِنَّهٗ اِذَا سَبَّحَ الْتُفِتَ اِلَيْهِ وَاِنَّمَا التَّصْفِيْقُ لِلنِّسَآءِ - (بخاری)

سہل بن سعد ساعدی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بنی عمرو بن عوف کے ہاں ان کے درمیان صلح کرانے کے لیے تشریف لے گئے۔ اتنے میں نماز کا وقت ہو گیا۔ مؤذن حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں آیا اور کہا کیا آپ نماز پڑھائیں گے۔ میں تکبیر کہتا ہوں۔ آپ نے کہا۔ ہاں تو حضرت ابوبکرؓ نماز پڑھانے لگے کہ حضور علیہ السلام تشریف لے آئے اور لوگ نماز میں تھے۔ آپ صفوں کو چیرتے ہوئے پہلی صف میں آ کر کھڑے ہو گئے تو لوگوں نے دہنے ہاتھ کی انگلیاں بائیں ہاتھ کی پشت پر ماریں۔ حضرت ابوبکرؓ کی یہ عادت کریمہ تھی کہ وہ نماز میں کسی طرف توجہ نہیں کرتے تھے۔ جب لوگوں نے تصفیق میں زیادتی کی تو حضرت ابوبکرؓ متوجہ ہوئے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ اپنی ہی جگہ ٹھہرے رہو۔ پس ابوبکرؓ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس حکم پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی۔ پھر پیچھے ہٹ کر صف میں مل گئے اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے اور نماز پڑھائی۔ جب آپ نے سلام پھیرا تو حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا۔ میرے اشارے پر تم اپنی جگہ کیوں نہیں ٹھہرے رہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا۔ ابو قحافہ کے بیٹے کو یہ حق نہیں کہ وہ حضورؐ کے آگے ہو کر نماز پڑھائے۔ حضورؐ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ تم اتنی زیادہ تصفیق کیوں کر رہے تھے۔ اگر نماز میں کسی کو کوئی حادثہ پیش آ جائے تو سبحان اللہ کہنا چاہیئے۔ جب وہ سبحان اللہ کہے گا۔ تو امام اس کی طرف متوجہ ہو جائے گا۔ اور تصفیق تو عورتوں کے لیے ہے۔

فوائد و مسائل اس حدیث کو امام نے سات جگہ ذکر کیا ہے۔ صلوٰۃ، سہو، صلح، الاحکام وغیرہ میں اور مسلم و نسائی و ابوداؤد نے بھی حدیث کو روایت کیا ہے۔ بنی عمرو بن عوف انصار میں دو قبیلے تھے۔ اوس اور خزرج۔ ان کی متعدد شاخیں تھیں۔ بنی عمرو بن عوف بھی قبیلہ اوس کی ایک شاخ ہیں۔ یہ لوگ قبا میں رہتے تھے۔ آپس میں لڑ پڑتے تھے۔ اور حضور علیہ السلام ان کے درمیان صلح کرانے کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ مسند احمد و ابوداؤد و نسائی کی حدیث میں یہ تصریح ہے کہ حضور علیہ السلام ظہر کی نماز کے بعد صلح کرانے کے لیے تشریف لے گئے تھے اور حضرت بلالؓ سے فرما گئے تھے کہ اگر عصر کی نماز تک میں نہ آؤں تو ابوبکرؓ نماز پڑھا دیں۔ چنانچہ جب عصر کا وقت ہوا تو حضرت بلالؓ نے تکبیر کہی اور حضرت ابوبکرؓ حسب

امامت کے لیے کھڑے ہوئے۔ ابھی صرف تکبیر تحریمہ ہی کہی تھی کہ حضور علیہ السلام تشریف لے آئے۔ حضرت ابوبکرؓ پیچھے ہٹ گئے، اور حضورؐ نے نماز پڑھائی (نیل الاوطار) حدیث ہذا مسائل ذیل پر مشتمل ہے ۱۔ امام کا اپنی رعیت کے مصالح کے لیے خود جانا ۲۔ اگر متخاصمین کا معاملہ میں جو افترین مصلحت نہ ہو تو حاکم خود جا کر فیصلہ کر سکتا ہے ۳۔ نماز کا دو اماموں کی امامت سے جائز ہونا جب کہ ایک کے بعد دوسرا امامت کرے۔ جیسے امام کو حدث ہو جائے تو اشارے سے اپنے مقتدی کو خلیفہ بنا سکتا ہے ۴۔ امام معین ہی امامت کا حقدار ہے۔ لیکن اگر امام معین وقت پر حاضر نہ ہو تو حاضرین اپنے میں سے کسی جامع شرائط امامت کو امام بنا لیں اور بہتر یہ ہے کہ امام معین اپنے کسی کام سے حاضر نہ ہو سکے تو کسی کو اپنی جگہ مقرر کر جائے تاکہ جھگڑا وغیرہ نہ ہو ۵۔ نماز کی تکبیر کہنا اور امام کو نماز کے لیے بلانا مؤذن کا حق ہے۔ سنت یہی ہے جو اذان دے وہی تکبیر کہے۔ ۶۔ بحالتِ نماز بضرورت ادھر ادھر نظر کرنا جب گردن نہ پھرے جائز ہے اور حضورؐ سے ایسا کرنا ثابت ہے۔ لیکن بلا ضرورت ادھر ادھر دیکھنا مکروہ ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ نماز میں اللہ عزوجل اس وقت تک اپنے بندے کی طرف متوجہ رہتا ہے۔ جب تک وہ کسی طرف التفات نہ کرے ۷۔ دورانِ نماز کوئی حادثہ پیش آ جائے تو مرد اشارہ یا تسبیح سے کام لے اور عورت تصفیق کرے یعنی داہنے ہاتھ کی انگلیاں بائیں کی پشت پر مارے اگر مرد نے تصفیق کی اور عورت نے تسبیح تو بھی نماز فاسد نہ ہوگی۔ مگر ایسا کرنا خلافِ سنت ہے۔

فائدہ | عورت کے لیے تصفیق کا حکم اس لیے ہے کہ عورت کی آواز بھی عورت ہے اور سبحان اللہ کہنے میں عورت کی آواز بلند ہوگی اس لئے منع کیا گیا ۲۔ اس حدیث سے یہ استدلال کیا گیا کہ جب امام معین آ جائے تو اختیار ہے کہ خود امام بن جائے یا اقتداء کرے اور دوسرا شخص جو امام بن چکا ہے مقتدی ہو جائے۔ اس طرح کرنے سے نماز فاسد نہ ہوگی لیکن یہ استدلال درست نہیں کیونکہ زیر بحث حدیث میں حضورؐ کا امام بن جانا حضورؐ کی خصوصیات سے ہے۔ اسی طرح حضورؐ کا نمازیوں کی صفوں کو چیرتے ہوئے اگلی صف میں جا کر کھڑا ہونا اور حضرت صدیق اکبرؓ کا اپنے ہاتھوں کو اٹھا کر حمد و ثنا کرنا یہ سب امور مخصوص ہیں اور ان پر توارثِ عمل مفقود ہے یہ اپنے مورد پر بند رہیں گے۔

بَابٌ اِذَا اسْتَوَوْا فِی الْقِرَاءَةِ فَلْيَؤُمَّهُمْ اَكْبَرُهُمْ

باب جب سب کے سب قرأت میں برابر ہوں تو جو ان میں سب سے بڑا ہے وہ امامت کرے

عَنْ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ قَالَ قَدِمْنَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ شَبَبَةٌ فَلَبِثْنَا عِنْدَهُ نَحْوًا مِّنْ عِشْرِيْنَ لَيْلَةً وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَحِيْمًا فَقَالَ لَوْ رَجَعْتُمْ اِلٰى بِلَادِكُمْ فَعَلَّمْتُمُوْهُمْ مُرُوْهُمْ فَلْيُصَلُّوْا صَلٰوةَ كَذَا فِيْ حِيْنِ كَذَا وَصَلٰوةَ كَذَا فِيْ حِيْنِ كَذَا فَاِذَا حَضَرَتِ الصَّلٰوةُ فَلْيُؤَذِّنْ لَكُمْ اَحَدُكُمْ وَلْيَؤُمَّكُمْ اَكْبَرُكُمْ۔

مالکؓ بن حویرث سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ ہم نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہم اس وقت جوان تھے اور ہم آپ کے پاس تقریباً بیس راتیں رہے اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم بڑے ہی رحیم (مہربان) تھے۔ آپ نے فرمایا۔ تم اپنے ملک میں لوٹ جاؤ اور وہاں کے لوگوں کو دین کی باتیں سکھاؤ اور ان کو حکم دو کہ وہ فلاں وقت کی نماز فلاں وقت میں پڑھیں اور فلاں وقت کی نماز فلاں وقت میں پڑھیں اور جب نماز کا وقت ہو جائے تو تم میں سے ایک اذان دے اور جو تم میں بڑا ہو وہ امامت کرائے۔

فائدہ | مقصود عنوان یہ بتانا ہے کہ اگر حاضرین میں سے سب قرأت میں برابر ہوں تو جو سب سے بڑا ہو وہ امامت کرے۔ زیر

عنوان حدیث میں اگرچہ مفہوم عنوان کی تصریح نہیں ہے لیکن ظاہر ہے کہ حضرت مالک بن حویرث اور ان کے ساتھی جب بیس دن تک بحضور نبوی مقیم رہے تو سب حضور کے فیوض و برکات سے مساوی طور پر فیض یاب ہوئے اور علم دین و قرأت سب نے برابر سیکھا لہٰذا اس صورت میں بڑی عمر والے کو ترجیح ہوگی۔

بَابٌ إِذَا زَارَ الْإِمَامُ قَوْمًا فَأَمَّهُمْ

باب، جب امام کسی قوم سے ملنے جائے تو ان کا امام ہو سکتا ہے

اس عنوان کے ماتحت امام بخاری نے حدیث عتبان بن مالک درج کی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ حضور علیہ السلام ان سے ملنے کے لیے ان کے گھر پر تشریف لے گئے اور آپ نے ان سے فرمایا کہ تم اپنے گھر کی کونسی جگہ میں یہ پسند کرتے ہو کہ میں وہاں نماز پڑھوں انھوں نے ایک جگہ کی طرف اشارہ کیا۔ حضور کھڑے ہوئے اور حاضرین نے حضور کی اقتداء میں نماز ادا کی۔ — اس حدیث سے مقصود یہ بتانا ہے۔ جو مسلمانوں کا امام و خلیفہ ہو وہ اپنے ماتحتین میں امامت کر سکتا ہے اور قوم کی اجازت سے امامت کرنا بہتر ہے۔ حدیث زیر بحث میں ضمنی طور پر اجازت لینا بھی ثابت ہے۔

بَابٌ إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ وَصَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَرَضِهِ الَّذِي

باب، امام اس لئے ہوتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے اور حضور علیہ السلام نے اپنی اس بیماری میں، جس میں وصال فرمایا تو

تُوُفِّيَ فِيهِ بِالنَّاسِ وَهُوَ جَالِسٌ ۔	بیٹھ کر نماز پڑھائی۔

عنوان دراصل ایک حدیث کا ٹکڑا ہے۔ جس کا اقتضاء عام ہے۔ یعنی یہ کہ مقتدی مطلقاً امام کی امامت کرے اور حدیث عائشہ یہ ہے کہ حضور نے بیٹھ کر نماز پڑھائی اور لوگ کھڑے ہو کر نماز ادا کر رہے تھے اور حضور نے ان کو بیٹھنے کا حکم نہیں دیا۔ لہٰذا حدیث کے عموم میں تخصیص آگئی — لہٰذا اگر امام بوجہ عذر بیٹھ کر نماز پڑھائے تو مقتدی کھڑے ہو کر نماز ادا کریں اور اس معاملہ میں امام کی متابعت نہ کریں۔ حضور کے آخری عمل سے یہی ثابت ہوتا ہے۔

وَقَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ إِذَا رَفَعَ قَبْلَ الْإِمَامِ يَعُودُ فَيَمْكُثُ بِقَدْرِ مَا رَفَعَ ثُمَّ يَتْبَعُ الْإِمَامَ ۔ (بخاری)	حضرت عبداللہ بن مسعود نے کہا کہ جب کوئی شخص امام سے پہلے سر اٹھائے تو وہ پھر رکوع یا سجدہ میں چلا جائے اور اتنی دیر ٹھہرے جتنی دیر سر اٹھائے رہا تھا پھر امام کی متابعت کرے۔

اس تعلیق کو ابن ابی شیبہ نے وصل کیا۔ عینی ج ۲ صـ۲۲۳ اس سے واضح ہوا کہ اگر امام سے پہلے مقتدی نے سر اٹھالیا تو رکوع و سجدہ میں لوٹ جانا واجب ہے۔ نہ لوٹنے گا تو کراہت تحریم کا مرتکب ہوگا، گنہگار ہوگا۔

قَالَ الْحَسَنُ فِيمَنْ يَرْكَعُ مَعَ الْإِمَامِ رَكْعَتَيْنِ وَلَا يَقْدِرُ عَلَى السُّجُودِ يَسْجُدُ لِلرَّكْعَةِ الْآخِرَةِ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ يَقْضِي الرَّكْعَةَ الْأُولَى بِسُجُودِهَا وَفِيمَنْ نَسِيَ سَجْدَةً حَتَّى قَامَ يَسْجُدُ ۔ (بخاری)	اور امام حسن بصری نے کہا کہ اگر کوئی شخص امام کے ساتھ دو رکعتیں پڑھے لیکن سجدہ نہ کر سکے تو وہ اخیر رکعت کے لیے دو سجدے کرے پھر پہلی رکعت سجدے سمیت دہرائے ۲۔ اور جو شخص سجدہ بھول کر کھڑا ہو گیا تو وہ سجدہ میں چلا جائے۔

یعنی اگر کوئی شخص لوگوں کے اژدحام و ہجوم کی وجہ سے سجدہ نہ کر سکے۔ تو سلام پھیرنے کے بعد وہ سجدہ کرے اور پہلی رکعت سجدوں سمیت قضا کرے۔ احناف کے ہاں بھی یہی مسئلہ ہے۔ جس کو مسائل سجدات سے موسوم کیا جاتا ہے۔ حضرت ابن الہمام علیہ الرحمۃ نے فتح القدیر میں اور حضرت قاضی ثناء اللہ علیہ الرحمۃ نے مالا بد منہ میں ان مسائل کا ذکر کیا ہے اور اسی طرح جو شخص سجدہ بھول گیا۔

ہوگی تو اس کو چاہیئے کہ سجدہ میں چلا جائے۔

اس کے بعد امام نے وہی حدیث ذکر کی ہے۔ جس میں حضورؐ نے اپنے مرض وفات میں جناب صدیق اکبرؓ کو امامت کرنے کا حکم دیا تھا۔ پھر خود حضورؐ بھی تشریف لے آئے تھے اور حضرت ابوبکرؓ کے پہلو میں بیٹھ گئے تھے۔

فجعل ابو بكر يُصَلِّي وَهُوَ يَأْتَمُّ بِصَلٰوةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسُ بِصَلٰوةِ اَبِي بَكْرٍ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاعِدٌ (بخاری)

تو ابوبکرؓ تو نماز میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتے تھے اور لوگ حضرت ابوبکرؓ کی اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم بیٹھے بیٹھے نماز ادا فرما رہے تھے۔

۲۔ عَنْ عَائِشَةَ اُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنَّهَا قَالَتْ صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَيْتِهٖ وَهُوَ شَاكٍ فَصَلّٰى جَالِسًا وَصَلّٰى وَرَآءَهٗ قَوْمٌ قِيَامًا فَاَشَارَ اِلَيْهِمْ اَنِ اجْلِسُوْا فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ اِنَّمَا جُعِلَ الْاِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهٖ فَاِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوْا وَاِذَا رَفَعَ فَارْفَعُوْا وَاِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ فَقُوْلُوْا رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ وَاِذَا صَلّٰى جَالِسًا فَصَلُّوْا جُلُوْسًا اَجْمَعُوْنَ (بخاری)

۲۔ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بیماری کی وجہ سے گھر میں نماز بیٹھے بیٹھے پڑھی اور آپ کے پیچھے چند لوگوں نے کھڑے کھڑے نماز پڑھی آپ نے ان کو اشارہ کیا کہ بیٹھ جاؤ۔ جب آپ نے سلام پھیرا تو فرمایا امام اس لیے بنایا جاتا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے جب وہ رکوع کرے تم بھی رکوع کرو اور جب وہ سر اٹھائے تو تم بھی اٹھاؤ۔ اور جب سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم ربنا ولک الحمد کہو اور جب بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم بھی سب بیٹھ کر پڑھو۔

اس حدیث سے واضح ہوا کہ اگر امام کسی عذر کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھائے اور مقتدی کھڑے ہو کر پڑھیں تو جائز ہے ۲۔ امام کی متابعت ضروری ہے ۳۔ سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ نے اس حدیث سے یہ استدلال فرمایا کہ امام صرف سمع اللہ لمن حمدہ کہے۔ تو مقتدی صرف رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ کہیں۔ یعنی وظیفہ امام تسمیع ہے اور مقتدی کا وظیفہ تحمید ہے کیونکہ حضور نے دونوں کے وظیفے تقسیم کر دیئے اور قسمت شرکت کے منافی ہے۔ امام مالک و احمد (فی روایۃ) کا بھی یہ مذہب ہے اور امام شافعی و امام محمد و ابو یوسف" کا مسلک یہ ہے کہ امام و مقتدی تسمیع و تحمید دونوں کہے لیکن حدیث مذا ان پر حجت ہے۔

ربنا لك الحمد - ربنالك الحمد اکثر روایات میں واؤ کے ساتھ منقول ہے۔ حدیث عائشہؓ و حضرت ابو ہریرہؓ و حدیث انسؓ میں بھی واؤ ہے۔ البتہ لیث عن زہری اور کشمیہنی کی روایت میں واؤ نہیں ہے۔ امام نووی نے فرمایا۔ بحذف واؤ و باثبات واؤ دونوں طرح ثابت ہے۔ اور ایک روایت میں اللھم ربنا ولک الحمد۔ اللھم کے لفظ کی زیادتی کے ساتھ بھی آیا ہے ــــــ بعض علماء نے اثبات واؤ کو ترجیح دی ہے۔ وہ کہتے ہیں اس طرح ایک طرح ایک زائد معنی پیدا ہوتے ہیں۔ یعنی واؤ عاطفہ علی المحذوف ہے۔ تقدیر عبارت یوں ہے۔ یا ربنا استجب و لك الحمد اس صورت میں یہ کلام دعا اور حمد دونوں کو شامل ہوگا۔ بہر حال واؤ کے ساتھ اور بغیر واؤ کے دونوں طرح پڑھنا جائز ہے۔

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكِبَ فَرَسًا فَصُرِعَ عَنْهُ فَجُحِشَ شِقُّهُ الْاَيْمَنُ فَصَلّٰى صَلٰوةً مِّنَ الصَّلَوٰتِ

انس بن مالک سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ) گھوڑے پر سوار ہوئے تو آپ اس پر سے نیچے آ رہے تھے تو آپ کی داہنی کروٹ چھل گئی تو آپ نے کوئی نماز (ان نمازوں میں سے

وَهُوَ قَاعِدٌ فَصَلَّيْنَا وَرَاءَهُ قُعُودًا فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ فَإِذَا صَلَّى قَائِمًا فَصَلُّوا قِيَامًا وَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوا وَإِذَا رَفَعَ فَارْفَعُوا وَإِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقُولُوا رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ وَإِذَا صَلَّى جَالِسًا فَصَلُّوا جُلُوسًا أَجْمَعُونَ. قَالَ أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ الْحُمَيْدِيُّ قَوْلُهُ وَإِذَا صَلَّى جَالِسًا فَصَلُّوا جُلُوسًا هُوَ فِي مَرَضِهِ الْقَدِيمِ ثُمَّ صَلَّى بَعْدَ ذَالِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسًا وَّالنَّاسُ خَلْفَهُ قِيَامٌ لَمْ يَأْمُرْهُمْ بِالْقُعُودِ وَإِنَّمَا يُؤْخَذُ بِالْآخِرِ فَالْآخِرِ مِنْ فِعْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (بخاری)

بیٹھ کر پڑھی اور ہم نے بھی آپ کے پیچھے بیٹھ کر نماز پڑھی۔ پ
جب آپ نے سلام پھیرا تو فرمایا۔ امام اس لیے بنایا جا
اس کی اقتداء کی جائے۔ پس جب وہ کھڑے ہو کر ن
تو تم بھی کھڑے ہو کر نماز پڑھو۔ اور جب وہ رکوع کرے
بھی رکوع کرو اور جب سر اٹھائے تو تم بھی اٹھاؤ
سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم ربنا ولک الحمد کہو
کر نماز پڑھے تو تم بھی سب کے سب بیٹھ کر ن
امام بخاری نے فرمایا کہ حمیدی نے کہا۔ یہ جو آپ نے
جب امام بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم بھی بیٹھ کر پڑھو۔ یہ
فرمایا ہے۔ پھر اس کے بعد (مرض الوفات میں) آپ نے
نماز پڑھی اور لوگ آپ کے پیچھے کھڑے تھے۔ آپ نے
کا حکم دیا اور (قاعدہ یہ) ہے کہ جو فعل آپ کا آخری ہو
لینا چاہیئے اور پھر جو اس سے آخری ہو۔

کیا جب امام کسی عذر کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھانے تو مقتدی بیٹھ کر نماز پڑھیں

ابوعبداللہ سے مراد ... ہیں اور حمیدی یہ امام ... شیخ ہیں الامام شافعی کے تلمیذ۔ ان کا نام عبداللہ بن الزبیر بن عیسیٰ بن عبیداللہ ابن الزبیر بن عبیداللہ بن حمید القرشی اسدی ہے۔ ان کی کنیت ابوبکر ہے اور یہ اجلاء بخاری سے ہیں۔ ۲۱۹ھ میں ان کا وصال ہوا۔ اس سے معلوم ہوا کہ امام بخاری کا میلان بھی حمیدی کی طرف ہے اور حمیدی کا وہی مسلک ہے جو امام اعظم ابوحنیفہ و شافعی و ثوری و ابوثور اور جمہور سلف کا مسلک ہے یعنی جو قیام پر قادر ہو وہ امام کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھے۔ کیونکہ حضور علیہ السلام کا آخری عمل یہی ہے اور اس سے قبل کی حدیث میں جو ہے کہ امام بیٹھ کر پڑھائے تو مقتدی بھی بیٹھ کر پڑھیں۔ یہ منسوخ ہے۔

بَابُ مَتٰى يَسْجُدُ مَنْ خَلْفَ الْإِمَامِ

باب، امام کے پیچھے مقتدی کب سجدہ کریں!

وَقَالَ أَنَسٌ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوا (بخاری)

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ حَدَّثَنِي الْبَرَاءُ وَهُوَ غَيْرُ كَذُوبٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ لَمْ يَحْنِ أَحَدٌ مِنَّا ظَهْرَهُ حَتّٰى يَقَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَاجِدًا ثُمَّ نَقَعُ سُجُودًا بَعْدَهُ (بخاری)

اور انس نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں
جب امام سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ کرو۔

عبداللہ بن یزید سے مروی ہے انھوں نے کہا مجھ سے
(صحابی) نے بیان کیا وہ جھوٹے نہیں تھے۔ انہوں نے کہ
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سمع اللہ لمن حمدہ کہتے تو ہم میں سے
کوئی اپنی پیٹھ (سجدہ کے لئے) نہ جھکاتا یہاں تک کہ آپ سجدہ
تشریف لے جاتے۔ پھر آپ کے بعد ہم لوگ سجدہ میں جاتے

فوائد و مسائل | واضح ہو کہ مقتدی کے لیے امام کی متابعت واجب ہے اور متابعت کا مطلب یہی ہے کہ امام جب کسی رکن کو شروع کرے تو مقتدی کا خروج امام کے فراغ کے بعد ہو۔ مثلاً امام سجدہ میں جھکا تو اس کے جھکنے کے بعد مقتدی بھی سجدہ کے لئے جھکے … چنانچہ فاسجدوا میں ف تعقیب کے لیے ہے۔ اس کا مفاد بھی صرف اس قدر ہے کہ مقتدی کا شروع امام کے شروع کے بعد ہو اور اس قدر تعقیب … کے لئے کافی ہے۔ اسی کو امام اعظم علیہ الرحمۃ نے مقارنت سے تعبیر کیا ہے۔ یعنی ف تعقیب مع الوصل کے لیے ہے۔

… حدیث … کے لفظ فلم یحنو سے امام شافعی علیہ الرحمۃ نے مسابقت و مقارنت کی نفی اور طول طمانیت کا سنت ہونا ثابت کیا ہے لیکن … ہے کہ اس سے طول طمانیت کا سنت ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ چنانچہ مسلم کی حدیث میں یہ تصریح ہے انہ امرھم بذلک حین بدن … ان یتقدموا علیہ کہ حضور علیہ السلام کا بدن مبارک بھاری ہو گیا تھا۔ اس وجہ سے آپ سجدہ میں جلدی نہیں جا سکتے تھے۔ اسلئے آپ نے … جب تک میں سجدہ میں نہ چلا جاؤں اس وقت تک تم نہ جھکو تاکہ تقدم کا خطرہ نہ رہے۔ فافہم۔ واضح ہو کہ مبادرۃ من الامام یعنی امام کے سجدہ یا … میں شروع ہونے سے پہلے مقتدی کا سجدہ یا رکوع میں پہلے جانے سے اگرچہ نماز فاسد نہیں ہوتی۔ مگر فعل مکروہ تحریمی ہے۔

بَابُ اِثْمِ مَنْ رَفَعَ رَاْسَهٗ قَبْلَ الْاِمَامِ

باب جو شخص امام سے پہلے رکوع یا سجدہ سے سر اٹھائے اس کا گناہ

عن محمد بن زیاد قال سمعت ابا ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اما یخشی احدکم او لا یخشی احدکم اذا رفع راسہ قبل الامام ان یجعل اللہ راسہ راس حمار او یجعل اللہ صورتہ صورۃ حمار

محمد بن زیاد سے مروی ہے۔ انہوں نے کہا۔ میں نے ابوہریرہ سے سنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم میں کوئی جو امام سے پہلے اپنا سر اٹھاتا ہے اس بات سے نہیں ڈرتا کہ کہیں اللہ اس کا سر گدھے کا سر کر دے یا اس کی صورت گدھے کی صورت کر دے۔

فوائد و مسائل | اس حدیث کو ابوہریرہ نے روایت کیا ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ امام کی متابعت واجب ہے اور اس شخص کے لئے وعید شدید ہے جو رکوع یا سجود میں امام سے پہلے اٹھ جاتا ہے اور جس فعل پر وعید آ جائے اس کا گناہ ہونا متفق بات … ۲- اس حدیث میں حضور علیہ السلام نے اس امر کا خوف ظاہر کیا ہے جو شخص ایسا کرتا ہے تو اس کی صورت مسخ ہو جائے۔ وقوع پر کوئی … نہیں ہے کہ جو ایسا کرے گا اس کا چہرہ مسخ ہوگا۔ بایں ہمہ اس کو محال سمجھنا سخت نادانی ہے۔ چنانچہ حضرت ملا علی قاری علیہ الرحمۃ … مسخ کا ایک واقعہ بھی لکھا ہے کہ دمشق کے ایک مشہور عالم کے پاس ایک شخص پڑھنے گیا۔ وہ ہمیشہ پردہ میں بیٹھ کر پڑھاتے۔ جب ایک … گزر گیا تو ایک دن انہوں نے پردہ ہٹا کر اپنا چہرہ دکھایا اور کہا۔ اے میرے بیٹے! امام پر سبقت کرنے سے بچنا۔ امام سے پہلے کبھی … سجدہ میں نہ جانا۔ میں نے اس حدیث کو جس میں مسخ کی وعید ہے۔ مستبعد جانا اور قصداً امام پر سبقت کی فتجعلت … کھا شئی تو میرا چہرہ ایسا ہو گیا جیسا تو دیکھ رہا ہے۔ (یعنی گدھے کا)، العیاذ باللہ العظیم - ۳- ابن جزری نے کہا کہ … سے مراد مسخ ہے یعنی ظاہری و باطنی حسی و معنوی ہیئت کا بدل جانا۔

علامہ قسطلانی نے لکھا ہے۔ اس امت میں مسخ ممکن ہے اور جن احادیث میں امت مرحومہ کے لئے خسف و مسخ کے امتناع … بیان ہے۔ اس سے مراد مسخ عام ہے اور یہ خاص ہے۔

بَابُ اِمَامَةِ الْعَبْدِ وَالْمَوْلٰی

باب غلام اور آزاد کردہ غلام کی امامت کا بیان

وَكَانَتْ عَائِشَةُ يَؤُمُّهَا عَبْدُهَا ذَكْوَانُ مِنَ الْمُصْحَفِ.

اور حضرت عائشہؓ کا غلام مصحف سے دیکھ کر قرآن پڑھتے ، امامت کرتے تھے۔

اس تعلیق کو ابن ابی شیبہ نے وصل کیا کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ایک غلام کو آزاد کیا تو وہ رمضان میں مصحف سے دیکھ کر قرآن پڑھتا اور امامت کرتا تھا۔ بیہقی کی حدیث میں یہ ہے کہ ابا عمرو ذکوان موذن حضرت عائشہ رضہ کے آزاد کردہ غلام تھے اور رمضان میں سنت کے فرائض انجام دیتے تھے۔

نماز میں مصحف سے دیکھ کر قرآن پڑھنے کے متعلق بحث

نماز میں مصحف سے دیکھ کر قرآن پڑھنا مفسد نماز ہے یا نہیں۔ اس میں اختلاف ہے۔ حضرت ابن سیرین حکم جعلا جواز کے قائل ہیں۔ امام ابو یوسف و محمد فرماتے ہیں کہ مصحف کی طرف دیکھنا بھی عبادت ہے۔ لہٰذا نماز میں مصحف سے دیکھ کر پڑھنا جائز ہے البتہ مشابہت اہل کتاب کی وجہ سے مکروہ ہے۔ حضرت انس کے متعلق روایت ہے کہ وہ نماز پڑھتے اور ان کا غلام قرآن تھامے کھڑا رہتا۔ جب وہ کہیں اٹکتے تو غلام قرآن مجید ان کے سامنے کھول دیتا۔ حضرت امام مالک صرف تراویح اور نوافل میں جواز کے قائل ہیں۔ ۲۔ و نخعی و سعید بن المسیب شعبی و حسن (فی روایۃ) کراہت کا قول کرتے ہیں۔ ۳۔ علامہ ابن حزم نے فرمایا کہ امام ہو کہ مقتدی کسی کو نماز میں مصحف سے دیکھ کر قرآن پڑھنا جائز نہیں۔ اگر پڑھے گا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ احناف کا یہی مسلک ہے اور بعض علماء نے اثر مذکور کی یہ تاویل کی ہے۔ حضرت ذکوان صبح کو مصحف سے یاد کرتے تھے اور رات کو تراویح میں بغیر دیکھے پڑھتے تھے لیکن یہ تاویل محض ایک تاویل ہی ہے۔ اصل یہ ہے کہ نماز میں مصحف سے دیکھ کر قرآن پڑھنے پر قرات مفقود ہے لہٰذا یہ کام مفسد نماز ہونا چاہیئے۔

وَوَلَدِ الْبَغِيِّ وَالْأَعْرَابِيِّ وَالْغُلَامِ الَّذِي لَمْ يَحْتَلِمْ (بخاری)

اور ولد الزنا اور گنوار اور نابالغ لڑکے کی امامت کا بیان۔

واضح ہو کہ مرد غیر معذور کے امام کے لیے چھ شرطوں کا ہونا ضروری ہے۔ اسلام۔ بلوغ۔ عاقل ہونا۔ مرد ہونا۔ قرات۔ معذور نہ ہو۔ غلام۔ دیہاتی۔ اندھے اور ولد الزنا کی امامت مکروہ تنزیہی ہے اور اندھے کی امامت میں تو بہت خفیف کراہت ہے اور کراہت بھی اس وقت ہے جب کہ اس جماعت میں مذکورہ بالا افراد سے کوئی اور بہتر ہو۔ ورنہ مکروہ تنزیہی بھی نہیں اور بالغوں کے لیے بالغ امام کا ہونا ضروری ہے۔ نابالغوں کے پیچھے بالغوں کی کوئی نماز درست نہیں۔

لِقَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَؤُمُّهُمْ أَقْرَؤُهُمْ لِكِتَابِ اللّٰهِ. (بخاری)

کیونکہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو ان میں اللہ کی کتاب کا زیادہ قاری ہو۔ وہ ان کی امامت کرے۔

اس حدیث کو امام نے مذکورہ بالا افراد کی امامت کے جواز ثبوت میں پیش کیا ہے۔ وجہ استدلال یہ ہے کہ مذکورہ بالا حدیث مذکورہ بالا افراد کو بھی شامل ہے اور ان میں فرق نہیں کیا گیا۔ صرف یہ قید ہے کہ جو زیادہ اقرء ہو وہ امامت کرائے۔ خواہ غلام ہو یا اعرابی یا ولد الزنا۔

وَلَا يُمْنَعُ الْعَبْدُ مِنَ الْجَمَاعَةِ بِغَيْرِ عِلَّةٍ.

اور غلام کو بغیر کسی وجہ کے جماعت سے نہ روکا جائے۔

یہ جملہ معطوف ہے ترجمہ پر اور امام بخاری کے اپنے الفاظ ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ غلام کو جماعت میں حاضری سے نہ روکا جائے کیونکہ باب عبادت میں اللہ کا حق بندوں کے حق پر مقدم ہے کیونکہ ترک جماعت بلا عذر پر وعید شدید آئی ہے۔ لہٰذا مالک کو چاہیئے کہ اپنے غلام و نوکر چاکر وغیرہ کو بھی جماعت سے بلا وجہ شرعی نہ روکے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ لَمَّا قَدِمَ الْمُهَاجِرُونَ

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ جب مہاجرین اولین مکے

يَوْمُونَ الْعُصْبَةَ مَوْضِعًا بِقُبَاءٍ قَبْلَ مَقْدَمِ رَسُولِ اللہِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَؤُمُّهُمْ سَالِمٌ مَوْلَى أَبِي حُذَيْفَةَ وَكَانَ أَكْثَرَهُمْ قُرْآنًا۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ... اسْمَعُوا وَأَطِيعُوا وَإِنِ اسْتُعْمِلَ حَبَشِيٌّ ... كَأَنَّ رَأْسَهُ زَبِيبَةٌ۔

ہجرت کرکے مقامِ عصبہ میں پہنچے جو قبا میں ایک مقام ہے۔ حضور علیہ السلام کے تشریف لانے سے پہلے تو سالم جو ابوحذیفہ کے غلام تھے ان کی امامت کیا کرتے تھے۔ ان کو سب سے زیادہ قرآن یاد تھا۔

۲۔ حضرت انس بن مالک نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا امام کی بات سُنو اور اطاعت کرو اگرچہ حبشی غلام جس کا سر سوکھے ہوئے انگور کے برابر ہو تم پر امام بنا دیا جائے۔

فوائد و مسائل

حدیث اوّل کو ابوداؤد نے صلوٰۃ میں ذکر کیا اور بیہقی نے بھی روایت کیا اور حدیث دوم کو امام نے صلوٰۃ میں اور ابن ماجہ نے جہاد میں ذکر کیا۔ ان دونوں حدیثوں سے غلام کی امامت کا درست ہونا ثابت ہوا۔ جب کہ وہ قرآن ... کی ہو ۱۔ حضرت سالم بن معقل ابوحذیفہ کی زوجہ کے غلام تھے۔ آزاد ہونے سے پہلے مقامِ عصبہ میں امامت کیا کرتے تھے۔ کبار صحابہ ... حضرت عمر زید بن حارثہ اور عامر بن ربیعہ وغیرہ نے ان کی اقتداء میں نماز پڑھی ہے۔ حضرت سالم کو ابوحذیفہ کا مولیٰ اس لیے کہا گیا ہے ... آزاد ہونے کے بعد بھی ابوحذیفہ کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ آخر ابوحذیفہ نے ان کو اپنا بیٹا بنا لیا۔ کہا گیا ہے سالم اہلِ فارس سے تھے۔ ... موالی و خیارِ صحابہ مہاجرین میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ چار آدمیوں سے قرآن سیکھو۔ ابن اُمِّ عبد یعنی ابن مسعود، ... بن کعب، معاذ بن جبل، سالم بن معقل۔ حضرت ابن عمر وغیرہ انہیں کے شاگرد ہیں۔ حدیث زیرِ بحث میں حضرت ابن عمر نے کانَ ... أَكْثَرَهُمْ قُرْآنًا کہہ کر ان کے استحقاقِ امامت کا اظہار فرمایا ہے۔ حضرت سالم خلافت صدیق رضی میں جنگِ یمامہ میں شہید ہوئے۔ ... ج ۲ صـ۵؛ وقسطلانی و فتح الباری۔ ۲۔ اور حدیث دوم کی باب سے مناسبت یہ ہے کہ جب حبشی غلام کو مسلمانوں کا حاکم ... امامت کا حکم ہے تو اس کی امامت تو بطریقِ اولیٰ درست ہوگی۔ کیونکہ حضور نے فرمایا۔ صلی بحکم فہو امیر حضور ... وَإِنِ اسْتُعْمِلَ حَبَشِيٌّ کے معنی یہ ہیں کہ اگر امام اکبر کسی حبشی غلام کو بھی حاکم بنا دے تو اس کی اطاعت کرو۔ کیونکہ امامتِ کبریٰ کے ... قرشی ہونا ضروری ہے اور غیر قرشی امام اکبر نہیں بن سکتا۔

بَابُ إِذَا لَمْ يُتِمَّ الْإِمَامُ وَأَتَمَّ مَنْ خَلْفَهُ

باب۔ اگر امام اپنی نماز کو پورا نہ کرے اور مقتدی پورا کریں

... عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يُصَلُّونَ لَكُمْ فَإِنْ أَصَابُوا فَلَكُمْ وَإِنْ أَخْطَأُوا فَلَكُمْ وَعَلَيْهِمْ۔ (بخاری)

ابوہریرہ رضی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ امام لوگ تم کو نماز پڑھاتے ہیں۔ اگر صحیح طریقہ پر پڑھائیں گے تو تم کو ثواب ملے گا اگر غلطی کریں گے تو تم کو ثواب مل جائے گا اور غلطی کا وبال ان پر رہے گا۔

امام کی نماز میں نقص رہ جائے تو مقتدیوں کی نماز میں فساد نہیں آئیگا؟

اس حدیث سے امام شافعی و ... واحمد علیہم الرحمۃ نے یہ استدلال ... کیا کہ امام کی نماز میں اگر نقص رہ جائے تو مقتدیوں کی نماز میں فساد نہیں آئیگا۔ جب کہ مقتدیوں نے جو شرائط و ارکان پورے ادا کیے ہوں ... امام نے بے وضو یا بحالتِ جنابت نماز پڑھا دی جس کی مقتدیوں کو خبر نہ تھی۔ نماز کے بعد امام کا بے وضو ہونا ثابت ہوا تو اس صورت ... مقتدیوں کی نماز درست ہو گئی اور امام پر اعادہ لازم ہوگا۔ یعنی امام کی نماز درست نہ ہوگی (وکذا فی الشرح السنۃ) حضرت امام

شافعیؒ اسی حدیث سے یہ اصول قائم کرتے ہیں کہ مقتدی محض موافقت میں امام کا تابع ہوتا ہے۔ صحت و فساد میں نہیں لیکن سیدنا امام شافعی علیہ الرحمۃ کا یہ استدلال متعدد وجوہ سے باطل ہے۔

اول۔ حدیث زیر بحث میں فان اخطأوا فلکم وعلیهم ہے کہ اگر امام نے خطا کی اس کا وبال اسی پر ہوگا۔ حدیث کے ان جملوں سے امام شافعی نے یہ استدلال فرمایا کہ امام کی خطا مقتدی کی نماز میں اثرانداز نہیں ہوتی۔ جب انھوں نے دیکھا یہ بات نص حدیث سے ثابت ہے تو انھوں نے اس کو اتنا عام کیا کہ یہاں تک فرما دیا کہ اگر امام نے بے وضو نماز پڑھا دی تو مقتدیوں کی نماز درست ہو جائے گی۔ لیکن امام شافعیؒ نے اس کا خیال نہیں فرمایا کہ حضور علیہ السلام نے (خطا کرنے والے) امام کی نماز کو بھی نماز قرار دیا ہے اور اس امام کی نماز کو نماز قرار دیتے ہوئے اس کی متابعت کا حکم دیا ہے۔ یعنی لکم وعلیهم کے عام جملے کے مصداق وہ ہے جو نماز ہو اور جب امام نے بے وضو نماز پڑھا دی تو اس صورت میں تو اس کی نماز نماز ہے ہی نہیں کیونکہ حضورؐ نے فرمایا۔ لاصلوٰۃ الابطهور اور لکم وعلیهم کا مصداق اس کو بنا رہے ہیں۔ جس پر صلوٰۃ کا اطلاق ہوتا ہی نہیں اور جب امام کی نماز نماز ہی نہیں تو پھر اقتدا بھی۔ غرضیکہ امام شافعی علیہ الرحمۃ کے استدلال کی بنیادی غلطی یہ ہے کہ وہ حضورؐ کے ارشاد لکم وعلیهم کو اس پر بھی جاری کر رہے ہیں جس پر صلوٰۃ کا اطلاق ہوتا ہی نہیں۔

دوم۔ یہ کہ حدیث زیر بحث مبہم ہے یعنی حضورؐ کا یہ ارشاد فان اخطأوا کہ اگر امام نماز میں خطا کرے تو اس کا وبال اسی پر ہے اس میں سخت ابہام ہے یعنی اس کا بیان نہیں ہے کہ امام سنن مستحبات میں خطا کرے یا نماز کے ارکان و شرائط میں یہ نقص کیسے ہو اس کی نوعیت کیا ہو۔ لہٰذا ضروری ہے۔ پہلے یہ متعین کیا جائے کہ کس قسم کا نقص مقتدیوں کی نماز میں خلل انداز نہیں ہوتا تو ظاہر ہے کہ حدیث زیر بحث کا مقصود یہ ہے کہ اگر امراء فاسق و فاجر ہوں اور ان کے شر سے بچنے کے لیے ان کی اقتداء میں نماز پڑھی جائے تو درست ہے گویا حدیث کا سوق مقتدیوں کی تسلی کے لیے ہے۔ اس لیے نہیں ہے جو امام شافعیؒ نے سمجھا ہے۔ چنانچہ آئندہ باب کے جملے بھی اس کی تائید کرتے ہیں کہ حدیث زیر بحث کا مصداق۔ افعال صلوٰۃ نہیں ہیں۔ بلکہ امام کے متعلق ان کے معتقدات ذہنیہ ہیں کہ اگر امام فاسق و فاجر باغی ہو تو اس کی اقتداء میں نماز درست ہے۔ خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ اس کی اقتداء میں نہ پڑھنے سے اس کی طرف سے بازپرس کا خطرہ ہو اور اس کو حاکمیت حاصل ہو۔ تو ایسے افراد کے لیے حضورؐ نے تسلی دی کہ فان اخطأ کہ اگر امام خاطی ہو یعنی فاسق و فاجر ہو تو اس کے فسق و فجور کا وبال اسی پر ہوگا۔ مقتدیوں پر نہیں ہوگا۔ خلاصہ کلام یہ کہ

۱؎ یصلی لنا امام فتنۃ و نتحرج کہ فسادیوں کا امام نماز پڑھاتا ہے۔ ہم ڈرتے ہیں کہ حرج میں نہ پڑ جائیں (یعنی گنہگار نہ ہوں) تو یہ تحرج ان کے معتقدات ذہنی کا ہے یا فسق خارجی کا جیسے عام طور پر لوگ پوچھا کرتے ہیں کہ صاحب فلاں امام مسجد کی بیوی بے پردہ پھرتی ہے۔ فلاں سود کھاتا ہے۔ فلاں سینما دیکھتا ہے۔ اس کے پیچھے نماز جائز ہے؟ دیکھیے یہ تمام نقائص جو ہیں۔ نماز کے نقائص نہیں۔ بلکہ امام کے نقائص ہیں جو مقتدیوں کے ذہن میں موجود ہیں کہ امام باغی ہے۔ فاسق و فاجر یا شرابی یا بدعتی اور متحرج سے قطعاً حتماً یہ مراد ہے ہی نہیں کہ امام نماز میں خطا کرتا ہے یعنی بے وضو نماز پڑھاتا ہے یا ارکان و شرائط نماز میں سے کسی رکن یا شرط کو ادا نہیں کرتا ہے۔ منہ

۲؎ یعنی اگر نماز میں وہ خطا کرے۔ دیکھیے امام کی نماز کو نماز قرار دینے کی صورت میں حضور علیہ السلام نے اس کی متابعت کی ہدایت دی ہے۔ منہ

اخطاء سے افعال صلوٰۃ میں تغییر مراد نہیں ہے کہ اگر امام کی نماز میں نقص رہ جائے تو مقتدی کی نماز میں نقص پیدا نہ ہوگا۔ (جیسا کہ امام شافعیؒ کا مسلک ہے) بلکہ فان اخطاؤا سے نقائص خارجیہ مراد ہیں کہ اگر امام فاسق و فاجر یا بدعتی ہو اور لوگ اس کی اقتداء میں نماز پڑھنے پر مجبور ہوں تو پڑھ لیں۔ گویا حدیث کا سوق مقتدیوں کی تسلی دینے کے لیے ہے۔

سوم۔ یا یہ کہ حدیث کا تعلق اوقات سے ہے۔ چنانچہ متعدد احادیث میں اس کی تصریح ہے۔ ابو داؤد کی حدیث میں ہے۔

ستكون عليكم امراء يؤخرون الصلوٰة فهى لكم وهى عليهم۔ (ابوداؤد صـ۹۲)

عنقریب ایسے امراء ہوں گے جو نماز میں تاخیر کریں گے تو تم کو نماز کا ثواب مل جائے گا۔ اور تاخیر کا وبال ان پر ہوگا۔

اور بخاری کی زیر بحث حدیث کے الفاظ مبہم ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے۔

يصلون لكم فان اصابوا فلكم وان اخطاؤا فلكم وعليهم

لوگ تم کو نماز پڑھائیں گے، اگر صحیح طریقہ پر پڑھائیں گے تو تم کو ثواب مل جائے گا اگر غلطی کریں گے تو اس کا وبال ان پر ہوگا۔

اس میں اگرچہ ابہام ہے اور خطا کی کیفیت کا بیان نہیں ہے کہ وہ خطا کس چیز میں کریں گے۔ وقت میں یا ارکان صلوٰۃ میں پس ابو داؤد وغیرہ کی حدیث سے یہ ابہام رفع ہو گیا اور بخاری کی زیر بحث حدیث کا مصداق تغییر وقت متعین ہو گیا۔ لہٰذا مطلب حدیث یہ ہوا کہ اگر حاکم وقت غیر مسنون وقت میں نماز پڑھائے اور اس کے شر سے بچنے کے لیے اس کی اقتداء میں نماز پڑھ لی جائے تو ہو جائے گی پھر تغییر فی الوقت سے مراد وقت مسنون کی تغییر ہے اور اگر ظالم حکام غیر وقت میں نماز پڑھائیں تو بطور نفل ان کی اقتداء کی جائے اور اپنی نماز الگ اس کے وقت معین میں پڑھ لی جائے جیسا کہ نسائی و ابن ماجہ کی حدیث میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

ستدركون اقواما يصلون الصلوٰة لغير وقتها فان ادركتموهم فصلوا فى بيوتكم للوقت الذى تعرفون ثم صلوا معهم واجعلوها سُبْحَةً

تم ایسے لوگوں کو دیکھو گے جو نماز کو غیر وقت میں ادا کریں گے اگر تم کو ان سے واسطہ پڑے تو اپنی نماز گھر میں پڑھ لو جو وقت تم اس کے لیے جانتے ہو اس کے بعد ان کی اقتداء میں بطور نفل نماز ادا کر لو۔

اس حدیث میں یہ ہدایت دی گئی کہ اگر حاکم فاسق و فاجر ہو اور وقت پر نماز نہ پڑھاتا ہو تو پھر اپنی نماز وقت پر گھر میں پڑھ لی جائے اور اس کی اقتداء میں بطور نفل ادا کی جائے تاکہ حاکم ظالم کے خطرے سے بچا جا سکے اور نظام میں خلل بھی پیدا نہ ہو۔ ہمارے علماء نے فرمایا فان اخطؤا فلكم کا مطلب یہ ہے کہ صلاتكم فى بيوتكم فى الوقت کہ اگر امام نماز میں خطا کرتا ہو تو پھر تم وقت پر اپنی نماز الگ پڑھ لو۔ چنانچہ سلف کی ایک جماعت کا اس پر عمل رہا۔ اور امراء جو کہ ظالم تھے ان کے ظلم سے بچنے کے لیے حضرت ابن عمر نے زمانہ حجاج میں، حضرت مسروق نے زمانہ زیاد میں۔ حضرت عطاء و سعید بن جبیر نے زمانہ ولید میں ایسا ہی کیا۔

چہارم:۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا انما جعل الامام ليؤتم به امام اس لیے بنایا جاتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے

ؒ چنانچہ فان اصابوا فلكم کے متعلق شارحین کرام نے لکھا ہے کہ اس سے مراد اصابة الوقت والخطاء فيه ہے۔ كما قال الطحاوى فى مشكله ۔ج ۱ص۲ حاصله ان الحديث سيق فى خطاء الامام فى اصابة وقت الصلوٰة ۔ اس سے واضح ہوا کہ خطاء سے ۔ اجزاء صلوٰۃ (ارکان و شرائط) میں تغییر مراد نہیں ہے ۔ فافہم۔

اور دوسری حدیث ہیں جس کو امام حاکم نے سہل بن سعد سے علی شرط مسلم روایت کیا۔ اس میں ہے۔ الامام ضامن، امام مقتدیوں کی نماز کا ضامن ہے۔ یعنی مقتدیوں کی نماز صحۃً و فساداً ضمن نماز امام میں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سہو امام سے مقتدیوں پر بھی سجدہ و لازم آتا ہے۔ سترہ مقتدیوں کے حق میں کافی ہوتا ہے اور امام سے رکوع و سجود میں تقدیم و تاخیر ممنوع ہے اس لیے اگر امام کی نماز میں فساد ہوگا تو مقتدی کی نماز میں فساد کا آنا لازمی ہے۔

بَابُ إِمَامَةِ الْمَفْتُوْنِ وَالْمُبْتَدِعِ

باغی اور بدعتی کی امامت کے متعلق

مفتون بمعنی فاتن بھی آتا ہے اور فاتن وہ ہے جو اپنے دین میں احتیاط نہ برتے۔ اس سے وہ مراد نہیں کہ نماز صحیح طور پر نہ پڑھے یا نماز کے ارکان و شرائط میں کمی کرے۔

وَقَالَ الْحَسَنُ صَلِّ وَعَلَيْهِ بِدْعَتُهُ وَ قَالَ لَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوْسُفَ حَدَّثَنَا الْاَوْزَاعِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَدِيِّ بْنِ الْخِيَارِ اَنَّهُ دَخَلَ عَلٰى عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ وَهُوَ مَحْصُوْرٌ فَقَالَ اِنَّكَ اِمَامُ عَامَّةٍ وَ نَزَلَ بِكَ مَا تَرٰى وَيُصَلِّيْ لَنَا اِمَامُ فِتْنَةٍ وَنَتَحَرَّجُ فَقَالَ الصَّلٰوةُ اَحْسَنُ مَا يَعْمَلُ النَّاسُ فَاِذَا اَحْسَنَ النَّاسُ فَاَحْسِنْ مَعَهُمْ وَاِذَا اَسَاءُوْا فَاجْتَنِبْ اِسَاءَتَهُمْ۔

امام حسن بصری نے فرمایا تو نماز پڑھ لے۔ اس کی بدعت اس کے سر ہے۔ امام بخاری نے فرمایا۔ ہم سے محمد بن یوسف نے بیان کیا۔ ہم سے اوزاعی نے کہا ہم سے امام زہری نے بیان کیا۔ اس نے حمید بن عبد الرحمٰن سے انہوں نے عبید اللہ بن عدی بن خیار سے وہ حضرت عثمان بن عفان کے پاس آئے اور کہا تم تو عام مسلمانوں کے امام ہو اور تم پر جو آفت اتری وہ جانتے ہو۔ اب فسادیوں کا امام ہم کو نماز پڑھاتا ہے۔ ہم ڈرتے ہیں کہ اس کے پیچھے نماز پڑھ کر گنہگار نہ ہوں۔ حضرت عثمان نے فرمایا۔ لوگ جو کام کرتے ہیں ان سب میں نماز بہتر ہے۔ پھر جب وہ اچھا کام کریں تو ان کے ساتھ مل کر تم بھی کام کرو اور جب وہ برا کام کریں تو ان کی برائی سے علیحدہ رہو۔

فوائد و مسائل ۱۔ اثر حسن بصری کو سعید بن منصور نے موصولاً بیان کیا ۲۔ امام فتنہ سے مراد عبد الرحمٰن بن عدیس بلوی اور کنانہ بن بشر ہے جو مفسدوں اور حضرت عثمان پر خروج کرنے والوں کے سردار تھے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جب محصور ہو گئے۔ تو لوگوں نے عرض کی۔ آپ تو محصور ہیں اور کنانہ باغی نماز پڑھا رہا ہے۔ اس پر آپ نے مذکورہ فی الحدیث جواب دیا۔ جس سے واضح ہوا کہ باغی۔ فاسق و فاجر کے پیچھے بھی اصل نماز ہو جاتی ہے۔ علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے بدعت کے تحت بدعت کی دو قسمیں کی ہیں۔ حسنہ اور ضلالہ اور بدعتِ حسنہ کی تعریف یوں فرمائی ہے۔

وَهِيَ مَا رَآهُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَسَنًا وَلَا يَكُوْنُ مُخَالِفًا لِلْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ اَوْ الْاَثَرِ اَوْ الْاِجْمَاعِ۔ عینی ج ۲ صفحہ ۲۳۰

کہ بدعت حسنہ یہ ہے کہ جسے مسلمان اچھا جانیں اور وہ کتاب اللہ یا حدیث یا سنت یا اثر یا اجماع کے خلاف نہ ہو۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بدعت کو حسنہ و ضلالہ میں بڑے بڑے ائمہ دین تقسیم کرتے چلے آتے ہیں اور بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ بدعت صرف ضلالت ہی ہوتی ہے۔ یہ ان کی کم فہمی ہے۔ مسائل حدیث یہ ہیں۔

۱۔ اذا اساءوا فاجتنب سے معلوم ہوا کہ جس کے قول و فعل اور اعتقاد میں خرابی ہو اس سے حتی المقدور دور رہنا اور اپنے کو اس سے بچانا چاہیئے ۲۔ جس کے پیچھے نماز مکروہ ہوتی ہے۔ اس کی اقتدا میں نماز پڑھ لینا۔ جماعت چھوڑنے سے اولیٰ ہے۔ ۳۔ مومن

احسن سے واضح ہوا کہ فاسق و فاجر بھی اگر کوئی نیک کام کرے تو وہ نیک ہی قرار دیا جائے گا۔ اس کے فسق کی وجہ سے وہ کام قبیح نہیں ہو جائے گا۔

بدمذہب و بدعتی کی امامت کا حکم

واضح ہو کہ وہ مذہب جس کی بدمذہبی حد کفر تک پہنچ گئی ہو اور وہ ضروریات دین میں سے کسی بات کا منکر ہو اس کے پیچھے نماز باطل محض ہے۔ لیکن وہ بدمذہب جس کی بدمذہبی حد کفر تک نہ پہنچی ہو اور فاسق معلن جیسے شرابی، جواری، زناکار، سود خوار، چغل خور وغیرہ جو کبیرہ گناہ بالاعلان کرتے ہوں ان کو امام بنانا گناہ اور ان کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے یعنی اگر پڑھ لی تو فرض ادا ہو گیا۔ مگر نماز مکروہ تحریمی ہوئی۔ اس کو دوبارہ پڑھ لینا ضروری ہے۔ بدعتی جس کی بدعت حد کفر تک نہ پہنچی ہو کا بھی یہی حکم ہے۔ حضرت حسن بصری کے مذکورہ بالا ارشاد کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بدعتی کو قصداً امام بنایا جائے بلکہ مطلب صرف یہ ہے کہ اگر وہ امام بن گیا ہے اور کسی وجہ سے اس کی اقتداء میں نماز پڑھ لی ہو تو فرض ادا ہو جائے گا۔ مگر نماز مکروہ تحریمی ہوگی۔

وَقَالَ الزُّبَيْدِيُّ قَالَ الزُّهْرِيُّ لَا نَرَىٰ اَنْ يُّصَلّٰى خَلْفَ الْمُخَنَّثِ اِلَّا مِنْ ضَرُوْرَةٍ لَا بُدَّ مِنْهَا۔	اور محمد بن ولید زبیدی نے کہا کہ امام زہری نے فرمایا۔ ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ ہیجڑے کے پیچھے سوائے اشد ضرورت اور لاچاری کے نماز نہ پڑھی جائے۔

زبیدی کا نام محمد بن ولید ابو الہذیل الشامی الحمصی ہے۔ ابن سعد نے کہا ۱۴۸ھ میں بعمر ستر سال وفات پائی۔ امام زہری کے شاگرد ہیں اور زہری سے مراد محمد بن مسلم ابن شہاب ہیں۔ مخنث دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ جو پیدائشی طور پر عورتوں کی طرح ہوں۔ دوسرے وہ جو مرد ہوتے ہیں۔ مگر عورتوں سے مشابہت کرتے ہیں اور انہیں کے طور طریقے اختیار کرتے ہیں ایسے مخنث بھی بدعتی ہیں اور ان کی اقتدا میں نماز مکروہ تحریمی ہے کیونکہ یہ فاسق معلن ہیں اور حضرت زہری کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اگر کہیں مخنث حاکم ہو جائے اور لوگ مجبور ہوں تو اس کی اقتداء میں نماز ادا کر لیں۔ تاکہ اس کے شر سے بچ سکیں۔

بَابُ يَقُوْمُ عَنْ يَمِيْنِ الْاِمَامِ بِحِذَائِهٖ سَوَاءً اِذَا كَانَ اثْنَيْنِ

باب۔ جب دو نمازی ہوں تو مقتدی امام کے داہنی طرف اس کے برابر کھڑا ہو۔

مسئلہ یہ ہے کہ اگر مقتدی ایک ہو تو امام کے برابر داہنی جانب کھڑا ہو۔ اگرچہ وہ مقتدی لڑکا ہی ہو۔ امام کے بائیں طرف یا پیچھے کھڑا ہونا مکروہ ہے اور اگر مقتدی دو ہوں تو پیچھے کھڑے ہوں۔ برابر کھڑا ہونا مکروہ تنزیہی ہے ۔ پھر اگر دوسرا شخص آگیا ہے تو امام آگے بڑھ جائے یا وہ مقتدی پیچھے ہٹ آئے اور وہ آنے والا اس مقتدی کے برابر کھڑا ہو جائے۔ اس عنوان کے ماتحت امام نے وہی حدیث نقل کی ہے۔ جو باب السمر فی العلم فیوض الباری پارہ اول صفحہ ۲۹۳ پر مع تفہیم و ترجمانی کے گذر چکی ہے اور اس حدیث سے مذکورہ بالا مسئلہ واضح ہوتا ہے۔

بَابُ اِذَا قَامَ الرَّجُلُ عَنْ يَسَارِ الْاِمَامِ فَحَوَّلَهُ الْاِمَامُ اِلٰى يَمِيْنِهٖ لَمْ تَفْسُدْ صَلٰوتُهُمَا

باب۔ جب کہ کوئی شخص امام کی بائیں جانب کھڑا ہو اور امام اس کو گھما کر اپنی دائیں طرف کرے تو ان دونوں میں سے کسی کی نماز فاسد نہ ہوگی۔

یعنی اگر ایک مقتدی امام کی بائیں جانب کھڑا ہو گیا اور امام نے ایک حرکت سے اس کو اپنی داہنی طرف کر لیا۔ تو نماز میں کوئی

فاسد نماز ہوگا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ ایک رات میں اپنی خالہ میمونہ کے ہاں سویا۔ اسی رات نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں تھے۔ پھر حضور نے وضو کیا اور نماز کے لیے کھڑے ہوئے۔

فَقُمْتُ عَنْ يَسَارِهٖ فَاَخَذَنِیْ فَجَعَلَنِیْ عَنْ يَمِيْنِهٖ (بخاری) | میں آپ کے بائیں طرف کھڑا ہوگیا۔ آپ نے مجھے اپنی دہنی طرف کھڑا کردیا۔

یہ حدیث مع تفہیم و ترجمانی کے باب قراءۃ القرآن بعد الحدیث فیوض الباری پارہ اول صفحہ پر گذر چکی ہے۔ جس سے واضح ہوا کہ اصلاح نماز کے لیے اتنا عمل نماز کو فاسد نہیں کرتا، اور بلا ضرورت نماز میں عمل قلیل بھی مکروہ ہے۔

بَابُ اِذَا لَمْ يَنْوِ الْاِمَامُ اَنْ يَّؤُمَّ ثُمَّ جَآءَ قَوْمٌ فَاَمَّهُمْ

باب اگر امام نے نماز شروع کرتے وقت امامت کی نیت نہ کی ہے پھر کچھ لوگ آجائیں اور اس کی اقتداء میں نماز پڑھیں۔ کیا حکم ہے۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں۔ ایک رات میں نے اپنی خالہ میمونہ کے ہاں گذاری۔ حضور علیہ السلام اس رات نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو میں آپ کے بائیں کھڑا ہوگیا۔

فَاَخَذَ بِرَاْسِیْ فَاَقَامَنِیْ عَنْ يَمِيْنِهٖ (بخاری) | تو آپ نے میرا سر پکڑ کر دہنی طرف کرلیا۔

۱۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اکیلے مقتدی کا موقف امام کے دہنی طرف کھڑا ہونا ہے۔ حضرت انس و ابن عباس۔ نخعی ابراہیم۔ مکحول۔ شعبی۔ عروہ و امام ابوحنیفہ و مالک و اوزاعی اور اسحٰق کا یہی مسلک ہے۔

۲۔ اس حدیث میں اس امر پر کوئی دلالت نہیں کہ امام مقتدیوں کی امامت کی نیت کرے یا نہ کرے۔ نہ اس پر دلالت ہے کہ حضور نے شروع کرنے پر نیت کی اور نہ اس پر کہ حضرت ابن عباس کے شامل ہونے پر حضور نے نیت امام فرمائی لیکن جب حضور نے ان کو مقتدی کے موقف پر کھڑا کرلیا۔ تو گویا ان کی امامت کی نیت فرمائی۔ بہرحال اس حدیث سے واضح ہوا کہ اگر کسی نے نماز شروع کی۔ پھر کوئی آکر شریک ہوگئے تو امامت و نماز درست ہے۔ احناف کے نزدیک بھی امام کو مردوں کی امامت کی نیت کرنا شرط نہیں۔ لیکن عورتوں کی امامت کی نیت کرنا شرط ہے۔ البتہ جمعہ و عیدین کہ اگرچہ امام نے ان میں بالخصوص عورتوں کی نیت نہ کی عورتیں اقتدا کرسکتی ہیں۔

بَابُ اِذَا طَوَّلَ الْاِمَامُ وَكَانَ لِلرَّجُلِ حَاجَةٌ فَخَرَجَ وَصَلّٰى

باب اگر امام لمبی سورۃ شروع کردے اور کسی کو کام ہو اور وہ اکیلے نماز پڑھ کر چلا جائے تو کیا حکم ہے؟

۱۔ عَنْ عَمْرٍو عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ كَانَ يُصَلِّیْ مَعَ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ يَرْجِعُ فَيَؤُمُّ (۲) وَ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ كَانَ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ يُصَلِّیْ مَعَ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ يَرْجِعُ فَيَؤُمُّ قَوْمَهٗ فَصَلَّى الْعِشَآءَ فَقَرَاَ بِالْبَقَرَةِ فَانْصَرَفَ الرَّجُلُ فَكَانَ مُعَاذٌ يَنَالُ مِنْهُ فَبَلَغَ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

معاذ بن جبل نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے تھے۔ پھر جاکر اپنی قوم کی امامت کرتے (۲) عمرو نے حضرت جابر بن عبداللہ سے سنا۔ انھوں نے کہا معاذ بن جبل نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نماز پڑھا کرتے تھے۔ پھر واپس جاکر اپنی قوم کی امامت کرتے اور (ان کو) نماز پڑھاتے۔ ایک مرتبہ انھوں نے سورۃ بقرہ شروع کردی۔ (مقتدیوں میں سے) ایک شخص (نماز توڑکر) چل دیا۔ معاذ اس کو برا کہنے لگے۔ یہ خبر نبی

فَقَالَ فَتَّانٌ - فَتَّانٌ - فَتَّانٌ ثَلٰثَ مِرَارٍ اَوْ قَالَ فَاتِنًا فَاتِنًا فَاتِنًا وَاَمَرَهُ بِسُوْرَتَيْنِ مِنْ اَوْسَطِ الْمُفَصَّلِ قَالَ عَمْرٌو لَا اَحْفَظُهُمَا -

(بخاری)

صلے اللہ علیہ وسلم کو پہنچی۔ آپ نے معاذ سے فرمایا۔ تو بہت ہی فتنہ انگیز ہے۔ تو بہت ہی فتنہ انگیز ہے، تو بہت ہی فتنہ انگیز ہے تین مرتبہ یہی فرمایا یا یوں فرمایا۔ تو فسادی ہے۔ فسادی ہے۔ فسادی ہے اور آپ نے معاذ کو حکم دیا کہ مفصل کی درمیان کی دو سورتیں پڑھا کریں۔ عمرو نے کہا۔ مجھے سورتیں یاد نہیں۔

فوائد و مسائل

۱۔ واضح ہو کہ حدیث نمبر حدیث نمبر کا ایک حصہ ہے اور حدیث کے ایک حصہ کو ذکر کر کے دو باتوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ طریق اول سے محو استار کی طرف اور طریق ثانی سے عمرو بن دینار کا جابر سے سماع کی طرف اشارہ کیا ہے۔ فافہم حدیث ہذا مسائل ذیل پر مشتمل ہے ۲۔ امام کو چاہیئے کہ جماعت کی رعایت کرے اور قدر مسنون سے زیادہ طویل قرات نہ کرے کیونکہ مکروہ ہے ۳۔ حاجت دنیوی تخفیف کے لیے عذر ہے ۴۔ حضرت معاذ نے نماز میں سورہ بقرہ یا نساء شروع کر دی تھی (مسلم) فانصرف الرجل ظاہر یہی ہے کہ لمبی قرات ہونے کی وجہ سے اس شخص نے نماز توڑ دی اور اپنی نماز علیحدہ پڑھ کر چلے گئے۔ چنانچہ مسلم کی روایت میں اس کی تصریح موجود ہے۔ فانحرف رجل فسلم ثم صلی وحدہ ـــــــ حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی تو آپ نے حضرت معاذ کو سختی سے ہدایت فرمائی کہ آئندہ ایسا نہ کریں اور مقتدیوں کی حاجتوں کا خیال رکھیں اور انھیں حکم دیا کہ لمبی سورۃ پڑھنے کی جگہ اوسط مفصل کو اختیار کریں۔ حجرات سے آخر تک قرآن مجید کی سورتوں کو مفصل کہتے ہیں۔ اس کے تین درجے ہیں۔ سورہ حجرات سے بروج تک طوال مفصل اور بروج سے لم یکن تک اوساط مفصل اور لم یکن سے آخر تک قصار مفصل۔ اس حدیث سے یہ استنباط کیا گیا کہ اگر امام لمبی قرات شروع کر دے اور مقتدی کو کوئی ضروری کام ہو تو اسے امام کی اقتدا چھوڑ کر اپنی نماز الگ پڑھ لینا جائز ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہ استدلال ضعیف ہے۔ کیونکہ یہ ایک نامعلوم شخص کا فعل ہے۔ جس کی کوئی اور نظیر نہیں ملتی۔ البتہ اگر کسی نے ایسا کر دیا۔ یعنی امام کی اقتدا کو چھوڑ کر اپنی نماز علیحدہ پڑھ لی تو نماز ہو جائے گی۔ مگر ایسا کرنا جائز نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ اس طرح کرنے میں متعدد قباحتیں ہیں۔ یعنی امام کی اقتدا سے علیحدہ ہونا۔ نماز کو شروع کر کے توڑنا، جماعت سے محروم ہو جانا۔ وغیرہ

کیا مفترض کی اقتدا متنفل کے پیچھے درست ہے

واضح ہو کہ اس مسئلہ میں آئمہ کا اختلاف ہے۔ سیدنا امام شافعی و احمد کا مسلک یہ ہے۔ فرض نماز نفل پڑھنے والے کی اقتداء میں جائز ہے اور سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ و امام مالک یہ فرماتے ہیں۔ مفترض کی اقتداء متنفل کے پیچھے درست نہیں۔ یعنی فرض نماز نفل پڑھنے والے کے پیچھے جائز نہیں۔ البتہ فرض پڑھنے والے کے پیچھے نفل نماز ہو جاتی ہے۔ حضرت امام شافعی بخاری کی زیر بحث حدیث ـــــــ سے

معاذ بن جبل یصلی مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم یرجع فیؤم قومہ فصلی العشاء

کہ حضرت معاذ حضور کی اقتدا میں نماز پڑھتے اور پھر اپنی قوم کو عشاء کی نماز پڑھاتے۔

استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ عشاء کے فرض حضور کے ساتھ پڑھتے تھے۔ پھر اپنی قوم کو بھی عشاء کی نماز پڑھاتے۔ تو معاذ کی نماز [illegible] اول کی نماز فرض۔ لہذا نفل پڑھنے والے کے پیچھے فرض ادا کرنا جائز ہے۔ لیکن یہ

استدلال متعدد وجوہ سے درست نہیں۔
اولاً یہ بھی تو ممکن ہے کہ حضرت معاذؓ حضور کی اقتدا میں نفل پڑھتے ہوں اور قوم کو عشا کی نماز (فرض) پڑھاتے ہوں۔
ثانیاً حضرت معاذ کی زبان سے کسی بھی حدیث میں یہ تصریح نہیں ہے کہ وہ حضورؐ کی اقتدا میں فرض ادا کرتے تھے اور جب تک وہ خود اس امر کی تصریح نہ کریں۔ ان کے عمل کی کیفیت کیسے معلوم ہو سکتی ہے۔
ثالثاً کسی بھی حدیث سے یہ ثابت نہیں کہ حضرت معاذ کی اس امر کی اجازت حضور علیہ السلام نے دے دی تھی کہ تم یہ ۔۔ میں فرض ادا کرکے اپنی قوم کی امامت بطور نفل کر لیا کرو اور جب تک ان امور کی صاف وصریح طور پر نشاندہی نہ ہو اس وقت ۔ امام شافعیؒ کا استدلال صحیح نہیں قرار پا سکتا۔
رابعاً۔ اگر ہم یہ مان بھی لیں کہ حضرت معاذؓ حضورؐ کی اقتدا میں فرض پڑھتے تھے تو یہ ان کا اجتہاد تھا۔ جو واقع میں درست ۔ ۔ صحابہ کرامؓ سے اجتہادی غلطی ہو سکتی ہے۔ چنانچہ مسند احمدؒ کی حدیث میں یہ تصریح ہے کہ حضور علیہ السلام کو حضرت معاذؓ کے ۔ عمل کی جب اطلاع ہوئی تو آپ نے فرمایا۔ معاذ فتنہ کا باعث نہ ہو۔
یٰمُعَاذُ اِمَّا اَنْ تُصَلِّیَ مَعِیْ وَاِمَّا اَنْ تُخَفِّفَ عَلٰی قَوْمِكَ (مسند احمد)[1] یا تو میرے ساتھ نماز پڑھ لیا کرو یا پھر اپنی قوم کو ہلکی نماز پڑھاؤ۔
جس کے معنی یہ بھی ہیں کہ یا تو صرف میری اقتدا میں نماز پڑھ لیا کرو اور اپنی قوم کو نہ پڑھایا کرو۔ یا یہ کہ اپنی قوم کو ہلکی نماز پڑھاؤ اور اس صورت میں میرے ساتھ نماز پڑھ لیا کرو۔ پس اگر معاذ رضؓ حضورؐ کی اقتدا میں فرض پڑھتے تھے۔ پھر اپنی قوم کی امامت بھی ۔ کرتے تھے۔ تو یہ ان کا اجتہاد تھا۔ جس کی منظوری حضور علیہ السلام نے نہیں دی۔
دلیل دوم۔ حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ اس حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں۔ جس کو دارقطنی و بیہقی اور امام شافعی ۔ نے اپنی سنن میں جابر بن عبداللہ سے روایت کیا کہ حضرت معاذ بن جبل حضور علیہ السلام کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھ کر جاتے ۔ قوم کو بھی وہی نماز پڑھاتے۔

ھِیَ لَہٗ تَطَوُّعٌ وَلَھُمْ فَرِیْضَۃٌ ۔ تو معاذ کے لیے نفل ہوتی اور قوم کے لیے فرض۔
اس سے یہ استدلال کیا گیا کہ حضرت معاذ حضورؐ کی اقتدا میں فرض ادا کرکے جاتے تھے اور اپنی قوم کو بھی وہی نماز ۔ تھے اور مقتدی فرض (عشاء) پڑھتے تھے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ مفترض کی اقتدا متنفل کے پیچھے درست ہے اور یہ کہنا بھی درست نہیں کہ حضرت معاذ حضورؐ کی اقتدا میں بطور نفل شامل ہوتے تھے۔
لیکن حضرت جابر کی یہ تصریح بھی حضرت امام شافعی کے استدلال کی صحت کو نہیں چاہتی۔ اولاً۔ اس لیے حضرت جابرؓ حضرت معاذ کا واقعہ نقل کرکے اپنے قیاس اور اندازے سے یہ فرما رہے ہیں کہ وہ حضورؐ کے ساتھ فرض پڑھتے تھے۔ اس میں یہ تصریح کہ ۔ حضرت معاذ نے خود اپنی نیت و ارادہ کا اظہار فرمایا ہو۔ ظاہر ہے کہ دوسرے کی نیت کے متعلق اس سے پوچھے بغیر کوئی بات یقین سے نہیں کہی جا سکتی۔ لہٰذا حدیث جابر سے بھی استدلال تام نہیں۔ ثانیاً رہا یہ سوال کہ حضرت معاذؓ نے

---

[1] لان لفظ الحدیث۔ لاتکن فتانا اما ان تصلی معی واما ان تخفف عن قومك فهذا ابدل ۔ يفعل احد الامرين اما الصلوٰة معنا وبقومه ولا يجمعهما فدل على ان المراد عدم الجمع ۔ كل امرين بينهما منع الجمع كان بين نقيضيهما منع الخلو (فافهم)

پیچھے نماز پڑھنے والے تیس ۳۰ یا چالیس ۴۰ بدری صحابی تھے۔ تو یہ بات بھی مجوزین کی دلیل نہیں بن سکتی۔ کیونکہ ممکن ہے وہ اس خیال سے نماز پڑھتے ہوں کہ حضور ؐ نے حضرت معاذ کو اجازت عطا فرما دی ہے۔ حالانکہ حضور ؐ کی اجازت کا کسی حدیث سے ثبوت نہیں ملتا۔ غرضیکہ مجوزین کے پاس کوئی صریح مرفوع حدیث ہے ہی نہیں۔ نہ قولی نہ فعلی۔ صرف حضرت جابر ؓ کا قول ہے اور وہ خود محلِ نظر ہے۔ کیونکہ حضرت معاذ جو نماز پڑھنے اور پڑھانے والے ہیں۔ وہ خود تو تصریح کرتے نہیں۔ ایسی صورت میں حضرت جابر ؓ کی تصریح ظاہر ہے کہ قیاس پر مبنی ہے جو دلیل نہیں بن سکتی۔ نیز حضرت ابو ہریرہ ؓ سے مروی ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

اَلْاِمَامُ ضَامِنٌ (ترمذی۔ ابو داؤد۔ احمد۔ شافعی (مشکوٰۃ باب الاذان)) امام مقتدیوں کی نماز کا ضامن ہے۔

اس حدیث سے واضح ہوا کہ امام سارے مقتدیوں کی نماز کو اپنی نماز کے ضمن میں لیے ہوئے ہے۔ ظاہر ہے کہ اعلیٰ ادنیٰ کو یا اپنے مثل کو تو اپنے ضمن میں لے سکتی ہے لیکن ادنیٰ اعلیٰ کو اپنے ضمن میں نہیں لے سکتا۔ لہٰذا نفل فرض کو اپنے ضمن میں نہیں لے سکتا کیونکہ نفل فرض سے ادنیٰ ہے۔ اسی طرح ایک فرض اپنے مثل فرض کو تو اپنے ضمن میں لے سکتا ہے لیکن دوسرے فرض کو نہیں۔ لہٰذا امام اگر نمازِ عصر پڑھ رہا ہے تو اس کی اقتداء میں نمازِ ظہر کی قضاء جائز نہیں۔ اس لیے کہ نمازِ عصر نمازِ ظہر کو اپنے ضمن میں نہیں لے سکتی کیونکہ دونوں میں مثلیت نہیں ہے اور دونوں نمازیں علیحدہ علیحدہ ہیں۔ علامہ طحاوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ فرض نماز دو باتوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ ذاتِ صلوٰۃ اور وصفِ فرضیت پر بخلاف نفل کے کہ اس میں صرف ایک ہی امر ہے یعنی ذات الصلوٰۃ۔ ——— اگر یہ کہا جائے۔ نفل بھی تو فرض کی طرح دونوں باتوں پر مشتمل ہے کیونکہ اس میں بھی وصفِ نفلیت پایا جاتا ہے۔ جواب یہ ہے کہ نفل اگرچہ وصف ہے لیکن ذاتِ صلوٰۃ عند الاطلاق اس سے جدا نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ نفل بغیر نیت کے بھی درست ہیں۔ کیونکہ یہ ادنیٰ مرتبہ نفس ہے۔ بخلاف فرض کے کہ وہ نفسِ صلوٰۃ پر نیتِ زائدہ کا محتاج ہے پس فرض اس وقت تک فرض نہیں ہوتا۔ جب تک کہ فرضیت کی نیت نہ کی جائے۔ اس لیے ہم کہتے ہیں کہ امام اگر متنفل ہے تو اس کی نماز فرض پڑھنے والے مقتدیوں کی نماز کی نسبت ہے اور کوئی شے اپنے سے کم یا مثل کو تو متضمن ہو سکتی ہے مگر اپنے سے اعلیٰ کو متضمن نہیں ہو سکتی اور حضور ؐ نے یہ فرمایا ہے کہ امام مقتدیوں کی نماز کو اپنی نماز کے ضمن میں لیے ہوئے ہے تو یہ تضمن اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب کہ مقتدیوں کی نماز، امام کی نماز کی مثل یا اس سے ادنیٰ ہو اور اگر مقتدیوں کی نماز تو اعلیٰ (فرض) اور امام کی نماز ادنیٰ (نفل) تو پھر تضمن ہو سکتا ہی نہیں۔ لہٰذا نماز درست نہ ہو گی۔

بَابُ تَخْفِيفِ الْإِمَامِ فِي الْقِيَامِ وَإِتْمَامِ الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ

باب، امام قیام میں تخفیف کرے اور رکوع و سجود پورا کرے،

اس عنوان کے ماتحت امام نے جو حدیث لکھی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک شخص نے بحضورِ نبوی عرض کی یا رسول اللہ! میں صبح کی نماز میں جماعت سے اس وجہ سے پیچھے رہا کہ فلاں صاحب نماز میں قرأت لمبی کرتے ہیں۔ اس پر حضور علیہ السلام نے بہت غصہ کا اظہار فرمایا اور ہدایت دی کہ جب تم میں سے کوئی شخص امامت کرے تو وہ ہلکی نماز پڑھائے کیونکہ لوگوں میں کمزور، بوڑھے اور حاجت مند ہوتے ہیں۔ یہ حدیث آئندہ باب میں بھی آ رہی ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ امام کے لیے یہ ضروری ہے کہ اتنی لمبی قرأت نہ کرے کہ لوگ اکتا جائیں اور کمزور، بوڑھے اور حاجت مند افراد کو تکلیف ہو۔ بلکہ قرأت مسنونہ کے ساتھ نماز پڑھاوے اور تخفیف کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جلدی جلدی نماز پڑھاوے بلکہ مطلب یہ ہے کہ رکوع و سجود تو مع طمانینت

مسنون طریقہ یہ ہے کہ اگر رکوع اور قیام بہت طویل نہ کرے کہ مقتدیوں پر بار ہو۔

بَابُ اِذَا صَلّٰی لِنَفْسِہٖ فَلْیُطَوِّلْ مَا شَاءَ

باب۔ جب کوئی اکیلا نماز پڑھے جتنا چاہے لمبا قیام کرے

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا صَلّٰی اَحَدُکُمْ لِلنَّاسِ فَلْیُخَفِّفْ فَاِنَّ فِیْھِمُ الضَّعِیْفَ وَالسَّقِیْمَ وَالْکَبِیْرَ وَاِذَا صَلّٰی اَحَدُکُمْ لِنَفْسِہٖ فَلْیُطَوِّلْ مَا شَاءَ۔ (بخاری)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب تم میں سے کوئی لوگوں کو نماز پڑھائے اس کو چاہیئے کہ ہلکی نماز پڑھائے۔ اس لیے کہ ان میں کمزور بھی ہے اور کوئی بیمار اور کوئی بوڑھا۔ اور جب کوئی تنہا نماز پڑھے تو جتنی چاہے طویل کرے۔

فوائد و مسائل اس حدیث سے واضح ہوا کہ امام جب نماز پڑھائے۔ تو مقتدیوں کا خیال رکھے اور قراءتِ مسنونہ سے ... نہ کرے۔ جب کہ مقتدیوں پر گراں گذرے۔ لیکن اگر اکیلا نماز پڑھ رہا ہے تو جیسے چاہے کرے۔ یعنی ... قراءت لمبی کرے یا مختصر۔ یعنی تخفیف کا حکم امام کے لئے ہے۔ منفرد کے لیے تخفیف ضروری نہیں ہے۔

بَابُ مَنْ شَکٰی اِمَامَہٗ اِذَا طَوَّلَ

باب، جب کہ امام نماز کو طول کرے تو اس کی شکایت کرنا،

وَقَالَ اَبُوْ اُسَیْدٍ طَوَّلْتَ بِنَا یَا بُنَیَّ عَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَجُلٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنِّیْ لَاَتَاَخَّرُ عَنِ الصَّلٰوۃِ فِی الْفَجْرِ مِمَّا یُطِیْلُ بِنَا فُلَانٌ فِیْھَا فَغَضِبَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا رَاَیْتُہٗ غَضِبَ فِیْ مَوْعِظَۃٍ کَانَ اَشَدَّ غَضَبًا مِّنْہُ یَوْمَئِذٍ ثُمَّ قَالَ یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّ مِنْکُمْ مُنَفِّرِیْنَ فَمَنْ اَمَّ مِنْکُمُ النَّاسَ فَلْیَتَجَوَّزْ فَاِنَّ خَلْفَہُ الضَّعِیْفَ وَالْکَبِیْرَ وَ ذَا الْحَاجَۃِ۔

ابو اسید (صحابی) نے اپنے بیٹے سے کہا۔ بیٹے! تم نے ... کر لمبا کر دیا۔ ابو مسعودؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا کہ ... ایک آدمی نے نبی علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی یا رسول اللہ ... میں صبح کی جماعت سے صرف اس لیے پیچھے رہتا ہوں کہ ... صاحب صبح کی نماز کو ہم پر لمبا کر دیتے ہیں۔ اسے سن کر ... صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر غصہ ہوئے کہ اس دن سے ... کسی نصیحت کے کرتے وقت میں نے آپ کو غصہ میں نہیں دیکھا ... پھر آپ نے فرمایا۔ اے لوگو! تم میں سے بعض لوگ ... متنفر کرنے والے ہیں۔ پس جو کوئی تم میں سے ... کی امامت کرائے تو اس کو چاہیئے کہ ہلکی نماز پڑھائے کیونکہ اس کے پیچھے ضعیف، بوڑھے اور کام کاج والے ہوتے ہیں۔

حَدَّثَنَا مُحَارِبُ بْنُ دِثَارٍ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰہِ الْاَنْصَارِیَّ قَالَ اَقْبَلَ رَجُلٌ بِنَاضِحَیْنِ وَقَدْ جَنَحَ اللَّیْلُ فَوَافَقَ مُعَاذًا یُصَلِّیْ فَتَرَکَ نَاضِحَیْہِ وَاَقْبَلَ اِلٰی مُعَاذٍ فَقَرَاَ سُوْرَۃَ الْبَقَرَۃِ اَوِ النِّسَآءِ

ہم سے محارب بن دثار نے بیان کیا کہ میں نے حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری سے سنا انھوں نے کہا کہ ایک آدمی ... اٹھانے والے دو اونٹ لے کر آیا اور رات اندھیری ہو گئی ... اس نے معاذ کو نماز پڑھتے ہوئے پایا۔ تو اس نے اپنے ... کو بٹھلایا اور معاذ کی طرف آیا۔ اور ...

فانطلق الرَّجلُ وَبلغهٗ اَنَّ معاذًا نال منهُ فاتى النَّبيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فشكا اِليه معاذًا فقال النَّبيُّ صَلَّى اللّٰهُ عليه وسلَّم يا معاذُ اَفتَّانٌ اَنتَ اَوْ قال اَفاتِنٌ اَنتَ ثلٰثَ مِرَارٍ فلولا صلَّيتَ بسبّح اسم ربّك الاعلٰى ـ والشَّمس وضحٰها والَّيل اذا يغشٰى ـ فانَّهُ يُصلّي وراءك الكبيرُ والضَّعيفُ وذوالحاجة (بخاری)

میں شریک ہو) معاذ نے سورہ بقرہ یا سورہ نساء شروع کی تو وہ نماز چھوڑ کر چل دیا۔ اس سے کسی نے کہا کہ معاذ نے تجھ کو برا بھلا کہا ہے۔ وہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے معاذ کی شکایت کی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے معاذ! تو بہت فتنہ انگیز ہے۔ یا آپ نے یوں فرمایا۔ تو فتنہ انگیز ہے۔ تین بار یہی فرمایا۔ تو نے سبح اسم ربک الاعلیٰ و الشمس وضحٰہا و اللیل اذا یغشیٰ۔ یہ سورتیں نماز میں کیوں نہیں پڑھیں، تیرے پیچھے بوڑھے، ضعیف اور کام کاج والے نماز پڑھتے ہیں۔

۱۔ ان احادیث میں بھی امام کو مقتدیوں کے حال، احوال کا خیال رکھنے کی تاکید کی گئی ہے کہ وہ قرأت اتنی لمبی نہ کرے۔ کہ مقتدیوں کو بار ہو اور ضعیف، بیمار اور حاجت مندوں کو تکلیف ہو ۲۔ سنت یہ ہے کہ فجر و ظہر میں طوال مفصل پڑھے اور عصر و عشاء میں اوساط مفصل اور مغرب میں قصار مفصل اور ان سب صورتوں میں امام و منفرد دونوں کا ایک ہی حکم ہے ۳۔ اس حدیث سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اگر امام قرأت میں اتنا طول دے کہ مقتدیوں پر گراں گزرے۔ تو وہ شکایت کر سکتے ہیں اور امام کو مقتدیوں کی اس شکایت کا ازالہ کرنا چاہیئے۔

بَابُ الْاِيْجَازِ فِي الصَّلٰوةِ وَاِكْمَالِهَا

باب۔ نماز مختصر، یعنی اور پوری پڑھنا

عن انس بن مالكٍ قال كان النَّبيُّ صَلَّى اللّٰهُ عليه وسلَّمَ يوجِزُ الصَّلٰوةَ ويُكْمِلُهَا۔

حضرت انس بن مالک سے مروی ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نماز مختصر، یعنی اور پوری پڑھتے تھے۔

ایجاز ضد ہے اطناب کی اور اکمال ضد ہے نقص کی۔ مطلب حدیث یہ ہے کہ امام کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ مقتدیوں کا خیال رکھے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جلدی غیر مسنون طریقہ سے نماز پڑھا دے۔ حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم مقتدیوں کے خیال سے چھوٹی سورتیں پڑھتے تھے۔ مگر رکوع و سجود، قومہ و جلسہ وغیرہ باطمینان ادا فرماتے تھے یعنی حضور کی نماز مختصر ہوتی تھی مگر مکمل ہوتی تھی

بَابُ مَنْ اَخَفَّ الصَّلٰوةَ عِنْدَ بُكَاءِ الصَّبِيِّ

باب۔ بچہ کے رونے کی آواز سن کر نماز کو مختصر کر دینا

عن عبد اللّٰهِ ابنِ اَبي قتادةَ عن ابيهِ اَبي قتادةَ عن النَّبيِّ صَلَّى اللّٰهُ عليه وسلَّمَ قال اِنّي لاَقومُ في الصَّلٰوةِ اُريدُ اَنْ اُطوِّلَ فيها فاَسمعُ بكاءَ الصَّبيِّ فاَتَجوَّزُ في صلاتي كراهيةَ اَنْ اَشُقَّ على اُمِّهِ (بخاری)

عبد اللہ بن ابی قتادہ اپنے باپ ابو قتادہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں نماز پڑھانے کے لیے کھڑا ہوتا ہوں تو میرا ارادہ ہوتا ہے کہ نماز لمبی کروں لیکن پھر بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو نماز کو مختصر کر دیتا ہوں۔ اس کی ماں کو مشقت میں ڈالنا برا سمجھتا ہوں۔

حدثنا شريكُ ابنُ عبدِ اللّٰهِ قال سمعتُ

ہم سے شریک بن عبد اللہ نے بیان کیا انہوں نے کہا، میں

اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُوْلُ مَا صَلَّيْتُ وَرَآءَ إِمَامٍ قَطُّ اَخَفَّ صَلٰوةً وَّلَا اَتَمَّ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاِنْ كَانَ لَيَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِيِّ فَيُخَفِّفُ مَخَافَةَ اَنْ تُفْتَنَ اُمُّهٗ (بخاری)

حَدَّثَنَا قَتَادَةُ اَنَّ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ حَدَّثَهٗ اَنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنِّيْ لَاَدْخُلُ فِي الصَّلٰوةِ وَاَنَا اُرِيْدُ اِطَالَتَهَا فَاَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِيِّ فَاَتَجَوَّزُ فِيْ صَلٰوتِيْ مِمَّا اَعْلَمُ مِنْ شِدَّةِ وَجْدِ اُمِّهٖ مِنْ بُكَائِهٖ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنِّيْ لَاَدْخُلُ فِي الصَّلٰوةِ فَاُرِيْدُ اِطَالَتَهَا فَاَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِيِّ فَاَتَجَوَّزُ مِمَّا اَعْلَمُ مِنْ شِدَّةِ وَجْدِ اُمِّهٖ مِنْ بُكَائِهٖ (بخاری)

نے انس بن مالک سے سُنا وہ کہتے تھے میں نے کبھی کسی امام کے پیچھے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے زیادہ ہلکی اور پوری نماز نہیں پڑھی اور آپ کا یہ حال تھا کہ نماز میں اگر بچہ کے رونے کی آواز سُنتے تو نماز کو ہلکا کر دیتے۔ اس ڈر سے کہ کہیں اس کی ماں کو پریشانی نہ ہو۔ ہم سے قتادہ نے بیان کیا۔ ان سے انس بن مالک نے بیان کیا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں نماز میں داخل ہوتا ہوں تو میرا ارادہ نماز کو لمبا کرنے کا ہوتا ہے۔ پھر میں بچہ کے رونے کی آواز سُنتا ہوں تو اپنی نماز کو ہلکا کر دیتا ہوں۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ ماں کے دل پر اس کے بچہ کے رونے سے کیسی چوٹ پڑتی ہے۔ انس بن مالک سے مروی ہے وہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا میں نماز شروع کرتا ہوں تو میرا ارادہ اس کو طویل کرنے کا ہوتا ہے پھر بچہ کے رونے کی آواز سُنتا ہوں تو ہلکا کر دیتا ہوں۔ اس لیے کہ میں جانتا ہوں جو بچہ کے رونے سے اس کی ماں کو درد ہوتا ہے

یہ سب حدیثیں اپنے مفہوم میں واضح ہیں۔ حضور سید عالم نورِ مجسّم صلے اللہ علیہ وسلم کی اپنی اُمت پر کمال شفقت ہے کہ آپ بچوں کے رونے کی آواز سُن کر قرأت میں تخفیف فرما دیتے تھے اور اس زمانہ میں عورتیں بھی نماز میں شامل ہوا کرتی تھیں تو حضور چھوٹی سورتیں اس لیے پڑھتے تاکہ ماں کا دل بچہ کی وجہ سے پریشان نہ ہو۔ علامہ ابن بطال و خطابی نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا کہ امام کو جب یہ معلوم ہو کہ کوئی نیا شخص نماز میں شامل ہونے کے لیے آرہا ہے تو اس کو رکوع کو طول دینا جائز ہے تاکہ آنے والا جماعت میں شامل ہو جائے ـــــ وہ کہتے ہیں کہ جب دنیوی ضرورت کے لئے نماز میں تخفیف جائز ہے تو دینی ضرورت کے لئے تطویل بھی جائز ہونی چاہیئے۔ لیکن علامہ قرطبی نے فرمایا۔ حدیث ہذا میں اس بات پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ کیونکہ تطویل زیادتی ہے بخلاف تخفیف کے اور بات یہی صحیح معلوم ہوتی ہے کہ مذکورہ بالا ضرورت کے لیے امام کو رکوع کو طول دینا مکروہ ہو۔ کیونکہ مقتدیوں کی رعایت کی بنا پر ہر نماز میں تخفیف کی ہدایت ہے تو درحقیقت اصل نماز میں تخفیف ہے اور نہ تطویل اور امام کا رکوع کو قدرِ مسنون سے زیادہ لمبا کرنا یہ اصل نماز میں زیادتی ہے۔ جو کم از کم مکروہ ضرور ہونی چاہیئے۔

بَابُ اِذَا صَلّٰى ثُمَّ اَمَّ قَوْمًا

باب جبکہ کوئی نماز پڑھے پھر دوسروں کی امامت کرے (تو جائز ہے)

عَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ مُعَاذٌ يُصَلِّيْ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ يَاْتِيْ قَوْمَهٗ فَيُصَلِّيْ بِهِمْ۔

حضرت جابرؓ سے مروی ہے انھوں نے کہا کہ معاذ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نماز پڑھ کر پھر اپنی قوم والوں کے پاس آتے اور ان کو نماز پڑھاتے۔

یہ حدیث اوپر گذر چکی ہے۔ حناف کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر امام کسی جگہ نفل یا نماز باجماعت پڑھ کر اپنی قوم
نفل کرائے۔ تو جائز ہے۔ جیسے حضرت معاذ حضور علیہ السلام کی اقتدار میں نفل پڑھتے اور اپنی قوم کو حث کے فرض پڑھاتے۔

بَابُ مَنْ اَسْمَعَ النَّاسَ تَكْبِيْرَ الْاِمَامِ

باب۔ امام کی تکبیر لوگوں کو سُنانا

مقصود عنوان یہ ہے کہ جب امام کی آواز بوجہ ہجوم مقتدیوں تک نہ پہنچ سکے تو مکبر مقرر کیے جا سکتے ہیں، تاکہ سب مقتدیوں
تک پہنچ جائے۔ــــــ اس عنوان کے ماتحت امام نے حدیث امامت صدیق رضی اللہ عنہ ذکر کی ہے۔ جس میں یہ ہے کہ حضرت
صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضور کے مرض وفات میں نماز پڑھانے کے لیے کھڑے ہوئے تو حضور بھی تشریف لے آئے اور

تَأَخَّرَ اَبُوْبَكْرٍ وَقَعَدَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى جَنْبِهٖ وَاَبُوْبَكْرٍ يُسْمِعُ النَّاسَ التَّكْبِيْرَ۔	ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کے دائیں جانب ہو گئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی کروٹ میں بیٹھ گئے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کی تکبیر لوگوں کو سُناتے تھے۔

اس سے واضح ہوا کہ اگر امام کی تکبیر کی آواز مقتدیوں تک نہ پہنچے تو بہتر ہے کہ کوئی مقتدی بھی بلند آواز سے تکبیر کہے تاکہ نماز
شروع ہونے اور انتقالات کا حال سب کو معلوم ہو جائے۔

بَابُ الرَّجُلِ يَأْتَمُّ بِالْاِمَامِ وَيَأْتَمُّ النَّاسُ بِالْمَأْمُوْمِ (بخاری)

باب۔ ایک شخص امام کی اقتداء کرے اور لوگ اُس کی اقتداء کریں

علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے لکھا کہ عنوان سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام بخاری نے امام شعبی کے مذہب کو اختیار کیا ہے کیونکہ ان کا قول
ہے کہ اگلی صف پچھلی صف کی امامت کرتی ہے۔ فتح الباری میں ہے کہ اگر کسی شخص نے تکبیر تحریمہ کہہ لی اور اس سے قبل کہ اس کے
آگے والی صف والے لوگ رکوع سے سر اٹھائیں۔ وہ رکوع میں مل گیا تو اس نے وہ رکعت پالی۔ اگرچہ امام اس سے پہلے رکوع
سے سر اٹھا چکا ہو۔ کیونکہ ایک صف والے دوسری صف والوں کے لیے امام ہیں۔ گویا ان کے نزدیک سب سے پہلی صف امام
کی مقتدی ہے اور دوسری صف والے پہلی صف والوں کے مقتدی ہیں۔ (اسی طرح اخیر صف تک معاملہ ہے)

وَيُذْكَرُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ائْتَمُّوْا بِيْ وَلْيَأْتَمَّ بِكُمْ مَنْ بَعْدَكُمْ	اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ تم میری اقتداء کرو اور تمہارے پیچھے والے تمہاری اقتداء کریں۔

یہ اس حدیث کا ٹکڑا ہے جسے امام مسلم نے حضرت ابو سعید خدری سے روایت کیا اور امام بخاری نے اگرچہ اس کو اس امر کے
لیے بیان کیا ہے کہ اگلی صف پچھلی صف کی امام ہے۔ مگر اس حدیث سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس حدیث کا تعلق اقامت
سے نہیں بلکہ دین سے ہے۔ یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حضور علیہ السلام نے یہ ہدایت دی ہے کہ جب تک میں ہوں میرا اتباع کرو اور
میرے بعد میرے جانشینوں کی اقتداء کرنا۔ اور اگر اس کا تعلق نماز سے ہی مانا جائے تو بھی شعبی کا مسلک ثابت نہیں ہوتا۔
کیونکہ یہاں سے افعال نماز مراد ہیں۔ یعنی جب مقتدی کو امام دکھائی نہ دے تو وہ دوسرے مقتدی پر یا اگلی صف پر اعتماد
کر سکتا ہے۔ یعنی اگلی صف سے یہ معلوم کر سکتا ہے کہ امام اب رکوع میں گیا۔ اب سجدہ میں ہے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ
پہلی صف دوسری صف کی امام ہے اور دوسری صف والے پہلی صف کے مقتدی ہیں۔

اسی عنوان کے ماتحت امام نے حضور کے مرض وفات کے موقع امامت صدیق رضی اللہ عنہ والی حدیث بھی ذکر کی ہے۔ جیسے ہی

یہ لفظ بھی ہیں۔

فَجَآءَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى جَلَسَ عَنْ يَّسَارِ اَبِي بَكْرٍ يُّصَلِّي قَآئِمًا وَّكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي قَاعِدًا يَقْتَدِي اَبُوْبَكْرٍ بِصَلٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسُ مُقْتَدُوْنَ بِصَلٰوةِ اَبِي بَكْرٍ۔

پھر نبی صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائے یہاں تک کہ ابو بکرؓ کی بائیں جانب بیٹھ گئے۔ پس ابو بکرؓ کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے۔ ابو بکرؓ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نماز کی اقتدا کر رہے تھے اور لوگ ابو بکرؓ کی نماز کی اقتدا کر رہے تھے۔

اس حدیث میں اگرچہ مقتدون کا لفظ موجود ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ لوگ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو امام بنائے ہوئے تھے اور حضورؐ حضرت صدیق بن کے امام تھے۔ بلکہ مطلب یہ ہی ہے کہ حضور علیہ السلام علیل تھے۔ کمزوری کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھا رہے تھے تو حضرت صدیق اکبرؓ حضورؐ کے مکبر تھے اور لوگ حضرت صدیق اکبرؓ کی تکبیر سن کر رکوع وسجود وغیرہ کرتے تھے چنانچہ اوپر جو حدیث گذری ہے اس میں صاف طور پر یہ لفظ موجود ہیں۔ بوبکر يسمع الناس التكبير کہ ابو بکرؓ لوگوں کو تکبیر سناتے تھے۔

بَابُ هَلْ يَأْخُذُ الْاِمَامُ اِذَا شَكَّ بِقَوْلِ النَّاسِ

باب۔ جب امام کو شک ہو تو کیا مقتدیوں کے کہنے پر عمل کر سکتا ہے

عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ انْصَرَفَ مِنَ اثْنَتَيْنِ فَقَالَ لَهٗ ذُوالْيَدَيْنِ اَقَصُرَتِ الصَّلٰوةُ اَمْ نَسِيْتَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَصَدَقَ ذُوالْيَدَيْنِ فَقَالَ النَّاسُ نَعَمْ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلَّى اثْنَتَيْنِ اُخْرَيَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ ثُمَّ كَبَّرَ فَسَجَدَ مِثْلَ سُجُوْدِهٖ اَوْ اَطْوَلَ
عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ صَلَّى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الظُّهْرَ رَكْعَتَيْنِ فَقِيْلَ قَدْ صَلَّيْتَ رَكْعَتَيْنِ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ ثُمَّ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے (ظہر کی) دو رکعتیں پڑھ کر سلام پھیر دیا۔ تو آپ سے ذوالیدین نے کہا کہ یا رسول اللہ! کیا نماز میں کمی ہو گئی ہے یا آپ بھول گئے ہیں۔ تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ ذوالیدین سچ کہہ رہا ہے۔ صحابہ کرامؓ نے کہا جی ہاں! پس رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور بقیہ دو رکعتیں پڑھیں۔ پھر سلام پھیر کر اور اللہ اکبر کہہ کر سجدہ میں گئے اور سجدوں کی طرح سجدہ کیا یا اس سے کچھ لمبا۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی دو رکعتیں پڑھائیں۔ آپ سے کہا گیا کہ آپ نے دو رکعتیں پڑھائی ہیں تو آپ نے بقیہ دو رکعتیں پڑھائیں۔ پھر سلام پھیرا پھر دو سجدے کئے۔

۱۔ سجودہ بظاہر یہ ہے کہ حضورؐ نے سہو کا ایک سجدہ فرمایا۔ لیکن اصل یہ ہے کہ دو سجدے فرمائے جیسا کہ اس کے بعد والی حدیث میں دو سجدوں کی تصریح ہے اور سجود کا لفظ مصدر ہے۔ ایک اور دو کو شامل ہے ملاحظہ ہو

ں سجدہ کرنے پر اکتفا کیا ۲۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ امام بھول جائے اور مقتدی یاد دلائیں تو امام ان پر اعتماد کر سکتا ہے۔
س حدیث کے مکمل مسائل و فوائد اور اس پر مفصل بحث فیوض الباری پارہ دوم ص۱۳۰ ، ص۱۶۹ پر ہو چکی ہے۔ قارئین کرام یہ صفحات
ور ملاحظہ فرمالیں۔

بَابٌ اِذَا بَكَى الْاِمَامُ فِى الصَّلٰوةِ

باب جب کہ امام نماز میں روئے (تو جائز ہے)

وَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ شَدَّادٍ سَمِعْتُ نَشِيْجَ عُمَرَ وَ اَنَا فِىْ اٰخِرِ الصُّفُوْفِ يَقْرَأُ اِنَّمَا اَشْكُوْا بَثِّىْ وَحُزْنِىْ اِلَى اللّٰهِ۔

اور عبداللہ بن شداد نے کہا کہ میں نے (نماز میں) حضرت عمرؓ کا رونا سنا اور میں آخری صف میں تھا وہ یہ آیت پڑھ رہے تھے۔ میں اپنے رنج و غم کا شکوہ اللہ سے کرتا ہوں۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز فجر میں سورۂ یوسفؑ پڑھ رہے تھے۔ جب مذکورہ بالا آیت پر پہنچے تو رو پڑے۔
معلوم ہوا کہ جہنم کے ڈر یا خوفِ الٰہی کی وجہ سے بے اختیار نماز میں رو پڑنا مفسد نماز نہیں ہے۔ مالکیہ و حنفیہ کا بھی یہی مسلک ہے۔
لیکن اگر آہ سادہ، اف، تف یہ الفاظ درد یا مصیبت کی وجہ سے نکلے یا آواز سے رویا اور حرف پیدا ہو گئے۔ تو ان صورتوں میں
نماز جاتی رہے گی اور کسی وجہ سے رویا مگر ایسے کہ صرف آنسو نکلے اور آواز و حرف نہیں نکلے تو حرج نہیں —— اس کے بعد
امام نے وہی حدیث لکھی ہے جس میں حضورؐ کی مرضِ وفات کے موقع پر حضرت صدیق اکبرؓ کی امامت کا ذکر ہے۔ اس حدیث میں
ہے کہ جب حضور علیہ السلام نے حضرت صدیق اکبرؓ کو امامت کے لیے مقرر فرمایا تو جنابہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی۔

قَالَتْ عَائِشَةُ قُلْتُ لَهٗ اِنَّ اَبَا بَكْرٍ اِذَا قَامَ فِىْ مَقَامِكَ لَمْ يُسْمِعِ النَّاسَ مِنَ الْبُكَاءِ فَمُرْ عُمَرَ فَلْيُصَلِّ لِلنَّاسِ فَقَالَ مُرُوْا اَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ۔ (بخاری)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میں نے آپ سے عرض کیا بے شک ابو بکرؓ جب آپ کی جگہ پر کھڑے ہوں گے تو رونے کی وجہ سے لوگوں کو قرأت نہ سنا سکیں گے۔ آپ حضرت عمرؓ سے فرمائیے کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھاویں۔ آپ نے فرمایا کہ ابو بکرؓ سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔

امام بخاری علیہ الرحمۃ نے حدیث کے اس ٹکڑے سے یہ استدلال فرمایا کہ حضور علیہ السلام نے باوجود اس توقع کے کہ حضرت
ابو بکرؓ بوجہ نرم دلی کے رو پڑیں گے۔ نماز پڑھنے پر مامور فرمایا۔ معلوم ہوا کہ رونے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ لیکن یہ استدلال
کچھ زیادہ پختہ نہیں۔ کیونکہ یہ خیال تو حضرت عائشہؓ کا تھا کہ حضرت ابو بکرؓ بوقتِ امامت رو پڑیں گے اور وہ بھی محض امکان کا
اظہار فرما رہی ہیں۔ یہ ضروری کہاں ہے کہ حضرت ابو بکر رو پڑیں گے (فافہم) ۲۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اپنے مشاہدہ کے مطابق
یہ بات کہی تھی۔ کیونکہ انہوں نے دیکھا تھا کہ جب حضرت ابو بکر نماز میں قرآن پڑھتے ہیں تو عموماً خوف و خشیتِ الٰہی سے رو پڑتے ہیں
تو ایسی صورت میں تو بطریقِ اولیٰ روئیں گے۔ جب کہ وہ حضورؐ کو مصلیٰ پر نہ پائیں گے۔ حضرت عائشہؓ کے خیال میں قوت ضرور ہے
لیکن بہر حال حضرت ابو بکرؓ کا رو پڑنا ضروری نہیں تھا اس لیے استدلال تام نہیں۔ البتہ یہ مسئلہ اپنی جگہ درست ہے کہ نماز میں خوف
و خشیتِ الٰہی یا جنت و دوزخ کے ذکر کے موقع پر دل بھر آئے اور رونا آجائے تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔

بَابُ تَسْوِيَةِ الصُّفُوْفِ عِنْدَ الْاِقَامَةِ وَبَعْدَهَا

باب، تکبیر کے وقت اور تکبیر کے بعد صفوں کو برابر کرنا

۱- قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَتُسَوُّنَّ صُفُوْفَکُمْ اَوْ لَیُخَالِفَنَّ اللّٰهُ بَیْنَ وُجُوْهِکُمْ

عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَقِیْمُوا الصُّفُوْفَ فَاِنِّیْ اَرَاکُمْ خَلْفَ ظَهْرِیْ۔

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (نماز میں) اپنی صفیں برابر رکھو۔ نہیں تو اللہ تعالٰے تمہارے مُنہ اُلٹ دے گا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صفیں سیدھی رکھو میں تم کو اپنی پیٹھ کے پیچھے سے دیکھ رہا ہوں۔

یعنی اقامت کے وقت اور اقامت کے بعد صفوں کو سیدھا کیا جا سکتا ہے۔ سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالٰے عنہ کے زمانہ میں مستقل طور پر ایک شخص اسی کام کے لیے مقرر تھا کہ جب نماز کے لیے لوگ کھڑے ہوتے تو صفوں کو سیدھا کرتے تھے ۲۔ صفوں کو سیدھا رکھنا واجب ہے اور اس کا ترک مکروہ تحریمہ ہے ۳۔ علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے لکھا کہ حضور کا اپنی پس پشت ملاحظہ فرمانا معجزہ ہے ۴۔ اس حدیث میں وعید شدید ہے کہ صفوں کا سیدھا نہ رکھنا اختلاف کا باعث بن سکتا ہے ۵۔ واضح ہو کہ صفوں کو سیدھا رکھنا واجباتِ نماز سے نہیں ہے۔ ہاں صفوں کی تسویت کا خیال نہ رکھنا گناہ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ وغیرہ تسویت صفوف کی بہت تاکید فرماتے تھے اور یہی حال حضور سیدِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا تھا۔ (ابوداؤد، عینی ج ۲ ص ۲۸۹)

بَابُ اِقْبَالِ الْاِمَامِ عَلَی النَّاسِ عِنْدَ تَسْوِیَةِ الصُّفُوْفِ

باب امام کا صفیں برابر کرتے وقت لوگوں کی طرف متوجہ ہونا

حَدَّثَنَا اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ قَالَ اُقِیْمَتِ الصَّلٰوةُ فَاَقْبَلَ عَلَیْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِوَجْهِهٖ فَقَالَ اَقِیْمُوْا صُفُوْفَکُمْ وَتَرَاصُّوْا فَاِنِّیْ اَرَاکُمْ مِنْ وَّرَآءِ ظَهْرِیْ۔ (بخاری)

ہم سے انس بن مالک نے بیان کیا۔ انھوں نے کہا کہ تکبیر ہوئی۔ پھر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہماری جانب اپنا چہرہ مبارک متوجہ کیا اور فرمایا صفوں کو برابر رکھو اور مل کر کھڑے ہو۔ میں تم کو اپنی پیٹھ کے پیچھے سے دیکھتا ہوں۔

نماز میں صفوں کو سیدھا رکھنا واجب ہے

تَرَاصُّوْا کے معنی تَضَامُّوْا وَتَلَاصَقُوْا کے ہیں۔ یعنی بعض کا بعض سے مل جانا اس طرح کہ درمیان میں خلا نہ رہے۔ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ کے بھی یہی معنی ہیں۔ مطلب حدیث یہ ہے کہ نماز میں صفوں کو سیدھا رکھنا اور خوب مل کر کھڑے ہونا ضروری ہے۔ اس سلسلہ میں چند حدیثوں کا خلاصہ یہ ہے۔ ۱۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ صفوں کو برابر رکھنا تمام نماز سے ہے (بخاری) ۲۔ جو صف کو ملائے گا اللہ اس کو ملائے گا اور جو صف کو قطع کرے گا۔ اللہ اسے قطع کرے گا۔ (رواہ الحاکم علٰی شرط مسلم) ۳۔ اگلی صفیں پوری کرو۔ مل کر کھڑے رہو۔ فرشتے بھی اپنے رب کے حضور اسی طرح صف باندھتے ہیں (مسلم و ابوداؤد) ۴۔ اللہ تعالٰے اور فرشتے درود بھیجتے ہیں جو صفوں کو ملاتے ہیں (حاکم علٰی شرط مسلم) ۵۔ جو صفوں کو ملائے اللہ اس کا درجہ بلند کرے گا اور جنت میں اس کے لیے گھر بنائے گا (طبرانی و ابن ماجہ) ۶۔ بوقت اقامت حضور صف کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک جاتے اور مقتدیوں کے مونڈھے یا سینے پر ہاتھ پھیرتے اور فرماتے مختلف کھڑے نہ ہو کہ تمہارے دل مختلف ہو جائیں گے ۷۔ صفوں کو برابر کرو اور مونڈھوں کو مقابل کرو (طبرانی ماجہ) معلوم ہوا کہ صفوں کو سیدھا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ مونڈھے دوسرے شخص کے مونڈھے کے برابر ہوں ۸۔ کشادگیوں کو بند کرو کہ شیطان بھیڑ کے بچے کی طرح تمہارے درمیان داخل ہو جاتا ہے ۹۔ حضور علیہ السلام صحابہ کی صفیں تیر کی طرح سیدھی کرتے تھے (بخاری) حدیث زیر بحث

واضح ہوا کہ صفوں کو سیدھا کرنے کے لیے امام کا مقتدیوں کی طرف متوجہ ہونا جائز ہے۔ خواہ اقامت سے قبل یا اقامت کے بعد۔

بَابُ الصَّفِّ الْاَوَّلِ

باب، صفِ اوّل کی فضیلت کے بیان میں

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلشُّهَدَاءُ اَلْغَرِقُ وَالْمَبْطُوْنُ وَالْمَطْعُوْنُ وَالْهَدِمُ وَقَالَ لَوْ یَعْلَمُوْنَ مَا فِی التَّهْجِیْرِ لَاسْتَبَقُوْا اِلَیْهِ وَلَوْ یَعْلَمُوْنَ مَا فِی الْعَتَمَةِ وَالصُّبْحِ لَاَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا وَلَوْ یَعْلَمُوْنَ مَا فِی الصَّفِّ الْمُقَدَّمِ لَاسْتَهَمُوْا۔ (بخاری)

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ بھی شہید ہے جو ڈوب جانے اور جو پیٹ کی بیماری سے مرے اور جو طاعون سے مرے اور جو دب کر مرے اور آپ نے فرمایا کہ اگر لوگ جان لیں جو ثواب نماز کے لئے جلدی آنے میں ہے تو وہ ایک دوسرے سے آگے بڑھیں اور اگر جان لیں جو ثواب عشاء اور صبح کی نماز میں ہے تو وہ گھٹنوں کے بل گھسٹتے ہوئے ان میں آئیں اور اگر جان لیں جو ثواب پہلی صف میں ہے تو اس کے لیے قرعہ اندازی کریں

صفِ اوّل کے فضائل یہ حدیث فیوض الباری پارہ سوم ص[...] پر مع تفسیر و ترجمانی کے گزر چکی ہے۔ صفِ اوّل کی فضیلت میں متعدد حدیثیں وارد ہوئی ہیں۔ چند کے خلاصے یہ ہیں۔ ۱۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا اللہ اور اس کے فرشتے صفِ اوّل پر درود بھیجتے ہیں (احمد و طبرانی)، ۲۔ مردوں کی سب صفوں میں بہتر پہلی صف ہے اور سب میں کمتر پچھلی صف ہے اور عورتوں کی سب سے بہتر پچھلی صف ہے اور کمتر پہلی (مسلم ابوداؤد ترمذی) ۳۔ صفِ مقدم کو پورا کرو پھر اس کو جو اس کے بعد ہو۔ اگر کچھ کمی ہو تو پچھلی صف میں ہو (ابوداؤد)، ۴۔ ہمیشہ صفِ اوّل سے لوگ پیچھے ہوتے رہیں گے۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ انھیں اپنی رحمت سے موخر کر کے نار میں ڈال دے گا۔ (مسلم ابوداؤد، نسائی و ابن ماجہ)

بَابُ اِقَامَةُ الصَّفِّ مِنْ تَمَامِ الصَّلٰوةِ

باب، صف کو برابر کرنا اور نماز کا پورا کرنا ہے

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ اِنَّمَا جُعِلَ الْاِمَامُ لِیُؤْتَمَّ بِهٖ فَلَا تَخْتَلِفُوْا عَلَیْهِ فَاِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوْا وَاِذَا قَالَ سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ فَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ وَاِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوْا وَاِذَا صَلّٰی جَالِسًا فَصَلُّوْا جُلُوْسًا اَجْمَعُوْنَ وَاَقِیْمُوا الصَّفَّ فِی الصَّلٰوةِ فَاِنَّ اِقَامَةَ الصَّفِّ مِنْ حُسْنِ الصَّلٰوةِ۔

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا امام اس لیے مقرر کیا جاتا ہے تاکہ اس کی اقتدا کی جائے تو تم اس سے اختلاف نہ کرو۔ جب وہ رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو۔ اور جب وہ سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم ربنا لک الحمد کہو اور جب وہ سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ کرو اور جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم سب بھی بیٹھ کر پڑھو اور نماز میں صفوں کو برابر رکھو اس لیے کہ صف کو برابر رکھنا نماز کا حسن ہے۔

عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سَوُّوْا صُفُوْفَكُمْ فَاِنَّ تَسْوِیَةَ الصُّفُوْفِ مِنْ اِقَامَةِ الصَّلٰوةِ۔

حضرت انس سے مروی ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اپنی صفوں کو برابر کرو اسلئے کہ صفوں کا برابر کرنا نماز کے قائم کرنے سے ہے۔

فوائد و مسائل امام بخاری نے تمام الصلوٰۃ کا عنوان قائم کیا ہے اور زیرِ عنوان حدیث میں حسن الصلوٰۃ اور اقامۃ الصلوٰۃ کا لفظ ہے اور حدیث ابوداؤد میں عن انس میں من تمام الصلوٰۃ کا لفظ بھی آیا ہے اس سے

واضح ہوا حسن سے مراد کمال ہے کیونکہ کسی شی کا حسن وہ شی کی حقیقت میں داخل نہیں ہوتا۔ لہٰذا تر جمہ یوں ہوا باب اقامۃ الصف من کمال الصلوٰۃ (وھو حسن تمام الصلوٰۃ)۔ اور ظاہر ہے کہ تسویۂ صفوف حقیقت نماز میں داخل نہیں کہ صف سیدھی نہ ہو تو نماز بھی نہ ہو۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ صفوں کو سیدھا رکھنا نماز کا حسن اور اس کے آداب سے ہے۔ بعض کے نزدیک صفوں کو سیدھا رکھنا واجب ہے۔ سَوُّوْا صُفُوْفَكُمْ اور رصوا صفوفکم کہ صفوں کو سیدھا کرو یہ کہ صلوکما رأیتمونی اصلی جس طرح مجھے نماز پڑھتے دیکھو اسی طرح نماز پڑھو۔ حضورؐ کا یہ حکم صیغۂ امر کے ساتھ ہے اور پھر اس کے ترک پر وعید شدید وارد ہوئی ہے۔

بَابُ اِثْمِ مَنْ لَمْ يُتِمَّ الصُّفُوْفَ

باب، صف پوری نہ کرنے کا گناہ

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّهٗ قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ فَقِيْلَ لَهٗ مَا اَنْكَرْتَ مِنَّا مُنْذُ يَوْمِ عَهِدْتَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا اَنْكَرْتُ شَيْئًا اِلَّا اَنَّكُمْ لَا تُقِيْمُوْنَ الصُّفُوْفَ وَقَالَ۔ (بخاری)

حضرت انس بن مالک سے مروی ہے کہ وہ (بصرہ سے) مدینہ آئے تو لوگوں نے آپ سے کہا کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے تم نے کون سی بات ہم میں خلاف شرع پائی ہے انہوں نے کہا میں نے تو اس کے خلاف تم میں کوئی بات نہیں پائی۔ بس ایک یہ ہے کہ تم صفیں برابر نہیں کرتے

اس حدیث سے واضح ہوا کہ صفوں کا برابر رکھنا ضروری ہے اور اس کا خیال نہ رکھنا گناہ ہے اور یہ بھی ثابت ہوا کہ جس نے اس پر عمل نہ کیا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ کیونکہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہل مدینہ پر باوجود انکار کے دوبارہ نماز پڑھنے کا حکم نہ دیا۔ علامہ ابن حزم نے البتہ کہا ہے کہ اگر صفوں کو برابر نہ کیا گیا تو نماز باطل ہوگی۔ مگر یہ ان کا ذاتی تفرد ہے۔ حدیث و آثار سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی۔

بَابُ اِلْزَاقِ الْمَنْكِبِ بِالْمَنْكِبِ وَالْقَدَمِ بِالْقَدَمِ فِي الصَّفِّ

باب صف میں مونڈھے سے مونڈھا اور پاؤں سے پاؤں ملا کر کھڑے ہونا

وَقَالَ النُّعْمَانُ بْنُ بَشِيْرٍ رَاَيْتُ الرَّجُلَ مِنَّا يُلْزِقُ كَعْبَهٗ بِكَعْبِ صَاحِبِهٖ۔

اور نعمان بن بشیر (صحابی) نے کہا کہ میں نے دیکھا ہم میں ایک آدمی ہم میں سے اپنا ٹخنہ دوسرے کے ٹخنے سے ملا کر کھڑا ہوتا۔

عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَقِيْمُوْا صُفُوْفَكُمْ فَاِنِّيْ اَرَاكُمْ مِنْ وَّرَآءِ ظَهْرِيْ وَكَانَ اَحَدُنَا يُلْزِقُ مَنْكِبَهٗ بِمَنْكِبِ صَاحِبِهٖ وَقَدَمَهٗ بِقَدَمِهٖ۔ (بخاری)

حضرت انس نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا صفوں کو برابر رکھو۔ میں تم کو اپنی پیٹھ کے پیچھے سے دیکھتا ہوں اور ہم میں سے ہر شخص یہ کرتا کہ وہ اپنا مونڈھا اپنے ساتھی کے مونڈھے سے اور اپنا قدم اس کے قدم سے ملا دیتا۔

فوائد و مسائل حافظ علیہ الرحمۃ نے فرمایا۔ عنوان سے مقصود یہ بتانا ہے کہ تعدیل صف اور خلاء کو بھرنے میں مبالغہ کیا جائے یعنی صف بہت سیدھی ہو۔ جہاں تک ممکن ہو ایک دوسرے سے مل کر کھڑے ہو جائے۔ رہا یہ کہ دونوں پاؤں کے درمیان کتنا فاصلہ ہو تو شرح وقایہ میں ہے کہ چار انگل کا فاصلہ ہو۔ امام شافعی علیہ الرحمۃ کا بھی یہی قول ہے۔ حضرات غیر مقلدین کا یہ کہنا ہے کہ جماعت سے نماز پڑھی جائے تو قدموں کے درمیان زیادہ فاصلہ ہونا چاہئے۔ یہ صرف انہیں کی ایجاد ہے

۔۔ اور حدیث زیر بحث کے الفاظ یلزق منکبہ سے یہ استدلال کرنا کہ صف میں کھڑے ہونے والے کندھا سے کندھا اور ٹخنے سے ٹخنہ ملائیں متعدد وجوہ سے باطل ہے۔ اوّل اس لیے ایک کا دوسرے کے کندھے سے کندھا تو مل سکتا ہے مگر اس کے ساتھ ٹخنے سے ٹخنہ ملانا مشکل ہے۔ دوم اس لیے کہ یلزق منکبہ بمنکب صاحبہ کا مطلب محض یہ ہے کہ صف میں شانہ بشانہ رہے۔ نیز کہ ٹخنے سے ٹخنہ ملا دینے کیونکہ حدیث کے خط کشیدہ الفاظ میں جو مقصود ہے وہ محاورۂ عرب ہی ہے۔ سوم اس لیے کہ صحابہ و تابعین کے تعامل میں کہیں نہیں ملتا کہ وہ کندھے سے کندھا ملانے کے ساتھ ٹخنے سے ٹخنہ بھی ملاتے اور عدم توارث و تعامل بھی اس امر کی دلیل ہے کہ ان کے نزدیک بھی حدیث زیر بحث کا مفہوم و مطلب صرف یہ ہے کہ صف بالکل سیدھی ہو اور درمیان میں خلا نہ ہو۔

بَابُ اِذَا قَامَ الرَّجُلُ عَنْ يَسَارِ الْاِمَامِ وَحَوَّلَهُ الْاِمَامُ خَلْفَهُ اِلٰى يَمِيْنِهٖ تَمَّتْ صَلَاتُهٗ

باب، جب کوئی شخص امام کی بائیں طرف کھڑا ہو اور امام اس کو اپنے داہنی طرف کر لے تو دونوں کی نماز صحیح رہی

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ فَقُمْتُ عَنْ يَسَارِهٖ فَاَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِرَأْسِيْ مِنْ وَّرَائِيْ فَجَعَلَنِيْ عَنْ يَمِيْنِهٖ فَصَلّٰى وَرَقَدَ فَجَآءَهُ الْمُؤَذِّنُ فَقَامَ يُصَلِّيْ وَلَمْ يَتَوَضَّأْ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ میں نے ایک رات نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی میں آپ کی بائیں طرف کھڑا ہو گیا۔ تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے پیچھے سے میرا سر گھما کر اپنی داہنی طرف کر لیا۔ پھر نماز پڑھ کر آپ سو گئے۔ بعدہٗ آپ کے پاس مؤذن آیا۔ آپ کھڑے ہوئے اور (صبح کی) نماز پڑھائی اور وضو نہیں کیا۔

اس حدیث سے واضح ہوا کہ اگر مقتدی ایک ہو تو وہ امام کے داہنی طرف امام سے مل کر کھڑا ہو اور اگر مقتدی امام کے داہنی طرف کھڑا نہ ہوا ہو امام ایک حرکت سے اس کو اپنے داہنی طرف کر لے تو یہ عمل کثیر نہیں ہے اور اس طرح کرنے سے امام و مقتدی دونوں کی نماز میں کوئی خلل نہ آئے گا اور دونوں کی نماز درست و صحیح ہوگی۔

بَابُ الْمَرْاَةُ وَحْدَهَا تَكُوْنُ صَفًّا

باب، اکیلی عورت صف کا حکم رکھتی ہے،

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ صَلَّيْتُ اَنَا

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ میں نے اور

لہ بعض لوگ صرف اسناد کی صحت کو دیکھ کر ایک رائے قائم کر لیتے ہیں اور تعامل و توارث کو نہیں دیکھتے۔ حالانکہ کسی حدیث پر عمل کرنے یا اس کا صحیح مفہوم متعین کرنے کے لیے صحابہ کرام کے تعامل کو دیکھنا بھی ضروری ہے۔ امام ترمذی نے دو صحیح حدیثیں لکھ کر یہ بھی لکھا کہ انہ لم یجعل بہ احد اور اس کی وجہ تعامل کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ غرضیکہ اگر کوئی حدیث صحیح الاسناد ہو اور اس پر صحابہ کرام کا عمل نہ ہو تو وہ قابل استدلال نہیں ہے۔ اسی طرح اگر کوئی ضعیف حدیث ہو اور سلف کا اس پر عمل ہو تو وہ حجت ہے۔ پس کسی حدیث کے صحیح مفہوم تک پہنچنے کے لیے یا اس سے استدلال کرتے وقت صحابہ کے تعامل و توارث کو دیکھنا بھی ضروری ہے۔ (فافہم)

فائدہ۔ بعض غیر مقلدین نے یہ مشہور کر دیا ہے کہ احناف کے نزدیک کعب سے مراد ایڑی ہے۔ لیکن یہ بات غلط ہے علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے تصریح فرمائی ہے۔ قول شاذ ینسب الی بعض الحنفیۃ۔ (عینی ج ۲ صفحہ ۱۹۵)

وَيَتِيْمٌ فِيْ بَيْتِنَا خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأُمِّيْ خَلْفَنَا أُمُّ سُلَيْمٍ.

ایک لڑکے نے جو کہ یتیم تھا اپنے گھر میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی اور میری والدہ ام سلیم ہمارے پیچھے تھیں۔

١۔ ام سلیم۔ کنیت ہے یہ حضرت ابوطلحہ کی بیوی ہیں اور ان کا نام سہلہ یا رمیثہ یا رمیصاء ہے۔ یہ علم دین کی فاضلہ تھیں۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ اگر دو مقتدی مرد ہوں اور ایک عورت تو دونوں مرد امام کے پیچھے کھڑے ہوں اور عورت ان کے پیچھے کھڑی ہو جیسا کہ حدیث ہذا میں ہے کہ حضرت انس اور وہ یتیم لڑکا تو حضور کے پیچھے کھڑے ہوئے اور ام سلیم ان کے پیچھے کھڑی ہوئیں۔

٢۔ علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے لکھا کہ اس حدیث سے واضح ہوا کہ عورتیں مردوں کے ساتھ جماعت میں شامل ہو سکتی ہیں مگر سب صفوں سے پیچھے کھڑی ہوں۔ حدیث ابن مسعود میں حضور نے فرمایا۔ اخروهن من حيث اخرهن الله۔

٣۔ ہمارے فقہا نے لکھا ہے کہ اگر دو مقتدی ہوں ایک مرد اور ایک لڑکا تو دونوں امام کے پیچھے کھڑے ہوں۔ اگر اکیلی عورت ہو تو بھی پیچھے کھڑی ہو۔ زیادہ عورتیں ہوں جب بھی یہی حکم ہے اور اگر دو مقتدی ہوں ایک مرد اور ایک عورت تو مرد امام کی دائیں طرف کھڑا ہو اور عورت پیچھے (عالمگیری) ٤۔ اس حدیث سے یہ بھی واضح ہے کہ دو مقتدی ہوں تو وہ امام کے پیچھے کھڑے ہوں اور ترمذی کی حدیث میں ہے کہ حضرت ابن مسعود نے نماز پڑھائی اور مقتدی دو تھے۔ علقمہ اور اسود تو آپ نے ایک کو دائیں طرف دوسرے کو بائیں طرف کھڑا کیا تھا۔ اس سے حضرت امام ابو یوسف نے یہ استدلال فرمایا کہ جب دو مقتدی ہوں تو ایک امام کے دائیں اور دوسرا بائیں کھڑا ہو۔ لیکن اس کے متعدد جواب ہیں۔ اول یہ کہ حضرت ابن مسعود کو حدیث انس نہیں پہنچی تھی۔ دوم یہ کہ تنگی مکان کی بنا پر انھوں نے ایسا کیا تھا۔ جیسا کہ طحاوی میں حضرت ابن سیرین سے مروی ہے کہ فعله ابن مسعود لضيق المكان یعنی تنگی مکان کے سبب۔ ٥۔ رہا یہ سوال کہ اگر ایک مقتدی ہو اور امام کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھے تو کیا حکم ہے۔ امام احمد و اسحاق و ابن حزم کا مسلک یہ ہے کہ نماز باطل ہوگی کیونکہ حضور علیہ السلام نے دیکھا کہ ایک شخص امام کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہا ہے تو آپ نے فرمایا۔ اعد الصلوة۔ نماز دوبارہ پڑھو۔ رواه الطبراني عن ابي هريرة۔ لیکن امام ابو حنیفہ و مالک و شافعی فرماتے ہیں کہ نماز درست ہوگی۔ البتہ اس طرح نماز پڑھنا خلاف سنت ہے اور حدیث ابوہریرہ کا جواب یہ ہے۔ حضور علیہ السلام نے جو نماز دوبارہ پڑھنے کا حکم دیا تھا بطور وجوب نہ تھا بلکہ استحباب پر محمول ہے۔ ثانیاً۔ حدیث زیر بحث سے ثابت ہوتا ہے کہ اکیلی عورت اگر امام کے پیچھے کھڑی ہو کر نماز پڑھے تو درست ہے۔ تو جب اکیلی عورت کی نماز درست ہوگی۔ تو اکیلے مرد کی تو بطریق اولیٰ درست ہونی چاہیئے۔

بَابُ مَيْمَنَةِ الْمَسْجِدِ وَالْإِمَامِ

باب، مسجد اور امام کی داہنی جانب کا بیان

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قُمْتُ لَيْلَةً أُصَلِّيْ عَنْ يَسَارِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخَذَ بِيَدِيْ أَوْ بِعَضُدِيْ حَتَّى أَقَامَنِيْ عَنْ يَمِيْنِهِ وَقَالَ بِيَدِهِ مِنْ وَرَآئِيْ. (بخاری)

حضرت ابن عباس سے مروی ہے۔ انھوں نے کہا کہ میں ایک رات نماز پڑھنے کے لیے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بائیں طرف کھڑا ہوا تو آپ نے میرا ہاتھ یا بازو پکڑ کر مجھے اپنی دائیں طرف کھڑا کر دیا اور ہاتھ کے اشارہ سے فرمایا کہ میرے پیچھے سے گھوم آؤ۔

مقصودِ عنوان یہ ہے کہ جب مقتدی ایک ہو تو اس کے کھڑے ہونے کی جگہ امام کے دہنی طرف ہے اور ظاہر ہے کہ جب مقتدی امام کے دہنی طرف کھڑا ہوگا تو مسجد کے بھی دہنی طرف ہی ہوگا۔ زیرِ عنوان حدیث مضمونِ عنوان پر بڑا اشکال مشتمل ہے اور دہنی طرف کھڑے ہونے کی فضیلت پر حدیث نسائی سے روشنی پڑتی ہے۔ حضرت براء سے مروی ہے کہ ہم جب حضورؐ کے پیچھے نماز پڑھتے تو حضورؐ کے دہنی طرف کھڑے ہونے کو دوست رکھتے تھے۔ (یعنی صف کے دہنی طرف) اور ابوداؤد وابن ماجہ کی حدیث میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً مروی ہے کہ اللہ اور اس کے فرشتے صف کے دہنے والوں پر درود بھیجتے ہیں اور غالباً یہ بھی کسی حدیث کا مضمون ہے کہ رحمت سب سے پہلے امام پر اور پھر ان پر جو اس کے دہنے طرف ہوں۔ پھر ان پر جو امام کے بائیں طرف ہوں نازل ہوتی ہے ـــــ ظاہر ہے کہ اس فضیلت کو حاصل کرنے کے لیے ہر شخص امام کی دہنی طرف صف میں کھڑا ہونے کی کوشش کرتا اور بائیں جانب خالی رہ جاتی۔ تو اس کے متعلق حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو مسجد کی بائیں جانب اس لیے کھڑا ہو کہ ادھر لوگ کم ہیں تو اسے دُونا ثواب ہے (رواہ الطبرانی عن ابن عباس) علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے لکھا کہ اگرچہ اس حدیث کی سند میں کلام ہے۔ لیکن بر تقدیرِ صحت یہ حدیث، حدیثِ براء کے معارض نہیں کیونکہ یہ ہدایت ایک خاص حالت کے لیے ہے جب وہ حالت ختم ہوگی تو حکم بھی ختم ہو جائے گا۔

بَابُ اِذَا کَانَ بَیْنَ الْاِمَامِ وَبَیْنَ الْقَوْمِ حَائِطٌ اَوْ سُتْرَۃٌ

باب، جب امام اور مقتدی کے درمیان دیوار یا پردہ حائل ہو تو کیا حکم ہے؟

وَقَالَ الْحَسَنُ لَا بَاْسَ اَنْ تُصَلِّیَ وَ بَیْنَکَ وَ بَیْنَہٗ نَھْرٌ۔

حضرت حسنؓ نے فرمایا۔ اس میں حرج نہیں کہ تو نماز پڑھے اور تیرے اور امام کے درمیان نہر ہو۔

واضح ہو کہ اقتداء کی تیرہ شرطوں میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ امام و مقتدی دونوں ایک مکان میں ہوں۔ احناف کے نزدیک مسجد مکانِ واحد ہے تو اگر امام و مقتدی کے درمیان دیوار یا کوئی اور چیز حائل ہو۔ تو اگر امام کے انتقالات مشتبہ نہ ہوں۔ مثلاً مکبر کی یا مکبر کی آواز سنی جاتی ہو یا ـــــ اُسے مقتدیوں کے انتقالات دکھائی دیتے ہوں۔ تو اقتداء درست ہے۔ مثلاً مسجد بہت بڑی ہے اور امام اگرچہ محراب میں ہے اور مقتدی منتہائے مسجد میں تو اقتداء درست ہے۔ اسی طرح مسجد کے متصل کوئی دالان ہے اس میں مقتدی اقتداء کر سکتا ہے جب کہ امام کا حال مخفی نہ ہو۔ یونہی بیچ مسجد کے ایسی چھوٹی نہر ہے جس پر کشتی یا بجرا نہ چل سکے۔ تو اقتداء درست ہے ـــ۔ حضرت امام حسن علیہ الرحمۃ نے جو فرمایا کہ اگرچہ امام و مقتدی کے درمیان نہر ہو اقتداء درست ہے تو اس نہر سے اگر ایسی نہر مراد ہے جس میں کشتی یا بجرا نہ چل سکے تو اقتداء درست ہے۔ ہاں اگر امام اور مقتدی کے درمیان آنا چوڑا راستہ ہے جس میں بیل گاڑی جا سکے یا بیچ میں نہر ہو جس میں کشتی یا بجرا چل سکے تو اقتداء درست نہیں۔ یونہی اگر بیچ میں حوض دہ در دہ ہے تو اقتداء نہیں ہو سکتی۔ لیکن اگر حوض کے گرد صفیں برابر متصل ہوں، یا اگر حوض چھوٹا ہو تو اقتداء صحیح ہے۔

وَقَالَ اَبُوْ مِجْلَزٍ یَأْتَمُّ بِالْاِمَامِ وَاِنْ کَانَ بَیْنَھُمَا طَرِیْقٌ اَوْ جِدَارٌ اِذَا سَمِعَ تَکْبِیْرَ الْاِمَامِ۔ (بخاری)

اور ابو مجلز نے کہا کہ امام کی اقتدا کر سکتا ہے۔ گو کہ امام اور مقتدی کے درمیان راستہ یا دیوار حائل ہو۔ لیکن مقتدی امام کی تکبیر سُن سکے۔

ابو مجلز لاحق بن حمید بن سعید بصری تابعی ہیں۔ اس تعلیق کو ابن ابی شیبہ نے وصل کیا ـــــــ راستہ سے مراد (احناف کے نزدیک) اگر اتنا چھوٹا راستہ ہے۔ جس میں بیل گاڑی نہیں گزر سکتی تو اقتداء درست ہے اور اگر اتنا چوڑا راستہ ہے کہ جس میں بیل

کاڑی جا سکے تو اقتدا درست نہیں ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ مِنَ اللَّيْلِ فِيْ حُجْرَتِهٖ وَجِدَارُ الْحُجْرَةِ قَصِيْرٌ فَرَاَى النَّاسُ شَخْصَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَامَ اُنَاسٌ يُصَلُّوْنَ بِصَلٰوتِهٖ فَاَصْبَحُوْا فَتَحَدَّثُوْا بِذٰلِكَ فَقَامَ اللَّيْلَةَ الثَّانِيَةَ فَقَامَ مَعَهٗ اُنَاسٌ يُصَلُّوْنَ بِصَلٰوتِهٖ صَنَعُوْا ذٰلِكَ لَيْلَتَيْنِ اَوْ ثَلٰثًا حَتّٰى اِذَا كَانَ بَعْدَ ذٰلِكَ جَلَسَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَخْرُجْ فَلَمَّا اَصْبَحَ ذَكَرَ ذٰلِكَ النَّاسُ فَقَالَ اِنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ تُكْتَبَ عَلَيْكُمْ صَلٰوةُ اللَّيْلِ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم رات کو تہجد کی نماز اپنے حجرہ میں پڑھتے تھے حجرہ کی دیوار چھوٹی سی تھی۔ لوگوں نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا جسم مبارک دیکھ لیا اور کچھ لوگ آپ کے پیچھے کھڑے ہو کر پڑھنے رہے۔ جب صبح ہوئی تو اس کا چرچا کرنے لگے۔ دوسری رات آپ کھڑے ہوئے۔ تب بھی چند لوگ آپ کے ساتھ نماز پڑھتے رہے۔ دو یا تین راتوں تک وہ ایسا ہی کرتے رہے اس کے بعد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بیٹھے رہے۔ نماز کے مقام پر تشریف نہیں لائے۔ جب صبح ہوئی تو لوگوں نے اس کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا۔ میں ڈر گیا کہ کہیں رات کی نماز تم پر فرض نہ ہو جائے۔

فوائد و مسائل فی حجرۃ کے متعلق علامہ عینی نے لکھا ہے کہ اس سے ازواج مطہرات میں سے کسی کا حجرہ مراد ہے وہ مسجد سے بالکل متصل ہے۔ جیسا کہ روایت ابونعیم میں ہے۔ كَانَ يُصَلِّيْ فِيْ حُجْرَةٍ مِنْ حُجَرِ اَزْوَاجِهٖ تو مطلب حدیث یہ ہوگا کہ حضور علیہ السلام اس حجرہ میں نماز کے لیے کھڑے ہوتے اور اس حجرہ کی دیواریں اتنی چھوٹی تھیں کہ حضور کا جسم مبارک نظر آتا تھا اور لوگوں نے حضور کو دیکھ کر آپ کی اقتدا میں نماز ادا کی۔ جس سے واضح ہوا کہ اگر امام و مقتدی کے درمیان کوئی چیز حائل ہو۔ اگرچہ دیوار ہی ہو اور امام کی حالت دکھائی دے یعنی اس کی آواز سنائی دے یا اس کے نماز کے افعال دکھائی دیں تو اقتدا درست ہے اس لیے نوافل گھر میں ادا کرنا افضل ہیں ۳۔ جماعت کے ساتھ بھی نوافل پڑھے جا سکتے ہیں ۴۔ حضور علیہ السلام نے دو رات یا تین رات یہ نوافل جماعت کے ساتھ ادا فرمائے۔ مگر چوتھی رات آپ اس جگہ تشریف ہی نہ لائے فلم یخرج کا مطلب یہ ہے کہ جس جگہ نوافل ادا فرماتے تھے، ادھر نہ گئے۔ صبح کو جب اس کا ذکر ہوا۔ تو حضور نے فرمایا۔ میں اس لیے نہیں آیا کہ کہیں یہ نوافل تم پر فرض نہ ہو جائیں۔

بَابُ صَلٰوةِ اللَّيْلِ

باب۔ رات کی نماز کا بیان

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَهٗ حَصِيْرٌ يَبْسُطُهٗ بِالنَّهَارِ وَيَحْتَجِرُهٗ بِاللَّيْلِ فَثَابَ اِلَيْهِ نَاسٌ فَصَفُّوْا وَرَاءَهٗ۔

۱۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا ایک بوریا تھا جس کو آپ دن میں بچھایا کرتے اور رات کو پردہ بنا لیتے چند لوگ آپ کے پاس کھڑے ہوئے اور آپ کے پیچھے صف باندھی۔

عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِتَّخَذَ حُجْرَةً قَالَ حَسِبْتُ

۲۔ حضرت زید بن ثابت سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک حجرہ بنا لیا۔ حضرت زید نے کہا میں سمجھتا ہوں

اِمْنٌ قَالَ مِنْ حَصِيْرٍ فِيْ رَمَضَانَ فَصَلّٰى فِيْهَا لَيَالِيَ فَصَلّٰى بِصَلَاتِهٖ نَاسٌ مِّنْ اَصْحَابِهٖ فَلَمَّا عَلِمَ بِهِمْ جَعَلَ يَقْعُدُ فَخَرَجَ اِلَيْهِمْ فَقَالَ قَدْ عَرَفْتُ الَّذِيْ رَاَيْتُ مِنْ صَنِيْعِكُمْ فَصَلُّوْا اَيُّهَا النَّاسُ فِيْ بُيُوْتِكُمْ فَاِنَّ اَفْضَلَ الصَّلٰوةِ صَلٰوةُ الْمَرْءِ فِيْ بَيْتِهٖ اِلَّا الْمَكْتُوْبَةَ (بخاری)

حضرت زیدؓ نے کہا کہ وہ بوریے کا تھا اور آپ نے یہ حجرہ رمضان میں بنایا تھا۔ اس کے اندر کئی راتوں تک آپ نماز پڑھتے رہے اور آپ کے ہمراہ کئی صحابہؓ نے بھی نماز پڑھی۔ جب آپ کو ان کا حال معلوم ہوا تو آپ نے بیٹھنا شروع کر دیا (نماز موقوف رکھی)۔ پھر آپ تشریف لائے اور فرمایا تم نے جو کیا مجھ کو معلوم ہے لیکن لوگو! تم اپنے اپنے گھروں میں نماز پڑھتے رہو کیونکہ افضل نماز آدمی کی اس کے گھر میں ہے۔ سوائے فرض نماز کے۔

فوائد و مسائل | علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے لکھا کہ عنوان مذکور صرف روایت سے متعلق کا ہے اور اس مقام پر اس کے ذکر کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ ذکر صفوف اور اقامت صفوف کا بیان چل رہا ہے اور یہ عنوان منفرد ہو، پر کتاب الصلوٰۃ کے آخر میں آ رہا ہے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ اس عنوان کے قائم کرنے سے امام بخاری کا مقصود یہ بتانا ہو کہ امام اور مقتدی کے درمیان دیوار حائل ہو تو اقتداء درست ہے۔ چنانچہ حدیث زیر عنوان میں یہ تصریح ہے کہ حضور علیہ السلام کا یہ حجرہ بورئیے کا تھا۔ یہ بوریا دن میں بچھا دیا جاتا تھا اور رات کو اس سے پردہ کا کام لیا جاتا تھا تو بوریئے کا پردہ بھی دیوار کی شکل ہی ہے۔ ۲۔ حدیث اول کو امام نے لباس میں مسلم و ترمذی و نسائی و ابن ماجہ نے صلوٰۃ میں ذکر کیا اور حدیث دوم کو امام بخاری نے ادب و اعتصام میں اور مسلم و ترمذی و نسائی و ابوداؤد نے صلوٰۃ میں ذکر کیا۔

۳۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ نوافل گھر میں پڑھنا افضل ہیں اور اس مسئلہ کی چند حدیثیں یہ ہیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ گھر میں نماز پڑھنا نور ہے، تو اپنے گھروں کو منور کرو (ابن ماجہ) گھروں کو قبرستان نہ بناؤ۔ شیطان اس گھر سے چلا جاتا ہے جس میں سورۃ بقر پڑھی جاتی ہے۔ (مسلم و نسائی) نماز گھر میں بھی پڑھا کرو (یعنی نوافل) اور نوافل گھر میں پڑھنا مسجد میں پڑھنے سے افضل ہے۔ (ابوداؤد) اور نوافل کو گھر میں پڑھنے کی ہدایت کا راز یہ ہے کہ آدمی خصوص تنہائی کے ساتھ عبادت میں مشغول ہو اور ریاء و سمع کا اس میں دخل نہ ہو سکے۔ ۴۔ اور عموم حدیث سے وہ نوافل مستثنیٰ ہیں جن کے لیے جماعت مشروع ہے۔

اس حدیث سے تراویح کی اصل ثابت ہوتی ہے کہ حضور علیہ السلام نے رمضان کی تین راتوں میں باجماعت ادا فرمائیں اس کے بعد بخوف فرضیت ترک فرما دیں۔ تراویح کے متعلق بحث اپنی جگہ آئے گی۔ (ان شاء اللہ)

بَابُ اِيْجَابِ التَّكْبِيْرِ وَ افْتِتَاحِ الصَّلٰوةِ

باب، تکبیر تحریمہ کا واجب ہونا اور نماز کے شروع کرنے کے متعلق

تکبیر تحریمہ کے متعلق بحث | اس سے قبل جماعت، اقامت، تسویۂ صفوف کے مسائل بیان ہوئے اور اس سلسلہ میں امام نے ایک سو بائیس (۱۲۲) حدیثیں ذکر کی ہیں جن میں ۹۶ موصول ہیں ۲۶ معلق ہیں اور صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم کے اثر تھے۔ اس عنوان سے نماز پڑھنے کا طریقہ اور اس کے احکام کا بیان مقصود ہے۔ ۲۔ اس عنوان کے تحت امام نے تین حدیثیں ذکر کی ہیں۔ تینوں کے الفاظ تقریباً ایک ہی ہیں جن میں سے ایک یہ ہے۔

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا جُعِلَ الْاِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهٖ

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سوائے اس کے نہیں کہ امام اس لیے مقرر کیا گیا ہے تاکہ

فاذا كبر فكبروا واذا ركع فاركعوا واذا قال سمع الله لمن حمده فقولوا ربنا ولك الحمد واذا سجد فاسجدوا واذا صلى جالسا فصلوا جلوسا اجمعون ۔

اس کی اقتدا کی جائے۔ پس جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی کہو جب وہ رکوع کرے تم بھی رکوع کرو اور جب وہ سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم ربنا ولک الحمد کہو اور جب وہ سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ کرو اور جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم بھی سب بیٹھ کر نماز پڑھو۔

۳۔ وافتتاح الصلوٰۃ میں واؤ عاطفہ ہے یا مع کے معنی میں ہے۔ شارحین نے اس پر کافی بحث کی ہے لیکن جو بات ہمیں سمجھ آئی ہے وہ یہ ہے کہ امام بخاری یہ بتانا چاہتے ہیں کہ نماز کا افتتاح صرف تکبیر سے ہوگا۔ یا صرف رفع یدین سے۔ تو اس سے کہ نماز کا افتتاح تکبیر سے ہوگا پس اگر کسی نے بغیر تکبیر کہے ہاتھ اٹھا کر نماز شروع کی تو وہ نماز میں داخل نہ ہوگا۔ یعنی مقصود یہ بتانا ہے کہ آدمی کا نماز میں دخول تکبیر سے ہوگا۔ فقط ہاتھ اٹھانے سے نہیں۔ چنانچہ سیدنا امام جعفر صادق نے سوال کیا (فتحریمۃ الصلوٰۃ هو بالتكبير ام برفع اليد فقال بالتكبير ولما ذهب الامام قال نعم فقيه) کہ نماز کی تحریمہ ت ہوگی یا ہاتھ اٹھانے سے امام ابوحنیفہ نے فرمایا تکبیر سے۔ جب آپ واپس آئے تو جناب امام جعفر علیہ الرحمۃ نے فرمایا یہ فقیہ ہیں۔

کیا تکبیر تحریمہ کے لیے لفظ اَللّٰہُ اَکْبَرُ ہی کہنا ضروری ہے؟

واضح ہو کہ امام احمد و شافعی و مالک کے نزدیک نماز کے شروع میں اللہ اکبر کہنا فرض ہے اور کوئی لفظ اس کی جگہ کافی نہیں ہے اور احناف کے نزدیک تکبیر یعنی نماز کا افتتاح ایسے الفاظ سے کرنا جو خالص اللہ عزوجل کی تعظیم کے الفاظ ہوں فرض ہے اور لفظ اللہ اکبر سے نماز شروع کرنا واجب ہے۔ چنانچہ شیخ ابن الہمام نے فرمایا۔ اللہ اکبر سے نماز شروع کرنا واجب ہے۔ صاحب بحر و نہر و صاحب تنویر الابصار اور ابن امیر الحاج نے شرح منیہ میں اس کی تصریح فرمائی ہے۔ نیز عالمگیری و در مختار میں یہ تصریح بھی ہے کہ اگر کسی نے اللہ اکبر کی جگہ دوسرے لفظ تعظیمی کہے تو ان سے بھی نماز کی ابتدا ہو جائے گی مگر یہ تبدیلی مکروہ تحریمی ہے ۲۔ جو آئمہ اللہ اکبر کے سوا کسی دوسرے لفظ سے نماز کا افتتاح جائز نہیں سمجھتے وہ ان احادیث سے استدلال کرتے ہیں جن میں یہ آیا ہے کہ حضور علیہ السلام لفظ اللہ اکبر سے نماز شروع فرماتے تھے لیکن ظاہر ہے کہ اس مضمون کی احادیث سے دوسرے تعظیمی الفاظ سے نماز کے افتتاح کا عدم جواز ثابت نہیں ہوتا۔ لفظ تکبیر از روئے لغت تعظیم ہی کا دوسرا نام ہے۔ قرآن مجید میں ہے (فلما رأينه اكبرنه (اى عظمنه) وربك فكبر (اى عظم) اور فرمایا وذكر اسم ربه فصلى الآیہ۔ اس آیت میں ذکر کو عام رکھا گیا ہے۔ خواہ وہ لفظ اللہ سے ہو یا لفظ رحمٰن سے پس جائز ہے اللہ اکبر کی جگہ الرحمٰن اعظم کہا جائے کیونکہ ذکر ہونے میں یہ دونوں برابر ہیں اور قرآن نے یہ بھی فرمایا ہے ولله الاسماء الحسنى فادعوه بها۔ اس میں کوئی قید نہیں ہے اور سنن ابن ابی شیبہ میں ابو العالیہ سے مروی ہے کہ انبیاء کرام نماز کی ابتداء توحید تسبیح و تہلیل سے فرماتے تھے اور امام شعبی نے فرمایا کہ اسماء الٰہی میں سے جس کے ساتھ بھی نماز کا افتتاح کیا جائے جائز ہے اور یہی امام نخعی و ابراہیم کا قول ہے۔ لہٰذا اللہ اکبر کی جگہ اگر کسی دوسرے تعظیمی الفاظ سے نماز کا افتتاح کیا جائے جائز ہے ۲۔ اس حدیث سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ امام کی متابعت ضروری ہے اور مقتدی کو امام کے بعد تکبیر کہنی چاہیئے۔ اگر امام سے پہلے تکبیر کہی تو اقتداء درست نہ ہوگی۔ حتیٰ کہ اگر مقتدی نے لفظ اللہ امام کے ساتھ کہا مگر لفظ اکبر سے پہلے ختم کر چکا تو نماز نہ ہوگی ۳۔ واضح ہو کہ تکبیر تحریمہ درحقیقت شرائط نماز سے ہے مگر جزء افعال نماز سے اس کو بہت اتصال ہے اس لیے فرائض نماز میں اس کا شمار کر لیتے ہیں۔

بَابُ رَفْعِ الْيَدَيْنِ فِي التَّكْبِيْرَةِ الْأُوْلٰى مَعَ الْاِفْتِتَاحِ سَوَآءً

باب تکبیر تحریمہ میں نماز شروع کرتے ہی دونوں ہاتھوں کو برابر اٹھانا ؎

عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ اِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوةَ وَاِذَا كَبَّرَ لِلرُّكُوْعِ وَاِذَا رَفَعَ رَاْسَهٗ مِنَ الرُّكُوْعِ رَفَعَهُمَا كَذٰلِكَ اَيْضًا وَقَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ ـ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ وَكَانَ لَا يَفْعَلُ ذٰلِكَ فِي السُّجُوْدِ ـ (بخاری)

حضرت سالم بن عبداللہ سے مروی ہے کہ وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے تو اپنے دونوں ہاتھ مونڈھوں کے برابر اٹھاتے اور جب رکوع کے لیے تکبیر کہتے (تو بھی رفع الیدین کرتے) اور سمع اللہ لمن حمدہ ۔ ربنا ولک الحمد کہتے اور آپ رفع الیدین سجدہ میں جاتے اور اٹھتے وقت نہ کرتے ۔

۱ ۔ حافظ علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ احادیث میں تکبیر تحریمہ کہنے اور ہاتھ اٹھانے کی تین صورتیں وارد ہوئی ہیں ۔

اوّل ۔ قبل التکبیر ۔ یعنی پہلے ہاتھ اٹھانا اُس کے بعد تکبیر کہنا ۔

دوم ۔ معہ ۔ یعنی تکبیر و ہاتھ اٹھانا ۔ دونوں ایک ساتھ ہوں ۔

سوم ۔ بعدہ ۔ یعنی پہلے تکبیر کہنا پھر ہاتھ اٹھانا ۔

صاحب ہدایہ علیہ الرحمۃ نے صورت اوّل کو اختیار کیا کہ پہلے ہاتھ اٹھائے پھر تکبیر کہے کیونکہ ہاتھ اٹھانے کا مطلب یہ ہے کہ یعنی اللہ کے سوا اور کی کبریائی کی نفی کرتا ہے اور تکبیر (اللہ اکبر) سے اللہ کی بزرگی ثابت کرتا ہے اور نفی اثبات پر مقدم ہوتی ہے ۔

امام ابو یوسف و امام طحاوی علیہم الرحمۃ نے دوسری صورت اختیار کی کہ تکبیر کہنا اور ہاتھ اٹھانا دونوں ایک ساتھ ہوں ۔ اسی کو شیخ الاسلام و صاحب تحفہ و قاضی خاں نے اختیار فرمایا ہے ۔

اور تیسری صورت تعرف رواۃ سے معدوم ہوتی ہے کیونکہ سلف میں سے کسی نے اس کو اختیار نہیں کیا اور پھر تکبیر کے بعد ہاتھ اٹھانا ویسے بھی درست نہیں قرار پایا کیونکہ ہاتھ اٹھانا تو تکبیر کے لیے ہے تو جب تکبیر ختم ہو گئی تو رفع کا محل باقی نہ رہا ورنہ اگر شارع تکبیر کے بعد ہاتھ اٹھانا منظور ہوتا تو پھر دوسری و تیسری رکعت کے شروع کے لیے بھی اس کا حکم ہوتا ۔ جس سے واضح ہوا کہ رفع بعد التکبیر ہے ۔ پس مذکورہ بالا دو صورتیں ہی باقی رہیں ۔

۲ ۔ واضح ہو کہ تکبیر تحریمہ سے نماز کو شروع کرنا فرض ہے اور ہاتھوں کا اٹھانا سُنت ہے اور پہلے ہاتھ اٹھانا پھر تکبیر کہنا یا تکبیر کہنا اور ہاتھ اٹھانا دونوں ایک ساتھ ہوں دونوں طرح جائز ہے ۔

تکبیر تحریمہ کے وقت کانوں تک ہاتھ اٹھانے کی بحث

۳ ۔ سیدنا امام شافعی کے نزدیک تکبیر کے وقت ہاتھ کندھوں تک اٹھائے جائیں ۔ جیسا کہ حدیث زیر بحث میں ہے اور احناف کہتے ہیں کہ دونوں ہاتھ کان تک لائے جائیں کہ انگوٹھے کی لَو سے چھو جائیں اور انگلیاں ذرا کھلی ہوئی رکھے نہ خوب کھولے اپنی حالت پر رہنے دے اور ہتھیلیاں قبلہ رُخ کرے ۔ جیسا کہ احادیث ذیل سے ثابت ہے ۔

حضرت وائل بن حجر و براء و انس سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام جب تکبیر کہتے تو

کان اذا کبر رفع یدیه حذاء اذنیه
(رواہ احمد واسحٰق وحاکم فی المستدرک)

اپنے ہاتھ کانوں تک اُٹھاتے ۔

رفع یدیہ حیال اذنیہ | کہ جب آپ تکبیر کہتے تو ہاتھوں کو کانوں تک اٹھاتے
(رواہ ابوداؤد عن وائل)

سیدنا امام جعفر علیہ الرحمہ نے اپنی مسند میں بروایت عاصم عن وائل بن حجر روایت کی

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یرفع یدیہ یحاذی بھما شحمۃ اذنیہ (مسند ۱۲۳) | کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بوقت تکبیر تحریمہ دونوں ہاتھ اٹھاتے کہ کانوں کی لو تک برابر ہو جاتے۔

حضرت وائل بن حجر سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام افتتاح نماز کے لیے جب ہاتھ اٹھاتے۔

یرفع ابھامیہ فی الصلوٰۃ الی شحمۃ اذنیہ (ابوداؤد) | تو آپ اپنے انگوٹھوں کو کان کی لو تک لے جاتے۔

حضرت انس سے مروی ہے کہ:۔

حتی یحاذی بابھامیہ اذنیہ (دارقطنی) | آپ کان تک اپنے انگوٹھے لے جاتے (عینی و حمد)

اور ترمذی نے سعید بن سمعان کی حدیث میں ذکر کیا کہ جناب ابوہریرہؓ مسجد نبوی میں آئے اور کہا حضور علیہ السلام جب تکبیر کہتے تو

ولم یفرج بین اصابعہ ولم یضمھا (ترمذی) | نہ اپنی انگلیوں کو ملاتے اور نہ انھیں کھولتے (ملخصہ)

حضرت مالک بن حویرث کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام جب تکبیر تحریمہ کہتے تو

حتی یحاذی بھما اذنیہ (مسلم) | ہاتھوں کو کانوں کی لو تک اٹھاتے۔

اور دوسری روایت میں فروع اذنیہ کے لفظ بھی آئے ہیں۔ حضرت انس سے بھی اسی طرح مروی ہے (دارقطنی)
اور حضرت براء سے مروی ہے کہ حضرت ہاتھ اٹھاتے تو آپ کے دونوں انگوٹھے

حتی یکون ابھاما لا قریبا من شحمتی اذنیہ | کان کی لو کے قریب ہوتے۔
(طحاوی مسلم و بخاری)

ف۔ مذکورہ بالا مضمون کی حدیثوں کو ۱۔ بخاری و مسلم و طحاوی نے مالک بن حویرث سے ۲۔ بخاری و ابوداؤد و نسائی نے (وائل)
سے ۳۔ ابوداؤد و طحاوی و دارقطنی واحمد و امام عبدالرزاق نے حضرت براء بن عازب سے ۴۔ مسلم و ابوداؤد نے حضرت وائل بن حجر
سے ۵۔ اور حاکم و مستدرک و دارقطنی و بیہقی نے باسناد صحیح حضرت انس سے (بشرط مسلم و بخاری) روایت کیا ہے۔ (نیز
صحیح البہاری)

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ جب تم میں سے کوئی نماز کا افتتاح کرے تو ہاتھوں کو اٹھائے

ولیستقبل بباطنھما القبلۃ (طبرانی) | تو ہتھیلیاں قبلہ رُخ کرے۔

فضل بن عباس سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

ترفعھما الی ربک مستقبلا ببطونھما (طبرانی) | تو ہاتھ اٹھا اپنے رب کی طرف کہ ہتھیلیاں قبلہ رُخ ہوں

ان احادیث سے واضح ہوا کہ نماز شروع کرنے کے لیے دونوں ہاتھ کان تک اٹھائے جائیں۔ انگوٹھے کان کی لو تک پہنچ جائیں
انگلیاں نہ ملی ہوں اور نہ خوب کھلی ہوں۔ بلکہ اپنی حالت پر رہنے دی جائیں اور ہتھیلیاں قبلہ رُخ ہوں اور جس حدیث میں کندھے
تک ہاتھ اٹھانے کا ذکر ہے وہ حالت عذر پر محمول ہے جیسا کہ حدیث وائل بن حجر سے واضح ہوتا ہے۔ البتہ عورتوں کے لیے یہ
ہی مناسب ہے کہ وہ کندھوں تک ہاتھ اٹھائیں کہ اس میں زیادہ پردہ ہے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۲۔ حدیث زیر بحث سے یہ مسئلہ اخذ کیا گیا کہ امام سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کے ساتھ رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْدُ بھی کہے لیکن یہ استدلال تام نہیں ہے۔ اوّل اس لیے کہ اس حدیث میں یہ تصریح نہیں ہے کہ حضورؐ نے بحالت امام دونوں جملے کہے تھے۔ ثانیاً دوسری قولی حدیث میں حضورؐ نے بالتصریح یہ ہدایت دی ہے کہ امام فقط سمع اللہ لمن حمدہ کہے لہٰذا ظاہر یہی ہے۔ یہ حدیث حالت انفرادی پر محمول ہے چنانچہ بخاری و مسلم ہی کی دوسری حدیث حضرت انسؓ و حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے۔ اس میں حضور علیہ السلام نے فرمایا جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم (یعنی مقتدی) ربنا لک الحمد کہو۔ اس حدیث میں حضورؐ نے امام و منفرد کے درمیان تقسیم فرما دی اور قسمت منافی اشتراک ہے یعنی اگر امام بھی دونوں جملے کہے تو تقسیم نہ رہے گی۔ لہٰذا بہتر یہی ہے کہ امام صرف سمع اللہ لمن حمدہ کہے۔ مزید تفصیل کے لیے فیوض الباری پارہ سوم صفحہ ۲۳۹ ملاحظہ فرمائیے!

بَابُ رَفْعِ الْيَدَيْنِ إِذَا كَبَّرَ وَإِذَا رَكَعَ وَإِذَا رَفَعَ

باب تکبیر تحریمہ کے وقت اور رکوع میں جانے اور رکوع سے اُٹھتے وقت رفع الیدین کرنا

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ فِي الصَّلٰوةِ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى تَكُونَا حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ وَكَانَ يَفْعَلُ ذٰلِكَ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ وَيَقُولُ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ وَلَا يَفْعَلُ ذٰلِكَ فِي السُّجُودِ۔

حضرت عبد اللہ بن عمر سے مروی ہے۔ انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب آپ نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے یہاں تک کہ دونوں آپ کے کندھوں کے برابر ہو جاتے اور جب رکوع میں جانے کے لیے تکبیر کہتے۔ تب بھی اسی طرح رفع الیدین کرتے اور جب آپ رکوع سے سر اٹھاتے تب بھی ایسا ہی کرتے اور فرماتے سمع اللہ لمن حمدہ اور آپ سجدوں کے بیچ میں رفع الیدین نہ کرتے۔

عَنْ أَبِي قِلَابَةَ أَنَّهُ رَأَى مَالِكَ بْنَ الْحُوَيْرِثِ إِذَا صَلّٰى كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ وَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَرْكَعَ رَفَعَ يَدَيْهِ وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ رَفَعَ يَدَيْهِ وَحَدَّثَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَنَعَ هٰكَذَا۔

حضرت ابوقلابہ سے مروی ہے کہ انہوں نے (صحابی رسول) مالک بن حویرث کو دیکھا۔ جب وہ نماز شروع کرتے تو اللہ اکبر کہتے اور دونوں ہاتھ اٹھاتے اور جب رکوع میں جانے کا ارادہ کرتے تو بھی اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو بھی رفع الیدین کرتے اور بیان کرتے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بھی اسی طرح کرتے تھے۔

فوائد و مسائل ان احادیث سے امام بخاری علیہ الرحمۃ نے یہ واضح کیا ہے کہ حضور علیہ السلام جب نماز شروع فرماتے تو ہاتھ اٹھاتے۔ اسی طرح جب رکوع میں جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے تو بھی رفع الیدین فرماتے اور آپ سجدہ میں جاتے وقت اور سجدہ سے اُٹھتے وقت رفع الیدین نہیں کرتے تھے۔

حاشیہ: [۱] حدیث وائل بن حجر کے الفاظ یہ ہیں۔ قال قدمنا المدینۃ فوجدتھم یرفعون ایدیھم الی الاذنین ثم قدمت علیھم من القابل وعلیھم الاکسیۃ والبرانس من شدۃ البرد یرفعون ایدیھم الی المناکب۔

مسئلہ رفع یدین

واضح ہو کہ تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کرنے پر اجماع ہے لیکن رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھاتے وقت رفع یدین کرنے کے متعلق اختلاف ہے۔ حضرت امام شافعیؒ و احمدؒ و اسحٰقؒ و ابو ثورؒ و ابن جریر طبریؒ و مالکؒ و حسن بصریؒ و ابن سیرینؒ و عطاء بن ابی رباحؒ و طاؤسؒ و مجاہدؒ و قاسم بن محمدؒ و سالمؒ و قتادہؒ و مکحولؒ و سعید بن جبیرؒ و عبد اللہ بن مبارکؒ و سفیان بن عیینہ رضی اللہ تعالےٰ عنہم۔ رفع یدین کے قائل ہیں اور ان حضرات کی دلیل وہ احادیث ہیں۔ جن میں متعدد صحابہ کرامؓ یہ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے رکوع میں جانے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین فرمایا (جیسے زیرِ عنوان حدیثوں میں مذکور ہے)۔ احناف کا جواب یہ ہے کہ ہمیں تسلیم ہے کہ حضور علیہ السلام اور صحابہ کرامؓ نے رفع یدین کیا لیکن صرف کرنے کا نہیں ہے بلکہ یہ ہے کہ کیا حضورؐ نے رفع یدین کو ہمیشہ کے لیے باقی رکھا؛ تو جہاں تک دوام کا تعلق ہے۔ اس سے بات واضح ہو جاتی ہے کہ ابتداء میں رفع یدین کیا جاتا تھا۔ مگر اس کے بعد منسوخ ہو گیا اور وہ احادیث جو قائلین رفع یدین پیش کرتے ہیں ان میں اسی منسوخ عمل کا ذکر ہے۔

ثانیاً۔ یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ رفع یدین کے متعلق حضور علیہ السلام کی کوئی قولی حدیث نہیں، جتنی ملتی ہیں وہ سب کی سب فعلی ہیں لیکن رفع یدین کی ممانعت پر قولی و فعلی دونوں طرح کی حدیثیں ملتی ہیں اور حضورؐ نے اپنے قول و عمل سے بڑی وضاحت کے ساتھ رفع یدین کا ضابطہ بتایا ہے کہ اتنے مقامات پر رفع یدین ہونی چاہیئے اور اس میں رکوع اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کا ذکر نہیں ہے۔ جس کی وجہ سے رفع یدین کی اہمیت اور کم ہو جاتی ہے —— واضح ہو کہ رفع یدین کی جائے یا نہ کی جائے۔ یہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے۔ جس پر اکھاڑے قائم کئے جائیں اور ایک دوسرے پر زبانِ طعن دراز کی جائے۔ یہ ایک فروعی مسئلہ ہے اور فروعات میں غلو و تشدد جائز نہیں ہے۔ امام اعظم علیہ الرحمۃ کی تحقیق یہ ہے کہ رفع یدین منسوخ ہے۔

دلائلِ نسخ

۱۔ عن جابر بن سمرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رأی حوما رفعوا ایدیہم فقال قد رفعوا ایدیہم کانہا اذناب خیل شمس اسکنوا فی الصلوٰۃ (ابوداؤد)

حضرت جابر بن سمرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ وہ ہاتھ اٹھاتے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا یہ ہاتھ اٹھاتے ہیں۔ گویا یہ سرکش گھوڑوں کی دُمیں ہیں۔ نماز میں سکون کرو۔

۲۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ حضور علیہ السلام نے صحابہ کرامؓ کو نماز میں رفع یدین کرتے ہوئے دیکھا اور منع فرمایا۔ جس سے ثابت ہوا کہ رفع یدین سنت نہیں بلکہ منسوخ ہے۔ لیکن اس موقع پر کہا جاتا ہے کہ ان دونوں حدیثوں سے رکوع میں جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت جو رفع یدین کی جاتی ہے اس کی ممانعت نہیں کی گئی۔ بلکہ بوقت سلام جو رفع یدین کی جاتی ہے اس کی ممانعت فرمائی گئی ہے۔ چنانچہ حضرت جابر ابن سمرہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں۔

سلام والی حدیث

صَلَّیْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَکُنَّا اِذَا سَلَّمْنَا قُلْنَا بِاَیْدِیْنَا اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ فَنَظَرَ اِلَیْنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ مَاشَانُکُمْ تُشِیْرُوْنَ بِاَیْدِیْکُمْ کَاَنَّہَا اَذْنَابُ خَیْلٍ شُمُسٍ اِذَا سَلَّمَ

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی۔ ہم ایسا کیا کرتے تھے کہ جب سلام پھیرتے تو السلام علیکم کہتے وقت ہاتھوں سے اشارہ کرتے تھے۔ پس ہماری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا اور فرمایا۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم ہاتھوں سے اشارہ کرتے ہو جیسے سرکش گھوڑوں کی دُمیں ہل رہی ہوں۔ دیکھو جب تم میں سے کوئی شخص سلام پھیرے

أَحَدُكُمْ فَلْيَلْتَفِتْ إِلَىٰ صَاحِبِهِ وَلَا يُومِئْ بِيَدِهٖ۔

تو اپنے برابر والے کی طرف رخ کرے اور ہاتھ سے اشارہ نہ کرے۔

ایک دوسری روایت کا ٹکڑا ہے۔

ب۔ إِنَّمَا يَكْفِي أَحَدَكُمْ أَنْ يَضَعَ يَدَيْهِ عَلَىٰ فَخِذَيْهِ ثُمَّ يُسَلِّمُ عَلَىٰ أَخِيهِ مَنْ عَلَىٰ يَمِينِهِ وَشِمَالِهِ۔

یہ بات کافی ہے ہر ایک کے لیے کہ اپنے دونوں ہاتھ رانوں پر رکھے پھر سلام پھیرے دائیں ہاتھ والے بھائی کی طرف اور اپنے بائیں ہاتھ والے کی طرف۔

ایک حدیث دوسری حدیث کی تفسیر ہوتی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ حضور علیہ السلام نے جس رفع یدین کو منع فرمایا ہے۔ وہ یہ ہے کہ جو لوگ سلام پھیرتے وقت ہاتھوں کا اٹھا کر اشارہ کرتے تھے ۔ لیکن یہ جواب نہیں بلکہ محض ایک مغالطہ ہے۔

ہمیں یہ تسلیم ہے کہ ان دونوں حدیثوں میں جن پر ہم نے (الف و ب) کا نشان دیا ہے، جنگ بوقت سلام لوگ جو ہاتھ اٹھاتے تھے ان کی ممانعت کی گئی ہے لیکن جو حدیثیں احناف پیش کرتے ہیں وہ سلام کے وقت رفع یدین کے متعلق ہے ہی نہیں بلکہ وہ تو نماز میں رفع یدین کی ممانعت کے متعلق ہیں۔ چنانچہ ہم وہ دونوں حدیثیں دوبارہ پیش کرتے ہیں۔ بغور پڑھیے۔ حضرت جابر بن سمرہ فرماتے ہیں۔

رفع یدین کی ممانعت والی حدیث

۱۔ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَالِيْ أَرَاكُمْ رَافِعِي أَيْدِيكُمْ كَأَنَّهَا أَذْنَابُ خَيْلٍ شُمُسٍ اُسْكُنُوْا فِي الصَّلٰوةِ ۔ (مسلم۔ ابوداؤد۔ نسائی۔ ترمذی)

فرمایا کہ حضور تشریف لائے (اور ہمیں رفع یدین کرتے ہوئے پاکر) فرمایا کہ مجھے کیا ہوگیا کہ میں تمہیں اس طرح رفع یدین کرتے ہوئے پاتا ہوں۔ جیسے گھوڑوں کی دمیں ہلتی ہیں تو نماز میں سکون کرو۔ (رفع یدین نہ کیا کرو)۔

اور اس حدیث کی تشریح میں حسب ذیل احادیث ہیں:۔

۲۔ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ رَافِعُوْا أَيْدِيْنَا فِي الصَّلٰوةِ فَقَالَ مَا بَالُهُمْ رَافِعِيْنَ أَيْدِيَهُمْ فِي الصَّلٰوةِ كَأَنَّهَا أَذْنَابُ خَيْلٍ شُمُسٍ اُسْكُنُوْا فِي الصَّلٰوةِ (نسائی، ابوداؤد، مسلم)

حضرت جابر بن سمرہ فرماتے ہیں کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم ہم پر تشریف لائے کہ ہم نماز میں رفع یدین کر رہے تھے۔ آپ نے فرمایا کیا ہوگیا۔ ان کو کہ نماز میں رفع یدین کرتے ہیں جیسے گھوڑوں کی دمیں ہلتی ہیں۔ تم نماز میں سکون کرو (رفع یدین نہ کیا کرو)

اور نسائی میں ہے۔

وَحِيْنَ رَاٰى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُمْ يَرْفَعُوْنَ أَيْدِيَهُمْ فِي الصَّلٰوةِ عِنْدَ الرُّكُوْعِ وَعِنْدَ رَفْعِ الرَّاْسِ فَقَالَ مَالِيْ أَرَاكُمْ رَافِعِيْ أَيْدِيكُمْ كَأَنَّهَا أَذْنَابُ خَيْلٍ شُمُسٍ فَاسْكُنُوْا فِي الصَّلٰوةِ (نسائی)

جب دیکھا نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ رفع یدین کرتے ہیں نماز میں رکوع کے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت اس پر حضور نے فرمایا۔ انھیں کیا ہوگیا ہے کہ نماز میں رفع یدین کرتے ہیں جیسے گھوڑوں کی دمیں ہلتی ہیں۔ تم نماز میں سکون کرو۔

اب سلام والی اور رفع یدین کی ممانعت والی حدیثوں پر غور کیجئے کہ یہ دونوں ایک ہی موقع کی اور ایک ہی حکم رکھتی ہیں۔ یا ان کا مفہوم اور حکم جدا جدا ہے :

سلام والی حدیث میں ہے ۔ صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی اور رفع یدین کی ممانعت والی حدیث میں ہے " خَرَجَ علینا رسول اللہ علیہ وسلم فرأنا رافعی ایدینا فی الصلوٰۃ " ہم نماز میں رفع یدین کر رہے تھے کہ حضور تشریف لائے (یعنی ہم علیحدہ علیحدہ نماز پڑھ رہے تھے اور اس نماز میں رفع یدین کر رہے تھے کہ حضور باہر سے تشریف لائے ؛

سلام والی حدیث میں ہے کہ " فکنا اذا سلمنا قلنا بایدینا السلام علیکم " (ہم ایسا کیا کرتے تھے کہ جب سلام پھیرتے تو السلام علیکم کہتے وقت ہاتھ سے اشارہ کرتے تھے۔

اور رفع یدین کی ممانعت والی حدیث میں ہے ۔ فقال ما لی اراکم رافعی ایدیکم فی الصلوٰۃ کانھا اذناب خیل شمس ۔" (باہر سے حضور تشریف لائے اور فرمایا کیا ہو گیا ان کو کہ وہ نماز میں رفع یدین کرتے ہیں۔ جیسے سرکش گھوڑوں کی دمیں ہل رہی ہوں ۔

سلام والی حدیث میں ہے ۔ فنظر الینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ما شانکم تشیرون بایدیکم کانھا اذناب خیل شمس " (یعنی ہم حضور کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے اسی وقت حضور نے ہماری طرف دیکھا اور فرمایا کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے ۔ تشیرون بایدیکم (کہ تم ہاتھوں سے اشارہ کرتے ہو جیسے سرکش گھوڑوں کی دمیں ہل رہی ہوں !۔

اور رفع یدین کی ممانعت والی حدیث میں ہے ۔ " اُسکنوا فی الصلوٰۃ " نماز میں تم سکون کرو (یعنی رفع یدین نہ کرو)

سلام والی حدیث میں ہے ۔ اذا سلم احدکم فلیلتفت الی صاحبہ ولا یومی بیدہ ۔

اور ایک روایت میں ہے ۔ انما یکفی احدکم ان یضع یدیہ علی فخذیہ ثم یسلم علی اخیہ من علی یمینہ و شمالہ ۔ کہ جب تم میں سے کوئی سلام پھیرے تو اپنے ساتھی کی طرف متوجہ ہو کر السلام علیکم کہے اور ہاتھ سے اشارہ نہ کرے ۔ تمہارے لیے یہ کافی ہے کہ اپنے ہاتھ رانوں پر رکھو ۔ پھر سلام پھیرو پہلے اپنے دائیں والے بھائی پر اور پھر بائیں والے بھائی پر۔

اور رفع یدین کی ممانعت والی حدیث میں " اُسکنوا فی الصلوٰۃ " ہے کہ تم نماز میں رفع یدین مت کرو بلکہ سکون سے رہو۔ غرضیکہ انصاف و دیانت کے ساتھ دونوں حدیثوں پر غور کرنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ دونوں حدیثیں علیحدہ علیحدہ موقع کی ہیں ۔ دونوں مختلف واقعوں کے متعلق ہیں ۔ اس لیے یہ کہنا درست نہیں ہے کہ رفع یدین کی ممانعت والی حدیث میں بوقت سلام رفع یدین کرنے کی ممانعت ہے کیونکہ اوپر کی تفصیل سے ظاہر ہے کہ وہ حدیث جس میں بوقت سلام اشارہ کرنے کی ممانعت ہے وہ الگ ایک حدیث ہے اور اس میں نماز کے اندر رفع یدین کا ذکر تک نہیں ہے ۔ بلکہ سلام کے وقت اشارہ کرنے سے منع کیا گیا ہے اور سلام سے خروج عن الصلوٰۃ ہوتا ہے ۔ یعنی سلام پھیرنے سے آدمی نماز سے خارج ہوتا ہے اور رفع یدین کی ممانعت والی حدیث میں اس رفع یدین سے ممانعت کی گئی ہے جو نماز کے اندر کی جاتی تھی ۔ جس پر (رافعوا ایدینا فی الصلوٰۃ) (اسکنوا فی الصلوٰۃ ۔ کے الفاظ نص صریح ہیں ۔ غرضیکہ اس تشریح سے آفتاب نیمروز کی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ رفع یدین کی

سنت والی حدیث میں اس رفع یدین کی مخالفت کی گئی ہے جو رکوع کو جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت کی جاتی تھی۔ لہٰذا واضح ہوا کہ رفع یدین کا حکم منسوخ ہے۔

چنانچہ عینی نے عبداللہ بن زبیر سے روایت کی۔

(۱) انہ رأی رجلا یرفع یدیہ فی الصلوٰۃ عند الرکوع وعند رفع راسہ من الرکوع فقال لہ لا تفعل فان ھذا شئ فعلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم ترکہ (عینی ج ۳ ص ۸)

کہ آپ نے ایک شخص کو رکوع جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت ہاتھ اٹھاتے دیکھا۔ تو فرمایا ایسا نہ کیا کر۔ کیونکہ یہ وہ کام ہے جو حضور نے پہلے کیا تھا پھر چھوڑ دیا۔

دار قطنی نے ابن مسعود سے روایت کی۔

(۲) قال صلیت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومع ابی بکر وعمر فلم یرفعوا ایدیھم الا عند التکبیرۃ الاولٰی فی افتتاح الصلوٰۃ (دار قطنی ص ۱۱۳)

کہ میں نے حضور علیہ السلام اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ نمازیں پڑھیں۔ ان حضرات نے شروع تکبیر اولیٰ کے سوا کسی اور جگہ ہاتھ نہیں اٹھائے۔

طحاوی و ابن ابی شیبہ نے حضرت مجاہد سے روایت کی۔

(۳) قال صلیت خلف ابن عمر فلم یکن یرفع یدیہ الا فی التکبیرۃ الاولٰی من الصلوٰۃ

کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر کے پیچھے نماز پڑھی تو آپ نے نماز میں پہلی تکبیر کے سوا کسی اور جگہ ہاتھ نہیں اٹھائے۔

طحاوی نے حضرت اسود سے روایت کی۔

(۴) قال رأیت عمر بن خطاب رفع یدیہ فی اول التکبیر ثم لا یعود (بیہقی)

کہ میں نے دیکھا کہ حضرت عمر بن الخطاب نے صرف پہلی تکبیر میں ہاتھ اٹھائے پھر نہیں۔

امام محمد بسند صحیح عاصم بن کلیب سے وہ اپنے باپ سے روایت کرتے کہ

(۵) ان علیا کان یرفع یدیہ اذا افتتح الصلوٰۃ ثم لا یعود

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم شروع نماز میں رفع یدین کرتے تھے پھر باقی نماز میں نہیں۔

امام بیہقی نے کہا کہ مجاہد سے مروی ہے۔

(۶) قال خدمت ابن عمر عشر سنین فلم ارہ یرفع یدیہ فی شئ من صلوٰۃ الا فی التکبیرۃ الاولٰی (رد المحتار ص ۱۱۹)

انہوں نے کہا میں نے ابن عمر کی دس برس تک خدمت کی تو میں نے ان کو نماز میں سوائے پہلی تکبیر کے کسی اور جگہ رفع یدین کرتے نہیں دیکھا۔

(۷) وعن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان العشرۃ المبشرۃ ما کانوا یرفعون ایدیھم الا فی افتتاح الصلوٰۃ (بدائع، بنایہ وکفایہ) (عینی ج ۳)

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ عشرہ مبشرہ رفع یدین نہیں کرتے تھے مگر شروع نماز میں۔

ان احادیث و آثار سے واضح ہوا کہ رفع یدین سنت یا فرض نہیں ہے اور رکوع کو جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کرنا منسوخ ہے یہی وجہ ہے۔ سیدنا صدیق اکبر و فاروق اعظم و علی مرتضیٰ و ابن عمر و عشرہ مبشرہ و دیگر صحابہ کرام و تابعین عظام نے رفع یدین کو ترک کر دیا۔ نیز اس سلسلہ کی چند حدیثیں یہ بھی ہیں۔

ممانعت رفع یدین کی حدیثیں

حدیث ۱۰۲ ترمذی اور ابوداؤد ۔ نسائی و ابن ابی شیبہ نے حضرت علقمہ سے روایت کی۔

قال قال لنا ابن مسعود الا اصلی بکم صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فصلی فلم یرفع یدیہ الا مرۃ واحدۃ مع تکبیر الافتتاح وقال ترمذی ھذا حدیث حسن۔

کہ ایک دفعہ حضرت عبداللہ ابن مسعود نے فرمایا میں تم کو حضور کی نماز پڑھ کر دکھاؤں پس آپ نے نماز پڑھی۔ اس میں سوائے تحریمہ کے اور کہیں ہاتھ نہیں اٹھاتے۔

اس حدیث کے سب راوی ثقہ ہیں۔ ابن حزم نے اس کو صحیح کہا ہے۔ بعض محدثین نے عاصم بن کلیب پر کچھ کلام کیا لیکن صحیح یہ ہے کہ وہ ثقہ ہیں۔ نسائی و یحییٰ بن معین نے ان کو ثقہ قرار دیا۔ امام مسلم نے ان سے روایت لی۔ ابن حبان نے ثقات میں شمار کیا۔ ابوحاتم نے انہیں صالح کہا (ملاحظہ فیض الباری)

حدیث ۱۰۳ امام طحاوی نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ کان یرفع یدیہ فی اول تکبیرۃ ثم لا یعود

وہ حضور سے روایت کرتے کہ آپ پہلی تکبیر میں ہاتھ اٹھاتے تھے پھر کبھی نہیں اٹھاتے۔

حدیث ۱۰۴ ابوداؤد نے حضرت براء ابن عازب سے روایت کی کہ

قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یرفع یدیہ حین افتتح الصلوٰۃ ثم لم یرفعھما حتی انصرف

میں نے حضور علیہ السلام کو دیکھا کہ جب آپ نے نماز شروع کی تو دونوں ہاتھ اٹھائے۔ پھر نماز سے فارغ ہونے تک نہ اٹھائے۔

ابن ابی شیبہ نے بھی حضرت براء سے اسی مضمون کی حدیث روایت کی۔

حدیث ۱۰۵ حاکم و بیہقی نے حضرت ابن عباس و ابن عمر سے روایت کیا۔

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا ترفع الایدی الا فی سبع مواطن عند افتتاح الصلوٰۃ واستقبال القبلۃ والصفا والمروۃ والموقفین والجمرتین۔

کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا سات جگہ ہاتھ اٹھائے جائیں نماز شروع کرتے وقت کعبہ کے سامنے منہ کرتے وقت صفا و مروہ پہاڑ پر دو موقف منی و مزدلفہ اور جمروں کے سامنے۔

اسی مضمون کی حدیث بزار نے حضرت ابن عمر ، ابن ابی شیبہ نے ابن عباس سے بیہقی نے ابن عباس سے ۔ طبرانی و بخاری نے کتاب المفرد میں ابن عباس سے بھی روایت کی ہے —— اس حدیث میں رفع یدین کا ایک ضابطہ بتادیا گیا کہ صرف سات مواقع ہیں جہاں رفع یدین کی جائے اور اس میں سے ایک مقام نماز میں پہلی تکبیر کے وقت ہے۔ اس کے علاوہ نماز میں کہیں بھی رفع یدین مشروع نہیں ہے۔

حدیث ۱۰۶ بیہقی و طحاوی نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

انہ کان یرفع یدیہ فی التکبیرۃ الاولیٰ من الصلوٰۃ ثم لا یرفع فی شئی

کہ آپ نماز میں پہلی تکبیر پر ہاتھ اٹھاتے تھے۔ پھر کسی موقع پر ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔

حدیث ۱۰۷ ابوداؤد نے حضرت براء سے روایت کی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا افتتح الصلوٰۃ رفع یدیہ الی قریب من اذنیہ ثم لا یعود

کہ حضور علیہ السلام جب نماز شروع فرماتے تو کانوں کے قریب تک ہاتھ اٹھاتے پھر ایسا نہیں کرتے۔

بطور نمونہ یہ چند حدیثیں پیش کی گئیں۔ جن میں قولی و فعلی دونوں طرح کی حدیثیں موجود ہیں اور جن سے آفتاب نیمروز کی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ رفع یدین اب مشروع نہیں ہے جو احناف کا مسلک ہے بحمدہ تعالیٰ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔

بَابُ اِلٰی اَیْنَ یَرْفَعُ یَدَیْہِ

باب بوقت تکبیر تحریمہ ہاتھوں کو کہاں تک اٹھایا جائے۔

اس عنوان کے تحت امام نے حدیث ابن عمر لکھی ہے۔ جس میں یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے بوقت تحریمہ دونوں مونڈھوں تک ہاتھ اٹھائے۔ یہی مضمون کی حدیث باب رفع الیدین فی التکبیر میں گذر چکی ہے اور وہاں ہم اس مسئلہ پر مفصل بحث کر چکے ہیں۔ نزہۃ القاری پارہ سوم ص ۳۰ دیکھئے۔

بَابُ رَفْعِ الْیَدَیْنِ اِذَا قَامَ مِنَ الرَّکْعَتَیْنِ

عَنْ نَافِعٍ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ کَانَ اِذَا دَخَلَ فِی الصَّلٰوۃِ کَبَّرَ وَرَفَعَ یَدَیْہِ وَاِذَا رَکَعَ رَفَعَ یَدَیْہِ وَ اِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ رَفَعَ یَدَیْہِ وَ اِذَا قَامَ مِنَ الرَّکْعَتَیْنِ رَفَعَ یَدَیْہِ وَرَفَعَ ذٰلِکَ ابْنُ عُمَرَ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔

باب دو رکعت پڑھ کر اٹھنے پر رفع یدین کرنے کے متعلق

حضرت نافع سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر جب نماز میں داخل ہوتے تو اللہ اکبر کہتے اور دونوں ہاتھ اٹھاتے اور جب رکوع میں جاتے تب بھی رفع یدین کرتے اور جب سمع اللہ لمن حمدہ کہتے تب بھی رفع الیدین کرتے۔ اور جب دو رکعتیں پڑھ کر اٹھتے تب بھی رفع یدین کرتے اور حضرت عبداللہ بن عمر نے اس کو نبی صلے اللہ علیہ وسلم تک پہنچایا۔

فوائد و مسائل حضرت ابن عمر دو رکعت کے بعد تشہد پڑھ کر جب تیسری رکعت کے لئے اٹھتے تو بھی رفع یدین کرتے امام طحاوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ حضرت مجاہد کی روایت یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر صرف تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے۔ تو دونوں حدیثوں میں جمع کی صورت یہ ہے کہ سیدنا ابن عمر کو جب تک رفع یدین کے منسوخ ہونے کا علم نہ تھا اس وقت تک وہ رفع یدین کرتے تھے لیکن جب آپ کو نسخ کی تحقیق ہو گئی تو رفع یدین چھوڑ دی اور پھر آپ نے صرف وقت تکبیر تحریمہ رفع یدین پر اکتفا کیا جیسا کہ روایت مجاہد سے واضح ہے۔

بَابُ وَضْعِ الْیُمْنٰی عَلَی الْیُسْرٰی فِی الصَّلٰوۃِ

عَنْ سَھْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ کَانَ النَّاسُ یُؤْمَرُوْنَ اَنْ یَّضَعَ الرَّجُلُ الْیَدَ الْیُمْنٰی عَلٰی ذِرَاعِہِ الْیُسْرٰی فِی الصَّلٰوۃِ (بخاری)

باب نماز میں داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھنا

حضرت سہل بن سعد سے مروی ہے۔ انہوں نے کہا کہ لوگوں کو یہ حکم دیا جاتا تھا کہ نماز میں ہر مرد اپنا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھے۔

بوقت قیام ہاتھ باندھنے اور ناف کے نیچے باندھنے کی بحث

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ بحالت قیام ہاتھ باندھنے چاہئیں۔ اور ضابطہ اس کا یہ ہے کہ نماز کا (۱) وہ قیام جس میں ذکر مسنون ہو۔ وہاں ہاتھ باندھے جائیں۔ اور جہاں ذکر نہ ہو وہاں ہاتھ نہ باندھے جائیں جیسے تکبیرات عیدین وغیرہ (۲) بوقت قیام نماز میں ہاتھ باندھنے پر جمہور علماء کا اتفاق ہے۔ چنانچہ سیدنا ابوبکر صدیق۔ علی مرتضیٰ۔ عائشہ صدیقہ۔ حضرت ابوہریرہ۔ سعید بن جبیر اور

ابو ثور، ابی عبید، ابن جریر، داؤد، عامہ اہل علم جمہور علماء کا یہی قول ہے (۱) ہاتھ باندھنے کا طریقہ یہ ہے کہ داہنا ہاتھ ناف کے نیچے ہاتھ باندھیں۔ یوں کہ داہنی ہتھیلی کی گدی بائیں کلائی کے سرے پر ہو۔ اور بیچ کی تین انگلیاں بائیں کلائی کی پشت پر ہوں انگوٹھا اور چھنگلیا کلائی کے اغل بغل ہو ــــ اس سلسلہ کی چند حدیثیں یہ ہیں۔

حدیث اول امام ابو بکر بن ابی شیبہ جو امام بخاری و مسلم کے استاذ ہیں انہوں نے اپنے مصنف میں با اسناد روایت کیا۔

یزید بن هارون قال انا الحجاج بن حسان قال سمعت ابا مجلز او سألته قلت کیف یضع قال یضع باطن کف یمینه علی ظاهر کف شماله ویجعلهما اسفل من السرة

یزید بن ہارون نے انہوں نے حجاج بن حسان نے مجھ سے سنایا سوال کیا کہ نماز میں ہاتھ کیسے باندھیں تو انہوں نے فرمایا۔ سیدھے ہاتھ کی ہتھیلی کو بائیں ہاتھ کی پشت پر رکھے ناف کے نیچے۔

حدیث دوم جسے امام احمد بن حنبل نے روایت کیا۔

عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنه قال من السنة فی الصلاة وضع الاکف علی الاکف تحت السرة

حضرت علی نے فرمایا کہ ہاتھوں کا ہاتھوں کے اوپر ناف کے نیچے رکھنا نماز کی سنتوں سے ہے۔

حدیث سوم جسے امام ابو داؤد نے روایت کیا کہ حضرت علی نے فرمایا۔

السنة وضع الکف علی الکف فی الصلاة تحت السرة (ابو داؤد ج ۱ صـ ۱۰۹)

کہ ہاتھ پر ہاتھ رکھنا نماز میں ناف کے نیچے سنت ہے۔

اسی مضمون کی حدیث ابن شاہین و دار قطنی و بیہقی و رزین نے بھی حضرت علی سے روایت کی ــــ واضح ہو کہ کوئی صحابی بلا اختلاف جب یہ فرمائیں کہ "السنۃ کذا" یا "من السنۃ" تو اس سے مراد سنت نبوی ہوتی ہے اور وہ حدیث مرفوع قرار پاتی ہے۔ چنانچہ علامہ علی قاری علیہ الرحمۃ نے فرمایا۔

الصحابی اذا قال السنة یحمل علی سنة النبی صلی اللہ علیه وسلم (کشف الغطاء فی شرح الموطا)

کہ جب صحابی یہ کہے "السنۃ" تو اس کو سنت نبی پر محمول کیا جائے گا۔

علامہ نووی علیہ الرحمہ نے بھی تصریح فرمائی کہ فن حدیث کے جمہور علماء کا یہی مسلک ہے۔ چنانچہ ان کے الفاظ یہ ہیں۔ اذا قال الصحابی امرنا بکذا او نهینا عن کذا او من السنة کذا فکله مرفوع علی المذهب الصحیح المشهور قاله الجماهیر من اصحاب الفنون ــــ اسی لئے علامہ عینی و طحاوی و علامہ سندی کو محدث نے اسی مقام پر لکھا۔

لان قول علی رضی اللہ عنه ان من السنة هذا اللفظ یدخل فی المرفوع عندهم وقال عبد البر اذا اطلق الصحابی اسم السنة فالمراد به سنة النبی صلی اللہ علیه وسلم (صفحہ ۲۲)

کہ حضرت علی کا یہ فرمانا ان من السنۃ یہ لفظ محدثین کے نزدیک حدیث مرفوع کے حکم میں ہے اور علامہ ابن عبد البر نے فرمایا کہ جب صحابی اسم سنت کو مطلق بولے اس سے سنت نبوی مراد ہوتی ہے (لہٰذا مذکورہ بالا مرفوع حدیث کے حکم میں ہے)

حدیث چہارم جسے ابن ابی شیبہ نے بسند صحیح وائل بن حجر سے روایت کی انہوں نے فرمایا

رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وضع یمینہ علی شمالہ تحت السرۃ۔

میں نے حضور علیہ السلام کو دیکھا آپ نے اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھا۔

حدیث پنجم جسے ابن حزم نے حضرت انس سے روایت کیا۔

من اخلاق النبوۃ وضع الیمین علی الشمال تحت السرۃ

انہوں نے فرمایا دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھنا نبوت کے اخلاق سے ہے۔

حدیث ششم امام احمد و مسلم نے حضرت وائل سے روایت کی کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لئے کھڑے ہوئے۔ آپ نے تکبیر کہی پھر اپنے ہاتھ کپڑے کے اندر کرلئے۔

ثم وضع الیمنی علی الیسریٰ (مسلم)

اور اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھا۔

اسی مضمون کی حدیث ابوداؤد و نسائی و ابن ماجہ نے حضرت ابن مسعود سے بھی روایت کی ہے۔ دیکھو ابوداؤد ص۱۰۴

ان آثار و احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا سنت ہے۔

بَابُ الْخُشُوْعِ فِی الصَّلٰوۃِ

باب نماز میں خشوع کا بیان

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا

هَلْ تَرَوْنَ قِبْلَتِیْ هٰهُنَا فَوَاللّٰهِ مَا یَخْفٰی عَلَیَّ رُكُوْعُكُمْ وَلَا خُشُوْعُكُمْ وَاِنِّیْ لَاَرَاكُمْ وَرَاءَ ظَهْرِیْ (بخاری)

کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ میرا قبلہ یہ ہی ہے۔ بخدا مجھ پر تمہارے رکوع اور خشوع پوشیدہ نہیں اور میں انہیں پس پشت بھی دیکھتا ہوں۔

حضرت انس سے روایت ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

اَقِیْمُوا الرُّكُوْعَ وَالسُّجُوْدَ فَوَاللّٰهِ اِنِّیْ لَاَرَاكُمْ مِنْ بَعْدِیْ وَرُبَّمَا قَالَ مِنْ بَعْدِ ظَهْرِیْ اِذَا رَكَعْتُمْ وَسَجَدْتُمْ

رکوع اور سجدہ صحیح طریقے سے کرو۔ بخدا میں تم کو اپنے پیچھے یا پیٹھ کے پیچھے سے دیکھتا ہوں۔ جبکہ تم رکوع اور سجدہ کرتے ہو۔

فوائد و مسائل هل ترون استفہام انکاری ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تم یہ خیال نہ کرنا کہ میری رویت صرف سمت قبلہ تک محدود ہے، بلکہ میرا حال تو یہ ہے۔ جیسے سامنے کی چیزیں مجھے نظر آتی ہیں۔ اسی طرح پیچھے کی اشیاء بھی میری نظروں کے سامنے ہوتی ہیں۔ یہ حضور علیہ السلام کی خصوصیت تھی کیونکہ دیگر فوق وتحت سب آپ پر ظاہر و روشن تھے۔ بلکہ اندھیرا بھی آپ کے لئے حجاب نہیں بنتا تھا جیسا کہ حدیث عائشہ میں اس کی تصریح موجود ہے۔

: نماز میں رکوع و سجود کو اطمینان کے ساتھ ادا کرنا اور دل کو ماسواء سے دور رکھنا اور صرف اللہ عزوجل کی طرف متوجہ رہنا خشوع کا مطلب ہے۔ مستدرک میں حضرت علی سے مروی ہے۔ الخشوع فی القلب۔ خشوع دل میں ہوتا ہے جب نمازی کا دل اللہ عزوجل کی ہیبت و جلال سے لبریز ہوگا۔ تو اس کا اثر جوارح پر بھی مرتب ہوگا اور پھر نمازی سکون و اطمینان کے ساتھ ارکان نماز کو ادا کرے گا۔ قرآن مجید نے فرمایا قد افلح الذین هم فی صلاتهم خاشعون۔ لہٰذا ترک خشوع کمال نماز کے منافی ہے (۲) اقیموا الرکوع اس سے معلوم ہوکر تعدیل ارکان، رکوع و سجدہ کو پورا کرنا واجب ہے۔ رکوع و سجدہ و قومہ و جلسہ میں کم از کم ایک بار سبحان اللہ کہنے کے قدر ٹھہرنا چاہیئے۔

بَابُ مَا يُقْرَأُ بَعْدَ التَّكْبِيرِ

(۱) عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ كَانُوا يَفْتَتِحُونَ الصَّلٰوةَ بِالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ (بخاری)

باب تکبیر تحریمہ کے بعد کیا پڑھا جائے

حضرت انس سے روایت ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما الحمد للہ رب العالمین سے قراۃ شروع فرماتے تھے۔

فوائد و مسائل

(۱) اس حدیث سے تکبیر تحریمہ کے بعد اعوذ و بسم اللہ پڑھنے کی نفی نہیں ہوتی کیونکہ مطلب حدیث یہ ہے کہ ۔ بسم اللہ جہر سے نہیں پڑھتے تھے۔ جیسا کہ اس سلسلہ کی دوسری حدیثوں سے واضح ہوتا ہے نیز حدیث مذکور میں صلوٰۃ سے مراد قراۃ ہے۔ یعنی حضور علیہ السلام اور صدیق و فاروق قرأت قرآن سورۂ فاتحہ سے شروع فرماتے تھے رہا نماز سورہ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ پڑھنا احادیث صحاح سے ثابت ہے اور حدیث زیر بحث سے یہی واضح ہوتا ہے کہ بسم اللہ آہستہ پڑھنی چاہیئے۔

بسم اللہ آہستہ پڑھنے کی بحث

حضرت انس سے ایک جماعت نے مختلف الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے۔ جس میں قتادہ و اسحٰق ابن عبداللہ و منصور بن زاذان و ایوب و ابو قلابہ و قیس ابن عبایۃ الحنفی و عائذ بن شریح و ثابت ابن اسلم و حمید الطویل و عمرو بن زرح بھی شامل ہیں جس کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) حدیث اسحٰق بن عبداللہ بن ابی طلحہ عن انس کو مسلم نے روایت کیا کہ میں نے حضور علیہ السلام حضرت ابوبکر و عمر کے پیچھے نماز پڑھی

فلم اسمع احداً منھم یجھر بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ (مسلم)

تو ان حضرات میں سے کسی کو میں نے بلند آواز سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھتے نہیں سنا

(۲) حدیث منصور عن انس کو نسائی نے روایت کیا۔ اس کے لفظ یہ ہیں۔

فلم یسمعنا قراءتھا (نسائی)

تو ہمیں کسی نے قرأت تسمیہ نہ سنائی

(۳) حدیث ایوب عن انس جسے امام شافعی۔ نسائی و ابن ماجہ نے روایت کیا کہ

قال صلیت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم و مع ابی بکر و عمر فافتتحوا بالحمد (نسائی و ابن ماجہ)

حضرت ایوب نے فرمایا کہ میں نے حضور علیہ السلام کے ساتھ اور حضرت ابوبکر کے ساتھ اور حضرت عمر کے ساتھ نماز پڑھی تو حضرات نے الحمد سے قرأت شروع فرمائی۔

(۴) حدیث ابی قلابہ کو بیہقی نے روایت کیا جس کے لفظ یہ ہیں۔

لا یجھرون یعنی لا یجھرون بھا (بیہقی)

کہ یہ حضرات بسم اللہ بلند آواز سے نہیں پڑھتے تھے۔

(۵) حدیث عائذ بن شریح کو دارقطنی نے اور حدیث حسن عن انس کو طبرانی نے روایت کیا۔ جس کے لفظ ہیں کان یسر بھا۔ بسم اللہ آہستہ پڑھتے تھے۔

(۶) حدیث ثابت عن انس کو بیہقی و طحاوی نے روایت کیا جس کے لفظ یہ ہیں۔

قال لم یکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا ابوبکر ولا عمر یجھرون ببِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حضرت انس نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام حضرت ابوبکر و عمر بسم اللہ جہر سے نہیں پڑھتے تھے۔

(۸) حدیث حمید عن انس کو طحاوی و بیہقی نے روایت کیا جس کے الفاظ یہ ہیں۔

قال صلیت وراء ابی بکر و عمر و عثمان فکانوا

کہ میں نے حضرت ابوبکر و عمر و عثمان کی اقتداء میں نماز پڑھی

یقرءون بیسم اللہ الرحمٰن الرحیم	یہ سب حضرات جہرے بسم اللہ نہیں پڑھتے تھے

(۹) حدیث محمد بن نوح عن انس کو طحاوی نے روایت کیا

قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابابکر وعمر یستفتحون القراۃ بالحمد للہ رب العالمین	حضرت انس نے کہا میں نے حضور علیہ السلام ابوبکر و عمر کو الحمد للہ سے قراۃ کی ابتدا کرتے سنا ہے۔

اسی طرح حضرت قتادہ سے ایک جماعت نے روایت کیا۔ شعبہ و ہشام و ابوعوانہ و ایوب و سعید بن ابی عروبہ اوزاعی۔ شیبان جس کی تفصیل یہ ہے۔

حضرت شعبہ عن قتادہ کو مسلم و بخاری نے روایت کیا حضرت انس فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام ابوبکر صدیق عمر و عثمان

یستفتحون القراۃ بالحمد للہ رب العالمین (ابوداؤد)	الحمد للہ سے قرات شروع فرماتے تھے۔

حدیث ہشام کو ترمذی و نسائی و ابن ماجہ نے روایت کیا اور کہا حدیث حسن ہے اس کا مضمون حدیث نمبر ۱ کا مضمون ہی ہے۔

روایت ایوب عن قتادہ کو نسائی و ابن ماجہ نے روایت کیا۔

روایت ابن ابی عروبہ عن قتادہ کو نسائی نے روایت کیا۔

روایت اوزاعی عن قتادہ کو مسلم نے روایت کیا۔

روایت شیبان عن قتادہ کو طحاوی نے روایت کیا جس کا مضمون یہ ہے کہ

حضرت انس فرماتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ السلام و صدیق اکبر و فاروق اعظم و عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی اقتداء میں نمازیں پڑھیں۔

فلم اسمع احدا منھم یقرء بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (بخاری، مسلم، احمد)	ان میں سے کسی کو نہ سنا کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھتے ہوں۔

نسائی، ابن حبان و طحاوی نے حضرت انس سے روایت کی کہ میں نے نبی علیہ السلام صدیق اکبر و فاروق اعظم و عثمان غنی کے

فلم اسمع احدا منھم یجھر ببسم اللہ الرحمٰن الرحیم	پیچھے نمازیں پڑھیں۔ ان حضرات میں سے کسی کو بسم اللہ بلند آواز سے پڑھتے نہ سنا۔

طبرانی نے کبیر میں، ابو نعیم نے حلیہ میں، ابن خزیمہ و طحاوی نے حضرت انس سے روایت کی

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم وابابکر وعمر کانوا یسرون ببسم اللہ الرحمٰن الرحیم	کہ بے شک نبی علیہ السلام و ابوبکر و عمر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم آہستہ پڑھا کرتے تھے۔

مسلم و ابوداؤد نے حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت کی۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یستفتح الصلوۃ بالتکبیر والقراۃ بالحمد للہ رب العالمین	کہ حضور علیہ السلام نماز تکبیر تحریمہ سے شروع فرماتے تھے اور قراۃ الحمد للہ رب العالمین الخ سے۔

مسلم میں حضرت انس سے روایت ہے۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم وابابکر وعمر و	کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر و عمر و عثمان

عثمان فکانوا یستفتحون القراءة بالحمد للہ رب العٰلمین لا یذکرون بسم اللہ الرحمٰن الرحیم فی اول القراءة ولا فی آخرھا۔

الحمد سے قراءۃ شروع فرماتے تھے۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہ قراءت کے شروع میں ذکر کرتے اور نہ قراءت کے آخر میں۔

(۲) عن انس قال صلیت خلف النبی صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر وعمر فلم اسمع احدًا منھم یجھر ببسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(مسلم شریف، بیہقی ج ۲ ص ۵۲)

حضرت انس فرماتے ہیں۔ میں نے حضور علیہ السلام صدیق اکبر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے پیچھے نماز پڑھی۔ ان میں سے کسی نے بسم اللہ بلند آواز سے نہیں کہی۔

ان تمام حدیثوں سے واضح ہوا کہ نماز میں سورہ فاتحہ کے اول بسم اللہ پڑھنا اور آہستہ پڑھنا سنت ہے۔ امام ثوری و سیدنا امام اعظم کا یہی مسلک ہے اور جن روایتوں میں بسم اللہ کا بلند آواز سے پڑھنا مروی ہے وہ ضعیف ہیں۔ علامہ عینی علیہ الرحمہ نے ان تمام روایتوں پر بحث کرکے اس امر کی تصریح کی ہے کہ روایات جہر تمام کی تمام ضعیف ہیں۔ صحاح و مسانید مشہورہ میں ان کا نام و نشان نہیں ہے اور قائلین جہر کے تمام دلائل کا بڑی تفصیل سے جواب دیا ہے دیکھو عینی ج ۴ ص ۲۸۲ تا ۳۰۰

(۳) حدثنا ابو ھریرۃ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یسکت بین التکبیر و بین القراءۃ اسکاتۃ قال احسبہ قال ھنیۃ فقلت بابی انت و امی یا رسول اللہ اسکاتک بین التکبیر و بین القراءۃ ما تقول قال اقول اللھم باعد بینی و بین خطایای کما باعدت بین المشرق والمغرب اللھم نقنی من الخطایا کما ینقی الثوب الابیض من الدنس اللھم اغسل خطایای بالماء والثلج والبرد۔

حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام قراءت اور تکبیر تحریمہ کے درمیان خاموش رہے۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ آپ تکبیر اور قراءت کے درمیان چپ ہو رہتے ہیں۔ تو اس میں کیا پڑھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا میں یہ دعا پڑھتا ہوں۔ اے اللہ! مجھ سے میری خطائیں اتنی دور کردے جیسے مشرق اور مغرب میں دوری ہے یا اللہ مجھ کو خطاؤں سے ایسا پاک صاف کردے جیسے سفید کپڑا میل کچیل سے صاف ہوجاتا ہے۔ یا اللہ! میری خطائیں پانی اور برف اور اولوں سے دھو ڈال۔

تکبیر تحریمہ کے بعد کونسی دعا پڑھے۔ واضح احادیث میں تکبیر تحریمہ کے بعد مختلف دعاؤں کا پڑھنا مروی ہے۔ صورت بالا میں اللھم باعد الخ مذکور ہے۔ دوسری حدیثوں میں انی وجھت وجھی للذی فطرنی الخ مذکور ہے اور بعض احادیث میں سبحانک اللھم مروی ہے۔ امام شافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔ کہ مختار یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ کے بعد وجھت الخ پڑھی جائے۔ دیگر علماء کہتے ہیں جونسی دعا چاہے پڑھے سنت ادا ہوجائے گی ۔ لیکن احناف اور حنابلہ کا مختار یہ ہے کہ سبحانک اللھم پڑھنی چاہیے۔ جیسا کہ ترمذی و ابن ماجہ کی روایت میں ہے حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا استفتح الصلوٰۃ قال سبحانک اللھم الخ (بیہقی ج ۲ ص ۳۴)

حضور صلے اللہ علیہ وسلم نماز کا افتتاح سبحانک اللھم سے فرماتے تھے۔

(۱) اسی مضمون کی حدیث حضرت انس سے طبرانی نے روایت کی۔ امام زیلعی نے نصب الرایہ ص۳۲۰ جلد ۱ میں یہ حدیث بحوالہ دار قطنی نقل فرمائی اور کہا کہ ثقات اس کے راوی سب ثقہ ہیں۔

(۲) یہی مضمون ترمذی، ابن ماجہ، طحاوی میں حضرت ابو سعید خدری سے بھی مروی ہے کہ حضور علیہ السلام جب نماز کو اٹھتے تکبیر کہتے پھر سبحانک اللھم پڑھتے۔

(۳) صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سبحانک اللھم بلند آواز سے پڑھتے تھے مسلم ج ۱ ص۱۷۲ دار قطنی ص۲۹۹ طحاوی ص۱۳۳ اور حضرت عمر کا ثنا کا بلند آواز سے پڑھنا محض تعلیم کے لئے تھا چنانچہ طحاوی ص۱۳۳ دار قطنی ص۳۰۰ کتاب الآثار امام محمد ص۲۰ پر اس کی تصریح ہے۔ ابراہیم کہتے ہیں کہ بعد میں کچھ آدمی بحضور فاروق اعظم اس غرض کے لئے گئے کہ ان سے دعا افتتاح پوچھیں تو حضرت عمر کھڑے ہوئے اور نماز شروع کی اور وہ لوگ آپ کے مقتدی ہوئے۔

ثم جھر فقال سبحانک اللھم	پھر آپ نے بلند آواز سے سبحانک اللھم پڑھی۔

حضرت ابراہیم نے خود یہ تصریح کی " لیستمعا ذلک و یعلمنا " کہ حضرت فاروق اعظم کا ثنا کو بلند آواز سے پڑھنا ہم کو سنانے اور سکھانے کے لئے تھا۔ کذا فی الطحاوی ص۱۳۳

(۵) حضرت ابو وائل کہتے ہیں کہ

کان عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اذا افتتح الصلوٰۃ قال سبحانک اللھم (دار قطنی ص۳۰۰)	حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب نماز شروع کرتے تو سبحانک اللھم پڑھتے۔

(۶) سعید بن منصور نے اپنی سنن میں روایت کیا کہ سیدنا ابو بکر صدیق

کان یستفتح بذلک منتقی ص۱۰۵	نماز کا افتتاح سبحانک اللھم سے فرماتے تھے۔

علامہ ابن تیمیہ نے اس حدیث کے تحت لکھا ہے کہ حضرت ابو بکر و عثمان و عبد اللہ بن مسعود و حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اس دعا (سبحانک اللھم) کو اختیار کرنا اور پھر جناب فاروق اعظم کا صحابہ کے سامنے لوگوں کو سکھانے کے لئے اس دعا کو بلند آواز سے پڑھنا اس کی فضیلت پر دال ہے کہ یہ وہ دعا ہے جس پر حضور علیہ السلام نے ہمیشگی فرمائی ہے اسی دعا کا پڑھنا افضل ہے۔ خلفائے حضرت امام اعظم ابو حنیفہ و سفیان ثوری و احمد بن حنبل و اسحاق بن راہویہ اور دیگر علماء تابعین کے نزدیک سبحانک اللھم پڑھنا ہی افضل ہے اور بعض روایتوں میں جو دوسری دعائیں مذکور ہیں وہ احناف کے نزدیک نوافل و تہجد پر محمول ہیں چنانچہ ابو داؤد و نسائی میں اس کی تصریح ہے۔ نیل الاوطار ج ۲ ص۱۹۵

باب ۔ اس کے ماتحت جو حدیث ذکر کی ہے۔ اس کے ابتدائی جملوں کا خلاصہ یہ ہے۔ حضرت اسماء فرماتی ہیں۔ حضور علیہ السلام نے سورج گرہن کی نماز، دو رکعت پڑھائی۔ اور اس نماز کے قیام و رکوع و سجود میں طول دیا پھر سلام پھیر اور فرمایا۔

فقال قد دنت منی الجنۃ حتی لو اجترأت علیھا لجئتکم بقطاف من قطافھا و دنت منی النار حتی قلت ای رب او انا معھم فاذا امرأۃ حسبت انہ قال تخدشھا	جنت میرے قریب آگئی تھی اتنی قریب کہ اگر میں جرأت کرتا تو اس کے خوشوں میں سے ایک خوشہ تم کو لا دیتا اور دوزخ بھی مجھ سے اتنی قریب آگئی تھی حتی کہ میں نے کہا اے میرے رب کیا میں ان کے ساتھ ہوں؟ پھر کیا دیکھتا

هِرَّةٌ قُلْتُ مَا شَاْنُ هٰذِهٖ قَالُوْا حَبَسَتْهَا حَتّٰى مَاتَتْ جُوْعًا لَا اَطْعَمَتْهَا وَلَا اَرْسَلَتْهَا تَاْكُلُ (بخاری)

جوں کہ ایک عورت ہے۔ آپ نے کہا کہ میں یوں سمجھتا ہوں کہ ابن ابی ملیکہ نے کہا کہ اس کو بلی نوچ رہی تھی میں نے پوچھا کہ اس عورت کا کیا قصور ہے انہوں نے کہا کہ اس نے روک رکھی تھی بلی کو باندھ دیا تھا نہ اس کو کھانا دیا اور نہ چھوڑا کہ وہ کچھ کھاتی حتیٰ کہ مر گئی۔

فوائد و مسائل (۱) اس حدیث کی باب سے مناسبت یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے جو طویل قیام فرمایا۔ تو وہ قرأۃ دعا اور قرأۃ قرآن پر مشتمل ہوگا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ دعا افتتاح کے بعد اور قرأۃ قرآن سے قبل پڑھی جاتی ہے (۲) سورج گہن کی نماز سنت مؤکدہ ہے اور جماعت سے پڑھنی مستحب ہے۔ یہ نماز اور نوافل کی طرح دو رکعت پڑھیں ہر رکعت میں ایک رکوع اور دو سجدے کریں۔ اس میں نہ اذان ہے نہ اقامت نہ بلند آواز سے قرأت۔ نماز کے بعد دعا کریں۔ یہاں تک کہ آفتاب کھل جائے۔ اور دو رکعت سے زیادہ بھی پڑھ سکتے ہیں۔ خواہ دو دو رکعت پر سلام پھیریں خواہ چار پر (۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جانور کو بے جا مارنا اور باندھ کر رکھ دینا کہ وہ بھوکا رہے حرام ہے اور جس جانور پر ظلم کیا گیا ہے قیامت کے دن وہ ظالم پر مسلط کیا جائے گا (۴) بحالت نماز حضور علیہ السلام کا جنت و دوزخ کو ملاحظہ فرمانا متعدد مواقع میں وارد ہوا ہے اور آپ کا معجزہ ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ آپ نے واقعی جنت و دوزخ کو دیکھا یا اس کے وجود مثالی کو ملاحظہ فرمایا تو بعض حدیثوں کے الفاظ سے تو یہ واضح ہوتا ہے کہ آپ نے واقعی جنت و دوزخ کو ملاحظہ فرمایا اور بعض حدیثوں کے لحاظ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے انہیں ان کے وجود مثالی میں دیکھا اور واقعات متعدد ہیں لہٰذا تضاد نہیں ہے۔

ف۔ اس حدیث کو امام نے باب فضل سقی الماء میں ابن ماجہ و مسلم و نسائی نے کتاب الصلوٰۃ میں ذکر کیا۔

بَابُ رَفْعِ الْبَصَرِ اِلَى الْاِمَامِ فِى الصَّلٰوةِ

باب نماز میں امام کی طرف دیکھنا

(۱) وَقَالَتْ عَائِشَةُ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ صَلٰوةِ الْكُسُوْفِ رَاَيْتُ جَهَنَّمَ يَحْطِمُ بَعْضُهَا بَعْضًا حِيْنَ رَاَيْتُمُوْنِيْ تَاَخَّرْتُ۔

(۱) حضرت عائشہ نے فرمایا نبی علیہ السلام نے سورج گرہن کی نماز میں فرمایا میں نے جہنم کو دیکھا اس کا بعض بعض کو کھا رہا تھا جب کہ تم نے دیکھا کہ میں پیچھے ہٹ گیا تھا۔

(۲) عَنْ اَبِيْ مَعْمَرٍ قَالَ قُلْنَا لِخَبَّابٍ اَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الظُّهْرِ قَالَ نَعَمْ قُلْنَا بِمَ كُنْتُمْ تَعْرِفُوْنَ ذٰلِكَ قَالَ بِاضْطِرَابِ لِحْيَتِهٖ (بخاری)

ابو معمر سے روایت ہے کہ ہم نے حضرت خباب سے پوچھا کہ حضور عصر و ظہر کی نماز میں قرأت کرتے تھے انہوں نے جواب دیا ہاں۔ ہم نے کہا تم آپ کی قرأت کو کس طرح جانتے تھے کہا آپ کی ریش اقدس کے ہلنے سے۔

(۳) حَدَّثَنَا الْبَرَاءُ وَكَانَ غَيْرَ كَذُوْبٍ اَنَّهُمْ كَانُوْا اِذَا صَلَّوْا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَفَعَ رَاْسَهٗ مِنَ الرُّكُوْعِ قَامُوْا قِيَامًا حَتّٰى يَرَوْهُ قَدْ سَجَدَ (بخاری)

حضرت براء نے بیان کیا اور وہ جھوٹے نہیں ہیں کہ صحابہ کرام جب حضور علیہ السلام کے ساتھ نماز پڑھتے اور آپ رکوع سے اپنا سر اٹھاتے تو وہ کھڑے رہتے حتیٰ کہ آپ سجدہ میں چلے جاتے۔

(۴) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ خَسَفَتِ الشَّمْسُ

عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ نبی کے زمانہ میں سورج گرہن

عَلٰی عَهْدِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰی قَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰهِ رَاَیْنَاكَ تَنَاوَلْتَ شَیْئًا فِیْ مَقَامِكَ ثُمَّ رَاَیْنَاكَ تَكَعْكَعْتَ فَقَالَ اِنِّیْ رَاَیْتُ الْجَنَّةَ فَتَنَاوَلْتُ مِنْهَا عُنْقُوْدًا وَّلَوْ اَخَذْتُهٗ لَاَكَلْتُمْ مِنْهُ مَا بَقِیَتِ الدُّنْیَا

(بخاری)

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ صَلّٰی لَنَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ رَقِیَ الْمِنْبَرَ فَاَشَارَ بِیَدَیْهِ قِبَلَ قِبْلَةِ الْمَسْجِدِ ثُمَّ قَالَ لَقَدْ رَاَیْتُ الْاٰنَ مُنْذُ صَلَّیْتُ لَكُمُ الصَّلٰوةَ الْجَنَّةَ وَالنَّارَ مُمَثَّلَتَیْنِ فِیْ قِبْلَةِ هٰذَا الْجِدَارِ فَلَمْ اَرَ كَالْیَوْمِ فِی الْخَیْرِ وَالشَّرِّ ثَلَاثًا (بخاری)

ہوا تو آپ نے گرہن کی نماز پڑھائی۔ نماز کے بعد صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ ہم نے دیکھا کہ آپ نماز میں اپنی جگہ پر ہی سے کسی چیز کو پکڑنے کے لئے آگے بڑھے تھے۔ پھر ہم نے دیکھا آپ پیچھے ہٹے۔ حضور نے فرمایا میں نے جنت کو دیکھا اور ارادہ کیا کہ اس کے باغ سے ایک خوشہ لے لوں اور اگر لے لیتا تو جب تک دنیا قائم ہے تم اس سے کھاتے رہتے۔

حضرت انس بن مالک سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز پڑھائی۔ پھر آپ منبر پر جلوہ فرما ہوئے اور قبلہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔ ابھی دوران نماز میں نے جنت اور دوزخ کی تمثیل دیوارِ قبلہ میں دیکھیں۔ آج کے دن کی طرح خیر و شر میں نے نہ دیکھی (تین مرتبہ فرمایا)

فوائد و مسائل ان تمام حدیثوں کو ذکر کر کے امام بخاری نے یہ واضح کیا ہے۔ کہ نماز میں امام کی طرف دیکھت جائز ہے حدیث اول میں حدیث رسالتمآب کی جب تم نے مجھے دیکھا۔ حدیث دوم میں بانداز خطاب نعیتہ اور جب تک امام کی طرف نظر نہ ہو اس کی ڈاڑھی کی حرکت معلوم نہیں ہو سکتی۔ حدیث سوم میں ہے حتی یروہ قد سجد حدیث چہارم میں رایناک اور حدیث پنجم میں لقد رایت کے الفاظ سے مذکورہ بالا استنباط ہوتا ہے معلوم ہوا کہ اسلام کے لئے یا نماز کے افعال و ارکان کے معلوم کرنے کے لئے امام کی طرف دیکھنا جائز ہے۔ اس حالت قیام میں موضع سجدہ کی رکوع میں پشت قدم کی طرف سجدہ میں ناک کی طرف قعدہ میں گود کی طرف پہلے سلام میں داہنے شانہ کی طرف دوسرے سلام میں بائیں طرف نظر رکھنا مستحب ہے (۲) حدیث ملکہ سے واضح ہوتا ہے کہ جنت اور جنت کا مشاہدہ کوئی نہیں اگر حضور علیہ السلام جنت کا کوئی پھل توڑ لیتے تو وہ رہتی دنیا تک باقی رہتا۔ علامہ تیمی نے کہا کہ حضور علیہ السلام نے وہ خوشہ جنت اس نے نہیں لیا کہ اس دنیا میں فانی چیزیں ہی انسان استعمال کر سکتا ہے (۳) اس حدیث سے یہ بھی واضح ہوا کہ حضور علیہ السلام نے جو اس موقع پر جنت کو دیکھا تو حقیقت جنت کو ملاحظہ فرمایا۔ اس کے وجود مثالی کو نہیں کیونکہ وجود مثالی سے خوشہ کا توڑنا متصور نہیں ہو سکتا۔ اور یہ سوال کہ زمین پر ہوتے ہوئے جنت کی چیزوں تک حضور علیہ السلام کا ہاتھ کیونکر پہنچ سکتا ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ اللہ ہر ممکن پر قادر ہے۔ وہ زمان و مکان کی قیود سے کسی کے مقدس ہاتھوں اور نظر کو مستغنی بھی فرما سکتا ہے۔

فائدہ۔ حدیث دوم کے راویوں میں حضرت خباب جلیل القدر صحابی ہیں۔ ابو عبد اللہ تمیمی آپ کی کنیت ہے زمانہ جاہلیت میں (تیرہ) قیدی بنا لیا گیا تھا ایک عورت خزاعیہ نے خرید کر انہیں آزاد کیا۔ حضور علیہ السلام کے دار ارقم میں داخل ہونے سے قبل مشرف باسلام ہوئے۔ یہاں چھ مسلمانوں میں ہیں۔ جنہیں اسلام لانے کے جرم میں سخت

کاایت پہنچائی گئیں اور یہ حق پر قائم و دائم رہے ۔ بعمر ٧٣ سال ٧٤ھ میں بمقام کوفہ وصال پایا۔ جناب علی مرتضےٰ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ آپ سے کل ٢٩٣ حدیثیں مروی ہیں۔ ٥ بخاری میں ہیں۔ تفی ج ٣ صلاۃ حدیث سوم کے راویوں میں حضرت براء ابن عازب انصاری مدنی صحابی ابن صحابی ہیں۔ آپ کی کنیت ابو عمارہ ہے ٢٤ھ میں آپ نے رے کو فتح کیا۔ ابوموسیٰ کے ہمراہ غزوہ تستر میں بھی شریک ہوئے جنگ جمل و صفین و نہروان میں جناب علی مرتضےٰ کے ہمراہ رہے۔ کوفہ میں بزمانہ مصعب بن زبیر وفات پائی۔ آپ سے کل ٣٠٥ حدیثیں مروی ہیں۔ جن میں سے ٢٢ متفق علیہ ہیں۔ (اکمال، کرمانی)

بَابُ رَفْعِ الْبَصَرِ إِلَى السَّمَاءِ فِي الصَّلٰوةِ

حَدَّثَنَا قَتَادَةُ أَنَّ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ حَدَّثَهُمْ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا بَالُ أَقْوَامٍ يَرْفَعُونَ أَبْصَارَهُمْ إِلَى السَّمَاءِ فِي صَلٰوتِهِمْ فَاشْتَدَّ قَوْلُهُ فِي ذٰلِكَ حَتّٰى قَالَ لَيَنْتَهُنَّ عَنْ ذٰلِكَ أَوْ لَتُخْطَفَنَّ أَبْصَارُهُمْ (بخاری)

باب بحالت نماز آسمان کی طرف دیکھنا

قتادہ، حضرت انس سے روایت کرتے ہیں۔ کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا: ان لوگوں کو کیا حال ہے جو نماز میں اپنی نگاہیں آسمان کی طرف اٹھاتے ہیں۔ آپ نے اس کے متعلق بڑی سختی سے ارشاد فرمایا۔ حتیٰ کہ فرمایا اس (فعل) سے باز آجانا چاہیئے۔ ورنہ ان کی بصارت اُچک لی جائے گی۔

فوائد و مسائل اس حدیث کو نسائی، ابن ماجہ، ابوداؤد نے کتاب الصلوٰۃ میں ذکر کیا۔ اس حدیث میں بحالت نماز آسمان کی طرف دیکھنے پر وعید شدید وارد ہوئی ہے۔ علامہ قاضی عیاض نے فرمایا کہ حالت نماز آسمان کی طرف نظر کرنے میں ایک قسم کا کعبہ سے اعراض پایا جاتا ہے اس لئے تمام علماء بالاتفاق نماز میں آسمان کی طرف دیکھنے کو مکروہ قرار دیتے ہیں۔ علامہ واحدی نے اسباب نزول میں یہ روایت کی کہ ایک شخص نے بحالت نماز آسمان کی طرف دیکھا تو آیت اَلَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ نازل ہوئی۔ معلوم ہوا کہ یہ فعل منافی خشوع بھی ہے۔ ابو حضرت ابن جریج سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام جب نماز شروع فرماتے تو اپنے موضع سجود پر نظر رکھتے تھے۔ لم ینظر الا موضع سجودہ (ملخصہ عمدہ)

بَابُ الْاِلْتِفَاتِ فِي الصَّلٰوةِ

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْاِلْتِفَاتِ فِي الصَّلٰوةِ فَقَالَ هُوَ اخْتِلَاسٌ يَخْتَلِسُهُ الشَّيْطَانُ مِنْ صَلٰوةِ الْعَبْدِ (بخاری)

باب نماز میں ادھر اُدھر دیکھنا ممنوع ہے

حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ میں نے حضور سے نماز میں اِدھر اُدھر دیکھنے کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا یہ اُچک لینا ہے بندہ کی نماز میں سے شیطان اُچک لے جاتا ہے۔

نماز میں اِدھر اُدھر دیکھنا منع ہے نماز کی حالت میں بندہ خلوص کے ساتھ اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہے لیکن جب وہ اِدھر اُدھر دیکھنا شروع کر دیتا ہے تو اب شیطان کو اس پر کامیاب ہونے کا راستہ طرح طرح کے وسوسوں میں مبتلا کر دینے کے لئے مل جاتا ہے اور وہ حضور جو نمازی کو ہو سکتا ہے شیطان اس کو منقطع کر دیتا ہے۔ بحالت نماز گردن کو پھرا کر ادھر اُدھر دیکھنا مکروہ ہے اور بغیر گردن پھرائے گوشہ چشم سے دیکھنا بلا عذر جائز ہے۔ اس سلسلہ کی چند حدیثیں یہ ہیں۔

(١) جو بندہ نماز میں ہے۔ اللہ عزوجل کی رحمت خاصہ اس کی طرف متوجہ رہتی ہے۔ جب تک ادھر اُدھر نہ دیکھے۔ جب اس نے اپنا منہ پھیرا اس کی رحمت بھی پھر جاتی ہے (ابوداؤد، نسائی، حاکم)

(٢) حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں مجھے میرے خلیل صلی اللہ علیہ وسلم نے تین باتوں سے منع فرمایا۔ مرغ کی طرح ٹھونگ مارنے کتے کی طرح بیٹھنے اور ادھر اُدھر لومڑی کی طرح دیکھنے سے (احمد، ابویعلیٰ)

(٣) حضور نے حضرت انس سے فرمایا اے بیٹے نماز میں التفات سے بچو کہ نماز میں التفات ہلاکت ہے (ترمذی)

(٤) جب نمازی نماز میں التفات کرتا ہے تو اللہ عزوجل فرماتا ہے۔ اے ابن آدم کس کی طرف التفات کرتا ہے کیا مجھ سے کوئی بہتر ہے۔ جب بندہ تیسری دفعہ التفات کرتا ہے تو اللہ عزوجل اپنی خاص رحمت اس کی طرف سے پھیر لیتا ہے (بزار عن جابر)

فائدہ۔ اس حدیث کے بعد امام نے ایک اور حدیث بھی لکھی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے ایک بیل بوٹے دار لوئی میں نماز پڑھی سلام کے بعد فرمایا اس کو لے جاؤ اور اس کی جگہ ابوجہم سے سادہ لوئی لے آؤ کیونکہ اس لوئی کے بیل بوٹے نماز میں مجھے اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ ترجمہ باب سے اس حدیث کی مناسبت یہ ہے کہ چادر کے نقش و نگار کی طرف جب نمازی متوجہ ہوگا۔ تو وہ اس کے مونڈھوں پر ہوگی تو ضروری ہے کہ ادھر اُدھر نظر جائے گی۔

یہ حدیث مع تفسیر و ترجمانی کے فیوض الباری پارہ دوم ص ٥٦ پر گزر چکی ہے۔

بَابُ هَلْ يَلْتَفِتُ لِأَمْرٍ يَنْزِلُ بِهٖ اَوْ يَرٰى شَيْئًا اَوْ بُصَاقًا فِي الْقِبْلَةِ

باب نمازی پر اگر کوئی حادثہ ہو یا نمازی کوئی (بری) چیز دیکھے۔ یا قبلہ کی دیوار میں تھوک دیکھے (تو التفات جائز ہے):

(١) وَقَالَ سَهْلٌ اِلْتَفَتَ اَبُوْبَكْرٍ فَرَاَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

(١) اور سہل بن سعد نے کہا کہ حضرت ابوبکر نے التفات کیا اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔

(٢) عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ قَالَ رَاَى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نُخَامَةً فِيْ قِبْلَةِ الْمَسْجِدِ وَهُوَ يُصَلِّيْ بَيْنَ يَدَيِ النَّاسِ فَحَتَّهَا ثُمَّ قَالَ حِيْنَ انْصَرَفَ اِنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا كَانَ فِي الصَّلٰوةِ فَاِنَّ اللّٰهَ قِبَلَ وَجْهِهٖ فَلَا يَتَنَخَّمَنَّ اَحَدٌ قِبَلَ وَجْهِهٖ فِي الصَّلٰوةِ (بخاری)

(٢) حضرت نافع ابن عمر سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں قبلہ کی دیوار پر بلغم دیکھا۔ آپ لوگوں کے آگے کھڑے ہوئے نماز پڑھا رہے تھے۔ آپ نے اس کو کھرچ ڈالا اور سلام پھیرنے کے بعد فرمایا۔ بے شک تم میں سے جب کوئی نماز میں ہوتا ہے تو اللہ تعالے اس کے منہ کے سامنے ہوتا ہے اس کو چاہئے کہ نماز میں اپنے منہ کے سامنے کھنکار بلغم نہ ڈالے۔

(٣) عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ اَخْبَرَنِيْ اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ قَالَ بَيْنَمَا الْمُسْلِمُوْنَ فِيْ صَلٰوةِ الْفَجْرِ فِيْمَا هُمْ اِلَّا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَشَفَ سِتْرَ حُجْرَةِ عَائِشَةَ فَنَظَرَ اِلَيْهِمْ وَهُمْ صُفُوْفٌ

(٣) امام ابن شہاب زہری نے کہا کہ مجھ کو انس بن مالک نے خبر دی انہوں نے کہا ایک مرتبہ صحابہ کرام صبح کی نماز پڑھ رہے تھے۔ پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے گھبرا گئے۔ آپ نے (اچانک) حضرت عائشہ کے حجرہ کا پردہ اٹھایا اور ان کو دیکھا وہ صفیں باندھے ہوئے تھے

فَتَبَسَّمَ يَضْحَكُ وَ نَكَصَ اَبُوْبَكْرٍ عَلٰى عَقِبَيْهِ لِيَصِلَ لَهُ الصَّفَّ فَظَنَّ اِنَّهُ يُرِيْدُ الْخُرُوْجَ وَ هَمَّ الْمُسْلِمُوْنَ اَنْ يَّفْتَتِنُوْا فِیْ صَلٰوتِهِمْ فَاَشَارَ اِلَيْهِمْ اَتِمُّوْا صَلٰوتَكُمْ وَ اَرْخَى السِّتْرَ وَ تُوُفِّیَ مِنْ اٰخِرِ ذٰلِكَ الْيَوْمِ۔

آپ مسکرا کر ہنسے اور ابوبکر الٹے پاؤں پیچھے ہٹے تاکہ وہ صف میں مل جائیں۔ حضرت ابوبکر نے خیال کیا کہ باہر تشریف لانا چاہتے ہیں اور مسلمانوں نے یہ قصد کیا کہ نماز ہی توڑ دیں۔ آپ نے اشارہ سے ان کو فرمایا کہ اپنی نماز پوری کرو اور پردہ چھوڑ دیا اور اسی دن آپ نے وفات پائی صلے اللہ علیہ وسلم۔

فوائد و مسائل

ان تینوں حدیثوں سے واضح ہوتا ہے کہ بحالت نماز بضرورت التفات جائز ہے۔ حدیث مذکور باب من دخل ليؤم الناس میں ذکر کیا ہے۔ یہ حدیث مع تفہیم و ترجمانی کے فیوض الباری پارہ سوم ص۲۲۵ پر گذر چکی ہے۔ حضرت صدیق اکبر نماز پڑھا رہے تھے کہ حضور آگئے۔ صدیق اکبر نے حضور کو دیکھ کر اپنی جگہ سے ہٹنا چاہا۔ حضور نے ابوبکر کو اشارہ کیا کہ امامت پر ثابت رہو۔ تو حضرت ابوبکر نے بحالت نماز حضور کی طرف التفات کیا اور حضور نے انہیں نماز کے اعادہ کو حکم دیا۔ معلوم ہوا کہ بضرورت نماز میں التفات جائز ہے۔

حدیث ۲ میں ہے کہ حضور نے بحالت نماز دیوار قبلہ میں جو بلغم تھا اس کو کھرچ دیا۔ اس سلسلہ کی دوسری حدیث میں حالت نماز کا ذکر نہیں ہے۔ بہرحال یہ عمل قلیل ہے جو نماز کو فاسد نہیں کرتا۔ اس حدیث سے بھی بضرورت التفات کا جواز نکلتا ہے۔ حدیث ۳ میں ہے کہ حضور نے اشارہ سے فرمایا کہ نماز کو پوری کرو۔ گویا صحابہ نے بحالت نماز حضور کی طرف التفات کیا۔ جبھی تو حضور کے اشارہ کو سمجھا۔ معلوم ہوا بضرورت التفات جائز ہے۔

بَابُ وُجُوْبِ الْقِرَاءَةِ لِلْاِمَامِ وَالْمَامُوْمِ فِی الصَّلَوٰتِ كُلِّهَا فِی الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ وَمَا يُجْهَرُ فِيْهَا وَ مَا يُخَافَتُ

باب امام ہو یا مقتدی سب پر قرآن پڑھنا واجب ہے سب نمازوں میں حضر میں یا سفر میں جہری نماز ہو یا سری۔

(۱) عنوان مذکور کا حاصل یہ ہے کہ قرأۃ ہر نماز میں واجب ہے نمازی خواہ امام ہو یا مقتدی اور نماز خواہ جہری ہو یا سری سفر ہو یا حضر ہو اور ماموم مقتدی کی قید امام بخاری کے مذہب پر ہے کیونکہ وہ قرأۃ خلف الامام کے قائل ہیں اور منفرد کا ذکر اس لے

۱؎ دیکھئے امام بخاری علیہ الرحمۃ نے عنوان میں یہ تو تصریح فرمادی کہ قرآن کا پڑھنا امام و مقتدی پر واجب ہے مگر سوال تو سورہ فاتحہ کا تھا کہ اس کا پڑھنا فرض ہے یا نہیں تو اس کے متعلق ایک لفظ بھی نہیں لکھا اور اس کی وجہ سوا اس کے اور کیا ہو سکتی ہے کہ امام بخاری کے نزدیک بھی لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب سے سورہ فاتحہ کے پڑھنے کی فرضیت ثابت نہیں ہوتی۔ حدیث اگر یہ حدیث ان کے مذہب کی دلیل محکم ہوتی تو وہ اپنی عادت کے مطابق ضرور یہاں لکھتے کہ امام و مقتدی دونوں کے لئے سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے۔

ثانیاً اسی طرح سورہ فاتحہ اور سورت کے درمیان بھی فرق نہیں کر سکے کیونکہ ان کے فرق پر کوئی دلیل ہے ہی نہیں۔ مسلم شریف کی حدیث میں ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

لا صلوٰۃ لمن لم یقرء بام القرآن فصاعدا۔ (مسلم)
نماز نہیں ہوتی جو الحمد کے ساتھ کچھ زیادہ نہ پڑھے۔

لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب وسورۃ۔ (درمختار وغیرہ)
اس کی نماز نہیں ہوتی جو فاتحہ کے ساتھ کوئی سورہ نہ پڑھے۔

اس حدیث سے آشکار ہے ثابت ہوا کہ جس طرح فاتحہ بعد سورۃ دونوں کا وجوب ثابت ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ امام بخاری اس پر تیار نہیں ہوئے ورنہ تو منشاء حکم

نہیں کیا کہ اس کا حکم امام کے حکم کی طرح ہے۔ یعنی جیسے امام پر قرأۃ واجب ہے اسی طرح منفرد (اکیلے پڑھنے والے) پر بھی قرأت واجب ہے۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ شَكَى اَهْلُ الْكُوْفَةِ سَعْدًا اِلٰى عُمَرَ فَعَزَلَهُ وَاسْتَعْمَلَ عَلَيْهِمْ عَمَّارًا فَشَكَوْا حَتّٰى ذَكَرُوْا اَنَّهُ لَا يُحْسِنُ يُصَلِّيْ فَاَرْسَلَ اِلَيْهِ فَقَالَ يَا اَبَا اِسْحَاقَ اِنَّ هٰؤُلَاءِ يَزْعُمُوْنَ اَنَّكَ لَا تُحْسِنُ تُصَلِّيْ قَالَ اَمَّا اَنَا وَاللّٰهِ فَاِنِّيْ كُنْتُ اُصَلِّيْ بِهِمْ صَلٰوةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اَخْرِمُ عَنْهَا اُصَلِّيْ صَلٰوةَ الْعِشَاءِ فَاَرْكُدُ فِي الْاُوْلَيَيْنِ وَ اُخِفُّ فِي الْاُخْرَيَيْنِ قَالَ ذَاكَ الظَّنُّ بِكَ يَا اَبَا اِسْحٰقَ فَاَرْسَلَ مَعَهُ رَجُلًا اَوْ رِجَالًا اِلَى الْكُوْفَةِ يَسْاَلُ عَنْهُ اَهْلَ الْكُوْفَةِ وَ لَمْ يَدَعْ مَسْجِدًا اِلَّا سَاَلَ عَنْهُ وَ يُثْنُوْنَ عَلَيْهِ مَعْرُوْفًا حَتّٰى دَخَلَ مَسْجِدًا لِبَنِيْ عَبْسٍ فَقَامَ رَجُلٌ مِنْهُمْ يُقَالُ لَهُ اُسَامَةُ بْنُ قَتَادَةَ يُكْنٰى اَبَا سَعْدَةَ فَقَالَ اَمَّا اِذْ نَشَدْتَنَا فَاِنَّ سَعْدًا كَانَ لَا يَسِيْرُ بِالسَّرِيَّةِ وَلَا يَقْسِمُ بِالسَّوِيَّةِ وَلَا يَعْدِلُ فِي الْقَضِيَّةِ قَالَ سَعْدٌ اَمَا وَ اللّٰهِ لَاَدْعُوَنَّ بِثَلَاثٍ اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ عَبْدُكَ هٰذَا كَاذِبًا قَامَ رِيَاءً وَّ سُمْعَةً فَاَطِلْ عُمْرَهُ وَ اَطِلْ فَقْرَهُ وَ

حضرت جابر بن سمرہ سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ اہل کوفہ نے حضرت عمر سے حضرت سعد (امیر کوفہ) کی شکایت کی۔ حضرت عمر نے ان کو معزول کر دیا اور عمار بن یاسر کو ان کا امیر بنایا۔ تو کوفہ والوں نے سعد کی کئی شکایتیں کیں۔ یہاں تک کہا کہ وہ اچھی طرح نماز نہیں پڑھا سکتے۔ حضرت عمر نے سعد کو بلوایا اور فرمایا اے ابو اسحٰق (یہ سعد کی کنیت ہے) کوفہ کے یہ لوگ کہتے ہیں کہ تم اچھی طرح نماز بھی نہیں پڑھا سکتے۔ سعد نے کہا۔ خدا کی قسم! میں ان کو اسی طرح نماز پڑھاتا تھا۔ جس طرح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پڑھایا کرتے تھے۔ میں نے اس میں ذرا کوتاہی نہیں کی۔ عشاء کی نماز جب میں پڑھاتا تو پہلی دو رکعتوں کو لمبا کرتا اور پچھلی دو رکعتوں کو ہلکا۔ حضرت عمر نے فرمایا۔ تم سے تو اے ابو اسحاق یہی گمان ہے۔ پھر حضرت عمر نے سعد کے ساتھ ایک آدمی یا کئی آدمیوں کو کوفہ کی طرف بھیجا کہ کوفہ والوں سے سعد کی شکایتیں معلوم کریں۔ انہوں نے کوئی مسجد نہ چھوڑی جہاں سعد کا حال نہ پوچھا ہو سب نے ان کی تعریف کی۔ پھر بنی عبس کی مسجد میں گئے۔ وہاں ان میں سے ایک شخص کھڑا ہوا جس کو اسامہ بن قتادہ کہتے تھے۔ اس کی کنیت ابو سعدہ تھی اس نے کہا جب تم ہم کو قسم دیتے ہو تو سنو یہ ہے کہ سعد کبھی فوج کے ساتھ (لڑائی کے لئے) نہیں جاتے تھے اور غنیمت کا مال برابر تقسیم نہیں کرتے تھے۔ اور جھگڑے میں انصاف نہیں کرتے تھے سعد نے یہ سن کر کہا خدا کی قسم میں تم کو تین بددعائیں دوں گا۔ یا اللہ اگر یہ تیرا بندہ جھوٹا ہے اور صرف ناموری اور شہرت کے لئے کھڑا ہوا ہے تو اس کی عمر لمبی کر اور ایک مدت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۸۶) کر وہ فاتحہ کو تو قطعاً رکن ثابت کریں اور سورت کو سنت۔ اسی لئے انہوں نے عزیمۃً نفس قرأۃ کو تو شامل یا جا سورۃ فاتحہ کے متعلق خاموشی اختیار کی۔ ناقم

عَرَّضَهُ بِالْفِتَنِ وَكَانَ بَعْدُ إِذَا سُئِلَ يَقُولُ شَيْخٌ كَبِيرٌ مَفْتُونٌ أَصَابَتْنِي دَعْوَةُ سَعْدٍ قَالَ عَبْدُ الْمَلِكِ فَأَنَا رَأَيْتُهُ بَعْدُ قَدْ سَقَطَ حَاجِبَاهُ عَلَى عَيْنَيْهِ مِنَ الْكِبَرِ وَإِنَّهُ لَيَتَعَرَّضُ لِلْجَوَارِي فِي الطُّرُقِ يَغْمِزُهُنَّ

تک محتاج کردے اور آفتوں میں پھنسا دے۔ پھر یہی حال ہوا۔ جب کوئی اس کا حال پوچھتا تو کہتا تھا ایک بوڑھا ہوں آفت رسیدہ سعد کی بددعا مجھ کو لگ گئی ہے۔ عبدالملک نے کہا میں نے بھی اس کو دیکھا تھا اتنا بوڑھا ہو گیا تھا کہ بھویں آنکھوں پر آ گئی تھیں۔ راستہ میں کھڑا ہو کر لڑکیوں کو چھیڑتا اور ان کو چوکے بھرتا۔

فوائد و مسائل اس حدیث کو مسلم و نسائی و ابوداؤد نے کتاب الصلوٰۃ میں ذکر کیا (۲) عنوان حسب ذیل اجزاء پر مشتمل ہے (۱) امام ہو (۲) یا مقتدی (۳) نماز سری ہو (۴) یا جہری (۵) سفر ہو (۶) یا حضر۔ غرضیکہ ہر نماز میں قرآن کا پڑھنا واجب ہے۔ حدیث زیر بحث عنوان کے تمام اجزا کے مطابق ہے سوا جزو دوم پر حدیث میں کوئی دلالت نہیں ہے۔ حضرت سعد کا یہ فرمانا کنت اصلی الخ جزو اول کے مطابق ہے یعنی یہ کہ نماز میں قرآن پڑھنا واجب ہے ما اخوم عنہا یہ جزو پنجم و ششم کے مطابق ہے یعنی جہری نماز میں جہر سے اور سری نماز میں آہستہ قرأت کرنا اسی طرح ما اخوم عنہا ای عن صلاۃ النبی جزو سوم و چہارم سے بھی مطابق ہے یعنی یہ کہ حضور علیہ السلام نے خواہ بحالت سفر نماز ادا کی ہو یا حضر میں کبھی قرأت ترک نہیں فرمائی۔ غرض ان تمام مسائل پر سب کا اتفاق ہے لیکن جزو دوم کہ مقتدی کو بھی قرأت کرنی چاہیے حدیث میں اس پر کوئی دلالت نہیں ہے۔ فافہم

(۲) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ اکابر صحابہ میں آپ کا شمار ہے آپ کی کنیت ابواسحاق ہے اور والد کا نام مالک بن وہب ہے۔ جناب عمر نے آپ کو ۱۴ھ میں فارس کی مہم میں بھیجا۔ بعد آپ کے ہاتھ پر عراق فتح ہوا۔ پھر ۱۷ھ میں حضرت عمر نے آپ کو کوفہ کا امیر مقرر فرمایا اور آپ ۲۱ھ تک کوفہ کے امیر رہے۔ کوفیوں کی بے وفائی تو مشہور ہے ہی۔ انہوں نے حضرت سعد جیسے جلیل القدر صحابی پر بھی غلط الزامات لگائے۔ حضرت عمر کو تحقیق کے بعد یہ معلوم ہو گیا تھا کہ الزامات غلط ہیں۔ مگر اس کے باوجود آپ نے مصلحتاً حضرت سعد کو معزول کر کے ان کی جگہ حضرت عمار کو کوفہ کا امیر مقرر فرما دیا اور یہ تصریح فرما دی کہ میں نے حضرت سعد کو اس لئے معزول نہیں کیا کہ وہ امامت کے اہل نہ تھے۔ حضرت سعد کو حضور علیہ السلام نے دعا دی تھی کہ الٰہی ان کی ہر دعا کو قبول فرما۔ جب سے وہ مستجاب الدعوات ہو گئے۔ حضرت سعد نے اسامہ بن قتادہ کو تین بددعائیں دیں۔ کیونکہ آپ پر اس نے تین غلط الزام لگائے تھے۔ چنانچہ آپ کی بددعا کے اثرات مرتب ہوئے (فتح الباری)

حدیث ہذا مسائل ذیل پر مشتمل ہے۔

(۱) امام کے پاس اپنے کسی نائب کی شکایت پہنچے تو امام کو اس جگہ کے معززین سے اس شکایت کے متعلق تحقیق کرنی چاہیے (۲) اگر کوئی دینی یا سیاسی مصلحت ہو تو امام کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ بلا قصور اپنے کسی نائب کو معزول کر دے (۳) بعض نے یہ کہا کہ حضرت عمر کی رائے یہ تھی کہ کوئی شخص چار سال سے زیادہ امامت کے منصب پر فائز نہیں رہنا چاہیے (۴) ظالم کے لئے بددعا کرنی جائز ہے۔

(۱) اس حدیث سے واضح ہوا کہ فرض کی پہلی دو رکعتوں میں قرأت واجب ہے (۲) آخری دو رکعتوں میں قرأت واجب نہیں ہے اسی بنا پر صاحب ہدایہ نے کہا کہ اگر چاہے تو آخری دو رکعتوں میں قرأت کرے اور اگر چاہے تو تسبیح پر اکتفا کرے اور اگر چاہے تو خاموش رہے لیکن افضل یہی ہے کہ آخری دونوں رکعتوں میں بھی الحمد پڑھے حضرت علی و ابن مسعود و عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے یہی ماثور ہے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ نمازی نماز میں قرأت کرنے پر (فاقرءوا ما تیسر منہ) کے ماتحت مامور ہے اور امر تکرار نہیں چاہتا لہٰذا پہلی رکعت میں قرأت کرنا متعین ہوا اور دوسری رکعت میں قرأت کو استدلال بالدلالۃ واجب کیا گیا کیونکہ رکعت ثانی رکعت اول کے مشاکل ہے۔

(۲) ولم یقرء فی الاخریین شیئا (موطا امام محمد صفحہ ۹۹)

حضرت عبداللہ بن مسعود فرض کی آخری دو رکعتوں میں کچھ نہیں پڑھتے تھے۔

(۳) اقرأ فی الاولیین وسبح فی الاخریین (ابن منذر۔ عینی ج ۳ صفحہ ۲)

حضرت علی فرماتے ہیں کہ پہلی دو رکعتوں میں قرأت کر آخری دونوں میں تسبیح۔

اسی طرح حضرت عائشہ و جابر بن یزید۔ ابراہیم۔ سفیان ثوری وغیرہ سے مروی ہے۔ عینی ج ۳ صفحہ ۲

عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ۔

حضرت عبادہ بن صامت سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے سورہ فاتحہ نہیں پڑھی اس کی نماز کامل نہیں۔

فوائد و مسائل اس حدیث کو مسلم، ابوداؤد و ترمذی و ابن ماجہ نے صلوٰۃ میں اور نسائی نے صلوٰۃ اور فضائل قرآن میں ذکر کیا — علامہ کرمانی نے فرمایا کہ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ امام و مقتدی دونوں کے لئے سورہ فاتحہ پڑھنا واجب ہے اور یہ حدیث عنوان کے تمام اجزا کے مطابق ہے لیکن یہ بات درست نہیں۔ کیونکہ ترجمہ میں فاتحہ کا ذکر نہیں ہے بلکہ ترجمہ میں تو قرأت کا ذکر ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ امام بخاری نے قرأت سے مراد فاتحہ کو لیا یعنی من قبیل اطلاق الکل علی البعض تو جواب یہ ہے کہ اس صورت میں عنوان اور حدیث سعد میں کوئی مطابقت نہیں رہے گی۔ فافہم۔

امام و منفرد کو نماز میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے واضح ہو کہ نماز خواہ جہری ہو یا سری سفری ہو یا حضری نفل ہو یا فرض۔ سب میں امام و منفرد جو کیسا نماز پڑھے اس کے لئے نماز میں مطلق قرآن کا پڑھنا فرض ہے اور سورہ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے۔

فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ

یعنی قرآن میں سے جو تم کو آسان ہو وہ نماز میں پڑھو

اس آیت میں کلمہ ما عام ہے اور اس کا مفاد یہ ہے کہ قرآن میں سے جو آسان ہو وہ پڑھو۔ خواہ الحمد یا کوئی سورت یا آیت۔ پس قرآن کی رو سے نماز میں مطلق قرأت فرض قرار پائی اور حدیث میں حضور علیہ السلام نے فرمایا

لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ (بخاری و مسلم)

سورہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں۔

تو اس میں ذات کی نفی نہیں بلکہ کمال کی نفی ہے۔ سورہ فاتحہ کے بغیر نماز کامل نہیں ہوتی۔ جیسا کہ ان احادیث میں لا نفی کمال کی نفی کے لئے ہے۔

لا ایمان لمن لا امانۃ لہ ولا دین لمن لا عہد لہ

اس کا ایمان نہیں جو امانت دار نہیں۔ اس کا دین نہیں جو عہد پورا نہ کرے۔

تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے جو وعدہ وفا نہ کرے یا امانت دار نہ ہو وہ بے ایمان ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس کا ایمان کامل نہیں ہے پس قرآن کی رُو سے مطلق قرأۃ قرآن نماز میں فرض ہے اور حدیث کی رو سے سورہ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے۔ اس مسئلہ پر محدثین یہ کیا۔

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض وفات میں جو نماز پڑھی تو اس میں حضرت ابوبکر نماز پڑھا رہے تھے۔ یہ جب حضور کو افاقہ ہوا تو آپ مسجد میں تشریف لائے اور حضرت ابوبکر کی بائیں طرف بیٹھ گئے اب حضور امام ہوئے تو

فَقَرَءَ مِنَ الْمَكَانِ الَّذِي انْتَهَىٰ اَبُوْبَكْرٍ مِنَ السُّوْرَةِ (ابن ماجہ و دارقطنی)

آپ نے وہاں سے قرأت شروع کی جہاں تک ابوبکر پہنچ گئے تھے۔

اس حدیث کو حافظ ابن حجر نے حسن کہا (فتح الباری) اور امام احمد و ابویعلیٰ موصلی اور طحاوی نے شرح معانی الآثار میں بھی روایت کیا۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ نماز میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض نہیں ہے۔ کیونکہ حضور علیہ السلام نے قرأۃ وہاں سے شروع کیا جہاں تک ابوبکر پہنچ چکے تھے۔ حضور علیہ السلام نے الحمد نہیں پڑھی بلکہ حضرت ابوبکر کی پڑھی ہوئی مان لی۔ تو اگر الحمد کے بغیر نماز باطل ہوتی تو حضور الحمد کو ترک نہ فرماتے۔

مطلق قرأۃ

لَا صَلٰوةَ اِلَّا بِقِرَأَةٍ وَ لَوْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ (مسلم، حاکم فی المستدرک)

حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے۔ حضور علیہ السلام نے ... جاؤ اعلان کردو کہ نماز نہیں ہے۔ مگر قرأۃ کے ساتھ ... فاتحہ ہی ہو جائے۔

ابوسعید خدری سے مروی ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے

امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان نقرء بفاتحة الكتاب وما تيسر (بیہقی)

ہمیں حکم دیا کہ ہم سورۃ فاتحہ پڑھیں اور جو آسان ہو قرآن سے وہ پڑھیں۔

حضرت ابوامامہ سے روایت ہے۔

قال قال یا رسول اللہ فی کل صلوٰۃ قرأۃ قال نعم ذالك واجب (ابن عدی و بیہقی)

انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ کیا ہر نماز میں قرأۃ ہے فرمایا ہاں۔ یہ واجب (فرض) ہے۔

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ امام و منفرد کے لئے مطلق قرأۃ فرض ہے۔ یعنی نماز میں قرآن پاک سے جو بھی ہو اور جس کا پڑھنا آسان ہو اس کا پڑھنا فرض ہے

نماز میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے۔

عن عبادة بن الصامت ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لاصلوٰۃ لمن لم یقرء بفاتحة الكتاب

حضرت عبادہ بن الصامت سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس نے سورہ فاتحہ نہیں پڑھی اس کی نماز کامل نہیں۔

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا

کل صلوٰۃ لا یقرء فیہا بام الکتاب فھی خداج (احمد و ابن ماجہ و بیہقی)

ہر وہ نماز جس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ ناقص ہے۔

عبادہ بن صامت سے روایت ہے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

لاصلوٰۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب وآیتین من القرآن معھا (جزء القراءۃ للبخاری)

وہ نماز نہیں جس میں سورہ فاتحہ کے ساتھ قرآن کی دو آیتیں نہ پڑھی جائیں۔

عن ابی سعید قال امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان نقرأ بفاتحۃ الکتاب وما تیسر (بیہقی)

ابو سعید کہتے ہیں کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ ہم نماز میں سورہ فاتحہ اور اس کے ساتھ جو آسان ہو قرآن پڑھیں۔

لاصلوٰۃ لمن لم یقرء بالحمد وسورۃ فی فریضۃ او غیرھا (ترمذی وابن ماجہ وابن حبان)

انہیں سے مروی ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اس کی نماز نہیں جس نے فرض و نفل میں سورہ فاتحہ اور اس کے ساتھ کوئی سورت نہ پڑھی۔

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ وہ نماز جس میں ام القرآن (سورہ فاتحہ)

فھی خداج غیر تمام (احمد۔ ابوداؤد۔ مسلم۔ ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ) وفی روایۃ البیہقی فھی خداج لم تقبل

نہ پڑھی جائے وہ خداج ہے ناتمام ہے اور بیہقی کی روایت میں ہے کہ وہ نماز خداج ہے۔ مقبول نہیں۔

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا

لاتجزی صلوٰۃ لا یقرء فیھا بفاتحۃ الکتاب (ابن خزیمہ)

ہر وہ نماز جس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ جائز نہیں (ناقص ہے)

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ امام و منفرد کے لئے نماز میں سورہ فاتحہ (الحمد شریف) کا پڑھنا واجب ہے۔

فرض نماز میں الحمد کے ساتھ سورت ملانا بھی واجب ہے۔ حضرت ابن عمر سے روایت ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

لاتجزئ المکتوبۃ الا بفاتحۃ الکتاب وثلث آیات فصاعدا (ابن عدی)

فرض نماز صحیح نہیں جب تک سورہ فاتحہ کے ساتھ تین آیتیں یا اس سے زیادہ نہ پڑھی جائیں۔

حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا

فی کل صلوٰۃ قراءۃ فاتحۃ الکتاب وما تیسر من القرآن (بیہقی)

ہر نماز کے لئے سورہ فاتحہ اور جو قرآن سے آسان ہو اس کا پڑھنا ہے۔

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا

کل صلوٰۃ لا یقرء فیھا بفاتحۃ الکتاب وآیتین فھی خداج (ابن عساکر)

ہر وہ نماز جس میں سورہ فاتحہ اور دو آیتیں قرآن کی نہ پڑھی جائیں وہ ناتمام ہے

حضرت عبادہ بن صامت سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا

لاصلوٰۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب فصاعدا قال سفیان لمن یصلی وحدہ (ابوداؤد)

اس کی نماز کامل نہیں جو الحمد اور کچھ اوپر زیادہ نہ پڑھے۔ سفیان بن عیینہ جو اس حدیث کے راوی ہیں کہتے ہیں یہ حدیث اس شخص کے حق میں ہے جو اکیلا نماز پڑھے۔

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ امام و منفرد کے لئے سورہ فاتحہ کے ساتھ سورت ملانا واجب ہے۔ یعنی ایک چھوٹی سورت جیسے۔ انا اعطینٰک الکوثر یا تین چھوٹی آیتیں جیسے ثم نظر۔ ثم عبس و بسر۔ ثم ادبر واستکبر۔ ایک یا دو آیتیں جو تین چھوٹی آیتوں کے برابر ہوں ——— واضح ہو فرض کی دو پہلی رکعتوں میں الحمد کے ساتھ کوئی سورت یا آیت ملانا اور نفل و وتر کی ہر رکعت میں الحمد کے ساتھ سورت ملانا واجب ہے۔

فرض کی پہلی دو رکعتوں میں فاتحہ کے ساتھ سورت ملائی جائے اور آخری دونوں میں صرف فاتحہ پڑھی جائے

حضرت ابو قتادہ سے روایت ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم

كان يقرء في الظهر في الاوليين بام الكتاب وسورتين و في الركعتين الاخريين بام الكتاب (بخاری و مسلم)

ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے بعد دو سورتیں پڑھتے تھے۔ اور آخری دو رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ پڑھتے تھے۔

وعنه قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقرء في الركعتين من الظهر والعصر بفاتحة الكتاب وسورة ويسمعنا الاية احيانا (بخاری)

انہیں سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام ظہر و عصر کی پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے ساتھ سورۃ سورۃ پڑھتے تھے اور کبھی ہم کو آیت بھی سنا دیتے۔

حضرت ابو قتادہ سے مروی ہے کہ

يقرء في الظهر في الاوليين بام الكتاب وسورتين و في الركعتين الاخريين بام الكتاب ويسمعنا الاية احيانا ويطول في الركعة الاولى ما لا يطيل في الركعة الثانية وهكذا في العصر وهكذا في الصبح (متفق علیه مشکوٰۃ ص۷۹)

حضور علیہ السلام ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں الحمد شریف اور دو سورتیں اور اخیر کی دو رکعتوں میں الحمد شریف پڑھتے اور کبھی ہم کو آیت سناتے اور پہلی رکعت کو دوسری سے طول دیتے۔ اسی طرح نماز عصر و فجر میں پڑھتے۔

حضرت جابر کہتے ہیں کہ

كنا نقرء في الركعتين الاوليين من الظهر والعصر بفاتحة الكتاب وسورة وفي الاخريين بفاتحة الكتاب (رواہ عبد الرزاق)

میں ظہر و عصر کی پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ و سورت ملا کر پڑھتا ہوں۔ اور آخری دونوں میں صرف فاتحہ پڑھتا ہوں۔

حضرت ابو الدرداء کہتے ہیں کہ

قال اقرء في الركعتين الاوليين من الظهر والعصر والعشاء في كل ركعة بام القرآن وسورة وفي الركعة الاخرة بام القرآن (عبد الرزاق)

میں ظہر و عصر و عشا کی پہلی دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ و سورت پڑھتا ہوں۔ اور آخری رکعت میں صرف الحمد شریف۔

ان احادیث سے واضح ہوا کہ امام و منفرد کو پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے ساتھ سورت کا ملانا بھی واجب ہے واضح ہو کہ فرض کی آخری دو رکعتوں میں الحمد پڑھنا واجب نہیں ہے کتب فقہ میں یہ تصریح ہے کہ آخری دو رکعتوں میں

الحمد پڑھنا افضل و مستحسن ہے اور اس پر سب کا اتفاق ہے ——— راقم الحروف نے اس مسئلہ کے متعلق متعدد مقامات پر جو کچھ لکھا ہے۔ وہ کتب فقہ و مفتی بہ ج سے لکھا ہے۔ اور حق تو یہ ہے کہ اس مسئلہ میں خود ابھی تک میں مطمئن نہیں ہوں اور اس کی وجہ یہ ہے:

(۱) جس قدر مرفوع قولی و فعلی حدیثیں ہیں ان سب میں یہ ہے کہ فرض کی آخری دو رکعتوں میں بھی قرأت کی جائے۔

(۲) لاصلوٰۃ الا بقرأۃ بھی یہ چاہتی ہے کہ آخری دونوں رکعتوں میں قرأت کی جائے۔

(۳) خود مبسوط و شرح مختصر کرخی میں روایت حسن حضرت امام ابو حنیفہ سے اس کا وجوب مروی ہے عن ابی حنیفۃ ان قرأۃ الفاتحۃ واجبۃ فی الاخریین و یجب بحودہا سجود السہو بترکہا

(۴) مبسوط میں ہے قرأۃ الفاتحۃ وحدہا فی الاخریین سنۃ کبیری ص ۳۲۱

غرض کہ ان دلائل کی بنا پر آخری دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا کم از کم سنت مؤکدہ ضرور ہونا چاہیئے۔ واللہ اعلم

حدیث لاصلوٰۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب پر مکمل بحث اور اس سے حضرت امام شافعی کے استدلال کے جوابات

بخاری شریف کی زیر بحث حدیث سے حضرت جماعت ائمہ مبارک، امام مالک، شافعی، و احمد و اسحٰق و ابو ثور و داؤد رحمہم اللہ نے یہ استدلال فرمایا کہ مقتدی کے لئے سورہ فاتحہ پڑھنا فرض ہے وہ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں سورہ فاتحہ پڑھنے کا حکم مطلق ہے امام مقتدی اور منفرد سب کو شامل ہے۔ خواہ نماز جہری ہو یا سری۔ بہر صورت مقتدی کے لئے سورہ فاتحہ کا پڑھنا ضروری ہے اور اگر سورہ فاتحہ نہیں پڑھے گا تو نماز ہوگی ہی نہیں۔ کیونکہ حدیث میں لا نفی ذات کی نفی کے لئے ہے ——— لیکن امام شافعی کا استدلال درست نہیں اور اس کے متعدد معقول جوابات ہیں۔ جن کا خلاصہ یہ ہے۔

جواب اول: قرآن مجید میں ہے فاقرءوا ما تیسر من القرآن۔ یعنی قرآن سے جو تمہیں آسان ہو پڑھو۔ اس آیت میں اوقی ما یطلق علیہ القرآن کے پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ تو اگر قرأت کو سورۂ فاتحہ کے ساتھ مقید کر دیا جائے تو یہ مطلق پر زیادتی ہوگی۔ اور یہ ناجائز ہے۔ کیونکہ یہ نسخ ہے۔ لہٰذا مطلق قرآن پاک کا پڑھنا فرض قرار پائے گا اور یہ بات طے شدہ ہے کہ اس آیت میں قرآن پڑھنے کے متعلق جو حکم ہے۔ وہ نماز سے متعلق ہے پس مذکورہ بالا حدیث کا عموم قرآن کا معارض ہے لہٰذا سورہ فاتحہ کی خصوصیت ثابت نہیں ہوگی۔

جواب دوم: اور جب قرآن کی نص سے نماز میں مطلق قرآن کا پڑھنا فرض قرار پایا تو اب ضروری ہے کہ حدیث کو قرآن کے تابع کیا جائے خصوصاً ایسی صورت میں جبکہ حدیث محکم نہ ہو بلکہ محتمل ہو اور یہ حدیث محتمل ہے۔ کیونکہ قرآن و حدیث لا نفی فضیلت اور نفی کمال کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آیا۔

(۱) لاصلوٰۃ لجار المسجد الا فی المسجد کہ مسجد کے ہمسایہ کی نماز نہیں ہوتی مگر مسجد میں۔

تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اگر اس نے گھر میں نماز پڑھ لی۔ تو ہوگی ہی نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ گھر میں نماز پڑھنے والا مسجد کو

لہ واضح ہو کہ حدیث لاصلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب خبر مشہور نہیں ہے کہ اس سے قرآن پر زیادتی جائز ہو، پھر خبر مشہور سے بھی زیادتی اسی صورت میں جائز ہے جبکہ وہ حدیث محکم ہو محتمل ہوگی تو پھر مشہور سے بھی زیادتی جائز نہیں اور حدیث زیر بحث تو محتمل بھی ہے۔ ناظم

فضیلت سے محروم ہو جائے گا۔ اسی طرح قرآن مجید کی اس آیت میں انھم لا ایمان لھم میں وجود ایمان کی نفی ہے۔ کیونکہ یہ بھی فرمایا ہے وان نکثوا ایمانھم من بعد عھدھم اور اس کے بعد فرمایا الا تقاتلون قوما نکثوا ایمانھم بلکہ معنی آیت یہ ہیں لا ایمان لھم موثوقا ـــــ اسی طرح جامع صغیر میں تقریباً دو سو حدیثیں ایسی ہیں جن میں لفظ لا استعمال ہوا ہے کیا ہر جگہ لفظ لا نفی ذات کے لئے استعمال ہوگا۔ لہٰذا حدیث زیر بحث میں لا نفی ذات کے لئے نہیں ہے بلکہ نفی کمال کے لئے ہے۔ اور مطلب حدیث یہ ہے سورہ فاتحہ کے بغیر نماز کامل نہیں ہوتی۔ چنانچہ وہ حدیث جس میں خداج آیا ہے۔ وہ ہمارے جواب کی مؤید ہے یعنی حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

من صلی صلوۃ لم یقرء فیھا بام القرآن فھی خداج

جس نے نماز پڑھی اور سورہ فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز خداج ہے

خداج بالفتح کے معنی ناقص و ناتمام کے ہیں لہٰذا حدیث مذکورہ میں بھی لا نفی کمال کے لئے ہی ہے۔

جواب دوم: حدیث لا صلوۃ الخ سے یہی تو ثابت ہوتا ہے کہ ہر نمازی کو نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنی ضروری ہے اور حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ جو شخص مقتدی ہو تو امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہے۔ لہٰذا جب امام الحمد پڑھے گا تو گویا مقتدی نے بھی الحمد پڑھ لی۔ اگرچہ حکماً ہی پڑھی خود حضور کا ارشاد بھی یہی ہے۔

فقراءۃ الامام له قراءۃ

امام کا پڑھنا مقتدی کا پڑھنا ہے۔

اب اگر مقتدی بھی الحمد پڑھے تو تکرار قرأت لازم آئے گی جو غیر مشروع ہے اور منافی حکم آیت اذا قرء القرآن ہے۔

جواب سوم: یہ کہ حدیث لا صلوۃ الخ کا تعلق منفرد سے ہے مقتدی سے نہیں۔ جیسا کہ احمد بن حنبل و دیگر محققین نے فرمایا۔ ترمذی شریف ج ۱ ص ۵۰ اور ابو داؤد جلد اول ص ۱۱۹ پر ہے۔

واما احمد بن حنبل فقال معنی قول النبی لا صلوۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب اذا کان وحدہ واحتج بحدیث جابر حیث قال من صلی رکعۃ لم یقرء فیھا بام القرآن فلم یصل الا ان یکون وراء الامام الخ

امام احمد بن حنبل نے فرمایا۔ حضور کا یہ ارشاد کہ اس کی نماز نہیں جس نے فاتحہ نہیں پڑھی۔ اس کا تعلق منفرد سے ہے یعنی اس کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی اکیلا نماز پڑھے اس کو سورہ فاتحہ پڑھنی ضروری ہے مقتدی کو نہیں انھوں نے حدیث جابر سے استدلال کیا جس کا مضمون یہ ہے کہ جو کوئی رکعت بغیر الحمد کے پڑھے تو نماز نہ ہوگی مگر یہ کہ وہ امام کے پیچھے ہو۔ امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ دیکھو جابر بن عبداللہ جو صحابی رسول ہیں۔ انھوں نے حدیث لا صلوۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب کا یہ مطلب صحیح کیا کہ یہ حکم تنہا نماز پڑھنے والے کے لئے ہے (ترمذی کا ابو داؤد)

الغرض جب خود حضور علیہ السلام نے یہ فرما دیا کہ امام کا پڑھنا مقتدی کا پڑھنا ہے تو پھر قرأۃ خلف الامام کا سوال ہی

لہ واضح ہو کہ امام احمد بن حنبل کے متعلق ایک روایت یہ ہے کہ وہ قرأت خلف الامام کے قائل نہیں تھے اور امام شافعی بھی ۵۰ سال تک جہری نمازوں میں عدم قرأت کے قائل رہے اور جب مصر تشریف لائے تو اپنی وفات سے دو سال قبل سری و جہری ہر قسم کی نمازوں میں قرأت خلف الامام کے قائل ہوئے۔

نہیں پیدا ہوتا۔ چنانچہ سیدنا امام اعظم علیہ الرحمۃ، امام ابو یوسف و محمد و احمد فی روایۃ و جملہ اشرافین و جب واشہب کا یہی مسلک ہے کہ امام کے پیچھے مقتدی کو نہ سورہ فاتحہ پڑھنی چاہیئے اور نہ قرآن کا کوئی اور حصہ اور یہ بات جہری و سری دونوں نمازوں کے لئے ہے۔

مسئلہ قرأت خلف الامام

احناف کا مسلک یہ ہے کہ مقتدی کو امام کے پیچھے قرآن شریف پڑھنا ممنوع ہے۔ نماز خواہ جہری ہو یا سری مقتدی ہر صورت سنے اور چپ رہے۔ احناف کے دلائل یہ ہیں۔

یہ مسئلہ اگرچہ مختلف فیہ ہے اس میں، متفاوت کی گنجائش بھی ہے۔ لیکن ہمیں اس بحث سے صرف یہ واضح کرنا ہے کہ حنفی صرف رائے اور قیاس کے پابند نہیں ہیں۔ جیسا کہ بعض متعصب غیر مقلدین الزام رکھتے ہیں۔ بلکہ احناف نے جو مسلک اختیار کیا ہے اس کی بنیاد بھی کتاب و سنت ہی ہے۔ لہذا انہوں نے کتاب و سنت کی روشنی میں دیانت داری کے ساتھ جو کچھ سمجھا ہے اس پر عمل کرتے ہیں۔

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ

جب قرآن پڑھا جائے تو سنو اور چپ رہو تاکہ تم رحم کئے جاؤ۔

اس آیت میں اِسْتَمِعُوْا وَاَنْصِتُوْا امر کے صیغے ہیں اور یہ حکم مطلق ہے جس کا مفاد یہ ہے کہ جب بھی قرآن پڑھا جائے خواہ نماز میں یا غیر نماز میں ہر صورت سامع کے لئے چپ رہنا اور سننا لازم و واجب ہے۔ — نماز دو طرح کی ہوتی ہے۔ جہری جس میں امام بلند آواز سے قرآن پڑھتا ہے۔ لہذا جہری میں سننا اور چپ رہنا دونوں پر عمل ہوگا۔ سری جس میں امام آہستہ قرأت کرتا ہے اس میں چونکہ سننا ممکن نہیں اس لئے انصتوا پر عمل ہوگا یعنی چپ رہنا ہوگا امام چونکہ سری و جہری دونوں نمازوں میں قرأت کرتا ہے لہذا مقتدی کے لئے دونوں قسم کی نمازوں میں خاموش رہنا ہوگا۔

ابتدائے اسلام میں بحالت نماز دنیاوی بات چیت بھی کر لیتے تھے اور امام کے پیچھے مقتدی قرأت بھی کرتے تھے۔ مسلم باب تحریم الکلام فی الصلوٰۃ میں ہے۔ صحابہ کرام فرماتے ہیں۔

كنا نتكلم في الصلوٰة يكلم الرجل صاحبه وهو الى جنبه في الصلوٰة حتى نزلت وقوموا لله قانتين فامرنا بالسكوت ونهينا عن الكلام (مسلم)

ہم لوگ بحالت نماز باتیں کر لیا کرتے تھے۔ ایک شخص اپنے ساتھی سے بحالت نماز گفتگو کر لیتا۔ حتی کہ آیت قُوْمُوْا لِلّٰهِ الخ نازل ہوئی (کہ اللہ کے لئے اطاعت کرتے ہوئے کھڑے ہو خاموش) اس پر ہمیں خاموش رہنے کا حکم دیا گیا اور گفتگو سے منع کیا گیا۔

عن مجاهد قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقرء في الصلوٰة فسمع قراءة فتى من الانصار فنزل واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا (بیہقی)

حضور علیہ السلام قرأت فرما رہے تھے کہ آپ نے ایک انصاری نوجوان کو قرآن پڑھتے سنا اس وقت یہ آیہ مبارک نازل ہوئی اذا قرئ القرآن الخ کہ جب قرآن پڑھا جائے تو سنو اور چپ رہو۔

ان دونوں حدیثوں سے ثابت ہوا کہ آیت قوموا للہ کے نزول کے بعد بحالت نماز گفتگو کرنے سے منع کر دیا گیا اور آیت اذا قرئ القرآن الخ کے نزول کے بعد قرأت خلف الامام کی ممانعت ہو گئی۔

تفسیر عماد ابن کثیر نے لکھا

قال علی بن طلحة عن ابن عباس واذا قری القرآن الاٰیة فی الصلوٰة المفروضة

حضرت ابن عباس نے فرمایا آیت اذا قری الخ فرض نماز کے بارے میں نازل ہوئی

تفسیر معالم التنزیل میں علامہ بغوی نے تحریر فرمایا کہ

ذهب جماعة الی انها فی القرأة فی الصلوٰة

ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ یہ آیت دربارہ قرات نماز نازل ہوئی ہے۔

اس کے بعد امام بغوی نے دوسرے اقوال لکھ کر خیر میں فیصلہ دیا ہے۔

والاول اولیٰ وهو انها فی القرأة فی الصلوٰة
معالم جلد دوم صفحہ ۳۰

اور پہلا قول اولیٰ ہے یعنی یہ کہ یہ آیت دربارہ قرات نماز نازل ہوئی ہے۔

تفسیر ابن عباس

واذا قری القرآن فی الصلوٰة المکتوبة فاستمعوا له ای قرأته وانصتوا لقرأته
(تنویر مقباس)

جب فرض نماز میں قرآن پڑھا جائے تو اس کی قرات کو سنو اور قرآن کی قرات کے وقت خاموش رہو۔

تفسیر ابن کثیر

علامہ ابن کثیر نے لکھا کہ جب اللہ عزوجل نے قرآن مجید کو لوگوں کے لئے ہدایت و رحمت بصیرت قرار دیا تو قرآن مجید کی حرمت تعظیم کے لئے اس کی تلاوت کے وقت خاموش رہنے کا حکم دیا جیسا کہ کفار قریش اور مشرکین کا قول تھا کہ قرآن مت سنو الخ لیکن یہ حکم یعنی (فاستمعوا وانصتوا) فرض نماز

ولکن یتاکد ذالک فی الصلوٰة المکتوبة اذا جهر الامام بالقرأة کما رواه مسلم الخ

میں جبکہ امام جہر کرتا ہو مؤکد ہے۔ جیسا کہ حدیث مسلم میں حضور نے فرمایا امام اس لئے ہے کہ اس کی پیروی کی جائے۔ جب وہ اللہ اکبر کہے تو تم بھی اللہ اکبر کہو اور جب وہ قرات کرے تو تم چپ رہو۔

عن ابی العالیة ان النبی صلی اللہ علیه وسلم کان اذا صلی باصحابه فقرأ اصحابه فنزلت هذه الاٰیة فسکت القوم و قرأ النبی صلی اللہ علیه وسلم (ابن کثیر)

ابو العالیہ کہتے ہیں کہ جب حضور علیہ السلام اپنے اصحاب کو نماز پڑھاتے اور قرات کرتے تو صحابہ بھی آپ کے پیچھے قرات کرتے اس پر یہ آیت نازل ہوئی پھر قوم تو چپ ہو گئی اور صرف حضور قرأۃ فرماتے تھے۔

ان تفاسیر سے یہ واضح ہوا کہ یہ آیت دربارہ قرات نماز نازل ہوئی اور مقتدیوں کو قرات خلف الامام سے منع کیا گیا۔ رہا یہ سوال کہ ایک آیت کے متعدد شان نزول ہو سکتے ہیں۔ مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ آیت خطبہ و دعظ امام کے پیچھے جہراً قرات کی ممانعت کے لئے نازل ہے اگرچہ اس کے متعدد جواب ہیں مگر اصولی بات یہ ہے کہ مذکورہ بالا شان نزول سے آیت کا دربارہ قرات نماز نازل ہونے کی نفی تو نہیں ہوتی۔ ثانیاً استدلال کرنے والا تو قرآن پاک کے نظم و معنی سے استدلال کرتا ہے لہٰذا آیت کا عموم و اطلاق قرات خلف الامام کی ممانعت کے لئے کافی ہے۔

حدیث قراءۃ الامام لہ قراءۃ کو صحابہ کرام کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے قَالَ مَنْ صَلّٰی خَلْفَ الْاِمَامِ فَاِنَّ قِرَاءَۃَ الْاِمَامِ لَہٗ قِرَاءَۃٌ (موطا امام محمد) فرمایا جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہے

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مقتدی کو امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ امام کا پڑھنا مقتدی کے لئے کافی ہے۔ واضح ہو کہ اس حدیث کو صحابہ کرام کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے یعنی جابر بن عبد اللہ، ابن عمر، ابو سعید خدری، ابوہریرہ، ابن عباس و انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہم — اور حدیث جابر کے متعدد صحیح طرق ہیں، جو ایک دوسرے کی مزید تقویت کا باعث بنتے ہیں۔ اور ان سب طرق کو علامہ عینی علیہ الرحمہ نے ج ۳ ص ۱۲ تا ص ۱۳ تک ذکر کیا ہے۔

قرأت خلف الامام کی ممانعت اسّی صحابہ کرام سے مروی ہے

علامہ عینی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ قرأۃ خلف الامام سے اسّی صحابہ کرام نے منع فرمایا۔ جن میں علی مرتضیٰ اور عبادلہ ثلاثہ (ابن عمر، ابن عباس و ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم) بھی شامل ہیں اور دس صحابہ کرام قرأۃ خلف الامام سے شدت کے ساتھ منع کرتے تھے۔ جناب صدیق اکبر، فاروق اعظم، عثمان غنی، علی مرتضیٰ، عبد الرحمن بن عوف، سعد ابن ابی وقاص، عبد اللہ بن مسعود، زید بن ثابت، عبد اللہ بن عباس، عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ ان جلیل القدر اکابر صحابہ کا قرأۃ خلف الامام کی ممانعت پر اتفاق کرنا بمنزلہ اجماع ہی کے ہے۔ اسی لئے صاحب ہدایہ علیہ الرحمہ نے باعتبار اتفاق اکثر یہ تحریر فرمایا ہے کہ ترک قرأۃ خلف الامام صحابہ کرام کا اجماع ہے۔ عینی ج ۳ ص ۱۲

احادیث در بارہ ممانعت قرأۃ خلف الامام۔ قرأۃ خلف الامام کی ممانعت پر کثیر حدیثیں وارد ہوئیں جن میں سے چند یہ ہیں۔

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلّٰی بِاَصْحَابِہٖ فَلَمَّا قَضٰی صَلٰوتَہٗ اَقْبَلَ عَلَیْہِمْ بِوَجْہِہٖ فَقَالَ اَتَقْرَءُوْنَ خَلْفَ اِمَامِکُمْ وَالْاِمَامُ یَقْرَءُ فَسَکَتُوْا فَقَالَہَا ثَلٰثَ مَرَّاتٍ فَقَالُوْا اِنَّا لَنَفْعَلُ فَقَالَ لَا تَفْعَلُوْا (طحاوی ص ۱۲۸)

حضرت انس سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے اپنے صحابہ کے ساتھ نماز پڑھی۔ نماز کے بعد آپ نے صحابہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کیا تم امام کے پیچھے پڑھتے ہو۔ حالانکہ امام بھی پڑھتے ہیں۔ تین مرتبہ فرمایا۔ انہوں نے عرض کی ہاں ہم امام کے پیچھے پڑھتے ہیں۔ حضور نے فرمایا نہ پڑھا کرو۔

امام بیہقی نے حضرت عمر سے روایت کیا کہ حضور علیہ السلام نے نماز فجر پڑھی

فَقَرَءَ رَجُلٌ مِّنَ النَّاسِ فِیْ نَفْسِہٖ فَقَالَ ہَلْ قَرَءَ مَعِیَ اَحَدٌ مِّنْکُمْ ثَلٰثًا فَقَالَ الرَّجُلُ نَعَمْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَنَا کُنْتُ اَقْرَءُ فَقَالَ اَقُوْلُ مَالِیْ اُنَازَعُ الْقُرْاٰنَ اَمَا یَکْفِیْ اَحَدَکُمْ قِرَاءَۃُ اِمَامِہٖ اِنَّمَا جُعِلَ الْاِمَامُ لِیُؤْتَمَّ بِہٖ فَاِذَا قَرَءَ فَاَنْصِتُوْا (بیہقی)

تو ایک آدمی نے اپنے جی میں قرأت کی۔ اس پر حضور نے تین بار فرمایا کیا میرے ساتھ تم میں سے کسی نے قرأت کی ہے۔ ایک شخص نے عرض کی میں نے قرأت کی ہے حضور نے فرمایا کہ میں بھی کہتا تھا کہ قرآن میں مجھ سے کیوں جھگڑا جا رہا ہوں۔ کیا تم کو امام کی قرأت کفایت نہیں کرتی۔ امام اس لئے بنایا گیا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے جب وہ قرأت کرے تو تم چپ رہو۔

اس حدیث سے واضح ہوا کہ سری نمازوں میں بھی مقتدی کو خاموش رہنا چاہیے۔ بیزہ کہ جس شخص نے قرأۃ خلف الامام کی تھی۔ [illegible]
پنے جی میں کی تھی تو اس حدیث نے سری نمازوں میں امام کے پیچھے اپنے جی میں پڑھنے کی ممانعت بھی واضح ہوئی۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ لَهٗ اِمَامٌ فَقِرَاءَةُ الْاِمَامِ لَهٗ قِرَاءَةٌ (طبرانی، دارقطنی)

حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا امام [illegible]
پڑھنا مقتدی کا پڑھنا ہے

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ لَهٗ اِمَامٌ فَقِرَاءَةُ الْاِمَامِ لَهٗ قِرَاءَةٌ (ابن ماجہ و موطا)

حضرت جابر سے روایت ہے۔ حضور علیہ السلام نے [illegible]
جس کے لئے امام ہو۔ تو امام کا قرآن پڑھنا مقتدی [illegible]
پڑھنا ہے۔

محمد ابن منیع امام ابن ہمام نے کہا یہ اسناد صحیح ہے علی شرط الشیخین اور اس کے راوی بخاری و مسلم کی شرط پر [illegible]
نیز امام محمد نے کتاب الآثار میں متصل درج کیا ہے متصل حدیث یہ ہے۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ صَلّٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَرَجُلٌ خَلْفَهٗ يَقْرَاُ فَجَعَلَ رَجُلٌ مِّنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ يَنْهَاهُ عَنِ الْقِرَاءَةِ فِی الصَّلٰوةِ فَقَالَ اَتَنْهَانِیْ عَنِ الْقِرَاءَةِ خَلْفَ نَبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَتَنَازَعَا حَتّٰی ذُكِرَ ذٰلِكَ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰی خَلْفَ الْاِمَامِ فَاِنَّ قِرَاءَةَ الْاِمَامِ لَهٗ قِرَاءَةٌ (کتاب الآثار [illegible])

جابر ابن عبد اللہ انصاری فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی [illegible]
علیہ وسلم نے نماز پڑھائی۔ اور ایک آدمی آپ کے پیچھے [illegible]
تھا تو ایک صحابی نے اس شخص کو منع کیا۔ اس نے [illegible]
تو مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پڑھنے سے منع [illegible]
کرتا ہے؟ ان دونوں کا آپس میں تنازعہ ہوا۔ حتیٰ [illegible]
اس واقعہ کی حضور علیہ السلام کو اطلاع ہوئی تو آپ [illegible]
فرمایا جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے۔ تو تحقیق امام کی قرأت
اس (مقتدی) کی قرأت ہے۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ مَنْ صَلّٰی رَكْعَةً فَلَمْ يَقْرَاْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فَلَمْ يُصَلِّ اِلَّا وَرَاءَ الْاِمَامِ (طحاوی، دارقطنی)

حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے حضور علیہ السلام
نے فرمایا جس شخص نے ایک رکعت بھی پڑھی۔ فاتحہ [illegible]
پڑھی۔ اس کی نماز کامل نہیں۔ مگر امام کے پیچھے یعنی امام کے
پیچھے قرأت نہیں۔

اس حدیث کو امام ترمذی نے موقوفاً روایت کیا اور کہا حسن صحیح ہے اور امام دارقطنی و طحاوی نے مرفوعاً روایت [illegible]
[illegible] اسی طرح یحییٰ بن سلام اور اسماعیل سدی نے اس کو مرفوعاً روایت کیا اور یہ دونوں صدوق ثقہ [illegible]
ذیل اصول ملاحظہ میں بھی یہ حدیث مرفوعاً درج ہے

[illegible] حدیث کے بعد [illegible] امام ترمذی نے لکھا کر رجل فاخذہ ھو قول ابی حنیفۃ کہ امام اصل اس حدیث پر ہے اور یہ قول ہے امام اعظم [illegible]
[illegible] اس حدیث کو بھی بعض کتب میں درج کیا ہے کہ وہ قرأت خلف الامام کو مستحسن قرار دیتے ہیں غلط ہے۔

[illegible] مرشد کبیر [illegible] نے تحقیق التقریر میں اس طرح لکھا ہے اخبرنا اسحاق الازرق ثنا سفیان و شریک عن موسیٰ
[illegible] ابی عائشۃ عن عبد اللہ بن شداد عن جابر

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّی الظُّهْرَ فَجَعَلَ رَجُلٌ يَقْرَءُ خَلْفَهٗ بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰی فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ اَيُّكُمْ قَرَءَ اَوْ اَيُّكُمُ الْقَارِئُ فَقَالَ رَجُلٌ اَنَا فَقَالَ قَدْ ظَنَنْتُ اَنَّ بَعْضَكُمْ خَالَجَنِيْهَا

(مسلم صفحہ ۱۷۲، نسائی صفحہ ۱۴۶)

عمران بن حصین فرماتے ہیں۔ کہ حضور علیہ السلام نے ظہر کی نماز پڑھائی۔ تو ایک آدمی نے آپ کے پیچھے سبح اسم ربک الاعلیٰ پڑھی۔ جب آپ فارغ ہوئے تو فرمایا کس نے پڑھا یا کون پڑھنے والا ہے؟ ایک شخص نے عرض کی۔ میں ہوں۔ تو آپ نے فرمایا۔ تحقیق میں نے خیال کیا کہ تم میں سے کسی نے مجھے خلجان میں ڈالا۔

اس حدیث کو امام نسائی نے باب ترك القراءة خلف الامام فيما لم يجهر فيه میں ذکر کیا یعنی جن نمازوں میں قرأت آہستہ کی جاتی ہے۔ ان نمازوں میں قرأت خلف الامام کے ترک کے باب میں اس حدیث کو درج کیا۔ اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ سری نمازوں میں بھی امام کے پیچھے قرأت نہیں کرنی چاہیئے۔

حضرت عمران بن حصین سے روایت ہے کہ

قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ بِالنَّاسِ وَرَجُلٌ يَقْرَءُ خَلْفَهٗ فَلَمَّا فَرَغَ قَالَ مَنْ ذَا الَّذِيْ يُخَالِجُنِيْ سُوْرَتِيْ فَنَهَاهُمْ عَنِ الْقِرَاءَةِ خَلْفَ الْاِمَامِ.

(دار قطنی صفحہ ۱۲۶)

حضور علیہ السلام لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے۔ اور ایک آدمی آپ کے پیچھے قرأت کر رہا تھا۔ جب حضور نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا مجھے خلجان میں ڈالنے والا کون تھا۔ تو آپ نے ان کو امام کے پیچھے قرأت کرنے سے منع فرمایا۔

عَنْ اَبِي الْاَحْوَصِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ كَانُوْا يَقْرَءُوْنَ خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ خَلَطْتُمْ عَلَيَّ الْقُرْاٰنَ (طحاوی، مجمع الزوائد، طبرانی، اسناده حسن، آثار السنن صفحہ ۸۸)

ابو الاحوص سے روایت ہے۔ کہ لوگ حضور علیہ السلام کے پیچھے نماز میں قرأت کرتے تھے۔ اس پر حضور نے فرمایا تم نے مجھ پر قرأت خلط کر دی۔

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا جُعِلَ الْاِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهٖ فَاِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوْا وَاِذَا قَرَءَ فَاَنْصِتُوْا.

(نسائی)

حضور علیہ السلام نے فرمایا امام اس لئے مقرر کیا جاتا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے تو جب وہ تکبیر کہے تم بھی تکبیر کہو جب وہ قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔

مسلم شریف باب التشہد میں ہے کہ ابو بکر نے سلیمان سے پوچھا کہ حدیث ابو ہریرہ کیسی ہے تو انہوں نے کہا ھو صحیح یعنی واذا قرء فانصتوا والی حدیث کہ جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔ صحیح حدیث ہے۔

امام بیہقی نے ابو سعید خدری سے روایت کیا۔

سَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الرَّجُلِ خَلْفَ الْاِمَامِ لَا يَقْرَءُ شَيْئًا اَيُجْزِيْهِ قَالَ نَعَمْ

میں نے حضور علیہ السلام سے اس شخص کے متعلق پوچھا امام کے پیچھے قرأت نہ کرے کیا اس کو کفایت کرتا ہے حضور نے فرمایا ہاں

دار قطنی نے حضرت علی سے روایت کی کہ

قَالَ رَجُلٌ لِلنَّبِيِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقْرَاُ

ایک شخص نے حضور علیہ السلام سے سوال کیا امام کے پیچھے

خَلْفَ الْإِمَامِ أَوْ أُنْصِتُ قَالَ بَلْ أَنْصِتْ فَإِنَّهُ سَيَكْفِيكَ (دارقطنی)

قرأت کروں یا خاموش رہوں، حضور نے فرمایا خاموش رہو امام تیرے لئے کافی ہے۔

امام طحاوی نے حضرت جابر سے مرفوعاً روایت کیا کہ

لَا تَقْرَءُوا خَلْفَ الْإِمَامِ فِي شَيْءٍ مِنَ الصَّلَوٰتِ

حضور علیہ السلام نے فرمایا، امام کے پیچھے کچھ قرأت نہ کرو نمازوں میں

امام بیہقی نے کتاب القرأۃ میں حضرت ابن عمر سے مرفوعاً روایت کیا کہ

اِنَّ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَھٰی عَنِ الْقِرَاءَۃِ خَلْفَ الْإِمَامِ

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے امام کے پیچھے قرأت منع فرمایا۔

ابی اکیمہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوہریرہ سے سنا وہ کہتے تھے کہ

صَلّٰی النَّبِيُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِأَصْحَابِہٖ صَلٰوۃً نَظُنُّ أَنَّھَا الصُّبْحُ فَقَالَ ھَلْ قَرَأَ مِنْكُمْ أَحَدٌ قَالَ رَجُلٌ أَنَا قَالَ إِنِّي أَقُولُ مَالِي أُنَازَعُ الْقُرْاٰنَ

(ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

حضور علیہ السلام نے نماز پڑھائی، ہمارا گمان ہے کہ وہ فجر کی نماز تھی، اس کے بعد فرمایا، تم میں سے کسی نے قرأت کی ہے؟ ایک شخص نے عرض کی، ہاں میں نے قرأت کی ہے۔ اس پر آپ نے فرمایا، میں بھی کہتا تھا کہ قرآن میں مجھ کو کیا جھگڑا ہو رہا ہے۔

بیہقی نے حضرت ابن عباس سے مرفوعاً روایت کیا کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا۔

مَنْ كَانَ لَهٗ إِمَامٌ فَلَا يَقْرَءُوْنَ مَعَهٗ فَإِنَّ قِرَاءَتَهٗ لَهٗ قِرَاءَۃٌ۔

جس کے لئے امام ہو وہ امام کے ساتھ کچھ نہ پڑھے کیونکہ قرأۃ امام کی مقتدی کی کھلئے ہے۔

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

يَكْفِيكَ قِرَاءَۃُ الْإِمَامِ خَافَتَ أَوْ جَھَرَ

(دارقطنی ص۱۲۶)

تیرے لئے امام کا پڑھنا کافی ہے۔ جہری ہو یا سری۔

حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا۔

كُلُّ صَلٰوۃٍ لَا يُقْرَأُ فِيهَا بِأُمِّ الْكِتَابِ فَهِيَ خِدَاجٌ إِلَّا صَلٰوۃً خَلْفَ إِمَامٍ (بیہقی)

ہر وہ نماز جس میں فاتحہ نہ پڑھی جائے ناقص ہے، وہ نماز جو امام کے پیچھے پڑھی جائے۔

شعبی سے روایت ہے کہ

قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا قِرَاءَۃَ خَلْفَ الْإِمَامِ

(دارقطنی، بیہقی)

حضور علیہ السلام نے فرمایا، امام کے پیچھے کوئی قرأت نہیں۔

صحابہ کرام و تابعین عظام کے قرأۃ خلف الامام کے متعلق ارشادات

صحابہ کرام و تابعین عظام کی ایک جماعت نہ صرف یہ کہ وہ قرأت خلف امام کی قائل نہ تھی، بلکہ اس سے منع بھی کرتی تھی۔ چنانچہ عبید اللہ بن مقسم اپنے والد سے راوی ہیں وہ کہتے ہیں کہ

كان عشرة من اصحاب النبى صلى الله عليه وسلم ينهون عن القراءة خلف الامام اشد النهى (عينى ج ۳)

دس صحابۂ رسول قرأۃ خلف الامام سے سختی کے ساتھ منع فرمایا کرتے تھے۔

حضرت صدیق اکبر، فاروق اعظم، عثمان غنی، علی مرتضیٰ، عبد الرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، ابن مسعود، زید بن ثابت، عبد اللہ بن عمر، عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

صدیق اکبر۔ عن موسى بن عقبة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم وابابكر وعمر وعثمان كانوا ينهون عن القراءة خلف الامام

(مصنف عبد الرزاق، عینی ج ۳)

موسیٰ بن عقبہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اور ابو بکر و عمر و عثمان نے قرأۃ خلف الامام سے منع فرمایا ہے۔

حضرت فاروق اعظم

قال ليت فى فم الذى يقرء خلف الامام حجرا (موطا امام محمد)

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا کاش جو امام کے پیچھے قرأت کرے اس کے منہ میں پتھر ہوں۔

حضرت علی مرتضیٰ۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا

من قرء خلف الامام فليس على الفطرة (طحاوی)

جو امام کے پیچھے قرأت کرے، وہ دین فطرت پر نہیں ہے۔

عن امير المؤمنين على المرتضى كرم الله وجهه قال من قرء خلف الامام فقد اخطأ

(رواه ابن ابى شيبة وعبد الرزاق فى مصنفيهما)

علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا۔ جس نے امام کے پیچھے قرأت کی اس نے خطا کی

عبد اللہ بن عمر

عن ابن عمر قال اذا صلى احدكم خلف الامام فحسبه قرأة الامام واذا صلى وحده فليقرء قال وكان عبد الله لا يقرء خلف الامام (موطا امام مالک)

حضرت عبد اللہ بن عمر فرماتے ہیں جب تم امام کے پیچھے نماز پڑھو تو تمہیں امام کی قرأت کافی ہے اور جب اکیلے نماز پڑھو تو پھر قرأت کرو۔ نافع نے کہا حضرت عبد اللہ بن عمر امام کے پیچھے قرأۃ نہیں کرتے تھے۔

نیز حضرت جابر

قال من صلى خلف الامام فقرأة الامام له قرأة (موطا امام محمد)

جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے اس کو امام کی قرأت کافی ہوگی

عبد اللہ بن مقسم کہتے ہیں کہ

انه سئل عبد الله بن عمر وزيد بن ثابت وجابر بن عبد الله فقالوا لا تقرأوا خلف الامام فى شئ من الصلوات (طحاوی)

میں نے عبد اللہ بن عمر و زید بن ثابت و جابر بن عبد اللہ صحابیوں سے پوچھا تو انھوں نے فرمایا کہ امام کے پیچھے کسی نماز میں قرأت نہ کی جائے۔

ان ابن عمر کان ینھی عن القراءۃ خلف الامام

(عبدالرزاق، جوہر النقی صـ۱۵۵)

حضرت ابن عمر قرأت خلف الامام سے منع فرمایا کرتے تھے۔

عن ابن ذکوان عن زید بن ثابت و ابن عمر کانا لا یقرءان خلف الامام

(عبدالرزاق، جوہر النقی صـ۱۵۵)

ذکوان سے روایت ہے کہ حضرت زید بن ثابت و عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما امام کے پیچھے قرأت نہیں کرتے تھے۔

واخرج ایضا عن ابن عمر انہ سُئل عن القراءۃ خلف الامام قال تکفیک قراءۃ الامام

(مسند احمد ج ۲ صـ۱۴)

حضرت ابن عمر سے قرأت خلف الامام کے متعلق پوچھا گیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ تجھے امام کی قرأت کافی ہے

حضرت ابن عباس ابو حمزہ کہتے ہیں کہ

قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ اَقْرَءُ وَالْاِمَامُ بَیْنَ یَدَیَّ فَقَالَ لَا

(طحاوی)

میں نے حضرت ابن عباس سے پوچھا کہ کیا میں اس صورت میں قرأت کروں جبکہ امام میرے آگے ہو آپ نے فرمایا نہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود حضرت علقمہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا

قَالَ لَیْتَ الَّذِیْ یَقْرَءُ خَلْفَ الْاِمَامِ مُلِئَ فُوْہُ تُرَابًا

(طحاوی صـ۱۲۹)

کاش کہ جو امام کے پیچھے پڑھتا ہے۔ اس کا منہ مٹی سے بھرا جائے۔

قَالَ انصت للقراٰۃ فان فی الصلوٰۃ شغلا و سیکفیک ذلک الامام (مینی ج صـ۱۲ طحاوی و طبرانی وابن ابی شیبہ و عبدالرزاق)

حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا: قرأت کے وقت خاموش رہو۔ تحقیق نماز میں شغل ہے اور بے شک قرأت کے لئے تجھے امام کافی ہے۔

واخرج عن علقمۃ بن قیس اِنَّ عَبْدَ اللّٰہِ ابن مسعود کَانَ لَا یَقْرَءُ خَلْفَ الامام فیما یجھر فیہ و فیما یخافت فیہ الاولیین ولا فی الاخریین فاذا صلّٰی وحدہ قرء فی الاولیین بفاتحۃ الکتاب و سورۃ و لم یقرء فی الاخریین شیئا

علقمہ بن قیس سے روایت ہے۔ کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود امام کے پیچھے نہیں پڑھتے تھے نہ جہری نمازوں میں نہ سری نمازوں میں۔ نہ پہلی دو رکعتوں میں نہ پچھلی دو رکعتوں میں اور جب اکیلے نماز پڑھتے تو پہلی دو رکعتوں میں الحمد و سورہ پڑھتے اور پچھلی دو رکعتوں میں کچھ نہیں پڑھتے تھے۔

اس سے واضح ہوا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ امام کے پیچھے قرأت نہیں کرتے تھے اور یہ بھی کہ پچھلی دو رکعتوں میں قرأت واجب نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت ابن مسعود جب اکیلے نماز پڑھتے تو پچھلی دو رکعتوں میں کچھ نہیں پڑھتے تھے۔

سعد بن وقاص

قَالَ وَدِدْتُ اَنَّ الَّذِیْ یَقْرَءُ خَلْفَ الْاِمَامِ فِیْ فِیْہِ جَمْرَۃٌ

(موطا امام محمد و ابن ابی شیبہ و عبدالرزاق۔ عینی ج صـ۱۲)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں۔ مجھے یہ پسند ہے کہ جو امام کے پیچھے قرأت کرے اس کے منہ میں چنگاری ہو۔

حضرت ابو درداء

عن كثير بن مرة عن ابى الدرداء قال قام رجل فقال يا رسول الله أ في كل صلوٰة قرآن. قال نعم. فقال رجل من القوم وجب هٰذا فقال ابو الدرداء يا كثير ما ارى الامام اذا ام القوم الا قد كفاهم۔

(دارقطنی ص۱۲۳ طحاوی ص۱۲۸)

ابو درداء کہتے ہیں: ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ ہر نماز میں قرآن ہے؟ حضور نے فرمایا ہاں۔ تو قوم میں سے ایک شخص نے کہا یہ واجب ہو گیا۔ تو ابو درداء نے کہا اے کثیر اور میں اس کے پہلو میں تھا۔ میں نہیں دیکھتا امام کو کہ وہ امامت کرے۔ مگر اس کی قرأت مقتدیوں کو کافی ہو گی

دیکھیے حضرت ابو درداء صحابی امام کی قرأت مقتدیوں کے لئے کافی قرار دے رہے ہیں اور فی کل صلوٰۃ قرآن کا مطلب انہوں نے یہی سمجھا کہ امام کی قرأت مقتدیوں کے لئے کافی ہے۔ فافہم

حضرت زید بن ثابت

[illegible] سأل زيد ابن ثابت عن القراءة مع الامام فقال لا قراءة مع الامام في شيء (مسلم باب سجود التلاوۃ)

عطاء بن یسار نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے امام کے ساتھ قرأت کے متعلق پوچھا۔ تو آپ نے فرمایا امام کے ساتھ کسی قرأۃ جائز نہیں۔

قال من قرأ خلف الامام فلا صلوٰة له (موطا ص[illegible])

حضرت زید بن ثابت نے فرمایا۔ جو شخص امام کے پیچھے پڑھے اس کی نماز نہیں۔

علقمہ بن قیس

[illegible] لان اعض على جمرة احب الىّ من ان اقرأ خلف الامام (موطا ص[illegible])

علقمہ تابعی کہتے ہیں کہ مجھے آگ کی چنگاری منہ میں رکھنی امام کے پیچھے قرأت کرنے سے زیادہ محبوب ہے۔

ولید بن قیس

أقرأ خلف الامام في الظهر و العصر قال لا

(ابن ابی شیبہ) (آثار السنن ص[illegible])

ولید بن قیس کہتے ہیں: میں نے سوید بن غفلہ تابعی سے پوچھا کہ کیا میں ظہر و عصر میں امام کے پیچھے قرأت کروں تو انہوں نے کہا نہیں۔

ابن سیرین

قال لا اعلم القراءة خلف الامام من السنة

(ابوبکر بن ابی شیبہ) (آثار السنن ص[illegible])

حضرت ابن سیرین نے کہا کہ میں قرأت خلف الامام کو سنت نہیں سمجھتا۔

یہ تمام احادیث و آثار امام کے پیچھے قرأت کی ممانعت پر نص صریح ہیں علاوہ ازیں اگر عقلاً دیکھا جائے تو وہ بھی یہی چاہتی ہے کہ مقتدی امام کے پیچھے سورہ فاتحہ نہ پڑھے۔

دلائل عقلیہ

(۱) اگر مقتدی کے لئے سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہوتا تو جو شخص رکوع کی حالت میں امام کو پا لیتا ہے وہ رکعت کو نہ پاتا۔ حالانکہ یہ بات سب کے نزدیک متفق ہے کہ اگر امام رکوع میں پہنچ گیا ہے اور کوئی شخص

تکبیر تحریمہ کہہ کر ایک تسبیح کی مقدار قیام کر کے امام کے ساتھ رکوع میں چلا گیا اور سورہ فاتحہ نہیں پڑھ سکا تو اس نے رکعت کو پا لیا۔ اس سے واضح ہوا کہ امام کی قرأت مقتدی کے لئے کافی ہے۔ ورنہ اگر فرض رہ جانے تو نماز نہیں ہوتی۔

(۵) دربار شاہی میں جب کوئی وفد حاضری دیتا ہے۔ تو آداب دربار سب بجالاتے ہیں۔ مگر عرض معروض صرف ایک ہی کرتا ہے۔ اسی طرح باجماعت نماز کے دربار الٰہی میں وفد کی شکل میں حاضری دیتے ہیں۔ نماز کے ارکان رکوع و سجود و قیام وغیرہ سب ادا کرتے ہیں کہ یہ دربار کے آداب ہیں۔ اسی طرح تسبیح التحیات وغیرہ سب پڑھتے ہیں کہ یہ دربار خداوندی کا سلام ہے لیکن تلاوت قرآن صرف امام ہی کرتا ہے۔ کیونکہ عرض و معروض کا حق صرف امام کو ہے پھر جس طرح کسی وفد کے امام کا کلام وفد کے تمام افراد کا کلام سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح نماز میں امام کا قرآن پڑھنا مقتدی کو پڑھنا ہے۔

(۶) حدیث مسلم سے ثابت ہوتا ہے کہ نماز میں سورہ فاتحہ کے ساتھ سورہ کا پڑھنا بھی ضروری ہے۔ اور مخالفین بھی یہ مانتے ہیں کہ مقتدی امام کے پیچھے یہ سورہ نہ پڑھے تو جیسے سورہ میں امام کی قرأت کافی ہے۔ فاتحہ میں بھی کافی ہونی چاہیئے۔ نہ مقتدی کو نہ فاتحہ پڑھنی چاہیئے اور نہ کوئی سورت۔

چند سوالات کے جوابات

اس سلسلے میں چند شبہات پیش کئے جاتے ہیں۔ جو زیادہ تر موجودہ غیر مقلد حضرات کی طرف سے کئے گئے ہیں۔ جن کے مختصر جوابات یہ ہیں۔

(۱) آیت واذا قرئ القرآن کا تعلق جمعہ کے خطبہ سے ہے جیسا کہ بعض مفسرین نے لکھا ہے۔ لہٰذا آیت میں جمعہ کے خطبے کے وقت خاموش رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔

(۲) یہ آیت مشرکین کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ بوقت تلاوت قرآن مشرکین شور مچایا کرتے تھے انہیں حکم دیا گیا۔ کہ وہ خاموشی سے قرآن سنیں۔

(۳) بعض مفسرین نے یہ بھی لکھا کہ بعض مقتدی حضور کے پیچھے جہر اور بلند آواز سے قرآن مجید پڑھتے تھے جس کی ممانعت میں یہ آیت نازل ہوئی اور مقتدی کی جہری قرأت کی ممانعت پر سب کا اتفاق ہے اور سامع فاتحہ خلف الامام مصنفہ جناب نور صاحب پشاوری)

جواب ترتیب وار (۱) یہ سورہ مکیہ ہے اور جمعہ کی نماز و خطبہ ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں شروع ہوئی۔ ایسی صورت میں آیت کا تعلق خطبے سے کیونکر ہو سکتا ہے۔

(۲) قرآن مجید کی تلاوت بھی عبادت ہے۔ کفار پر کوئی عبادت واجب نہیں۔ لہٰذا قرآن کے سننے کا وجوب بغیر ایمان لائے ادا کیسے ہوگا۔ لہٰذا یہ غلط ہے کہ آیت میں خطاب کفار کو ہے۔ ثانیاً آیت کا دوسرا کلمہ اس امر پر نص صریح ہے کہ اس میں خطاب صرف مسلمانوں کو ہے۔ آخر میں (لعلکم ترحمون) تاکہ تم پر رحمت کی جائے اور کافر خواہ سارا قرآن ہی حفظ کرے اور روزانہ تلاوت کرے لیکن جب تک ایمان نہ لائیگا اس وقت تک رحمت کا مستحق ہو ہی نہیں سکتا۔

(۳) اگر کسی مفسر نے یہ لکھا ہے تو ہمیں مضر نہیں کیونکہ کسی آیت کا حکم شان نزول کے ساتھ خاص نہیں ہو جاتا۔ شان نزول اگر خاص بھی ہو تو بھی حکم عام رہتا ہے اور استدلال کرنے والا قرآن پاک کے لفظ و معنیٰ سے استدلال کرے گا۔ یہ آیت اور اس میں ممانعت کا حکم مطلق ہے کسی قید کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ لہٰذا آیت کا حکم سب کو شامل ہوگا اور اگر بالفرض آیت خطبہ یا جہری ممانعت کے لئے ہی نازل ہوئی ہو تو پھر بھی اس کا حکم خاص نہیں ہوگا اور آیت کا عموم و اطلاق جیسے خطبہ و جہری قرأت کی ممانعت کریگا اسی طرح آہستہ قرأت کی بھی ممانعت کریگا۔ غرضیکہ آیت کا عموم و اطلاق مقتدی کو سری و جہری تمام نمازوں

میں بھی چپ رہنے اور سننے کا حکم دیتا ہے۔ رہا یہ سوال کہ کیا یہ آیت قرأت خلف الامام کی ممانعت کے لئے نازل ہوا ہے۔ تو یہ ہم گزشتہ اوراق میں متعدد حدیثوں سے ثابت کر چکے ہیں۔ جیسا کہ صحیح مسلم میں عمران بن حصین سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے ظہر کی نماز پڑھائی۔ اور آپ کے پیچھے ایک مقتدی نے سبح اسم ربک پڑھی اور حضور نے اس پر انکار فرمایا۔

سوال۔ ترمذی میں عبادہ بن صامت کی روایت میں صریح طور پر حضور نے فرمایا ہے۔ قال لا تقرؤا إلا بأم القرآن۔ کہ امام کے پیچھے صرف سورہ فاتحہ پڑھا کرو۔ اس حدیث سے صاف، صریح طور پر واضح ہوا کہ مقتدی کو صرف سورہ فاتحہ پڑھنی چاہیے۔

جواب: اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور لکھا ہے کہ حسن ہے۔ اسی طرح بہت سے علماء نے اس کو صحیح کہا اور بعضوں نے ضعیف۔ چنانچہ علامہ زیلعی لکھتے ہیں فاضعفه احمد وجماعة یعنی اس حدیث کو امام احمد بن حنبل اور ایک جماعت نے ضعیف قرار دیا۔ اور یحییٰ بن معین نے تصریح کی کہ جو استثناء اس حدیث کا صحیح نہیں ہے، اس ممانعت اختلاف سے ہمیں خود بھی تحقیق کرنی چاہیے۔

اس حدیث کے طرق اسناد میں محمد بن اسحٰق بن یسار جو حدیث کا راوی ہے۔ وہ مختلف فیہ ہے۔ حضرت یحییٰ بن قطان جیسی جرح کرنے والے نے صرف تسلیم کی بلکہ یہاں تک کہا جس کو یحییٰ چھوڑ دیں گے ہم بھی چھوڑ دیں گے تہذیب التہذیب میں اس کے متعلق لکھا ہے اشهد ان محمد بن اسحاق کذاب، اور سلیمان تیمی نے بھی اس کو کذاب کہا اور سیدنا امام مالک نے دجال کہا۔ میزان الاعتدال میں ہے دارقطنی نے کہا اس کے ساتھ حجت پکڑنا صحیح نہیں اور نسائی نے کہا قوی نہیں۔ رہ گئی جماعت علماء جو اس کو ثقہ کہتی ہے وہ قول کثیر ص ۲۲ ؛

یہ قاعدہ ہے کہ جب کسی شخص کو چند لوگ ثقہ و عادل کہیں اور چند اس کو ضعیف اور ناقابل استناد قرار دیں۔ اور کوئی شخص اسباب جرح کا عارف تفصیلی وجوہات کی بنا پر اس کو ضعیف کہے تو اعتبار ضعف کا ہوگا۔ جیسا کہ علامہ ابن حجر نے نخبۃ الفکر میں تصریح فرمائی ہے کہ

والجرح مقدم على التعديل واطلق ذلك جماعة ولكن محله ان صدر مبينا من عارف باسبابه لانه ان كان غير مفسر لم يقدح فيمن ثبتت عدالته وان صدر من غير عارف بالاسباب لم يعتبر به ايضا (نخبۃ الفکر)

جرح تعدیل پر مقدم ہے۔ اور ایک جماعت نے اس بات کو عام رکھا ہے لیکن اس کا موقع یہ ہے کہ جب وہ جرح تفسیر کے ساتھ اس شخص سے صادر ہوئی ہو جو اسباب جرح کا عارف ہے کیونکہ جب جرح غیر مفسر ہے کسی حق میں معتبر نہیں جس کی عدالت ثابت ہو چکی ہو۔ یہی طرح اگر ایسا شخص جرح کرے جو اسباب جرح کا عارف نہیں ہے تو اس جرح کا بھی کوئی اعتبار نہیں۔

اور یہ مسلم ہے کہ حضرت یحییٰ بن قطان اسباب جرح کے عارف ہیں۔ چنانچہ تہذیب میں ہے۔

قال ابراهيم بن محمد التيمي ما رأيت اعلم بالرجال من يحيى القطان (تہذیب التہذیب ص ۲۱۶)

ابراہیم تیمی نے کہا میں نے یحییٰ قطان سے زیادہ کسی کو رجال کا جاننے والا نہیں پایا۔

اسی طرح امام احمد بن حنبل نے فرمایا میں نے یحییٰ قطان کا مثل نہیں دیکھا۔ اور یہ بھی مسلم ہے کہ کتاب کا لفظ جرح مفسر ہے لہٰذا محمد بن اسحاق لامحالہ ضعیف اور غیر معتبر قرار پائے گا۔

۵ قطع نظر اس کے محمد بن اسحاق کو تقریب میں مدلس بھی لکھا ہے (تیاریر جلد اول صفحہ)

۵۵ مدلس ہونا ایک خاص قسم کا عیب ہے۔ علامہ عینی جبر ارحمتہ نے لکھا

وفي حديث عبادة محمد بن اسحاق بن يسار وهو مدلس عینی ج ۳

حدیث عبادہ میں محمد بن اسحاق مدلس ہے۔

قال النووی ليس فيه الا التدليس

علامہ نووی نے فرمایا اس میں تدلیس ہی ہے

بنایہ ج ۱ ص ۱۱۱

۵ یہ بھی مسلم ہے کہ مدلس جب لفظ عن سے روایت کرے تو یہ روایت متصل نہیں تو اپائے گی۔ اور حدیث عبادہ ۵ ترمذی وغیرہ میں مذکور ہے محمد بن اسحاق سے بلفظ عن مرقوم ہے۔ لہذا یہ روایت منقطع ہوگی اور قابل حجت نہ رہے گی علامہ عینی علیہ الرحمتہ نے لکھا ہے کہ

المدلس اذا قال عن فلان لا يحتج بحديثه عند جميع المحدثين مع انه قد كذبه مالك وضعفه احمد وقال لا يصح الحديث عنه وقال ابو زرعة الرازی لا يقضی له بشیء عینی ج ۳

مدلس جب بلفظ عن فلاں روایت کرے تو اس کی حدیث تمام محدثین کے نزدیک قابل حجت نہ ہوگی ——— محمد بن اسحاق کو امام مالک نے کذاب اور امام احمد نے ضعیف قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ اس سے حدیث لینا صحیح نہیں ابو زرعہ رازی نے اس کی کسی بات کا اعتبار نہیں کیا۔

خلاصہ کلام یہ کہ حدیث عبادہ بن صامت لائق استدلال نہیں ہے اور ممانعت کی صحیح احادیث کو چھوڑ کر ایک ضعیف حدیث کا سہارا لینے کی آخر ضرورت ہی کیا ہے؟

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَدَخَلَ رَجُلٌ فَصَلّٰى فَسَلَّمَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَدَّ وَقَالَ اِرْجِعْ فَصَلِّ فَاِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ فَرَجَعَ فَصَلّٰى كَمَا صَلّٰى ثُمَّ جَاءَ فَسَلَّمَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ ارْجِعْ فَصَلِّ فَاِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ ثَلَاثًا فَقَالَ وَالَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا اُحْسِنُ غَيْرَهٗ فَعَلِّمْنِيْ فَقَالَ اِذَا قُمْتَ اِلَى الصَّلٰوةِ فَكَبِّرْ ثُمَّ اقْرَاْ مَا تَيَسَّرَ مَعَكَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ثُمَّ ارْكَعْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ رَاكِعًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَعْتَدِلَ قَائِمًا ثُمَّ اسْجُدْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا ثُمَّ ارْفَعْ

حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے۔ اتنے میں ایک شخص آیا اس نے نماز پڑھی پھر نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا آپ نے اس کو جواب دیا اور فرمایا جا پھر نماز پڑھ! تو نے نماز نہیں پڑھی وہ گیا اور پھر پہلے کی طرح نماز پڑھی۔ پھر آیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا تو آپ نے فرمایا جا لوٹ جا اور نماز پڑھ۔ تو نے نماز نہیں پڑھی تین بار ایسا ہی ہوا۔ آخر اس نے عرض کیا۔ قسم اس ذات کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے میں اس سے اچھی نماز نہیں پڑھ سکتا۔ مجھ کو سکھلایئے تب آپ نے فرمایا جب تو نماز کے لئے کھڑا ہو تو اللہ اکبر کہہ۔ پھر جو قرآن تجھ کو یاد ہو آسانی سے پڑھ سکے پڑھ۔ پھر رکوع کر یہاں تک کہ تو رکوع کے اندر اطمینان کرے پھر سر اٹھا یہاں تک کہ تو بالکل سیدھا کھڑا ہو جائے پھر سجدہ کر اور سجدہ کے اندر اطمینان کر۔ پھر

حَتّٰی تَطْمَئِنَّ جَالِسًا وَافْعَلْ فِیْ صَلٰوتِکَ کُلِّھَا

سجدہ سے اٹھ: یہاں تک کہ تو بیٹھنے میں اطمینان حاصل کرے اسی طرح ساری نماز میں کر۔

فوائد و مسائل: اس حدیث کو امام نے صلوٰۃ و استیذان میں ذکر کیا اور مسلم و ابوداؤد و نسائی و ترمذی نے صلوٰۃ میں ذکر کیا۔ یہ حدیث عنوان کے حصہ بخفت کے مطابق ہے کیونکہ حضور علیہ السلام نے اس شخص کو نماز میں قراءت کا حکم دیا اور اس کی نماز ساری دن کی (تھی) مسائل یہ ہے کہ صلوٰۃ سریہ میں قراءت آہستہ کی جاتی ہے۔

دن کی نمازوں میں آہستہ اور رات کی نمازوں میں جہر سے قراءت کرنا واجب ہے

جیسے ظہر و عصر الا یہ کہ جسے دلیل شرعی خاص کرے جیسے جمعہ و عیدین۔ دن کی نمازوں میں حضور علیہ السلام نے آہستہ قراءت کرنے پر اور رات کی نمازوں میں جہر کی نسبت فرمائی ہے۔ واضح ہو کہ فجر و مغرب و عشاء کی پہلی دو دو رکعتوں میں اور جمعہ و عیدین و تراویح اور وتر رمضان کی سب رکعتوں میں امام پر جہر واجب ہے اور مغرب کی تیسری اور عشاء کی تیسری چوتھی اور ظہر و عصر کی تمام رکعتوں میں آہستہ پڑھنا واجب ہے۔ جہر کے معنے یہ ہیں کہ دوسرے لوگ جو صف اول میں ہیں سن سکیں۔ یہ ادنیٰ درجہ ہے اور اعلیٰ درجہ کے لئے کوئی حد مقرر نہیں اور آہستہ پڑھنے کا یہ مطلب ہے کہ وہ خود سن سکے۔

(۱) حدیث ابو معمر جبرئیل بروایت انس میں ہے۔

اَنَّهٗ اَسَرَّ فِی الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ وَالثَّالِثَةِ مِنَ الْمَغْرِبِ وَالْاُخْرَیَیْنِ مِنَ الْعِشَاءِ

(دارقطنی۔ ابوداؤد)

کہ انہوں نے ظہر و عصر کی تمام رکعتوں میں اور مغرب کی تیسری اور عشاء کی دوسری اور تیسری میں آہستہ قراءت کی۔

حدیث ہذا مسائل ذیل پر مشتمل ہے۔

(۱) مسلمان کے سلام کا جواب دینا واجب ہے (۲) تعدیل ارکان یعنی رکوع و سجدہ و قومہ و جلسہ میں کم از کم ایک بار سبحان اللہ کہنے کی مقدار ٹھہرنا یعنی قومہ کہ رکوع سے سیدھا کھڑا ہو (۳) جلسہ یعنی دو سجدوں کے درمیان سیدھا بیٹھنا۔

نماز میں تعدیل ارکان واجب ہے۔ واضح ہو کہ احناف کے نزدیک تعدیل ارکان فرض نہیں ہے بلکہ واجب ہے۔ اور دلیل یہ ہے کہ یہ شخص تعدیل ارکان نہیں کر رہے تھے۔ اس پر حضور نے فرمایا کہ نماز دوبارہ پڑھو۔ تم نے نماز پڑھی ہی نہیں۔ یعنی تمہاری نماز کامل نہیں ہوئی۔ فانک لم تصل سے مراد نفی اصلاً نہیں ہے بلکہ نفی کمال مراد ہے جیسا کہ روایت ترمذی عن سعید المقبری عن ابی ہریرہ میں ہے۔

اذا فعلت هذا فقد تمت صلاتك وما انتقصت من هذا فانما انتقصت من صلاتك

(یعنی جو ہو سکا)

حضور نے فرمایا جب تو نے اس طرح نماز پڑھی تو تیری نماز پوری ہوگئی اور اگر اس میں تو نے تقصیر کی تو تیری نماز ناقص ہوگی۔

دیکھئے حضور علیہ السلام نے تعدیل ارکان ترک کرنے کی صورت میں اس کی نماز کو نماز ہی قرار دیا البتہ یہ فرمایا یہ نماز ناقص ہے اگر تعدیل ارکان فرض ہوتا تو حضور اس کی نماز کو نماز قرار نہ دیتے۔

ثالثاً: قرآن مجید میں فرمایا وارکعوا واسجدوا۔ رکوع کرو اور سجدہ کرو۔ یہ دونوں لفظ خاص ہیں۔ جن کے

تو یہ مطلق کو تنبیہ کرنا ہوگا اور یہ جائز نہیں ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے۔ ھذی تر ہو کر خود مجمل تھی اس لئے حدیث اس کا بیان ہو سکتی یعنی حضور کا ارشاد ثم اقرأ ما تیسر معک یہ تو مطلق ہے اس میں کوئی اجمال نہیں ہے۔ لہٰذا حدیث لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب اس کا بیان نہیں ہو سکتی۔

(۲) علامہ نووی علیہ الرحمۃ نے فرمایا حدیث اقرأ ما تیسر معک یا تو سورۃ فاتحہ پر محمول ہے کیونکہ سورۃ فاتحہ کا پڑھنا آسان ہے (۲) یا مقدار فاتحہ بعد فاتحہ پر محمول ہے (۳) یا من عجز عن الفاتحۃ پر محمول ہے لیکن یہ تینوں باتیں محض ہیں

اولًا۔ اس لئے کہ حدیث کے الفاظ اس پر دلالت نہیں کرتے اور ترکیب کلام کا ظاہر حدیث اور ہے جس پر اسم قرآن صادق آئے۔ علاوہ ازیں سورۃ ہو یا اس کا غیر لہٰذا اس سے سورۃ فاتحہ مراد لینا تحکم ہے۔ ثانیًا اس لئے کہ سہل تو سورۃ اخلاص سورۃ فاتحہ سے بھی آسان ہے۔ اور یہ کہنا کہ حدیث ما زاد علی الفاتحۃ پر محمول ہے تو یہ بھی غلط کیونکہ جب حدیث فاتحہ پر ہی دلالت نہیں کرتی تو ما تیسر ما زاد علی الفاتحۃ پر کیسے محمول ہوگی۔ اس کے علاوہ آپ کے نزدیک ما زاد علی الفاتحۃ ماموربہ ہے۔ تو پھر ما زاد کو بھی سورۃ فاتحہ کی طرح فرض قرار دیجئے حالانکہ امام شافعی ما زاد علی الفاتحۃ کو فرض نہیں کہتے۔

سوم حدیث کو من عجز عن الفاتحۃ پر محمول کرنا بھی غلط ہے۔ کیونکہ حدیث میں اس پر کوئی دلالت نہیں ہے۔ اور حدیث ابوداؤد میں۔ اسی طرح ہے۔

ثم اقرأ ان کان معک قرآن۔ فان لم یکن معک قرآن فاحمد اللّٰہ وکبرہ وھللہ (ابوداؤد)

پھر پڑھ اگر تجھ کو قرآن یاد ہو اور اب اگر تجھے قرآن یاد نہ ہو (تو یاد ہونے تک) نماز میں اللہ کی تکبیر و تہلیل کر۔

اور ترمذی کے لفظ یہ ہیں۔

فان کان معک قرآن فاقرأ والا فاحمد اللّٰہ وکبرہ وھللہ

اگر تجھے قرآن آئے تو اس کو پڑھ ورنہ (فی الحال) اللہ کی حمد اور تکبیر و تہلیل کر۔

دیکھئے ان احادیث میں حضور علیہ السلام نے عاجز عن القرأت کے لئے مستقل طور پر ہدایت فرما دی ہے کہ جب تک اس کو قرآن یاد نہ ہو اس وقت تک کے لئے وہ نماز میں تکبیر و تسبیح کرتا رہے لہٰذا یہی صورت میں حدیث اقرأ ما تیسر کو من عجز عن الفاتحۃ پر محمول کرنا کیونکر درست ہو سکتا ہے۔ فافہم

آخری دو رکعتوں میں قرأت کرنے یا نہ کرنے کی بحث

(۷) حضور علیہ السلام نے مذکورہ فی الحدیث شخص کو نماز کا طریقہ[1] تعلیم فرمانے کے بعد فرمایا وافعل فی صلوٰتک کلھا اسی طرح ساری نماز میں کرنا۔ حدیث کے اس جملہ سے علامہ خطابی نے یہ استدلال فرمایا کہ جیسے ہر رکعت میں رکوع و سجدہ ہوتا ہے۔ اسی طرح ہر رکعت میں قرأت کرنی چاہیئے۔ اس کے بعد انہوں نے لکھا ہے کہ صحابہ والے یہ کہتے ہیں کہ آخری دونوں رکعتوں میں قرأت کرنا اور نہ کرنا جائز ہے اور یہ لوگ اثر علی سے استدلال کرتے ہیں حالانکہ یہ حارث کے ذریعہ مروی ہے اور حارث کے متعلق لوگوں نے قدیم سے کلام کیا ہے علامہ شعبی نے حارث کو کذاب تک کہا ہے اصحاب صحیح نے حارث سے کوئی روایت نہیں لی ہے

[1] اور اس طریقہ میں حضور نے اس شخص کو یہ فرمایا تھا کہ جو تجھ کو قرآن سے آسان ہو وہ پڑھنا

علاوہ اگر اثر علی صحیح بھی ہو تو بھی حجت نہیں۔ کیونکہ صحابہ کی ایک جماعت آخری دونوں رکعتوں میں قرأت کے قائل ہیں۔ مثلاً ابوبکر و عمر و ابن مسعود و عائشہ وغیرہم شامل ہیں۔ بلکہ حضرت علی سے بھی زہری طریق عبیداللہ بن ابی رافع یہ مروی ہے کہ وہ ظہر و عصر کی پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ اور سورۃ اور آخری دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ پڑھنے کا حکم دیا کرتے تھے۔ علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے علامہ خطابی کی اس تقریر کے متعلق لکھا ہے کہ اگر ہم یہ مان لیں کہ حدیث زیر بحث کے مذکورہ بالا جملے اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ ہر رکعت میں قرأت کرنی چاہیئے تو حدیث سعد اس پر دلالت کرتی ہے کہ آخری دونوں رکعتوں میں قرأت ضروری نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت سعد نے بغیر تردد کہا۔ میں ویسی ہی اسی طرح نماز پڑھاتا ہوں جیسے حضور علیہ السلام پڑھاتے تھے یعنی پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ اور سورت ملا کر پڑھتا ہوں۔

واحذف فی الاخریین (بخاری) | اور آخری دو رکعتوں میں قرأت نہیں کرتا

علاوہ اگر اثر علی حارث کی وجہ سے قابل استدلال نہیں ہے۔ تو امام عبدالرزاق نے اپنے مصنف میں عن معمر عن الزهری عن عبید الله بن ابی رافع روایت کیا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم ظہر و عصر کی پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ اور سورت ملا کر پڑھتے تھے۔

ولا یقرؤ فی الاخریین | اور آخری دو رکعتوں میں قرأت نہیں کرتے تھے۔

جس کی اسناد صحیح ہے ——— اسی طرح علامہ خطابی کا یہ کہنا کہ جماعت صحابہ اس کی مخالف ہے یہ بھی صحیح نہیں کیونکہ آخری دو رکعتوں میں قرأت ترک کرنا حضرت ابن مسعود، حضرت عائشہ، جابر بن یزید، ابراہیم نخعی سے مروی ہے۔ (عینی ج ۳)

(۵) اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ (۱) جماعت نماز میں سے اگر کوئی واجب رہ جائے تو اس نماز کا اعادہ کیا جائے (۲) نفل شمار کر دیئے جائیں تو واجب ہو جاتے ہیں کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ وہ شخص نفل پڑھ رہے تھے (۳) امام و مقتدی کا [illegible] (۴) مسئلہ کے بتانے میں نرمی و شفقت سے کام لینا چاہیئے (۵) اپنی تقصیر کا اعتراف کر لینا انسان کی سعادت ہے (۶) حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم حسن خلق اور لطف و کرم کے پیکر ہیں (۷) سائل نے اگر ایک سوال کیا جو مفتی یہ محسوس کرے کہ کچھ اور باتیں بھی اس کو بتانی ضروری ہیں تو بتا دے۔ اگرچہ سائل نے ان کے متعلق سوال نہ کیا ہو۔

بَابُ الْقِرَاءَةِ فِي الظُّهْرِ

باب نماز ظہر میں قرأت کے متعلق

عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ سَعْدٌ كُنْتُ أُصَلِّي بِهِمْ صَلٰوةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوتَيِ الْعَشِيِّ لَا أَخْرِمُ عَنْهَا كُنْتُ أَرْكُدُ فِي الْأُوْلَيَيْنِ وَأَحْذِفُ فِي الْأُخْرَيَيْنِ فَقَالَ عُمَرُ ذٰلِكَ الظَّنُّ بِكَ (بخاری)

(۱) حضرت جابر بن سمرہ سے روایت ہے حضرت سعد نے حضرت عمر سے کہا کہ میں تو انہیں حضور علیہ السلام کی نماز کی طرح ظہر و عصر کی نماز پڑھاتا تھا اس میں کوئی کوتاہی نہیں کرتا تھا میں پہلی دو رکعتوں کو لمبا کرتا اور پچھلی دو رکعتوں کو مختصر۔ حضرت عمر نے فرمایا۔ مجھے تم سے یہی گمان تھا۔

(۱) اسی حدیث کا ایک ٹکڑا ہے جو فیوض الباری پارہ سوم صفحہ ۔۔ پر گزر چکی ہے کہ اہل کوفہ نے حضرت سعد کے متعلق یہ شکایت کی تھی کہ وہ نماز صحیح طریقہ پر نہیں پڑھاتے تھے۔ اس پر حضرت سعد نے حضرت عمر کی خدمت میں عرض کیا خدا کی قسم حضور نماز پڑھاتے تھے اسی طرح نماز پڑھاتا ہوں یعنی پہلی دو رکعتوں میں قرأت بھی لمبی کرتا ہوں اور پچھلی دو رکعتوں میں مختصر۔ اور ایک روایت میں رکد کی جگہ اطول کا لفظ بھی مروی ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِيْ قَتَادَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْاُوْلَيَيْنِ مِنْ صَلٰوةِ الظُّهْرِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَسُوْرَتَيْنِ يُطَوِّلُ فِي الْاُوْلٰى وَيُقَصِّرُ فِي الثَّانِيَةِ وَيُسْمِعُ الْاٰيَةَ اَحْيَانًا وَكَانَ يَقْرَأُ فِي الْعَصْرِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَسُوْرَتَيْنِ وَكَانَ يُطَوِّلُ فِي الْاُوْلٰى وَكَانَ يُطَوِّلُ فِي الرَّكْعَةِ الْاُوْلٰى مِنْ صَلٰوةِ الصُّبْحِ وَيُقَصِّرُ فِي الثَّانِيَةِ (بخاری)

حضرت عبداللہ بن قتادہ وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ اور دو سورتیں پڑھتے تھے۔ پہلی رکعت کو لمبا کرتے تھے اور دوسری کو چھوٹا اور پڑھتے پڑھتے کبھی کبھی ایک آیت ہم کو سنا دیتے تھے اور عصر کی نماز میں بھی سورہ فاتحہ اور دو سورتیں پڑھتے تھے اور پہلی رکعت کو طویل کرتے تھے اور صبح کی نماز میں بھی پہلی رکعت کو لمبا کیا کرتے اور دوسری رکعت میں قصر کرتے تھے۔

بَابُ الْقِرَاءَةِ فِي الْعَصْرِ

باب نماز عصر میں قرأت کے متعلق

عَنْ اَبِيْ مَعْمَرٍ قَالَ سَاَلْنَا خَبَّابًا اَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ قَالَ نَعَمْ قُلْنَا بِاَيِّ شَيْءٍ كُنْتُمْ تَعْرِفُوْنَ قَالَ بِاضْطِرَابِ لِحْيَتِهٖ (بخاری)

حضرت ابو معمر سے روایت ہے کہ ہم نے حضرت خباب سے پوچھا کہ کیا نبی صلے اللہ علیہ وسلم ظہر اور عصر کی نماز میں قرأت کیا کرتے تھے انہوں نے کہا ہاں۔ ہم نے کہا تم کس طرح آپ کی قرأت کو پہچانتے تھے۔ انہوں نے کہا آپ کی ریش مبارک کے ہلنے سے

حضرت قتادہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام

يَقْرَأُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ مِنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَسُوْرَةٍ سُوْرَةٍ وَيُسْمِعُنَا الْاٰيَةَ اَحْيَانًا (بخاری)

ظہر و عصر کی پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ اور ہر رکعت میں سورت پڑھتے تھے اور کبھی ہم کو سنا بھی دیتے تھے۔

فوائد و مسائل یہ احادیث مسائل ذیل پر مشتمل ہیں (۱) علامہ عینی نے لکھا کہ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ چار رکعتی اور تین رکعتی نماز کی پہلی دو رکعتوں میں قرأۃ واجب ہے (۲) سری نماز میں آہستہ قرأت کرنا شرط صحت نماز سے نہیں ہے بلکہ سنت ہے (۳) اس حدیث میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے ظہر کی پہلی رکعت دوسری سے لمبی کی اس سے امام محمد علیہ الرحمۃ نے یہ استدلال فرمایا کہ تمام نمازوں کی پہلی رکعت دوسری سے لمبی ہو۔ اور امام اعظم ابو حنیفہ اور ابو یوسف کا ارشاد یہ ہے کہ پہلی دونوں رکعتیں برابر ہونی چاہئیں۔ البتہ نماز فجر کی پہلی رکعت دوسری سے لمبی ہو۔ اور امام محمد علیہ الرحمۃ کے استدلال کا جواب یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے جو پہلی رکعت کو لمبا کیا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ پہلی رکعت میں دعاء استفتاح و تعوذ ہوتا ہے۔ اس لئے وہ دوسری رکعت سے لمبی ہو جاتی ہے یعنی پہلی رکعت کا لمبا ہونا محض دعاء و تعوذ کی وجہ سے تھا قرأۃ کی وجہ سے نہ تھا لہٰذا پہلی دونوں رکعتوں میں قرأت مساوی ہونی چاہیئے چنانچہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے کہ

يَقْرَأُ فِيْ صَلٰوةِ الظُّهْرِ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْاُوْلَيَيْنِ

نبی علیہ السلام نماز ظہر کی پہلی دو رکعتوں کی ہر رکعت

فِیْ کُلِّ رَکْعَۃٍ قَدْرَ ثَلٰثِیْنَ اٰیَۃً (مسلم شریف) میں تیس آیت کے مقدار پڑھتے تھے۔

اس حدیث کی بنا پر امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ ظہر و عصر کی پہلی دو رکعتوں میں قرأت برابر ہونی چاہیے (۳) فجر کی پہلی رکعت کو بہ نسبت دوسری رکعت کے دراز کرنا مسنون ہے اور فتاویٰ کرام نے اس کی مقدار یہ رکھی کہ پہلی دو تہائی اور دوسری میں ایک تہائی قرأت ہو (عالمگیری)

(۵) ظہر و عصر میں آہستہ قرأت کرنا واجب ہے اور اس حدیث میں ہے کہ حضور علیہ السلام کبھی ہم کو قرأت سنا بھی دیتے تھے اور نسائی میں براء بن عازب کی روایت میں ہے کہ حضور کے پیچھے ہم نے ظہر کی نماز پڑھی اور سورہ لقمان اور ذاریات کی بعض آیتیں سنیں۔ ابن خزیمہ میں انس میں ہے کہ آپ نے سورہ اعلیٰ اور غاشیہ پڑھی اور ہمیں وہ آیتیں سنا بھی دیں ——— تو حضور کا یہ فعل دراصل تعلیم امت کے لئے تھا۔ تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ پہلی دو رکعتوں میں قرأت ہے اور یہ کہ فلاں سورۃ کا پڑھنا افضل و مستحب ہے۔ چنانچہ بعض احادیث میں حضور کا بسم اللہ کو جہر سے پڑھنا بھی مروی ہے۔ حالانکہ بسم اللہ کو جہر سے پڑھنا مسنون نہیں ہے۔ لہٰذا ان احادیث کو اس امر کی دلیل بنا لینا درست نہیں ہے کہ سری نماز میں بھی اوقات جہر مطلوب ہے (۶) حدیث زیر بحث سے یہ بھی واضح ہوا کہ ظہر و عصر کی نماز میں آہستہ قرأت کرنا اور فاتحہ کے ساتھ سورۃ کا ملانا واجب ہے۔

بَابُ الْقِرَاءَةِ فِي الْمَغْرِبِ

باب نماز مغرب میں قرأت کے متعلق

(۱) عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ اَنَّہٗ قَالَ اِنَّ اُمَّ الْفَضْلِ سَمِعَتْہُ وَھُوَ یَقْرَأُ وَالْمُرْسَلٰتِ فَقَالَتْ یَا بُنَیَّ وَاللّٰہِ لَقَدْ ذَکَّرْتَنِیْ بِقِرَاءَتِكَ ھٰذِہِ السُّوْرَۃَ اِنَّھَا لَاٰخِرُ مَا سَمِعْتُ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقْرَأُ بِھَا فِی الْمَغْرِبِ۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ حضرت ام فضل نے جب ان سے مغرب میں سورہ مرسلات پڑھی تو فرمایا اے بیٹے تو نے یہ سورت پڑھ کر مجھے حضور علیہ السلام کی قرأت یاد دلا دی۔ میں نے حضور کو مغرب کی نماز میں آخری بار یہ سورت پڑھتے ہوئے سنا ہے۔

(۲) عَنْ مَرْوَانَ بْنِ الْحَکَمِ قَالَ قَالَ لِیْ زَیْدُ بْنُ ثَابِتٍ مَا لَكَ تَقْرَأُ فِی الْمَغْرِبِ بِقِصَارٍ وَقَدْ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقْرَأُ بِطُوْلَی الطُّوْلَیَیْنِ

مروان بن حکم کہتے ہیں کہ مجھ سے حضرت زید بن ثابت نے کہا تمہیں کیا ہوا کہ تم نماز مغرب میں چھوٹی سورتیں پڑھتے ہو۔ حالانکہ میں نے حضور علیہ السلام کو مغرب میں طول الطولیین پڑھتے ہوئے سنا ہے۔

فوائد و مسائل حدیث اول کو امام بخاری نے مغازی میں، مسلم و ابو داؤد و ترمذی و نسائی و ابن ماجہ نے صلوٰۃ میں ذکر کیا اور نسائی نے تفسیر میں بھی۔ اور حدیث دوم کو ابو داؤد و نسائی نے کتاب الصلوٰۃ میں ذکر کیا۔ طول الطولیین کا لفظی ترجمہ تو یہ ہے۔ دو لمبی سورتوں سے زیادہ لمبی۔ مطلب یہ کہ آپ نے نماز مغرب میں لمبی سورت پڑھی۔ ویسے اس کے متعلق متعدد قول ہیں۔ نسائی و بیہقی کی روایت میں ہے کہ اس سے مراد سورہ اعراف ہے۔ بعض نے کہا انعام۔ ابن بطال نے کہا اعراف و انعام کو وہ لوگ طولیین کہتے تھے۔

(۱) اس حدیث سے واضح ہوا کہ مغرب میں اگر بڑی سورت مثل اعراف و انعام و مرسلات پڑھی جائے تو جائز ہے لیکن چھوٹی سورتوں کا پڑھنا مسنون ہے امام طحاوی نے فرمایا کہ مستحب یہ ہے کہ مغرب میں قصار مفصل پڑھے۔ امام ترمذی

نے کہا العمل علی ھذا عند اھل العلم اہل علم کا اسی پر عمل ہے۔ اور امام ثوری، نخعی، وجہہ، اسحٰق بن مبارک، امام اعظم ابو حنیفہ، ابو یوسف، محمد، احمد، مالک، اسحاق کا یہی مذہب ہے۔ اس مسئلہ کو چند حدیثیں یہ ہیں۔

(۱) حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے نماز مغرب میں والتین والزیتون پڑھی (طحاوی)

(۲) ابن عمر سے روایت ہے کہ حضور نے مغرب میں قل یایھا الکافرون اور قل ھو اللہ احد پڑھی (ابن ماجہ بسند صحیح)

(۳) سیدنا صدیق اکبر نے نماز مغرب میں دو سورتیں قصار مفصل سے پڑھیں (عبدالرزاق) مزید تفصیل کے لئے عینی جلد ۳ صفحہ ۳ دیکھئے۔

(۴) حدیث زیر بحث سے وقت مغرب کا اتنا ثابت ہوا۔ امام شافعی کے اس قول کی تردید ہو گئی کہ مغرب کے وقت کی مقدار صرف اتنی ہے کہ تین رکعتیں ادا ہو جائیں اس کے بعد عشا کا وقت شروع ہو جاتا ہے

بَابُ الْجَهْرِ فِي الْمَغْرِبِ

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ فِي الْمَغْرِبِ بِالطُّورِ (بخاری)

باب مغرب کی نماز میں جہر کرنا

محمد بن جبیر بن مطعم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ آپ مغرب کی نماز میں سورۂ طور پڑھ رہے تھے۔

فوائد و مسائل اس حدیث کو امام نے جہاد و تفسیر میں ذکر کیا۔ اور ابو داؤد و ابن ماجہ نے صلوٰۃ میں۔ نسائی نے صلوٰۃ و تفسیر میں ذکر کیا۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ مغرب کی نماز میں جہر سنت ہے اور عمداً جہر کو ترک کرنا ترک سنت ہے۔ ورسہواً اگر جہر کیا تو سجدہ سہو واجب ہے۔

بَابُ الْجَهْرِ فِي الْعِشَاءِ

عَنْ أَبِي رَافِعٍ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ أَبِي هُرَيْرَةَ الْعَتَمَةَ فَقَرَأَ إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ فَسَجَدَ فَقُلْتُ لَهُ قَالَ سَجَدْتُ خَلْفَ أَبِي الْقَاسِمِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَا أَزَالُ أَسْجُدُ بِهَا حَتَّى أَلْقَاهُ

باب عشا کی نماز میں جہر کرنا

حضرت ابو رافع سے مروی ہے انہوں نے کہا میں نے حضرت ابو ہریرہ کے ساتھ عشا کی نماز پڑھی تو انہوں نے اذا السماء انشقت پڑھی اور سجدہ (تلاوت) کیا میں نے ان سے پوچھا یہ سجدہ کیسا؟ انہوں نے کہا میں نے حضرت ابی القاسم صلے اللہ علیہ وسلم کے پیچھے اس سورت میں سجدہ کیا میں تو ہمیشہ اس میں سجدہ کرتا رہوں گا یہاں تک کہ آپ سے ملوں۔

عَنْ عَدِيٍّ قَالَ سَمِعْتُ الْبَرَاءَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ فِي سَفَرٍ فَقَرَأَ فِي الْعِشَاءِ فِي إِحْدَى الرَّكْعَتَيْنِ بِالتِّينِ وَالزَّيْتُونِ

حضرت عدی سے مروی ہے انہوں نے کہا میں نے حضرت براء سے سنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ ایک سفر میں تھے تو آپ نے عشا کی نماز کی دو رکعتوں میں سے ایک میں سورہ والتین والزیتون پڑھی۔

بَابُ الْقِرَاءَةِ فِي الْعِشَاءِ

حَدَّثَنَا خَلَّادُ بْنُ يَحْيَى ثَنَا مِسْعَرٌ ثَنِي عَدِيُّ بْنُ ثَابِتٍ أَنَّهُ سَمِعَ الْبَرَاءَ

باب عشا کی نماز میں قرأت کا بیان

ہم سے خلاد بن یحییٰ نے بیان کیا انہوں نے کہا ہم سے مسعر نے کہا مجھ سے عدی بن ثابت نے بیان کیا انہوں نے

قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْعِشَاءِ بِالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ وَمَا سَمِعْتُ اَحَدًا اَحْسَنَ

حضرت براء سے سنا انہوں نے کہا کہ میں نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ آپ عشا کی نماز میں سورہ والتین والزیتون پڑھ رہے تھے۔ اور میں نے آپ سے کسی کو خوش آواز پایا اور نہ قاری۔

بَابُ الْقِرَاءَةِ فِي الْعِشَاءِ بِالسَّجْدَةِ

باب عشا کی نماز میں سجدہ والی سورت پڑھنا

عَنْ اَبِيْ رَافِعٍ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ اَبِيْ هُرَيْرَةَ الْعَتَمَةَ فَقَرَأَ اِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ فَسَجَدَ فَقُلْتُ مَا هٰذِهٖ قَالَ سَجَدْتُ بِهَا خَلْفَ اَبِي الْقَاسِمِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَا اَزَالُ اَسْجُدُ فِيْهَا حَتّٰى اَلْقَاهُ (بخاری)

حضرت ابورافع سے مروی ہے۔ انہوں نے کہا میں نے حضرت ابوہریرہ کے ساتھ نماز عشا پڑھی تو انہوں نے نماز میں سورہ اذا السماء انشقت پڑھی اور سجدہ کیا۔ میں نے کہا یہ سجدہ کیسا؟ انہوں نے کہا میں نے اس سورت میں ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سجدہ کیا اور میں ہمیشہ اس سورت میں سجدہ کرتا رہوں گا یہاں تک کہ آپ سے ملوں۔

فوائد و مسائل یہ احادیث مسائل ذیل پر مشتمل ہیں (۱) عشا کی نماز کی پہلی دو رکعتوں میں امام کو جہر سے قرأت کرنا ضروری ہے (۲) سورۂ انشقاق میں سجدہ ہے (۳) بحالت سفر حسب ضرورت قرأت میں تخفیف کی جا سکتی ہے (۴) آیت سجدہ پڑھنے یا سننے سے سجدہ تلاوت واجب ہو جاتا ہے (۵) نماز میں آیت سجدہ پڑھی تو نماز ہی میں سجدہ کر لینا چاہئے۔

نماز میں آیت سجدہ پڑھنے کے مسائل سجدہ تلاوت نماز میں فوراً کرنا واجب ہے۔ تاخیر کریگا گنہگار ہوگا اور اگر سجدہ کرنا بھول گیا تو جب تک حرمت نماز میں ہے رہے کوئی ایسا کام نہ کیا ہو جو منافی نماز ہے اگرچہ سلام پھیر چکا ہو اس صورت میں سجدہ سہو بھی کرے۔ نماز میں آیت سجدہ پڑھی تو اس کا سجدہ نماز ہی میں کرنا واجب ہے۔ بیرون نماز نہیں ہو سکتا۔ اگر قصداً نماز میں سجدہ نہ کیا تو گنہگار ہوگا توبہ کرے۔

قَالَ عُمَرُ لِسَعْدٍ لَقَدْ شَكَوْكَ فِيْ كُلِّ شَيْءٍ حَتَّى الصَّلٰوةِ قَالَ اَمَّا اَنَا فَاَمُدُّ فِي الْاُوْلَيَيْنِ وَاَحْذِفُ فِي الْاُخْرَيَيْنِ وَلَا اٰلُوْ مَا اقْتَدَيْتُ بِهٖ مِنْ صَلٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ صَدَقْتَ ذَاكَ الظَّنُّ بِكَ اَوْ ظَنِّيْ بِكَ (بخاری)

حضرت عمر نے سعد سے کہا کہ کوفہ والوں نے تمہاری ہر بات میں شکایت کی یہاں تک کہ نماز میں بھی۔ سعد نے کہا: میں تو عشا کی پہلی دو رکعتوں میں لمبی قرأت کرتا ہوں اور پچھلی دو میں قرأت ترک کرتا ہوں۔ اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی پیروی کرنے میں کوتاہی نہیں کی۔ حضرت عمر نے فرمایا تم سچ کہتے ہو۔ تم سے یہی گمان ہے یا میرا تم سے یہی گمان ہے۔

یہ حدیث اوپر گزر چکی ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ عشا کی پہلی دو رکعتوں میں قرأت لمبی ہو اور آخری رکعتوں میں مختصر یا سنت پر عمل کیا جائے یعنی پچھلی رکعتوں میں خاموش رہا جائے۔ صفحہ ۳۰۹ مسلہ

بَابُ الْقِرَاءَةِ فِي الْفَجْرِ

باب صبح کی نماز میں قرأت کا بیان

وَقَالَتْ اُمُّ سَلَمَةَ قَرَأَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالطُّوْرِ

اور حضرت ام سلمہ نے کہا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے سورہ طور پڑھی۔

اس تعلیق کو امام نے کتاب الحج میں موصول کیا ہے مگر اس میں نماز فجر کا ذکر نہیں ہے۔ مگر اسمٰعیلی کی روایت میں نماز فجر کی تصریح ہے ۔ اس کے بعد امام نے ایک اور حدیث لکھی ہے جس میں عنوان کے مناسب یہ لفظ

وَكَانَ يَقْرَأُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ أَوْ إِحْدٰهُمَا مَا بَيْنَ السِّتِّيْنَ إِلَى الْمِائَةِ

ہیں کہ حضور علیہ السلام نماز فجر کی دو رکعتوں میں یا ایک رکعت میں ساٹھ آیتوں سے لے کر سو آیتوں تک پڑھتے تھے۔

نماز فجر میں حضور علیہ السلام نے متعدد سورتوں کی تلاوت فرمائی ہے۔ سورہ طور، ساٹھ سے لے کر سو آیتوں تک ۔ سورہ حاقہ۔ طوال، الم تنزیل۔ سورہ ق (مسلم) سورہ صافات۔ سورہ واقعہ اذا زلزلت ایک روایت میں معوذتین کا پڑھنا بھی مروی ہے۔ فتح ج ۲ ص ۲۰۰

جس سے واضح ہوتا ہے کہ حسب موقع و محل قرأت کی جا سکتی ہے اور یہ کہ قرأت میں مقدار معین شرط نہیں ہے۔ کہ ضرور کوئی لمبی یا مختصر سورت ہی پڑھی جائے۔ البتہ حضور علیہ السلام نے جن سورتوں کو جن نمازوں میں پڑھا ہے انہیں پڑھنا بہرحال افضل ہے۔

إِنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُوْلُ فِيْ كُلِّ صَلٰوةٍ يُقْرَأُ فَمَا أَسْمَعَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَسْمَعْنَاكُمْ وَمَا أَخْفٰى عَنَّا أَخْفَيْنَا عَنْكُمْ وَإِنْ لَّمْ تَزِدْ عَلٰى أُمِّ الْقُرْاٰنِ أَجْزَأَتْ وَإِنْ زِدْتَ فَهُوَ خَيْرٌ (بخاری، مسلم)

حضرت ابوہریرہ نے فرمایا کہ ہر نماز میں قرأت کرنا چاہیئے۔ پھر جس نماز میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہم کو سنایا (جہر سے قرأت کی) ہم نے بھی تم کو سنایا اور جس میں آپ نے چھپایا (آہستہ پڑھا) ہم نے بھی تم سے چھپایا اور اگر تو صرف سورہ فاتحہ پڑھے تو بھی کافی ہے اور اگر زیادہ پڑھے تو اچھا ہے۔

فوائد و مسائل حدیث ہذا مسائل ذیل پر مشتمل ہے۔ (۱) ہر نماز میں قرآن کی قرأت واجب ہے - اس میں ان کا رد ہے جو ظہر و عصر میں وجوب قرأت کے قائل نہیں ہیں (۲) جن نمازوں میں حضور علیہ السلام نے قرأت بالجہر کی ان میں جہر واجب ہے اور جن میں آپ نے آہستہ قرأت کی ان میں آہستہ آہستہ قرأت ضروری ہے حضرت ابوہریرہ نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام ہمیں نماز پڑھاتے تو بعض میں جہر سے قرأت فرماتے اور بعض نمازوں میں آہستہ تو آپ نے مغرب و عشاء و فجر و جمعہ و عیدین کی نمازوں میں جہر سے قرأت فرمائی اور ظہر و عصر اور مغرب کی تیسری اور عشاء کی آخری دو رکعتوں میں آہستہ قرأت فرمائی (طحاوی) (۳) اس حدیث کے ظاہر سے امام شافعی نے یہ استدلال کیا کہ الحمد کے ساتھ سورت کا پڑھنا مستحب ہے اور احناف کے نزدیک الحمد کے ساتھ سورۃ یا تین آیتوں کا ملانا واجب ہے۔ اور متعدد حدیثوں سے وجوب ثابت ہوتا ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

(۱) لَا صَلٰوةَ إِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَسُوْرَةٍ مَعَهَا

نماز نہیں ہوتی مگر الحمد کے ساتھ سورۃ ملانے سے

(۳) امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان نقرأ الفاتحۃ وما تیسر (ابو داؤد)

ہمیں حضور نے حکم دیا کہ ہم الحمد کے ساتھ جو قرآن آسان ہو پڑھیں۔

(۴) لا تجزئ صلاۃ الا بفاتحۃ الکتاب و معہا غیرہا (وفی لفظ) وسورۃ فی فریضۃ او فی غیرہا (ابن عدی فی الکامل)

نماز صحیح نہیں جب تک کہ الحمد کے ساتھ سورت نہ ملائی جائے۔ فرض نماز ہو یا نفل۔

(۵) لا صلوۃ لمن لم یقرأ بالحمد وسورۃ فی فریضۃ او غیرہا (ابن ماجہ و ترمذی)

نماز اس وقت تک درست نہیں جب تک الحمد کے ساتھ کوئی سورت نہ ملائی جائے فرض ہو یا نفل

(۶) لا تجزئ المکتوبۃ الا بفاتحۃ الکتاب وثلاث آیات فصاعدا (ابن عدی و بیہقی)

فرض نماز اس وقت تک صحیح نہیں جب تک کہ الحمد کے ساتھ تین آیتیں یا اس سے زیادہ نہ پڑھی جائیں۔

چنانچہ احناف نے ان تمام حدیثوں پر عمل کیا اس لئے سورہ فاتحہ کے ساتھ ضم سورہ کو واجب قرار دیا۔

بَابُ الْجَهْرِ بِقِرَاءَةِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ

باب صبح کی نماز میں جہر سے قرأت کرنا۔

وَقَالَتْ اُمُّ سَلَمَةَ طُفْتُ وَرَاءَ النَّاسِ وَالنَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّیْ يَقْرَأُ بِالطُّوْرِ

اور حضرت ام سلمہ نے کہا میں نے لوگوں سے پرے ہو کر کعبہ کا طواف کیا اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم اس وقت نماز پڑھا رہے تھے اور سورہ طور کی تلاوت کر رہے تھے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ انْطَلَقَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِیْ طَائِفَةٍ مِنْ اَصْحَابِهٖ عَامِدِيْنَ اِلٰی سُوْقِ عُكَاظٍ وَقَدْ حِيْلَ بَيْنَ الشَّيٰطِيْنِ وَبَيْنَ خَبَرِ السَّمَاءِ وَاُرْسِلَتْ عَلَيْهِمُ الشُّهُبُ فَرَجَعَتِ الشَّيٰطِيْنُ اِلٰی قَوْمِهِمْ فَقَالُوْا مَا لَكُمْ قَالُوْا حِيْلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَ خَبَرِ السَّمَاءِ وَاُرْسِلَتْ عَلَيْنَا الشُّهُبُ قَالُوْا مَا حَالَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ خَبَرِ السَّمَاءِ اِلَّا شَیْءٌ حَدَثَ فَاضْرِبُوْا مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا فَانْظُرُوْا مَا هٰذَا الَّذِیْ حَالَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ خَبَرِ السَّمَاءِ فَانْصَرَفَ اُولٰئِكَ الَّذِيْنَ تَوَجَّهُوْا نَحْوَ تِهَامَةَ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ بِنَخْلَةَ عَامِدِيْنَ اِلٰی سُوْقِ عُكَاظٍ وَهُوَ يُصَلِّیْ بِاَصْحَابِهٖ صَلٰوةَ الْفَجْرِ فَلَمَّا

حضرت ابن عباس سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کچھ صحابہ کے ہمراہ عکاظ کے بازار میں جانے کی نیت سے چلے ان دنوں شیطان آسمان کی خبر لینے سے روک دیئے گئے تھے اور ان پر شعلوں کی مار ہونے لگی تھی۔ تو وہ اپنے لوگوں کی طرف لوٹے۔ انہوں نے پوچھا کیوں کیا بات ہے۔ وہ کہنے لگے آسمان کی خبروں سے ہمیں روک دیا گیا ہے اور ہم پر شعلے برسائے گئے۔ انہوں نے کہا کہ یہ جو آسمان کی خبر روک دی گئی ہے اس کی وجہ کوئی نئی بات ہے تو تم زمین کے مشرقوں اور مغربوں میں سب طرف پھر کر دیکھو کہ کون سی نئی بات ہوئی ہے جس کی وجہ سے آسمان کی خبر تم سے روک دی گئی ہے چنانچہ وہ سب طرف پھرنے لگے ان میں جو جنات تہامہ کی طرف نکلے تھے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے۔ آپ اس وقت نخلہ میں تھے۔ عکاظ کے بازار میں جانے کا قصد رکھتے تھے، اور اپنے اصحاب کو صبح کی نماز پڑھا رہے تھے جب ان جنوں نے قرآن سنا تو ادھر کان لگا دیا اور کہنے

يَسْمَعُوا الْقُرْآنَ اِسْتَمَعُوْا لَهٗ فَقَالُوْا هٰذَا وَاللّٰهِ الَّذِيْ حَالَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ خَبَرِ السَّمَآءِ فَهُنَالِكَ حِيْنَ رَجَعُوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا فَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى نَبِيِّهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَاِنَّمَآ اُوْحِيَ اِلَيْهِ قَوْلُ الْجِنِّ۔

(بخاری)

گئے خدا کی قسم یہی وہ چیز ہے کہ جس کے سبب ہم سے آسمان کی خبر روک دی گئی ہے۔ اسی موقع پر جب وہ اپنے لوگوں کے پاس لوٹ کر گئے تو کہنے لگے۔ اے ہماری قوم ہم تو عجیب قرآن سن کر آئے ہیں جو ہدایت کا راستہ بتلاتا ہے۔ ہم تو اس پر ایمان لے آئے اور اپنے رب کا کسی کو شریک نہیں بنائیں گے تب اللہ تعالےٰ نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ سورت اتاری قل اوحی الی اور جنوں نے جو بات کہی تھی وہ وحی سے آپ کو بتلادی گئی تھی۔

اس حدیث کو امام نے تفسیر میں اور مسلم نے صلاۃ میں ترمذی و نسائی نے تفسیر میں ذکر کیا ہے۔

فوائد و مسائل (۱) اس پر سب کا اتفاق ہے کہ یہ واقعہ معراج سے پہلے کا ہے (۲) عکاظ زمانہ جاہلیت کا ایک بازار تھا جس میں ہر سال عرب مجتمع ہوتے اور اشعار کے ذریعہ ایک دوسرے کی ہجو کرتے اور مجلس عیش و نشاط قائم کرتے تھے۔ تمام کو مکرمہ کی زمین کو کہتے ہیں اور نخلہ کو کہ سے ایک رات کی مسافت پر ہے (۳) اسلام سے پہلے عرب میں جنوں کا تسلط تھا۔ لوگ ان کی پوجا کرتے تھے بت خانوں کے داخل اور کاہنوں سے ان کی دوستی ہوتی تھی۔ اور یہ ان کو غیب کی خبریں بتایا کرتے تھے جس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ اللہ تعالیٰ جب کسی امر کا فیصلہ فرماتا ہے۔ تو ملاء اعلیٰ میں اس کا ذکر فرماتا ہے۔ ملاء اعلیٰ والے اپنے نیچے کے فرشتوں میں اس کا ذکر کرتے اور اسی طرح درجہ بدرجہ ہر آسمان کے فرشتوں کو اس کا علم ہوجاتا ہے یہاں تک کہ بات وہاں پہنچتی جہاں سے نیچے دنیا کی سرحد شروع ہوتی ہے۔

اسی آخری آسمان سے جن چھپ چھپا کر فرشتوں کی باتیں سن کر اور سو جھوٹ ملا کر کاہنوں کو بتاتے اور کاہن اس میں اور اضافہ کر کے انسانوں میں مشتہر کردیتے تھے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نبوت سے سرفراز ہوئے تو نظام عالم آسمانی میں ایک انقلاب عظیم پیدا ہوا۔ اور جن اور شیاطین اوپر چڑھنے سے روک دیئے گئے۔ کیونکہ جب یہ شیطین اپنی سرحد سے بڑھ کر فرشتوں کی باتیں سننا چاہتے۔ تو فوراً ایک چمکتا ہوا ستارہ شہاب ثاقب ٹوٹ کر ان پر گرتا اور وہ کوئی آسمانی بات نہ سن سکتے۔

جب ٹوٹنے والے ستاروں کی بھرمار ہوگئی اور کاہنوں کے خبر رسانی کے ذرائع مسدود ہوگئے تو آسمان کے اس انقلاب نے جنوں کو حیرت میں ڈال دیا۔ سب نے کہا کہ یقیناً روئے زمین پر کوئی اہم واقعہ رونما ہوا ہے۔ جس کے سبب ہم آسمان تک نہیں پہنچ سکتے۔ آخر جنوں کی کمیٹی نے فیصلہ کیا کہ ساری دنیا کا گشت لگانا چاہیے اور اس اہم واقعہ کو معلوم کرنا چاہیے۔ چنانچہ جنوں کے ایک وفد نے کام شروع کردیا۔ اور چپے چپے زمین کو چھان ڈالا۔

ادھر حضور علیہ السلام تہامہ میں دورہ کرکے تبلیغ اسلام فرما رہے تھے اور اسی تقریب سے عکاظ کے میلہ میں تشریف لے جارہے تھے۔ راستہ میں رات کے وقت نخلہ میں قیام ہوا اور صبح کے وقت حضور اپنے اصحاب کے ہمراہ نماز فجر میں مصروف تھے اور قرآن کی آیتیں جہر کے ساتھ تلاوت فرما رہے تھے۔ اتفاق سے جنوں کی ایک جماعت جو تفتیش حال کے لئے تہامہ کو

طرف آئی تھی۔ اس کا اس مقام پر گذر ہوا۔ جب جنوں کی اس جماعت نے حضور کی زبان مبارک سے قرآن کی آیتیں سنیں تو یکبارگی پکار اٹھی

هٰذَا وَاللّٰهِ الَّذِيْ حَالَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ خَبَرِ السَّمَآءِ (بخاری)

کہ یہی وہ زرق برق جلوہ درخشاں ستاروں میں ہمیں نظر آتا ہے وہ جس کے سبب ہم آسمان تک نہیں پہنچ سکتے۔

قرآن کی آیتیں سن کر جنوں کی ایک جماعت اپنی قوم کی طرف واپس لوٹی۔ اور ان کو خاتم نبوت کے ظہور کی بشارت سنائی اور کہا

اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا وَّلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا (قرآن شریف)

ہم نے عجیب و غریب کتاب اسی سنی جو ہدایت کی طرف رہنمائی کرتی ہے تو ہم اس پر ایمان لائے اور اب ہرگز ہم کسی کو شریک نہ بنائیں گے۔

اس واقعہ کے بعد سے جنوں کے اسلام لانے کا سلسلہ شروع ہو گیا اور فوج در فوج جنات دربار رسالت میں حاضر ہو کر اسلام لائے۔ جن کا ذکر متعدد احادیث میں موجود ہے۔ امام مسلم و احمد و ترمذی حضرت علقمہ سے راوی ہیں۔ انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے لیلۃ الجن کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ ایک شب کو ہم نے حضور کو نہ پایا اور حضور کے اس طرح غائب ہو جانے نے ہم کو اضطراب و قلق میں مبتلا کر دیا اور رات بڑی بے چینی سے بسر ہوئی صبح کو ہم نے دیکھا کہ حضور غار حرا کی طرف سے تشریف لا رہے ہیں۔ ہمارے استفسار پر حضور نے فرمایا

اتانی داعی الجن فاتیتہم فقرات علیہم فانطلق فارانا اثارہم (خصائص ج ۲ ص ۱۳۰)

رات جنوں کا قاصد آیا میں اس کے ساتھ گیا میں نے ان کو قرآن پڑھ کر سنایا اس کے بعد حضور ہم سب کو اس مقام پر لے گئے اور وہاں جنوں کے آگ جلانے کے نشانات دکھائے۔

(۵) یہ جن جو قرآن سن کر ایمان لائے اور انہوں نے جو کچھ اپنی قوم سے جا کر کہا سورہ جن میں اسی کا تذکرہ ہے۔ حدیث زیر عنوان کے مطابق یہ جملے ہیں وھو یصلی باصحابہ صلاۃ الفجر الخ جس سے نماز فجر میں بلند آواز سے قرأت ثابت ہوئی۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَرَأَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْمَا اُمِرَ وَسَكَتَ فِيْمَا اُمِرَ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا وَلَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (بخاری)

حضرت ابن عباس سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ کو جن نمازوں میں جہر کا حکم ہوا آپ نے جہر کیا اور جس میں آہستہ پڑھنے کا حکم ہوا اس میں آہستہ پڑھا اور تیرا رب بھولنے والا نہیں اور تم کو تمہارے پیغمبر کی پیروی اچھی پیروی کافی ہے۔

یہ حدیث افراد بخاری میں سے ہے۔ اس میں جناب ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس حقیقت کا اظہار فرمایا ہے کہ قرآن مجید میں اللہ عزوجل نے جو نماز کے مفصل احکام نہیں بیان فرمائے اس کی وجہ معاذ اللہ یہ نہیں ہے کہ اللہ عزوجل کو نسیان لاحق ہو گیا تھا۔ بلکہ اس کی وجہ یہ ہے۔ اللہ عزوجل نے اپنے احکام کی تشریح اور قرآن کے مجمل و مبہم کی تبیین کا کام اپنے نبی کے سپرد فرمایا ہے اور امت کو آپ کے اتباع کا حکم دیا ہے۔ حضور علیہ السلام نے احکام قرآنیہ کی تشریح و تفصیل اپنے قول و عمل سے فرمائی ہے وہ اپنی طرف سے نہیں کی ہے۔ بلکہ اللہ عزوجل کے حکم اور اسی کی رہنمائی

میں کی ہے۔ نمازوں میں بلند آواز سے یا آہستہ قرات کرنا۔ یہ بھی بحکم خداوندی ہی ہے اور حضور علیہ السلام مرضی الٰہی کے ترجمان ہیں۔

بَابُ الْجَمْعِ بَيْنَ السُّوْرَتَيْنِ فِيْ رَكْعَةٍ وَالْقِرَاءَةِ بِالْخَوَاتِيْمِ وَبِسُوْرَةٍ قَبْلَ سُوْرَةٍ وَبِأَوَّلِ سُوْرَةٍ

باب دو سورتیں ایک رکعت میں پڑھنا اور سورت کی آخری آیتیں پڑھنا اور ترتیب کے خلاف سورتیں پڑھنا اور سورت کی شروع کی آیتیں پڑھنا۔

یہ عنوان چار مسئلوں پر مشتمل ہے۔ اول ایک رکعت میں دو سورتیں پڑھنا۔ دوم کسی سورت کا آخری حصہ پڑھنا سوم مصحف میں جس ترتیب سے سورتیں درج ہیں اس کے خلاف پڑھنا۔ مثلاً رکعت اول میں قل ھو اللہ پڑھنا اور دوسری رکعت میں کافرون پڑھنا یا پہلی رکعت میں آل عمران پڑھنا اور دوسری میں سورہ بقرہ پڑھنا۔ چہارم کسی سورت کے حصہ اول کو پڑھنا اور باقی کو چھوڑ دینا

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ السَّائِبِ قَرَأَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُؤْمِنُوْنَ فِي الصُّبْحِ حَتّٰى إِذَا جَاءَ ذِكْرُ مُوْسٰى وَهَارُوْنَ أَوْ ذِكْرُ عِيْسٰى أَخَذَتْهُ سَعْلَةٌ فَرَكَعَ

عبداللہ بن سائب سے مروی ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز میں سورۂ مومنون شروع کی یہاں تک کہ آپ موسیٰ اور ہارون یا عیسےٰ کے قصے پر پہنچے تو آپ کو کھانسی شروع ہوئی اور رکوع کر دیا۔

اس تعلیق کو امام نے بصیغہ مجہول ذکر کیا ہے جو تمریض کا صیغہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی اسناد میں اختلاف ہے (۲) یہ حدیث عنوان کے جزء چہارم کے مطابق ہے۔ یعنی یہ کہ کسی سورۃ کا اول حصہ نماز میں پڑھنا اور باقی کو چھوڑ دینا۔ حضور علیہ السلام نے نماز فجر میں سورہ مومنون تلاوت فرمائی جب آپ (ثم ارسلنا موسیٰ واخاہ ھارون) پر پہنچے تو آپ کو کھانسی آگئی اور آپ نے یہیں تک قرات کے بعد رکوع فرما لیا ——— اس سے واضح ہوا کہ نماز فجر میں لمبی قرات مستحب ہے۔ مگر نہ اس قدر لمبی کہ مقتدی تنگ آجائیں اور یہ بھی کہ سورۃ کے ایک حصہ کو پڑھ لینا اور باقی کو ترک کر دینا جائز ہے ——— کہا جا سکتا ہے کہ حضور علیہ السلام تو کھانسی آجانے کی وجہ سے پوری سورت نہ پڑھ سکے تھے۔ جواب یہ ہے کہ دوسری متعدد حدیثوں سے حضور کا کسی سورت کے بعض حصہ کو پڑھنے اور باقی کو ترک کر دینے کا ثبوت ملتا ہے۔

وَقَرَأَ عُمَرُ فِي الرَّكْعَةِ الْأُوْلٰى بِمِائَةٍ وَعِشْرِيْنَ آيَةً مِّنَ الْبَقَرَةِ وَفِي الثَّانِيَةِ بِسُوْرَةٍ مِّنَ الْمَثَانِيْ (بخاری)

حضرت عمر نے پہلی رکعت میں سورہ بقرہ کی ایک سو بیس آیتیں پڑھیں اور دوسری رکعت میں مثانی کی ایک سورت۔

اس تعلیق کو ابن ابی شیبہ نے اپنے مصنف میں موصول کیا۔ تیمی نے کہا مثانی وہ سورتیں ہیں جو سو آیت تک نہیں پہنچیں یعنی کہ وہ سورتیں جو سو آیتوں یا سو کے قریب آیتوں پر مشتمل ہوں مثانی ہیں۔

وَقَرَأَ الْأَحْنَفُ بِالْكَهْفِ فِي الْأُوْلٰى وَفِي الثَّانِيَةِ بِيُوْسُفَ أَوْ يُوْنُسَ وَذَكَرَ أَنَّهُ صَلّٰى مَعَ عُمَرَ الصُّبْحَ بِهِمَا (بخاری)

اور احنف نے صبح کی پہلی رکعت میں سورہ کہف پڑھی اور دوسری میں سورہ یوسف یا یونس پڑھی اور انھوں نے ذکر کیا کہ حضرت عمر کے ساتھ انہوں نے صبح کی نماز پڑھی حضرت عمر نے یہی سورتیں پڑھیں۔

یہ اثر عنوان کے جزو سوم کے مطابق ہے۔ یعنی پہلی رکعت میں ایک سورت پڑھنا اور دوسری رکعت میں پہلی والی سے اوپر کی سورت پڑھنا۔ لیکن ایسا کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ حدیث میں فرمایا جو قرآن الٹ کر پڑھتا ہے کیا خوف نہیں کرتا ہے کہ اللہ اس کا دل الٹ دے۔ اور حضرت عمر کا اس طرح پڑھنا یا تو ممانعت سے قبل کا فعل ہے یا آپ نے بھول کر اس طرح پڑھا ہوگا کیونکہ بھول کر خلاف ترتیب پڑھنے سے نہ گناہ ہے نہ سجدۂ سہو۔

وَقَرَأَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ بِاَرْبَعِيْنَ اٰيَةً مِنَ الْاَنْفَالِ وَ فِي الثَّانِيَةِ بِسُوْرَةٍ مِّنَ الْمُفَصَّلِ (بخاری)

اور عبداللہ بن مسعود نے پہلی رکعت میں سورہ انفال کی چالیس آیتیں اور دوسری رکعت میں مفصل کی ایک سورت پڑھی۔

یہ اثر بھی عنوان کے جزو چہارم کے مطابق ہے یعنی کسی سورت کے بعض حصہ کو پڑھنا اور باقی کو چھوڑ دینا۔

وَقَالَ قَتَادَةُ فِيْمَنْ يَقْرَأُ بِسُوْرَةٍ وَاحِدَةٍ فِيْ رَكْعَتَيْنِ اَوْ يُرَدِّدُ سُوْرَةً وَاحِدَةً فِيْ رَكْعَتَيْنِ كُلٌّ كِتَابُ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ (بخاری)

اور قتادہ نے کہا اگر کوئی شخص ایک سورت دونوں رکعتوں میں پڑھے (آدھی آدھی ہر رکعت میں) یا ایک ہی سورت کو دونوں رکعتوں میں پڑھے۔ سب کی سب اللہ عزوجل کی کتاب ہے۔

یہ حدیث عنوان کے کسی جز کے مطابق نہیں ہے لیکن امام بخاری نے اس حدیث کے الفاظ "کل کتاب اللہ عزوجل" سے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ نماز میں قرآن خواہ کسی طرح بھی پڑھا جائے جائز ہے کیونکہ وہ قرآن ہے۔ اس لحاظ سے یہ حدیث عنوان کے تمام اجزا کے مطابق ہو جائے گی۔

(۳) وَقَالَ عُبَيْدُ اللّٰهِ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ اَنَسٍ كَانَ رَجُلٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ يَؤُمُّهُمْ فِيْ مَسْجِدِ قُبَاءٍ وَ كَانَ كُلَّمَا افْتَتَحَ سُوْرَةً يَقْرَأُ بِهَا لَهُمْ فِي الصَّلٰوةِ مِمَّا يَقْرَأُ بِهِ افْتَتَحَ بِقُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ حَتّٰى يَفْرُغَ مِنْهَا ثُمَّ يَقْرَأُ سُوْرَةً اُخْرٰى مَعَهَا وَكَانَ يَصْنَعُ ذٰلِكَ فِيْ كُلِّ رَكْعَةٍ فَكَلَّمَهُ اَصْحَابُهُ وَ قَالُوْا اِنَّكَ تَفْتَتِحُ بِهٰذِهِ السُّوْرَةِ ثُمَّ لَا تَرٰى اَنَّهَا تُجْزِئُكَ حَتّٰى تَقْرَأَ بِاُخْرٰى فَاِمَّا تَقْرَأُ بِهَا وَ اِمَّا اَنْ تَدَعَهَا وَتَقْرَأَ بِاُخْرٰى فَقَالَ مَا اَنَا بِتَارِكِهَا اِنْ اَحْبَبْتُمْ اَنْ اَؤُمَّكُمْ بِذٰلِكَ فَعَلْتُ وَاِنْ كَرِهْتُمْ تَرَكْتُكُمْ وَ كَانُوْا يَرَوْنَ اَنَّهٗ مِنْ اَفْضَلِهِمْ وَ كَرِهُوْا اَنْ يَّؤُمَّهُمْ

اور عبیداللہ نے ثابت سے انہوں نے حضرت انس سے روایت کیا کہ انصار میں سے ایک آدمی مسجد قبا میں انصار کی امامت کرتے تھے وہ جب ان سورتوں میں سے جو نماز میں پڑھی جاتی ہیں کوئی سورت شروع کرتے تو پہلے قل ہو اللہ احد پڑھتے۔ پھر وہ دوسری سورت اس کے ساتھ ملا کر پڑھتے اور ہر رکعت میں ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ ان کے مقتدیوں نے ان پر اعتراض کیا اور کہنے لگے۔ تم اس سورت یعنی قل ہو اللہ سے شروع کرتے ہو پھر کیا یہ سمجھتے ہو کہ یہ سورت کافی نہیں۔ جبھی تو دوسری سورت اس کے ساتھ ملاتے ہو۔ آئندہ یا تو یہی سورت قل ہو اللہ فقط پڑھا کرو یا اس کو چھوڑ کر کوئی دوسری سورت پڑھا کرو۔ وہ کہنے لگے کہ میں قل ہو اللہ کو چھوڑنے والا نہیں ہوں۔ اگر تم راضی ہو تو میں تمہاری امامت کرتا ہوں اور اگر ناراض ہو تو میں امامت چھوڑ دیتا ہوں۔ اور لوگ ان کو اپنے میں سب سے بہتر جانتے تھے اور دوسرے کی امامت ان کو ناپسند تھی

غَيْرَهٗ فَلَمَّا اَتَاهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَخْبَرُوْهُ الْخَبَرَ فَقَالَ يَا فُلَانُ مَا يَمْنَعُكَ اَنْ تَفْعَلَ مَا يَاْمُرُكَ بِهٖ اَصْحَابُكَ وَمَا يَحْمِلُكَ عَلٰى لُزُوْمِ هٰذِهِ السُّوْرَةِ فِيْ كُلِّ رَكْعَةٍ فَقَالَ اِنِّيْ اُحِبُّهَا قَالَ حُبُّكَ اِيَّاهَا اَدْخَلَكَ الْجَنَّةَ

پس جب نبی صلے اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کے پاس تشریف لائے تو انھوں نے آپ کو اس واقعہ کی اطلاع دی۔ آپ نے فرمایا تم اس طرح کیوں نہیں کرتے جس طرح تمہارے ساتھی تم سے کہہ رہے ہیں۔ اور آخر کس وجہ سے ہر رکعت میں اس سورہ کو پڑھتے ہو۔ وہ کہنے لگے مجھے اس سورت سے محبت ہے۔ آپ نے فرمایا اس کی محبت نے تجھ کو جنت دلا دی۔

(۱) ابو موسیٰ نے کتاب الصحابہ میں ذکر کیا کہ کان رجل من الانصار سے کلثوم بن ہدم مراد ہیں۔ اس حدیث سے واضح

فوائد و مسائل ہوا کہ ایک رکعت میں دو سورتوں کو جمع کر کے پڑھنا جائز ہے۔ حضرت سعید بن جبیر، عطا و علقمہ۔ سوید بن غفلہ۔ ابراہیم نخعی۔ سفیان ثوری۔ امام اعظم ابو حنیفہ و مالک و شافعی و احمد کا یہی مسلک ہے۔ اور یہی حضرت عثمان و حضرت ابن عمر و تمیم الداری رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے (۲) اگر طبیعت کا رجحان خاص طور پر کسی سورت کی طرف ہو تو اس کو معین کر کے پڑھا جا سکتا ہے (۳) سورہ اخلاص کی محبت ہے (۴) جو سب سے افضل ہو وہ امامت کا زیادہ مستحق ہے (۵) متقی کہ جس کی امامت پر راضی نہ ہوں اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے (۶) حضور نے مذکورہ فی الحدیث شخص و جنت کی بشارت دی ہے جس سے واضح ہوا کہ حضور ان کے فعل سے راضی تھے۔

حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ مُرَّةَ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا وَائِلٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى ابْنِ مَسْعُوْدٍ فَقَالَ قَرَأْتُ الْمُفَصَّلَ اللَّيْلَةَ فِيْ رَكْعَةٍ فَقَالَ هَذًّا كَهَذِّ الشِّعْرِ لَقَدْ عَرَفْتُ النَّظَائِرَ الَّتِيْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرِنُ بَيْنَهُنَّ فَذَكَرَ عِشْرِيْنَ سُوْرَةً مِّنَ الْمُفَصَّلِ سُوْرَتَيْنِ فِيْ كُلِّ رَكْعَةٍ

(بخاری)

ہم سے عمرو بن مرہ نے بیان کیا انھوں نے کہا میں نے ابو وائل سے سنا انھوں نے کہا کہ ایک آدمی ابن مسعود کے پاس آیا اور کہنے لگا۔ میں نے رات کو مفصل کی تمام کی تمام سورتیں ایک رکعت میں پڑھ ڈالیں۔ ابن مسعود نے فرمایا جیسے اشعار جلد جلد پڑھے جاتے ہیں اس طرح پڑھا ہوگا۔ میں ان متناسب سورتوں کو جانتا ہوں۔ جن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ملا کر ایک ایک رکعت میں پڑھا کرتے تھے۔ پھر عبداللہ نے مفصل کی بیس سورتیں بیان کیں ہر رکعت میں دو دو سورتیں۔

یہ حدیث عنوان کے جزء اول کے مطابق ہے۔ یعنی ایک رکعت میں دو سورتوں کو جمع کر کے پڑھنا۔ جاء رجل سے مراد نہیک بن سنان البجلی ہیں۔ نظائر، نظیرہ کی جمع ہے۔ اس سے وہ سورتیں مراد ہیں جو آپس میں طول و قصر میں مشابہ ہوں۔ صاحب توضیح نے فرمایا نظائر وہ سورتیں ہیں جو عدد میں مشابہ ہوں۔ جیسے سورہ دخان کی ساٹھ آیتیں ہیں اور عم یتساءلون کی چالیس آیتیں ہیں۔ علامہ عینی نے لکھا کہ یہاں نظائر سے متقارب فی المقدار سورتیں مراد ہیں (۲) اس حدیث سے واضح ہوا کہ قرآن پاک اشعار کی طرح گا کر پڑھنا ممنوع ہے۔ ھذ کے معنی سرعت کے ہیں۔ قرآن جلدی جلدی پڑھنا کہ حروف سمجھ میں نہ آئیں اور تدبر اور تفکر کرنے والے تدبر سے محروم رہ جائیں۔ درست نہیں (۳) حضرت ابن مسعود نے جن متماثل سورتوں کا ذکر کیا ان کے نام روایت ابو داؤد میں یہ ہیں۔

سورہ رحمٰن اور نجم ایک رکعت میں
اقتربت اور حاقہ ایک رکعت میں
والذاریات اور طور ایک رکعت میں
واقعہ اور ن ایک رکعت میں
معارج اور نازعات ایک رکعت میں
ویل للمطففین اور عبس ایک رکعت میں
مدثر اور مزمل ایک رکعت میں
دھر اور قیامہ ایک رکعت میں
عم اور مرسلٰت ایک رکعت میں
کورت اور دخان ایک رکعت میں

بَابُ يَقْرَأُ فِي الْأُخْرَيَيْنِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ
عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقْرَأُ فِي الظُّهْرِ فِي الْأُولَيَيْنِ بِأُمِّ الْكِتَابِ وَسُورَتَيْنِ وَفِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُخْرَيَيْنِ بِأُمِّ الْكِتَابِ وَيُسْمِعُنَا الْآيَةَ وَيُطَوِّلُ فِي الرَّكْعَةِ الْأُولَى مَا لَا يُطِيلُ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ وَهَكَذَا فِي الْعَصْرِ وَهَكَذَا فِي الصُّبْحِ

باب پچھلی دو رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ پڑھنا
عبداللہ بن ابی قتادہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ اور دو سورتیں پڑھتے تھے اور پچھلی دو رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ پڑھتے اور کبھی ایک آدھ آیت ہم کو سنا دیتے اور پہلی رکعت کو زیادہ دراز کرتے بہ نسبت دوسری رکعت کے اور اسی طرح عصر کی نماز میں کرتے اور اسی طرح صبح کی نماز میں کرتے۔

علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے لکھا کہ اس حدیث سے فرض کی آخری دو رکعتوں میں الحمد پڑھنے کا وجوب ثابت نہیں ہوتا اور دلیل اس کی یہ ہے کہ حضرت علی فرماتے ہیں۔

اَقْرَأُ فِي الْأُولَيَيْنِ وَأُسَبِّحُ فِي الْأُخْرَيَيْنِ رواہ ابن ابی شیبہ

کہ میں پہلی دو رکعتوں میں قرأت کرتا ہوں اور پچھلی دو میں تسبیح پر اکتفا کرتا ہوں۔

حضرت جابر فرماتے ہیں۔

سُنَّةُ الْقِرَاءَةِ فِي الصَّلَاةِ أَنْ يَقْرَأَ فِي الْأُولَيَيْنِ بِأُمِّ الْقُرْآنِ وَسُورَةٍ وَفِي الْأُخْرَيَيْنِ بِأُمِّ الْقُرْآنِ رواہ الطبرانی فی معجمہ

سنت قرأۃ نماز میں یہ ہے کہ پہلی دو رکعتوں میں الحمد اور سورت پڑھی جائے اور آخری دو رکعتوں میں صرف الحمد پڑھی جائے۔

ان دونوں حدیثوں کو نقل کرکے علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے تحریر فرمایا ہے وھذہ حجۃ علی من جعل قراءۃ الفاتحۃ من الفروض یہ حدیثیں ان لوگوں پر حجت ہیں جو سورہ فاتحہ کے پڑھنے کو فرض قرار دیتے ہیں ـــــ ظاہر ہے کہ اثر علی سے اتنی بات تو قطعی ثابت ہوتی ہے کہ پچھلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض نہیں لیکن اثر جابر سے علامہ عینی کا استدلال درست نہیں معلوم ہوتا کیونکہ حضرت جابر تو چاروں رکعتوں میں الحمد کو سنت قرأۃ قرار دے رہے ہیں۔

بَابُ مَنْ خَافَتَ الْقِرَاءَةَ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ

باب ظہر و عصر میں آہستہ قرأت کی جائے۔

اس عنوان کے تحت امام نے حدیث خباب کو ذکر کیا ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ ان سے پوچھا گیا کہ حضور ظہر و عصر میں قرأت فرماتے تھے تو انہوں نے کہا ہاں۔ پوچھا گیا کہ تم کو حضور کی قرأت کیسے معلوم ہوئی تو انہوں نے جواب دیا کہ حضور کی ریش مبارک کی حرکت سے یعنی ریش اقدس کی حرکت سے ہم نے یہ اندازہ کیا کہ حضور قرأت کر رہے ہیں معلوم ہوا کہ ظہر

عصر میں آہستہ قرأت کی جائے ـــــــ اور یہی کہ قرأت میں اتنی آواز کافی ہے کہ اگر کوئی مانع مثلِ سماعت شور و غل نہ ہو تو خود سن سکے اگر اتنی آواز بھی نہ ہو تو نماز نہ ہوگی۔ اسی طرح جن معاملات میں نطق کو دخل ہے سب میں اتنی آواز ضروری ہے مثلاً جانور ذبح کرتے وقت بسم اللہ کہنا۔ طلاق و عتاق۔ استثناء۔ آیت سجدہ پڑھنے پر سجدہ تلاوت واجب ہونا۔ اور ظاہر ہے کہ جب تک ہونٹ، زبان اور داڑھیں نہ ہلیں اس وقت تک ایسی آواز سے قرأت نہیں ہو سکتی کہ آدمی خود سن سکے۔ غرضکہ دل میں پڑھنا اور ایسے پڑھنا کہ خود نہ سن سکے تو اس طرح پڑھنے سے نماز نہ ہوگی۔

بَابٌ اِذَا اَسْمَعَ الْاِمَامُ الْاٰيَةَ

باب سری نماز میں امام کا مقتدیوں کو سنانے کے لئے کوئی آیت زور سے پڑھ دینا۔

اس عنوان کے تحت امام نے حدیث مذکورہ ذکر کی ہے۔ جس میں یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے ظہر و عصر کی پہلی دو رکعتوں میں الحمد و سورت پڑھی۔ اور کبھی آپ ہم کو سورت کی کوئی آیت بلند آواز سے سنا دیتے تھے ـــــــ اس حدیث سے غیر مقلد حضرات یہ استدلال کرتے ہیں کہ سری نماز میں امام کا کسی آیت کو زور سے پڑھ کر سنا دینا سنت ہے بلکہ کبھی کبھی ایسا کرنا ضروری ہے لیکن یہ استدلال اس لئے درست نہیں کہ حضور علیہ السلام کا کسی سورت کی ایک آیت کا کسی موقع پر بلند آواز سے پڑھ دینا تعلیم امت کے لئے تھا اور اس عمل کا اظہار بھی حضور سے شاذ و نادر ہی ہوا ہے۔

بَابٌ يُطَوِّلُ فِي الرَّكْعَةِ الْاُوْلٰى

باب رکعت اول کو لمبی کرنا

اس عنوان کے ماتحت امام نے حدیث مذکورہ ذکر کی ہے جس میں یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے ظہر کی پہلی رکعت دوسری سے لمبی کی تھی یہ حدیث مع تفسیر و ترجمانی کے فیوض الباری پارہ سوم ص ـــ پر گذر چکی ہے۔

بَابُ جَهْرِ الْاِمَامِ بِالتَّاْمِيْنِ

باب امام کا بلند آواز سے آمین کہنا

وَقَالَ عَطَاءٌ اٰمِيْنَ دُعَاءٌ

اور حضرت عطاء نے فرمایا۔ آمین دعا ہے۔

آمین دعا ہے اور قرآن نے آہستہ دعا مانگنے کی تلقین کی ہے:

آمین کا دعا ہونا قرآن مجید سے بھی ثابت ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک دعا کی۔ اور حضرت ہارون علیہ السلام نے آمین کہی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا!

قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا

اللہ نے تم دونوں کی دعا قبول فرمائی۔

دیکھئے دعا تو حضرت موسیٰ نے کی تھی اور حضرت ہارون نے صرف آمین کی تھی مگر خدا تعالیٰ نے ہارون علیہ السلام کی آمین کو بھی دعا قرار دیا۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ آمین دعا ہے ـــ اور دعا کو آہستہ مانگنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً

اپنے رب سے عاجزی اور آہستہ سے دعا مانگو۔

دوسری جگہ فرمایا کہ اے محبوب رسول جب لوگ تم سے میرے متعلق پوچھیں۔

فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ

تو ان سے بہت قریب ہوں جو مجھ سے دعا کرتا ہے اس کی دعا قبول کرتا ہوں۔

اس دعا کا مقصود بھی یہی ہے کہ دعا میں چیخنے چلانے اور آواز بلند کرنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اللہ عزوجل شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے لہٰذا دعا آہستہ مانگی جائے۔

علامہ رازی علیہ الرحمۃ نے ادعوا ربکم تضرعا وخفیۃ کی تفسیر میں لکھا کہ اخفاء دعا میں معتبر ہے۔ اور اس پر متعدد دلائل ہیں۔ اول تو یہی آیت کہ اس میں اللہ عزوجل نے دعا کو آہستہ مانگنے کا حکم دیا ہے۔ اور ادعوا امر کا صیغہ ہے جس کا ادنیٰ درجہ استحباب کا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد فرمایا انہ لا یحب المعتدین۔ اللہ تعالیٰ تجاوز کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ یعنی جو دعا میں تضرع اور اخفا کو ترک کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو دوست نہیں رکھتا۔ بنا معنی آیت یہ ہوں گے۔ جو لوگ دعا میں تضرع اور آہستگی کو اختیار نہیں کرتے۔ تو اللہ تعالیٰ ان کی دعا قبول نہیں فرمائے گا۔ لہذا انہ لا یحب المعتدین وعید شدید ہے ان لوگوں کے لئے جو آہستہ دعا نہیں کرتے اور دوسری دلیل حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا ہے جس کو قرآن مجید نے ذکر کیا اور ان کے اس فعل کی مدح فرمائی اذ نادیٰ ربہ ندآء خفیًا اور ان کی دعا میں خفیہ تھی۔ یعنی انہوں نے اپنی دعا کو سب سے چھپایا۔ اور صرف اللہ عزوجل کے حضور پیش کی۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کی خفیہ دعا کرنے کی مدح فرمائی۔ اس سے واضح ہوا کہ آمین دعا ہے اور قرآن نے آہستہ دعا مانگنے کا حکم دیا ہے۔ لہذا امام و مقتدی کو الحمد کے بعد آہستہ آمین کہنا مستحب ہے۔

اَمَّنَ ابْنُ الزُّبَيْرِ وَمَنْ وَرَآءَهٗ حَتّٰى اِنَّ لِلْمَسْجِدِ لَلَجَّۃً ۔ بخاری	اور عبد اللہ بن زبیر اور ان کے پیچھے والوں نے آمین کہی یہاں تک کہ مسجد میں آواز بلند ہو گئی۔

لجۃ کے معنی صوت مرتفع کے ہیں۔ یعنی آواز کا بلند ہو جانا۔ ویسے غیر مقلد حضرات اس کا ترجمہ مسجد گونج گئی کرتے ہیں۔ اثر ابن زبیر سے آمین بالجہر کا استدلال متعدد وجوہ سے درست نہیں ہے۔ اول اس روایت میں نماز کا ذکر نہیں ہے۔ ممکن ہے خارج نماز کوئی دعا کی گئی ہو۔ اور سوال نماز میں آمین بالجہر کا ہے۔ دوم مسجد اس صورت میں گونجتی ہے جبکہ اس کی عمارت پختہ ہو اور گنبد وغیرہ بھی ہو۔ مسجد نبوی تو کچی مسجد تھی اور اس کی چھت چھپر کی تھی اس میں گونج پیدا نہیں ہو سکتی سوم کسی بھی صحیح حدیث سے یہ بات ثابت نہیں ہے کہ صحابہ کرام نے حضور کی اقتدا میں نماز ادا کی ہو اور حضور علیہ السلام اور انہوں نے بلند آواز سے آمین کہی ہو۔ اس طرح خلفاء اربعہ کا بلند آواز سے آمین کہنا یا مقتدیوں کا خلفاء اربعہ کی اقتدا میں نماز پڑھنا اور بلند آواز سے آمین کہنا کسی بھی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے جیسا کہ آئندہ صفحات میں تفصیلی بیان آئے گا۔ اگر ثابت ہے تو صرف اس قدر کہ کبھی حضور نے بلند آواز تعلیمی کہ آمین کہی ہے اور وہ بھی تعلیم امت کے لئے جیسا کہ علامہ ابن قیم نے زاد المعاد میں تصریح کی ہے اس کے علاوہ آمین کو دعا ہونا حدیث بخاری سے اور دعا کا خفیہ طور پر مانگنا قرآن پاک سے ثابت ہے۔ ایسی صورت میں اثر ابن زبیر واجب التاویل ہے اور اس کو محمل خارج نماز قرار دینا چاہیئے۔

وَكَانَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ يُنَادِي الْاِمَامَ لَا تَفُتْنِيْ بِاٰمِيْنَ ۔ (بخاری)	اور حضرت ابو ہریرہ امام کو آواز دے کر کہتے کہ ایسا نہ ہو کہ میری آمین جاتی رہے۔

اس تعلیق کو ابن ابی شیبہ نے وصل کیا کہ حضرت ابو ہریرہ بحرین میں مؤذن تھے تو آپ علاء سے کہتے کہ اتنی جلدی نہ کرنا کہ میری آمین جاتی رہے۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ آمین کہنا سنت ہے اور صحابہ کرام کو آمین کہنے کا کیسا کچھ شوق تھا۔

آمین کہنے پر امت کا اجماع ہے امام نووی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے۔ قد اجتمعت الامۃ علی ان المنفرد یؤمن (نووی جوا ص) اس پر امت کا اجماع ہے کہ سورہ فاتحہ کے بعد منفرد آمین کہے۔

فَوَافَقَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ مسلم ج ۱ ص ۱۷۶

پس مطابق ہو ایک ان دونوں کی دوسری کو تو اس کے اگلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے اس حدیث کے ماتحت لکھا کہ دیگر احادیث یا تو امام کے بارے میں ہیں یا مقتدی یا دونوں کے متعلق لیکن اس حدیث کے لفظ اذا قال احدکم میں منفرد بھی داخل ہو جاتا ہے۔ علامہ کو معلوم ہے کہ امام ہو یا مقتدی یا اکیلا نماز پڑھنے والا سب کو الحمد کے بعد آمین کہنا سنت ہے باعث برکت و موجب رحمت ہے۔

وَقَالَ نَافِعٌ كَانَ ابْنُ عُمَرَ لَا يَدَعُهٗ وَيَحُضُّهُمْ وَسَمِعْتُ مِنْهُ فِيْ ذٰلِكَ خَبَرًا (بخاری)

اور نافع نے کہا کہ حضرت ابن عمر آمین کو نہیں چھوڑتے تھے۔ بلکہ لوگوں کو اس کے کہنے کی رغبت دلاتے تھے اور میں نے اس کے متعلق ان سے ایک حدیث بھی سنی ہے۔

اس حدیث سے بھی آمین کہنے کی اہمیت و مشروعیت ثابت ہوئی کہ سیدنا ابن عمر آمین کہتے تھے اور لوگوں کو بھی آمین کہنے کی تلقین کرتے تھے۔ نیز اس حدیث سے آمین کہنے کی فضیلت تو ثابت ہوتی ہے مگر آمین بالجہر ثابت نہیں ہوتی۔

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اَمَّنَ الْاِمَامُ فَاَمِّنُوْا فَاِنَّهٗ مَنْ وَافَقَ تَاْمِيْنُهٗ تَاْمِيْنَ الْمَلٰٓئِكَةِ غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اٰمِيْنَ (بخاری)

حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو کیونکہ جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہو جائے گی۔ تو اس کے سابقہ گناہ بخش دیے جائیں گے۔ ابن شہاب نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی آمین کہا کرتے تھے۔

ان دونوں حدیثوں سے واضح ہوا کہ گناہوں کی معافی اس نمازی کے لئے ہے جس کی آمین فرشتوں کی آمین کی طرح ہو۔ ظاہر ہے کہ فرشتے آہستہ آمین کہتے ہیں۔ ہم ان کی آمین نہیں سنتے لہٰذا ہماری آمین بھی آہستہ ہونی چاہیئے تاکہ فرشتوں کی آمین کے موافق ہو جائے۔

بَابُ فَضْلِ التَّاْمِيْنِ

باب آمین کہنے کی فضیلت

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا قَالَ اَحَدُكُمْ اٰمِيْنَ وَقَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ فِي السَّمَآءِ اٰمِيْنَ فَوَافَقَتْ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى غُفِرَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ (بخاری)

حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی آمین کہتا ہے اور فرشتے جو آسمان پر آمین کہا کرتے ہیں وہ بھی آمین اور پھر دونوں آمینیں موافق ہو جائیں۔ تو اس کے اگلے گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔

اس حدیث سے بھی آمین کہنے کی فضیلت ثابت ہوئی اور یہ بھی کہ آمین آہستہ کہی جائے۔ کیونکہ فرشتے بھی آمین آہستہ کہتے ہیں ان کی آمین ہمیں سنائی نہیں دیتی اور گناہوں کی معافی اسی کے لئے ہے جس کی آمین فرشتوں کی آمین کی طرح ہو۔ ـــــ واضح ہو کہ موافقت سے صرف موافقت فی الوقت مراد لینے پر حدیث میں کوئی دلالت نہیں ہے۔ کیونکہ آمین کہنے کا وقت فوری ہے جب امام سورۂ فاتحہ ختم کرتا ہے۔

بَابُ جَهْرِ الْمَاْمُوْمِ بِالتَّاْمِيْنِ

باب مقتدی کا پکار کر آمین کہنا

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا قَالَ الْاِمَامُ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّالِّیْنَ فَقُوْلُوْا اٰمِیْنَ فَاِنَّهٗ مَنْ وَّافَقَ قَوْلُهٗ قَوْلَ الْمَلٰٓئِكَةِ غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ (بخاری)

حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب امام غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو اس لئے کہ جس کا آمین کہنا فرشتوں کے آمین کہنے کے موافق ہو جائے گا۔ تو اس کے سابقہ گناہ بخش دیے جائیں گے۔

یہ غیر مقلدین کی متعدد حدیثوں سے جس میں رفقال. فقولوا کے الفاظ آتے ہیں آمین بالجہر کا استدلال کیا جاتا ہے۔ جس کی تقریر یہ ہے کہ قول کے ساتھ جب خطاب ہو اور اس میں اسرار اور اخفار کی قید نہ ہو تو وہ جہر پر محمول ہوگا۔ لہٰذا حضور کا یہ فرمانا کہ فقولوا اس سے مراد یہی ہے کہ آمین بلند آواز سے کہی جائے اور جب امام بلند آواز سے آمین کہے گا تو مقتدی کو بھی امام کی متابعت میں بلند آواز سے آمین کہنا لازم ہے۔

لیکن یہ استدلال درست نہیں ہے۔ اس لئے کہ قولوا کے معنی بلند آواز سے کہنے کے کرنا غلط ہے۔ بلکہ اس کے معنی صرف یہ ہیں کہو تم۔ اگر یہ اصول مان لیا جائے کہ جہاں بھی لفظ قول مطلق وارد ہو اس سے جہر مراد ہوگا تو قل ھو اللہ احد وقل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس سے بھی جہر ثابت ہوگا اسی طرح احادیث میں آیا ہے۔

(۱) کہ جب صبح کو بیدار ہو تو یوں کہو (۲) جب بستر پر سونے کے لئے جاؤ تو یہ یوں کہو (۳) جب کھانا کھاؤ تو یوں کہو۔ (۴) بعد جب قرآن ختم کرو تو یوں کہو۔ تو ان مواقع پر جس قدر دعائیں پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے وہ سب کی سب جہر پر محمول کرنی پڑیں گی۔ اسی طرح حدیث میں آتا ہے۔ جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم ربنا لک الحمد کہو اسی طرح التحیات کے متعلق بھی لفظ قولوا آیا ہے یعنی قعدہ میں التحیات پڑھا کرو بلفظ مذکورہ بالا اصل کے مطابق ربنا لک الحمد اور التحیات کے متعلق بھی یہ کہنا چاہیئے کہ ان کا بھی بلند آواز سے پڑھنا مسنون ہے۔ لہٰذا لفظ قولوا سے جہر کا استدلال درست نہیں ہے اور قولوا کا مقصد صرف یہ ہے کہ آمین کہو۔ رہا یہ سوال کہ آمین جہراً کہی جائے یا سراً۔ یہ متعدد حدیثوں سے واضح ہے۔ کہ آپ نے آمین آہستہ کہی ہے (جیسا کہ آئندہ صفحات میں تفصیل آرہی ہے)

مسئلہ آمین بالسر

سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مسلک یہ ہے۔ کہ الحمد کے ختم کرنے کے بعد امام و مقتدی و منفرد کو آہستہ آمین کہنا مسنون ہے۔ اور بلند آواز سے آمین کہنا سنت نہیں ہے امام اعظم علیہ الرحمۃ کے دلائل یہ ہیں۔

حدیث اول حضرت وائل بن حجر سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور علیہ السلام کے ہمراہ نماز پڑھی جب حضور علیہ السلام غیر المغضوب علیہم ولا الضالین پر پہنچے

قال اٰمین واخفٰی بها صوته (مسند امام احمد) | تو آپ نے آہستہ آمین کہی

اس حدیث کو ابوداؤد، طیالسی، ابو یعلی، موصلی، طبرانی، دارقطنی اور حاکم نے بھی روایت کیا ہے۔

حدیث دوم ابوداؤد، ترمذی و ابن ابی شیبہ نے حضرت وائل سے روایت کی۔ کہ حضور علیہ السلام نے جب غیر المغضوب علیہم ولا الضالین پڑھا تو

فقال اٰمین وخفض بها صوته | تو آہستہ آمین کہی

بحث سماع علقمہ عن ابیہ

اس حدیث کی سند یہ ہے کہ عن شعبة عن سلمة بن كهيل عن علقمة عن وائل بن حجر۔ شعبہ کو عینی اور تقریب ابن حجر میں امام المحدثین لکھا ہے اور حاکم نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔ غیر مقلد حضرات کی یہ عادت ہے کہ جب جواب نہ بن پڑے، تو وہ خواہ مخواہ حدیث کو ضعیف قرار دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس حدیث میں جس میں خفض بھا صوتہ ہے یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اس کی سند میں علقمہ ہیں۔ جنہوں نے اپنے والد سے نہیں سنا جیسا کہ تقریب میں یہ تصریح ہے۔ صدوق الا انه لم يسمع من ابيه لہٰذا حدیث منقطع ہے قابل احتجاج نہیں ــــــ اس کے متعدد جواب ہیں۔ اول یہ کہ حدیث منقطع ہمارے نزدیک حدیث مرسل کی طرح حجت ہے۔ بشرطیکہ اس کے راوی ثقہ و عادل ہوں۔ امام ابن ہمام نے کتاب التحریر میں لکھا ہے ان الانقطاع عندنا داخل فی الارسال بعد عدالة الرواة اور ظاہر ہے کہ حدیث ہذا کے تمام راوی ثقہ و عادل ہیں۔ لہٰذا حدیث قابل عمل ہے۔ دوم یہ کہ حافظ علیہ الرحمۃ نے تقریب میں اگرچہ عدم سماع علقمہ کی تصریح کی ہے۔ مگر در اصل یہ نفی انہوں نے عدم اطلاع کی وجہ سے کی تھی اور دلیل اس کی یہ ہے۔ خود حافظ علیہ الرحمۃ نے دوسرے مقامات پر علقمہ کے سماع کا قول کیا ہے چنانچہ حافظ علیہ الرحمۃ تہذیب میں ترجمہ علقمہ میں لکھتے ہیں۔

حكى العسكرى عن ابن معين انه قال علقمة بن وائل عن ابيه	عسکری نے ابن معین سے حکایت کی کہ ابن معین نے کہا کہ علقمہ بن وائل نے اپنے باپ سے ۔

اور بلوغ المرام باب صفة الصلوٰة میں حدیث وائل صلیت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فکان یسلم عن یمینه کے متعلق لکھا ہے رواہ ابو داؤد باسناد صحیح یعنی ابو داؤد نے اس حدیث کو باسناد حسن روایت کیا۔ پس حافظ ابن حجر علیہ الرحمۃ کا اس حدیث کی صحت اسناد کا حکم کرنا اس امر کو مستلزم ہے کہ یہ حدیث متصل ہے مرسل و منقطع نہیں ہے اور ابو داؤد میں یہ حدیث بطریق علقمہ عن ابیہ ہی مروی ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ حافظ علیہ الرحمۃ کا مختار یہی ہے کہ علقمہ کا سماع اپنے والد سے درست ہے نیز حدیث علقمہ عن ابیہ نزد اجماع محدثین تحقیقی ثابت ہے۔ امام ترمذی کتاب الحدود باب ماجاء فی المرأة حدیث علقمہ کے ذکر کے بعد لکھتے ہیں کہ علقمہ بن وائل بن حجر سمع من ابيه وهو اكبر نے اپنے باپ سے سنا ہے۔ اور وہ اپنے بھائی عبد الجبار بن وائل سے بڑے ہیں۔ البتہ عبد الجبار کا سماع ثابت نہیں ہے۔

امام مسلم نے باب وجوب ملازمت جماعت المسلمين عند ظهور الفتن کے شروع میں حدیث محمد بن مثنیٰ کی اسناد میں لکھا ہے عن علقمة بن وائل الحضرمی عن ابيه ظاہر ہے کہ امام مسلم اصول میں کوئی منقطع حدیث نہیں لاتے۔ پس امام مسلم کے نزدیک بھی سماع علقمہ عن ابیہ ثابت ہے۔ اسی طرح اکابر محدثین امام بخاری و سمعانی و ابن عبد البر وغیرہم و ابو الحسن شارح ترمذی تا کمپوری تعظوبا۔ ملا علی قاری و شیخ عبد الحق محدث دہلوی کے نزدیک بھی علقمہ کا سماع عن ابیہ درست ہے۔ واللہ اعلم۔

حدیث سوم: حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ جب امام ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو فرشتے بھی آمین کہتے ہیں

وان الامام يقول آمين	اور امام بھی آمین کہتا ہے

(رواہ نسائی و آثار السنن ج ۱ ص ۹۱)

اس حدیث سے واضح ہوا کہ امام بھی آمین کہتا ہے اور مقتدی کو بھی آمین کہنا چاہیئے۔ اور آمین کا وقت سورہ فاتحہ

کے بعد ہے اور یہ بھی واضح ہوا کہ آمین آہستہ کہنی چاہیئے۔ کیونکہ اگر آمین بلند آواز سے ہوتی تو حضور کو یہ فرمانے کی ضرورت نہ تھی کہ امام بھی آمین کہتا ہے۔ کیونکہ امام کی آمین تو خود ہی سنائی دیتی۔

حدیث چہارم۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود نے فرمایا

اَرْبَعٌ يُخْفِيهِنَّ الْإِمَامُ اَلتَّعَوُّذُ وَالثَّنَاءُ وَالتَّسْمِيَةُ وَالتَّامِيْن (فتح القدیر)

چار چیزوں کو امام آہستہ کہے۔ اعوذ۔ سبحانک اللھم۔ بسم اللہ اور آمین

حدیث پنجم۔ حضرت حسن کہتے ہیں کہ سمرہ بن جندب و عمران بن حصین کا آپس میں مذاکرہ ہوا۔ سمرہ بن جندب نے حدیث بیان کی کہ میں نے حضور علیہ السلام سے دو سکتوں کو یاد رکھا ہے۔

سَكْتَةً إِذَا كَبَّرَ وَسَكْتَةً إِذَا فَرَغَ مِنْ قِرَاءَةِ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ (ابوداؤد)

ایک سکتہ جب آپ تکبیر کہتے اور دوسرا سکتہ جب آپ قراۃ غیر المغضوب علیہم ولا الضالین سے فارغ ہوتے۔

تو حضرت سمرہ نے ان سکتوں کو یاد رکھا اور عمران نے اس کا انکار کیا۔ تو دونوں نے ابی بن کعب کو لکھا۔ تو حضرت ابی کعب نے سمرہ کی تصدیق کی۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضور علیہ السلام تکبیر تحریمہ کے بعد سکوت فرماتے تھے ظاہر ہے کہ آپ کا تکبیر تحریمہ کے بعد سکوت فرمانا ثناء کو آہستہ پڑھنے کے لئے تھا اور دوسرا سکتہ ولا الضالین کے بعد فرماتے تھے اور یہ سکتہ آمین آہستہ کہنے کے لئے ہی ہو سکتا ہے۔ تو ثابت ہوا کہ حضور آمین آہستہ کہتے تھے۔ ورنہ سورہ فاتحہ کے بعد سکوت فرمانے کی اور کوئی صورت ہو ہی نہیں سکتی ——— اگر یہ کہا جائے کہ الحمد کے بعد حضور کا سکوت فرمانا سانس لینے کے لئے تھا تو اس سے لازم آئے گا کہ مقتدیوں کی آمین امام کی آمین سے پہلے واقع ہو کیونکہ مقتدیوں کو تو امام کے ولا الضالین ختم کرنے کے بعد آمین کہنے کا حکم ہے تو اب اگر حضور نے سکوت فرمایا اور مقتدیوں نے آمین کہی تو ان کی آمین امام کی آمین سے پہلے ہو گئی۔ حالانکہ امام سے سبقت کرنا منع ہے۔ پس ثابت ہوا کہ حضور آمین آہستہ کہتے تھے اور آمین کا آہستہ کہنا ہی مسنون و مطلوب ہے۔

حدیث ششم (۶)

عَنْ أَبِي وَائِلٍ قَالَ كَانَ عُمَرُ وَعَلِيٌّ لَا يَجْهَرَانِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَلَا بِالتَّعَوُّذِ وَلَا بِالتَّامِيْنِ (طحاوی و طبرانی)

حضرت ابو وائل سے روایت ہے کہ حضرت عمر و حضرت علی بسم اللہ۔ اعوذ۔ اور آمین بلند آواز سے نہیں کہتے تھے

یہ اور اس مضمون کی دیگر احادیث سے واضح ہوتا ہے۔ کہ الحمد کے بعد امام و منفرد و مقتدی کو آمین آہستہ کہنی مسنون ہے اور اکثر صحابہ کرام کا اسی پر عمل ہے۔

تصریحات حدیث ابوداؤد میں وائل ابن حجر سے ہے۔ کہ حضور علیہ السلام نے جب ولا الضالین پڑھا تو آمین کہی وَرَفَعَ بِهَا صَوْتَهُ اور اپنی آواز بلند کی (۲) اور بعض روایات میں مد بہا صوتہ بھی آیا ہے۔ محدثین نے اس کے معنی اطال یعنی دراز کیا کے لکھے ہیں اور بعض محدثین نے مد سے مد حارضی جو حرف کلمہ میں ہوتا ہے یا آخر کلمہ میں وہ مراد لیا ہے۔ یعنی یہ مد مقابل حذف کے ہے خفض کے مقابل نہیں ہے لہٰذا اس سے جہر ثابت نہیں ہوگا۔ ورنہ امام بخاری اس حدیث کو ضرور اپنی صحیح میں درج کرنے یا کسی حدیث تائید کے

سبب انہوں نے اس کو ترک کیا ہوگا۔ نیز چونکہ دارقطنی کی اصل روایت میں مدًّا ہے کما فی الترمذی۔ جس کے معنے کھینچنے کے ہیں نہ کہ بلند آواز کے۔ لہذا رفع بھا صوتہ کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہیئے۔ یا یہ روایت بالمعنی ہے۔ بعض راویوں نے مد کی تفسیر رفع سے کر دی جو مد کے معنی اطالت کے ہیں یا مد عارضی کے۔ اور اگر بالفرض رفع کے بھی ہوں تو مراد اس سے اتنی بلند آواز ہے کہ صف اول میں سے جو امام کے قریب ہوں وہ سن لیں۔ اور یہ بات اخفاء کے منافی نہیں ہے۔ اس لئے کہ بسا اوقات سری نماز میں بھی امام سے قریب والے امام کی قرأت سن لیتے ہیں۔ چنانچہ اس کی تائید روایت ابوہریرہ سے ہوتی ہے جس کے یہ ہے۔

قال امین حتی یسمع من یلیہ من الصف الاول (ابوداؤد)	کہ حضور نے آمین کہی۔ حتی کہ جو صف اول میں آپ سے قریب تھا اس نے سن لی۔

نیز چونکہ رفع بھا صوتہ سے جہر کا استدلال صحیح نہیں ہے

(۲) واضح ہو کہ آمین و قرأۃ خلف الامام و رفع یدین وغیرہ ایسے مسائل نہیں ہیں۔ جن کی بنیاد پر ایک دوسرے پر زبان طعن دراز کی جائے اور گمراہی و بے دینی کے فتوے دیئے جائیں۔ یہ فرعی مسائل ہیں اور سلف میں بھی ان کے متعلق دو رائیں تھیں اور ائمہ دین امام اعظم ابوحنیفہ و شافعی و مالک و احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے درمیان بھی ان مسائل میں اختلاف رہا ہے اور ہر ایک فریق نے کتاب و سنت کو سامنے رکھ کر دیانت داری سے جو کچھ سمجھا ہے اس پر عمل کیا ہے۔

غیر مقلد وہابی ان مسائل میں جو غلو کرتے ہیں۔ حتی کہ بعض تو احناف پر حدیث رسول کو پس پشت ڈال دینے تک کا الزام لگاتے ہیں۔ یہ ان کی سخت نادانی ہے انہیں اللہ سے ڈرنا چاہیئے۔ ان مسائل میں غلو سے باز رہنا چاہیئے۔ ہم اہل سنت و جماعت کے متعلق جو یہ کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ آمین و رفع یدین کرنے والوں کو گمراہ سمجھتے ہیں۔ یہ بھی غلط ہے ہم ان فروعی مسائل کی بنیاد پر کسی کو گمراہ و بے دین نہیں قرار دیتے۔ البتہ غیر مقلد وہابیوں سے ہمارا اصل اختلاف عقائد کا اختلاف ہے جس کی بنا پر ہم انہیں حق پر نہیں سمجھتے۔

بَابُ اِذَا رَكَعَ دُوْنَ الصَّفِّ	باب صف میں پہنچنے سے پہلے رکوع کر لینا
عَنْ اَبِیْ بَکْرَۃَ اَنَّہٗ اِنْتَھٰی اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَھُوَ رَاکِعٌ فَرَکَعَ قَبْلَ اَنْ یَّصِلَ اِلَی الصَّفِّ فَذَکَرَ ذٰلِكَ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ زَادَكَ اللّٰہُ حِرْصًا وَّلَا تَعُدْ (بخاری)	حضرت ابوبکرہ سے مروی ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس وقت پہنچے کہ آپ رکوع میں تھے۔ تو صف میں شامل ہونے سے پہلے انہوں نے رکوع کر لیا۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا۔ اللہ تیری حرص کو زیادہ کرے لیکن آئندہ ایسا نہ کرنا۔

فوائد و مسائل (۱) اس حدیث کو ابوداؤد و نسائی نے صلوٰۃ میں ذکر کیا۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ جو امام کو جس حال میں پائے رکوع میں یا سجدہ میں یا قیام میں۔ تو وہ امام کی پیروی کرے نیز ایک حدیث میں حضور نے فرمایا کہ

من وجدنی قائما اوراکعا او ساجدا فلیکن معی علی الحالۃ التی انا علیہا (مجمع ج ۲ ص ۷۷)	کہ جو مجھ کو حالت قیام یا رکوع یا سجود میں پائے تو وہ میری اسی حالت کی موافقت کرے جس پر میں ہوں۔

یعنی بھاگ دوڑ کر جماعت میں ملنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اطمینان سے جماعت میں شامل ہونا چاہیئے۔ اور امام جس حالت میں ہو اس کی پیروی کرنی چاہیئے۔ بہرحال امام کو رکوع میں پالیا تو رکعت مل گئی بصورت دیگر سلام کے بعد اپنی نماز پوری کر لی جائے۔

(۲) علامہ عینی نے فرمایا اس حدیث میں اس امر کی دلیل ہے کہ صف کے پیچھے اکیلے کی نماز مستحب ہے۔ کیونکہ جب اکیلا ہونے کی صورت میں نماز کا ایک حصہ جائز ہے۔ تو اس کے باقی سے بھی جائز ہونے چاہئیں۔ اور حضور علیہ السلام کا یہ فرمانا کہ "پھر ویسا نہ کرنا" تعلیم کے لئے جو فضل ہے اس کی طرف ہدایت دی ہے کہ افضل یہی ہے کہ جماعت میں شامل ہو کر نماز پڑھے۔ اگر اکیلے صف کے پیچھے نماز جائز نہ ہوتی تو حضور علیہ السلام اس کو دوبارہ پڑھنے کا حکم فرماتے (عون المعبود ج: صفحہ ۲۵۱)

(۳) منیہ میں لکھا ہے کہ مقتدی کے لئے صف کے پیچھے کھڑا ہونا جب کہ صف میں جگہ ہو مکروہ ہے۔ احناف کی دلیل یہی حدیث ہے۔ حضور نے حضرت ابوبکرہ کو اکیلے کھڑے ہونے سے منع فرما دیا۔ یہ نہی تحریمی نہیں ہے ورنہ حضور علیہ السلام نماز کے دوبارہ پڑھنے کا حکم فرماتے۔

مقتدی کو صف کے پیچھے تنہا کھڑا ہونا مکروہ ہے

مقتدی کو صف کے پیچھے تنہا کھڑا ہونا مکروہ ہے جبکہ صف میں جگہ موجود ہو اور اگر صف میں جگہ نہ ہو تو حرج نہیں۔ اور اگر کسی کو صف میں سے اشارہ کر کے اپنے ساتھ کھڑا کرے تو یہ بہتر ہے۔ اشارہ سے اگر وہ پیچھے نہ ہٹے تو اس پر سے کراہت ختم ہو جائیگی (عالمگیری) اسی طرح منفرد کو بھی صف کے پیچھے کھڑا ہونا مکروہ ہے کیونکہ قیام قعود وغیرہ افعال نماز لوگوں کے خلاف ادا کرے گا (فتح القدیر عالمگیری)

(۴) اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ جو امام کے ساتھ رکوع میں مل گیا اس کو رکعت مل گئی۔ دیکھئے رکوع میں ملنے والے پر قیام و تکبیر تحریمہ فرض و رہی یعنی رکوع میں ملنے والے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ ذرا دیر قیام کرے اور تکبیر تحریمہ بھی کہے اس کے بعد امام کے ساتھ رکوع میں شامل ہو۔ اگر بغیر قیام و تکبیر کے امام کے ساتھ رکوع میں مل گیا تو فرض رہ جانے کی وجہ سے سرے سے نماز ہوگی ہی نہیں۔ لیکن رکوع میں شامل ہونے والا الحمد و قرأت نہیں کرتا۔ جس سے واضح ہوا کہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض نہیں ہے اور نہ قرآن کا کوئی حصہ پڑھنا ضروری ہے۔ کیونکہ اس لئے کہ امام کی قرأت مقتدی کے لئے کافی ہے جبھی تو بغیر قرأت کئے اور بغیر الحمد پڑھے رکوع میں امام کے ساتھ شامل ہو جانے والے کو رکعت مل جاتی ہے۔ اور اس کی نماز صحیح ہو جاتی ہے۔ ورنہ اگر امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض یا واجب ہوتا تو رکوع میں ملنے والے کی نماز ہی نہ ہوتی چہ جائیکہ رکعت ملتی۔ فافہم

بَابُ اِتْمَامِ التَّكْبِيْرِ فِي الرُّكُوْعِ
قَالَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ فِيْهِ مَالِكُ بْنُ الْحُوَيْرِثِ
عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ صَلَّى مَعَ عَلِيٍّ بِالْبَصْرَةِ فَقَالَ ذَكَّرَنَا هٰذَا الرَّجُلُ صَلٰوةً كُنَّا نُصَلِّيْهَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ اَنَّهٗ كَانَ

باب تکبیر یعنی اللہ اکبر کو رکوع میں ختم کرنا
یہ ابن عباس نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے اور مالک بن حویرث نے بھی اس باب میں روایت کی ہے۔
عمران بن حصین سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ بصرہ میں میں نے علی کے ساتھ نماز پڑھی تو انہوں نے ہم کو وہ نماز یاد دلادی۔ جو ہم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔ پھر کہا کہ حضرت علی جب سر

يُكَبِّرُ كُلَّمَا رَكَعَ وَخَفَضَ

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُ كَانَ يُصَلِّي بِهِمْ فَيُكَبِّرُ كُلَّمَا خَفَضَ وَرَفَعَ فَإِذَا انْصَرَفَ قَالَ إِنِّي لَأَشْبَهُكُمْ صَلَاةً بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (بخاری)

أَخْبَرَنِي أَبُوْ بَكْرِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْحَارِثِ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُوْلُ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلٰوةِ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَقُوْمُ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَرْكَعُ ثُمَّ يَقُوْلُ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ حِيْنَ يَرْفَعُ صُلْبَهُ مِنَ الرَّكْعَةِ ثُمَّ يَقُوْلُ وَهُوَ قَائِمٌ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَهْوِي ثُمَّ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَرْفَعُ رَأْسَهُ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَسْجُدُ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَرْفَعُ رَأْسَهُ ثُمَّ يَفْعَلُ ذٰلِكَ فِي الصَّلٰوةِ كُلِّهَا حَتّٰى يَقْضِيَهَا وَيُكَبِّرُ حِيْنَ يَقُوْمُ مِنَ الثِّنْتَيْنِ بَعْدَ الْجُلُوْسِ۔

بَابُ إِتْمَامِ التَّكْبِيْرِ فِي السُّجُوْدِ

عَنْ مُطَرِّفِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ أَنَا وَعِمْرَانُ بْنُ حُصَيْنٍ فَكَانَ إِذَا سَجَدَ كَبَّرَ وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ كَبَّرَ وَإِذَا نَهَضَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ كَبَّرَ فَلَمَّا قَضَى الصَّلٰوةَ أَخَذَ بِيَدِي عِمْرَانُ بْنُ حُصَيْنٍ فَقَالَ قَدْ ذَكَّرَنِي هٰذَا صَلٰوةَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْ قَالَ لَقَدْ صَلّٰى بِنَا صَلٰوةَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

عَنْ عِكْرِمَةَ قَالَ رَأَيْتُ رَجُلًا عِنْدَ الْمَقَامِ يُكَبِّرُ فِي كُلِّ خَفْضٍ وَرَفْعٍ وَإِذَا قَامَ وَإِذَا وَضَعَ فَأَخْبَرْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ فَقَالَ أَوَلَيْسَ تِلْكَ صَلٰوةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا أُمَّ لَكَ۔ بخاری

اٹھتے اور جب سر جھکاتے اس وقت تکبیر کہتے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھاتے تھے تو ہر جھکتے اور اٹھتے وقت تکبیر کہتے اور جب نماز پڑھ چکتے تو کہتے کہ میری نماز بہت مشابہ ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نماز سے بہ نسبت تمہاری نماز کے۔

مجھ کو ابو بکر بن عبد الرحمٰن بن حارث نے خبر دی ہو نہوں نے حضرت ابو ہریرہ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو اللہ اکبر کہتے پھر جب رکوع کرتے تو اللہ اکبر کہتے۔ پھر فرماتے سمع اللہ لمن حمدہ جب رکوع سے اپنی پیٹھ اٹھاتے پھر کھڑے ہی کھڑے ربنا لک الحمد کہتے۔ پھر اللہ اکبر کہتے ہوئے سجدہ کے لئے جھکتے۔ پھر جب سجدہ سے سر اٹھاتے تو اللہ اکبر کہتے۔ پھر دوسرا سجدہ کرتے وقت اللہ اکبر کہتے۔ پھر سر اٹھاتے وقت اللہ اکبر کہتے۔ پھر ویسا ہی ساری نماز میں کرتے رہتے ہر رکعت میں وہ تکبیریں، نماز پوری ہونے تک اور جب دو رکعتیں پڑھ کر بیٹھ کر اٹھتے اس وقت بھی تکبیر کہتے۔

باب سجدہ میں جا کر تکبیر کو پورا کرنا

حضرت مطرف بن عبداللہ سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ میں نے اور عمران بن حصین نے حضرت علی بن ابی طالب کے پیچھے نماز پڑھی تو وہ جب سجدہ میں جاتے اللہ اکبر کہتے اور جب سجدہ سے سر اٹھاتے تو اللہ اکبر کہتے اور جب دو رکعتیں پڑھ کر اٹھتے تو تکبیر کہتے جب نماز پڑھ چکے تو عمران بن حصین نے میرا ہاتھ پکڑا اور کہنے لگے آج اس شخص (حضرت علی) نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز مجھ کو یاد دلا دی یا یوں کہا اس شخص نے ہم کو حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی سی نماز پڑھائی۔

حضرت عکرمہ سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ میں نے ایک آدمی کو مقام ابراہیم کے پاس نماز پڑھتے ہوئے دیکھا جب جھکتا اور اٹھتا اور جب کھڑا ہوتا اور جب سجدہ میں جاتا تو تکبیر کہتا میں نے تعجب سے یہ ماجرا ابن عباس سے بیان کیا انہوں نے کہا تیری ماں مرے کیا یہ نماز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی

بَابُ التَّكْبِيْرِ اِذَا قَامَ مِنَ السُّجُوْدِ

عَنْ عِكْرِمَةَ قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ شَيْخٍ بِمَكَّةَ فَكَبَّرَ ثِنْتَيْنِ وَعِشْرِيْنَ تَكْبِيْرَةً فَقُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ اِنَّهٗ اَحْمَقُ فَقَالَ ثَكِلَتْكَ اُمُّكَ سُنَّةُ اَبِي الْقَاسِمِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (بخاری)

باب سجدوں سے اٹھتے وقت تکبیر کہنا

حضرت عکرمہ سے مروی ہے انہوں نے کہا میں نے مکہ میں ایک شیخ کے پیچھے نماز پڑھی تو انہوں نے پوری نماز میں بائیس تکبیریں کہیں میں نے ابن عباس سے کہا یہ بوڑھا بے وقوف ہے۔ انہوں نے کہا تیری ماں تجھ پر روئے یہ تو حضور ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔

عنوانات کا مقصود یہ ہے کہ جب رکوع کے لئے جھکے تو تکبیر کہے تاکہ رکوع ہی میں ختم کرے۔ اسی طرح سجدہ کے لئے جب تکبیر کہے تو سجدہ میں پہنچ کر ختم کرے (۲) زیر عنوان حدیثیں اپنے مفہوم میں بالکل واضح ہیں (۳) تکبیرات انتقال یعنی رکوع و سجدہ وغیرہ کے لئے اللہ اکبر کہنا سنت ہے اور اس پر امت کا اتفاق ہے (۴) ہر رکعت میں پانچ تکبیریں ہوتی ہیں تو چار رکعتی نماز میں بیس تکبیریں ہوں گی اور تکبیر تحریمہ اور قعدہ اولیٰ سے اٹھنے کے وقت کی تکبیریں ملالیں تو ۲۲ ہو جاتی ہیں جن میں سوا تکبیر تحریمہ کے سب کی سنت ہیں اور تکبیر تحریمہ فرض ہے۔

بَابُ وَضْعِ الْاَكُفِّ عَلَى الرُّكَبِ فِي الرُّكُوْعِ

وَقَالَ اَبُوْ حُمَيْدٍ فِيْ اَصْحَابِهٖ اَمْكَنَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَيْهِ مِنْ رُكْبَتَيْهِ

عَنْ اَبِيْ يَعْفُوْرٍ قَالَ سَمِعْتُ مُصْعَبَ بْنَ سَعْدٍ صَلَّيْتُ اِلٰى جَنْبِ اَبِيْ فَطَبَّقْتُ بَيْنَ كَفَّيَّ ثُمَّ وَضَعْتُهُمَا بَيْنَ فَخِذَيَّ فَنَهَانِيْ اَبِيْ وَقَالَ كُنَّا نَفْعَلُهٗ فَنُهِيْنَا عَنْهُ وَاُمِرْنَا اَنْ نَضَعَ اَيْدِيَنَا عَلَى الرُّكَبِ (بخاری)

باب رکوع میں ہاتھ گھٹنوں پر رکھنا

اور ابو حمید نے اپنے ساتھیوں کے سامنے یہ کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع میں اپنے دونوں ہاتھ گھٹنوں پر جمائے

حضرت ابو یعفور سے مروی ہے انہوں نے کہا میں نے مصعب بن سعد سے سنا کہ میں نے اپنے باپ کے پہلو میں نماز پڑھی میں نے رکوع میں اپنی دونوں ہتھیلیاں ملالیں اور رانوں میں رکھ لیں میرے باپ نے مجھ کو منع کیا کہنے لگے پہلے ہم بھی ایسا کیا کرتے تھے پھر اس سے منع کئے گئے اور یہ حکم کئے گئے کہ ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھیں۔

عنوان سے رکوع میں ہاتھ رکھنے کا طریقہ اور اس کی کیفیت کا بیان مقصود ہے۔ حدیث زیر عنوان سے واضح ہوا کہ رکوع میں اپنے دونوں ہاتھ گھٹنوں پر اچھی طرح جما کر رکھے اس سلسلہ کی چند حدیثیں یہ ہیں

رکوع کرنے کا طریقہ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم

(۱) اِذَا رَكَعَ لَمْ يُشْخِصْ رَاْسَهٗ وَلَمْ يُصَوِّبْهُ وَلٰكِنْ بَيْنَ ذٰلِكَ (مسلم)

جب رکوع کرتے تو سر مبارک کو نہ اٹھاتے نہ جھکاتے بلکہ متوسط حالت میں رکھتے۔

(۲) ابو بعض سے کہتے کہ میں نے حضور علیہ السلام کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا

اِذَا رَكَعَ سَوّٰى ظَهْرَهٗ حَتّٰى لَوْ صُبَّ عَلَيْهِ الْمَاءُ لَاسْتَقَرَّ (ابن ماجہ)

تو جب آپ رکوع کرتے تو پیٹھ کو ایسی برابر رکھتے کہ اگر آپ کی پیٹھ پر پانی ڈالا جائے۔ تو پیٹھ پر ٹھہر جائے

(۳) حضرت عقبہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ

أَنَّهُ رَكَعَ فَجَافَى يَدَيْهِ وَوَضَعَ يَدَيْهِ عَلَى رُكْبَتَيْهِ وَفَرَّجَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ مِنْ وَرَاءِ رُكْبَتَيْهِ وَقَالَ هٰكَذَا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ (ابوداؤد و نسائی)

کہ انہوں نے رکوع کیا تو اپنے ہاتھوں کو الگ کیا پہلو سے، اور ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھا اور انگلیوں کو کشادہ کیا اور کہا میں نے حضور کو اسی طرح نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔

اس حدیث سے واضح ہوا۔ رکوع میں گھٹنوں کو ہاتھ سے پکڑے اس طرح کہ ہتھیلیاں گھٹنوں پر ہوں اور انگلیاں خوب پھیلی ہوئی ہوں اور پیٹھ بھی ہوئی ہو اور سر پیٹھ کے برابر ہو۔ اونچا نیچا نہ ہو۔

بَابُ إِذَا لَمْ يُتِمَّ الرُّكُوْعَ

قَالَ رَأَى حُذَيْفَةُ رَجُلًا لَا يُتِمُّ الرُّكُوْعَ وَالسُّجُوْدَ قَالَ مَا صَلَّيْتَ وَلَوْ مُتَّ مُتَّ عَلَى غَيْرِ الْفِطْرَةِ الَّتِيْ فَطَرَ اللّٰهُ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (بخاری)

باب جب رکوع اچھی طرح ادا نہ کرے تو کیا حکم ہے؟

زید بن وہب کہتے ہیں کہ حضرت حذیفہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ رکوع و سجود پورے طور پر نہیں کرتا تو انہوں نے کہا تو نے نماز نہیں پڑھی۔ اگر تو مر گیا تو اس طریقہ پر نہیں مرے گا جو حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ نماز کے ارکان میں تعدیل ضروری ہے۔ یعنی رکوع و سجود و قومہ و جلسہ میں کم از کم ایک بار سبحان اللہ کہنے کی مقدار ٹھہرنا۔ امام اعظم ابو حنیفہ و امام محمد کے نزدیک تعدیل ارکان واجب ہے اور امام شافعی و ابو یوسف کے نزدیک فرض ہے۔ امام اعظم علیہ الرحمۃ یہ فرماتے ہیں کہ صحیح طریقہ پر رکوع نہ کرنے والے کے متعلق جو یہ فرمایا گیا ہے کہ اس نے نماز ہی نہیں پڑھی تو اس کا مقصود سرزنش میں مبالغہ کرنا ہے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ تعدیل ارکان نہ کرنے والے کی نماز ہی باطل ہے۔

بَابُ اِسْتِوَاءِ الظَّهْرِ فِي الرُّكُوْعِ

وَقَالَ أَبُوْ حُمَيْدٍ فِيْ أَصْحَابِهِ رَكَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ هَصَرَ ظَهْرَهُ (بخاری)

باب رکوع میں پیٹھ برابر رکھنا

اور ابو حمید نے اپنے ساتھیوں کے سامنے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع کیا تو اپنی پیٹھ کو جھکا دیا۔

اس تعلیق کو امام نے باب سنۃ الجلوس فی التشہد میں پورے متن کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ رکوع میں پیٹھ اور سر برابر و ہموار ہونے چاہئیں۔ حضرت ابو داؤد میں ہے کہ آپ نے رکوع کیا تو ہاتھوں کو کمان کی طرح کسا اور اپنے پہلو سے جدا رکھا اور پیٹھ کے برابر سر رکھا نہ اونچا نہ نیچا۔

بَابُ حَدِّ إِتْمَامِ الرُّكُوْعِ وَالْاِعْتِدَالِ فِيْهِ وَالْاِطْمَانِيْنَةِ

عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ كَانَ رُكُوْعُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَسُجُوْدُهُ وَبَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ وَإِذَا رَفَعَ مِنَ الرُّكُوْعِ مَا خَلَا الْقِيَامَ وَالْقُعُوْدَ قَرِيْبًا مِنَ السَّوَاءِ (بخاری)

باب رکوع کو کامل کرنے، رکوع اور رکوع کے بعد کھڑے ہونے کو اور اطمینان کا بیان۔

حضرت براء سے مروی ہے، انہوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا رکوع اور سجدے اور دونوں سجدوں کے درمیان جلسہ اور رکوع کے بعد کا قیام (قومہ) یہ سب قریب قریب برابر تھے۔ سوا قیام اور تشہد کے قعود کے

فوائد و مسائل اس حدیث کو مسلم، ترمذی، نسائی و ابو داؤد نے کتاب الصلوٰۃ میں ذکر کیا۔ قیام سے مراد، قرأت کا قیام ہے۔ جس میں الحمد اور سورت پڑھتے ہیں۔ مطلب حدیث یہ ہے۔ کہ حضور علیہ السلام کے قیام و قعود زیادہ لمبے ہوتے۔ یعنی اتنے کہ جس میں قرآن پڑھا جا سکے اور قعدہ میں تشہد پڑھا جا سکے۔ لیکن رکوع و سجود اور دونوں سجدوں کے درمیان جلسہ اور رکوع کے بعد قومہ یہ سب قریب برابر ہوتے تھے۔ اس حدیث سے زیادہ سے زیادہ یہ استدلال ہو سکتا ہے کہ قومہ و جلسہ میں طمانیت کی مقدار تین دفعہ تسبیح کہنے کی قدر ہو اور کم سے کم ایک تسبیح کہنے کی قدر ضرور اور ہر صورت واجب ہے

بَابُ اَمْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِي لَا يُتِمُّ رُكُوْعَهُ بِالْاِعَادَةِ (بخاری)

باب حضور علیہ السلام کا اس شخص کو دوبارہ نماز پڑھنے کا حکم، جو پورا رکوع نہ کرتا تھا۔

اس عنوان کے ماتحت امام نے وہی حدیث ذکر کی ہے۔ جو باب وجوب القراءۃ للامام والماموم میں گذر چکی ہے حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ ایک شخص مسجد میں آئے۔ نماز پڑھی۔ حضور کو سلام کیا۔ آپ نے جواب دیا اور فرمایا جاؤ پھر نماز پڑھو تم نے نماز نہیں پڑھی انہوں نے دوبارہ نماز پڑھی۔ حضور نے پھر نماز پڑھنے کا حکم دیا۔ تین بار ایسا ہی ہوا۔ آخر انہوں نے عرض کی حضور میں اس سے اچھی نماز نہیں پڑھ سکتا۔ تو آپ مجھے نماز کا صحیح طریقہ بتا دیجئے

فَقَالَ اِذَا قُمْتَ اِلَى الصَّلٰوةِ فَكَبِّرْ ثُمَّ اقْرَاْ مَا تَيَسَّرَ مَعَكَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ثُمَّ ارْكَعْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ رَاكِعًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَعْتَدِلَ قَائِمًا ثُمَّ اسْجُدْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ جَالِسًا ثُمَّ اسْجُدْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا ثُمَّ افْعَلْ ذٰلِكَ فِي صَلٰوتِكَ كُلِّهَا (بخاری)

آپ نے فرمایا جب تو نماز کے لئے کھڑا ہو تو اللہ اکبر کہہ۔ جو کچھ قرآن تجھ کو یاد ہو آسانی سے پڑھ سکے وہ پڑھ۔ پھر اطمینان کے ساتھ ٹھہر کر رکوع کر پھر رکوع سے اٹھ کر سیدھا کھڑا ہو جا پھر اطمینان سے ٹھہر کر سجدہ کر پھر سجدہ سے سر اٹھا اور اطمینان سے بیٹھ۔ پھر اطمینان سے ٹھہر کر سجدہ کر پھر اسی طرح ساری نماز پڑھ

قومہ و جلسہ میں اطمینان کرنا جب نمازی رکوع سے سمع اللہ لمن حمدہ کہتا ہوا کھڑا ہوتا ہے۔ تو اس کھڑا ہونے کو قومہ کہتے ہیں۔ اور دونوں سجدوں کے درمیان اطمینان کو جلسہ کہتے ہیں۔ قومہ و جلسہ میں اطمینان و اعتدال ضروری ہے۔ اس حدیث سے بھی ثابت ہوا کہ قومہ، جلسہ، رکوع و سجود میں اطمینان و اعتدال واجب ہے۔ بغیر اس کے نماز مکروہ تحریمی ہوگی حضور علیہ السلام نے بار بار اسی لئے دوبارہ نماز پڑھوائی تاکہ ان کی نماز کامل طور پر ادا ہو جائے۔ احمد و طبرانی کی حدیث میں حضرت قتادہ سے مروی ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا وہ شخص بہت برا ہے جو نماز میں چوری کرے۔ صحابہ نے عرض کی حضور نماز میں چوری کیسی؟ فرمایا نماز میں چوری یہ ہے کہ

قَالَ لَا يُتِمُّ رُكُوْعَهَا وَلَا سُجُوْدَهَا وَلَا يُقِيْمُ صُلْبَهٗ فِي الرُّكُوْعِ وَلَا فِي السُّجُوْدِ (احمد، سنن ...)

رکوع و سجود پوری طرح نہ کرے اور رکوع و سجدہ میں پیٹھ کو برابر نہ کرے

قومہ و جلسہ میں طمانیت کی مقدار قومہ و جلسہ میں کم از کم طمانیت کی مقدار فقہاء احناف نے ایک تسبیح کہنے کی قدر رکھی ہے۔ چنانچہ حدیث ابی حمید الساعدی میں ہے حتی یرجع کل فقار مکانہ ... وغیرہ میں ...

فَاِذَا رَفَعْتَ رَاْسَكَ فَاَتِمَّ صُلْبَكَ حَتّٰى تَرْجِعَ الْعِظَامُ اِلٰى مَفَاصِلِهَا (احمد)	جب رکوع سے سر اٹھانے تو اپنی پیٹھ کو یہاں تک سیدھی کر کہ ہر ہڈی اپنے اپنے جوڑ میں آ جائے۔

تو ایک بار تسبیح کہنے کی قدر ترور جس میں ٹھہرنے سے ہر ہڈی اپنے اپنے جوڑ میں آ جاتی ہے۔ (ختم)

(۲) اس حدیث سے ان لوگوں کے خیال کی تردید ہو گئی۔ جو یہ کہتے ہیں۔ کہ رکوع و سجود میں تسبیح پڑھنا واجب ہے۔ کیونکہ حضور علیہ السلام نے اس شخص کو نماز کے واجبات کی تعلیم دی۔ مگر تسبیح کا ذکر نہ کیا اگر تسبیح واجب ہوتی۔ تو حضور اس موقع پر ضرور اس کی بھی تعلیم فرماتے کیونکہ حاجت کے موقع پر تاخیر بیان جائز نہیں ہے پس ثابت ہوا کہ رکوع و سجدہ میں تسبیح پڑھنا سنت ہے واجب نہیں ہے۔ پس اگر کسی نے سہواً یا عمداً رکوع میں تسبیح نہیں پڑھی تو نماز درست ہے گناہگار بھی نہ ہوگا۔ البتہ سنت کے ترک کا موجب ہوگا۔

بَابُ الدُّعَآءِ فِي الرُّكُوْعِ	باب رکوع میں کیسا دعا کرے
عَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ فِيْ رُكُوْعِهٖ وَسُجُوْدِهٖ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ (بخاری)	حضرت عائشہ سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم رکوع اور سجدے میں یہ دعا پڑھتے تھے۔ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ

رکوع و سجود میں دعا کے الفاظ (۱) رکوع و سجود میں حضور علیہ السلام سے متعدد دعاؤں کا پڑھنا منقول ہے۔ مثلاً مسلم شریف میں حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ آپ سبوح قدوس رب الملئکۃ والروح پڑھتے تھے (۲) ابوداؤد و ترمذی و نسائی میں عوف بن مالک سے مروی ہے کہ آپ سبحان ذی الجبروت والملکوت والکبریاء والعظمۃ پڑھتے (۳) ابوداؤد و نسائی میں حضرت انس سے مروی ہے۔ کہ آپ رکوع میں دس بار سبحان ربی العظیم کہتے اور سجدہ میں دس بار سبحان ربی الاعلیٰ (۴) ابوداؤد و ابن ماجہ و مسند احمد میں عقبہ بن عامر سے مروی ہے کہ جب آیت فسبح باسم ربک العظیم اتری تو حضور علیہ السلام نے فرمایا اس آیت کے مضمون کو رکوع میں کرو اور جب آیت سبح اسم ربک الاعلیٰ نازل ہوئی تو

اِجْعَلُوْهَا فِيْ سُجُوْدِكُمْ (مشکوٰۃ ص۸۳)	فرمایا اس کو اپنے سجدوں میں کرو

اسی طرح بعض احادیث میں اور دعائیں بھی منقول ہیں۔ اس بنا پر ابن امیر الحاج امام شافعی و احمد و اسحاق و داؤد نے فرمایا کہ احادیث میں جو دعائیں مذکور ہیں۔ ان میں سے جو چاہے پڑھ لے بشرطیکہ مقتدیوں پر بار نہ ہو اور سیدنا امام اعظم و ابو یوسف و محمد و احمد و ابراہیم و نخعی و حسن بصری فرماتے ہیں کہ رکوع میں سبحان ربی العظیم تین بار کہے اور سجدہ میں سبحان ربی الاعلیٰ تین بار کہے امام طحاوی نے فرمایا کہ تعداد میں کمی کرنا اچھا نہیں۔ غرضیکہ رکوع و سجود میں تین تین بار تسبیح پڑھنا کمال کا ادنیٰ درجہ ہے۔ پانچ یا سات یا نو یا گیارہ بار پڑھنا پڑھنا افضل و بہتر ہے مگر مقتدیوں کی رعایت ضروری ہے کیونکہ حضور نے فرمایا

مَنْ اَمَّ قَوْمًا فَلْيُخَفِّفْ فَاِنَّ فِيْهِمُ الضَّعِيْفَ وَالسَّقِيْمَ وَالْكَبِيْرَ وَذَا الْحَاجَةِ	جو کسی قوم کی امامت کرائے تو تخفیف کرے کیونکہ مقتدیوں میں ضعیف بیمار اور صاحبِ حاجت مند بھی ہوتے ہیں۔

رکوع و سجود میں تسبیح کی تعداد حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا

إِذَا رَكَعَ أَحَدُكُمْ فَلْيَقُلْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ وَذٰلِكَ أَدْنَاهُ وَإِذَا سَجَدَ فَلْيَقُلْ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلٰى ثَلَاثًا وَذٰلِكَ أَدْنَاهُ (ابوداؤد جلد ۱ صفحہ ۱۳۳)

جب تم میں سے کوئی رکوع کرے تو تین بار سبحان ربی العظیم کہے۔ اور سجدہ میں تین بار سبحان ربی الاعلیٰ کہے۔ اور یہ تین بار کہنا ادنیٰ درجہ ہے۔

معلوم ہوا کہ رکوع و سجود میں کم سے کم تین بار تسبیح کہنا ادنیٰ درجہ ہے۔ اور اس میں کمی اچھی نہیں ہے۔ ذٰلك ادناہ سے واضح ہوا کہ تین بار سے زیادہ پڑھنا افضل و بہتر ہے۔ (۱) واضح ہو کہ یہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کا مختار یہ ہے کہ رکوع میں سبحان ربی العظیم اور سجدہ میں سبحان ربی الاعلیٰ پڑھے۔ اگرچہ دیگر وہ دعائیں جو حضور سے منقول ہیں وہ بھی جائز ہیں مگر افضل و بہتر یہی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دیگر دعاؤں کے متعلق جس قدر احادیث وارد ہیں وہ سب کی سب فعلی ہیں اور سبحان ربی العظیم و سبحان ربی الاعلیٰ پڑھنے کے متعلق قولی حدیث ہے۔ جس کو فعل پر ترجیح ہونی چاہیئے ——— رکوع و سجود میں تسبیح کو پڑھنا مسنون ہے۔ (۲) اعلیٰ صیغہ اسم تفضیل ہے۔ سجدہ میں رکوع کی نسبت تواضع زیادہ ہے۔ حتی کہ پیشانی جو افضل اعضاء ہے سب وہ بحضور رب العالمین جھک جاتی ہے۔ اس لئے سجدہ میں سبحان ربی الاعلیٰ کہنا مناسب ہوا۔ اور رکوع میں اس درجہ کی عاجزی نہیں ہے اس لئے بحالت رکوع سبحان ربی العظیم پڑھنا مناسب ہوا۔

بَابُ مَا يَقُولُ الْإِمَامُ وَمَنْ خَلْفَهُ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ.

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَالَ سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ قَالَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا رَكَعَ وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ يُكَبِّرُ وَإِذَا قَامَ مِنَ السَّجْدَتَيْنِ قَالَ اللهُ أَكْبَرُ (بخاری)

باب: امام اور مقتدی رکوع سے سر اٹھانے کے وقت کیا کہیں۔

حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے انہوں نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب سمع اللہ لمن حمدہ فرماتے تو کہتے اللھم ربنا ولك الحمد اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب رکوع کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو اللہ اکبر کہتے اور جب دونوں سجدے کرکے کھڑے ہوتے تب بھی اللہ اکبر کہتے۔

یہ حدیث عنوان کے جز اول کے تو مناسب ہے مگر جز ثانی یعنی مقتدی بھی تسبیح و تحمید دونوں کہے۔ اس پر حدیث میں کوئی دلالت نہیں ہے۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ امام منفرد تسمیع اور تحمید دونوں کہے لیکن مقتدی صرف ربنا لك الحمد کہے جیسا کہ آئندہ حدیث میں اس کی تصریح ہے۔

بَابُ فَضْلِ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا قَالَ الْإِمَامُ سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقُولُوا اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ فَإِنَّهُ مَنْ وَافَقَ قَوْلُهُ قَوْلَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ (بخاری)

باب: اللھم ربنا ولك الحمد کہنے کی فضیلت

حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم اللھم ربنا ولك الحمد کہو کیونکہ جس کا یہ کہنا فرشتوں کے کہنے کے موافق ہو جائے گا تو اس کے گذشتہ گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔

امام و منفرد تسمیع و تحمید دونوں کہے گزشتہ باب کی حدیث سے ثابت ہوا کہ جو امام ہو یا وہ شخص جو اکیلا نماز پڑھ رہا ہے وہ تسمیع و تحمید دونوں کہے اور اس عنوان کی حدیث سے واضح ہوا کہ مقتدی صرف ربنا لک الحمد کہے۔ اسی طرح حدیث انس میں ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا امام اس لئے ہے کہ اس کی پیروی کی جائے جب وہ تکبیر کہے تم بھی کہو جب وہ رکوع کرے تم بھی رکوع کرو جب وہ سر اٹھائے تم بھی اٹھاؤ۔

واذا قال سمع اللہ لمن حمدہ فقولوا ربنا لک الحمد واذا سجد فاسجدوا (بخاری و مسلم)

جب وہ سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم (مقتدی) ربنا لک الحمد کہو اور جب وہ سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ کرو۔

باب۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ لَاُقَرِّبَنَّ صَلٰوةَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ اَبُوْهُرَیْرَةَ یَقْنُتُ فِی الرَّكْعَةِ الْاٰخِرَةِ مِنْ صَلٰوةِ الظُّهْرِ وَصَلٰوةِ الْعِشَآءِ وَ صَلٰوةِ الصُّبْحِ بَعْدَ مَا یَقُوْلُ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ فَیَدْعُوْا لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَیَلْعَنُ الْكُفَّارَ

باب۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے انہوں نے کہا میں تمہاری نماز نبی علیہ اللہ علیہ وسلم کی نماز کے قریب قریب کر دوں گا۔ تو ابوہریرہ ظہر کی اخیر رکعت میں اور عشاء کی اخیر رکعت میں سمع اللہ لمن حمدہ کہنے کے بعد مسلمانوں کے لئے دعا کرتے اور کافروں پر لعنت کرتے۔

(۲) عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ الْقُنُوْتُ فِی الْفَجْرِ وَالْمَغْرِبِ (بخاری)

حضرت انس سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ دعائے قنوت فجر اور مغرب کی نماز میں پڑھی جاتی تھی

شوافع نماز فجر کی دوسری رکعت میں رکوع سے قبل قنوت کے قائل ہیں اور سیدنا امام اعظم علیہ الرحمۃ کا مسلک یہ ہے کہ قنوت صرف وتر کی تیسری رکعت میں رکوع سے پہلے ہمیشہ پڑھنا سنت ہے۔

نماز فجر میں قنوت پڑھنے کی بحث اس مسئلہ کی چند حدیثوں پر غور کیجئے

(۱) قَالَ لَمْ یَقْنُتْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِی الْفَجْرِ قَطُّ اِلَّا شَهْرًا وَّاحِدًا لَاَنَّهٗ حَارَبَ حَیًّا مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ فَقَنَتَ یَدْعُوْا عَلَیْهِمْ (فتح القدیر باب الوتر)

حضرت عبد اللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فجر کی نماز میں کبھی قنوت نہیں پڑھی۔ مگر ایک مہینہ جبکہ ایک قبیلہ مشرکین سے آپ معروف جہاد تھے اور ان کی ہلاکت کی دعا فرماتے تھے۔

علامہ ابن ہمام نے فرمایا حسنٌ الحدیث لا غبار فیہ۔ اس حدیث میں کچھ غبار نہیں۔

(۳) اور حضرت انس نے عاصم احول کے سوال کے جواب میں کہا

بِسْمِ اللّٰهِ قَنَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ شَهْرًا اِنَّهٗ كَانَ بَعَثَ اُنَاسًا یُقَالُ لَهُمُ الْقُرَّآءُ سَبْعُوْنَ رَجُلًا فَاُصِیْبُوْا فَقَنَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ الرُّكُوْعِ شَهْرًا یَدْعُوْ عَلَیْهِمْ (بخاری و مسلم ج ۱ ص ۲۳۴)

حضور نے قنوت صرف ایک ماہ پڑھی جبکہ آپ نے ستر قاریوں کو تبلیغ کے لئے بھیجا تھا اور وہ شہید کر دیئے گئے۔ اس پر آپ رکوع کے بعد ان کفار کی ہلاکت کی دعا فرماتے تھے

(۴) امام طحاوی اور ابو یعلی و بزار و طبرانی و بیہقی نے حضرت عبد اللہ بن مسعود سے روایت کی کہ حضور علیہ السلام نے قبیلہ رعل و ذکوان کی ہلاکت کے لئے قنوت پڑھی۔

فَلَمَّا ظَهَرَ عَلَیْهِمْ تَرَكَ الْقُنُوْتَ طحاوی

پھر جب آپ ان پر غالب آ گئے تو ترک فرما دی

إِلَّا شَهْرًا وَاحِدًا لَمْ يَقْنُتْ قَبْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ (بزار)

قنوت ایک ماہ تک پڑھی۔ اس سے پہلے اور اس کے بعد کبھی نہیں پڑھی۔

(۵) ابوداؤد و نسائی نے حضرت انس سے روایت کی کہ

إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَنَتَ شَهْرًا ثُمَّ تَرَكَهُ

حضور علیہ السلام نے صرف ایک ماہ قنوت پڑھی، پھر ترک فرمادی۔

(۶) ترمذی و نسائی و ابن ماجہ نے حضرت ابو مالک اشجعی سے روایت کی کہ میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ آپ نے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم جناب ابوبکر و عمر و عثمان اور علی رضی اللہ تعالےٰ عنہم کی اقتدا میں کوفہ میں تقریباً پانچ سال نماز پڑھی کیا یہ حضرات قنوت پڑھتے تھے

قَالَ أَيْ بُنَيَّ مُحْدَثٌ

تو انہوں نے جواب دیا بیٹا بدعت ہے (یعنی ہمیشہ قنوت پڑھنا)

ان احادیث سے واضح ہوا کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خاص موقع پر قنوت پڑھی۔ پھر اس کے بعد ترک فرما دی ہے۔ لہٰذا ان حدیثوں میں قنوت پڑھنے کا ذکر ہے ان سے یہ استدلال کرنا کہ نماز فجر میں ہمیشہ قنوت پڑھنا مشروع ہے۔ ایک غلط استدلال ہے۔ رہا یہ سوال کہ اگر کوئی مصیبت نازل ہوجائے تو قنوت پڑھی جائے یا نہیں۔ تو احتیاط اسی میں ہے کہ قنوت نماز فجر میں نہ پڑھی جائے بلکہ خارج نماز پڑھی جائے کیونکہ شہر تو کہ اور لم یقنت قبلہ ولا بعدہ سے تو یہی واضح ہوتا ہے کہ پھر حضور نے خطرناک سے خطرناک موقع پر بھی قنوت نہیں پڑھی۔ اس حادثہ نازلہ کے موقع پر پڑھ لے تو جائز ہے کیونکہ حضرت علی کا جنگ صفین کے موقع پر اور جناب فاروق اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا جنگ کے موقع پر قنوت پڑھنا مروی ہے لیکن نماز فجر میں ہمیشہ قنوت پڑھنا کسی حدیث سے ثابت نہیں ہے۔

عَنْ رِفَاعَةَ ابْنِ رَافِعٍ الزُّرَقِيِّ قَالَ كُنَّا يَوْمًا نُصَلِّي وَرَآءَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرَّكْعَةِ قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ قَالَ رَجُلٌ وَرَآءَهُ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا كَثِيرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيهِ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ مَنِ الْمُتَكَلِّمُ قَالَ أَنَا قَالَ رَأَيْتُ بِضْعَةً وَّثَلَاثِينَ مَلَكًا يَبْتَدِرُوْنَهَا أَيُّهُمْ يَكْتُبُهَا أَوَّلُ.

حضرت رفاعہ بن رافع زرقی سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ ایک دن ہم نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے۔ جب آپ نے رکوع سے سر اٹھایا تو فرمایا سمع اللہ لمن حمدہ ایک شخص دوران ثناء آپ کے پیچھے یوں کہا ربنا ولک الحمد حمدا کثیرا طیبا مبارکا فیہ جب آپ نے سلام پھیرا تو فرمایا یہ کلام کس نے کیا تھا۔ متکلم والا میں نے۔ آپ نے فرمایا میں نے تیس سے زائد فرشتوں کو دیکھا ہر ایک لپک رہا تھا کون پہلے اس کو لکھتا ہے۔

یہ حدیث اپنے مفہوم میں واضح ہے اس میں تحمید کی اہمیت و فضیلت کا اظہار ہے جب نمازی ربنا ولک الحمد کہتا ہے تو نیکیاں لکھنے والے فرشتوں میں ہر ایک اس نیکی کے لکھنے کے لئے سعی کرتا ہے۔

بَابُ الطُّمَأْنِينَةِ حِينَ يَرْفَعُ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوْعِ

باب رکوع سے سر اٹھانے کے بعد اطمینان سے کھڑا ہونا۔

وَقَالَ أَبُو حُمَيْدٍ رَفَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ
اسْتَوٰى حَتّٰى يَعُوْدَ كُلُّ فَقَارٍ مَكَانَهُ
عَنْ ثَابِتٍ قَالَ كَانَ أَنَسٌ يَنْعَتُ لَنَا صَلٰوةَ
النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ يُصَلِّيْ فَإِذَا
رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوْعِ قَامَ حَتّٰى نَقُوْلَ قَدْ نَسِيَ
عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ كَانَ رُكُوْعُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَسُجُوْدُهُ وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ
مِنَ الرُّكُوْعِ وَبَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ قَرِيْبًا
مِنَ السَّوَاءِ عَنْ أَبِيْ قِلَابَةَ قَالَ كَانَ مَالِكُ
بْنُ الْحُوَيْرِثِ يُرِيْنَا كَيْفَ كَانَ صَلٰوةُ النَّبِيِّ صَلَّى
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَذَاكَ فِيْ غَيْرِ وَقْتِ صَلٰوةٍ
فَقَامَ فَأَمْكَنَ الْقِيَامَ ثُمَّ رَكَعَ فَأَمْكَنَ
الرُّكُوْعَ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ فَأَنْصَبَ هُنَيَّةً
قَالَ فَصَلّٰى بِنَا صَلٰوةَ شَيْخِنَا هٰذَا أَبِيْ
يَزِيْدَ وَكَانَ أَبُوْ يَزِيْدَ إِذَا رَفَعَ
رَأْسَهُ مِنَ السَّجْدَةِ الْأُخْرٰى اسْتَوٰى
قَاعِدًا ثُمَّ نَهَضَ۔

اور ابو حمید نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع سے سر اٹھایا اور سیدھے کھڑے ہوئے یہاں تک کہ پیٹھ کا ہر جوڑ اپنی جگہ پر آگیا۔ حضرت ثابت سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ حضرت انس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز ہم کو پڑھ کر دکھاتے تو نماز میں کھڑے ہوتے جب رکوع سے سر اٹھاتے تو اتنی دیر تک کھڑے رہتے ہم کہتے کہ بھول گئے۔ حضرت براء سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا رکوع اور سجدہ اور رکوع سے سر اٹھا کر کھڑے رہنا اور دونوں سجدوں کے بیچ میں بیٹھنا قریب قریب برابر ہوتا ہے۔ حضرت ابو قلابہ سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ مالک بن حویرث صحابی ہم کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز پڑھ کر دکھاتے تھے اور یہ نماز کا وقت نہ تھا۔ مالک بن حویرث کھڑے ہوئے تو اچھی طرح کھڑے رہے۔ پھر رکوع کیا تو اچھی طرح کیا۔ پھر رکوع سے سر اٹھایا تو تھوڑی دیر سیدھے کھڑے رہے۔ ابو قلابہ نے کہا تو مالک نے ہمارے اس شیخ ابو یزید کی طرح نماز پڑھی۔ ابو یزید جب دوسرے سجدہ سے سر اٹھاتے تو فوراً نہیں کھڑے ہوتے تھے بلکہ سیدھے بیٹھ جاتے پھر کھڑے ہوتے۔

ان احادیث سے واضح ہوا کہ تعدیل ارکان واجبات نماز سے ہے یعنی رکوع، سجود، قومہ، و جلسہ میں کم از کم ایک بار سبحان اللہ کہنے کی قدر ٹھہرنا۔ اسی طرح رکوع سے سیدھا کھڑا ہونا۔ جلسہ یعنی دو سجدوں کے درمیان سیدھا بیٹھنا کہ اعضاء سب کے سب اپنی جگہ آجائیں۔ ان احادیث پر گزشتہ اوراق میں بحث ہو چکی ہے۔

عام طور پر لوگ تعدیل ارکان کا خیال نہیں رکھتے۔ رکوع و سجدہ پورے طریقہ سے نہیں کرتے ایسے لوگوں کی نماز مکروہ تحریمہ ہوتی ہے اور ہر مسلمان کو تعدیل ارکان کا خیال رکھنا چاہئے۔

بَابٌ يَهْوِيْ بِالتَّكْبِيْرِ حِيْنَ يَسْجُدُ
وَقَالَ نَافِعٌ كَانَ ابْنُ عُمَرَ يَضَعُ يَدَيْهِ
قَبْلَ رُكْبَتَيْهِ (بخاری)

باب سجدے کے لئے اللہ اکبر کہتا ہوا جھکے

اور نافع نے کہا کہ عبد اللہ بن عمر جب سجدہ میں جانے لگتے تو پہلے ہاتھ زمین پر رکھتے پھر گھٹنے۔

سجدہ میں جاتے ہوئے پہلے گھٹنوں کو پھر ہاتھ زمین پر رکھے

اس تعلیق کو طحاوی نے وصل کیا۔ امام مالک، اوزاعی وحسن کا مختار یہی ہے کہ جب سجدہ میں جائے تو پہلے زمین پر ہاتھ رکھے۔ پھر گھٹنے ٹیکے۔ اور حضرت فاروق اعظم وحضرت ابن مسعود، مسلم بن یسار، سفیان بن سعید ثوری، علماء و عامہ فقہاء وسائل کوفہ محمد بن سیرین و امام شافعی و احمد و امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک اولیٰ یہ ہے کہ

سجدہ میں جاتے ہوئے پہلے گھٹنوں کو اس کے بعد ہاتھوں کو زمین پر رکھے۔ علامہ ابن قیم نے بھی حدیث وائل بن حجر کو ترجیح دی ہے کیونکہ اس میں یہ ہے کہ حضور علیہ السلام

اِذَا سَجَدَ وَضَعَ رُكْبَتَيْهِ قَبْلَ يَدَيْهِ وَاِذَا نَهَضَ رَفَعَ يَدَيْهِ قَبْلَ رُكْبَتَيْهِ (رواہ الخمسۃ) نیل الاوطار ج ۲ صفحہ ۲۵۵	جب سجدہ فرماتے تو پہلے گھٹنے زمین پر رکھتے اس کے بعد ہاتھ اور جب سجدے سے اٹھتے تو پہلے ہاتھوں کو اٹھاتے۔

علامہ ابن قیم نے دس وجوہ سے حدیث وائل کو ترجیح دی ہے جس میں ایک وجہ یہ ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب تم میں سے کوئی سجدہ کرے تو اونٹ کی طرح نہ گرے اور اونٹ جب بیٹھتا ہے تو پہلے اس کے دونوں ہاتھ زمین پر لگتے ہیں اور ٹانگیں کھڑی رہتی ہیں اس کے بعد وہ ٹانگوں کو سمیٹ لیتا ہے۔ تو اگر سجدے میں جاتے ہوئے پہلے ہاتھ زمین پر رکھے جائیں اس کے بعد گھٹنے تو یہ اونٹ کی طرح بیٹھنا ہوگا۔ اور اس سے حضور نے منع فرمایا ہے۔ لہٰذا سجدوں میں جاتے ہوئے پہلے گھٹنے اس کے بعد ہاتھ زمین پر رکھنے چاہئیں۔ نیل الاوطار ج ۲ صفحہ ۲۵۳

اَنَّ اَبَا هُرَيْرَةَ كَانَ يُكَبِّرُ فِيْ كُلِّ صَلٰوةٍ مِّنَ الْمَكْتُوْبَةِ وَغَيْرِهَا فِيْ رَمَضَانَ وَغَيْرِهٖ فَيُكَبِّرُ حِيْنَ يَقُوْمُ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَرْكَعُ ثُمَّ يَقُوْلُ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ ثُمَّ يَقُوْلُ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ قَبْلَ اَنْ يَّسْجُدَ ثُمَّ يَقُوْلُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ حِيْنَ يَهْوِيْ سَاجِدًا ثُمَّ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَرْفَعُ رَاْسَهٗ مِنَ السُّجُوْدِ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَسْجُدُ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَرْفَعُ رَاْسَهٗ مِنَ السُّجُوْدِ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَقُوْمُ مِنَ الْجُلُوْسِ فِي الْاِثْنَتَيْنِ وَيَفْعَلُ ذٰلِكَ فِيْ كُلِّ رَكْعَةٍ حَتّٰى يَفْرُغَ مِنَ الصَّلٰوةِ ثُمَّ يَقُوْلُ حِيْنَ يَنْصَرِفُ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ اِنِّيْ لَاَقْرَبُكُمْ شَبَهًا بِصَلٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنْ كَانَتْ هٰذِهٖ لَصَلٰوتَهٗ حَتّٰى فَارَقَ الدُّنْيَا قَالَا وَقَالَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ يَرْفَعُ رَاْسَهٗ يَقُوْلُ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ يَدْعُوْ لِرِجَالٍ فَيُسَمِّيْهِمْ بِاَسْمَائِهِمْ فَيَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اَنْجِ الْوَلِيْدَ بْنَ الْوَلِيْدِ وَسَلَمَةَ بْنَ هِشَامٍ وَعَيَّاشَ بْنَ اَبِيْ رَبِيْعَةَ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ	حضرت ابوہریرہ ہر ایک فرض اور نفل نماز میں رمضان میں یا اور کسی مہینے میں جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو اللہ اکبر کہتے پھر رکوع کے وقت تکبیر کہتے پھر رکوع سے سر اٹھا کر سمع اللہ لمن حمدہ کہتے۔ پھر ربنا ولک الحمد سجدہ کرنے سے پہلے کہتے۔ پھر جب سجدہ کے لئے جھکتے تو اللہ اکبر کہتے پھر جب سجدہ سے سر اٹھاتے تو اللہ اکبر کہتے۔ پھر دوسرا سجدہ کرنے وقت اللہ اکبر کہتے۔ پھر سجدہ سے سر اٹھاتے وقت اللہ اکبر کہتے پھر جب دو رکعتیں پڑھ کر قعدہ کر کے کھڑے ہوتے تو اللہ اکبر کہتے اور ہر رکعت میں ایسا ہی کیا کرتے نماز سے فارغ ہونے تک پھر نماز کے بعد فرماتے مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم سب لوگوں میں میری نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے زیادہ مشابہ ہے اور آپ اسی طرح نماز پڑھتے رہے یہاں تک کہ دنیا سے تشریف لے گئے۔ ابوبکر اور ابو سلمہ دونوں نے کہا کہ ابوہریرہ کہتے تھے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب رکوع سے سر اٹھاتے تو سمع اللہ لمن حمدہ ربنا ولک الحمد کہتے یہ کہہ کر چند لوگوں کے لئے ان کا نام لے کر دعا کرتے۔ آپ فرماتے یا اللہ ولید بن ولید اور سلمہ بن ہشام اور عیاش بن ابی ربیعہ اور کمزور مسلمانوں کو دشمن کے ہاتھ سے بچا جو کافروں کے ہاتھ میں پھنسے ہوئے تھے

اَللّٰھُمَّ اشْدُدْ وَطْاَتَكَ عَلٰى مُضَرَ وَاجْعَلْهَا عَلَيْهِمْ سِنِيْنَ كَسِنِيْ يُوْسُفَ وَاَهْلُ الْمَشْرِقِ يَوْمَئِذٍ مِّنْ مُّضَرَ مُخَالِفُوْنَ (بخاری)

پھر اداے یا اللہ مضر کے کافروں پر سخت مار کر اور ان پر ایسا قحط بھیج جیسا کہ حضرت یوسف کے زمانہ میں قحط ہوا تھا (ابوہریرہ نے کہا) اس زمانہ میں مشرق والے مضر کے لوگ آپ کے دشمن تھے۔

(۱) یہ حدیث اپنے مضمون میں واضح ہے اس سے معلوم ہوا کہ جب نماز کے لئے کھڑا ہو تو تکبیر کہے جب رکوع میں جائے تو تکبیر کہے۔ رکوع سے سر اٹھانے کے وقت سمع اللہ کہے پھر سجدہ میں جائے۔ سجدہ سے اٹھنے کے وقت بھی تکبیر کہے۔ اسی طرح اپنی سب نماز پوری کرے۔ (۲) علامہ خطابی نے فرمایا اس میں اس امر کا ثبوت ہے کہ قنوت نماز کے رکوع سے اٹھنے کے بعد ہے۔ گذشتہ صفحات میں بتایا جا چکا ہے کہ حضور علیہ السلام نے نماز میں قنوت پڑھی ہے مگر اس کو ترک فرما دیا تھا۔ لہذا تفصیل اسی میں ہے کہ نماز میں قنوت ہمارے نزدیک نہ پڑھی جائے۔ (۳) اس کے بعد مصنف نے جو حدیث لکھی ہے اس کے ابتدائی حصوں کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت انس فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام گھوڑے کی سواری سے فرش زمین پر موجود تھے تو آپ کی داہنی جانب چھل گئی ہم لوگ آپ کی عیادت کے لئے حاضر ہوئے کہ نماز کا وقت آگیا۔ آپ نے بیٹھ کر نماز پڑھائی۔ ہم نے بھی بیٹھ کر نماز پڑھی۔

قَالَ اِنَّمَا جُعِلَ الْاِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهٖ فَاِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوْا وَاِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوْا وَاِذَا رَفَعَ فَارْفَعُوْا وَاِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ فَقُوْلُوْا رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ وَاِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوْا۔

نماز سے فراغت کے بعد آپ نے فرمایا کہ امام اس لئے ہوتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے جب وہ تکبیر کہے تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ رکوع کرے تم بھی رکوع کرو اور جب وہ سر اٹھائے تو تم بھی اٹھاؤ اور جب وہ سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم ربنا و لک الحمد کہو اور جب وہ سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ کرو۔

بَابُ فَضْلِ السُّجُوْدِ

باب سجدہ کی فضیلت کے بیان میں

قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلْ نَرٰى رَبَّنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ قَالَ هَلْ تُمَارُوْنَ فِي الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ لَيْسَ دُوْنَهٗ سَحَابٌ قَالُوْا لَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ فَهَلْ تُمَارُوْنَ فِي الشَّمْسِ لَيْسَ دُوْنَهَا سَحَابٌ قَالُوْا لَا قَالَ فَاِنَّكُمْ تَرَوْنَهٗ كَذٰلِكَ يُحْشَرُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَيَقُوْلُ مَنْ كَانَ يَعْبُدُ شَيْئًا فَلْيَتَّبِعْهُ فَمِنْهُمْ مَنْ يَّتَّبِعُ الشَّمْسَ وَمِنْهُمْ مَنْ يَّتَّبِعُ الْقَمَرَ وَمِنْهُمْ مَنْ يَّتَّبِعُ الطَّوَاغِيْتَ وَتَبْقٰى هٰذِهِ الْاُمَّةُ فِيْهَا مُنَافِقُوْهَا فَيَاْتِيْهِمُ اللّٰهُ فَيَقُوْلُ اَنَا

سعید بن مسیب و عطا بن یزید نے کہا کہ ہم سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ لوگوں نے عرض کیا۔ کیا ہم قیامت کے دن اپنے رب کے دیدار سے مشرف ہوں گے۔ حضور نے فرمایا تم چودھویں کا چاند دیکھتے ہو تو تم کو اس میں شک رہتا ہے جبکہ وہ بادل سے صاف ہو عرض کی نہیں یا رسول اللہ فرمایا کیا سورج دیکھنے میں تم کو شک رہتا ہے۔ جبکہ اس پر بادل نہ ہو انھوں نے کہا نہیں تو آپ نے فرمایا تو اسی طرح تم اپنے رب کو بھی دیکھو گے۔ قیامت کے دن لوگ اکٹھے کئے جائیں گے۔ پھر پروردگار فرمائے گا۔ جو کوئی جس کو پوجتا تھا وہ اس کے ساتھ ہو جائے۔ تب کوئی تو سورج کے ساتھ ہو جائیگا اور کوئی چاند کے اور کوئی طواغیت کے ساتھ اس امت کے لوگ (مسلمان) رہ جائیں گے اور ان میں منافق وغیرہ بھی ہوں گے

رَبُّكُمْ يَقُولُونَ هٰذَا مَكَانُنَا حَتّٰى يَأْتِيَنَا رَبُّنَا فَإِذَا جَاءَ رَبُّنَا عَرَفْنَاهُ فَيَأْتِيهِمُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ فَيَقُولُ أَنَا رَبُّكُمْ فَيَقُولُونَ أَنْتَ رَبُّنَا فَيَدْعُوهُمْ وَيُضْرَبُ الصِّرَاطُ بَيْنَ ظَهْرَانَيْ جَهَنَّمَ فَأَكُونُ أَوَّلَ مَنْ يَجُوزُ مِنَ الرُّسُلِ بِأُمَّتِهِ وَلَا يَتَكَلَّمُ يَوْمَئِذٍ أَحَدٌ إِلَّا الرُّسُلُ وَكَلَامُ الرُّسُلِ يَوْمَئِذٍ اَللّٰهُمَّ سَلِّمْ سَلِّمْ وَفِي جَهَنَّمَ كَلَالِيبُ مِثْلُ شَوْكِ السَّعْدَانِ هَلْ رَأَيْتُمْ شَوْكَ السَّعْدَانِ قَالُوا نَعَمْ قَالَ فَإِنَّهَا مِثْلُ شَوْكِ السَّعْدَانِ غَيْرَ أَنَّهُ لَا يَعْلَمُ قَدْرَ عِظَمِهَا إِلَّا اللّٰهُ تَخْطَفُ النَّاسَ بِأَعْمَالِهِمْ فَمِنْهُمْ مَنْ يُوبَقُ بِعَمَلِهِ وَمِنْهُمْ مَنْ يُخَرْدَلُ ثُمَّ يَنْجُو حَتّٰى إِذَا أَرَادَ اللّٰهُ رَحْمَةَ مَنْ أَرَادَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ أَمَرَ اللّٰهُ الْمَلَائِكَةَ أَنْ يُخْرِجُوا مَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللّٰهَ فَيُخْرِجُونَهُمْ وَيَعْرِفُونَهُمْ بِآثَارِ السُّجُودِ وَحَرَّمَ اللّٰهُ عَلَى النَّارِ أَنْ تَأْكُلَ أَثَرَ السُّجُودِ فَيَخْرُجُونَ مِنَ النَّارِ فَكُلُّ ابْنِ آدَمَ تَأْكُلُهُ النَّارُ إِلَّا أَثَرَ السُّجُودِ فَيَخْرُجُونَ مِنَ النَّارِ قَدِ امْتَحَشُوا فَيُصَبُّ عَلَيْهِمْ مَاءُ الْحَيٰوةِ فَيَنْبُتُونَ كَمَا تَنْبُتُ الْحِبَّةُ فِي حَمِيلِ السَّيْلِ ثُمَّ يَفْرُغُ اللّٰهُ مِنَ الْقَضَاءِ بَيْنَ الْعِبَادِ وَيَبْقٰى رَجُلٌ بَيْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ وَهُوَ آخِرُ أَهْلِ النَّارِ دُخُولًا الْجَنَّةَ مُقْبِلًا بِوَجْهِهِ قِبَلَ النَّارِ فَيَقُولُ يَا رَبِّ اصْرِفْ وَجْهِي عَنِ النَّارِ فَقَدْ قَشَبَنِي

پھر اللہ تعالیٰ ان کے پاس آئے گا اور فرمائیگا میں تمہارا رب ہوں۔ وہ کہیں گے ہم تو یہیں رہیں گے جب تک ہمارا رب آجائے۔ جب ہمارا رب آئے گا ہم اس کو پہچان لیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ ان کے پاس آئے گا اور فرمائے گا میں تمہارا رب ہوں۔ وہ کہیں گے بیشک آپ ہمارا رب ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ ان کو بلائے گا اور پل صراط جہنم کے بیچوں بیچ میں رکھا جائے گا۔ تو میں سب پیغمبروں سے پہلے اپنی امت کو لے کر اس پر سے پار ہو جاؤں گا۔ اس دن سوا پیغمبروں کے کوئی بات تک نہ کر سکے گا۔ اور پیغمبروں کی بات اس دن یہ دعا ہوگی۔ یا اللہ بچائیو! بچائیو! اور دوزخ میں سعدان کی شکل کے آنکڑے ہوں گے۔ کیا تم نے سعدان کا کانٹا دیکھا ہے۔ صحابہ نے کہا جی ہاں۔ آپ نے فرمایا وہ آنکڑے سعدان کے کانٹے کی شکل کے ہوں گے مگر اتنے بڑے کہ اللہ ہی ان کی جسامت کو جانتا ہے۔ وہ لوگوں کو ان کے اعمال کے موافق جھپٹ لیں گے کوئی تو اپنے برے عمل کی وجہ سے بالکل ہلاک ہو جائے گا اور کوئی کٹتا چور ہو کر پھر نکل جائیگا۔ جب اللہ تعالیٰ دوزخیوں میں سے بعضوں پر رحم کرنا چاہے گا تو فرشتوں کو حکم دیگا۔ کہ جو اللہ کو پوجتا تھا اس کو دوزخ سے نکال لو فرشتے ایسے لوگوں کو نکال لیں گے اور سجدوں کے نشانات سے وہ ان کو پہچانیں گے۔ اور اللہ نے دوزخ پر حرام کر دیا ہے کہ وہ سجدہ کا مقام نہیں کھا سکتی۔ تو یہ لوگ دوزخ سے نکالے جائیں۔ آدمی کا سارا بدن آگ کھا لے گی لیکن سجدہ کا نشان نہیں کھائے گی۔ یہ لوگ کوئلہ کی طرح جلے ہوئے دوزخ سے نکلیں گے۔ پھر ان پر آب حیات ڈالا جائے گا تو اس طرح ابھر آئیں گے جیسے دانہ نالے کے کوڑے میں اگ پڑتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ بندوں کے فیصلے جات (حساب کتاب) سے فارغ ہو جائے گا اور ایک شخص جنت اور دوزخ کے بیچ میں رہ جائے گا۔ وہ سب دوزخیوں کے بعد جنت میں جائے گا۔ اس کا منہ دوزخ کی طرف ہوگا۔ وہ عرض کریگا اے میرے رب میرا منہ دوزخ کی طرف سے

رِيحُهَا وَ اَحْرَقَنِي ذَكَاؤُهَا فَيَقُوْلُ
هَلْ عَسَيْتَ اِنْ فُعِلَ ذٰلِكَ بِكَ اَنْ
تَسْئَلَ غَيْرَ ذٰلِكَ فَيَقُوْلُ لَا وَ عِزَّتِكَ
فَيُعْطِي اللّٰهُ عَزَّ وَ جَلَّ مَا يَشَاءُ مِنْ
عَهْدٍ وَّ مِيْثَاقٍ فَيَصْرِفُ اللّٰهُ وَجْهَهُ
عَنِ النَّارِ فَاِذَا اَقْبَلَ بِهٖ عَلَى الْجَنَّةِ
رَاٰى بَهْجَتَهَا سَكَتَ مَا شَاءَ اللّٰهُ اَنْ
يَسْكُتَ ثُمَّ قَالَ يَارَبِّ قَدِّمْنِي عِنْدَ
بَابِ الْجَنَّةِ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ لَهٗ اَلَيْسَ قَدْ
اَعْطَيْتَ الْعُهُوْدَ وَ الْمِيْثَاقَ اَنْ لَّا
تَسْئَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنْتَ سَأَلْتَ فَيَقُوْلُ
يَارَبِّ لَا اَكُوْنَ اَشْقٰى خَلْقِكَ فَيَقُوْلُ
فَمَا عَسَيْتَ اِنْ اُعْطِيْتَ ذٰلِكَ اَنْ لَّا
تَسْأَلَ غَيْرَهٗ فَيَقُوْلُ لَا وَ عِزَّتِكَ لَا
اَسْئَلُكَ غَيْرَ ذٰلِكَ فَيُعْطِيْ رَبَّهٗ مَا شَاءَ
مِنْ عَهْدٍ وَّ مِيْثَاقٍ فَيُقَدِّمُهٗ اِلٰى بَابِ
الْجَنَّةِ فَاِذَا بَلَغَ بَابَهَا فَرَاٰى زَهْرَتَهَا
وَمَا فِيْهَا مِنَ النَّضْرَةِ وَ السُّرُوْرِ فَسَكَتَ
مَا شَاءَ اللّٰهُ اَنْ يَّسْكُتَ فَيَقُوْلُ يَا
رَبِّ اَدْخِلْنِي الْجَنَّةَ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ
عَزَّ وَجَلَّ وَيْحَكَ يَا ابْنَ اٰدَمَ مَا اَغْدَرَكَ
اَلَيْسَ قَدْ اَعْطَيْتَ الْعَهْدَ وَالْمِيْثَاقَ
اَنْ لَّا تَسْاَلَ غَيْرَ الَّذِيْ اُعْطِيْتَ فَيَقُوْلُ
يَارَبِّ لَا تَجْعَلْنِيْ اَشْقٰى خَلْقِكَ
فَيَضْحَكُ اللّٰهُ مِنْهُ ثُمَّ يَأْذَنُ
لَهٗ فِيْ دُخُوْلِ الْجَنَّةِ فَيَقُوْلُ
تَمَنَّ فَيَتَمَنّٰى حَتّٰى اِذَا انْقَطَعَ اُمْنِيَّتُهٗ
قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَ جَلَّ زِدْ مِنْ كَذَا
اَقْبَلَ يُذَكِّرُهٗ رَبُّهٗ حَتّٰى اِذَا انْتَهَتْ

پھیر دے کیونکہ اس کی بدبو مجھے مارے ڈال رہی ہے اور
اس کی چمک مجھے جلائے دیتی ہے اللہ تعالٰی فرمائے گا
اچھا اگر میں یہ کر دوں تو پھر تو کوئی اور درخواست نہیں
کریگا۔ وہ عرض کریگا ہرگز نہیں تیری عزت کی قسم۔ اور
جس جس طرح اللہ چاہے گا وہ عہد و پیمان کریگا۔ آخر اللہ
تعالٰی اس کا منہ دوزخ کی طرف سے پھیر دیگا۔ جب وہ
بہشت کی طرف منہ کریگا تو وہاں کی بہار دیکھ کر جتنی دیر
اللہ کو منظور ہے۔ خاموش رہیگا۔ پھر دوسرا عرض کریگا
اے میرے رب مجھ کو جنت کے دروازے پر پہنچا دے اللہ
تعالٰی فرمائے گا کیا تو نے عہد و پیمان نہیں کیا تھا کہ اب
میں کسی چیز کا سوال نہیں کروں گا بندہ عرض کرے گا:
پروردگار بیشک، مگر کیا تیری مخلوق میں ایک میں ہی بدنصیب
رہوں گا۔ ارشاد ہوگا اچھا اگر میں یہ درخواست بھی تیری پوری
کر دوں تو پھر دیکھ تو نہیں مانگے گا وہ کہیگا نہیں تیری عزت
عزت کی قسم میں اس کے علاوہ اور کوئی تجھ سے سوال نہیں کروں گا
اور جو جو اللہ چاہے گا اس سے عہد و پیمان لیگا۔ اللہ اس کو جنت
کے دروازے کے قریب کر دیگا پس جب وہ جنت کے دروازے پر
پہنچیگا وہاں کی بہار تر و تازگی اور فرحت دیکھ کر جتنی دیر اللہ کو
منظور ہے خاموش رہے گا۔ پھر وہ پھر درخواست پیش کریگا
اے میرے رب مجھ کو جنت میں داخل کر دے اللہ عز و جل
فرمائے گا اے آدم کے بیٹے تجھ پر افسوس ہے کتنا وعدہ خلاف
ہے کیا تو نے ایسے عہد و پیمان نہیں کئے تھے کہ اب میں اور
عطا اور کوئی چیز نہیں مانگوں گا۔ وہ کہے گا بے شک کئے
تھے مگر میرے مالک! مجھ کو اپنی تمام مخلوق میں بدنصیب نہ
بنا اس پر اللہ عز و جل ہنسے گا۔ فرمائے گا پھر اس کو جنت میں
جانے کی اجازت دے دے گا اور فرمائے گا کہ آرزو میں
کر پس وہ آرزوئیں کرے گا یہاں تک کہ اس کی سب آرزوئیں
ختم ہو جائیں گی۔ تو اللہ عز و جل فرمائے گا یہ بھی تو مانگ یہ بھی تو
مانگ غرض یہ کہ اللہ اس کو یاد دلائے گا۔ یہاں تک کہ

بِهِ الْاَمَانِيُّ قَالَ اللّٰهُ لَكَ ذٰلِكَ وَمِثْلُهٗ مَعَهٗ وَقَالَ اَبُوْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيُّ لِاَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ لَكَ ذٰلِكَ وَعَشَرَةُ اَمْثَالِهٖ قَالَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ لَمْ اَحْفَظْهُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَّا قَوْلَهٗ لَكَ ذٰلِكَ وَمِثْلُهٗ مَعَهٗ قَالَ اَبُوْ سَعِيْدٍ اِنِّيْ سَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ ذٰلِكَ لَكَ وَعَشَرَةُ اَمْثَالِهٖ (بخاری)

جب اس کی تمام آرزوئیں ختم ہو جائیں گی تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا یہ سب تجھ کو دیں اور اس کے ساتھ اتنی ہی اور دیں۔ ابو سعید خدری نے ابو ہریرہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس حدیث میں) یوں فرمایا تھا کہ اللہ عز وجل ارشاد فرمائے گا کہ یہ سب تجھ کو دیں اور اس کے ساتھ دس گنا اور دیں۔ تو ابو ہریرہ نے کہا کہ مجھے تو یاد نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا ہو۔ آپ نے یہی فرمایا تھا کہ یہ سب تجھ کو دیں اور اتنی ہی اور۔ ابو سعید نے کہا میں نے نبی علیہ السلام سے سنا آپ فرماتے تھے یہ سب تجھ کو دیں اور دس گنا اور۔

فوائد و مسائل (۱) اس حدیث کو امام نے صفۃ الجنۃ میں اور امام مسلم نے کتاب الایمان میں ذکر کیا (۲) عنوان کے مطابق حدیث کے صرف یہ لفظ ہیں وحرم اللّٰہ علی النار ان تاکل اثر السجود۔ جس سے سجدہ کی فضیلت نکلتی ہے۔ کہ جہنم کی آگ سجدہ کے نشان والی جگہ کو نہیں جلائے گی (۳) سجدہ میں بندہ کو اپنے رب سے انتہائی قرب ہوتا ہے بعدہ عاجزی کی انتہا ہے کہ بندہ اپنے اعضا میں سے جو سب سے اکرم و افضل عضو ہے اسے بھی بارگاہ خداوندی میں جھکا دیتا ہے اور اس طرح کی عاجزی غیر اللہ کے لئے جائز نہیں ہے اسی لئے غیر اللہ کے لئے سجدہ تعظیمی سخت حرام ہے اور سجدہ عبادت شرک ہے (۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قیامت کے دن دیدار الٰہی حق ہے۔ قرآن مجید میں ہے وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربہا ناظرۃ (۵) جنت دوزخ، صراط، حشر و نشر اور قیامت کے دن حساب و کتاب حق ہے (۶) نماز تمام اعمال خیر میں افضل و اکرم ہے (۷) اس حدیث میں بندوں کے ساتھ اللہ عز وجل کے فضل و کرم کا بیان ہے کہ وہ مالک مطلق ہے وہ جسے چاہے جس طرح چاہے اپنے بندوں کی بخشش فرمائے۔

طاغوت کے معنی طاغوت طغیان سے مشتق ہے اور مبالغہ کے لئے آتا ہے۔ طغیان کے اصل معنی ظلم اور معاصی میں حد سے گزرنے کے ہیں۔ منجد ص ۴۸۱ میں ہے۔ طغی الرجل اسرف فی الظلم والمعاصی دستور العلماء جلد دوم ص ۲۸۳ میں ہے (الطغیان) مجاوزۃ الحد فی العصیان یعنی نافرمانی میں حد سے گزر جانے کو طغیان کہتے ہیں۔ چونکہ اصل معنی ہر مشتق میں ضرور ملحوظ رہتے ہیں۔ اس لئے اہل لغت و علماء مفسرین و محدثین نے طاغوت کے معنی کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا ہو فعلوت من طغی بالقلب کل راس فی الضلال او الساحر او الکاہن و مردۃ الکتابی۔ مجمع بحار الانوار جلد دوم ص ۳۴۴ یعنی طاغوت فعلوت کے وزن پر (دمنو کا سینہ) طغی سے ماخوذ ہے۔ قلب (مکانی) کے ساتھ (یعنی یہ مقلوب العین واللام ہے) طاغوت ہر اس شخص کو کہتے ہیں جو گمراہی میں سردار ہو یا ساحر یا کاہن یا سرکش اہل کتاب کو طاغوت کہا جاتا ہے۔ منجد ص ۴۸۱ میں ہے (الطاغوت) کل متعد کل راس ضلال الشیطان الصارف عن طریق الخیر کل معبود دون اللّٰہ یعنی ہر اس شخص کو طاغوت کہتے ہیں جو حد سے گزر جانے والا ہے۔ اور گمراہی کا ہر سردار طاغوت ہے۔ شیطان جو لوگوں کو خیر کے راستے سے پھیر دینے والا ہے

طاغوت ہے۔ اور اللہ کے سوا ہر معبود کو طاغوت کہتے ہیں۔

لیکن یہاں یہ بات ملحوظ رہے کہ اللہ کے سوا ہر معبود سے وہی معبود مراد ہے۔ جس میں طغیان کے یہ معنی یعنی ظلم اور معاصی میں حد سے گزر نا پائے جاتے ہوں یا وہ معبود لوگوں کے ظلم و معاصی میں حد سے گزرنے کا سبب ہو سکے۔ جس میں طغیان کے یہ معنی نہ پائے جائیں وہ طاغوت کی تعریف میں شامل نہیں۔ کیونکہ یہ مشتق ہے ... اس کے اصل ماخذ اور مشتق منہ کے معنی کا پایا جانا ضروری ہے ورنہ اشتقاق صحیح نہ ہوگا۔

فرشتوں اور رسول اور اللہ تعالٰی کے تمام نیک بندوں کے علاوہ ہر معبود من دون اللہ یا بذات خود ظلم اور معاصی میں حد سے متجاوز ہوتا ہے جیسے شیطان اور ساحر اور کاہن وغیرہ کہ ان کے طغیان میں کسی کو ذرہ بھر شک و شبہ نہیں ہو سکتا۔ یا اس تجاوز و طغیان کا سبب ہوتا ہے۔ جیسے اصنام و اوثان کہ ان چیزوں میں طغیان کے معنی صفت بحال متعلق کے طور پر پائے جاتے ہیں۔ چونکہ بتوں میں طغیان کی یہ نجاست مبالغہ کے ساتھ پائی جاتی ہے اس لئے اللہ تعالٰی نے مبالغۃً ان بتوں کو عین نجاست قرار دیا۔ اور قرآن مجید میں ارشاد فرمایا فاجتنبوا الرجس من الاوثان نجاست سے بچو جو عین اوثان ہے۔ بخلاف اللہ کے نیک بندوں کے کہ وہ طغیان اور سرکشی سے بالکل پاک ہیں ان میں یہ تمرد اور سرکشی و خبث اور نجاست جو لوازم طغیان ہیں ادنٰی مصداق درجہ میں بھی موجود نہیں۔ پھر جائیکہ مبالغہ کے ساتھ یہ صفات خبیثہ ان میں پائی جائیں لہٰذا جب طاغوت کے اصل ماخذ ہی سے اللہ کے نیک بندے پاک ہیں تو ان پر لفظ طاغوت کا بولنا کیسے جائز ہو سکتا ہے

حیرت و افسوس ہے کہ بعض دیوبندی مولوی انبیاء کرام اور فرشتوں پر بھی لفظ طاغوت بولتے اور لکھتے ہیں۔ جن کی عبادت کی گئی ہے۔ حالانکہ آج تک کسی نے بھی باوجود اس بات کے کہ بعض رسولوں اور فرشتوں کی عبادت کی گئی ہے۔ طاغوت نہیں کہا اور اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ان کی ذوات قدسیہ طغیان کے اصل ماخذ ہی سے پاک ہوتی ہیں۔ اس لئے ان کو طاغوت کہنا کسی طرح جائز ہی نہیں ہو سکتا۔

چنانچہ تفسیر ابن عباس صہ۲ پر ہے بالطاغوت الشیطان انتہٰی تفسیر خازن جلد اول صہ۱۹۲ پر ہے فمن یکفر بالطاغوت یعنی الشیطان وقیل هو الساحر وقیل الکاهن وقیل هو کل ما عبد من دون اللّٰه تعالٰی وقیل کل ما یطغی الانسان فهو طاغوت فاعول من الطغیان انتہٰی۔ معالم التنزیل جلد اول صفحہ ۲۲۰ پر ہے فمن یکفر بالطاغوت یعنی بالشیطان وقیل کل ما عبد من دون اللّٰه فهو طاغوت وقیل کل ما یطغی الانسان فاعول من الطغیان انتہٰی تفسیر ملک مصری جلد اول صہ۲ پر ہے فمن یکفر بالطاغوت بالشیطان والاصنام انتہٰی امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ لفظ طاغوت کے تحت تفسیر کبیر جلد دوم صہ۲ پر ارقام فرماتے ہیں ذکر المفسرون فیه خمسة اقوال الاول، قال عمر ومجاهد وقتادة هو الشیطان والثانی قال سعید بن جبیر الکاهن والثالث، قال ابو العالیة هو الساحر والرابع، قال بعضهم الاصنام والخامس، انه مردة الجن والانس وکل ما یطغی والتحقیق انه لما حصل الطغیان عند الاتصال بهٰذه الاشیاء جعلت هٰذه الاشیاء اسبابا للطغیان کما فی قوله رب انهن اضللن کثیرا من الناس. انتہٰی روح المعانی میں ہے۔ فمن یکفر بالطاغوت ای الشیطان وهو المروی عن عمر بن الخطاب والحسین بن علی رضی اللّٰه تعالٰی عنهم وبه قال مجاهد وقتادة وعن سعید بن جبیر وعکرمة انه الکاهن وعن ابی العالیة انه الساحر وعن مالک بن انس کل ما عبد من دون اللّٰه وعن بعضهم الاصنام والاولٰی ان یقال بعمومه

سائر ما يطغى و يحمل الانتصار على بعض لى تلك الاقوال من باب التمثيل انتہی۔ بیضاوی شریف صفحہ ۲ پر ہے۔

(فمن يكفر بالطاغوت) بالشيطان او الاصنام او كل ما عبد من دون الله او صد عن عبادة الله فعلوت من الطغيان قلبت عينه ولامه انتہی تفسیر ابوسعود جلد اول صفحہ ۵ یہ اولیاءهم الطاغوت کے تحت ہ تمام فرماتے ہیں ای الشیطان وسائر المضلين عن طريق الحق انتہی۔ علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ بیضاوی شریف صفحہ ۱۲۲ پر اولياءهم الطاغوت کے تحت مقام فرماتے ہیں ای الشياطين والمضلات من الهوى والشيطن وغيرهما۔ انتہی۔ ان تمام عبارات منقولہ میں طاغوت کے جو معنی بیان کئے گئے ہیں ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ ساحر و کاہن و شیطان و اصنام طاغوت ہیں اور ہر معبود من دون اللہ جو انسان کو گمراہ کرنے والا اس کی گمراہی کا سبب ہے قرآنی اصطلاح میں طاغوت کہا جاتا ہے۔ خیر سے روکنے والے اور طریق حق سے گمراہ کرنے والے سرکش جن اور انسان طاغوت ہیں۔ دیوبندی مولویوں نے بعض مقامات پر کل ما عبد من دون اللہ سے دھوکہ کھایا اور ما کے عموم میں ملائکہ و رسل کرام علیہم السلام کو شامل کر لیا۔ مگر یہ نہ سمجھا کہ جن علماء و مفسرین نے طاغوت کے معنی بیان کرتے ہوئے کل ما عبد من دون اللہ تعالیٰ لکھا ہے انہوں نے وہاں یہ تصریح بھی فرما دی ہے کہ طاغوت طغیان سے مشتق ہے جیسا کہ خازن مقام۔ کبیر روح المعانی اور بیضاوی سے ہم ابھی نقل کر چکے ہیں۔

مولانا بیضاوی علیہ الرحمۃ نے تصریح فرمائی کہ فعلوت من الطغيان یعنی طاغوت فعلوت کے وزن پر مبالغہ کا صیغہ اور طغیان سے مشتق ہے۔ روح المعانی و معالم دونوں تفسیروں میں یہ عبارت مرقوم ہے فعلول من الطغيان یعنی طاغوت فعلول کے وزن پر طغیان سے مشتق ہے۔ ان تصریحات کے ہوتے ہوئے ایک معمولی سمجھ والا انسان بھی نہایت آسانی سے اس بات کو سمجھ سکتا ہے کہ لفظ طاغوت جب طغیان سے مشتق ہے تو اس میں طغیان کے معنی ملحوظ ہوں گے۔ اور چونکہ یہ مبالغہ کا صیغہ ہے اس لئے اس میں مبالغہ کے ساتھ طغیان کا ہونا ضروری ہے تو یہ بات کس قدر واضح ہے کہ کل ما عبد من دون اللہ کے جن افراد پر طاغوت صادق ہے گا ان میں مبالغہ کے ساتھ طغیان کے معنی کا ہونا یقینی ہے۔ اب بتلائیے ملائکہ کرام اور رسل عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام میں مبالغہ کے ساتھ طغیان کا پایا جانا تو درکنار طغیان کا تصور بھی ان کے حق میں نہیں ہو سکتا۔ تو پھر ما کے عموم میں وہ کس طرح شامل ہو سکتے ہیں؟ مفسرین کرام نے اس اشتباہ سے زیادہ روشن عبارات میں تصریحات فرمائیں کہ طاغوت وہی ہے جس سے طغیان سرزد ہو اور وہ اس صفت طغیان کے باعث فی نفسہ مذموم و متمرد ہو۔ دیکھئے تفسیر روح البیان جلد ۲ صفحہ ۲ پر ہے (فمن يكفر بالطاغوت) هو كل ما عبد من دون الله مما هو مذموم فی نفسه و متمرد كالانس والجن والشياطين وغيرهم فلا يرد عيسى عليه الصلوة والسلام انتہی۔ سبحان اللہ اس عبارت نے تو صداقت و حقانیت کے پرچم لہرا دیئے اور طاغوت وہابیت کے پرخچے اڑا دیئے۔ دیکھئے امام اہل علامہ اسمٰعیل بروسوی قدس سرہ العزیز نے طاغوت کے معنی بیان کرتے ہوئے فرمایا هو كل ما عبد من دون الله یہ عبارت بعینہٖ وہی ہے جو گنگوہی صاحب کے شاگرد رشید نے جنۃ الجبرین میں لکھی ہے لیکن علامہ اسمٰعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ نے "مما هو مذموم فی نفسه" الخ سے اس ما کا بیان کر دیا جس کے عموم میں مولوی حسین علی نے ملائکہ و رسولوں کو شامل کر کے معاذ اللہ ان کو طاغوت کہنا جائز قرار دیا ہے علامہ اسمٰعیل حقی علیہ الرحمۃ نے اس حقیقت کو ایسی طرح واضح فرما دیا کہ عبارت مذکورہ کل ما عبد من دون اللہ میں صرف وہی افراد شامل ہیں جن کے اندر طغیان کے معنی سرکشی و ظلم و عصیان اپنی حد سے تجاوز کرتا پائے جائیں اور وہ اس صفت مذمومہ کی وجہ سے مذموم فی نفسہٖ ہوں جیسے انس و جن اور شیاطین اور جو متمرد و مذموم ہیں۔ پھر فرماتے ہیں فلا يرد عيسى عليه السلام یعنی جب کل ما عبد من دون اللہ کے معنی یہ ہیں کہ ہر وہ معبود من دون اللہ طاغوت ہے جو مذموم فی نفسہٖ اور متمرد و سرکش ہو تو اب یہ احتمال وارد نہ ہوگا کہ

جیسے عیسیٰ علیہ السلام کہ بھی معبود من دون اللہ ہونے کی وجہ سے طاغوت ہیں۔ اس تقریر پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ملائکہ و دیگر صالحین کرام، جن کی عبادت کی گئی طاغوت کی تعریف میں اس لئے نہیں آتے کہ طاغوت وہ معبود من دون اللہ ہے جو متمرد و سرکش، اور مذموم فی نفسہ ہو۔ چونکہ وہ حضرات مذموم فی نفسہ نہیں۔ ان میں کسی قسم کا تمرد وغیرہ نہیں پایا جاتا لہٰذا ان پر طاغوت کی تعریف صادق نہیں آتی۔ صاحب تفسیر روح البیان کی اس ایمان افروز تفسیر سے شکوک و اوہام کی تمام ظلمتیں کافور ہو گئیں۔ اس بیان میں صاحب روح البیان منفرد نہیں بلکہ ہر مفسر نے اپنے مخصوص انداز میں اس امر کو واضح کر دیا ہے کہ رسل و ملائکہ و دیگر صالحین و مقربین کی عبادت کی گئی ہو، وہ پھر بھی طاغوت نہیں کیونکہ طاغوت وہی ہو سکتا ہے جس میں طغیان کے معنی پائے جائیں۔ دیکھئے روح المعانی پارہ ۳ صفحہ ۱۳ سے جو عبارت ہم نقل کر چکے ہیں اس کے طاغوت کے معنی میں بعض صحابہ و تابعین وغیرہم سے پانچ قول نقل کئے ہیں۔

۱۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے نزدیک طاغوت شیطان ہے۔ حضرت مجاہد و حضرت قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔

۲۔ سعید بن جبیر اور عکرمہ فرماتے ہیں کہ طاغوت کاہن ہے۔ ۳۔ ابوالعالیہ فرماتے ہیں کہ طاغوت ساحر ہے۔

۴۔ حضرت امام مالک بن انس فرماتے ہیں کہ کل ما عبد من دون اللہ کو طاغوت کہتے ہیں۔

۵۔ بعض مفسرین کا مذہب ہے کہ طاغوت اصنام ہیں۔

ان اقوال کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں والاولی ان یقال بعمومہ سائر ما یطغی ویحمل الاقتصار علی بعض فی تلک الاقوال من باب التمثیل۔ یعنی بہتر یہ ہے کہ لفظ طاغوت کو عام رکھا جائے اور اس کے مفہوم عام میں سرکشیاں تمام چیزوں کو شامل کر لیا جائے جو سرکش ہیں اور جن اقوال میں بعض چیزوں پر اقتصار کیا گیا ہے، اسے باب تمثیل پر محمول کیا جائے۔

یہ عبارت اس مطلب میں صریح ہے کہ کل ما عبد من دون اللہ سے وہی معبودین من دون اللہ مراد ہیں، جن میں طغیان کے معنی پائے جائیں۔ ملائکہ اور رسل ہرگز مراد نہیں کیونکہ وہ طغیان سے پاک ہیں۔

امام فخرالدین رازی اور علامہ سید محمود آلوسی صاحب روح المعانی نے اپنی تفسیروں میں طاغوت کے معنی میں پانچ قول نقل کئے ہیں چار میں دونوں متفق ہیں (۱) شیطان (۲) ساحر (۳) کاہن (۴) اصنام۔ پانچویں قول میں عنوان بیان مختلف ہے۔ صاحب روح المعانی نے فرمایا۔ کل ما عبد من دون اللہ اور امام رازی نے اس کی بجائے فرمایا مردۃ الجن والانس وکل ما یطغی۔ طاغوت کی تعبیر میں کل ما عبد من دون اللہ۔ امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے۔ لیکن امام رازی نے اس کی بجائے "مردۃ الجن والانس وکل ما یطغی" ارشاد فرما کر واضح فرما دیا کہ ما عبد سے مراد سرکش اور متمرد جن وانس ہیں اور وہ چیزیں جو طغیانی ہونے کے باعث مذموم فی نفسہ ہیں۔ دونوں اماموں کے اقوال میں صرف عنوان مختلف ہیں معنوں میں کوئی فرق نہیں۔

الغرض انبیاء و ملائکہ میں سے جن نفوس قدسیہ کو جاہلوں نے اللہ بنا لیا اور ان کی عبادت شروع کر دی ان کو طاغوت کہنا کسی طرح بھی درست نہیں۔

سجدے کے ضروری مسائل اور سجدہ کرنے کا طریقہ

نوافل نمازوں میں سے پانچواں فرض سجدہ ہے۔ سجدہ میں بندہ کو اپنے رب سے بہت ہی قرب ہوتا ہے اور یہ حاضری کی وہ حالت ہے کہ بندہ اپنے اعضاء میں سے جو سب سے اکرم و اشرف ہے اسے بھی بارگاہ ایزدی میں جھکا دیتا ہے۔ پیشانی کا زمین پر رکھنا سجدہ کی حقیقت ہے اور پاؤں کی ایک انگلی کا پیٹ زمین سے لگنا شرط ہے۔ سجدہ میں جاتے تو زمین پر پہلے گھٹنے رکھے۔ پھر ہاتھ پھر ناک پھر پیشانی اور سجدہ سے جب اٹھے تو اس کا عکس کرے یعنی پہلے پیشانی اٹھائے پھر ناک پھر ہاتھ پھر گھٹنے جیسا کہ حدیث وائل سے ثابت ہے کہ حضور علیہ السلام

إِذَا سَجَدَ وَضَعَ رُكْبَتَيْهِ قَبْلَ يَدَيْهِ وَإِذَا نَهَضَ رَفَعَ يَدَيْهِ قَبْلَ رُكْبَتَيْهِ (بخاری)

جب سجدہ فرماتے تو پہلے گھٹنے رکھتے پھر ہاتھ اور جب سجدہ سے اٹھتے تو پہلے ہاتھ اٹھاتے پھر گھٹنے۔

(۳) سجدہ میں منہ کو دونوں ہتھیلیوں کے درمیان اور ہاتھوں کو کانوں کے برابر رکھے حضرت وائل کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے سجدہ کیا

سَجَدَ فَوَضَعَ وَجْهَهُ بَيْنَ كَفَّيْهِ (مسلم)

تو اپنے چہرہ اقدس کو اپنی دونوں ہتھیلیوں کے درمیان رکھا۔ (زیلعی۔ نصب الرایہ صہ ۳۸۰)

فَلَمَّا سَجَدَ وَضَعَ يَدَيْهِ حِذَاءَ أُذُنَيْهِ (طحاوی صہ ۱۵۱)

حضور نے سجدہ کیا تو آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو کانوں کے برابر رکھا۔

بَابُ يُبْدِي ضَبْعَيْهِ وَيُجَافِي فِي السُّجُودِ

باب سجدہ میں دونوں بازو کھلے اور پیٹ کو رانوں سے الگ رکھے۔

(۱) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَالِكِ بْنِ بُحَيْنَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا صَلَّى فَرَّجَ بَيْنَ يَدَيْهِ حَتَّى يَبْدُوَ بَيَاضُ إِبْطَيْهِ (بخاری)

حضرت عبداللہ بن مالک بن بحینہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز پڑھتے تو سجدہ میں اپنے دونوں ہاتھ پہلو سے الگ رکھتے یہاں تک کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی ظاہر ہو جاتی۔

(۲) سجدہ میں بازوؤں کو پہلوؤں سے علٰحدہ رکھے جیسا کہ بخاری کی زیر عنوان حدیث سے واضح ہوتا ہے۔ اور طحاوی میں ہے کہ

إِذَا سَجَدَ جَافَى عَضُدَيْهِ عَنْ جَنْبَيْهِ (عمدۃ الرعایہ صہ ۱۶۱)

حضور علیہ السلام جب سجدہ فرماتے تو اپنے بازوؤں کو پہلوؤں سے الگ رکھتے۔

إِذَا سَجَدَ جَافَى بِيَدَيْهِ حَتَّى لَوْ أَنَّ بَهِيمَةً أَرَادَتْ أَنْ تَمُرَّ تَحْتَ يَدَيْهِ مَرَّتْ (مسلم۔ ابوداؤد۔ مشکوٰۃ)

حضرت میمونہ کہتی ہیں کہ حضور جب سجدہ کرتے تو ہاتھوں کو پہلو سے اتنا دور رکھتے کہ اگر بکری کا بچہ آپ کے ہاتھوں کے نیچے سے گزرنا چاہتا تو گزر سکتا۔

یعنی سجدہ کے وقت کہنیاں پیٹ سے، ران پہلو سے اور زمین سے الگ ہوں اور سجدہ اتنا فراخ ہو کہ اگر بکری کا چھوٹا بچہ گزرنا چاہے تو گزر جائے۔

(۴) سجدہ میں بازو زمین پر نہ بچھائے مسلم میں براء بن عازب سے مروی ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا جب تو سجدہ کرے تو ہتھیلی کو زمین پر رکھ دے اور کہنیاں اٹھائے حضرت انس سے مروی ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا

اِعْتَدِلُوا فِي السُّجُودِ وَلَا يَبْسُطْ أَحَدُكُمْ ذِرَاعَيْهِ انْبِسَاطَ الْكَلْبِ (بخاری)

سجدہ میں اعتدال کرو اور کتے کی طرح کلائیاں زمین پر نہ بچھاؤ۔

(۵) سجدہ میں ہاتھوں کی انگلیوں کو ملا کر رکھے کشادہ نہ رکھے حضرت وائل فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام

إِذَا سَجَدَ ضَمَّ أَصَابِعَهُ (ابن حبان۔ بلوغ المرام)

جب سجدہ فرماتے تو اپنی انگلیوں کو ملا کر رکھتے۔

بَابٌ يَسْتَقْبِلُ بِأَطْرَافِ رِجْلَيْهِ الْقِبْلَةَ

باب سجدہ میں دونوں پاؤں کی انگلیاں قبلہ کی طرف رکھے۔

قَالَهُ أَبُو حُمَيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ ابوحمید نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے۔

(۶) سجدہ میں ہاتھ اور پاؤں کی انگلیوں کو قبلہ رخ رکھے۔ جیسا کہ حدیث بخاری سے واضح ہے حضرت ابوحمید نے

حضور کی نماز پڑھ کر دکھائی۔ تو جب سجدہ کیا تو دونوں ہاتھوں کو زمین پر رکھا۔ نہ ہاتھوں کو بچھایا اور نہ ان کو پہلوں کے ساتھ ملایا۔

وَاسْتَقْبَلَ بِاَطْرَافِ اَصَابِعِ رِجْلَيْهِ الْقِبْلَةَ (بخاری)

اور پاؤں کی انگلیوں کو قبلہ رخ رکھا۔

فائدہ: اس حدیث سے فقہاء احناف نے یہ استدلال کیا کہ پاؤں کی انگلیاں قبلہ رخ اسی صورت میں ہو سکتی ہیں جبکہ پاؤں کی انگلیوں کے پیٹ زمین سے لگ جائیں۔ لہٰذا پاؤں کی ایک انگلی کے پیٹ کا زمین سے لگنا شرط ہے۔ تو اگر پاؤں زمین سے اٹھے سب نماز نہ ہوئی اسی طرح اگر صرف انگلی کی نوک زمین سے لگی جب بھی نماز نہ ہوگی۔ پاؤں کی دسوں انگلیوں کے پیٹ زمین پر لگنا سنت ہے۔ اور ہر پاؤں کی تین انگلیوں کے پیٹ زمین پر لگنا واجب ہے۔ اور دسوں انگلیوں کا قبلہ رخ ہونا سنت ہے۔ سجدہ کے ان مسائل سے عموماً لوگ ناواقف ہیں۔ خیال کرنا چاہیے۔

بَابُ السُّجُوْدِ عَلٰى سَبْعَةِ اَعْظُمٍ

باب سات ہڈیوں پر سجدہ کرنا

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اُمِرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّسْجُدَ عَلٰى سَبْعَةِ اَعْضَاءٍ وَّلَا يَكُفَّ شَعْرًا وَّلَا ثَوْبًا اَلْجَبْهَةِ وَالْيَدَيْنِ وَالرُّكْبَتَيْنِ وَالرِّجْلَيْنِ۔

حضرت ابن عباس سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو رب جانب اللہ حکم دیا گیا کہ آپ سات اعضاء پر سجدہ کریں اور کپڑوں اور بالوں کو نہ سمیٹیں وہ سات عضو یہ ہیں پیشانی اور دونوں ہاتھ گھٹنے اور دونوں پاؤں۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اُمِرْنَا اَنْ نَّسْجُدَ عَلٰى سَبْعَةِ اَعْظُمٍ وَّلَا نَكُفَّ شَعْرًا وَّلَا ثَوْبًا (بخاری)

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم کو اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ ہم سات ہڈیوں پر سجدہ کریں اور نماز میں بالوں اور کپڑوں کو نہ سمیٹیں۔

(۲) سجدہ سات اعضاء پر کیا جائے جیسا کہ بخاری کی زیر عنوان حدیث میں ہے۔ پیشانی۔ دونوں ہاتھ۔ دونوں گھٹنے اور دونوں پاؤں پر سجدہ ہو۔ اسی لئے سجدہ میں ایک پاؤں کا اٹھانا مکروہ ہے۔

بَابُ السُّجُوْدِ عَلَى الْاَنْفِ

باب۔ سجدے میں ناک بھی زمین سے لگانا چاہیئے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُمِرْتُ اَنْ اَسْجُدَ عَلٰى سَبْعَةِ اَعْظُمٍ عَلَى الْجَبْهَةِ وَاَشَارَ بِيَدِهٖ عَلٰى اَنْفِهٖ وَالْيَدَيْنِ وَالرُّكْبَتَيْنِ وَاَطْرَافِ الْقَدَمَيْنِ وَلَا نَكْفِتَ الثِّيَابَ وَالشَّعْرَ (بخاری)

حضرت ابن عباس سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مجھ کو سات ہڈیوں پر سجدہ کرنے کا حکم ہوا ہے۔ پیشانی پر۔ اور آپ نے ناک کی طرف اشارہ کیا۔ اور دونوں ہاتھوں اور دونوں گھٹنوں اور دونوں پاؤں کی انگلیوں پر اور کہ ہم بال اور کپڑوں کو نہ سمیٹیں۔

(۵) سجدہ میں پیشانی اور ناک دونوں زمین پر رکھے جیسا کہ بخاری کی زیر عنوان حدیث سے ثابت ہے اور حدیث ابو حمید میں ہے۔

ثُمَّ سَجَدَ فَاَمْكَنَ اَنْفَهٗ وَجَبْهَتَهٗ مِنَ الْاَرْضِ (بخاری)

کہ حضور علیہ السلام نے سجدہ کیا۔ تو اپنی ناک اور پیشانی کو زمین پر رکھا۔

فتح القدیر میں بحوالہ ابو یعلی و طبرانی کے الفاظ یہ ہیں کہ

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَضَعُ اَنْفَهٗ عَلَى الْاَرْضِ مَعَ جَبْهَتِهٖ (فتح القدیر ص۲۱۳)

حضور علیہ السلام جب سجدہ فرماتے تو پیشانی کے ساتھ ناک بھی زمین پر رکھتے۔

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ جب بندہ سجدہ کرتا ہے تو اس کے ساتھ سات اعضا سجدہ کرتے ہیں۔

جَبْهَتُهٗ وَكَفَّاهُ وَرُكْبَتَاهُ وَقَدَمَاهُ (ترمذی)

منہ۔ دونوں ہاتھ۔ دونوں زانو۔ دونوں قدم

روایت مسلم میں ابن عباس کے لفظ یہ ہیں

الْجَبْهَةَ وَالْاَنْفَ وَالْيَدَيْنِ وَالرُّكْبَتَيْنِ وَالْقَدَمَيْنِ

وہ سات اعضاء پیشانی اور ناک دونوں ہاتھ۔ دونوں زانو دونوں قدم ہیں۔

(۸) مرد سجدہ میں بازو کھول کر رکھے یعنی عورت کی طرح سمٹ کر سجدہ نہ کرے حضرت براء بن عازب نے سجدہ کر کے دکھایا تو

رَفَعَ عَجِيْزَتَهٗ وَقَالَ هٰكَذَا كَانَ يَفْعَلُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (نصب الرایہ ص۳۸۷)

اپنے پیچھے کو اٹھایا۔ اور کہا حضور علیہ السلام اسی طرح سجدہ کرتے تھے۔

(۹) عورت سمٹ کر سجدہ کرے یعنی بازو کروٹوں سے ملائے اور پیٹ ران سے اور ران پنڈلیوں سے اور پنڈلیاں زمین سے۔ حدیث میں ہے کہ حضور علیہ السلام دو عورتوں پر گزرے جو نماز پڑھ رہی تھیں آپ نے فرمایا۔

اِذَا سَجَدْتُمَا فَضُمَّا بَعْضَ اللَّحْمِ اِلَى الْاَرْضِ

جب تم سجدہ کرو تو اپنے بعض اعضا کو زمین سے ملاؤ۔

اور بیہقی کی روایت کے یہ لفظ ہیں کہ

اِذَا سَجَدَتِ الْمَرْاَةُ اَلْصَقَتْ بَطْنَهَا بِفَخِذَيْهَا (عمدۃ الرعایہ ج۱ ص۱۶۵)

جب عورت سجدہ کرے۔ تو پیٹ رانوں کے ساتھ لگ جائے۔

(۱۰) سجدہ میں تین بار سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى پڑھا جائے جیسا کہ حدیث عبداللہ بن مسعود میں ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

اِذَا سَجَدَ فَلْيَقُلْ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى وَذٰلِكَ اَدْنَاهُ (ابوداؤد ج۱ ص۱۳۰)

کہ جب تو سجدہ کرے تو سجدہ میں تین بار سبحان ربی الاعلیٰ پڑھ اور یہ ادنیٰ درجہ ہے۔

(۱۱) سجدہ میں جاتے ہوئے اور سجدہ سے اٹھتے ہوئے اللہ اکبر کہے جیسا کہ حدیث ابوہریرہ سے ثابت ہے (بخاری، مسلم) مضمون حدیث گزشتہ اوراق میں متعدد بار گزر چکا ہے۔

(۱۲) پہلا سجدہ کر کے جب بیٹھے تو بایاں پاؤں بچھا کر بیٹھے چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام

يَفْرِشُ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى وَيَنْصِبُ رِجْلَهُ الْيُمْنٰى (مسلم۔ مشکوٰۃ ص۷۵)

بایاں پاؤں بچھاتے تھے۔ اور دایاں کھڑا کرتے تھے۔

اور حدیث ابوحمید ساعدی کے الفاظ یہ ہیں کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک سجدہ کے

ثُمَّ رَفَعَ رَاْسَهٗ وَثَنٰى رِجْلَهُ الْيُسْرٰى فَقَعَدَ عَلَيْهَا ثُمَّ اعْتَدَلَ حَتّٰى يَرْجِعَ كُلُّ عَظْمٍ فِيْ مَوْضِعِهٖ مُعْتَدِلًا ثُمَّ سَجَدَ (مشکوٰۃ ص۷۵)

بعد سر کو اٹھاتے اور بایاں پاؤں بچھاتے اور اس پر بیٹھتے اس طرح کہ ہر ہڈی اپنی جگہ پر برابر ہو جاتی پھر آپ دوسرا سجدہ کرتے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سجدہ میں تین بار تسبیح پڑھنے کے بعد سر اٹھائے۔ پھر ہاتھ اور داہنا قدم کھڑا کرے اور بایاں بچھائے اور اس پر خوب اچھی طرح بیٹھ جائے۔ حتی کہ ہر ہڈی اپنی جگہ پر آجائے ——— اسی سے جلسہ کی مقدار بھی معلوم ہوگئی کہ دو سجدوں کے درمیان اتنا ٹھہرے کہ ہر ہڈی اپنی جگہ پر آجائے اس کے بعد دوسرا سجدہ کرے۔

(۳) دوسرے سجدے سے سر اٹھانے کے وقت پہلے سر۔ پھر ہاتھ۔ پھر زانو اٹھائے۔ اور ہاتھ کو گھٹنوں پر رکھ کر پنجوں کے بل کھڑا ہو جائے جیسا کہ حدیث ذیل میں ہے کہ حضور علیہ السلام

وَاِذَا نَهَضَ رَفَعَ يَدَيْهِ قَبْلَ رُكْبَتَيْهِ (اتحاف السنن ص۲)

(ابوداؤد۔ نسائی۔ ترمذی و ابن ماجہ)

جب سجدہ سے اٹھتے تو ہاتھوں کو گھٹنوں سے پہلے اٹھاتے۔

فَاِذَا نَهَضَ نَهَضَ عَلٰى رُكْبَتَيْهِ وَاعْتَمَدَ عَلٰى فَخِذَيْهِ (ابوداؤد)

جب حضور سجدہ سے اٹھتے تو گھٹنوں اور رانوں پر اعتماد کرتے ہوئے اٹھتے۔

يَنْهَضُ فِى الصَّلٰوةِ عَلٰى صُدُوْرِ قَدَمَيْهِ

عمدۃ الرعایہ ص۱۵۹ (ترمذی)

حضور علیہ السلام نماز میں اپنے پنجوں کے بل سیدھا کھڑا ہوتے۔

بَابُ اِذَا لَمْ يُتِمَّ سُجُوْدَهٗ

باب سجدہ پورا نہ کرنا کیسا گناہ ہے۔

عَنْ حُذَيْفَةَ اَنَّهٗ رَاٰى رَجُلًا لَا يُتِمُّ رُكُوْعَهٗ وَلَا سُجُوْدَهٗ فَلَمَّا قَضٰى صَلٰوتَهٗ قَالَ لَهٗ حُذَيْفَةُ مَا صَلَّيْتَ وَاَحْسِبُهٗ قَالَ لَوْ مُتَّ مُتَّ عَلٰى غَيْرِ سُنَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (بخاری)

حضرت حذیفہ سے مروی ہے انہوں نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ نہ تو رکوع پوری طرح کر رہا تھا اور نہ سجدہ جب وہ نماز پڑھ چکا تو حضرت حذیفہ نے اس سے فرمایا تو نے نماز ہی نہیں پڑھی (راوی) نے کہا کہ میں سمجھتا ہوں کہ حذیفہ نے کہا کہ اگر مرے گا تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر نہیں مرے گا۔

حدیث بالا سے معلوم ہوا کہ رکوع و سجدہ کا اتمام واجبات نماز سے ہے۔ رکوع و سجدہ کو پورے طور پر ادا نہ کرنے سے نماز مکروہ ہو جاتی ہے۔

بَابُ السُّجُوْدِ عَلَى الْاَنْفِ فِى الطِّيْنِ

باب کیچڑ میں بھی ناک زمین پر لگائے

عَنْ اَبِىْ سَلَمَةَ قَالَ انْطَلَقْتُ اِلٰى اَبِىْ سَعِيْدِ الْخُدْرِىِّ فَقُلْتُ اَلَا تَخْرُجُ بِنَا اِلَى النَّخْلِ نَتَحَدَّثُ فَخَرَجَ قَالَ قُلْتُ حَدِّثْنِىْ مَا سَمِعْتَ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِىْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ قَالَ اعْتَكَفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعَشْرَ الْاَوَّلَ مِنْ رَمَضَانَ وَاعْتَكَفْنَا مَعَهٗ فَاَتَاهُ جِبْرِيْلُ فَقَالَ اِنَّ الَّذِىْ تَطْلُبُ اَمَامَكَ فَاعْتَكَفَ الْعَشْرَ الْاَوْسَطَ وَاعْتَكَفْنَا مَعَهٗ

حضرت ابو سلمہ سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ میں حضرت ابو سعید خدری کے پاس گیا اور کہا چلو کھجور کے باغ کی سیر کرلیں اور باتیں بھی کریں گے۔ وہ نکلے۔ ابو سلمہ نے کہا میں نے راہ میں ابو سعید سے کہا۔ کیا تم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے شب قدر کے بارے میں کچھ سنا ہو تو وہ بیان کرو۔ ابو سعید نے کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے پہلے عشرہ میں اعتکاف کیا اور ہم نے بھی آپ کے ساتھ اعتکاف کیا۔ پھر حضرت جبریل آپ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ آپ جس کی جستجو میں ہیں وہ آگے ہے۔ پھر آپ نے درمیان

فَأَتَاهُ جِبْرِيلُ فَقَالَ إِنَّ الَّذِي تَطْلُبُ أَمَامَكَ فَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطِيبًا صَبِيحَةَ عِشْرِينَ مِنْ رَمَضَانَ فَقَالَ مَنْ كَانَ اعْتَكَفَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلْيَرْجِعْ فَإِنِّي أُرِيتُ لَيْلَةَ الْقَدْرِ وَإِنِّي نُسِّيتُهَا وَإِنَّهَا فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ فِي وِتْرٍ وَإِنِّي رَأَيْتُ كَأَنِّي أَسْجُدُ فِي طِينٍ وَمَاءٍ وَكَانَ سَقْفُ الْمَسْجِدِ جَرِيدَ النَّخْلِ وَمَا نَرَى فِي السَّمَاءِ شَيْئًا فَجَاءَتْ قَزَعَةٌ فَأُمْطِرْنَا فَصَلَّى بِنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى رَأَيْتُ أَثَرَ الطِّينِ وَالْمَاءِ عَلَى جَبْهَةِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَرْنَبَتِهِ تَصْدِيقَ رُؤْيَاهُ۔ (بخاری)

عشرہ میں اعتکاف کیا اور ہم نے بھی آپ کے ہمراہ اعتکاف کیا پھر جبریل آپ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ آپ جس چیز (شب قدر) کی جستجو میں ہیں وہ آگے ہے۔ یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور رمضان کی بیسویں تاریخ کی صبح کو خطبہ سنایا اور فرمایا جس نے میرے ساتھ اعتکاف کیا وہ لوٹ آئے (اور پھر اعتکاف کرے) کیونکہ شب قدر مجھ کو دکھلائی گئی لیکن میں بھول گیا اور یہ شب رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں ہے اور میں نے یہ بھی دیکھا گویا اس شب کو میں پانی اور کیچڑ میں سجدہ کر رہا ہوں۔ ابو سعید نے کہا مسجد کی چھت کھجور کی شاخوں کی تھی۔ اور آسمان میں ابر وغیرہ کچھ بھی معلوم نہیں ہوتا تھا۔ اتنے میں ایک ہلکا سا بادل نمودار ہوا اور بارش ہوئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو نماز پڑھائی تو میں نے کیچڑ اور پانی کا نشان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی اور ناک کی نوک پر دیکھا۔ آپ کا خواب سچا ہوا۔

یہ حدیث مسائل ذیل پر مشتمل ہے۔

(۱) سجدہ پیشانی اور ناک پر کیا جائے۔

(۲) کیچڑ میں سجدہ جائز ہے جبکہ کیچڑ اکبر، اور پیشانی کو زمین پر جمنے سے نہ روکے

(۳) لیلۃ القدر رمضان کے آخری عشرہ میں ہوتی ہے۔

(۴) کسی حکمت کی بنا پر اللہ عزوجل کسی بات کو حضور علیہ السلام کے ذہن سے تا دیر بھلا دیتا ہے۔ مگر امور شرعیہ میں جن کی تبلیغ و اشاعت حضور کا فرض نبوت ہے اس میں نسیان نہیں ہو سکتا۔

(۵) سجدہ کے وقت ماتھے پر کچھ گرد و غبار لگ جائے تو اس کو صاف نہ کرنا مستحب ہے اور اگر صاف کرے تو بھی حرج نہیں۔

(۶) انبیاء کرام کے خواب حق ہوتے ہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔ اس حدیث مقدس پر پارہ سوم ختم ہو گیا اب انشاء اللہ العزیز پارہ چہارم شروع ہوگا۔

سید محمود احمد رضوی

۱۵ جولائی ۱۹۷۰ء